تفسیر نور

جلد اول

مؤلف

حجۃ الاسلام والمسلمین الحاج آقائے شیخ محسن قرائتی (مدظلہ)

مترجم

مولانا سید مجیب الحسن نقوی

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب	تفسیر نور
جلد	جلد اوّل
مصنف	حجۃ الاسلام والمسلمین الحاج آقائے شیخ محسن قرائتی (مدظلہ)
مترجم	مولانا سید مجیب الحسن نقوی
ڈیزائننگ وسیٹنگ	قلب علی سیال
کمپوزنگ	فضل عباس سیال (الحمد گرافکس لاہور)
سال اشاعت	2015ء
ناشر	مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور
ہدیہ	

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ ناشر

قارئین کرام!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ! مصباح القرآن ٹرسٹ۔۔۔۔۔عہد حاضر کی بعض عظیم ترین تفاسیر وتالیفات کی نشر واشاعت کے سلسلہ میں ایک عظیم اور پُر وقار مرکز کی حیثیت سے اُمت مسلمہ کیلئے اپنی عاجزانہ خدمات انجام دے رہا ہے۔ادارہ ھذا کی یہ شہرت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور آپ حضرات کی تائید واعانت کا ثمرہ ہے۔

زیر نظر تفسیری مجموعہ ''تفسیر نور جلد اوّل'' حجۃ الاسلام والمسلمین الحاج آقائے شیخ محسن قرائتی (مدظلہ) کی سعیٔ جمیلہ کا ثمر عظیم ہے۔جس کا اُردو میں ترجمہ مولانا سید مجیب الحسن نقوی نے کیا ہے۔تفسیر ہذا میں درج خصوصیات واضح طور پر عیاں ہیں۔

① ۔اس تفسیر میں فنی، ادبی، فقہی، کلامی اور فلسفی اصطلاحات جن کا سمجھنا ایک خاص گروہ کے کیلئے مخصوص ہوتا ہے، پرہیز کیا گیا ہے۔قرآن سے صرف ایسے نکات ذکر کیے گئے ہیں جن کا ترجمہ دنیا کی موجودہ زبانوں میں کرنا آسان ہو اور ان کے اندر ایک پیغام وراہنمائی پائی جائے۔ بلکہ آیت کی تفاسیر کو نکات اور پیغام کے عنوانات میں تقسیم کرکے انتہائی خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

② ۔تفسیر بہ رائے سے پرہیز کیا گیا ہے۔لہٰذا صرف آیات یا اہل بیت رسول علیہم السلام کی روایات میں ذکر ہونے والے متن سے استفادہ کیا گیا ہے۔

③ ۔زیادہ تر معتبر شیعہ، سنی تفاسیر سے حامل پیغام اور سبق آموز درس اخذ کیے گئے ہیں۔

قارئین کی خدمت میں اس عظیم تفسیری مجموعہ کی جلد اوّل پیشِ خدمت ہے ہمیں اُمید ہے کہ صاحبانِ علم وتحقیق حسبِ سابق ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی اس کوشش کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے اور اس گوہرِ نایاب سے بھرپور علمی وعملی استفادہ فرمائیں گے۔اور ادارہ کو اپنی قیمتی تجاویز وآراء سے ضرور مستفید فرمائیں گے

مزید برآں آپ ہماری تمام کتب بشمول تفسیر نور ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی ویب سائٹ کے ذریعے گھر بیٹھے پڑھ سکتے ہیں۔''www.misbahulqurantrust.com''۔۔۔والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

فہرست مضامین

عنوانات	صفحات
مقدمہ	36
معاونین	36
خصوصیات	37
تقریظ	38
مقدمہ ناشر	40
طریقہ کار	40
انداز بیان	40
ضروری تذکر	41
ثقافتی مرکز برائے درسہائے از قرآن	42
مقدمہ تجدید اشاعت	43
سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ	44
سورہ حمد کا ایک منظر	44
سورہ حمد کے تربیتی درس	45
آیت نمبر ۱	46
نکات	46
بسم اللہ پر ایک نظر	48
پیغام	49
آیت نمبر ۲	49
نکات	50
پیغام	50
آیت نمبر ۳	51
نکات	51
پیغام	52
آیت نمبر ۴	52
نکات	52
پیغام	54
آیت نمبر ۵	54
نکات	54
پیغام	55
آیت نمبر ۶	55
نکات	56
صراط مستقیم	57
پیغام	60
آیت نمبر ۷	60
نکات	61
مغضوبین در قرآن	61
ضَّآلِّیۡنَ در قرآن	63
پیغام	64
سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ	65
سورۂ بقرہ ایک نظر میں	65
آیت نمبر ۱	66
نکات	66
آیت نمبر ۲	67
نکات	67

پیغام	68
آیت نمبر ۳	69
نکات	69
پیغام	70
آیت نمبر ۴	71
نکات	71
پیغام	71
آیت نمبر ۵	72
نکات	72
پیغام	73
آیت نمبر ۶	73
نکات	73
پیغام	74
آیت نمبر ۷	74
نکات	74
قلب سلیم کی خصوصیت	75
قلب مریض کی علامتیں	75
قلب منیب کی خصوصیات	76
پیغام	76
آیت نمبر ۸	77
نکات	77
پیغام	78
آیت نمبر ۹	78
نکات	78
پیغام	79
آیت نمبر ۱۰	80
نکات	80
پیغام	81
آیت نمبر ۱۱	81
پیغام	82
آیت نمبر ۱۲	82
نکات	82
پیغام	83
آیت نمبر ۱۳	83
پیغام	83
آیت نمبر ۱۴	84
نکات	84
پیغام	84
آیت نمبر ۱۵	85
نکات	85
پیغام	86
آیت نمبر ۱۶	86
نکات	87
پیغام	87
آیت نمبر ۱۷	87
نکات	88

پیغام	88
آیت نمبر ۱۸	89
نکات	90
پیغام	90
آیت نمبر ۱۹	91
نکات	91
پیغام	91
آیت نمبر ۲۰	92
نکات	93
قرآن میں منافق کا چہرہ	93
پیغام	93
آیت نمبر ۲۱	94
نکات	94
پیغام	96
آیت نمبر ۲۲	97
نکات	98
پیغام	98
آیت نمبر ۲۳	99
نکات	99
پیغام	100
آیت ۲۴	101
نکات	101
پیغام	102
آیت نمبر ۲۵	102
نکات	103
پیغام	103
آیت نمبر ۲۶	104
نکات	105
پیغام	107
آیت نمبر ۲۷	107
نکات	108
پیغام	110
آیت نمبر ۲۸	110
نکات	110
پیغام	111
آیت نمبر ۲۹	112
نکات	112
پیغام	112
آیت نمبر ۳۰	113
نکات	114
پیغام	115
آیت نمبر ۳۱	116
نکات	117
پیغام	117
آیت نمبر ۳۲	118
نکات	118

پیغام	118
آیت نمبر ۳۳	119
پیغام	119
آیت نمبر ۳۴	119
نکات	120
پیغام	121
آیت نمبر ۳۵	121
نکات	121
پیغام	122
آیت نمبر ۳۶	122
نکات	123
پیغام	124
آیت نمبر ۳۷	124
نکات	124
پیغام	125
آیت نمبر ۳۸۔۳۹	126
نکات	126
پیغام	126
آیت نمبر ۴۰	127
نکات	127
پیغام	128
آیت نمبر ۴۱	128
نکات	129
پیغام	129
آیت نمبر ۴۲	130
نکات	130
پیغام	130
آیت نمبر ۴۳	130
پیغام	131
آیت نمبر ۴۴	131
نکات	131
بے عمل عالم کی مثال	132
ب۔ روایات میں	132
ج دانشوروں اور علما کی نظر میں	133
پیغام	133
آیت نمبر ۴۵	133
نکات	134
یادگار واقعہ	134
پیغام	135
آیت نمبر ۴۶	135
نکات	135
پیغام	136
آیت نمبر ۴۷	136
نکات	137
پیغام	137
آیت نمبر ۴۸	137

ترجمۃ الآیات	137
نکات	137
شفاعت کے بارے میں	138
پیغام	140
آیت نمبر ۴۹	140
نکات	141
پیغام	141
آیت نمبر ۵۰	142
نکات	142
پیغام	142
آیت نمبر ۵۱	143
نکات	143
پیغام	144
آیت نمبر ۵۲	144
نکات	145
پیغام	145
آیت نمبر ۵۳	145
نکات	145
پیغام	145
آیت نمبر ۵۴	146
نکات	146
پیغام	147
آیت نمبر ۵۵	147
نکات	148
پیغام	148
آیت نمبر ۵۶	148
نکات	149
پیغام	149
آیت نمبر ۵۷	149
نکات	150
پیغام	150
آیت نمبر ۵۸	150
نکات	151
پیغام	151
آیت نمبر ۵۹	151
نکات	152
پیغام	152
آیت نمبر ۶۰	152
نکات	153
پیغام	153
آیت نمبر ۶۱	154
نکات	155
پیغام	155
آیت نمبر ۶۲	156
نکات	157
پیغام	158

آیت نمبر ۶۳	158
نکات	159
پیغام	159
آیت نمبر ۶۴	159
پیغام	160
آیت نمبر ۶۵	160
نکات	160
پیغام	162
آیت نمبر ۶۶	162
نکات	162
پیغام	162
آیت نمبر ۶۷	163
نکات	163
پیغام	164
آیت نمبر ۶۸	164
نکات	165
پیغام	165
آیت نمبر ۶۹	165
نکات	166
پیغام	167
آیت نمبر ۷۰	167
نکات	167
پیغام	168

آیت نمبر ۷۱	168
نکات	168
پیغام	169
آیت نمبر ۷۲	169
نکات	169
پیغام	170
آیت نمبر ۷۳	170
پیغام	171
آیت نمبر ۷۴	171
نکات	172
پیغام	172
آیت نمبر ۷۵	174
پیغام	174
آیت نمبر ۷۶	175
نکات	175
پیغام	176
آیت نمبر ۷۷	176
پیغام	176
آیت نمبر ۷۸	176
نکات	177
پیغام	177
آیت نمبر ۷۹	178
نکات	178

پیغام	178
آیت نمبر ۸۰	179
نکات	179
پیغام	180
آیت نمبر ۸۱	180
نکات	180
پیغام	181
آیت نمبر ۸۲	181
پیغام	181
آیت نمبر ۸۳	182
نکات	182
پیغام	182
آیت نمبر ۸۴	184
نکات	184
پیغام	185
آیت نمبر ۸۵	185
نکات	186
پیغام	187
آیت نمبر ۸۶	188
نکات	188
پیغام	188
آیت نمبر ۸۷	189
نکات	189
پیغام	190
آیت نمبر ۸۸	190
نکات	190
پیغام	191
آیت نمبر ۸۹	191
نکات	191
پیغام	192
آیت نمبر ۹۰	192
نکات	193
پیغام	193
آیت نمبر ۹۱	193
پیغام	194
آیت نمبر ۹۲	194
نکات	195
پیغام	195
آیت نمبر ۹۳	195
نکات	196
پیغام	196
آیت نمبر ۹۴	197
نکات	197
پیغام	198
آیت نمبر ۹۵	198
نکات	199

پیغام	199
آیت نمبر ۹۶	199
پیغام	200
آیت نمبر ۹۷	200
نکات	201
پیغام	201
آیت نمبر ۹۸	202
پیغام	202
آیت نمبر ۹۹	202
نکات	203
پیغام	203
آیت نمبر ۱۰۰	204
نکات:	204
آیت نمبر ۱۰۱	204
نکات	205
پیغام	205
آیت نمبر ۱۰۲	205
نکات	206
پیغام	208
آیت نمبر ۱۰۳	209
نکات	210
پیغام	210
آیت نمبر ۱۰۴	210
نکات	210
پیغام	211
آیت نمبر ۱۰۵	211
نکات	212
پیغام	212
آیت نمبر ۱۰۶	213
نکات	213
پیغام	214
آیت نمبر ۱۰۷	215
نکات	215
پیغام	216
آیت نمبر ۱۰۸	216
نکات	217
پیغام	217
آیت نمبر ۱۰۹	217
نکات	218
پیغام	218
آیت نمبر ۱۱۰	219
نکات	219
پیغام	219
آیت نمبر ۱۱۱	220
پیغام	220
آیت نمبر ۱۱۲	220

نکات	221
پیغام	221
آیت نمبر ۱۱۳	221
نکات	222
پیغام	222
آیت نمبر ۱۱۴	223
نکات	223
پیغام	224
آیت نمبر ۱۱۵	224
نکات	225
پیغام	226
آیت نمبر ۱۱۶	226
نکات	226
پیغام	227
آیت نمبر ۱۱۷	227
نکات	228
پیغام	228
آیت نمبر ۱۱۸	229
نکات	229
پیغام	230
آیت نمبر ۱۱۹	230
نکات	230
پیغام	231
آیت نمبر ۱۲۰	231
نکات	232
پیغام	232
آیت نمبر ۱۲۱	232
نکات	233
پیغام	234
آیت نمبر ۱۲۲۔۱۲۳	234
نکات	234
آیت نمبر ۱۲۴	235
نکات	235
پیغام	237
آیت نمبر ۱۲۵	238
نکات	238
پیغام	239
آیت نمبر ۱۲۶	239
نکات	240
پیغام	240
آیت نمبر ۱۲۷	241
نکات	241
پیغام	242
آیت نمبر ۱۲۸	242
نکات	243
پیغام	243

آیت نمبر ۱۲۹	244
نکات	244
پیغام	244
آیت نمبر ۱۳۰	245
نکات	245
پیغام	246
آیت نمبر ۱۳۱	247
پیغام	247
آیت نمبر ۱۳۲	247
پیغام	248
آیت نمبر ۱۳۳	248
نکات	249
پیغام	249
آیت نمبر ۱۳۴	249
نکات	250
پیغام	250
آیت نمبر ۱۳۵	251
نکات	251
پیغام	252
آیت نمبر ۱۳۶	252
نکات	253
پیغام	253
آیت نمبر ۱۳۷	253
نکات	254
پیغام	254
آیت نمبر ۱۳۸	255
نکات:	255
پیغام	256
آیت نمبر ۱۳۹	256
نکات	256
پیغام	257
آیت نمبر ۱۴۰	257
نکات	257
پیغام	258
آیت نمبر ۱۴۱	258
پیغام	258
پارہ نمبر ۲	259
آیت نمبر ۱۴۲	259
نکات	259
پیغام	261
آیت نمبر ۱۴۳	261
نکات	262
قبلہ کی تبدیلی کا فلسفہ	263
پیغام	264
آیت نمبر ۱۴۴	265
نکات	265

پیغام	266
آیت نمبر ۱۴۵	267
نکات	267
پیغام	267
آیت نمبر ۱۴۶	268
نکات	269
پیغام	270
آیت نمبر ۱۴۷	270
پیغام	270
آیت نمبر ۱۴۸	271
نکات	271
پیغام	272
آیت نمبر ۱۴۹	272
نکات	272
آیت نمبر ۱۵۰	273
نکات	273
پیغام	275
آیت نمبر ۱۵۱	276
نکات	276
پیغام	277
آیت نمبر ۱۵۲	277
نکات	277
ذکر خدا میں رکاوٹیں	278
ذکر و یاد خدا کے اثرات	278
پیغام	278
آیت نمبر ۱۵۳	279
نکات	279
پیغام	280
آیت نمبر ۱۵۴	281
نکات	281
پیغام	281
آیت نمبر ۱۵۵	282
نکات	282
پیغام	284
آیت نمبر ۱۵۶	284
نکات	284
پیغام	286
آیت نمبر ۱۵۷	286
نکات	286
پیغام	286
آیت نمبر ۱۵۸	287
نکات	288
پیغام	290
آیت نمبر ۱۵۹	290
نکات	291
پیغام	291

آیت نمبر ۱۶۰	292
نکات	292
پیغام	293
آیت نمبر ۱۶۱۔ ۱۶۲	293
نکات	294
پیغام	294
آیت نمبر ۱۶۳۔ ۱۶۴	294
نکات	295
پیغام	296
آیت نمبر ۱۶۵	297
نکات	297
پیغام	298
آیت نمبر ۱۶۶	298
نکات	299
پیغام	299
آیت نمبر ۱۶۷	299
نکات	300
پیغام	301
آیت نمبر ۱۶۸	301
نکات	301
پیغام	302
آیت نمبر ۱۶۹	303
نکات	303

پیغام	304
آیت نمبر ۱۷۰	304
نکات	305
پیغام	305
آیت نمبر ۱۷۱	306
نکات	306
پیغام	306
آیت نمبر ۱۷۲	307
نکات	307
پیغام	308
آیت نمبر ۱۷۳	308
نکات	309
پیغام	310
آیت نمبر ۱۷۴	311
نکات	311
پیغام	312
آیت نمبر ۱۷۵	313
نکات	313
پیغام	313
آیت نمبر ۱۷۶	314
نکات	314
پیغام	315
آیت نمبر ۱۷۷	315

نکات	316
پیغام	318
آیت نمبر ۱۷۸	319
نکات	320
پیغام	321
آیت نمبر ۱۷۹	322
نکات	322
پیغام	323
آیت نمبر ۱۸۰	324
نکات	324
وصیت کے آثار و برکات	325
وصیت کی اقسام	326
پیغام	326
آیت نمبر ۱۸۱	327
نکات	327
پیغام	327
آیت نمبر ۱۸۲	328
نکات	328
پیغام	329
آیت نمبر ۱۸۳	329
نکات	329
روزہ کے آثار و اس کی برکات	329
پیغام	330
آیت نمبر ۱۸۴	331
نکات	331
پیغام	332
آیت نمبر ۱۸۵	333
نکات	333
رمضان المبارک خدا کے ہاں مہمانی کا مہینہ	334
آدابِ دعوت	335
پیغام	335
آیت نمبر ۱۸۶	336
نکات	336
پیغام	339
آیت نمبر ۱۸۷	339
نکات	340
پیغام	342
آیت نمبر ۱۸۸	343
نکات	343
رشوت	344
پیغام	345
آیت نمبر ۱۸۹	345
نکات	346
پیغام	348
آیت نمبر ۱۹۰	349
نکات	349

پیغام	350
آیت نمبر ۱۹۱	351
نکات	351
پیغام	352
آیت نمبر ۱۹۲	352
نکات	352
پیغام	352
آیت نمبر ۱۹۳	353
نکات	353
پیغام	354
آیت نمبر ۱۹۴	354
نکات	355
پیغام	355
آیت نمبر ۱۹۵	356
نکات	356
پیغام	357
آیت نمبر ۱۹۶	357
نکات	358
پیغام	359
آیت نمبر ۱۹۷	360
نکات	361
پیغام	361
آیت نمبر ۱۹۸	361
نکات	362
پیغام	363
آیت نمبر ۱۹۹	363
نکات	364
پیغام	364
آیت نمبر ۲۰۰	364
نکات	365
پیغام	365
آیت نمبر ۲۰۱	366
نکات	366
پیغام	367
آیت نمبر ۲۰۲	367
نکات	368
پیغام	368
آیت نمبر ۲۰۳	368
نکات	369
پیغام	369
آیت نمبر ۲۰۴	370
نکات	370
پیغام	370
آیت نمبر ۲۰۵	371
نکات	371
پیغام	372

آیت نمبر ۲۰۶	372
پیغام	373
آیت نمبر ۲۰۷	373
نکات	373
پیغام	375
آیت نمبر ۲۰۸	375
نکات	376
پیغام	376
آیت نمبر ۲۰۹	377
پیغام	377
آیت نمبر ۲۱۰	378
نکات	378
پیغام	379
آیت نمبر ۲۱۱	379
نکات	379
پیغام	380
آیت نمبر ۲۱۲	380
نکات	381
پیغام	381
آیت نمبر ۲۱۳	381
نکات	382
پیغام	383
آیت نمبر ۲۱۴	384
نکات	385
پیغام	386
آیت نمبر ۲۱۵	386
نکات	387
پیغام	387
آیت نمبر ۲۱۶	388
نکات	389
دیگر ادیان میں جہاد	390
پیغام	391
آیت نمبر ۲۱۷	391
نکات	392
پیغام	393
آیت نمبر ۲۱۸	394
نکات	394
پیغام	395
آیت نمبر ۲۱۹	395
نکات	396
پیغام	398
آیت نمبر ۲۲۰	398
نکات	399
پیغام	399
آیت نمبر ۲۲۱	400
نکات	401

پیغام	401
آیت نمبر ۲۲۲	402
نکات	403
پیغام	404
آیت نمبر ۲۲۳	404
نکات	405
پیغام	405
آیت نمبر ۲۲۴	406
نکات	406
پیغام	407
آیت نمبر ۲۲۵	407
نکات	407
پیغام	408
آیت نمبر ۲۲۶	408
نکات	408
پیغام	409
آیت نمبر ۲۲۷	409
نکات	409
پیغام	410
آیت نمبر ۲۲۸	410
نکات	411
پیغام	411
آیت نمبر ۲۲۹	412
نکات	413
پیغام	414
آیت نمبر ۲۳۰	415
نکات	416
پیغام	416
آیت نمبر ۲۳۱	416
نکات	417
پیغام	418
آیت نمبر ۲۳۲	419
نکات	419
پیغام	420
آیت نمبر ۲۳۳	420
نکات	421
پیغام	422
آیت نمبر ۲۳۴	423
نکات	423
پیغام	424
آیت نمبر ۲۳۵	424
نکات	425
پیغام	425
آیت نمبر ۲۳۶	426
نکات	426
پیغام	427

آیت نمبر ۲۳۷	428
پیغام	428
آیت نمبر ۲۳۸	429
نکات	429
پیغام	430
آیت نمبر ۲۳۹	430
نکات	431
پیغام	431
آیت نمبر ۲۴۰	431
نکات	432
پیغام	432
آیت نمبر ۲۴۱۔۲۴۲	433
نکات	433
پیغام	434
آیت نمبر ۲۴۳	434
نکات	434
پیغام	436
آیت نمبر ۲۴۴	436
نکات	436
پیغام	436
آیت نمبر ۲۴۵	437
نکات	437
پیغام	440
آیت نمبر ۲۴۶	440
نکات	441
پیغام	442
آیت نمبر ۲۴۷	443
نکات	443
پیغام	444
آیت نمبر ۲۴۸	445
نکات	446
پیغام	446
آیت نمبر ۲۴۹	447
نکات	448
پیغام	449
آیت نمبر ۲۵۰	450
پیغام	450
آیت نمبر ۲۵۱	451
نکات	452
پیغام	452
آیت نمبر ۲۵۲	453
نکات	453
آیت نمبر ۲۵۳	454
نکات	454
پیغام	455
آیت نمبر ۲۵۴	456

نکات	456
پیغام	456
آیت نمبر ۲۵۵	457
نکات	458
"هُوَ ۚ اَلْحَیُّ"	460
"اَلْقَيُّوْمُ"	460
"لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ط"	461
"لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط	461
"مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ"	462
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ	463
وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ	464
پیغام	465
آیت نمبر ۲۵۶	466
نکات	466
پیغام	467
آیت نمبر ۲۵۷	468
نکات	468
پیغام	469
آیت نمبر ۲۵۸	470
نکات	471
پیغام	471
آیت نمبر ۲۵۹	472
نکات	473
پیغام	473
آیت نمبر ۲۶۰	474
نکات	475
پیغام	475
آیت نمبر ۲۶۱	476
نکات	476
پیغام	477
آیت نمبر ۲۶۲	477
نکات	478
پیغام	478
آیت نمبر ۲۶۳	479
نکات	479
پیغام	480
آیت نمبر ۲۶۴	480
نکات	481
پیغام	481
آیت نمبر ۲۶۵	482
پیغام	482
آیت نمبر ۲۶۶	483
نکات	483
پیغام	484
آیت نمبر ۲۶۷	484
نکات	485

پیغام	485
آیت نمبر ۲۶۸	486
نکات	486
پیغام	487
آیت نمبر ۲۶۹	488
نکات	488
پیغام	488
آیت نمبر ۲۷۰	489
پیغام	489
آیت نمبر ۲۷۱	490
نکات	491
پیغام	491
آیت نمبر ۲۷۲	492
نکات	492
پیغام	493
آیت نمبر ۲۷۳	493
نکات	494
پیغام	494
آیت نمبر ۲۷۴	495
نکات	496
پیغام	497
آیت ۲۷۵	497
نکات	498
سود کے بُرے اثرات	500
پیغام	500
آیت نمبر ۲۷۶	501
نکات	501
پیغام	502
آیت نمبر ۲۷۷	502
نکات	503
لوگوں کی چار قسمیں ہیں	503
پیغام	503
آیت نمبر ۲۷۸	504
نکات	504
پیغام	505
آیت نمبر ۲۷۹	505
نکات	505
پیغام	506
آیت نمبر ۲۸۰	506
نکات	507
پیغام	507
آیت نمبر ۲۸۱	508
نکات	508
پیغام	508
آیت نمبر ۲۸۲	509
نکات	511

پیغام	512
آیت نمبر ۲۸۳	514
نکات	515
پیغام	515
آیت نمبر ۲۸۴	516
نکات	516
پیغام	517
آیت نمبر ۲۸۵	517
نکات	518
پیغام	518
آیت نمبر ۲۸۶	519
نکات	519
پیغام	520
سورۂ آل عمران کا مختصر تعارف	521
سُوۡرَۃُ اٰلِ عِمۡرَان	522
آیت نمبر ۱	522
نکات	522
آیت نمبر ۲	523
نکات	523
پیغام	524
آیت نمبر ۳	524
نکات	524
پیغام	525
آیت نمبر ۴	525
نکات	526
پیغام	526
آیت نمبر ۵	527
نکات	527
پیغام	527
آیت نمبر ۶	527
نکات	528
پیغام	528
آیت نمبر ۷	528
نکات	529
پیغام	531
آیت نمبر ۸	532
پیغام	532
آیت نمبر ۹	532
نکات	533
پیغام	533
آیت نمبر ۱۰	533
نکات	534
پیغام	534
آیت نمبر ۱۱	534
پیغام	535
آیت نمبر ۱۲	535

نکات	535
پیغام	536
آیت نمبر ۱۳	536
نکات	537
پیغام	537
آیت نمبر ۱۴	538
نکات	539
پیغام	540
آیت نمبر ۱۵	540
نکات	541
پیغام	541
آیت نمبر ۱۶	542
پیغام	542
آیت نمبر ۱۷	542
نکات	543
پیغام	543
آیت نمبر ۱۸	543
نکات	544
پیغام	544
آیت نمبر ۱۹	545
پیغام	545
آیت نمبر ۲۰	546
نکات	546
پیغام	547
آیت نمبر ۲۱	547
نکات	548
پیغام	549
آیت نمبر ۲۲	549
پیغام	549
آیت نمبر ۲۳	550
نکات	550
پیغام	551
آیت نمبر ۲۴	551
نکات	551
پیغام	552
آیت نمبر ۲۵	552
پیغام	552
آیت نمبر ۲۶	553
نکات	553
پیغام	554
آیت نمبر ۲۷	555
نکات	555
پیغام	556
آیت نمبر ۲۸	556
نکات	557
پیغام	557

آیت نمبر ۲۹	558
نکات	558
پیغام	558
آیت نمبر ۳۰	559
نکات	559
پیغام	560
آیت نمبر ۳۱	560
نکات	561
پیغام	561
آیت نمبر ۳۲	562
نکات	562
پیغام	562
آیت نمبر ۳۳	563
نکات	563
پیغام	563
آیت نمبر ۳۴	564
پیغام	564
آیت نمبر ۳۵	564
نکات	565
پیغام	565
آیت نمبر ۳۶	566
نکات	566
پیغام	567
آیت نمبر ۳۷	567
نکات	568
پیغام	569
آیت نمبر ۳۸	570
نکات	570
پیغام	570
آیت نمبر ۳۹	571
نکات	571
پیغام	571
آیت نمبر ۴۰	572
پیغام	572
آیت نمبر ۴۱	573
پیغام	573
آیت نمبر ۴۲	573
نکات	574
پیغام	574
آیت نمبر ۴۳	575
نکات	575
پیغام	575
آیت نمبر ۴۴	576
نکات	576
پیغام	576
آیت نمبر ۴۵	577

نکات	578
پیغام	578
آیت نمبر ۴۶	578
نکات	579
پیغام	579
آیت نمبر ۴۷	579
نکات	580
پیغام	580
آیت نمبر ۴۸	580
نکات	580
پیغام	581
آیت نمبر ۴۹	581
نکات	582
پیغام	582
آیت نمبر ۵۰	583
نکات	583
پیغام	584
آیت نمبر ۵۱	584
نکات	585
پیغام	585
آیت نمبر ۵۲	585
نکات	586
پیغام	586
آیت نمبر ۵۳	587
نکات	587
پیغام	587
آیت نمبر ۵۴	588
نکات	588
پیغام	588
آیت نمبر ۵۵	589
نکات	589
پیغام	589
آیت نمبر ۵۶۔۵۷	590
نکات	590
پیغام	591
آیت نمبر ۵۸	591
پیغام	591
آیت نمبر ۵۹	592
نکات	592
پیغام	592
آیت نمبر ۶۰	592
نکات	593
پیغام	593
آیت نمبر ۶۱	593
نکات	594
پیغام	596

آیت نمبر ۶۲-۶۳	596
نکات	597
پیغام	597
آیت نمبر ۶۴	598
نکات	598
پیغام	598
آیت نمبر ۶۵	599
نکات	600
پیغام	600
آیت نمبر ۶۶	600
نکات	601
پیغام	601
آیت نمبر ۶۷	602
نکات	602
آیت نمبر ۶۸	602
نکات	603
پیغام	603
آیت نمبر ۶۹	604
نکات	604
پیغام	604
آیت نمبر ۷۰	605
نکات	605
پیغام	606
آیت نمبر ۷۱	606
نکات	606
پیغام	606
آیت نمبر ۷۲	607
نکات	607
پیغام	607
آیت نمبر ۷۳	608
نکات	609
پیغام	609
آیت نمبر ۷۴	609
نکات	610
آیت نمبر ۷۵	610
نکات	610
پیغام	611
آیت نمبر ۷۶	611
نکات	611
پیغام	612
آیت نمبر ۷۷	612
نکات	613
پیغام	614
آیت نمبر ۷۸	614
نکات	615
پیغام	615

آیت نمبر ۷۹	615
نکات	616
پیغام	617
آیت نمبر ۸۰	617
پیغام	618
آیت نمبر ۸۱۔۸۲	618
نکات	619
پیغام	619
آیت نمبر ۸۳	620
نکات	621
پیغام	621
آیت نمبر ۸۴	622
نکات	622
پیغام	623
آیت نمبر ۸۵	623
نکات	624
پیغام	624
آیت نمبر ۸۶	625
پیغام	625
آیت نمبر ۸۷۔۸۸	626
نکات	626
پیغام	627
آیت نمبر ۸۹	627
نکات	627
پیغام	627
آیت نمبر ۹۰	628
نکات	628
پیغام	629
آیت نمبر ۹۱	629
نکات	630
پیغام	630
آیت نمبر ۹۲	631
نکات	631
مومنین کی طرف سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے چند نمونے	632
پیغام	633
چوتھا پارہ	634
آیت نمبر ۹۳۔۹۴	634
نکات	635
پیغام	635
آیت نمبر ۹۵	635
نکات	636
پیغام	636
آیت نمبر ۹۶	636
نکات	637
پیغام	637
آیت نمبر ۹۷	638

نکات	638
پیغام	640
آیت نمبر ۹۸	640
پیغام	641
آیت نمبر ۹۹	641
نکات	642
پیغام	642
آیت نمبر ۱۰۰	642
نکات	643
پیغام	643
آیت نمبر ۱۰۱	644
نکات	644
پیغام	644
آیت نمبر ۱۰۲	645
نکات	645
پیغام	645
آیت نمبر ۱۰۳	646
نکات	647
پیغام	647
آیت نمبر ۱۰۴	647
نکات	648
پیغام	648
آیت نمبر ۱۰۵	649
پیغام	649
آیت نمبر ۱۰۶۔۱۰۷	650
نکات	650
آیت نمبر ۱۰۸۔۱۰۹	651
نکات	651
پیغام	652
آیت نمبر ۱۱۰	652
نکات	652
آیت نمبر ۱۱۱	654
نکات	654
پیغام	654
آیت نمبر ۱۱۲	655
نکات	655
پیغام	656
آیت نمبر ۱۱۳	656
نکات	657
پیغام	657
آیت نمبر ۱۱۴۔۱۱۵	658
نکات	658
پیغام	659
آیت نمبر ۱۱۶۔۱۱۷	659
نکات	660
پیغام	660

آیت نمبر ۱۱۸	661
نکات	661
دشمن ہمارے لیے کیا چاہتا ہے؟	661
پیغام	662
آیت نمبر ۱۱۹	663
پیغام	664
آیت نمبر ۱۲۰	665
نکات	665
پیغام	666
آیت نمبر ۱۲۱	666
نکات	667
جنگ اُحد کی روداد	667
پیغام	669
آیت نمبر ۱۲۲	669
نکات	670
پیغام	670
آیت نمبر ۱۲۳	671
نکات	671
پیغام	671
آیت نمبر ۱۲۴	672
پیغام	672
آیت نمبر ۱۲۵	673
نکات	673
پیغام	673
آیت نمبر ۱۲۶	674
پیغام	674
آیت نمبر ۱۲۷	675
نکات	675
پیغام	675
آیت نمبر ۱۲۸	676
نکات	676
پیغام	676
آیت نمبر ۱۲۹	677
نکات	677
پیغام	677
آیت نمبر ۱۳۰	678
نکات	678
پیغام	678
آیت نمبر ۱۳۱	679
نکات	679
پیغام	679
آیت نمبر ۱۳۲	679
نکات	680
پیغام	680
آیت نمبر ۱۳۳	680
نکات	681

پیغام	681
آیت نمبر ۱۳۴	681
نکات	682
پیغام	682
آیت نمبر ۱۳۵	683
نکات	683
پیغام	684
آیت نمبر ۱۳۶	684
نکات	685
پیغام	685
آیت نمبر ۱۳۷	685
نکات	686
پیغام	686
آیت نمبر ۱۳۸	687
نکات	687
پیغام	687
آیت نمبر ۱۳۹	688
نکات	688
پیغام	688
آیت نمبر ۱۴۰	689
نکات	689
پیغام	690
آیت نمبر ۱۴۱	690
نکات	691
پیغام	691
آیت نمبر ۱۴۲	691
نکات	692
پیغام	692
آیت نمبر ۱۴۳	692
نکات	693
پیغام	693
آیت نمبر ۱۴۴	693
نکات	694
پیغام	694
آیت نمبر ۱۴۵	695
پیغام	695
آیت نمبر ۱۴۶	696
نکات	696
پیغام	696
آیت نمبر ۱۴۷	697
پیغام	698
آیت نمبر ۱۴۸	698
نکات	699
پیغام	699
آیت نمبر ۱۴۹	699
نکات	699

پیغام	700
آیت نمبر ۱۵۰	700
نکات	700
پیغام	701
آیت نمبر ۱۵۱	701
نکات	701
پیغام	701
آیت نمبر ۱۵۲	702
نکات	703
پیغام	703
آیت نمبر ۱۵۳	704
نکات	705
پیغام	705
آیت نمبر ۱۵۴	706
پیغام	707
آیت نمبر ۱۵۵	708
نکات	709
پیغام	709
آیت نمبر ۱۵۶	709
پیغام	710
آیت نمبر ۱۵۷	711
نکات	711
پیغام	711
آیت نمبر ۱۵۸	712
نکات	712
آیت نمبر ۱۵۹	712
نکات	713
پیغام	714
آیت نمبر ۱۶۰	714
نکات	715
پیغام	715
آیت نمبر ۱۶۱	715
نکات	716
پیغام	716
آیت نمبر ۱۶۲۔ ۱۶۴	717
نکات	718
پیغام	718
آیت نمبر ۱۶۴	718
نکات	719
پیغام	720
آیت نمبر ۱۶۵	720
نکات	721
پیغام	721
آیت نمبر ۱۶۶	721
نکات	722
پیغام	722

آیت نمبر ۱۶۷	722
نکات	723
پیغام	723
آیت نمبر ۱۶۸	724
پیغام	724
آیت نمبر ۱۶۹	725
نکات	725
شہید اور شہادت کے بارے میں چند ضروری نکات	725
پیغام	727
آیت نمبر ۱۷۰	728
نکات	728
پیغام	728
آیت نمبر ۱۷۱	729
پیغام	729
آیت نمبر ۱۷۲	729
نکات	730
پیغام	730
آیت نمبر ۱۷۳	731
نکات	732
پیغام	732
آیت نمبر ۱۷۴	732
نکات	733
پیغام	733
آیت نمبر ۱۷۵	733
پیغام	734
آیت نمبر ۱۷۶	734
نکات	735
پیغام	735
آیت نمبر ۱۷۷	736
نکات	736
پیغام	737
آیت نمبر ۱۷۸	737
نکات	737
پیغام	738
آیت نمبر ۱۷۹	739
نکات	740
پیغام	740
آیت نمبر ۱۸۰	741
پیغام	742
آیت نمبر ۱۸۱۔۱۸۲	743
نکات	743
پیغام	744
آیت نمبر ۱۸۳	744
نکات	745
پیغام	746
آیت نمبر ۱۸۴	746

پیغام	747
آیت نمبر ۱۸۵	747
نکات	748
پیغام	748
آیت نمبر ۱۸۶	748
نکات	749
پیغام	749
آیت نمبر ۱۸۷	750
نکات	751
پیغام	751
آیت نمبر ۱۸۸	752
نکات	752
پیغام	753
آیت نمبر ۱۸۹	753
نکات	754
پیغام	754
آیت نمبر ۱۹۰	754
نکات	754
پیغام	755
آیت نمبر ۱۹۱	756
نکات	756
پیغام	756
آیت نمبر ۱۹۲	757
نکات	758
پیغام	758
آیت نمبر ۱۹۳	758
نکات	759
پیغام	759
آیت نمبر ۱۹۴	760
نکات	760
پیغام	760
آیت نمبر ۱۹۵	761
پیغام	761
آیت نمبر ۱۹۶۔۱۹۷	763
نکات	763
پیغام	764
آیت نمبر ۱۹۸	764
نکات	764
پیغام	765
آیت نمبر ۱۹۹	765
نکات	766
پیغام	766
آیت نمبر ۲۰۰	766
نکات	767
پیغام	767

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خدا کے نام سے جو بہت بخشنے والا اور مہربان ہے

مقدمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ علی سیدنا محمد و اھل بیتہ المعصومین

حوزہ علمیہ قم سے دروس سطح اور کچھ خارج کے دروس پڑھ چکا تھا کہ میں قرآن پاک کو بہتر اور تفصیل سے سمجھنے کی فکر میں لگ گیا۔ کچھ دوستوں کے ساتھ نشست و برخاست شروع کی، جن میں سے ہر کوئی قرآنی مطالب کا مطالعہ، مباحثہ کے علاوہ خلاصہ کو بھی تحریر کر رہے تھا، ان کے ہمراہ چند پارہ قرآن تک اس کام کو جاری رکھا۔

ان دنوں میں سنا کہ آیت اللہ مکارم شیرازی دامت برکاتہ ارادہ رکھتے ہیں کہ کچھ فضلاء کے ساتھ مل کر تفسیر لکھیں ہیں۔ انہوں نے میرے تحریر کردہ تفسیری مطالب کو دیکھا، پسند کیا اور پھر میں بھی اس گروہ میں شامل ہو گیا۔

پندرہ سال کا عرصہ لگ گیا کہ تفسیر نمونہ کی ۲۷ جلدیں مکمل ہوگئیں۔ جو اب تک کئی بار چھپ چکی ہے اور کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ تقریباً آدھی تفسیر نمونہ مکمل ہو چکی تھی کہ انقلاب اسلامی امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کی رہبری میں کامیاب ہوا۔ میں نے انھی ابتدائی دنوں میں مرحوم علامہ شہید مطہری کی فرمائش پر ٹیلی وژن کے پروگرام میں شرکت شروع کر دی۔ آج سترہ سال گذر چکے ہیں کہ میں ہر شب جمعہ جمہوری اسلامی ایران کے ٹیلی وژن سے درسھائی از قرآن کے نام سے پروگرام کر رہا ہوں۔

تفسیر نمونہ کے آخر تک میرا تعاون جاری رہا۔ اسی دوران میں سوچنے لگا کہ عوامی سطح فکر کے مطابق تفسیری مطالب کو ریڈیو سے شروع کروں۔ اس مقصد کیلئے تفسیر نمونہ کے علاوہ دوسری دس تفاسیر سے بھی مطالب کی جمع آوری کی گئی۔ اب آٹھ سال ہو گئے ہیں کہ ریڈیو سے ہر ہفتہ میں ایک دن اور ماہ رمضان میں روزانہ ''آئینہ وحی'' کے نام سے پروگرام نشر ہو رہا ہے۔

کئی مرتبہ یہ تجویز دی گئی کہ جو کچھ ریڈیو پر کہتا ہوں، کتاب کی شکل میں شائع کیا جائے۔ یہاں تک کہ میں نے کچھ سپاریں تک کے مطالب جو میں لکھ چکا تھا، انہیں میں نے آیت اللہ الحاج سید مہدی روحانی اور آیت اللہ مصباح یزدی دامت برکاتھما کے سامنے پڑھ کر سنایا، یوں مجھے اپنے طریقہ کار اور تفسیری سوچ پر زیادہ اطمینان حاصل ہو گیا۔ میں نے ان نوٹس کو پھر سے لکھنے کیلئے حجۃ الاسلام محمدیان اور حجۃ الاسلام محدثی کو دیا۔ ان کے لکھے جانے کے بعد مسودہ کو مؤسسہ در راہ حق قم کے حوالے کر دیا تا کہ آیت اللہ استادی کے زیر نظر شائع کیا جائے اور محترم قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے۔

معاونین

قرآن کریم کے پہلے چار پاروں تک حجۃ الاسلام دہشیری اور حجۃ الاسلام جعفری جو چند ہفتے یہاں تہران میرے پاس آیا کرتے تھے، تفسیری مطالب کی تحقیق میں میری مدد کیا کرتے تھے۔

پانچویں پارے سے سولہویں پارے تک، حجۃ الاسلام سید جواد بہشتی اور حجۃ الاسلام شیخ محمود متوسل نے اس مقدس کام میں میرے ساتھ تعاون کیا ہے۔(اس مقدمے کو لکھنے کی تاریخ تک)

خصوصیات

ا۔اس تفسیر میں فنی، ادبی، فقہی، کلامی، فلسفی اصطلاحات جن کا سمجھنا ایک خاص گروہ کے کیلئے مخصوص ہوتا ہے، پرہیز کیا گیا ہے۔قرآن سے صرف ایسے نکات ذکر کیے گئے ہیں جن کا ترجمہ دنیا کی موجودہ زبانوں میں کرنا آسان ہو اور ان کے اندر ایک پیغام وراہنمائی پائی جائے۔

۲۔تفسیر بہ رائے سے پرہیز کیا گیا ہے۔ لہٰذا صرف آیات یا اہل بیت رسول علیہم السلام کی روایات میں ذکر ہونے والے متن سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۳۔زیادہ تر معتبر شیعہ سنی تفاسیر سے حامل پیغام اور سبق آموز درس اخذ کیے گئے ہیں۔بعض نکات میرے ساتھیوں اور میری دقت نظری کا نتیجہ ہے۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو اخلاص، تدبر، عمل، تبلیغ اور معارف قرآن کی نشر و اشاعت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اس کام کو پورا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔قرآن پاک کو ہمارے لیے دنیا، برزخ اور قیامت کا نور قرار دے۔

محترم عوام سے چاہتا ہوں کہ تعلیم قرآن کو صرف تلاوت، تجوید، ترتیل اور تواشیح تک محدود نہ کرتے ہوئے قرآن میں تدبر اور اس پر عمل کو مقصد قرار دیں۔

علما فضلا سے چاہتا ہوں کہ تبلیغ و تدریس میں قرآن پاک کو اصلی متن اور اعلیٰ مقصد قرار دیں۔ ہر علاقے میں، علمی، ثقافتی مرکز میں، مساجد و مدارس میں قرآنی و تفسیری محافل کا انعقاد کریں۔

ہر اس شخص کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اسلام، قرآن و اہل بیت پیغمبرؐ کی آشنائی میں میرے ساتھ مل کر کردار ادا کیا۔ان کیلئے اور خاص طور پر اساتذہ کرام، اپنے والدین کیلئے خدائے منان سے جزائے خیر چاہتا ہوں۔

اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے اس تفسیر کی تالیف، تدوین، تصحیح اور نشر و اشاعت میں مدد کی، اور وہ افراد جنہوں نے اس کام کی تکمیل کیلئے تعمیری تنقید اور مفید مشوروں سے نوازا، شکریہ ادا کرتا ہوں۔

محسن قرائتی

۳۔۸۔۷۴

۲۹ جمادی الاول۔۱۴۱۵

تقریظ

آیت اللہ الحاج سید مہدی روحانی رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قرآن مجید جو انسانی زندگی، تاریخی تبدیلیوں اور خاص طور پر مسلمانوں پر عظیم اثرات رکھتا ہے، جیسا قرآن کا مقام تھا ویسی اس پر توجہ نہیں دی گئی اور لوگوں کے درمیان مہجور (ایک طرف رکھا) رہا ہے۔ جبکہ خود قرآن میں فرمایا گیا ہے: ''وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ '' ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان اور قابل فہم قرار دیا ہے۔

اس کے باوجود قرآنی مطالب کو بھلا دیا گیا، بے توجہی برتی گئی۔ جیسا کہ سابقہ اقوام کے بارے میں قرآن پاک میں آیا ہے: ''فَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوۡا بِهٖ ''

قرآن مجید اول سے آخر تک بشر کیلئے الٰہی پیغام ہے۔ اس سارے پیغام سے آشنائی اور آگاہی ضروری ہے۔ خاص طور پر خدا کا وہ پیغام، جو انسان کی دنیوی سعادت اور ابدی نجات سے متعلق ہو۔ اس کے لیے تمام آیات اور ان کے معنی میں غور و فکر ضروری ہے: ''كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوۡۤا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ۝۲۹ ''

ان مقدمات کا تقاضا یہ ہے کہ سارے قرآن پاک کیلئے ایک تفسیر لکھی جائے جس میں آیات کے اصل محتوا کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور واضح ہو کہ یہ آیت یا آیات کیا فائدہ دینا چاہتی ہیں؟ اور کس بات پر اعتراض کیا جا رہا ہے؟ جدید اصطلاح کے مطابق تفسیر ''بیانی'' ہو۔

تفسیر کی اکثر و بیشتر کتابوں میں مختلف علوم کی فنی ابحاث کو شامل کیا گیا ہے۔ جیسے ادبیات اور اس کی شاخیں، علم کلام، مذہبی و فرقہ وارانہ اور فقہ وغیرہ کی بحثوں کو ذکر کیا ہے۔ ہر صاحب فن اپنے ہنر کے دائرے میں فنی اصطلاحات پر بحث کرتا ہے، اس کے باوجود کہ بحث بہت طویل ہو جاتی ہے اور یہی بحث کا طویل ہونا ایک رکاوٹ بھی ہے کہ انسان تمام قرآن پاک سے آشنا ہو سکے۔ اس بات کو رہنے دیں کہ کچھ لوگوں نے تو قرآن پاک کی آیات کو اپنے شخصی و انحرافی عقائد پر دلیل بنا کر پیش کیا ہے۔

امام خمینیؒ کی تحریک اور اسلامی انقلاب میں فطری طور پر دین مقدس اسلام اور مذہب تشیع کہ جس کا سب سے بڑا ماخذ قرآن پاک ہے، کی طرف زیادہ توجہ کی گئی ہے۔ اس دوران اس بات کا احساس زیادہ ہوا کہ ایک ایسی تفسیر لکھی جائے جو طالبعلموں اور ادب و ہنر سے وابستہ افراد کیلئے کفایت کرتی ہو۔

ایسی تفسیر میں جن باتوں کا خیال رکھا جانا چاہیے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ زبان سادہ اور روان ہو لیکن کُند نہ ہو۔

۲۔ علمی فنی اصطلاحات جو فہم قرآن میں مشکل کا باعث بنتی ہیں، ان سے دور ہو۔

۳۔ ایسے مطالب جو زندگی کیلئے راہنما ہوں، مسلمانوں کے معاشرے میں پیش کیے جانے کے قابل ہوں بلکہ تمام انسانی معاشروں میں ترجمہ ہو سکے، منتقل ہو سکے، جو حقیقت میں ''ھدی للناس'' و ''ھُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ'' ہو۔ کیونکہ قرآنی مطالب کسی وقت، مخصوص زمانے، فرد یا ایک خاص گروہ کیلئے نہیں ہیں۔

۴۔ آیات سے مفہومی استفادہ آیات کی دلالت کے ساتھ ہو۔ تفسیر بہ رائے، اپنی پسند کا استحسان اور کمزور روایات کا سہارا نہ لیا گیا ہو۔

۵۔ اہل بیتؑ سے مروی معتبر روایات جو کہ ثقلین (کتاب اللہ و عترت رسول اللہ) کا ایک پلڑا ہیں، رسول اکرمؐ کے حکم کے مطابق ان کی طرف رجوع ضروری ہے۔ یہ بات ہماری نگاہ میں رہنی چاہیے۔

اس تفسیر (جناب قرائتی کی تفسیر) کو لکھنے میں یہ تمام اصول اور بنیادیں مدنظر تھیں۔ چنانچہ اگر کوئی غلطی ملاحظہ ہو تو وہ از روئے غفلت ہوگی اور انشاء اللہ اس کی اصلاح کر دی جائے گی۔

مجھے امید ہے کہ گران قدر دانشور حجۃ الاسلام جناب محترم قرائتی' جو تفسیر کے موضوع میں مختلف علمی جہات، ذوق اور ولولے سے سرشار ہیں، کلمات الٰہی کے لطائف کو بخوبی سمجھ پائیں گے۔ ان اصول اور خصوصیات کے مطابق اپنی تفسیر کو مکمل کریں گے۔

میں نے اس مجموعہ میں سے ایک پارے سے زیادہ کا مطالعہ خود ان کے ہمراہ اکٹھے کیا ہے، مطالعہ کے دوران بعض نکات پر ان کی خدمت میں تذکر دیا ہے۔

ہمارے محترم مؤلف نے ہر آیت کے سادہ و سلیس ترجمہ کے بعد، آیت کے معنی کی تشریح کو نکات کی صورت میں پیغام ہائے آیت کے نام سے ذکر کیا ہے۔ یہ نکات حقیقت میں روح تفسیر، شرح اور اس کی وسعت کو بیان کرتے ہیں۔ انصاف تو یہ ہے کہ بہت سے موقعوں پر ان کے بیان کردہ نکات اور فہم آیت میں تخلیقی پن اور تازگی پائی جاتی ہے۔

اس دن کی امید کے ساتھ کہ جب قرآن پاک مسلمان مدارس و جامعات میں اصلی محور قرار پائے گا، جیسا کہ امام زین العابدین علیہ السلام صحیفہ سجادیہ کی دعائے ختم قرآن میں فرماتے ہیں:

"و میزان قسط لا یحیف عن الحق لسانه"

قرآن عدل کا وہ ترازو ہے کہ حق کو بیان کرنے میں اس کی زبان لڑکھڑاتی نہیں۔

اس امید کے ساتھ کہ یہ طرز تفسیر اور تخلیقی انداز، جسے ہمارے محترم مؤلف نے اعلیٰ قرآنی مطالب کو بیان کرنے کیلئے اپنایا ہے، پہلا اور آخری قدم نہ ہو۔ صاحب نظر و محقق حضرات آئندہ اپنے اقدامات کے ذریعے اس کی تکمیل کریں۔

"جعلنا الله من المتمسكين بالثقلين بكتاب الله و عترة نبيه محمد صلى الله عليه و عليهم"

قم ۹ ربیع الثانی ۱۴۱۴

مہدی الحسینی الروحانی

مقدمہ ناشر

امام خمینیؒ کی قیادت میں انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی، مسلمان ملت کی موجودگی، شہدائے عزیز کی بے بہا مجاہدت کے ذریعے اسلامی ثقافت کی ترویج وترقی کیلئے زمین ہموار ہوئی۔ خصوصاً قرآن کریم کی ترویج کیلئے راہ ہموار ہوئی۔ اس سلسلے میں علمی مراکز کے دردمند دانشوروں نے تبلیغ دین کے واسطے مناسب کتب تالیف کرنے میں بہت سے اقدمات کیے۔

موجودہ کتاب بارہ جلدی تفسیر نور کے مجموعہ میں سے ایک حصہ ہے۔ یہ کتاب قرآن کی تنہائی کو دور کرنے اور کلام الٰہی کے انسان ساز پیغام کو نئے انداز اور تازہ قلم کے ذریعے پیش کرنے کیلئے حجۃ الاسلام والمسلمین محسن قرائتی نے تحریر کیا ہے، جو کہ ۱۳۷۶ شمسی کیلئے اسلامی جمہوریہ ایران میں کتاب سال انتخاب کی گئی ہے۔

اس تفسیر کی ابتدائی جلدیں چھپنے کے بعد، مدارس دینیہ اور یونیورسٹی کے فضلا کی طرف سے بہت زیادہ نکتہ نظر اور تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ معاشرے کے علمی ادبی حلقوں میں قرآن کریم کے مفاہیم کا اس انداز سے بیان پسند کیا گیا ہے۔

اب ہم تفسیر نور کے انداز اور طریقہ کار سے آگاہی کیلئے چند ایک موارد کا مختصر ذکر کریں گے، تاکہ خود طلبہ کیلئے تفسیری میدان میں کام کرنے میں راہنمائی ہو۔

طریقہ کار

قدیم اور معاصر مفسرین میں سے تقریباً بارہ شیعہ سنی تفاسیر کے انتخاب کے بعد، چند ایک فاضل طلبہ نے اس کا عمیق مطالعہ شروع کیا، اس سے نکات اور تفسیری مطالب کو تحریری صورت میں مؤلف محترم کی خدمت میں پیش کرتے رہے۔

مؤلف محترم نے اس کا گہرا مطالعہ کیا اور خود بھی غور وفکر اور تحقیق کرنے کے بعد معاشرے کی دینی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے، آج کی نسل جن قرآنی مفاہیم کو حاصل کرنے کی پیاسی تھی اُن قرآنی حیاتی پیغام کو نکات و پیام ہائے آیت کے عنوان سے، سادہ اور سلیس نثر میں پیش کیا۔ البتہ بعض موقعوں پر اپنے نکتہ نظر کو علمی مرکز حوزہ کے بزرگوں کے سامنے بحث اور تبادلہ نظر کیلئے پیش کرتے تھے

ان کی تحریر ریڈیو کے پروگرام آئینہ وحی میں بیان کیے جانے کے بعد، کتابی شکل میں لائی جاتی اور آخری مرحلہ میں اشاعت سے پہلے ایک مرتبہ وہ خود نظر ثانی کیا کرتے تھے۔

انداز بیان

ہر آیت کے مطالب کو پانچ عناوین کے زیل میں لکھا گیا ہے:

۱۔آیت کی عبارت جو کہ عثمان طہ کے رسم الخط میں ہے، پورے اعراب کے ساتھ کمپوز کی گئی ہے اور کئی مرتبہ اس کو پرکھا گیا ہے۔

۲۔ ہر آیت کے ترجمہ کو گروہ کی شکل میں اور مؤلف محترم کے زیر نظر، بہترین موجود تراجم (تقریباً ۶ عدد) کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھا گیا ہے۔ بات کو بہتر طور پر سمجھانے اور اس میں روانی کی خاطر بعض مطالب کو مزید وضاحت کیلئے الگ قوسین میں تحریر کیا گیا ہے۔

۳۔وہ نکات جو قوسین میں درج ہیں:

الف: آیت کی مشکل لغات کا ترجمہ اور اصل مادہ ہیں۔

ب: آیت کی شان نزول کا بیان ہے جو کہ آیت کے سیاق وسباق کو سمجھنے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔

ج: آیت سے متعلقہ دیگر آیات جو مختلف قرآنی موضوعات کو جاننے میں انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔

د: آیت کے ذیل میں روایات کا بیان ہے۔اس حصہ میں روایات کی کثرت کی بنا پر صرف نمونہ کے طور پر چند ایک روایات کو بیان کیا گیا ہے۔

ھ: آیت کے مفہوم کو مزید روشن کرنے کیلئے چند ضروری وضاحتیں شامل کی گئی ہیں۔

و: خود سے ہی بعض سوال کرنے کے بعد ان کے جوابات پیش کیے گئے ہیں۔

۴۔ پیغام ہا، مؤلف محترم کا اس تفسیر کے بارے اصل مطمئنہ نظر یہی پیغام والا حصہ ہے۔تا کہ یہ سمجھا سکیں کہ تمام زمانوں میں اور ہر نسل کیلئے قرآن کتاب حیات انسان ہے۔البتہ مؤلف محترم نے اپنی بات میں دلیل کے طور پر ہر آیت کے آخر میں درج ذیل امور کا ذکر کیا ہے:

الف: ہر آیت کے الفاظ معانی،

ب: چند کلمات سے مرکب عبارتیں،

ج: آیت کی ابتدا اور انتہا کے درمیان رابطہ،

د: آیت کا ماقبل آیات کے ساتھ تعلق۔

۵۔ آیات، روایات اور تفاسیر وکتب کے حوالہ جات کو مختصر طور پر تحریر کیا گیا ہے۔اسی آیت سے متعلق وہ نکات اور تفسیری مطالب جو نکات اور پیغام ہا کے عنوان میں نہیں آتے، ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

ضروری تذکر

۱۔ جہاں کہیں نکات اور پیغام کی تعداد ایک سے زیادہ نہیں بڑھی، لیکن ایک خاص انداز کو باقی رکھنے کی خاطر نکات و پیغام کا عنوان بصورت جمع آیا ہے۔

۲۔تفسیری کتب کے بارے میں جہاں کہیں مراد آیت کے ذیل میں اس تفسیر کے مطالب تھے، وہاں حوالے میں کتاب کی جلد اور صحفہ کا نمبر ذکر نہیں کیا گیا۔

آخر میں ہم حجۃ الاسلام جناب سید جواد بہشتی، رحمت جعفری، حسن دہشیری اور محمود متوسل جنہوں نے تفاسیر کی چھان بین اور تحقیق میں ہماری مدد کی، جناب علی محمد متوسلی جنہوں نے تقابلی جائزہ اور اس جلد کی آخری تصحیح کے کام میں بہت زیادہ تعاون کیا، دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اسی طرح یہ بات بھی بجا ہے کہ اصول وقواعد کا خیال رکھنے اور کمپوزنگ کی اغلاط کو ٹھیک کرنے میں ہماری تمامتر کوشش کے باوجود یقیناً ہوسکتا ہے کہ کچھ غلطیاں اور کمیاں اس تفسیر کو پیش کرنے میں باقی رہ گئی ہوں۔ امید ہے کہ محترم قارئین پہلے کی طرح خلوص ومحبت کا اظہار کرتے ہوئے اپنی رائے اور تجویز، ہمارے تہران کے پتہ پوسٹ بکس ۵۸۶۔۱۸۵ ۱۴ پر بھیج کر اصلاح اور تکمیل کے مراحل میں ہماری مدد فرمائیں گے۔اس کے لیے ہمارا پیشگی شکریہ قبول کریں۔

ثقافتی مرکز برائے درسہائے از قرآن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ تجدید اشاعت

۱۳۷۸ شمسی میں ثقافتی مرکز برائے درسہائے از قرآن کی طرف سے پہلی جلد کی نئی اشاعت کیلئے میں نے دوبارہ گہری نظر سے تفسیر نور کا مطالعہ کیا ہے۔ بعض مطالب کو حذف یا ادغام کرتے ہوئے، جدید مطالب کو جو خدا تعالیٰ نے میرے ذہن میں ڈالے تھے یا تفسیر راہنما و نخبۃ التفاسیر سے استفادہ کیا تھا، پہلے والے مطالب میں اضافہ کیا ہے۔

کچھ دیر کیلئے میں فکر میں تھا کہ دو تین سال بعد اپنے لکھے کو میں تبدیل کر رہا ہوں، اگر یہ قیامت تک پہنچے اور اولیا خدا، فرشتوں، سب سے بڑھ کر خدا تعالی کی نگاہ سے جب یہ تحریر گزرے گی تو کتنی زیادہ تبدیلیاں اس میں واقع ہونگی۔ پھر یہ کہ سب اصلاحات و تبدیلیاں اس شرط کے ساتھ مفید ہیں کہ اس میں ریا، غرور، تکبر نہ ہو اور اعمال حبط یا باطل نہ ہو جائیں۔ بہرحال میں نے بہت زحمت کی ہے، لیکن نہیں جانتا کہ روز قیامت حتیٰ کہ اس کا ایک صفحہ بھی میری نجات کا باعث ہوگا یا نہیں!!

بے شک قرآن پاک نور ہے، نقص و کوتاہی ہم میں یا ہماری تحریر میں ہے۔ بہرحال خدا تعالیٰ کے لطف و کرم سے امید رکھتا ہوں کہ جس طرح گلستان میں مٹی پھول میں تبدیل ہو جاتی ہے اسی طرح قرآن پاک کی نورانی آیات کے سایہ میں ہماری یہ ناقص تحریر بھی نور میں بدل جائے گی۔

اللھم آمین

محسن قرائتی

۶۔۴۔۱۳۷۸

سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ

سورہ:۱ پارہ:۱ آیات:۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورہ حمد کا ایک منظر

سورہ حمد جس کا دوسرا نام ''فاتحۃ الکتاب'' ہے۔اس کی سات آیات ہیں ۔(سات کا عدد، آسمانوں کا عدد، ایام ہفتہ، طواف، سعی بین صفا ومروہ اور شیطان کو ماری جانے والی کنکریوں کا عدد ہے۔) یہ وہ واحد سورت ہے جو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اسے ہر روز کم از کم ایک دن رات کی نمازوں میں دس مرتبہ پڑھے۔عمدی طور پر اس کو ترک کرنا بطلان نماز کا باعث ہے۔'' لاصلاۃ الا بفاتحۃ الکتاب''(مستدرک، ج ۴، ح ۴۳۶۵)

جابر بن عبداللہ انصاری کی رسول اکرمؐ سے روایت ہے کہ ''یہ سورت قرآن کی بہترین سورتوں میں سے ہے۔'' ابن عباس سے منقول ہے کہ ''سورہ حمد قرآن کی بنیاد ہے۔'' حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ''اگر تم نے مردے پر ستر مرتبہ اس سورت کو پڑھا اور زندہ ہو جائے تو تعجب نہ کرو۔''(بحار، ج ۹۲،ص ۲۵۷)

پیامبر اکرمؐ کی طرف سے اس سورت کا نام فاتحۃ الکتاب رکھے جانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول خداؐ کے زمانے میں تمام آیات قرآن کی جمع آوری ہو کر کتاب کی شکل دی جا چکی تھی۔آپؐ کے حکم سے اس سورت کو آغاز میں اور قرآن پاک کے شروع میں رکھا گیا۔(عیون اخبار الرضا، ج ۲،ص ۲۷)

اسی طرح ہم حدیث ثقلین میں پڑھتے ہیں، پیامبر اکرمؐ نے فرمایا کہ ''انی تارك فیکم ثقلین کتاب اللہ و عترتی ''(بحار، ج ۲،ص ۱۰۰) میں دو گرانقدر چیزیں آپ کے درمیان چھوڑے جا رہا ہوں، کتاب اللہ اور اپنی عترت۔اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمان پیامبرؐ میں آیات الٰہی ''کتاب اللہ'' کی شکل میں جمع کی جا چکی تھیں اور اسی نام سے مسلمانوں کے درمیان معروف ومشہور تھیں۔

سورہ مبارکہ فاتحہ کی آیات میں خدا تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، قیامت کا مسئلہ، راہ حق کی پہچان کی درخواست، اس پر چلنے کی دعا، خدا تعالیٰ کی حاکمیت اور ربوبیت کو قبول کرنے کے بارے بیان موجود ہے۔اسی طرح اولیائے خدا کے راستے کو جاری رکھنا، ان سے محبت کا اظہار، گمراہ افراد اور جن پر غضب ہوا، ایسے افراد سے نفرت اور بیزاری کا اعلان پایا جاتا ہے۔

سورہ حمد خود قرآن کی طرح شفا کا ذریعہ ہے۔ جسمانی امراض کیلئے شفا ہے اور روحانی بیماریوں کیلئے بھی شفا ہے۔
(علامہ امینیؒ فاتحۃ الکتاب کی تفسیر کے ذیل میں اس بارے میں بہت سی روایات ذکر کرتے ہیں۔)

سورہ حمد کے تربیتی درس

سورہ حمد کی تفسیر سے پہلے اس سورہ سے حاصل ہونے والے درس کا خلاصہ بیان کریں گے اور آئندہ صفحات میں اس کی تشریح پیش کریں گے؛

۱۔ انسان بِسۡمِ اللّٰهِ کے ساتھ سورہ حمد کی تلاوت کے ذریعے غیر خدا سے قطع امید کر لیتا ہے۔

۲۔ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ و مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ۝ کے ساتھ یہ احساس کرتا ہے کہ وہ کسی کا مربوب اور مملوک ہے۔ اس طرح وہ خود غرضی اور غرور کو چھوڑ دیتا ہے۔

۳۔ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ کے لفظ کے ذریعے اپنے اور عالم کے درمیان ایک رابطہ قائم کر لیتا ہے۔

۴۔ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کے ذریعے وہ اپنے آپ کو اس کے لطف و کرم کے سایے میں دیکھتا ہے۔

۵۔ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ کے ساتھ آئندہ کی غفلت سے دور ہو جاتا ہے۔

۶۔ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ کہنے سے ریاکاری اور نام و نمود کی خواہش کو دور کر دیتا ہے۔

۷۔ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ کہنے سے بڑی طاقتوں سے نہیں گھبراتا۔

۸۔ اَنۡعَمۡتَ کہنے کے بعد جان جاتا ہے کہ سب نعمتیں اسی کے اختیار میں ہیں۔

۹۔ اِهۡدِنَا کے ساتھ راہ حق پر چلنے اور سیدھے راستے کی درخواست کرتا ہے۔

۱۰۔ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ کہہ کر حق کے پیروکاروں کے ساتھ اپنی وابستگی کا اعلان کرتا ہے۔

۱۱۔ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ کے ساتھ باطل و اہل باطل کے ساتھ بیزاری اور برائت کا اظہار و اعلان کرتا ہے۔

آیت نمبر ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

ترجمۃ الآیات

خدا کے نام سے جو بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔

نکات:

☆ مختلف اقوام وملتوں میں یہ رواج ہے کہ تمام اہم اور ضروری کام کو اپنے بزرگوں میں سے کسی صاحب عزت و احترام بزرگ کے نام سے شروع کرتے ہیں تا کہ وہ کام محفوظ اور بابرکت ہو جائے اور نتیجہ خیز ہو۔ وہ لوگ اپنے صحیح یا غلط عقیدے کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ کبھی بتوں یا طاغوتوں کے نام سے، کبھی خدا کے نام سے اور اولیائے خدا کے دست مبارک سے شروع کرتے ہیں۔ چنانچہ غزوہ خندق میں زمین پر سب سے پہلی کدال رسول خداؐ نے لگائی۔ (بحار، ج ۲۰ ص ۲۱۸)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کتاب الٰہی کا سرنامہ کلام ہے۔ بِسۡمِ اللّٰہِ صرف قرآن پاک کی ابتداء میں ہی نہیں بلکہ تمام آسمانی کتابوں کی ابتدا اسی کلمہ سے ہوئی تھی۔ سب انبیا کرام کے کار وعمل کا سرنامہ بھی بسم اللہ ہی تھی۔ جب حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفانی موجوں میں چلنے لگی تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ”بِسۡمِ اللّٰہِ مَجۡرٖىہَا وَمُرۡسٰىہَا ط“ یعنی اس کشتی کا چلنا اور رکنا خدا کے نام سے ہے۔ (ہود۔ ۴۱)

☆ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ملکہ سبا کو خدا پر ایمان لانے کی دعوت دی تو اس دعوت نامے کا آغاز بھی آپ نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے کیا تھا۔ (نمل۔ ۳۰)

☆ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: بِسۡمِ اللّٰہِ برکت کا باعث ہے اور اس کا ترک کرنا ناکامی کی وجہ ہے۔ اسی طرح آپؑ نے ایک شخص سے جو بِسۡمِ اللّٰہِ لکھ رہا تھا' فرمایا: جوّدھا یعنی اسے خوبصورت انداز میں لکھو۔ (کنز العمال، ح ۲۹۵۵۸)

☆ ہر کام کو شروع کرتے وقت بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے، کھانا کھانے، نکاح کرنے، سواری پر سوار ہونے، سفر کا آغاز کرنے اور دوسرے بہت سے مواقع پر اس کے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ اگر جانور کو بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھے بغیر ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت حرام ہو جاتا ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ انسان کی خوراک کا بھی ایک مقصد ہوتا ہے اور توحید پر

ایمان رکھنے والے کو چاہیے کہ وہ الٰہی جہت کو اپنائے رکھے۔

حدیث میں پڑھتے ہیں کہ بِسۡمِ اللّٰہِ کو فراموش نہ کرو حتیٰ شعر کا ایک بیت لکھتے وقت بھی۔ جو کوئی بچے کو پہلی مرتبہ بِسۡمِ اللّٰہِ سکھائے اس کی جزا کے بارے میں متعدد روایات وارد ہوئی ہیں۔

سوال: ہر کام کی ابتدا میں بِسۡمِ اللّٰہِ کی تاکید کیوں کی گئی ہے؟

جواب: بسم اللہ مسلمان کی علامت اور نشان ہے۔ اس کے ہر کام پر الٰہی رنگ ہونا چاہیے۔ جس طرح کسی کارخانے کی مصنوعات اور سامان پر اس کارخانے کی مہر اور علامتی نشان ہوتا ہے۔ خواہ وہ جزوی طور پر ہو یا کلی طور پر ہو۔ مثلاً چینی کے برتن بنانے والے کارخانے کی طرف سے ہر برتن پر اس کی ساخت کی علامت ہوتی ہے خواہ وہ برتن بڑے ہوں خواہ چھوٹے، سب پر اس کا علامتی نشان ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی ملک کا قومی پرچم بھی ہے جو اس ملک کی بلندیوں پر لہرا رہا ہوتا ہے اور سمندر میں چلنے والے اس کے جہازوں پر اور دفتروں میں کام کرنے والے ملازمین کی میزوں پر بھی نظر آتا ہے۔ تمام سرکاری عمارتوں پر، سکولز اور انتظامی فورسز کی چوکیوں پر بھی نظر آتا ہے۔

سوال: کیا بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ الگ مستقل آیت ہے؟

جواب: اہلبیت رسول اللہ علیھم السلام جو دوسرے فقہی رہبروں پر سو سالہ برتری رکھتے ہیں، جو راہ خدا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے، نیز قرآن میں ان کی عصمت وطہارت کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا، ان کے اعتقاد کے مطابق "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" ایک مستقل آیت اور قرآن مجید کا جزء ہے۔

فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں بِسۡمِ اللّٰہِ کے جزء قرآن ہونے پر سولہ دلیلیں پیش کی ہیں۔ آلوسی بھی اسی نظریئے کا قائل ہے۔ مسند احمد میں بھی بِسۡمِ اللّٰہِ کو جزء سورت شمار کیا گیا ہے۔ (مسند احمد، ج ۳، ص ۷۷ او ج ۴، ص ۵۸)

بعض لوگ جو بِسۡمِ اللّٰہِ کو سورت کا جزء نہیں جانتے، یا نماز میں اسے ترک کرتے ہیں، ان پر اعتراضات کیے گئے ہیں۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ ایک دن معاویہ نے نماز میں بِسۡمِ اللّٰہِ نہیں پڑھی تو لوگوں نے اس پر یہ کہہ کر اعتراض کیا: اسرقت ام نیست، کیا تم نے آیت چوری کر لی ہے یا بھول گئے ہو؟ (مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۲۳۳)

ائمہ معصومین علیھم السلام اس بات پر اصرار کرتے تھے کہ نماز میں بِسۡمِ اللّٰہِ کو بلند آواز سے پڑھا جائے۔ جو لوگ نماز میں بِسۡمِ اللّٰہِ نہیں پڑھتے یا اسے سورت کا جزء شمار نہیں کرتے، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ان کے بارے میں فرماتے ہیں: سرقوا اکرم آیة، یعنی ان لوگوں نے بہترین آیت کو چرا لیا ہے۔ (بحار، ج ۸۵، ص ۲۰)

سنن بیہقی میں ایک حدیث کے ضمن میں منقول ہے کہ کیوں بعض لوگوں نے بسم اللہ کو سورت کا جزء شمار نہیں کیا؟ (سنن بیہقی، ج ۲، ص ۵۰)

شہید مطہریؒ سورہ حمد کی تفسیر میں ابن عباس، عاصم، کسائی، ابن عمر، ابن زبیر، عطا، طاؤس، فخر رازی اور سیوطی کو ان

لوگوں میں ذکر کرتے ہیں جو بِسۡمِ اللّٰہِ کو سورت کا جزء سمجھتے تھے۔

تفسیر قرطبی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے "بِسۡمِ اللّٰہِ تمام سورتوں کا تاج ہے۔" صرف سورہ برائت (سورہ توبہ) میں بِسۡمِ اللّٰہِ نہیں ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق سورہ توبہ کے اول میں بِسۡمِ اللّٰہِ اس لیے نہیں ہے کہ وہ امان و رحمت کا کلمہ ہے اور یہ کفار و مشرکین سے برائت، نفرت اور دشمنی کے اظہار سے مطابقت نہیں رکھتا۔ (مجمع البیان و تفسیر کشاف)

بسم اللہ پر ایک نظر:

١۔ بِسۡمِ اللّٰہِ خدائی رنگ اور صبغت الٰہی کی علامت اور ہمارے لیے توحید کے رستوں پر چلنے کا واضح نشان ہے۔ (امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: بسم اللہ یعنی خدا کی بندگی کے نشان کو اپنے آپ پر لگاتا ہوں۔ تفسیر نور الثقلین)

٢۔ بِسۡمِ اللّٰہِ سے کسی کام کا آغاز توحید کی علامت ہے، غیر خدا کے نام سے ساتھ آغاز کفر کی علامت ہے اور خالق و مخلوق کے نام ملا کر ان سے کام کا آغاز کرنا شرک کی علامت ہے۔ پس نہ تو خدا کے نام کے ساتھ دوسروں کا نام لیا جائے اور نہ ہی اس کی بجائے دوسروں کا نام لیا جائے۔

(نہ صرف اس کی ذات بلکہ کا نام بھی نیز ہر شریک سے منزہ ہے۔ سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى یعنی اسم پروردگار کو اسم محمدؐ کے ساتھ ملا کر کسی کام کی ابتدا بھی ممنوع ہے۔ اثبات الھداۃ، ج ٧، ص ٤٨٢)

٣۔ بِسۡمِ اللّٰہِ بقا اور دوام کی علامت ہے اور جس میں خدائی رنگ نہیں وہ فانی ہے۔ (كُلُّ شَيۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ ط (قصص۔٨٨)

٤۔ بِسۡمِ اللّٰہِ خدا سے عشق اور اس پر توکل کی علامت ہے وہ جو رحمان و رحیم ہے اس کے ساتھ عشق کرتے ہیں، اپنے کام کو اس پر توکل کے ساتھ شروع کرتے ہیں، کیونکہ اس کا نام لینا رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہے۔

٥۔ بِسۡمِ اللّٰہِ تکبر سے دور رہنے اور بارگاہ الٰہی میں اظہار عجز کی علامت ہے۔

٦۔ بِسۡمِ اللّٰہِ بندگی اور عبودیت کے راستے کا پہلا قدم ہے۔

٧۔ بِسۡمِ اللّٰہِ شیطان کو بھگانے کا ذریعہ ہے کیونکہ جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ خدا اس کے ساتھ ہے اس پر شیطان کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

٨۔ بِسۡمِ اللّٰہِ کاموں کے پاکیزہ ہونے کا عامل اور ان کے پورا ہو جانے کے یقین کا موجب ہے۔

٩۔ بِسۡمِ اللّٰہِ ذکر خدا ہے یعنی اے خدا! میں نے تجھے فراموش نہیں کیا۔

١٠۔ بِسۡمِ اللّٰہِ نیت کو بیان کرتی ہے۔ یعنی خدایا! تو ہی میرا ہدف اور میرا مطلوب ہے مجھے عام افراد، طاغوت، رنگینی دنیا اور نفسانی خواہشات سے رغبت نہیں ہے۔

۱۱۔ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: ''بِسۡمِ اللّٰہِ'' اللہ کا اسم اعظم ہے۔ آنکھ کی سیاہی اور سفیدی کی قربت سے زیادہ قریب ہے۔ (تفسیر راہنما)

پیغام:

۱۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا سورت کے آغاز میں ہونا اس بات کی علامت ہے کہ سورت کے مطالب مبدائے حق اور مظہر رحمت کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔

۲۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا آسمانی کتاب کے شروع میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ ہدایت صرف اس کی مدد سے ممکن ہوسکتی ہے۔

(یہ جو کہا جاتا ہے کہ تمام قرآن سورہ حمد میں ہے تمام سورہ حمد بِسۡمِ اللّٰہِ میں ہے اور تمام بِسۡمِ اللّٰہِ حرف ''با'' میں ہے۔ شاید اس کا معنی یہ ہو کہ کائنات کی تخلیق، ہدایت اور اس کی بازگشت خدا ہی کی مدد سے ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ کی رسالت بھی اسی کے نام سے شروع ہوئی۔ اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ۔)

۳۔ بِسۡمِ اللّٰہِ وہ کلمہ ہے جس سے خداوند کی بات اس کے بندوں سے اور بندوں کی بات ان کے پروردگار سے شروع ہوتی ہے۔

۴۔ رحمت الٰہی اس کی ذات کی طرح ابدی اور ازلی ہے۔ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

۵۔ رحمت الٰہی کا مختلف انداز میں بیان، رحمت پر اصرار و تاکید کا اظہار ہے۔ ایک انداز ''رَّحۡمٰنِ'' ہے تو دوسرا انداز ''رحیم'' ہے۔ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

۶۔ کتاب خدا کی ابتدا میں کلمہ رحمٰن و رحیم کا آنا شاید اس بات کی علامت ہے کہ قرآن، الٰہی رحمت کا جلوہ ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے خلقت اور بعثت اس کی رحمت اور لطف و کرم کا جلوہ ہے۔ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

آیت نمبر ۲

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۲﴾

ترجمۃ الآیات

شکر اور تعریف مخصوص ہے اس خدا کے لیے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

نکات:

☆ ''رب'' اسے کہا جاتا ہے جو کسی چیز کا مالک وصاحب ہو۔ وہ اس کی ترقی وکمال اور پرورش میں کردار رکھتا ہے۔ خداوند کائنات کا حقیقی مالک ہے۔ وہی مدبر ہے وہی پروردگار ہے۔ تمام عالم ہستی تکامل کے مرحلے طے کر رہی ہے۔ جو راستہ خدا تعالیٰ نے اس کیلئے معین کیا ہے وہ اسی راستے پر راہنمائی ہوتا ہے۔

☆ سورہ حمد کے علاوہ چار سورتیں انعام، کھف، سبا و فاطر بھی جملہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کے ساتھ شروع ہوئی ہیں۔ لیکن صرف سورہ حمد میں اس جملے کے بعد ''رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' کا کلمہ آیا ہے۔

☆ حمد کے مفہوم میں مدح وشکر کے معنی پائے جاتے ہیں۔ انسان کسی کے جمال، کمال وخوبصورتی کیلئے مدح کرتا ہے۔ نعمت وخدمت اور دوسرے کے احسان کے بدلے میں شکر ادا کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ اپنے کمال و جمال کی وجہ سے لائق مدح ہے، اپنے احسان اور نعمتوں پر لائق شکر ہے۔

☆ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' خدا کے شکر کا بہترین انداز ہے۔ ہر شخص ہر جگہ اور ہر زبان میں ہر کمال اور زیبائی کی ستائش کرتا ہے تو درحقیقت وہ اس کمال وزیبائی کے سرچشمہ ہی کی ستائش کرتا ہے۔ البتہ خدا کی حمد وستائش اور شکر گزاری کسی مخلوق کی سپاس گزاری کے منافی نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ حکم خداوندی اور اس کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہو۔

☆ تمام مخلوقات کا پروردگار خداوند عالم ہے۔ وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ (انعام۔ ۱۶۴) جو کچھ زمین وآسمان اور ان کے درمیان ہے خدا تعالیٰ ان سب کا پروردگار ہے۔ ''رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ'' (شعراء۔ ۲۴)۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''من الجمادات و الحیوانات'' یعنی وہ جاندار اور بے جان تمام چیزوں کا پروردگار ہے۔

''اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝'' (سورہ اعراف۔ ۵۴) تمام خلقت اس کی طرف سے ہے اور اس کا انتظام وکنٹرول بھی اس کی طرف سے ہے۔ وہی ان کا تربیت کرنے والا اور سب کا پرورش کرنے والا ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ ''عٰلَمِيْنَ'' سے مراد یا صرف انسان ہیں۔ جیسے سورہ حجر کی آیت ۷۰ میں قوم لوط جناب لوط علیہ السلام سے کہتے ہیں: ''اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝'' کیا ہم نے تمہیں لوگوں سے ملنے سے منع نہیں کیا؟!

یا اس سے مراد تمام عالم ہستی ہے۔ ''عالَم'' مخلوقات کے معنی میں اور ''الْعٰلَمِيْنَ'' تمام مخلوقات کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس آیت سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ساری ہستی کا ایک ہی پروردگار ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اور بعض قوموں کے درمیان یہ عقیدہ رائج تھا کہ ہر مخلوق کے لیے ایک علیحدہ خدا ہے اور اس فرد یا چیز کو مدبر یا رب النوع سمجھتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ باطل ہے۔

پیغام:

۱۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یعنی تمام تعریفیں اس کیلئے ہیں۔ (الحمد میں الف ولام بمعنی تمام حمد اور جنس حمد ہے۔)

۲۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ یعنی خداوند کائنات کے رشد و ہدایت میں جبر سے کام نہیں لیتا' کیونکہ حمد غیر اجباری کاموں کیلئے ہوتی ہے۔

۳۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ یعنی ساری کائنات خوبصورت ہے پوری کائنات کی تدبیر بے عیب ہے' کیونکہ حمد خوبصورتی اور اچھائی کیلئے ہے۔

۴۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ یعنی ہماری حمد و ستائش کرنے کی دلیل اس کی پروردگاری ہے۔

۵۔ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ یعنی خداوند عالم کا اپنی مخلوق سے دائمی اور گہرا رابطہ ہے۔

(ماہر مصور اور معمار اپنے ہنر کی مہارت کو پیش کیا کرتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں لیکن ایک مربی کیلئے ضروری ہے کہ وہ ہر لحظہ نگاہ رکھے، نظارت کرے۔)

۶۔ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ یعنی ساری کائنات خداوند یکتا کے زیر تربیت ہے۔

۷۔ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ یعنی رشد و ہدایت اور تربیت کا امکان تمام موجودات میں پایا جاتا ہے۔

۸۔ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ یعنی خداوند انسانوں کی تربیت انبیاء کی راہنمائی کے ذریعے فرماتا ہے۔ (تشریعی تربیت) اور جمادات و نباتات و حیوانات کی پرورش و تربیت اپنے قدرتی فطری نظام کے تحت فرماتا ہے۔ (تکوینی تربیت)۔

۹۔ مومنین کتاب (قرآن) کے آغاز میں خداوند متعالی کی بارگاہ میں کورنش و آداب بجالانے کے لیے سب سے پہلے کہتے ہیں ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ﴿۱﴾'' اور اہل بہشت بھی اپنے انجام کار پر یہی کہیں گے ''وَاٰخِرُ دَعۡوٰىهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰﴾'' (یونس۔۱۰)

آیت نمبر ۳

الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِۙ ﴿۳﴾

ترجمۃ الآیات

(وہ خدا) بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

نکات:

☆ خداوند تعالیٰ نے رحمت کو اپنے اوپر واجب قرار دے رکھا ہے۔ ''كَتَبَ رَبُّكُمۡ عَلٰى نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ ۙ'' یعنی تمہارے پروردگار نے رحمت و مہربانی کو اپنے اوپر واجب کیا ہوا ہے۔ (انعام۔۵۴) اور اس کی رحمت ہر چیز کے لیے وسیع و عام

ہے۔"وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ" (اعراف۔۱۵۶)

اسی طرح اس نے جس پیغمبر کو بھیجا ہے یا کتاب کو نازل فرمایا ہے وہ بھی مایہ رحمت ہے۔"رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾"۔(انبیاء۔۱۰۷)اس کی طرف سے خلقت ہو، پرورش ہو یا تربیت سب رحمت کی بنیاد پر ہے۔اگر وہ سزا دیتا ہے تو وہ بھی اس کا لطف وکرم ہے۔

گناہوں کی بخشش ہو یا بندوں کی توبہ قبول کرنا ہو یا ان کے عیوب کو چھپانا ہو یا ان کی غلطیوں کی تلافی کے لیے انہیں مہلت دینا ہو، یہ سبھی اس کی رحمت اور مہربانی کے مظہر ہیں۔

پیغام:

۱۔خداوند عالم کی طرف سے تدبیر اور تربیت اس کے رحم وکرم اور لطف ومہربانی ومحبت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔(لفظ"رَبِّ" کے ساتھ لفظ"الرَّحْمٰنُ" آیا ہے۔)"رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۳﴾"

۲۔جس طرح تعلیم کے لیے رحم اور مہربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔"اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾"(رحمٰن۔ا و ۲)

اسی طرح تربیت اور تزکیہ نفس بھی رحم اور مہربانی کی بنیادوں پر انجام پاتے ہیں۔"رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۳﴾"

۳۔خداوند کی رحمانیت، اس کی حمد کیلئے دلیل ہے۔"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ"

آیت نمبر ۴

مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۴﴾

ترجمۃ الآیات

(وہ خدا) روز جزا کا مالک ہے۔

نکات:

☆ خداوند عالم کی مالکیت اس کے مکمل قبضے اور سلطنت پر محیط ہے، جبکہ دوسروں کی مالکیت حقیقی نہیں بلکہ اعتباری ہوتی ہے جو ان کے ہاتھ سے نکل سکتی ہے۔ جو اس کے حقیقی قبضے میں نہیں ہے۔"مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۴﴾"

☆ اس کے باوجود کہ خداوند ہر چیز کا ہر وقت مالک حقیقی ہے مگر قیامت کے دن اور روز معاد اس کی مالکیت کا رنگ ہی کچھ اور ہوگا؛ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾، اس دن تمام واسطے اور اسباب قطع ہوجائیں گے۔(بقرہ۔۱۶۶)

فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ ، تمام رشتے اور سبب ونسب ختم ہوجائیں گے۔(مومنون۔۱۰۱)

لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ ﴿۸۸﴾، مال اور اولاد کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔(شعراء۔۸۸)

لَنۡ تَنۡفَعَکُمۡ اَرۡحَامُکُمۡ ،قرابت دار اور لواحقین بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔(ممتحنہ۔۳)

انکار کرنے والی زبان کو عذر اور بہانہ تراشی کی اجازت نہ ہوگی اور نہ ہی ان کی فکر کو تدبیر کی فرصت ہوگی۔صرف ایک راہ باقی رہ جائے گی جو چارہ ساز ثابت ہوسکتی ہے اور وہ ہے خداوند عالم کا فضل وکرم کہ جو اس دن کا مالک ومختار ہوگا۔

☆لفظ''دین''کئی معانی میں استعمال ہوا ہے:

الف:آسمانی قوانین کا مجموعہ،جیسا کہ فرماتا ہے:

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟(آل عمران۔۱۹)

ب:عمل واطاعت،لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ ؕ (زمر۔۳)

ج:حساب وجزاء۔مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ۔

قرآن مجید میں لفظ''یَوۡمِ الدِّیۡنِ''قیامت کے دن کے معنی میں ہے جو سزا اور جزا کا دن ہے۔''یَسۡـَٔلُوۡنَ اَیَّانَ یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿۱۲﴾ ''یعنی آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا دن کب ہوگا۔(ذاریات۔۱۲)

قرآن اس دن کا تعارف کراتے ہوئے فرماتا ہے:''ثُمَّ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿۱۸﴾ یَوۡمَ لَا تَمۡلِکُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَیۡـًٔا ؕ وَالۡاَمۡرُ یَوۡمَئِذٍ لِّلّٰہِ ﴿۱۹﴾ ''یعنی تم نہیں جانتے کہ دین(قیامت)کا دن کیسا ہے؟ وہ ایسا دن ہے جس میں کوئی کسی پر قابو نہیں رکھتا ہوگا۔اس دن حکم اور فرمان صرف اور صرف خدا ہی کا ہوگا۔(انفطار۔۱۸و۱۹)

☆مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ،ایک قسم کے انذار یعنی ڈرائے جانے پر مشتمل ہے لیکن اس کے''الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ''کے پہلو میں واقع ہونے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خوشخبری اور وعید کو ساتھ ساتھ ہونا چاہیے جیسا کہ ایک دوسری آیت شریفہ میں ہے کہ

نَبِّیٔۡ عِبَادِیۡۤ اَنِّیۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِیۡ ہُوَ الۡعَذَابُ الۡاَلِیۡمُ ﴿۵۰﴾

یعنی میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت مہربان اور بخشنے والا ہوں اور میرا عذاب اور میری سزا بھی بہت ہی دردناک ہے۔(حجر۔۴۹و۵۰)

اسی طرح ایک اور آیت میں اپنا تعارف ان الفاظ میں کراتا ہے:

قَابِلِ التَّوۡبِ شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ ۙ

یعنی خداوند عالم لوگوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور گناہگاروں کو سخت عذاب دینے والا ہے۔(غافر۔۳)

☆قرآن کی سب سے پہلی سورت ہے جس میں خداوند کی مالکیت کا عنوان ذکر کیا گیا ہے۔''مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ،پھر قرآن کی سب سے آخری سورت میں بھی اس کی ملکیت کا ذکر کیا ہے،ملک الناس۔

پیغام:

۱۔ خدا تعالیٰ مختلف جہات اور متعدد وجوہات کی بنا پر عبادت کے لائق ہے اور ہمارا فرض ہے کہ اس کی حمد و سپاس بجا لائیں۔ اس کے ذاتی اور صفاتی کمال کی وجہ سے کہ وہ ''اللہ'' ہے۔ اس کے احسان و تربیت کی بنا پر کہ وہ ''رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ'' ہے۔ اس کی ذات سے رحمت کی امید اور فضل و کرم کے انتظار کی وجہ سے کہ وہ ''الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' ہے اور اس کی قدر و ہیبت کی بنا پر ''مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ'' ہے۔

۲۔ قیامت اس کی ربوبیت کا پرتو ہے۔ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ......... مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ۔

۳۔ قیامت اس کی رحمت کا جلوہ ہے۔ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۳ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۴۔

آیت نمبر ۵

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۴

ترجمۃ الآیات

(خداوندا!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

نکات:

☆ حکم عقل کے مطابق انسان کو خداوند کی بندگی کو قبول کرنا چاہیے۔ ہم انسان کمال سے عشق کرتے ہیں اور رشد و تربیت کے محتاج ہیں۔ خداوند تعالیٰ تمام کمالات کا جامع اور تمام کائنات کا رب ہے۔ اگر ہمیں مہر و محبت کی ضرورت ہے تو وہ رحمن و رحیم ہے، اگر مستقبل بعید سے اندیشہ ہے تو وہ اس دن کا مالک اور صاحب اختیار ہے۔ ہم دوسروں کی طرف کیوں جائیں؟! عقل تو یہی فیصلہ کرتی ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور صرف اسی کی ذات سے مدد مانگو۔ اپنی خواہشات کا بندہ نہیں ہونا چاہیے اور نہ دوسروں کی دولت و طاقت کا غلام بننا چاہیے۔

☆ نماز میں نماز گزار ایسے ہے گویا وہ سب خدا پرست افراد کی طرف سے کہتا ہے: اے خدا! نہ صرف میں بلکہ ہم سب تیرے بندے ہیں۔ نہ صرف میں بلکہ ہم سب تیرے محتاج اور تیرے لطف و کرم کے نیازمند ہیں۔

☆ اِیَّاکَ یعنی اے خدا! میں تیرے علاوہ کسی کو نہیں پاتا لیکن تو میرے علاوہ بہت سوں کو رکھتا ہے۔ ساری ہستی تیری مطیع اور غلام ہے۔ ''اِنۡ کُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ۹۳'' آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز ایسی

نہیں ہے جو خدائے رحمن کی مطیع اور فرمانبردار نہ ہو۔ (مریم۔ ۹۳)

☆ ''نَعۡبُدُ'' اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جانی چاہیے۔ اس بات کو بھی واضح کرتا ہے کہ سارے مسلمان آپس میں بھائی اور ایک ہی راہ کے راہی ہیں۔

☆ معنوی پرواز کے مراحل میں حمد وثنا، رابطہ اور پھر دعا ہے۔ اس لیے سورہ حمد کے شروع میں ثناء ہے، ''ایاک نعبد'' کی آیت رابطہ کو بتاتی ہے، اور اس کے بعد دعا ہے۔

☆ محبوب حقیقی کے ساتھ گفتگو بہت شیریں ہوتی ہے شاید اسی لیے ''اِیَّاکَ'' کے لفظ کو مکرر لایا گیا ہے۔

پیغام:

۱۔ پہلے خدا تعالی کی بندگی کرنی چاہیے پھر اس سے حاجت چاہیں۔ ''نَعۡبُدُ، نَسۡتَعِیۡنُ''

۲۔ بندگی صرف خدا کے لیے جائز ہے دوسروں کیلئے نہیں۔ ''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ''

۳۔ اگرچہ عبادت ہم ہی کرتے ہیں لیکن اس کی انجام دہی کے لیے ہم اس کے محتاج ہیں۔ ''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ'' (وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِىَ لَوۡلَاۤ اَنۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ ۚ اگر الٰہی ہدایت نہ ہوتی ہم ہدایت حاصل نہ کر پاتے۔ اعراف۔ ۴۳)

۴۔ ''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ'' یعنی نہ جبر ہے نہ تفویض، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ نَعۡبُدُ یعنی ہم اختیار رکھتے ہیں مجبور نہیں ہیں۔ اور جب کہتے ہیں کہ نستعین، یعنی ہم اس کے نیازمند ہیں اور امور ہمیں نہیں سونپے گئے۔

۵۔ خداوند کی ذات وصفات کی معرفت، توحید وعبودیت تک پہنچنے کا مقدمہ ہے۔ ''رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۳﴾ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ﴿۴﴾ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ''

۶۔ دعا و عبادت کے آداب یہ ہیں کہ انسان خود سے غافل ہو کر اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو۔ خدا تعالی کی موجودگی کا احساس کرے۔ ''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ''

۷۔ معاد کی طرف توجہ، عبادت کی طرف رغبت کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ ''مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ﴿۴﴾ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ''

آیت نمبر ۶

اِہۡدِ نَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ﴿۶﴾

ترجمۃ الآیات

(اے خدا!) ہم سب کو سیدھی راہ کی ہدایت فرما۔

نکات:

☆ قرآن مجید میں دو طرح کی ہدایت کا ذکر کیا گیا ہے:

الف: ہدایت تکوینی۔ جیسے شہد کی مکھی کو ہدایت کی گئی ہے کہ کیونکر پھولوں سے رس کو نچوڑے اور کس طرح اپنے چھتہ کو تیار کرے؟! یا پرندوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ سردیوں اور گرمیوں میں کہاں سے کہاں تک اور کیونکر مہاجرت کریں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

''رَبُّنَا الَّذِيٓ اَعۡطٰى كُلَّ شَيۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى۝۵۰'' ہمارے رب نے ہر چیز کو وجود کی نعمت سے نوازا اور پھر اسے حصول کمال کی طرف ہدایت کی ہے۔ (طٰہٰ۔ ۵۰)

ب: ہدایت تشریعی۔ جو خدا کی طرف سے بھیجے گئے انبیاء کی طرف سے ملنے والی ہدایت ہے۔

''صِرَاط'' کا لفظ قرآن مجید میں چالیس سے زائد مقامات پر ذکر ہوا ہے کیونکہ راستے اور صحیح فکری خطوط کا انتخاب انسانی شخصیت کی علامت ہے۔

(صِرَاط، قیامت کے دن ایک پُل کا نام ہے۔ جو کہ دوزخ کے اوپر ہے اور ہر کسی کو اس کے اوپر سے گذرنا ہوگا۔)

☆ انسان کے سامنے بہت سے غیر الٰہی راستے موجود ہیں اسے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔

۱۔ اپنی خواہشات و توقعات کی راہیں۔

۲۔ لوگوں کی طرف سے امیدیں اور ان کی خواہشات کے راستے۔

۳۔ شیطانی وسوسوں کی راہیں۔

۴۔ طاغوت کے راستے۔

۵۔ گذشتہ لوگوں کی راہیں۔

۶۔ خدا اور اولیائے خدا کے راستے۔

مومن انسان، خدا اور اولیائے خدا کا راستہ انتخاب کرتا ہے، جس کی کچھ خصوصیات ہیں جو دوسرے راستوں میں نہیں پائی جاتیں:

الف: الٰہی راستہ پائیدار ہے جبکہ طاغوتوں اور انسانی خواہشات کی راہیں ہر روز تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔

ب: خدائی راستہ ایک ہی ہے جبکہ دوسری راہیں متعدد اور بکھری ہوئی ہیں۔

ج: اس پر چلنے سے انسان کو راستے اور مقصد پر یقین حاصل ہوتا ہے۔

د: اس راہ پر چلنے سے شکست و ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

صراط مستقیم

سیدھی راہ، راہ خدا ہے۔ ''اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۵۶﴾ '' (ہود۔ ۵۶)

سیدھی راہ، راہ انبیاء ہے۔ ''اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۳﴾ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۴﴾ '' (یس۔ ۳ و ۴)

سیدھی راہ، بندگی خدا کی راہ ہے۔ ''وَّاَنِ اعۡبُدُوۡنِیۡ ؕ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿۶۱﴾ '' (یس۔ ۶۱)

سیدھی راہ، خدا پر توکل اور بھروسہ کی راہ ہے۔ ''وَمَنۡ یَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ہُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ '' (آل عمران۔ ۱۰۱)

سیدھی راہ، ایک خدا کی عبادت اور اسی سے مدد چاہنے کی راہ ہے۔

(اس بنا پر کہ الصِّرَاطَ میں الف لام پہلی والی آیت میں یکتا پرستی کے راستے ہی کی طرف اشارہ ہے۔)

سیدھی راہ، کتاب خدا ہے۔ (تفسیر مجمع البیان میں ذکر ہونے والی ایک روایت کے مطابق، ج ۱، ص ۵۸)

سیدھی راہ، سالم فطرت کی راہ ہے۔ (تفسیر صافی میں امام صادق علیہ السلام سے ذکر ایک روایت کے مطابق، ج ۱، ص ۸۶)

☆ انسان کو چاہیے کہ صراط مستقیم کے انتخاب اور اس راہ پر ثابت قدم رہنے کے لیے خدا سے مدد حاصل کرے۔ جس طرح بلب اپنی روشنی کو اصلی منبع سے حاصل کرتا ہے۔ ''اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ﴿۵﴾ ''

☆ سیدھی راہ پر رہنا، مسلمان کی وہ واحد خواہش ہے جس کیلئے خدا تعالیٰ سے ہر نماز میں دعا کرتا ہے۔ حتیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ائمہ اطہار علیہم السلام بھی خداوند سے سیدھی راہ پر برقرار رہنے کی دعا کرتے ہیں۔

☆ انسان کو چاہیے کہ ہر لحہ اور ہر طرح کے کاموں میں خدا سے مدد مانگے۔ چاہے وہ راہ کے انتخاب کی بات ہو یا کام کے انتخاب کی، دوست یا ہمسر ہو یا تعلیم کے کسی شعبہ کا انتخاب، اخلاق ہو یا افکار کے انتخاب کی بات ہو۔ کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان عقائد میں تو صحیح فکر کرتا ہے لیکن عمل میں لغزش کھا جاتا ہے۔ کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ انسان راہ مستقیم پر برقرار رہنے کے لیے ہر ہر لحہ میں خدا سے دعا مانگے۔

☆ سیدھے راستے کے مرتبے اور مرحلے ہیں۔ حتیٰ ان کے لیے بھی ضروری ہے جو راہ حق پر ہیں۔ جیسے اولیائے خدا کیلئے بھی ضروری ہے کہ راہ راست پر باقی رہنے کی خاطر اور نور ہدایت میں اضافہ کی خاطر دعا کرتے رہیں۔ ''الَّذِیۡنَ اہۡتَدَوۡا زَادَہُمۡ ہُدًی ''

(جو کوئی کہتا ہے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۲﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۳﴾ ---اس نے ہدایت کے کچھ مرحلے طے کر لیے ہیں۔اب اس کی درخواست بلند تر مراتب کیلئے ہے۔)

☆ سیدھا راستہ وہی درمیانہ اور وسطی راستہ ہے کہ جس کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اليمين و الشمال مضلة و الطريق الوسطى هي الجادة'' دائیں بائیں گمراہی ہے اور درمیانی راستہ ہی راہ ہدایت ہے۔(بحار، ج ۷۸، ص ۳)

☆ راہ مستقیم یعنی میانہ روی اور حد اعتدال میں رہنا ہے۔ ہر طرح کے افراط وتفریط سے پرہیز کرنا ہے۔ چاہے عقیدے میں ہو یا عمل میں، کیونکہ کوئی عقاید کو اپنانے میں راستے سے اتر جاتا ہے تو کوئی عمل اور اخلاق میں ایسا کرتا ہے۔

ایک تمام کاموں کی نسبت خدا تعالیٰ سے دیتا ہے گویا انسان اپنی سرنوشت میں کسی قسم کا کردار نہیں رکھتا۔ دوسرا اپنے آپ کو ہر کام میں آزاد ''فعال ما يشاء'' خیال کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے تو جیسے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ایک ہے کہ آسمانی رہبروں کو عام انسانوں کی طرح جانتا ہے اور کبھی تو جادوگر و مجنون کہتا ہے۔کوئی دوسرا اٹھتا ہے تو ان ہستیوں کو حد خدا تک پہنچا دیتا ہے۔ایک ائمہ معصومینؑ اور شہدا کی زیارت کو بدعت تصور کرتا ہے تو دوسرا درخت و دیوار کے ساتھ بھی توسل کر لیتا ہے اور وہاں دھاگے باندھنے لگتا ہے۔ایک اقتصاد کو بنیاد قرار دیتا ہے تو دوسرا دنیا اور امور دنیا کو یکسر نظر انداز کرتا ہے۔بعض بے جا اور بے محل غیرت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو اپنی بیویوں تک کو بغیر پردہ کو چہ و بازار میں بھیج دیتے ہیں۔ایک بخل کرتا ہے تو دوسرا بے حساب سخاوت کا مظاہرہ کرتا ہے۔بعض خلق خدا سے دور ہو جاتے ہیں اور کچھ حق کو خلق پر قربان کر دیتے ہیں۔

اس قسم کی رفتار اور کردار ہدایت کے سیدھے راستے سے جدائی اور انحراف ہے حالانکہ خداوند عالم اپنے محکم و مستحکم دین کو سیدھی راہ کے طور پر متعارف کراتا ہے۔''قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ'' (انعام۔۱۶۱)

روایات میں آیا ہے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام فرماتے ہیں: سیدھا راستہ ہم ہیں۔یعنی اس کا عینی اور عملی نمونہ، اسوہ اور قابل تقلید مثال اور آسمانی رہبر ہیں۔انہوں نے زندگی کے تمام مسائل میں انسانوں کی راہنمائی کی ہے چاہے وہ کسی قسم کا کام ہو یا تفریح، کسی چیز کا حصول ہو یا غذا کا مسئلہ، کسی پر خرچ کرنا ہو یا بخشش، کسی پر تنقید کرنا ہو یا اصلاح، کسی پر ناراض ہونا ہو یا صلح کرنا ہو، اولاد سے تعلقات ہوں یا کچھ بھی ہو، ہر معاملہ میں انہوں نے عالم انسانیت کی راہنمائی فرمائی ہے۔اور ہمیں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے۔

(تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۲۰) (اس بارے میں اصول کافی کے باب ''الاقتصاد فی العبادات'' یعنی عبادت میں میانہ روی کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔)

دلچسپ بات یہ ہے کہ ابلیس بھی اسی راہ مستقیم پر کمین لگائے بیٹھا ہے۔(شیطان نے خدا تعالیٰ سے کہا: لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ،اعراف۔۱۶)

☆ قرآن مجید اور روایات میں بہت سے نمونے ایسے ہیں جن میں میانہ روی اور اعتدال پسندی کی تاکید کی گئی ہے اور افراط وتفریط سے روکا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ (اعراف۔ ۳۱)

کھاؤ پیو لیکن اسراف نہ کرو۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (اسراء۔ ۲۹)

(خرچ کرنے میں) اپنے ہاتھوں کو اپنی گردن سے نہ باندھ لو اور نہ (ہاتھ) اس قدر کھلا رکھو۔ (کہ خود محتاج ہو جاؤ)

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

(مومن وہ ہیں) جب وہ خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے، اور نہ ہی بخل کرتے ہیں بلکہ درمیانی راستہ اپناتے ہیں۔ (فرقان۔ ۶۷)

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ (اسراء۔ ۱۱۰)

نماز کو نہ تو زیادہ بلند آواز میں پڑھو اور نہ ہی آہستہ بلکہ اسے معتدل آواز کے ساتھ ادا کرو۔

والدین کے ساتھ نیکی واحسان کرو۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ (بقرہ۔ ۸۳) لیکن جب وہ تمہیں راہ خدا سے باز رکھنے کی کوشش کریں تو ان کی اطاعت لازم نہیں رہے گی۔ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ۔۔۔ فَلَا تُطِعْهُمَا۔ (لقمان۔ ۱۵)

پیامبر اکرم عمومی رسالت بھی رکھتے ہیں، وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾۔ (مریم۔ ۵۱)، اپنے اہل خانہ کو بھی دعوت دیتے ہیں۔ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ۔ (مریم۔ ۵۵)

اسلام نے نماز کا حکم دیا ہے جو خالق کے ساتھ رابطہ ہے۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ اور زکوٰۃ دینے کا فرمان بھی صادر کیا ہے جو مخلوق کے ساتھ رابطہ ہے۔ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ (بقرہ۔ ۴۳)

نہ تو کسی کی محبت تمہیں حق کی گواہی سے ہٹا دے۔ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ۔ (نساء۔ ۱۳۵) اور نہ ہی کسی کی دشمنی تمہیں حد اعتدال سے خارج کر دے۔ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ۔ (مائدہ۔ ۸)

مومنین میں قوت مدافعت بھی ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ۔ اور جاذبیت بھی ہے۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ (فتح۔ ۹)

ایمان اور قلبی یقین بھی ضروری ہے۔ امنوا۔ اور عمل صالح بھی لازمی ہے۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ (بقرہ۔ ۲۵)

اشک، دعا اور کامیابی کی درخواست بھی خدا سے ضروری ہے۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا۔ (بقرہ۔ ۲۵۰) سختیوں میں صبر واستقامت بھی ضروری ہے۔ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ۔ (انفال۔ ۶۵) شب عاشور سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے رب سے مناجات بھی کر رہے تھے اور اپنی تلوار کو تیز بھی فرما رہے تھے۔

عرفہ کے دن اور عید قربان کی رات خانہ خدا کے زائرین دعا بھی مانگتے ہیں اور عید کے دن قربان گاہ میں قربانی کا خون بھی بہاتے ہیں۔

اسلام مالکیت کو قبول کرتا ہے۔ الناس مسلطون علی اموالھم۔ (بحار، ج ۲، ص ۲۷۲) لوگ اپنے اموال کے مالک ہیں لیکن اسلام دوسروں کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا اور اسے محدود کرتا ہے۔ لا ضرر ولا ضرار۔ یعنی نہ کسی کو ضرر پہنچاؤ اور نہ ہی ضرر اٹھاؤ۔ (کافی، ج ۵، ص ۲۸)

جی ہاں! اسلام ایک ایسا دین ہے جو صرف ایک پہلو کو مدنظر نہیں رکھتا کہ ایک پہلو پر تو اس کی نگاہ ہو اور دوسرے پہلوؤں کو نظرانداز کر دے۔ بلکہ وہ ہر ایک کام میں اعتدال و میانہ روی اور راہ مستقیم پر گامزن رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔

پیغام:

۱۔ ساری کائنات اس راستے پر سفر کر رہی ہے جیسے خدا تعالی نے ان کیلئے اپنے ارادے سے معین فرمایا ہے۔ اے خدا! ہمیں بھی اس راستے پر قرار دے جسے تم پسند کرتے ہو۔ ''اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ‏ ۝۶''

۲۔ راہ مستقیم کی طرف ہدایت، موحدین کی سب سے بڑی خواہش ہے۔ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ ۔ ۔ ۔ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ‏ ۝۶

۳۔ سیدھے راستے کے حصول کیلئے دعا کرنا ضروری ہے۔ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ‏ ۝۶ ۔

۴۔ ابتدا حمد سے، پھر مدد طلب کریں اور پھر دعا کریں۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ۔ ۔ ۔ اِهۡدِنَا۔

۵۔ خدا کی مدد کا بہترین نمونہ راہ مستقیم کی درخواست ہے۔ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ؕ‏ ۝۵ ۔ ۔ ۔ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ‏ ۝۵ ۔

آیت نمبر ۷

صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۝۷

ترجمۃ الآیات

(اے خدا! ہمیں) ان لوگوں کی راہ (کی ہدایت فرما) جنہیں تو نے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے، نہ ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کی۔

نکات:

☆ یہ آیت راہ مستقیم کو ایسے لوگوں کی راہ بتا رہی ہے جو مشمول نعمات الٰہی ہوئے ہیں۔ اور وہ انبیا، صدیقین، شہدا و صالحین ہیں۔ (وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ ۚ جو لوگ خدا اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ہمراہ ہونگے جن پر خدا نے اپنی نعمتیں کی ہیں، انبیا، صدیقین، شہدا و صالحین میں سے۔ نساء۔۶۹ و مریم۔۵۸)

ان بزرگواروں کی راہ پر توجہ، اس پر گامزن رہنے کی آرزو، اس آرزو کو اپنی ذات کے لیے پورا کرنے کی تمنا، انسان کو کجروی اور غلط راستوں پر چلنے سے باز رکھتی ہے۔ اس درخواست کے بعد نماز پڑھنے والا خدا سے دعا مانگتا ہے کہ وہ اسے غضب شدہ اور گمراہ شدہ لوگوں کے راستے پر نہ چلائے۔ کیونکہ قرآن کے مطابق بنی اسرائیل بھی مشمول نعمات الٰہی ہوئے تھے لیکن ناشکری اور ضد کی وجہ سے غضب الٰہی کا شکار ہوئے۔

☆ قرآن لوگوں کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے: وہ لوگ جنہیں نعمت ہدایت دی گئی اور وہ ثابت قدم رہے، جن پر غضب ہوا اور وہ جو گمراہ ہو گئے۔

☆ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ میں نعمت سے مراد نعمت ہدایت ہے۔ کیونکہ پہلے والی آیت میں ہدایت کی بات ہے۔ مادی نعمتیں کفار، گمراہ افراد اور دوسرے سب لوگوں کے پاس بھی ہوتی ہیں۔

☆ ہدایت پانے والے افراد کو بھی خطرہ لاحق ہے، اس لیے ہمیشہ خدا سے دعا کرتے رہنے چاہیے کہ ہمارا راستہ غضب اور گمراہی کی طرف نہ چلا جائے۔

مغضوبین در قرآن

قرآن مجید میں فرعون، قارون اور ابولہب جیسے افراد اور عاد، ثمود اور بنی اسرائیل جیسی اقوام کا تعارف غضب شدگان کی حیثیت سے کرایا گیا ہے۔ (قرآن پاک کی متعدد آیات میں گمراہ افراد اور غضب شدگان کی خصوصیات و مصادیق کا ذکر ملتا ہے۔ نمونہ کے طور پر درج ذیل میں چند ایک مثال بیان کر رہے ہیں:

منافقین، مشرکین، خداوند کے بارے میں بدگمانی کرنے والے۔ نساء۔۱۱۶، فتح۔۶۔

آیات الٰہی کے منکرین، انبیا الٰہی کے قاتلین ۔ بقرہ ۔ ۶۱ ۔

وہ اہل کتاب جو دعوت حق سے سرکشی کرتے ہیں ۔ آل عمران ۔ ۱۱۰ و ۱۱۲ ۔

جہاد سے فراری لوگ ۔ انفال ۔ ۱۶ ۔

کفر کو قبول کرنے والے اور ایمان کی جگہ پر کفر کو اختیار کرنے والے ۔ بقرہ ۔ ۱۰۸، نحل ۔ ۱۰۶ ۔

دشمنان خدا کی ولایت کو اختیار کرنے والے اور خدا کے دشمنوں سے رابطہ رکھنے کی خواہش کرنے والے ۔ ممتحنہ ۔ ۱ ۔)

بنی اسرائیل کہ جن کی زندگی اور تمدن کی داستانیں قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر ذکر ہوئی ہیں، وہ ایک عرصے تک اپنے دور کے لوگوں پر برتری رکھتے تھے ۔

قرآن مجید ان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۔ (بقرہ ۔ ۴۷)

میں نے تمہیں تمام اہل جہان پر فضیلت عطا فرمائی ۔

لیکن اس فضیلت و برتری کے بعد اپنے ہی کردار کی وجہ سے خداوند کے قہر و غضب کا شکار ہو گئے ۔

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ (بقرہ ۔ ۶۱)

یعنی ان لوگوں نے قہر خدا کی طرف پلٹا کھایا ۔

ان میں یہ تبدیلی ان کے اپنے کردار اور رویہ میں تبدیلی کی وجہ سے ہوئی کیونکہ علمائے یہود نے تورات کے آسمانی اصولوں اور قوانین میں تحریف کر دی ۔

ارشاد ہوتا ہے:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ (نساء ۔ ۴۶)

وہ کلمات کے موقع و محل میں ادل بدل کر ڈالتے ہیں ۔

ان کے تاجر اور دولت مندوں نے سود، حرام خوری اور آرام کو اپنا شیوہ بنالیا ۔

ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا (نساء ۔ ۱۶۱)

یعنی وہ سود کھانے میں لگ گئے ۔

بنی اسرائیل میں عام لوگوں کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ دشمن سے جنگ و جہاد کی بجائے اپنی تن پروری یا خوف کی وجہ سے محاذ جنگ اور سرزمین مقدس میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور پکار پکار کر کہنے لگے: ہم میں جنگ کا حوصلہ و ہمت نہیں ہے ۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ (مائدہ ۔ ۲۴)

(اے موسیٰ) آپ اور آپ کا رب جایئے، جنگ کریں، ہم یہیں کھڑے ہیں۔

انہی کجرویوں کی وجہ سے خداوند نے انہیں عزت وفضیلت کی بلندی سے ذلت اور شرمندگی کی پستیوں میں دھکیل دیا۔

ہم ہر نماز میں خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ہم ایسے لوگوں کی مانند نہ بنیں جن پر خدا کا غضب ہوا ہے۔یعنی نہ اہل تحریف میں سے ہوں، نہ سود کھانے والوں میں سے ہوں، اور نہ ہی ان میں سے ہوں جو حق کے راستے میں جہاد کرنے سے فرار کرتے ہیں۔اسی طرح نہ گمراہ لوگوں میں شمار ہوں جو حق کی راہوں کو چھوڑ کر باطل کی پیروی کرنے لگ جاتے ہیں اور پھر اپنے دین وایمان کے بارے میں غلو اور افراط سے کام لے کر اپنی اور دوسرے لوگوں کی خواہشوں کی اتباع کرنے لگتے ہیں۔

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴿۷۷﴾

کہہ دیجیئے کہ اے اہل کتاب تم اپنے دین میں غلو نہ کرو اور ناحق بات کے پیچھے نہ لگو، ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے گمراہ ہو چکے ہیں، انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور وہ سیدھے راستے سے منحرف ہو چکے ہیں۔ مائدہ۔۷۷)

☆ اس سورت میں انسان انبیا، شہدا، صالحین اور ان کے راستے کے ساتھ اپنے عشق ومحبت اور گہری وابستگی کا اظہار کرتا ہے۔اسی طرح جن پر غضب ہوا، تاریخ میں ذکر ہونے والے گمراہ افراد کے ساتھ نفرت اور بیزاری کا اعلان کرتا ہے۔یہ آیت تولی وتبری کا مصداق ہے۔

ضَّآلِّيْنَ در قرآن

☆ قرآن پاک میں لفظ ''ضلالت'' اپنے مشتقات کے ساتھ تقریباً دوسو مرتبہ آیا ہے۔کبھی حیرت کے معنی میں آیا ہے جیسے ''وَجَدَكَ ضَآلًّا'' (ضحیٰ۔۷) کبھی ضایع ہونے کے معنی میں استعمال ہوا ہے،''اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۞'' (محمد۔۱) لیکن اکثر گمراہی کے معنی میں مختلف تعبیرات کے ساتھ آیا ہے، جیسے ''ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ، ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ، ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ''۔

☆ قرآن پاک میں گمراہ لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے، جیسے وہ لوگ جنہوں نے اپنے ایمان کو کفر سے بدل لیا ''وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴿۱۰۸﴾'' (بقرہ۔۱۰۸)

مشرکین ''وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴿۱۱۶﴾'' (نساء۔۱۱۶)

کافرین وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ ...... فَقَدْ ضَلَّ'' (نساء۔۱۳۶)

نافرمان ''وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ'' (احزاب۔۳۶)

وہ مسلمان جو کفار کو اپنا سرپرست اور دوست بنا لیتے ہیں،''لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ۔۔۔وَمَنْ

يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ① ''(ممتحنہ۔١)

وہ جو لوگوں کو راہ خدا سے روکتے ہیں، خدا یا رسول خدا کی توہین کرتے ہیں۔ وہ جو حق کو چھپاتے ہیں، اور وہ جو خدا کی رحمت سے مایوس ہیں۔

☆ قرآن پاک میں بعض افراد کا نام گمراہ کرنے والوں کے طور پر آیا ہے، جیسے ابلیس، فرعون، سامری، بُرا دوست، سربراہان اور منحرف بوڑھے یا گذشتگان۔

☆ گمراہ لوگ اپنی گمراہی کیلئے خود ہی زمین ہموار کرتے ہیں اور اس کی شرائط فراہم کرتے ہیں۔ گمراہ کرنے والے ان تیار شدہ حالات وشرائط سے استفادہ کرتے ہیں۔ قرآن میں گمراہی کے ان ذرائع کا ذکر موجود ہے:

١۔ ہوس، (اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ، جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے۔ جاثیہ۔ ٢٣)

٢۔ بت، (وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ، اور انہوں نے اللہ کیلئے کچھ ہمسر بنا لیے تا کہ راہ خدا سے گمراہ کرے۔ ابراہیم۔ ٣٠)

٣۔ گناہ، (وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ؕ ٢٦، اور وہ اس کے ذریعے صرف بدایمان لوگوں کو گمراہی میں ڈالتا ہے۔ بقرہ۔ ٢٦)

٤۔ باطل کی سرپرستی قبول کرنا، (اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ، جو اسے دوست بنائے گا وہ اسے گمراہ کرے گا۔ حج۔ ٤)

٥۔ جہالت و نادانی، (وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ١٩٨، حالانکہ اس سے پہلے تم راہ گم کیے ہوئے تھے۔ بقرہ۔ ١٩٨)

پیغام:

١۔ انسان کو تربیت کیلئے نمونہ عمل کی ضرورت ہے، انبیا، شہدا، صدیقین اور صالحین، انسانیت کیلئے بہترین نمونہ ہیں۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۔

٢۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو انسان کو ملتا ہے وہ نعمت ہے۔ جبکہ اس کے قہر و غضب کو ہم اپنے کردار کی وجہ سے پاتے ہیں۔ اَنْعَمْتَ۔۔ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ۔ (نعمت کیلئے انعمت استعمال ہوا ہے، لیکن عذاب کیلئے نہ فرمایا کہ غضبت یعنی تونے غضب کیا۔)

٣۔ مغضوب اور گمراہ لوگوں سے نفرت، ایسے افراد کی حکومت کے مقابلے میں اسلامی معاشرے کو قوت و ہمت دیتی ہے۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۔ (قرآن نے تاکید کی ہے کہ لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ، جن پر اللہ کا غضب ہوا ایسے افراد کی سرپرستی کو کبھی قبول نہ کرو۔ ممتحنہ۔ ١٣)

سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ

سورہ:٢۔ پارہ:١ تا ٣: آیات:٢٨٦

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۂ بقرہ ایک نظر میں

یہ سورت جس کی دوسو چھیاسی آیات ہیں، مدینہ میں نازل ہوئی اور یہ قرآن کی سب سے بڑی سورت ہے۔اس کا نام بقرہ رکھنے کی وجہ بنی اسرائیل کی گائے کے بارے میں ایک انتہائی دلچسپ داستان ہے۔ یہ داستان آیات ٦٧ سے ٧٣ کے درمیان بیان کی گئی ہے۔

سورت کے طویل ہونے کی وجہ سے اس میں متعدد موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔اس میں اعتقادی مسائل، فقہی، عبادتی مسائل، توحید، کائنات شناسی، قیامت اور موت کے بعد زندگی، عبادی قوانین کا جاری کیے جانا، اخلاقی، انفرادی اور بہت سے اجتماعی مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔اسی طرح وحی سے متعلق مسائل، آسمانی کتاب کا معجزہ ہونا، معاشرتی خدمت جیسے درگذر، انفاق، احسان، دشمنوں سے جنگ و جہاد اور قصاص کے قانون کو بیان کیا ہے۔

اس سورت میں آیۃ الکرسی بھی ہے اور آیۃ دین بھی ہے جو سب سے بڑی آیت ہے۔کئی ایک واقعات کا تذکرہ بھی موجود ہے جیسے قبلہ کی تبدیلی، بنی اسرائیل کی بہانے بازیاں، حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت، شیطان کی نافرمانی کے علاوہ کئی ایک پیغمبروں کے تاریخی واقعات مذکور ہیں، جیسے حضرت آدمؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ۔ ہاروت و ماروت، طالوت و جالوت کی کہانیاں بھی ملتی ہیں۔

سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران میں احکام فقہی و الٰہی نورانی اسماء وصفات کا بہت زیادہ ذکر پایا جاتا ہے۔اس لیے ان دو سورتوں کو ''زہراوان'' یعنی دو چمکتے ستارے بھی کہا جاتا ہے۔

رسول خداؐ سے پوچھا گیا کہ قرآن پاک میں سے کونسی سورت سب سے برتر ہے؟ فرمایا: سورہ بقرہ۔سوال کیا گیا کہ کونسی آیت؟ فرمایا: آیت الکرسی۔(تفاسیر نور الثقلین و مجمع البیان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بخشنے والے اور انتہائی مہربان خداوند کے نام سے

آیت نمبر ۱

الٓمّٓ ۝۱

ترجمۃ الآیات

الف لام میم۔

نکات:

☆ حروف مقطعات کے بارے میں مختلف اقوال بیان ہوئے ہیں:

۱۔ قرآن، معجزہ الٰہی ہے اور انہی حروف الفبا سے بنایا گیا ہے، وہ حروف جو سب کے اختیار میں ہیں۔ اگر تم بھی ایسا کچھ بنا سکتے ہو تو ان حروف سے کوئی معجزہ نما کلام بناؤ۔

۲۔ یہ شروع میں آنے والے حروف اصل میں سورت کا نام ہیں۔

۳۔ یہ حروف، الٰہی اسم اعظم کا اشارہ ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین)

۴۔ یہ حروف، خداوند کی طرف سے ایک طرح کی قسم ہے۔ (بحار الانوار، ج ۸۸، ص ۷)

۵۔ یہ حروف، خدا تعالیٰ اور پیغمبر کے درمیان راز ہیں۔ (بحار الانوار، ج ۸۹، ص ۳۸۴)

بعض روایات کے مطابق کچھ راز ایسے ہیں کہ جو سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا ہے۔ (تفسیر مجمع البیان)

لیکن بہترین نظر وہی پہلی بات ہے کہ قرآن مجید انہی حروف مقطعات سے مل کر بنا ہے۔ کیونکہ قرآن کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے صرف ۲۹ سورتیں حروف مقطعات سے شروع ہو رہی ہیں۔ ۲۴ سورتوں میں ان حروف کے بعد قرآن کے بارے میں اور اس کے معجزہ ہونے کے بارے میں آیا ہے۔ جیسا کہ اسی سورت کے شروع میں ''الٓمّٓ'' کے بعد ''ذٰلِكَ الْكِتٰبُ'' آیا ہے جو قرآن کی عظمت کا اشارہ ہے۔

سورہ شوریٰ کے آغاز میں حروف مقطعات ''حٰمٓ۔ عٓسٓقٓ'' آئے ہیں اور اس کے فوراً بعد کہا گیا ہے: ''كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳'' (شوریٰ۔ ۳) یعنی خداوند عزیز و حکیم اسی طرح آپؐ پر اور پہلے کے انبیا کی طرف وحی نازل کرتا ہے۔

انبیا کی طرف وحی انہیں حروف میں آتی ہے۔ وہ حروف جو ہر فرد بشر کی پہنچ میں ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے ان حروف کے

ساتھ ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جو معجزہ ہے' کیا انسان بھی ایسی کتاب بنا سکتا ہے؟!

جی ہاں! خدا تعالٰی الف ب کے ساتھ ایسی معجزہ آسا کتاب نازل کرتا ہے جیسے مٹی کے تہہ سے مختلف النوع گل بوٹے اور پھل پیدا کرتا ہے، انسان کو پیدا کرتا ہے۔ جبکہ انسان کا ہنر وفن یہ ہے کہ وہ مٹی سے اینٹ وخشت بنا تا ہے۔

آیت نمبر ۲

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲

ترجمۃ الآیات

وہ (باعظمت) کتاب جس (کی حقانیت) میں کوئی شک نہیں، پرہیزگاروں کیلئے راہنمائی ہے۔

نکات:

☆ ''لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ'' یعنی یہ کہ قرآن پاک خدا تعالٰی کی طرف سے ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ اس کے مطالب ایسے ہیں کہ اس بات میں کوئی شک باقی نہیں رہتا ہے۔ اگر اس میں کوئی شک کرتا ہے تو وہ اس کے سوءظن یا ضدی رویہ کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے: ''فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝۴۵'' وہ لوگ اس شک میں مبتلا ہیں جو خود انہوں نے ایجاد کیا ہے۔ (توبہ۔ ۴۵)

☆ قرآن کا مقصد، لوگوں کی ہدایت ہے اور اگر آسمان کی خلقت، زمین، نباتات یا حیوانات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو صرف لوگوں کو متوجہ کرنے کیلئے ہے۔ تاکہ وہ خداوند کے علم وقدرت وحکمت کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ (قرآن پاک میں طبیعت، زمین، تاریخ، فلسفہ، سیاست اور مختلف صنعتوں کے بارے میں اشارے ملتے ہیں۔ لیکن اصل مقصد ہدایت ہے۔)

☆ قرآن لوگوں کی ہدایت کا ایک وسیلہ ہے۔ ''هُدًى لِّلنَّاسِ'' (بقرہ۔ ۱۸۵) سورج کی طرح سب پر روشنی کرتا ہے۔ لیکن اس سے وہی فائدہ اٹھاتے ہیں جن کی فطرت سالم ہے، جو حق کے سامنے خاضع ہیں۔ ''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲'' جس طرح سورج کی روشنی صرف صاف ستھرے شیشے سے گذرتی ہے، مٹی یا پتھر سے نہیں گذر سکتی۔ اسی لیے فاسق، ظالم، کافر، مردہ دل، اسراف کرنے والے اور جھٹلانے والے ہدایت سے بہرہ مند نہیں ہوتے۔

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۸۰ (توبہ ۲۴۔ ۸۰)

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۱ (مائدہ۔ ۵۱)

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ (مائدہ۔ ۶۷)

لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴿۳﴾ (زمر۔ ۳)

لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ (غافر۔ ۲۸)

سوال: یہ آیت قرآن اور اس کے مطالب کے بارے میں فرماتی ہے: ''لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ'' جبکہ خود قرآن پاک نے مخالفوں کے شک و تردید کا ذکر کیا ہے۔

ایک جگہ فرمایا ہے: اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾، جس کی طرف ہمیں بلاتے ہو ہم اس کے بارے شک میں ہیں۔ (ھود۔ ۶۲)

نبوت اور وحی پر شک کے بارے میں پڑھتے ہیں کہ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ۔ (ص۔ ۸)

قیامت کے بارے میں ہے کہ لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ۭ۔ (سبا۔ ۲۱)

چنانچہ کس طرح فرمایا گیا کہ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ، یعنی قرآن اور اس کے محتوا و مطالب میں کوئی شک وجود نہیں رکھتا؟

جواب: ''لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ'' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں کسی نے شک نہیں کیا یا شک نہیں کرے گا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ قرآن کی حقانیت اس قدر مضبوط ہے کہ اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے، اگر کوئی اس میں شک کرے گا تو وہ اپنے اندھے دل کی وجہ سے کرے گا۔ چنانچہ سورہ نمل کی آیت ۶۶ میں فرمایا: بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۣ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾۔ (نخبۃ التفاسیر، نقل از آیت اللہ جوادی)

پیغام:

۱۔ قرآن کی عظمت بہت بلند مرتبہ ہے۔ ''ذٰلِكَ'' عربی ادبیات میں بعید کیلئے اسم اشارہ ہے۔ اب قرآن جب یہاں ہمارے سامنے موجود ہے اور اس کو ''ذٰلِكَ'' کے ساتھ اشارہ کرنا، قرآن کی انتہائی عظمت کو بیان کرنا ہے۔

۲۔ راہنما کو دعوت کے طریقہ کار اور اپنے پروگرام کی تفصیلات میں پُراعتماد اور پُروقار ہونا چاہیے۔ ''لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ'' کا جملہ اس یقین، اعتماد، وقار اور استحکام کی علامت ہے۔

۳۔ کسی بھی پرہیزگاروں کی ہدایت کی صلاحیت رکھنا، خود قرآن کی حقانیت اور اس کی مضبوطی کی علامت ہے۔ ''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾''

۴۔ صرف پاک و پرہیزگار افراد ہی قرآن کی ہدایت سے مستفیض ہونگے۔ ''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾'' جس کے دل کا ظرف زیادہ پاک ہوگا، اس کیلئے نور کو جذب کرنا اور اس سے مستفیض ہونا زیادہ امکان پذیر ہوگا۔

(ہدایت کے مراحل ہیں، کم بھی ہوسکتی ہے اور زیادہ بھی۔ ''وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى'')

آیت نمبر ۳

الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ۙ﴿۳﴾

ترجمۃ الآیات

(متقین) وہ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں رزق عطا کیا ہے اس میں سے انفاق کرتے ہیں۔

نکات:

☆ قرآن عالم کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے: عالم غیب (غیب کا اطلاق خداوند تعالیٰ، فرشتے، قیامت اور حضرت مہدی علیہ السلام پر کیا جاتا ہے۔) اور دوسرا عالم شہود۔ متقین وہ لوگ ہیں جو تمام عالم پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن دوسرے لوگ صرف اس بات کو مانتے ہیں جو ان کیلئے محسوس سطح پر ہو۔ حتیٰ وہ یہ توقع رکھتے ہیں کہ خدا کو بھی آنکھوں سے دیکھیں۔ کیونکہ اسے نہیں دیکھے پاتے لہٰذا اس پر ایمان بھی نہیں لاتے۔

چنانچہ بعض نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ''لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهۡرَةً'' (بقرہ۔ ۵۵) ہم بالکل بھی تم پر ایمان نہ لائیں گے، مگر یہ کہ خدا کو آشکار طور پر دیکھ لیں۔

یہ لوگ قیامت کے بارے میں بھی کہتے ہیں: ''مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا نَمُوۡتُ وَنَحۡيَا وَمَا يُهۡلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ ۚ'' (جاثیہ۔ ۲۴) اس دنیا کے علاوہ جس میں ہم زندگی گذار رہے ہیں، کوئی دوسرا جہان نہیں ہے، مرتے ہیں اور جیتے ہیں یہ زمانہ ہے جو ہمیں ہلاک کرتا ہے۔

ایسے افراد حیوانی خصوصیات سے آگے نہیں بڑھتے۔ شناخت کے راستے کو محسوسات کے اندر محدود سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہر چیز کو حواس کے ذریعے سے جانیں۔

☆ متقین عالم غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو علم کی پہنچ سے باہر اور اس سے بالاتر ہے۔ جو ایمان، عشق، محبت، تعظیم، تقدس اور ارتباط میں پوشیدہ ہے۔ لیکن علم کے اندر یہ مسائل نہیں ہیں۔

پیغام:

۱۔ ایمان، عمل سے الگ نہیں ۔غیب پر ایمان کے ساتھ مومنین کے فرائض اور عملی احکام بیان کیے گئے ہیں ۔'' یُؤۡمِنُوۡنَ۔۔۔ یُقِیۡمُوۡنَ۔۔۔ یُنۡفِقُوۡنَ ''

۲۔ الٰہی نظریہ کائنات میں بنیادی اصول یہ ہے کہ جہان صرف محسوسات پر منحصر نہیں ہے۔'' یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ ''

۳۔ ایمان کے اصول کے بعد نماز کا قیام اور انفاق اہم ترین اعمال میں سے ہیں۔'' یُؤۡمِنُوۡنَ۔۔۔ یُقِیۡمُوۡنَ۔۔۔ یُنۡفِقُوۡنَ ''

(الٰہی معاشرے میں نماز کے ذریعے سیر الی اللہ اور اس طرف حرکت میں اضافہ ہوتا ہے، اضطراب، روحی ونفسیاتی کجی، معنوی کمی بھی نماز کے ذریعے معالج ودرمان ہوتی ہے۔ معاشی واقتصادی خلا اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل انفاق کے ذریعے دور ہوجاتے ہیں۔)

۴۔ نماز کا قیام مستقل ہونا چاہیے، موسمی اور وقتی نہیں ہونا چاہیے۔'' یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ '' (فعل مضارع استمرار اور کام کے تسلسل پر دلالت کرتا ہے۔)

۵۔ انفاق میں بھی ہمارے لیے میانہ روی ہونی چاہیے۔'' مَا رَزَقۡنٰھُمۡ '' (''مما'' مِن ما، ہے۔ مِن کے معنی 'بعض' کے ہیں۔یعنی جو ہم نے رزق عطا کیا ہے اس میں سے کچھ 'سب نہیں' کچھ انفاق کریں۔)

۶۔ خداوند تعالیٰ نے جو کچھ عطا کیا ہے، (علم، عزت، دولت اور فن وہنر۔۔۔) میں سے دوسروں کو انفاق کریں۔'' مِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ ''

(اس طرح کے مورد میں ''ما'' سے مراد ہر چیز ہے۔)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جو کچھ انہیں تعلیم دی گئی ہے وہ اسے معاشرے میں پھیلاتے ہیں۔(بحار، ج ۲، ص ۱۷)

۷۔ '' رَزَقۡنٰھُمۡ '' یعنی انفاق حلال مال سے ہونا چاہیے۔کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہر کسی کا رزق صرف حلال میں مقدر کیا ہے۔(رزق دائمی نعمت کو کہتے ہیں جو زندگی کو بڑھانے کیلئے اس کی ضرورت کے مطابق دیا جاتا ہے۔ یہ دو شرط اسے احسان، اعطاء، نصیب، انعام اور حظ کے مفاہیم سے الگ کرتی ہیں۔التحقیق فی کلمات القرآن، ج ۴، ص ۱۱۴)

۸۔ اگر ہمیں یہ یقین ہو کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ خدا تعالیٰ کا ہے تو پھر انفاق کرنے سے ہم مغرور نہیں ہونگے۔ پھر ہم اپنے رزق میں سے بہتر انداز میں انفاق کرسکتے ہیں۔'' مِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ ''

آیت نمبر ۴

وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۚ وَبِالۡاٰخِرَۃِ هُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ؕ﴿۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور وہ اس چیز پر جو تم پر نازل ہوئی اور اس چیز پر جو تم سے پہلے (پیغمبروں پر) نازل ہوئی، ایمان رکھتے ہیں۔ اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔

نکات:

انسان کیلئے شناخت کے ذرائع صرف عقل وحسیات تک محدود نہیں ہیں۔ بلکہ وحی بھی ایک ذریعہ شناخت ہے کہ جس پر متقین ایمان رکھتے ہیں۔ راہ کے انتخاب میں انسان حیرانی و پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت حال میں انبیا ہیں کہ جو اس کا ہاتھ پکڑتے ہیں جو منطق، معجزہ اور اپنی عملی سیرت کے ذریعے اس کی ہدایت کرتے ہوئے حقیقی کامیابی کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔

☆ اس آیت سے اور دو پہلے والی آیات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے سامنے حالت خشوع (نماز)، ایثار کا جذبہ، انفاق، تعاون، دوسروں کے حقوق کا دفاع وحفاظت، روشن مستقبل کی امید اور خدا کی طرف سے نعمتوں کا جاری ہونا، تقویٰ کے آثار میں سے ہے۔

پیغام:

۱۔ تمام انبیا اور آسمانی کتب پر ایمان ضروری ہے۔ کیونکہ ان سب کا ایک مقصد ہے۔ ''یُؤۡمِنُوۡنَ ۔ ۔ ۔ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۚ ''

۲۔ حقیقی تقویٰ، آخرت پر ایمان رکھے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ''بِالۡاٰخِرَۃِ هُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ ''

۳۔ قرآن کا احترام، سب کتابوں سے پہلے ہے۔ ''بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۚ ''

۴۔ پیغمبر اکرمؐ، اللہ کے آخری رسول ہیں۔ ''مِنۡ بَعۡدِكَ '' کے جملے کے بغیر ''مِنۡ قَبۡلِكَ '' کا جملہ پیغمبر اکرمؐ کی خاتمیت اور قرآن کے آخری ہونے کی علامت ہے۔

آیت نمبر ۵

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

ترجمۃ الآیات

صرف وہ خدا کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والوں میں سے ہیں۔

نکات:

☆ غیب پر ایمان رکھنے والے متقین ، نماز ادا کرنے ، انفاق کرنے والے اور آخرت پر ایمان رکھنے والے کی جزا کامیابی اور فلاح ہے۔فلاح ،سعادت کی بلند ترین چوٹی ہے۔کیونکہ خدا تعالیٰ نے کائنات کو بشر کیلئے پیدا کیا ہے، بشر کیلئے عبادت ضروری ہے اور عبادت تقویٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے جبکہ تقویٰ کامیابی اور فلاح تک پہنچنے کیلئے ہے۔

خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقرہ ۔ ۲۹)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ (الذٰریٰت ۔ ۵۶)

اعْبُدُوا رَبَّكُمُ ۔۔۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (بقرہ ۔ ۲۱)

فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (المائدہ ۔۱۰۰)

☆ قرآن پاک میں کامیاب افراد کچھ خصوصیات رکھتے ہیں، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

الف: معاشرے کی برائی اور خرابی کی اصلاح کیلئے کوشاں رہتے ہیں۔(آل عمران ۔ ۱۰۴)

ب: امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہیں۔(آل عمران ۔ ۱۰۴)

ج: رسول خداؐ پر ایمان کے علاوہ آپؐ کی حمایت بھی کرتے ہیں۔(اعراف ۔ ۱۵۷)

د: ایثار کرنے والے ہیں۔(حشر ۔ ۹)

ھ: قیامت کے دن نیکیوں کی وجہ سے ان کا میزان بھاری ہوگا۔(اعراف ۔ ۸)

☆ کامیابی ،کوشش و محنت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔اس کیلئے کچھ شرائط ہیں، قرآن میں درج ذیل موارد کا ذکر کیا گیا ہے:

کامیابی کیلئے تزکیہ نفس ضروری ہے۔(قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا ۝) (شمس ۔ ۹)

کامیابی کیلئے مجاہدت و جہاد ضروری ہے۔(وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝) (مائدہ ۔ ۳۵)

کامیابی کیلئے نماز میں خشوع، بیہودہ باتوں سے پرہیز، زکوۃ کی ادائیگی، پاکدامنی، عفت، امانتداری، وعدہ پورا کرنا، نماز کی ادائیگی نیز پائیداری اور استقامت پیدا کرنا ضروری ہے۔

پیغام:

۱۔ سچے مومنوں کیلئے اللہ کی طرف سے خصوصی ہدایت کی ضمانت دی گئی ہے۔ ''هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ''

۲۔ ایمان وتقویٰ، انسان کو کامیابی تک لے جاتا ہے۔ ''لِّلْمُتَّقِيْنَ، يُؤْمِنُوْنَ، الْمُفْلِحُوْنَ''

آیت نمبر ٦

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٦

ترجمة الآيات

وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا، ان کیلئے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ انہیں خبردار کریں یا خبردار نہ کریں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

نکات:

☆ ''کفر'' ڈھانپنے اور نظرانداز کرنے کے معنی میں ہے۔ کسان اور رات کو بھی کافر کہتے ہیں کیونکہ کسان بیج کو زمین کے اندر اور مٹی کے نیچے چھپا دیتا ہے۔ اور رات فضا کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔

کفران نعمت بھی نظرانداز کرنے کے معنی میں ہے۔ دین کا منکر شخص، اس وجہ سے کہ وہ حقائق اور آیات الٰہی جو جھٹلاتا ہے یا نظرانداز کرتا ہے، کافر کہلاتا ہے۔

☆ قرآن متقین کے بعد کفار کے گروہ کی پہچان کروا رہا ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ وہ گمراہی پر ڈٹے ہوئے ہیں اور حق کو چھپانے کے بارے میں اپنے کردار پر سختی سے باقی ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ آیات الٰہی کو قبول کرنے کیلئے کسی قیمت پر بھی تیار نہیں ہیں۔ انبیا کی دعوت کے سامنے ان کی حالت اور ان کی باتیں یہ ہیں کہ ''سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝١٣٦'' (شعراء۔ ۱۳۶) ہمارے لیے تمہاری وعظ ونصیحت کا کوئی اثر نہیں، کوئی فرق نہیں کہ تم ہمیں نصیحت کرو یا نصیحت

کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

☆ اگر زمین ہموار نہ ہو، حالات سازگار نہ ہوں تو انبیا کی دعوت بھی موثر نہیں ہوتی۔

باران کہ در لطافتِ طبعش ، خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شورہ زارو ، خس

بارش کا ہونا طبیعت کی بہتری کیلئے برا نہیں ہے فرق صرف اتنا ہے کہ بارش کی وجہ سے باغ میں پھول اگتے ہیں اور ویرانے میں گھاس اگتی ہے۔

پیغام:

۱۔ضد، دشمنی اور جاہلانہ تعصب انسان کو جمود کا شکار کر دیتا ہے۔''سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ''

۲۔کفار کیلئے تبلیغ کا طریقہ انذار (ڈرانا) ہے، اگر انذار اور خبردار کرنا، انسان پر اثر انداز نہ ہو تو بشارت، خوشخبری اور وعدے بھی اس پر اثر نہ کریں گے۔''سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ ''

۳۔سب لوگوں کے ایمان لانے کا انتظار نہ کرتے رہو''۔۔۔لَا يُؤۡمِنُوۡنَ'' (سورہ یوسف کی آیت ۱۰۳ میں ارشاد ہوتا ہے کہ وَمَاۤ اَكۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ﴿۱۰۳﴾ چاہے جتنی بھی شدید خواہش کرلو لوگوں میں سے اکثر ایمان نہ لائیں گے۔)

آیت نمبر ۷

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ‌ؕ وَعَلٰٓى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ﴿۷﴾

ترجمۃ الآیات

خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے، اور ان کیلئے عذاب عظیم ہے۔

نکات:

☆ بدبختی کی مہر جو خدا کفار کے دلوں پر لگاتا ہے، ان کی ضد کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ پڑھتے ہیں کہ ''يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴿۳۵﴾ ''خدا تعالیٰ ایسے افراد کے دلوں پر مہر لگا تا ہے جو متکبر ہیں اور ستم کرنے والے ہیں۔(غافر۔۳۵)

سورت جاثیہ کی آیت ۲۳ میں ارشاد ہے کہ خدا ایسے افراد کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جو جانتے بوجھتے ہوئے نفس پرستی کی طرف بڑھتے ہیں۔ لہٰذا اللہ کی طرف سے مہر لگائے جانا اصل میں انسان کا اپنا بُرا انتخاب ہے، خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی جبر یا زبردستی نہیں ہے۔

☆ قرآن پاک میں قلب سے مراد روح یا مرکز ادراکات ہے۔قرآن مجید تین قسم کے قلب کا تعارف کرواتا ہے:

۱۔قلب سلیم، ۲۔قلب منیب، ۳۔قلب مریض۔

قلب سلیم کی خصوصیت

الف: وہ قلب جس میں خدا کے علاوہ کوئی نہیں۔''لیس فیہ احد سواہ''(نور الثقلین، ج ۴،ص ۵۷)

ب: حق کی پیروی کرنے والا، گناہوں سے توبہ کرنے والا اور حق کے سامنے تسلیم ہو جانے والا ہو۔(نہج البلاغہ، خطبہ ۲۱۴)

ج: وہ دل جو حب دنیا سے پاک ہو۔(تفسیر صافی)

د: وہ دل جو یاد خدا سے اطمینان اور سکون حاصل کرے۔(فتح۔۴)

ھ: وہ دل جو خدا کے حضور میں خاشع و نرم ہے۔(حدید۔۱۶)

مومن کا دل خدا تعالیٰ کی یاد سے پرسکون ہو جاتا ہے۔مومن کا دل اس کے قہر سے خوف زدہ رہتا ہے۔''اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ''(انفال۔۲) جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل منقلب ہو جاتے ہیں۔بالکل ایک بچے کے پاک دل کی طرح جو والدین کے پاس پہنچ کر سکون پاتا ہے اور کسی گندے کام کرنے پر والدین کا ڈر بھی اسے بچائے رکھتا ہے۔

قلب مریض کی علامتیں

الف: جو دل خدا سے غافل ہے اور اس کی راہنمائی نہیں کی جاسکتی۔''لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ''(کھف۔۲۸)

ب: وہ دل جو معاشرے میں فتنہ و فساد برپا کرنے کے درپے ہے۔''فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ ''(آل عمران۔۷)

ج: وہ دل جس میں سختی (قساوت) پائی جاتی ہے۔''جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ''(مائدہ۔۱۳)

د: جس دل پر زنگ لگ چکا ہے۔''بَلْ ۜرَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴿۱۴﴾ ''(مطففین۔۱۴)

ھ: وہ دل جس پر مہر لگ چکی ہے۔''طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ ''(نساء۔۱۵۵)

قلب منیب کی خصوصیات

قلب منیب وہ دل ہے جو گمراہی کی طرف بڑھنے، اس کی طرف توجہ کرنے کے بعد، خدا کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اور توبہ کرلیتا ہے، خدا کی طرف پلٹ آتا ہے۔ اس کی اہم خصوصیت انسان کے کردار و گفتار میں تبدیلی ہے۔

☆ خدا تعالیٰ آیات قرآنی میں کفر اختیار کرنے والے دل کی نو خصوصیات بیان فرماتا ہے:

الف: انکار حقائق، (قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ) (نحل۔ ۲۲)

ب: تعصب، فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ (فتح۔ ۲۶)

ج: انحراف و گمراہی، صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (توبہ۔ ۱۲۷)

د: قساوت و سنگدلی، فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ (زمر۔ ۲۲)

ھ: موت، لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (روم۔ ۵۲)

و: دل کی سیاہی اور زنگ، بَلْ سَكَتْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (مطففین۔ ۱۴)

ز: بیماری، فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (بقرہ۔ ۱۰)

ح: دل کی تنگی، يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا (انعام۔ ۱۲۵)

ط: مہر لگنا، طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (نساء۔ ۱۵۵)

☆ انسان کے قلبی حالات تغیر پذیر اور تاثیر پذیر ہیں۔ اسی لیے مومنین یوں دعا کرتے ہیں: ''رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا'' اے ہمارے خدا ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو منحرف نہ کردینا۔ (آل عمران۔ ۸)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: آیت کے اس جملہ کو زیادہ دہرایا کرو، اپنے آپ کو انحراف اور گمراہی کے تیروں سے امان میں نہ سمجھیں۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ حقیقت کو نہ سمجھنا، نہ جان سکنا۔ الٰہی سزاؤں اور کیفر کردار کی سب سے بڑی مثال تھا۔ ''خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ''

۲۔ کفر و الحاد، دل و کان پر مہر لگنے کی وجہ ہے۔ ''الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ... خَتَمَ اللّٰهُ''

۳۔ کفر پر اصرار کرنا، انسان کی بنیادی خصوصیت (درک حقایق اور واقعیت) سلب کرلی جاتی ہے۔ ''الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ... خَتَمَ اللّٰهُ''

۴۔ الٰہی کیفر و سزا، ہمارے عمل کی مناسبت سے ہوتی ہے۔ ''الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ... خَتَمَ اللّٰهُ''

جی ہاں! جو کوئی حق کو سمجھے اور پھر اس پر پردہ ڈال دے تو پھر خدا تعالیٰ بھی اس کی سزا کے طور پر اس کی آنکھوں پر،

کانوں پر، اس کی روح وفکر پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ حقیقت میں انسان اپنی بدبختی کے عوامل کو خود اپنے لیے فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: مہر لگنا، ان کے اپنے ہی کفر کی عاقبت ہے۔ ان کے اپنے ہی کفر کا نتیجہ ہے۔ (تفاسیر نور الثقلین اور کنز الدقائق)

آیت نمبر ۸

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا ہُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ۘ﴿۸﴾

ترجمۃ الآیات

لوگوں میں کچھ ایسے ہیں کہ وہ کہتے ہیں: ہم خدا اور روز قیامت پر ایمان لائے ہیں جبکہ وہ مومن نہیں ہیں۔

نکات:

☆ اس سورت کی ابتدا میں چار آیات مومنین کے تعارف میں ہیں اور دو آیات کفر کی پہچان میں آئی ہیں۔ آیت نمبر ۸ سے ۲۰ تک کی آیات میں تیسرے گروہ منافق کا تعارف کروایا جارہا ہے۔ یہ لوگ نہ پہلے گروہ جیسا ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی کفر کے اظہار میں دوسرے گروہ کی جیسی جرأت وجسارت رکھتے ہیں۔ صحرائی چوہے کی مانند ہیں جو اپنے بل میں دو راہ فرار بناتا ہے۔ ان دو میں سے ایک کو کھلا رکھتا ہے اور اس سے آتا جاتا ہے جبکہ دوسرے کو بند رکھتا ہے۔ جب بھی خطرہ محسوس کرتا ہے تو اپنے سر کے ساتھ بند راستے کو کھول کر فرار ہوجاتا ہے۔ چوہے کے اس خفیہ راستے کا نام ''نافقاء'' لفظ منافق بھی اسی کلمہ سے لیا گیا ہے۔ (قاموس ومفردات)

☆ آیات قرآن میں نفاق سے مراد دل میں کفر اور ظاہر میں ایمان کا اظہار ہے۔ لیکن روایات میں نفاق کے وسیع معنی بیان کیے گئے ہیں۔ چاہے اس کی زبان وعمل ہم آہنگ نہ ہوں، وہ نفاق میں شامل ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ اگر امانت میں خیانت کی اور جھوٹ بولا، وعدوں کو پورا نہ کیا تو منافق ہیں، چاہے نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والوں میں سے ہوں۔ (سفینۃ البحار، ج ۲، ص ۶۰۵)

نفاق ایک طرح کا عملی اور اعتقادی جھوٹ ہے، ریاکاری بھی ایک قسم کا نفاق ہے۔ (تفسیر نمونہ)

پیغام:

۱۔ایمان ایک قلبی مسئلہ ہے اس کا اظہار کافی نہیں ہے۔''مَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ‏ ﴿۸﴾ ''

۲۔مبداا ور معاد پر ایمان، ایمان کی دو بنیادیں ہیں۔اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ

۳۔خدا تعالیٰ انسان کے اندرونی حالات سے آگاہ ہے۔''وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ‏ ﴿۸﴾ '

آیت نمبر ۹

يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ وَمَا يَخۡدَعُوۡنَ اِلَّآ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ؕ‏ ﴿۹﴾

ترجمۃ الآیات

(منافقین اپنے زعم میں) خداوند اور مومنین کو دھوکہ دیتے ہیں، جبکہ سوائے خود کو دھوکہ دینے کے کچھ نہیں کر رہے ہوتے، لیکن سمجھتے نہیں۔

نکات:

☆''شعور'' کا مادہ ''شعر'' ہے، جس کے معنی بال ہیں۔جس کا فہم دقیق اور گہرا ہوا وہ اہل درک وشعور ہے۔ بنا بر این منافق خیال کرتا ہے کہ دوسروں کو دھوکہ دے رہا ہے لیکن حقیقت اس کے خلاف ہوتی ہے صرف وہ اس بات کو محسوس نہیں کر رہا ہوتا۔''مَا يَشۡعُرُوۡنَ ؕ‏ ﴿۹﴾ ''

☆ منافقین کا خدا کے ساتھ مکر وفریب، اس سے مراد احکام خداوند و دین الٰہی کے ساتھ دھوکہ و چالبازی ہے، انہوں نے اس کا مذاق اڑایا اور بازیچہ بنایا اور انہوں نے پیغمبر خداؐ کے ساتھ فریب کیا۔

جس طرح رسولخداؐ کے ساتھ بیعت، خدا کے ساتھ بیعت ہے (مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ، جس کسی نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔نساء۔ ۸۰، اِنَّ الَّذِيۡنَ يُبَايِعُوۡنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوۡنَ اللّٰهَ ؕ، جو لوگ تمہاری بیعت کریں بے شک انہوں نے اللہ کی بیعت کی۔فتح۔۱۰)

رسول خداؐ کے ساتھ دھوکہ اللہ کے ساتھ دھوکہ ہے۔واضح ہے کہ دین کے ساتھ اس قسم کی دھوکہ دہی اور حیلہ بازی خود

اپنے ساتھ دھوکہ دہی اور حیلہ بازی ہے۔ چنانچہ اگر ڈاکٹر کسی دوائی کے استعمال کا مشورہ دے اور مریض جھوٹ بولے، کہے کہ میں نے دوائی استعمال کر لی ہے۔ وہ مریض اپنے خیال میں ڈاکٹر کو دھوکہ دے رہا ہے لیکن درحقیقت وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے کیونکہ ڈاکٹر کو دھوکہ دینا اپنے کو ہی دھوکہ دینا ہے۔

☆ اسلام کا رویہ منافق کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسا منافق کا رویہ اسلام کے ساتھ ہے۔ وہ ظاہر میں اسلام لاتا ہے اور اسلام بھی ظاہر میں اسے مسلمان ہی شمار کرتا ہے۔ وہ دل میں ایمان نہیں رکھتا اور کافر ہے، خدا تعالیٰ بھی روز قیامت اسے کافروں کے ساتھ محشور فرمائے گا۔

☆ پیغمبر اکرمؐ سے روایت نقل ہوئی ہے کہ ریاکاری، خدا کے ساتھ دھوکہ ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ قرآن مجید انسان کے اچھے برے اعمال کی بازگشت کو خود اس کے ساتھ نسبت دیتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا: دین کے ساتھ دھوکہ، خود اپنے ساتھ دھوکہ ہے نہ کہ خدا کے ساتھ۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے: ''اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ ۚ وَاِنۡ اَسَاۡتُمۡ فَلَهَا ؕ'' اگر نیکی کرو گے، اپنے ساتھ نیکی کی ہے، اگر برائی کرو گے تو بھی اپنے ساتھ کرو گے۔ (اسراء۔ ۷)

ایک اور جگہ فرمایا: وَلَا يَحِيۡقُ الۡمَكۡرُ السَّيِّـئُ اِلَّا بِاَهۡلِهٖ ؕ'' برائی اور چالبازی سوائے اس کے کرنے والے کے کسی اور کو نہیں پکڑتی۔ (فاطر۔ ۴۳)

پیغام:

۱۔ بہانے بازی، نفاق کی علامت ہے۔ ''يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ''

۲۔ منافق ہمیشہ نقصان پہنچانے اور ضرب لگانے کے چکر میں رہتا ہے۔ (کلمہ ((خدعہ)) نقصان پہنچانے کی غرض سے ایک بات کو چھپانا اور اس کے الٹ دوسری بات کو ظاہر کرنا ہے۔) (تفسیر راہنما)

۳۔ دھوکے کے آثار، دھوکا دینے والے کی طرف پلٹ کر آتے ہیں۔ ''وَمَا يَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ''

۴۔ منافق، بے شعور ہوتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس کے دوسری طرف (مدمقابل) وہ خدا تعالیٰ ہے جو اُس کے اندرونی نفسیاتی و نفسانی تمام حالات و اسرار سے آگاہ ہے۔ (يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ ﴿۱۹﴾ غافر۔ ۱۹) قیامت کے دن وہ اس کے اعمال سے پردہ اٹھائے گا۔ (يَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ ۙ﴿۹﴾ طارق۔ ۹) ''وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ؕ﴿۹﴾'' (اس جملہ ((وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ؕ﴿۹﴾)) کا دو طرح سے معنی کیا جا سکتا ہے: ۱۔ وہ نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ ان کے رازوں کو جانتا ہے۔ ۲۔ اس بات کا شعور نہیں رکھتے کہ اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچا رہے ہیں۔)

۵۔ دھوکہ و فریب، عقل و شعور کی علامت نہیں ہے۔ ''يُخٰدِعُوۡنَ ۔ ۔ ۔ مَا يَشۡعُرُوۡنَ'' روایات میں منقول ہے کہ حقیقی

عقل وہ ہے جس کے ذریعے انسان خدا تعالیٰ کی بندگی کرے۔

آیت نمبر ۱۰

فِيۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ۝۱۰

ترجمۃ الآیات

اُن (منافقوں) کے دلوں میں بیماری ہے پس خداوند ان کی بیماری کو بڑھا دیتا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، جو وہ (ایمان کو ظاہر کرنے کے بارے میں) جھوٹ بولا کرتے تھے۔

نکات:

☆ بیماری کبھی جسم میں ہوتی ہے۔ جیسے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۵ میں ہے کہ ''وَمَنۡ كَانَ مَرِيۡضًا'' جو کہ روزے کے احکام میں بیماروں کے بارے میں ہے۔ یہ بیماری کبھی روح کیلئے ہوتی ہے۔ جیسے اس آیت میں ''فِيۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ ۙ'' یہ بیماری نفاق کے بارے میں ہے۔

☆ منافق کی کہانی ایسی ہے کہ جیسے کوئی بدبودار لاش یا مردار پانی کے تالاب میں گر جائے، اس تالاب میں جتنا بھی پانی اضافہ کر دیا جائے، اس کی گندگی، آلودگی اور طبیعت پر گراں گذرنے والی بدبو میں اضافہ ہی ہوگا۔

نفاق بھی ایسے ہی مردار کی طرح ہے کہ اگر انسان کی روح یا دل میں باقی رہ جائے، خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی بھی آیت یا حکم نازل ہو، منافق اس کے سامنے تسلیم ہونے کی بجائے صرف دیکھاوا اور ریاکاری کرے گا، اس کے ذریعے وہ اپنے نفاق میں ایک قدم اور آگے کی طرف بڑھ جائے گا۔ یہ بیمار روح اس کے تمام اعمال و افکار کو ریاکارانہ اور منافقانہ بنا دی گی۔ یہ ایک طرح سے اس کی بیماری میں اضافہ ہے۔ ''فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ''

☆ شاید یہ جملہ ''فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ'' نفرین ہو۔ جیسے ''قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ'' یعنی ابھی ان کے دلوں میں بیماری موجود ہے۔ خدا ان کی بیماری کو بڑھا دیتا ہے۔

پیغام:

۱۔نفاق ایک روحانی بیماری اور منافق ایک بیمار ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے بیمار نہ تندرست ہوتا ہے اور نہ ہی مردہ ہوتا ہے۔منافق نہ مومن ہے اور نہ کافر ہے۔''فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ''

۲۔انسان کی اصل، اس کا دل وروح ہے۔''زَادَهُمُ اللّٰهُ''

(یوں لگتا ہے کہ بہتر یہ تھا کہ کہا جاتا: فَزَادَهَا اللّٰهُ مَرَضًا ۚ یعنی ان کے دل میں بیماری بھی اور خداوند نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا۔جبکہ فرمایا کہ خود اس بیماری میں اضافہ کر دیا ہے۔پس انسان کا قلب، اس کے پورے وجود کی مانند ہے کیونکہ اگر روح وقلب منحرف وگمراہ ہوجائے، اس کے اثرات گفتار وکردار میں ظاہر ہوجاتے ہیں۔) (تفسیر راہنما)

۳۔نفاق ایک ایسی بیماری ہے جو کینسر کی طرح بڑھتی ہے۔''زَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ''

(قرآن پاک میں ایسی آیات دیکھتے ہیں کہ ان میں پسندیدہ حمیدہ صفات کا ذکر ملتا ہے جیسے علم، ہدایت اور ایمان ایسی صفات ہیں جو بڑھتی ہیں۔مثلاً رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ ، طہ۔۱۱۴، زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا، انفال۔۲، زَادَهُمْ هُدًى، محمد۔۱۷،

ایسی طرح بعض ناپسند اعمال اور بیماریاں ہیں جیسے رجس، نفرت، ڈر اور خسارت بھی قابل افزائش بتائی گئی ہیں۔مثلاً زَادَتْهُمْ رِجْسًا، توبہ۔۱۲۵، زَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾، فرقان۔۶۰، زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا، توبہ۔۴۷، وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾، اسراء۔۸۲۔

مذکورہ آیات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ سنت خداوند دونوں طرح سے آزادی دینا ہے یعنی خیر وشر دونوں کے حوالے سے آزادی دی گئی ہے۔''كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَاۗءِ وَهٰٓؤُلَاۗءِ'' اسراء۔۲۰)

۴۔ انسان اپنی عزت اور پستی کے ذرائع اور اسباب خود مہیا کرتا ہے۔''وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾''

۵۔جھوٹ کا سہارا لینا منافقین کی پرانی عادت ہے۔''كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾''

آیت نمبر ۱۱

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمۃ الآیات

جب ان (منافقین) سے کہا گیا کہ زمین پر فساد نہ کریں تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔

پیغام:

۱۔ اگرچہ منافقین نصیحت قبول کرنے والے اور بات ماننے والے نہیں ہیں لیکن پھر بھی بہتر ہے کہ انہیں موعظہ کیا جائے اور نہی عن المنکر کیا جائے۔ ''قِیۡلَ لَھُمۡ''

۲۔ نفاق، فساد کا باعث ہے۔ ''لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ۙ''

۳۔ منافق اپنے مختلف چہروں کو اصلاح اور لوگوں سے موافقت قرار دیتا ہے۔ ''اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ﴿۱۱﴾''

۴۔ منافق صرف اپنے آپ کو اصلاح کرنے والا سمجھتا ہے۔ ''اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ﴿۱۱﴾'' (ممکن ہے کہ کوئی روحانی طور پر سخت بیمار ہو لیکن اپنے آپ کو تندرست خیال کرتا رہے۔)

۵۔ منافق اپنی بے جا تعریف سے خوش اور دوسروں کی تحقیر کے پیچھے ہے، اپنی خلاف ورزیوں کی توجیہ کرتا ہے۔ ''اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ﴿۱۱﴾''

آیت نمبر ۱۲

اَلَاۤ اِنَّھُمۡ ھُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰکِنۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ﴿۱۲﴾

ترجمۃ الآیات

آگاہ رہو! بے شک وہ خود فساد کرنے والے ہیں لیکن نہیں جانتے۔ (جاننا نہیں چاہتے۔)

نکات:

☆ آیات قرآن مجید کا اجمالی طور پر مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفاق، روح وروان پر انتہائی برے اثرات چھوڑتا ہے۔ منافق شخص کی گفتار اور اس کا کردار سبب بنتا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں مشکلات سے پریشان رہے۔

قرآن پاک ان کے بارے میں فرماتا ہے:

❁ حقیقی شعور سے نابلد ہوتے ہیں۔(لَّا یَشْعُرُوْنَ ۝۱۲ ، بقرہ۔۱۲؛ھُمُ السُّفَهَآءُ ، بقرہ۔۱۳)

❁ غور وفکر نہیں کرتے۔(لَا یَفْقَهُوْنَ ۝۸۷ ، توبہ۔۸۷؛لَّا یَعْلَمُوْنَ ۝۱۳ ، بقرہ۔۱۳)

❁ حیرت و پریشانی میں رہتے ہیں۔(یَعْمَهُوْنَ ۝۱۵ ، بقرہ۔۱۵؛لَّا یُبْصِرُوْنَ ۝۱۷ ، بقرہ۔۱۷)

صحیح قلبی اعتقاد نہ رکھنے کی وجہ سے وحشت، اضطراب اور دردناک عذاب ان کا مقدر ہے۔(حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ ، بقرہ۔ ۱۹؛وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ ، بقرہ۔۱۰)

پیغام:

۱۔مسلمانوں کو چاہیے کہ منافقین کے ظاہری طور پر خوبصورت نعروں اور گمراہ کن مقاصد سے خبردار رہیں۔''اَلَآ''

۲۔منافق کی خیالی اونچی پروازیں اور مغرورانہ وہمی بے پایہ پروگراموں کو توڑا جائے اور کھول کر بیان کیا جائے۔ ''اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ''

۳۔منافق ہر وقت کسی نہ کسی فساد کو برپا کرنے کی کوشش میں ہوتا ہے۔''هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ''

۴۔ہوشیاری اگر حق کے راستے پر نہ ہو تو وہ بے شعوری ہے۔''لَّا یَشْعُرُوْنَ ۝۱۲''

آیت نمبر ۱۳

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۝۱۳

ترجمۃ الآیات

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ بھی اسی طرح جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں، ایمان لے آئیں وہ (تکبر وغرور کے ساتھ) کہتے ہیں: کیا ہم سادہ لوح اور بیوقوف لوگوں کی طرح ایمان لائیں؟ آگاہ رہو! وہ خود بے عقل و بے خرد ہیں لیکن وہ نہیں جانتے۔

پیغام:

۱۔منافقین پر خدا کے ولیوں کی دعوت وتبلیغ بے اثر ہوتی ہے۔''قِیْلَ ۔ ۔ ۔ اَنُؤْمِنُ''

۲۔منافقین اپنے آپ کو دوسرے سے الگ اور بہتر خیال کرتے ہیں۔"اَنُؤْمِنُ"

۳۔مومنین کی تحقیر کرنا ان کی عادات میں سے ہے۔"کَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ"

(ایمان قبول کرنا اور خدا کے سامنے تسلیم ہونا، منافقین کی نظر میں بیوقوفی، بے عقلی ہے۔)

۴۔مسلمانوں کو ہوشیار رہنا چاہیے تا کہ ان کے دھوکے میں نہ آئیں۔"اَلَآ"

۵۔قرآن کی ثقافت میں حق کے سامنے تسلیم نہ ہونا، بیوقوفی و بے عقلی ہے۔"اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ"

۶۔منافق کا متکبرانہ غرور ہر صورت ٹوٹنا چاہیے اور اس کا مقابلہ کیا جانا چاہیے۔"اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ"

۷۔منافقین کا جھوٹا چہرہ، اسلامی معاشرے میں بے نقاب کیا جانا چاہیے۔"هُمُ السُّفَهَآءُ"

۸۔سب سے بدترین اور قابل افسوس بات ان کا اپنی جہالت کو نہ جاننا ہے۔"لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾"

آیت نمبر ۱۴

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمۃ الآیات

جب اہل ایمان سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم (بھی آپ کی طرح) ایمان لائیں ہیں۔لیکن جب اپنے (ہم فکر) شیطان صفت افراد کے ساتھ الگ ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں، ہم تو صرف ان (اہل ایمان) کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔

نکات:

☆"شیطان" لفظ "شطن" سے ہے اور اس کا معنی خیر سے دور ہونا ہے۔جو کوئی کسی کو گمراہی کی طرف بلاتا ہے اس پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔بدکار اور حق سے دور افراد کو بھی کہا جاتا ہے۔(مفردات راغب)

پیغام:

۱۔منافق زمانے و حالات کے مطابق اپنے رنگ بدلتا ہے۔"قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ ... قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ"

۲۔ اگر چہ ایمان کا اظہار مسلمان ہونے کیلئے کافی ہے۔لیکن معاشرے میں اثر ونفوذ پیدا کرنے والے افراد اور عوامل پر نظر رکھنی چاہیے۔''قَالُوْٓا اٰمَنَّا''

۳۔منافق، سچائی کی جرأت نہیں رکھتا اور مومنوں سے ڈرتا ہے اور خوف کھاتا ہے۔''خَلَوْا''

منافقوں کا مومنوں سے رابطہ ظاہر اور آشکار ہوتا ہے لیکن کفار یا اپنے بڑوں اور رہبروں کے ساتھ ان کا رابطہ خفیہ اور محرمانہ ہوتا ہے، چھپ کر زیر زمین، خلوت میں رابطے طے پاتے ہیں۔

۴۔منافقین کے دوست، شیطان صفت ہوتے ہیں۔''شَيٰطِيْنِهِمْ''

۵۔کفار و منافقین کے آپس میں منظم رابطے ہوتے ہیں۔منافقین ان سے فکری راہنمائی لیتے ہیں۔''شَيٰطِيْنِهِمْ''

۶۔منافقین، مومنین کا مذاق اڑاتے ہیں۔''اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ﴿۱۴﴾''

آیت نمبر ۱۵

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴿۱۵﴾

ترجمة الآيات

خداوند ان کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کو ان کی سرکشی میں مہلت دیتا ہے تا کہ مزید گمراہ ہوں۔

نکات:

☆''يَعْمَهُوْنَ'' کا کلمہ ''عمہ'' سے لیا گیا ہے جیسے ''عمی'' ہے۔لیکن ''عمی'' ظاہری اندھا پن ہے جبکہ ''عمہ'' باطنی اندھا پن ہے۔(تفسیر کشاف)

☆امام رضا علیہ السلام اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: خداوند، مکر و فریب کرنے والوں یا مذاق اڑانے والوں میں سے نہیں ہے، لیکن ان کے مکر و فریب اور مذاق کا بدلہ (ضرور) دے گا۔(تفسیر نور الثقلین، ج۱، ص ۳۰)

خدا انہیں بغاوت و سرکشی کی حالت پر باقی چھوڑ دیتا ہے، جس میں وہ راہ گم اور غرق ہو جاتے ہیں۔اس سے بڑی سزا اور کیا ہوسکتی ہے کہ منافقین کے دل سخت ہو جاتے ہیں، شیطان ان پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے، شیطان ان کو اپنے وسوسوں کے ساتھ گمراہی کے جال میں پھنسا لیتا ہے، جس سے وہ گناہ کی طرف بڑھتے ہیں اور عبادت خدا سے دور ہو جاتے ہیں، عبادت کی لذت سے دور ہو جاتے ہیں، نااہل اور دنیا میں گم افراد کی محفل کو اپنا لیتے ہیں، انہی سے لین دین رکھتے ہیں اور حق وحقانیت سے دور

ہو جاتے ہیں۔

☆ منافقین دو طرح کے مختلف رویے کے مالک ہوتے ہیں اس لیے ان کے ساتھ بھی مختلف انداز اپنائے جائیں گے، دنیا میں ان پر مسلمانوں والے احکام عائد ہونگے لیکن آخرت میں ان کے ساتھ کافروں والا حساب کیا جائے گا۔

پیغام:

۱۔ عذاب الٰہی ان کے گناہوں کے مطابق ہونگے۔ ''اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ﴿۱۴﴾ '' کے بدلے میں ''اَللّٰهُ يَسۡتَهۡزِئُ بِهِمۡ '' جیسا جواب ہوگا۔

۲۔ منافقین کے مدمقابل خدا تعالیٰ ہے، مومنین نہیں ہیں۔ (وہ مومنین کا مذاق اڑاتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ سامنے آکر مومنین کی حمایت میں منافقین کے مذاق اڑانے کا جواب دے رہا ہے۔) ''اَللّٰهُ يَسۡتَهۡزِئُ بِهِمۡ '

۳۔ کسی کے مذاق اڑانے کے جواب میں اس کا مذاق اڑایا جائے تو منع نہیں ہے۔ جیسے متکبر کے مقابلے میں تکبر کرنا۔ ''اَللّٰهُ يَسۡتَهۡزِئُ بِهِمۡ ''

۴۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی مہلت اور ڈھیل کی وجہ سے مغرور نہیں ہو جانا چاہیے۔ '' يَمُدُّهُمۡ فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ ''

۵۔ خدا سے بغاوت اور اطاعت سے سرکشی راہ گم کرنے دینے، حیرانی و پریشانی کا باعث ہے۔ '' فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ﴿۱۵﴾ ''

آیت نمبر ۱۶

اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالۡهُدٰى ۖ فَمَا رَبِحَتۡ تِّجَارَتُهُمۡ وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ﴿۱۶﴾

ترجمۃ الآیات

وہ ایسے ہیں کہ گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں خریدتے ہیں، پس ان کی یہ تجارت نفع بخش نہیں ہے اور وہ ہدایت پانے والوں میں سے نہیں ہیں۔ (وہ اپنے مقاصد تک نہیں پہنچ پائیں گے۔)

نکات:

☆ منافقین ہدایت پانے والوں میں سے نہ تھے جسے وہ گنوا بیٹھے ہوں۔ شاید اس آیت سے مراد یہ ہے کہ فطری و قدرتی ہدایت کے عوامل و اسباب کو کھو چکے ہیں۔ جیسا کہ ہم دوسری آیات میں پڑھتے ہیں کہ ''اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ'' (آل عمران۔۱۷۷) انہوں نے کفر کو ایمان کے عوض خرید لیا۔ ''اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ'' دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ (بقرہ۔۸۶)، ''وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ'' مغفرت الٰہی کو عذاب الٰہی کے ساتھ تبدیل کر لیا۔ (بقرہ۔۱۷۵) ایمان قبول کرنے کی صلاحیت، جزا پانے کے استحقاق اور مغفرت کو اپنے برے اعمال کی وجہ سے ہاتھ سے دے دیا۔

عاقبت ، نور الٰہی دور شد
فطرت حق جوی او ، نمرود شد

آخر کار نور الٰہی اس سے دور ہو گیا اور اس کی حق تلاش کرنے کی فطرت ضائع ہو گئی۔

پیغام:

۱۔ منافق، اپنے نفع ونقصان کی پہچان نہیں رکھتا۔ لہٰذا ہدایت کو ضلالت کے ساتھ معاملہ کر لیتا ہے۔ ''اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى''

۲۔ انسان آزاد اور حق انتخاب رکھتا ہے۔ کیونکہ تجارت اور لین دین میں ارادے اور اختیار کی ضرورت ہوتی ہے۔ ''اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ''

۳۔ دنیا بازار کی مانند ہے، اس میں بسنے والے لوگ معاملہ کرنے والے اور طرفین معاملہ ہیں۔ جس کا سودا کیا جاتا ہے وہ ہمارے اعمال ہیں۔ ''اشْتَرَوُا ... فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ''

۴۔ مومن کی عاقبت ہدایت ہے ''عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ'' اور منافق کا انجام گمراہی ہے اور سرگردانی ہے۔ ''وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾''

۵۔ منافقین اپنے اہداف تک نہ پہنچ پائیں گے۔ ''مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾'' بعد والی آیات پر غور کرنے سے بھی یہی نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۱۷

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ

ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمۃ الآیات

ان (منافقین) کی مثال ایسے شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلا رکھی ہے اور جب اس نے اپنے اطراف میں خوب آگ روشن کر لی تو خدا تعالیٰ نے اس کی (آنکھوں) کی روشنائی اور نور کو ختم کر دیا اور انہیں ایسے اندھیروں میں چھوڑ دیا جہاں انہیں کچھ سجائی نہیں دیتا۔

نکات:

☆ لوگوں کو بات سمجھانے میں مثال بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ معقول وعقلی مسائل کو محسوس سطح تک لے آتی ہے اور راستے کو نزدیک وقابل فہم بنا دیتی ہے۔ اطمینان کو بڑھاتی ہے اور ہٹ دھرم افراد کو خاموش کروا دیتی ہے۔

قرآن پاک میں بہت سی مثالیں ذکر ہوئی ہیں مثلاً:

حق کی مثال پانی کی طرح ہے اور باطل کی مثال پانی کی اوپری سطح کی طرح ہے۔ (رعد۔ ۱۷)

حق کی مثال شجرہ طیبہ کی طرح ہے اور باطل کی مثال شجرہ خبیثہ کی طرح ہے۔ (ابراہیم۔ ۲۶)

کفار کے اعمال کی مثال تیز چلنے والی ہوا میں خاک کی طرح ہے۔ (ابراہیم۔ ۱۸) یا ان کے کاموں کی تشبیہ ایک سراب کی جیسی ہے۔ (نور۔ ۳۹)

بتوں اور طاغوت کی مثال مکڑی کے جالے جیسی ہے۔ (عنکبوت۔ ۴۱)

بے عمل عالم کی مثال ایسے گدھے جیسی ہے جس نے کتاب کا بوجھ اٹھا رکھا ہے۔ (جمعہ۔ ۵)

غیبت ایسے ہے جیسے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ (حجرات۔ ۱۲)

یہ آیت بھی منافقین کی نفسیات اور ان کے رویوں کے بارے میں ہے۔ وہ آگ جلا کر اپنے لیے روشنی کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ ان کا نور ختم کر دیتا ہے۔ دھواں، خاک اور اندھیرا ان کیلئے باقی چھوڑ دیتا ہے۔

☆ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: اس آیت "تَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ۔۔۔" کا معنی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ منافق نور روشنی تک پہنچنے کیلئے آگ سے استفادہ کرتا ہے۔ جس کے لوازمات میں سے دھواں، خاک اور جلن و

سوزش ہے۔''اسْتَوْقَدَ نَارًا ''

۲۔اسلام کا نور عالمگیر ہے۔لیکن ایسا نور جس کے سایہ میں منافق صرف اسلام کا تظاہر کرتا ہے۔اس کی شعاعیں کمزور اور ناپائیدار رہیں۔''اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهٗ ''

۳۔اسلام نور ہے اور کفر تاریکی ہے۔''ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ ''

۴۔جس کے پاس ایک نور ہو وہ کئی اندھیروں میں کام آتا ہے۔''بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ '' یہاں نور کا کلمہ مفرد اور ظلمات کا کلمہ جمع آیا ہے۔

۵۔منافقین کی ساری منصوبہ بندی اور سازشیں خدا کے ارادے کے سامنے نامکمل اور ناکام رہتی ہیں۔''ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ ''

۶۔منافقین کا مدمقابل خدا تعالیٰ ہے۔''ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ ''

۷۔منافقین کی عاقبت اور مستقبل خراب اور تاریک ہے۔''فِيْ ظُلُمٰتٍ ''

۸۔منافقین وحشت اور اضطراب کا شکار ہیں۔طویل المدت نتائج کے حامل فیصلوں میں سرگرداں اور گمراہ ہیں۔''فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ۝۱۷ ''

۹۔کبھی شروع میں سچا ایمان ہوتا ہے لیکن آہستہ آہستہ انسان انحراف کی طرف بڑھنے لگتا ہے اور منافق ہو جاتا ہے۔(اس آیت میں کلمہ ''نُوْرِهِمْ '' اور بعد والی آیت میں کلمہ ''لَا يَرْجِعُوْنَ '' اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے پاس نور تھا لیکن وہ اس نور کی طرف آگے نہیں بڑھے۔)

آیت نمبر ۱۸

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۝۱۸ۙ

ترجمۃ الآیات

وہ (حق سننے کیلئے) بہرے اور (حق کہنے کیلئے) گونگے اور (حق کو دیکھنے کیلئے) اندھے ہو جاتے ہیں۔پس وہ (حق کی طرف) واپس نہیں پلٹتے۔

نکات:

☆ بعض پیغمبروں کی تعریف میں قرآن پاک فرماتا ہے کہ ان کے ہاتھ اور آنکھ ہیں۔ ''وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ﴿۴۵﴾ ''(ص۔۴۵)۔شاید اس سے مراد یہ ہے کہ جس کے ہاتھ بت شکن ہیں وہ ہاتھ رکھتا ہے، جو خدا بین آنکھ رکھتا ہے، اصل میں اس کی آنکھ ہے۔

پس منافق کے ایسے ہاتھ پاؤں اور آنکھیں نہیں ہیں۔ حقیقت میں ایسے ناقص الخلقت ہیں جنہوں نے اپنے نقص کے مقدمات خود فراہم کیے ہیں اور شناخت کے ذرائع کو کھو چکے ہیں۔ لہٰذا اس سورت میں منافقین کیلئے اس قسم کی تعابیر استعمال ہوئی ہیں ''مَا يَشْعُرُوْنَ ۔لَّا يَشْعُرُوْنَ ۔لَّا يَعْلَمُوْنَ ۔يَعْمَهُوْنَ ۔لَّا يُبْصِرُوْنَ ۔ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴿۱۸﴾ ''۔

☆ بصارت اور بصیرت دو الگ چیزیں ہیں۔ سورہ اعراف میں ہے کہ ''وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ﴿۱۹۸﴾ ''تم دیکھتے ہو کہ وہ تم پر نگاہ کر رہے ہیں حالانکہ وہ نہیں دیکھ رہے ہیں۔(اعراف۔۱۹۸)

یعنی وہ حق کو دیکھنے کیلئے چشم بصیرت نہیں رکھتے۔ ظاہری آنکھ بصارت رکھتی ہے لیکن چشم بصیرت کیلئے ظاہری آنکھ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بہت سے چیزیں ایمان کے نور سے نظر آتی ہیں، چربی کی آنکھ کی روشنی سے نہیں۔

☆ شناخت کے ذرائع اور وسائل سے صحیح استفادہ نہ کرسکنا، انسانیت سے گرنا اور اس کو گم کر دینے کے مترادف ہے۔

سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۷۹ میں یوں آیا ہے کہ ''لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴿۱۷۹﴾ ''ان کے پاس دل ہے لیکن ان سے سمجھتے نہیں، ان کے پاس آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں، ان کے پاس کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں، وہ تو وہ ہیں جو غافل ہیں۔

☆ جو کوئی دنیا میں خود سے اندھے پن، بہرے پن اور گونگے پن کا تظاہر کرتا ہے، اس کی سزا آخرت میں ان کا اندھا، بہرہ اور گونگا ہونا ہے۔ ''وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ ''(اسراء۔۹۷)

پیغام:

۱۔ نفاق، انسان کو حقائق اور معارف الٰہی کے ادارک سے روکتا ہے۔ ''صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ''

۲۔ جو راہ حق میں الٰہی عنایات سے بہرہ مندی حاصل نہ کرے، استفادہ نہ کرے، بالکل اس جیسا ہے جسے ایسی کوئی نعمت حاصل ہی نہ ہوئی ہو۔ ''صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ''

۳۔ منافقین کا حق کو نہ دیکھ سکنا اس کی دو دلیل ہیں: پہلی یہ کہ ان کے اردگرد کی فضا تاریک ہوتی ہے ''فِيْ ظُلُمٰتٍ'' اور دوسرا یہ کہ وہ اپنے دل کی آنکھ کو کھو چکے ہوتے ہیں۔ ''صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ''۔

۴۔منافق میں ضد اور تعصب ہوتا ہے۔ ''فَهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ۝۱۸''

آیت نمبر ۱۹

اَوۡ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيۡهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعۡدٌ وَّبَرۡقٌ ۚ يَجۡعَلُوۡنَ اَصَابِعَهُمۡ فِىۡٓ اٰذَانِهِمۡ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ‌ؕ وَاللّٰهُ مُحِيۡطٌۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ۝۱۹

ترجمۃ الآیات

یا آسمان سے برسنے والی تند و تیز بارش کا شکار ہیں، جس میں تاریکی، بجلی کی گرج و چمک، بجلی کے گرنے کا خوف اور موت کے ڈر کی وجہ سے اپنی انگلیوں کو کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں اور اللہ نے کافروں کو گھیر رکھا ہے۔

نکات:

☆اللہ تعالی نے منافق کو اس کی روحانی کیفیت کی وجہ سے ان لوگوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو بارش میں رہ جائیں اور زوردار بارش کی مشکلات، رات کی تاریکی، بادلوں کی کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی گھن گرج بجلی کی کڑک، آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چمک اور موت کے خوف نے انہیں ہر طرف سے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہو۔ پھر اس بارش سے بچنے کے لیے نہ تو ان کے پاس کوئی پناہ گاہ ہو، نہ تاریکی کو دور کرنے کے لیے کوئی روشنی ہو، نہ کان بجلی کی کڑک سے محفوظ ہوں اور نہ روح موت کے خوف سے آزاد ہو

پیغام:

۱۔منافقین ہمیشہ گوناگوں مشکلات اور پریشانیوں کا شکار رہیں گے، وہ اس دنیا میں ہی سخت ترین اضطراب، رسوائی اور ذلت سے دوچار رہتے ہیں۔ ''ظُلُمٰتٌ وَّرَعۡدٌ وَّبَرۡقٌ ۚ'

۲۔منافقین موت سے بہت ڈرتے ہیں۔ ''حَذَرَ الۡمَوۡتِ ‌ؕ''

۳۔خداوند عالم انہیں اپنے احاطہ اور تسلط میں لیے ہوئے ہے اور جب چاہتا ہے آیتیں نازل کر کے ان کے تمام اسرار

اور سازشوں کو طشت از بام کر دیتا ہے۔''وَاللّٰهُ مُحِيۡطٌۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ۝۱۹''

(اگر اس پر خوب غور کیا جائے تو ایران کے اسلامی انقلاب میں منافقین کی سرنوشت اس سے ملتی جلتی ہے۔خوف و اضطراب، مایوسی، جہالت، تفرقہ بازی، شکست، دربدری، بے وطنی، فقر و تنگدستی، بے آبروئی، کفار و طاغوت کے پاس جا کر ان سے پناہ حاصل کرنا اور جاسوسی کر کے روزی حاصل کرنا، یہ سب ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ وہ مذہبی نعرے لگا کر اور مذہبی شخصیات کا نام استعمال کر کے کامیابی کی امیدیں وابستہ کیے ہوئے تھے۔''اسۡتَوۡقَدَ نَارًا ۚ''

لیکن جب عوام ان کے برے ارادوں سے واقف ہو گئے تو ان کے سب منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔'' ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوۡرِهِمۡ ''اسی بنا پر وہ کوئی فیصلہ کرنے سے عاجز آ گئے۔تفرقہ اندازی کے منصوبے میں ناکام ہو گئے اور حقایق و واقعات سے بے خبری کے باعث''ظُلُمٰتٍ ''میں پھنس کے رہ گئے۔چونکہ وہ ملکی خبریں اور علما کی حق پر مبنی باتیں سننے کو ترک کے ہوئے ہیں۔گویا بہرے ہیں۔ان کا ضمیر انہیں حقائق سے مطلع کرتا ہے مگر وہ اسے زبان پر نہیں لاتے گویا گونگے ہیں۔پھر اسلام کی فتح اور پیش رفت ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی لہٰذا وہ اندھے ہیں۔ہٹ دھرمی اور تعصب ان پر ایسا غالب ہے کہ وہ حق کی طرف پلٹ کر نہیں آ سکتے۔''لَا يَرۡجِعُوۡنَ ''لیکن بجلی کی چمک مانند انقلاب اسلامی کی فتح بیدار عوام کے نعرے اور ان کے باطن کا راز فاش کرنے والی چمک اور کڑک کی مانند آیات نے انہیں وحشت و اضطراب میں ڈال رکھا ہے۔)

آیت نمبر ۲۰

يَكَادُ الۡبَرۡقُ يَخۡطَفُ اَبۡصَارَهُمۡ‌ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمۡ مَّشَوۡا فِيۡهِ ۙ وَاِذَآ اَظۡلَمَ عَلَيۡهِمۡ قَامُوۡا ‌ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمۡعِهِمۡ وَاَبۡصَارِهِمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۲۰

ترجمۃ الآیات

قریب ہے کہ بجلی کی روشنی ان کی آنکھوں کو چندھیا دے۔ جب بھی (آسمانی بجلی اس تاریک اور بارانی صحرا میں) ان کے لیے روشنی پیدا کرتی ہے تو وہ چند قدم چل پڑتے ہیں۔لیکن جونہی تاریکی پھیل جاتی ہے تو وہ حیرت زدہ ہو کر رک جاتے ہیں اور اگر خدا چاہے تو ان کے کان اور آنکھیں تلف کر دے یقیناً خداوند عالم ہر کام پر قدرت رکھتا ہے۔

نکات:

☆ منافقین میں خداوند عالم کے نورانی دلائل اور آیات کی روشنی کو دیکھنے کی طاقت نہیں ہے۔ جیسے رات کو بیابان میں سفر کرنے والا مسافر ہوتا ہے کہ جب آسمانی بجلی چمکتی ہے تو اس کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور صرف چند قدم ہی چل پاتا ہے۔ منافقین بھی اسلامی معاشرہ میں کبھی کبھار چند قدم چلتے ہیں تو ایسے اتفاقات اور حوادث سے دوچار ہو جاتے ہیں کہ پھر آگے چلنے کی جرات نہیں کر سکتے۔ ان لوگوں نے اپنے باطن کے فطری چراغ کو بجھا دیا ہے اور کسی بیرونی طاقت کی روشنی کے انتظار میں ہیں۔

☆ جب کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو اس سے مراد ممکن امور ہیں۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ فلاں صاحب ریاضی دان ہیں اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ دو جمع دو کو پانچ بنا دیں گے۔ کیونکہ یہ بات محال و ناممکن ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ شخص اس کو جمع کرنے پر قادر نہیں ہے۔

بعض نے امامؑ سے سوال کیا کہ کیا خداوند کرہ ارض کو مرغی کے انڈے میں بند کر سکتا ہے؟ امامؑ نے شروع میں ایک اقناعی جواب ارشاد فرمایا: کیا ایک آنکھ سے یہ اتنا بڑا آسمان دیکھ سکتے ہو؟ پھر فرمایا: خداوند قادر ہے، لیکن تمہاری تجویز محال ہے۔ بالکل ریاضی دان کی قدرت جیسے جو محال مسئلہ کو حل نہیں کر سکتا۔ (تفسیر نور الثقلین، ج ۱ ص ۳۹)

قرآن میں منافق کا چہرہ

منافق اپنے عقیدے اور عمل، رویے اور گفتگو میں ایسے افعال کرتا ہے کہ جس کو اس سورت میں اور سورہ منافقون، احزاب، توبہ، نساء اور محمد میں بتایا گیا ہے۔ اس مناسبت سے یہاں جو بات کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ منافق باطنی طور پر ایمان نہیں رکھتے لیکن خود کو مصلح اور عاقل سمجھتے ہیں۔ اپنے ہمفکر افراد کے ساتھ محفل کرتے ہیں۔ ان کی نماز میں تھکاوٹ اور انفاق میں بے دلی ہوتی ہے۔ مومنین کے عیب نکالتے رہتے ہیں اور پیغمبرؐ کے بارے میں دشمنی رکھتے ہیں اور ظاہراً خطرناک ہیں۔ جہاد سے فراری ہیں اور خدا سے غافل ہیں۔

بیہودہ باتیں کرنے والے، ریاکار، افواہیں پھیلانے والے اور کفار کے ساتھ دوستی کرنا پسند کرتے ہیں۔ ان کی خوشی کا معیار کامیابی اور ان کے غصے کا معیار ان کی ناکامی ہوتا ہے۔ خداوند سے کیے گئے وعدوں کو پورا نہیں کرتے، بے وفائی کرتے ہیں مسلمانوں کو پہنچنے والے نفع اور فائدوں پر پریشان ہوتے ہیں لیکن مسلمانوں پر آنے والی مشکلات اور درپیش مسائل کے بارے میں خوش ہوتے ہیں۔ امر بہ منکر اور نہی بہ معروف کرتے ہیں۔ قرآن پاک ان کے گمراہ کن فکری اور عملی رویوں پر فرماتا ہے:

''اَلْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ''(نساء۔ ۱۴۵)

پیغام:

۱۔ منافق ہمیشہ حیرت کا شکار رہتے ہیں۔ ''اَضَآءَ ۔۔۔ مَّشَوْا اَظْلَمَ ۔۔۔ قَامُوْا ''

۲۔منافق دوسروں کی دی ہوئی روشنی میں حرکت وعمل کرتے ہیں۔''اَضَآءَ لَھُمۡ''

۳۔منافق ایسے اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں کہ ممکن ہے وہ کسی بھی وقت قہر خداوندی کی گرفت میں آ جائیں۔''وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمۡعِهِمۡ''

۴۔اللہ تعالی کا دستور یہ ہے کہ سب لوگ آزادانہ طور پر اپنے کام سرانجام دیں ورنہ خدا انہیں بہرا اور اندھا کر سکتا ہے۔''وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمۡعِهِمۡ''

آیت نمبر ۲۱

يَآَيُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ وَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۲۱﴾

ترجمۃ الآیات

اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا ہے تاکہ تم اہل تقویٰ بن جاؤ۔

نکات:

☆ دنیاوی آئین وقانون کی کتابوں میں قانون کی تمام دفعات کسی کو مخاطب کیے بغیر بیان کی جاتی ہیں۔لیکن قرآن ایک ایسا قانون ہے جس کا لوگوں کی روح اور جذبات واحساسات سے تعلق وواسطہ ہے۔اسی لیے وہ قوانین الٰہی کو بیان کرتے وقت خطاب کرتا ہے اور پھر قرآنی خطاب کا انداز بھی سب سے جدا ہے۔کبھی عوام الناس کیلئے فرمایا:''يَآَيُّهَا النَّاسُ''لیکن ہدایت حاصل کرنے والوں کے بارے میں فرمایا:''يَآَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا''

☆ جہان وانسان کی خلقت کا مقصد تکامل انسان ہے،یعنی کائنات کی پیدائش کا مقصد،انسان کا اس سے بہرہ مند ہونا ہے۔(سَخَّرَ لَكُمۡ ،جاثیہ۔۱۳؛خَلَقَ لَكُمۡ ،بقرہ۔۲۹)انسان وانسانیت کی تکمیل عبادت کے ذریعے ہے۔(وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ ﴿۵۶﴾ ذاریات۔۵۶)عبادت کے اثرات وآثار میں سے تقویٰ کا حصول ہے۔(۔۔۔اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ ۔۔۔ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۲۱﴾ ،بقرہ۔۲۱)،تقویٰ و پرہیزگاری کی نہایت کامیابی وکامرانی ہے۔(وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۸۹﴾ ،بقرہ۔۱۸۹)

سوال: خدا کی عبادت کیوں کریں؟

جواب: قرآن پاک میں چند جگہ پر اس کا جواب یوں آیا ہے:

❁ کیونکہ خداوند تمہارا خالق اور رب ہے۔''اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ''

(مشرکین، خدا کی خالقیت کا اقرار کرتے تھے مگر اس کی ربوبیت کا انکار کرتے تھے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے'' رَبَّكُمُ ''اور''خَلَقَكُمْ '' کے دونوں کلمے ایک ساتھ استعمال کیے ہیں جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمہارا خالق ہی تمہارا پروردگار بھی ہے۔جیسا کہ سورہ انعام کی آیت ۱۰۲ میں فرماتا ہے:''ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ ''یعنی اللہ تعالیٰ ہی تمہارا پروردگار ہے جو یگانہ معبود ہے جس کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں اور وہ ہر چیز کا خالق ہے۔پس تم اسی کی عبادت اور بندگی کرو۔)

❁ کیونکہ وہ تمہارے رزق، روزی وامن کا ضامن اور فراہم کرنے والا ہے۔''فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ ''(قریش۔۳و۴)

❁ کیونکہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ ''(طہ۔۱۴)

☆ انسان کا عبادت کرنا، انسان کی خلقت کا مقصد ہے، خالق کا مقصد نہیں ہے۔اسے ہماری عبادت کی ضرورت نہیں ہے، اگر ارض پر سب لوگ کافر ہو جائیں تو وہ اس بات سے بے نیاز ہے۔''اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ ۔۔۔''(ابراہیم۔۸) چنانچہ سب لوگ سورج کی طرف گھر بنائیں یا سورج سے پشت کر کے گھر تعمیر کریں اس سے سورج پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

☆ یہ ٹھیک ہے کہ خدا کی عبادت ہم پر واجب ہے کیونکہ وہ ہمارا خالق، رازق اور مربی ہے اور اس کا اسے کوئی فائدہ نہیں ہے لیکن اس فریضہ کی انجام دہی پر وہ ہمیں اس کا انعام وجزا عطا کرتا ہے، یہ اس کی نہایت مہربانی، لطف وکرم اور اپنی مخلوق سے محبت ہے۔

☆ وہ چیز جو انسان کو عبادت کرنے پر ابھارتی ہے:

۱۔وہ جو ہمارا خالق، رازق ومربی ہے اس کی عطا کردہ نعمتوں پر توجہ ہمیں عبادت کرنے پر ابھارتی ہے۔

۲۔اپنے فقر ونیازمندی پر جب توجہ کرتے ہیں تو سر جھک جاتے ہیں۔

۳۔عبادت کے آثار وبرکات پر توجہ ہمیں بیدار کرتی ہے۔

۴۔عبادت کو ترک کرنے کے برے اثرات کو دیکھتے ہیں تو ہمارے اندر تحریک پیدا ہوتی ہے۔

۵۔اس بات پر توجہ کہ ساری کائنات اس کی مطیع ہے اور تسبیح کرنے کی حالت میں ہے تو پھر ہم کیوں اس کائنات کے عضو معطل ہوں، ہمیں بھی فطرت کا ہم رنگ ہونا چاہیے۔

۶۔اس بات سے آگاہی کہ عشق اور عبادت ہماری روح میں رچی بسی ہوئی ہے۔اس کی ذات سے بڑھ کر اور کونسی ایسی ذات ہوسکتی ہے جس سے عشق کیا جائے!!

سوال: قرآن میں ہے کہ ''وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾'' (حجر۔۹۹) یعنی عبادت کرو یہانتک کہ یقین تک پہنچ جاؤ۔تو کیا اگر کوئی یقین تک پہنچ جائے، وہ نماز ترک کرسکتا ہے؟!

جواب: اگر ہم یہ کہیں کہ سیڑھی لگاؤ تا کہ تمہارا ہاتھ درخت کی اوپری شاخ تک پہنچ جائے۔اس کا مطلب یہ ہرگز بھی نہیں ہے کہ جب تمہارا ہاتھ اس شاخ تک پہنچ جائے تو تم نیچے سے سیڑھی گرادو۔کیونکہ ایسا کرنے سے تم گر جاؤ گے۔جو کوئی عبادت سے دور ہوگیا وہ ایسے ہے جیسے کوئی آسمان سے نیچے کی طرف گر گیا ہو۔''فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ''

اس کے علاوہ وہ لوگ جو یقین تک پہنچے ہیں جیسے رسول خدا اور ائمہ معصومین، انہوں نے ایک لمحہ بھی عبادت سے غفلت نہیں برتی۔اس لیے آیت کی مراد عبادت کے آثار کو بیان کرنا ہے، عبادت کی حدود کو معین کرنا نہیں ہے۔

☆ آیات و روایات میں عبادت کے مختلف آداب و شرائط ذکر ہوئے ہیں۔ان کے بارے میں کسی مناسب جگہ پر بحث کی جائے گی۔لیکن کیونکہ یہ آیت قرآن پاک میں خدا تعالیٰ کا انسان کیلئے سب سے پہلا فرمان ہے، بعض عناوین کو ذکر کر رہے ہیں تا کہ یہ معلوم ہو کہ عبادت کس طرح ہونی چاہیے:

۱۔عبادت ماموررانہ: یعنی اس کے حکم کے مطابق اور خرافات کے بغیر۔

۲۔عبادت آگاہانہ: یہ جانتے ہوئے کہ ہمارا مخاطب اور معبود کون ہے۔''حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ''(نساء۔۴۳)

۳۔عبادت خالصانہ: ''وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾'' (کھف۔۱۱۰)

۴۔عبادت خاشعانہ: ''فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾''(مومنون۔۲)

۵۔عبادت عاشقانہ: پیغمبر خداؐ نے فرمایا: ''افضل الناس من عشق العبادة''(بحار، ج۷، ص۲۵۳)

عبادت کیلئے تین طرح کی شرائط ہیں:

الف: شرط صحت جیسے طہارت و قبلہ رخ ہونا۔

ب: شرط قبولی جیسے تقویٰ و خلوص ہونا۔

ج: شرط کمال یعنی عبادت آگاہانہ، خاشعانہ، مخفیانہ، عاشقانہ ہو کیونکہ یہ سب شرط کمال ہیں۔

(تفصیل کیلئے کتاب ''اسرار نماز'' و ''تفسیر نماز'' تالیف جناب محسن قرائتی کی طرف رجوع کریں۔)

پیغام:

۱۔انبیاء کی دعوت عمومی ہے گویا وہ یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ کفر و نفاق اور تفرقہ بازی سے ہٹ کر صرف خدا ہی کے راستہ

پر چلتے رہو۔ ''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ''

۲۔عبادت کے دلائل میں سے ایک دلیل اور اس کا فلسفہ، ولی نعمت کے احسانات کا شکریہ ادا کرنا بھی ہے۔ ''اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ''

(قرآن مجید میں سب سے پہلا خدائی فرمان یہی ہے کہ اپنے خالق کی عبادت کرو۔)

۳۔اولین اور بزرگ ترین نعمت تخلیق کی نعمت ہے اور تمام انسانوں کو سب سے پہلا حکم عبادت اور بندگی کا ہے۔'' اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ''

۴۔مبادا تمہارے بزرگان ماسلف کی بت پرستی اور کجروی تمہیں خدا کی عبادت سے دور کر دے۔ یہ یاد رکھو کہ وہ بھی تمہاری طرح خدا کی مخلوق ہیں۔ ''وَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ''

۵۔عبادت ہی تقویٰ کا ذریعہ ہوتی ہے۔اگر عبادت ہمارے اندر تقویٰ پیدا نہیں کرتی تو پھر وہ عبادت ہی نہیں۔'' اعۡبُدُوۡا۔۔۔لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ﴿۲۱﴾''

۶۔اپنی عبادت پر مغرور نہ ہو کہ شاید متقی بن جاؤ۔''لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ﴿۲۱﴾''

آیت نمبر ۲۲

الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّـكُمۡ‌ۚ فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ‏﴿۲۲﴾

ترجمۃ الآیات

(وہ خدا کہ) جس نے تمہارے لیے زمین کو بستر زندگی بنا کر بچھایا اور آسمان کو چھت کی مانند قرار دیا اور آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ میوہ جات کو پیدا کیا جو تمہاری روزی ہیں پس تم خدا کے ساتھ کسی کو اس کا شریک و ہمتا قرار نہ دو جیسا کہ تم جانتے ہو۔ (کہ ان شرکا اور بتوں میں سے نہ کسی نے تمہیں پیدا کیا اور نہ وہ تمہیں روزی دیتے ہیں۔ یہ تو بس خدا ہی کا کام ہے۔)

نکات:

☆ اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے کئی قسم کی نعمتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں سے ہر ایک کئی دوسری نعمتوں کا سرچشمہ ہے۔ مثلاً زمین کا بچھونا کئی دوسری نعمتوں کا خلاصہ ہے۔ (مثلاً اس کا ٹھوس اور سخت ہونا، یا پھر نرم ہونا، اس کا سورج سے فاصلہ، اس کا درجہ حرارت، فضا کا سرد و گرم ہونا۔ اس میں دریا، سمندر، درے، پہاڑ اور نباتات کا وجود اور اس کی محوری و دوری حرکات سب مل کر اس کے ''بچھونا'' ہونے کے دلائل مہیا کرتے ہیں۔) قرآن مجید میں زمین کو مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ زمین ''مہد'' یعنی گہوارہ بھی ہے۔ ''الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا'' (طہ۔ ۵۳) اور ''ذلول'' یعنی آرام اور ٹھہراؤ میں بھی ہے۔ ''هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ ذَلُوۡلًا'' (ملک۔ ۱۵)، ''کفات'' یعنی گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔ ''اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ کِفَاتًا ﴿۲۵﴾'' (مرسلات۔ ۲۵)

☆ ''سماء'' کا کلمہ آیت میں ایک مرتبہ ''ارض'' کے مقابلہ میں آیا ہے۔ یہ تمام بالائی حصوں و جگہوں کی طرف اشارہ ہے۔ دوسری مرتبہ اس سے مراد بادلوں سے بارش کے نازل ہونے کا مقام ہے۔

پیغام:

۱۔ خدا کی نعمتوں کی یاد اس کی خداشناسی کا بہترین وسیلہ اور عبادت کی دعوت کے لیے بہترین بنیاد ہے۔ ''اعۡبُدُوۡا رَبَّکُمُ ... الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ''

۲۔ محسوسات اور گردو پیش میں موجود نعمتوں کے ذریعے وجود باری تعالیٰ پر بہترین استدلال کیا جا سکتا ہے۔ ''الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً''

۳۔ نظام تخلیق میں کامل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ زمین و آسمان، باران و نباتات، میوہ جات اور انسان کے درمیان ہم آہنگی موجود ہے۔ (اسے برہان نظم کہتے ہیں۔) ''جَعَلَ، اَنۡزَلَ، اَخۡرَجَ''

۴۔ ہر ایک مخلوق کا کوئی نہ کوئی مقصد تخلیق ضرور ہے۔ ''رِزۡقًا لَّکُمۡ'' بارش کا مقصد تخلیق میوہ جات کو پکانا ''فَاَخۡرَجَ بِهٖ'' اور میوہ جات کی تخلیق کا مقصد انسان کو روزی بہم پہنچانا ہے۔ ''رِزۡقًا لَّکُمۡ''

۵۔ زمین ہو یا بارش یہ سب وسیلے ہیں اور حقیقت میں نباتات و میوہ جات کا اگانا خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ''فَاَخۡرَجَ''

۶۔ کائنات کے نظام میں نظم وضبط اور ہم آہنگی ''توحید کی علامت'' ہے لہٰذا اے بنی نوع انسان! تمہیں بھی ''توحید پرست'' ہونا چاہیے۔ ''فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا''

۷۔ خدا پرستی کی اصل و بنیاد تمام انسانوں کے ضمیر و فطرت میں موجود ہے۔ ''وَّاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾''

۸۔ زمین و آسمان، بارش اور پھول و پھل، انسان کا رزق و روزی سب خدا تعالیٰ کی ربوبیت کی ایک جھلک ہے۔ ''اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ ... الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ''

۹۔ تمام انسان، زمین سے استفادہ کر سکتے ہیں اور اس پر تصرف کر سکتے ہیں۔ (آیت میں ''لَكُمُ'' تکرار ہوا ہے۔)

۱۰۔ تم پر عبادت کے واجب ہونے کی دلیل، اس کا لطف و کرم ہے جس نے زمین و آسمان، بارش اور میوہ جات کو تمہاری روزی قرار دیا ہے۔ ''اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ ... الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ ...''

۱۱۔ خدا تعالیٰ نے طبعی قوانین اور اسباب کو ایک جیسا نافذ کر دیا ہے۔ ''جَعَلَ، اَنْزَلَ، اَخْرَجَ''

۱۲۔ خدا تعالیٰ کے شریک کی سوچ، جہالت کی وجہ سے ہے۔ ''لَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۲۲﴾''

آیت نمبر ۲۳

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴿۲۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر تمہیں اس چیز (قرآن) کے بارے میں کوئی شک وشبہ ہے جو ہم نے اپنے بندے (پیغمبرؐ) پر نازل کی ہے تو (کم از کم) ایک سورت اس کی مثل لے آؤ اور خدا کو چھوڑ کر اپنے گواہوں کو بھی بلا لاؤ اگر تم سچے ہو۔

نکات:

☆ یہ آیت قرآن پاک کے معجزہ ہونے کو بتاتی ہے۔ سب پیغمبروں کی ایک دعوت ہے جو کہ خدا تعالیٰ کی طرف استدلال، موعظہ حسنہ اور جدال احسن کے ہمراہ ہدایت کرنا ہے۔ ان کا ایک ہی دعویٰ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کیلئے آئے ہیں اور اس بات کیلئے معجزہ لائے ہیں۔ لہٰذا معجزہ دعویٰ پیغمبر کے اثبات کیلئے ہے، ان کی دعوت کیلئے نہیں ہے۔

(معجزہ، علت و معلول کے نظام کو نظر انداز کرنا نہیں ہے۔ بلکہ معجزہ کی بھی علت ہوتی ہے اور وہ یا ارادہ الٰہی ہے یا ایسے اسباب ہیں جنہیں خدا تعالیٰ لوگوں سے مخفی رکھنا چاہتا ہے۔)

☆ قرآن مجید میں خداوند عالم نے مخالفین اسلام کو بار ہا مقابلے کی دعوت دی ہے کہ اگر تم اس کتاب کو خدا کی طرف

سے نازل کردہ نہیں سمجھتے اور اسے انسانی ہاتھوں کا کرشمہ جانتے ہو تو اس قدر جنگوں اور جزیہ کی ادائیگی کی بجائے قرآن جیسی کوئی کتاب لے آؤ تاکہ سارا قصہ ہی ختم ہو جائے اور اسلام کی آواز ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائے۔

☆ خداوند عالم نے اپنے پیغمبرؐ اور اپنی کتاب کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے قرآن جیسی کتاب لانے کے مطالبے میں کئی بار تخفیف بھی دی ہے۔ مثلاً پہلے فرمایا: ''فَأْتُوْا بِكِتٰبٍ'' (قصص۔۴۹) یعنی پورے قرآن جیسی کوئی کتاب لے آؤ۔ پھر ایک اور مقام پر فرمایا: ''فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ'' (ھود۔۱۳) ایسی دس سورتیں لے آؤ۔ یوں ایک اور جگہ ارشاد ہوا: ''فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' (یونس۔۳۸) اس جیسی فقط ایک سورت ہی لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جس کو چاہو اپنی مدد کیلئے پکارو۔ یعنی ساری کائنات سے اپنے سارے ہم فکر، یاروں اور مددگاروں کو ان کی ساری طاقتوں اور وسائل کے ساتھ دعوت دے لو، اور مل کر ایک ہی سورت ان خصوصیات کی حامل بنا ڈالو۔ لیکن معلوم ہے کہ تم ایسا نہیں کر سکتے۔

☆ قرآن پاک کی تنظیم، سورتوں کے ناموں کا انتخاب، خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر اکرمؐ کے زمانہ میں ہی انجام پا چکا تھا۔ ''فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ''

☆ قرآن پاک انبیاء کی تعریف کرتے ہوئے کلمہ ''عبدنا'' کے بعد یا 'عبد' سے پہلے، ان کے نام ذکر کرتا ہے، جیسے'' عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ '' ، ''اِبْرٰهِيْمَ --- كل من عبادنا '' لیکن پیغمبر اکرمؐ کیلئے صرف لفظ ''عبد'' استعمال ہوا ہے۔ شاید اس سے مراد یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ ہی وہ واحد ذات ہیں جو مطلق عبد ہیں۔

پیغام:

۱۔ انسان کے دل و دماغ سے اور خصوصاً اعتقادی مسائل میں شک وشبہ کو مکمل طور پر دور کرنا چاہیے۔ ''اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ''

۲۔ وحی کے حصول کی شرط خدا کی بندگی ہے۔ ''نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا''

۳۔ قرآن استدلال اور حجتوں پر مبنی کتاب ہے۔ اس نے شک وسوسہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہنے دی۔ ''فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ''

۴۔ انبیاء کے پاس کسی معجزے کا ہونا ضروری ہے اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کا معجزہ یہی قرآن ہے۔ ''فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ''

۵۔ زندہ و پائندہ دین کے لیے زندہ جاوید معجزے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ جو انسان جس زمانے اور جس مقام پر شک وشبہ سے دوچار ہو جائے تو اس معجزے کو وہ خود آزمالے۔ ''فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ''

۶۔ قرآن کی حقانیت پر اس قدر محکم یقین ہے کہ اگر تم اس جیسی ایک بھی سورت لے آؤ تو اسے ہم پورے قرآن کے برابر تسلیم کر لیں گے۔ ''بِسُوْرَةٍ''

آیت ۲۴

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَۃُ ۚۖ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۴﴾

ترجمۃ الآیات

پس اگر تم نے یہ (قرآن جیسی کتاب لانے کا) کام نہ کیا اور ہرگز بھی نہیں کر سکتے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن (گناہگار) انسانوں (کے جسم) اور پتھر ہوں گے کہ جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

نکات:

☆ سورہ انبیاء میں پڑھتے ہیں کہ ''اِنَّکُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ'' (انبیاء۔ ۹۸) یعنی تم بھی اور خدا کے علاوہ وہ چیزیں (تمہارے بت) بھی کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو سبھی جہنم کا ایندھن ہو۔

بنا بریں ممکن ہے کہ پتھروں سے مراد وہ بت ہوں جن کی پوجا کی جاتی تھی۔ تاکہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیں کہ بتوں کے بس میں کوئی کام نہیں اور نہ ہی وہ کوئی کام کر سکتے ہیں۔ بلکہ قیامت کے دن ان کی حیثیت تو اس خون آلود چھری کی مانند ہوگی جو آلہ قتل کے طور پر مجرم کے ارتکاب جرم کا ایک ثبوت ہوتا ہے۔

(پوری تاریخ میں اتنے پتھروں اور لکڑیوں میں، حجر الاسود اپنی تمام تر برکتوں کے ساتھ بھی مورد پرستش قرار نہیں دیا گیا۔ ہرگز بھی اس کا کردار بتوں جیسا نہ تھا لہٰذا جہنم کے پتھروں میں سے نہ ہوگا۔ حجر الاسود زمین پر خدا کی قدرت کا مظہر، حافظ اسرار اور بشری فطرت کے اقرار پر گواہ ہے۔)

سوال: اس کے باوجود کہ الفاظ انسان کی ایجاد ہیں، کس طرح ممکن نہیں ہے کہ انسان قرآن کی مثل لا سکے؟

جواب: الف، با، کے حروف انسان سے ہیں لیکن اس کی ترکیب کا انداز اور بلند و بالا مفاہیم کا بیان، علم و فن کا طلبگار ہے۔ قرآن پاک خدا تعالیٰ کے بے پناہ اور لازوال علم و حکمت کی اساس پر نازل ہوا ہے۔ لیکن دوسری کوئی بھی کتاب چاہے کسی کی بھی ہو انسانی محدود علم کی بنیاد پر ہوگی، لہٰذا انسان کبھی بھی قرآن جیسی کتاب نہیں لا سکتا۔

پیغام:

۱۔ اپنے مقصد و ہدف ہر کامل یقین اور محکم ارادے کے ساتھ اس پر ثابت قدم رہنا قیادت و پیشوائی کے اہم اصولوں میں سے ایک ہے۔ ''وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا''

۲۔ اب جبکہ تم نے اپنے عجز و ناتوانی کا احساس کرلیا ہے تو پھر حق کے آگے سر تسلیم خم کر دو۔ ''وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا''

۳۔ لاابالی اور کافر انسان پتھر کی مانند ہیں۔ ''النَّاسُ وَالۡحِجَارَۃُ''

۴۔ گناہگار شخص کی اندرونی خباثت ہی قیامت کے دن مجسم ہو کر آگ بن جائے گی۔ ''وَقُوۡدُهَا النَّاسُ'

۵۔ یہ انسان جو زمین پر خدا کا خلیفہ و نائب بننے اور شائستگی کا عملی نمونہ پیش کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے اگر کفر اور ہٹ دھرمی کی راہ اختیار کرے تو وہ دوزخ کے ایندھن میں بدل جاتا ہے۔ ''وَقُوۡدُهَا النَّاسُ''

۶۔ جہنم کی آگ سے رہائی قرآن پر ایمان اور پیغمبر اکرمؐ کی تصدیق پر منحصر ہے۔ ''فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ ۔ ۔ ۔ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۴﴾''

آیت نمبر ۲۵

وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا ۙ قَالُوۡا هٰذَا الَّذِىۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَاُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمۡ فِيۡهَآ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵﴾

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبر) جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل بجالائے ہیں انہیں خوشخبری دے دیں کہ ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ جب بھی ان (باغات) میں سے پھل دیا جائے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو پہلے بھی ہمیں دیا گیا تھا۔ جبکہ اسی کے مشابہ نعمات انہیں دی جائیں گی۔ (وہی نہیں) باغ جنت میں ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہیں اور

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

نکات:

☆ شاید ''مُتَشَابِهًا'' سے مراد یہ ہے کہ وہ بہشت میں پہلی نظر میں پھلوں کو دنیاوی پھلوں کی طرح دیکھیں گے اور کہیں گے: اسی کی طرح ہے جیسے ہم نے دنیا میں کھائے تھے۔ لیکن کھانے کے بعد جانیں گے کہ ان کا ذائقہ اور مزہ بالکل نیا ہے۔ شاید اس سے یہ مراد ہو کہ جو پھل انہیں دیے جائیں گے سب اچھائی، زیبائی اور خوشبو کے لحاظ میں ایک سے بڑھ کر ایک ہونگے۔ اور دنیا کے پھلوں کی طرح درجہ ایک، درجہ دو اور درجہ تین کی طرح نہ ہونگے۔

☆ قرآن پاک عام طور پر ایمان اور عمل صالح کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے، لیکن ایمان کو عمل صالح پر مقدم کیا گیا ہے۔ جی ہاں! اگر کمرہ اندر سے نورانی ہو گیا تو اس کے نور کی شعاعیں روشندان اور کھڑکی سے باہر کی طرف آئیں گی۔ ایمان، انسان کے اندر کو نورانی کر دیتا ہے، قلب کو نورانی کر دیتا ہے بلکہ انسان کے سارے کاموں کو نورانی کر دیتا ہے۔ ایمان اور عمل صالح کی بہت زیادہ برکات ہیں، قرآن کی آیات میں ان کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

(قرآن پاک میں ایمان کے ہمراہ عمل صالح کی ۱۵ برکات ذکر ہیں۔ معجم المفہرس کی طرف رجوع سے ان کے بارے معلوم کیا جا سکتا ہے۔)

☆ بہشت میں ملنے والی بیویاں دو طرح کی ہیں:

الف: ''حور العین'' ایسی کہ جیسے موتی ہوتے ہیں۔ وہ دوشیزہ اور باکرہ ہونگی اور اسی عالم میں پیدا ہونگی۔ ''اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰهُنَّ اِنۡشَآءً ۙ﴿۳۵﴾'' ''جنہیں ہم نے نت نیا پیدا کیا۔ (واقعہ۔ ۳۵)

ب: دنیا میں جو مومنہ بیویاں تھیں وہ خوبصورت اور زیبا چہروں کے ساتھ اپنے شوہروں کے دوش بدوش ہونگی۔ ''وَمَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآٮِٕهِمۡ وَاَزۡوَاجِهِمۡ ۔۔۔'' یعنی وہ بہشت میں خود بھی جائیں گے اور ان کے نیک آباؤ اجداد اور نیک بیویاں بھی ۔۔۔ (رعد۔ ۲۳)

امام صادق علیہ السلام سے ''اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ'' کے بارے سوال کیا گیا۔ امامؑ نے فرمایا: بہشتی بیویاں، حیض یا کسی حدث سے آلودہ نہ ہونگی۔ (تفسیر راہنما و در المنثور)

پیغام:

۱۔ اصول تربیت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جہاں ڈرانے سے کام لیا جائے تو اس کے ساتھ ساتھ خوشخبری کا ذکر بھی کیا جائے۔ (جیسا کہ اس سے پہلے کی آیت میں ڈرایا گیا اور زیر نظر آیت میں خوشخبری دی گئی ہے۔) ''فَاتَّقُوا النَّارَ ۔۔۔ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۔۔۔''

۲۔ قلبی ایمان کے ساتھ ساتھ عمل صالح کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ''اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ''

۳۔ تمام نیک اور صالح اعمال باہم مل کر ہی کام بناتے ہیں نہ کہ ایک آدھ نیکی۔ ''عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' (الصالحات) جمع ہے اور اس پر الف لام بھی ہے، اس کا معنی سب اچھے کام ہیں۔

۴۔ جو بھی نیک اعمال انجام دیے جائیں، اس صورت میں اہمیت رکھتے جب وہ ایمان کی بنیاد پر ہوں وہ ذاتی پسند اور معاشرتی بندھنوں کے تحت انجام نہ دیے گئے ہوں۔ پہلے ''اٰمَنُوْا'' پھر ''عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ''

۵۔ مومنین حلال و حرام کی تمیز کو پیش نظر رکھتے ہوئے دنیا میں جن محرومیوں کا شکار ہو جاتے ہیں، آخرت میں ان کی تلافی کی جائے گی۔ ''رُزِقُوْا''

۶۔ ہم دنیا میں یا تو نعمتوں تک رسائی کی فکر میں رہتے ہیں یا ان کی جدائی کے غم میں ہوتے ہیں۔ مگر آخرت میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوگی۔ ''هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾''

۷۔ نعمتوں کے بارے میں پہلے سے علم و آشنائی ہونا، نعمتوں کے ملنے کی اور اس پر حاصل ہونے والی کامیابیوں کی لذت کو دوچند کر دیتا ہے۔ ''رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ''

(جنہیں ہم پہلے سے جانتے ہیں ریڈیو اور ٹیلی وژن سے ان کی باتیں ہم بہت شوق اور ولولے سے سنتے ہیں، یا اس جگہ کی تصویریں جسے ہم پہلے سے جانتے ہیں، جہاں ہم پہلے سے جا چکے ہیں، بہت شوق سے دیکھتے ہیں۔)

۸۔ بہشت میں ملنے والی بیویاں بھی پاک و پاکیزہ ہونگی۔ ''اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ''

آیت نمبر ۲۶

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمۃ الآیات

خداوند عالم مچھر (جیسی چھوٹی سی چیز) کی حتیٰ کہ اس سے بڑھ کر بھی مثال بیان کرنے سے قطعاً نہیں جھجھکتا تو (اس دوران میں) جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے پروردگار کی طرف سے ایک صحیح مثال ہے (جو آچکی ہے) لیکن جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کی ہے (وہ اس موضوع کو بہانہ بنا کر) کہتے ہیں کہ اس مثال سے خدا کا کیا مقصد اور ارادہ ہے۔ (جی ہاں!) اللہ تعالی اس مثال سے بہت سے لوگوں کو گمراہ اور بہت سے لوگوں کو ہدایت کرتا ہے۔ (لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ گمراہی کی اصل جڑ خود ان کی ہٹ دھرم اور بہانہ گیر روح ہی میں موجود ہے کہ) خداوند عالم صرف فاسقوں ہی کو گمراہ کرتا ہے۔

نکات:

☆ لفظ ''بَعُوْضَ'' کا معنی ایک چھوٹے مچھر ہے۔ اس کی اصل ''بعض'' ہے۔ یہ لفظ مچھر کے چھوٹے ہونے پر اطلاق کرتا ہے۔ (مفردات راغب)

☆ قرآنی مثال سب لوگوں کیلئے ہیں، اس میں ہر طرح کی مثال آئی ہے۔ ''وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ'' (روم۔ ۵۸) ان مثالوں کو کم نہیں سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ علماء ان کی حقیقت اور باطن کو درک کرتے ہیں۔ ''وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝'' (عنکبوت۔ ۴۳) مثال کے اندر تذکر، تفھیم، تعلیم، بیان اور حقائق سے پردہ برداری پوشیدہ ہے۔ ایسی مثالیں گذشتہ آسمانی کتابوں جیسے تورات، انجیل میں موجود ہیں اور رسول خدا اور اہل بیتؑ کے ارشادات میں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ تورات میں ایک حصہ ''امثال سلیمان'' کے نام سے موجود ہے۔

☆ اسلام کے مخالفین میں سے بعض تو قرآن کی ان مثالوں کا منطقی جواب دینے اور منطقی عکس العمل کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ قرآنی مثالوں کو بہانہ بنا کر کہتے تھے: خداوند کی شان اس سے کہیں اونچی ہے کہ وہ ایسے حیوانات جیسے مکھی یا مکڑی کی مثال دے۔

(سورہ عنکبوت کی آیت ۴۱ میں غیر الٰہی طاقتوں کی تشبیہ ایک مکڑی کے جال سے دی گئی ہے اور سورہ حج کی آیت ۷۳ میں فرمایا ہے کہ دوسرے افراد تو ایک مکھی کو خلق کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔)

وہ کہتے تھے کہ ایسی مثالیں خداوند کے مقام سے سازگار نہیں۔ اس کے ذریعے قرآن کی آیات میں شک کیا کرتے تھے۔

(مچھر کی مثال دینے میں کیوں شرم محسوس کی جائے؟ آیا اسے مچھر کے پیدا کرنے میں شرم محسوس ہوئی تھی کہ اس کی

مثال بیان کرنے میں شرم محسوس کرے؟ کسی مثال کا چھوٹا ہونا بہانہ سازی کا موجب نہیں بننا چاہیے۔ یہی مچھر اپنے چھوٹے سے پیکر میں ہاتھی کے تمام اعضاء رکھتا ہے۔ بلکہ اس میں دو چھوٹے چھوٹے سینگ اضافی ہیں۔حتیٰ کہ مچھر کی سونڈ جو اندر سے خالی اور ٹیکے کی سرنج جیسی ہوتی ہے اسی سے یہ چھوٹی سی مخلوق بڑے سے بڑے جانور کو عاجز کرسکتی ہے۔

امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مچھر کے چھوٹے ہونے کو مت دیکھو جو کچھ ہاتھی رکھتا ہے، اس کے پاس بھی ہے، بلکہ اس کے دو پر اضافی ہیں جو ہاتھی کے نہیں۔تفسیر مجمع البیان)

خداوند تعالیٰ اس آیت کے نزول کے ساتھ ایسے افراد کی بہانہ بازیوں کا جواب دے رہا ہے۔

سوال: کیا خدا تعالیٰ کچھ لوگوں کو قرآن اور اس کی مثالوں کے ذریعے گمراہ کرتا ہے؟

جواب: خدا تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ بلکہ جو کوئی قرآنی حقائق کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے، خود گمراہ ہوتا ہے اور یوں کہا جاسکتا ہے کہ قرآن اس کی گمراہی کا سبب بنا ہے۔جیسا کہ اسی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا: ''وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۶'' لوگوں کی گمراہی کا سبب ان کا فاسق ہونا ہے۔

کیا سچ میں ایسا ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ لوگوں کو ایمان لانے پر تاکید فرمائے اور پھر خود ہی ان کو گمراہ بھی کرے!!؟ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ اتنے زیادہ پیغمبر اور آسمانی کتب نازل کرے، لیکن خود لوگوں کو گمراہ کرے؟ کیا ممکن ہے کہ ابلیس کو سرزنش کرے کیونکہ وہ اس کے بندوں کو گمراہ کرتا ہے، اور دوسری طرف خود اپنے ہی بندوں کو گمراہ کرے؟

☆ اس آیت میں اگرچہ ہدایت وگمراہی کو خدا تعالیٰ سے نسبت کی دی گئی ہے لیکن دوسری آیات میں اس مسئلہ کو واضح کرتے ہوئے کھول کر بیان کیا گیا ہے اور فرمایا ''يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝۲۷'' (رعد۔۲۷) انہیں ہدایت کرتا ہے جو اس کی طرف بڑھتے ہیں، جو توبہ کے ذریعے اس کو پکارتے ہیں۔

''يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ'' (مائدہ۔۱۶) اللہ انہیں ہدایت فرماتا ہے جو اس کی خوشی اور رضا حاصل کرتے ہیں۔ ''وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ'' (عنکبوت۔۶۹) جو اس کے راستے میں جہاد کرتے ہیں، کوشش کرتے ہیں، انہیں ہدایت کے راستے دکھائے جاتے ہیں۔لیکن جو اپنے اختیار کے ساتھ کجروی کرتے ہیں، خدا تعالیٰ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔خدا تعالیٰ کا گمراہ کرنا اسی معنی میں ہے۔ چنانچہ کافروں، ظالموں، فاسقوں، اسراف کرنے والوں کے بارے میں کلمہ ''لا یھدی'' استعمال ہوا ہے۔ سعدی کہتے ہیں:

راه راست و چاه و دیده بینا و آفتاب
تا آدمی نگاه کند ، پیش پای خویش
چندین چراغ دارد و بی راهه می رود
بگذار تا بیفتد و بیند ، سزای خویش

سیدھا راستہ، کنواں، چشم بینا اور سورج، یہ سب اس لیے ہے کہ انسان ان کے ذریعے اپنے سامنے کے راستے کو دیکھ سکے۔ اس کے پاس کئی ایک چراغ ہیں اور اس کے باوجود الٹے راستے پر جاتا ہے، تو پھر اسے جانے دو اور گرنے دو تا کہ وہ اپنا انجام خود دیکھ لے۔

پیغام:

۱۔ شرم و حیا تو ایسے مقامات پر ہوتی ہیں جہاں کوئی کام شرعی، عقلی یا عرفی طور پر قابل مذمت ہو اور جہاں حقائق کو بیان کرنا مطلوب ہو وہاں شرم کیسی؟ ایسے مواقع پر شرم و حیا کرنا شرعی رو سے ناپسند ہے۔ ''لَا يَسْتَحْيٖٓ''

۲۔ اہم اور ضروری حقائق کو سادہ ترین انداز میں مثال کے ساتھ بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔ ''اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا''

۳۔ مومن، کلام خدا پر یقین رکھتا ہے اور وہ اس کا فرمانبردار ہوتا ہے۔ ''فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ''

۴۔ قرآنی مثالیں آزمائش کا ذریعہ اور تربیت و رشد کا وسیلہ ہیں۔ ''فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ''

۵۔ قرآن کی پیش کردہ مثالیں حق ہیں، اور حقائق کو بیان کرتی ہیں۔ ''اَنَّهُ الْحَقُّ''

۶۔ حقیقت کی تلاش کرنے والا ہر روشنی میں اپنی راہ پالیتا ہے مگر بہانہ گیر اور اشکال تراشی کرنے والے ہر چراغ پر اعتراض کرتے ہیں۔ ''مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ''

۷۔ کفر اور ہٹ دھرمی، سرگردانی اور بہانہ بازی کا موجب ہوتی ہے۔ ''مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ''

۸۔ فسق، گمراہی کا موجب ہے اور یہ حقائق کی معرفت سے مانع ہوتا ہے۔ ''وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۶''

۹۔ قرآن کی مثالیں، ہدایت و گمراہی کا وسیلہ ہیں۔ ''يُضِلُّ بِهٖ ... يَهْدِيْ بِهٖ''

۱۰۔ خدا تعالیٰ، عہد و پیمان توڑنے والوں کو فاسق قرار دیتا ہے اور فاسقین کو گمراہ کرتا ہے۔ ''وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۶''

آیت نمبر ۲۷

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۲۷

ترجمۃ الآیات

(فاسق وہ لوگ ہیں) جو خدا سے محکم عہد و پیمان کرنے کے بعد اسے توڑ ڈالتے ہیں وہ پیوند کہ خدا نے جن کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے وہ انہیں کاٹ ڈالتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یہی لوگ خسارے میں ہیں۔

نکات:

☆ اس آیت میں جو الٰہی عہد و پیمان ذکر ہوئے ہیں وہ متعدد ہیں۔ خداوند انبیاء سے عہد و پیمان لیتا ہے تاکہ وہ آیات الٰہی کو لوگوں سے بیان کریں۔ (وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیۡثَاقَھُمۡ، احزاب۔ ۷)۔ اہل کتاب سے وعدہ لیا ہے تاکہ وہ حقائق کو نہ چھپائیں اور تورات و انجیل میں جو پیغمبر اکرمؐ کے بارے میں بشارت دی گئی ہے اس پر عمل کریں۔ ''وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ'' (آل عمران۔ ۱۸۷)۔ عوام الناس سے بھی وعدہ لیا گیا ہے کہ اللہ کے حکم پر عمل کریں اور شیطان کے راستے کو چھوڑ دیں۔ ''وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اٰدَمَ'' (اعراف۔ ۱۷۲)

☆ اسلام میں ایفائے عہد کو واجب قرار دیا گیا ہے حتیٰ کہ حکم ہوا ہے کہ اگر تم کفار سے بھی کوئی وعدہ کرو تو اسے پورا کرو، عہد توڑنے والے کو بے دین کہا گیا ہے خواہ وہ نمازی ہی کیوں نہ ہو۔ رسولخداؐ فرماتے ہیں: ''لا دین لمن لا عھد لہ'' (بحار، ج ۷۲، ص ۱۹۸) اس کا کوئی دین نہیں جو اپنا وعدہ پورا نہیں کرتا۔

☆ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ بعض گروہوں کے ساتھ رابطہ رکھیں ''امر اللہ بہ ان یوصل'' روایات میں ایسے گروہوں کے بارے میں تعارف کروایا گیا ہے: وہ گروہ آسمانی راہبرین، علما، رشتہ دار، مومنین، ہمسائے اور اساتذہ ہیں جو ان سے رابطہ و تعلق منقطع کرے گا وہ خود نقصان اٹھائے گا۔ کیونکہ ان روابط کے ذریعے جو اسے ترقی مل سکتی تھی، جو فائدے مل سکتے تھے وہ ان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

☆ وعدہ وفا کرنا ایک کمال ہے، خدا تعالیٰ نے خود کو اس کے ساتھ نسبت دیتے ہوئے اپنی تعریف کی ہے۔ ''وَمَنۡ اَوۡفٰی بِعَھۡدِہٖ مِنَ اللّٰہِ'' کون ہے جو اللہ سے زیادہ اپنے وعدے کو پورا کرنے والا ہو؟ (توبہ۔ ۱۱۱) ایفائے عہد اس قدر ضروری ہے کہ حتیٰ مشرکین کے ساتھ کیا ہوا وعدہ بھی نبھانا چاہیے۔ ''فَاَتِمُّوۡۤا اِلَیۡھِمۡ عَھۡدَھُمۡ اِلٰی مُدَّتِھِمۡ'' وعدے کے مطابق آخری وقت تک اپنے اس عہد پر باقی رہنا جو تم نے مشرکین کے ساتھ باندھا ہے۔ (توبہ۔ ۴) اسی طرح سورہ رعد کی آیت ۲۵ میں وعدہ توڑنے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔

☆ وعدہ دو طرح کا ہے۔ وہ جو لوگ آپس میں ایک دوسرے سے وعدہ کرتے ہیں۔ اس پر ہر صورت باقی رہنا چاہیے۔

دوسرا ایسا عہد و پیمان ہے جو خدا تعالیٰ ایک معاشرے کے راہبر کے ساتھ کرتا ہے۔ جو کسی پیغمبر یا امام کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ کا عہد و پیمان ہے۔ ''لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ'' (بقرہ۔ ۱۲۴)

☆ بعض الٰہی عہد و پیمان جن کے بارے میں یہ آیت تاکید کرتی ہے وہ فطری ہیں۔ جنہیں خدا تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر سمویا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نبوت کا فلسفہ، فطرت کے ساتھ کیے گئے عہد و پیمان کو پورا کرنا شمار کرتے ہیں۔ ''وواتر الیھم انبیائہ لیستادوھم میثاق فطرتہ'' (نہج البلاغہ، خ ۱)

سوال: خدا کا عہد کیا ہے؟

جواب: اس جملہ ''قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد خداوند، آسمانی راہبر ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز خدا کا عہد ہے۔ ہر وہ وعدہ جو انسان اپنے اور پروردگار کے مابین کرے وہی عہد خدا ہے۔ عقلی وفکری قوانین، احکام الٰہی سب عہد الٰہی کا مصداق ہیں۔

☆ علامہ مجلسی اس آیت ''وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ'' کے بعد ایک سو دس احادیث صلہ رحم کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔ پھر ان پر مفصل گفتگو کرتے ہیں۔ (بحار، ج ۱۷، ص ۸۷)۔

ہم یہاں ان میں سے چیدہ چیدہ نکات بیان کرتے ہیں جو ان روایات میں ذکر ہوئے ہیں۔

- اپنے رشتہ داروں سے میل جول رکھو خواہ ایک دوسرے کو پانی پلانے کی حد تک ہی کیوں نہ ہو۔
- صلہ رحمی تمہاری عمر کو بڑھاتی ہے اور فقر و ناداری کو تم سے دور رکھتی ہے۔
- صلہ رحمی کے ذریعے تمہارے رزق میں وسعت آتی ہے۔
- بہترین قدم وہ قدم ہے جو صلہ رحمی کے لیے اٹھایا جائے۔
- صلہ رحمی کے ذریعے اس خصوصی مقام تک جا پہنچو گے۔
- اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے پاس جایا کرو، خواہ وہ تم سے بے اعتنائی ہی برتیں۔
- صلہ رحمی کیا کرو خواہ رشتہ دار نیک لوگ نہ ہوں۔
- صلہ رحمی کیا کرو خواہ ایک سلام کرنے کی حد تک ہو۔
- صلہ رحمی موت اور قیامت کے دن کے حساب کو آسان کر دیتی ہے۔
- قطع رحمی کرنے والے کو بہشت کی خوشبو بھی نصیب نہیں ہوگی۔
- صلہ رحمی اعمال کے پاکیزہ ہونے اور اموال کے بڑھنے کا موجب ہوتی ہے۔
- اپنے رشتہ داروں کی مالی امداد، دوسروں کی امداد کرنے سے چوبیس گناہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔
- صلہ رحمی کرو اگرچہ ایک سال کی راہ چل کر جانا پڑے۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: میرے والد بزرگوار نے مجھے سفارش کی ہے کہ جو لوگ تمہارے رشتہ داروں سے رابطہ نہ رکھیں تو تم ان سے تعلق مت رکھو۔ (تفسیر راہنما و نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ پیمان شکنی، فاسقوں کا دائمی وطیرہ ہے۔ ''لۡفٰسِقِيۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ يَنۡقُضُوۡنَ'' (فعل مضارع دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے۔)

۲۔ فاسقوں کے وعدہ پر اعتماد نہ کرو۔ جو خداوند کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کو توڑ دیتا ہے، دوسروں کے ساتھ کیے ہوئے وعدے پر کبھی بھی وفادار نہ رہے گا۔ ''يَنۡقُضُوۡنَ. يَقۡطَعُوۡنَ''

۳۔ انسان خدا تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے کیونکہ اس نے اپنی عقل و فطرت کی بنیاد پر خدا سے عہد و پیمان کیا ہے کہ وہ اس کے احکام پر عمل کرے گا۔ ''عَهۡدَ اللّٰهِ''

۴۔ اسلام دوسروں سے الگ تھلگ رہنے کا مخالف ہے۔ ''اَنۡ يُّوۡصَلَ''

۵۔ وعدہ توڑنے والا خود کو نقصان پہنچاتا ہے، خدا کو نہیں۔ ''اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ۝''

آیت نمبر ۲۸

كَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَكُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡيَاكُمۡ‌ۚ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝۲۸

ترجمۃ الآیات

کیوں تم خدا سے کفر کرتے ہو حالانکہ تم بے روح جسم تھے۔ اس نے تمہیں زندگی دی، پھر وہ تمہیں مارے گا اور دوبارہ تمہیں زندہ کرے گا اس کے بعد اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے۔

نکات:

☆ خدا کی معرفت کا بہترین راستہ اپنی اور کائنات کی تخلیق میں غور و فکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خداوند عالم کی ذات کے ثبوت کے لیے لوگوں سے فرمایا: ''رَبِّيَ الَّذِيۡ يُحۡيٖ وَيُمِيۡتُ‌ۙ'' یعنی میرا پروردگار وہ ہے جو زندہ بھی کرتا ہے اور

موت بھی دیتا ہے۔(بقرہ۔۲۵۸)

زندگی کی حامل اشیا اور انسان سے ان کے تعلق کے بارے میں غور وفکر اور موت کے مسئلہ پر سوچ و بچار انسان کو اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ اگر زندگی خود انسان کی طرف سے ہوتی تو اسے ہمیشہ کے لیے ہونا چاہیے تھا۔اس طرح انسان یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ وہ پہلے کیوں نہیں تھا بعد میں پیدا ہوا اور پھر زندگی واپس لے لی جائے گی؟

خداوند عالم فرماتا ہے:''اب جبکہ تم نے دیکھ لیا ہے کہ ایک بے جان چیز جاندار کیسے بن گئی؟ پس اسی سے سمجھ لو کہ قیامت کے دن تمہارا دوبارہ زندہ ہونا بھی اسی طرح ہوگا۔''

☆ مسئلہ حیات کی حقیقت تو ابھی تک کسی کو معلوم نہیں ہو سکی البتہ اس کے آثار انسان کے وجود میں دکھائی دیتے ہیں اسی طرح اس حیات کے خالق کی حقیقت بھی قابل درک نہیں لیکن اس کے آثار ہر ایک چیز میں نمایاں ہیں۔

پیغام:

۱۔عقل وفطرت کو بیدار کرنا تبلیغ وارشاد کا بہترین انداز ہے۔''كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ''

۲۔موت وحیات کے تغیر وتبدل میں غور وفکر کرنا خداوند متعال کی ذات کے ثبوت کے لیے بہترین دلیل ہے۔''كُنْتُمْ اَمْوَاتًا''خودشناسی مقدمہ ہے خداشناسی کا۔

۳۔خداوند عالم کی نظر میں موت وحیات کا مقصد ارتقائی مراحل کا طے کرنا اور منبع کمال کی طرف بازگشت ہے۔''ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝۲۸''

مثنوی میں مولانا کہتے ہیں:

از جمادی مُردم و نامی شدم
از نما مُردم ز حیوان سر زدم
مُردم از حیوانی و انسان شدم
پس چہ ترسم کی ز مردن کم شدم
بار دیگر از ملک پران شوم
آنچہ در وَھم ناید آن شوم

جمادات سے مر کر نکلا بڑھنے والوں میں سے ہو گیا،نمو کرنے والوں سے مرا تو حیوانوں میں جا پہنچا،حیوان سے مرا تو انسان ہو گیا،بس تو میں کیوں مرنے سے ڈروں کہ میں کم ہو جاؤں گا۔اب جب میں اس ملک سے پرواز کروں گا تو ایسی جگہ جاؤں گا جس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔

آیت نمبر ۲۹

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾

ترجمۃ الآیات

وہ خدا ہی ہے جس نے زمین میں تمہارے لیے ان سب (نعمتوں) کو پیدا کیا ہے۔ پھر وہ آسمان کی (تخلیق کی) طرف متوجہ ہوا اور انہیں سات آسمانوں کی صورت میں ترتیب دیا اور وہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔

نکات:

☆ ''سماء'' کا لفظ زمین سے اوپر کے خطوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ کبھی اس کا استعمال سطح زمین سے چند گز اوپر کے حصہ کے لیے ہوا ہے جیسے درخت کی شاخوں کے بارے میں ''فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾'' یعنی اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔ (ابراہیم۔ ۲۴)

اسی طرح بادلوں کی بلندی کے لیے بھی لفظ ''سماء'' یعنی آسمان بولا جاتا ہے جن سے بارش برستی ہے۔ ''وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ'' یعنی ہم نے آسمان سے پانی نازل کیا۔ (ق۔ ۹)۔ اطراف زمین کی فضائی حدود کے لیے بھی ''سماء'' کا لفظ لایا گیا ہے۔ جیسے ''جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۖ'' یعنی ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا ہے۔ (انبیاء۔ ۳۲)

پیغام:

۱۔ معاف کرنے والے، عطا کرنے والے، ضرورتوں کو پورا کرنے والے اور حاجات کو برلانے والے خدا کا انکار حیران کن ہے۔ ''کَیْفَ تَكْفُرُوْنَ ... هُوَ الَّذِیْ ...''

۲۔ یہ کائنات انسان کیلئے خلق کی گئی ہے۔ ''خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا''

۳۔ نظام کائنات بامقصد ہے، اس کی تخلیق میں تدبیر اور حکیمانہ طریقہ کارفرما ہے۔ ''خَلَقَ لَكُمْ''

۴۔ اس مادی دنیا میں کوئی بھی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی گئی، یہ اور بات ہے کہ ہم کسی چیز سے استفادہ کرنا جانتے نہ

ہوں۔ ''خَلَقَ لَكُمْ''

۵۔اصل بات یہ ہے کہ انسان کے لیے ہر چیز مباح ہے مگر یہ کہ کوئی خاص دلیل کسی چیز کی اباحت کو رد کر دے۔ ''خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا''

۶۔ دنیا انسان کیلئے ہے، انسان دنیا کیلئے نہیں ہے۔ ''خَلَقَ لَكُمْ''

۷۔ انسان اس طبعی دنیا میں مطالعہ اور تحقیق سے ایسا مقام حاصل کر سکتا ہے جس کے ذریعے دنیا کی تمام نعمتوں سے استفادہ کر سکے۔ اور انہیں تسخیر کر لے۔ ''لَكُمْ''

۸۔ زمین کی نعمتوں سے استفادہ حاصل کرنا سب کیلئے یکساں ہے۔ ''خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ'

۹۔ یہ سات آسمان جو متوازن کھڑے ہیں، ان میں ذرا سی بھی کجی اور ناہماہنگی موجود نہیں۔ ''فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ط''

۱۰۔ زمین و آسمان کی خلقت، خدا تعالیٰ کے علم کی بنیاد پر ہے۔ ''خَلَقَ لَكُمْ ... عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾''

۱۱۔ خلقت زمین اور سات آسمانوں کی خلقت، خدا تعالیٰ کی مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت پر دلیل ہے۔ جس کے بارے میں پہلے والی آیت میں ذکر ملتا ہے۔ ''ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ... هُوَ الَّذِيْ''

آیت نمبر ۳۰

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمۃ الآیات

جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا: میں زمین پر ایک جانشین اور حاکم مقرر کرنے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا (پروردگارا!!) کیا تو ایسے شخص کو زمین میں مقرر کرے گا جو فساد اور خونریزی کرے گا؟ حالانکہ ہم تیری تسبیح اور حمد بجالاتے ہیں۔ (پروردگار عالم نے) فرمایا: میں ایسے حقائق کو جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے۔

نکات:

☆ پہلے والی آیت میں ہم نے پڑھا کہ خداوند کریم نے زمین کی تمام نعمتوں کوانسان کے لیے خلق فرمایا ہےاور زیرنظر آیت اوراس کے بعد کی آیات میں رہبری اور خلافت کا مسئلہ زیر بحث ہے۔علاوہ ازیں بشر کی خونریزی کے بارے فرشتوں اندیشے کا بیان ہے، خداوند نے کیونکر اس امر کی وضاحت اور توجیہ فرمائی ہے۔انسان کے آگے فرشتوں کی سجدہ ریزی، بہشت میں رہنے اوراسے بہشت سے نکالے جانے کے اسباب وعوامل کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

☆ فرشتوں کو یا تو خداوند عالم نے خبر دی تھی یا دوسرے عالموں میں حضرت آدم سے پہلے کے انسانوں یا اسی عالم کے انسانوں کی بری شہرت کی بنا پر یا پھر خاکی اور مادی انسان اور اس کے طبعی تضاد کی وجہ سے اپنی درست پیش بینی کے مطابق فرشتوں نے قبل از وقت ہی انسان کی خونریزی اور فتنہ وفساد کا تذکرہ کر دیا ہے۔

☆ اگر چہ سب انسان بالقوہ، خلیفہ خدا ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، لیکن سب انسان خلیفہ الٰہی نہیں ہیں اور روایات کے مطابق کچھ خاص افراد ہیں۔کیونکہ ان میں سے کچھ اپنے کردار کی وجہ سے اتنی پستیوں میں جا گرے ہیں کہ جانوروں سے بھی پست تر ہو گئے ہیں، چنانچہ قرآن فرماتا ہے: ''اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ ''(اعراف۔۱۷۹)

☆ اس خلیفہ کے ٹھہرنے کی جگہ یہ زمین ہے، لیکن اس کی صلاحیت ''قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰىۚ﴿۹﴾ '' ہے۔(نجم۔۹)

☆ دوسروں کو اجازت دیں کہ وہ سوال کریں۔خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو اجازت دی تاکہ وہ سوال کریں ورنہ فرشتے اجازت کے بغیر بات نہیں کرتے۔فرشتے اس بات کو جانتے تھے کہ ہر خلقت میں بلند وبالا اہداف مضمر ہوتے ہیں۔

سوال: آخر کیا وجہ ہے کہ خداوند عالم نے صرف انسان کی تخلیق کا معاملہ ہی ملائیکہ کے سامنے پیش کیا؟

جواب: اس لیے کہ انسان ایک ایسی خصوصی مخلوق ہے کہ جس کی مادی ساخت بہترین اجزا سے ہوئی ہے۔''اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴿۴﴾ ''(تین۔۴) اس کی آفرینش میں خدائی روح پھونکی گئی ہے اور اس کے خلق کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود کو'' فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ''(مومنون۔۱۴) کہہ کر خود کو مبارک باد پیش کی ہے۔انسان نے ایسی امانت کے بوجھ کو اٹھانے کا ذمہ لیا ہے جسے زمین، آسمان اور پہاڑ نہیں اٹھا سکے۔تمام آسمانی کرات اس کی زینت نگاہ کیلئے بنائے گئے ہیں۔روز اول ہی سے اس نے ابلیس کو رسوا اور ذلیل وخوار کیا اور مسجود الملائیکہ بنایا۔

سوال: خداوند عالم جب ہمیشہ سے، ہمیشہ کیلئے حاضر وناظر اور قیوم ہے تو اسے خلیفہ اور جانشین کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: انسان خدا کا خلیفہ یا جانشین اس لیے نہیں کہ خدا کو اس کی ضرورت ہے یا خداوند متعال عاجز ہے بلکہ یہ مقام اسے انسان کے مرتبہ کی کرامت اور فضیلت کی وجہ سے عطا کیا گیا ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق کا نظام ''واسطوں'' پر مبنی ہے۔یعنی باوجودیکہ خداوند عالم براہ راست ہر کام انجام دینے پر قادر ہے لیکن امور کو چلانے کے لیے کچھ ''واسطے'' مقرر

فرمائے ہیں جن کے چند ایک نمونے درج ذیل ہیں۔

الف: اگر چہ اصل مدبر وہ خود ہی ہے۔ ”اللهُ الَّذِیۡ ۔ ۔ ۔ یُدَبِّرُ“ (یونس ۔ ۳) لیکن کائنات کا نظام چلانے کے لیے فرشتوں کو مقرر فرمایا ہے۔ ”فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ﴿۵﴾“ (نازعات ۔ ۵)

ب: اگر چہ شفا اس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ ”فَهُوَ یَشۡفِیۡنِ ﴿۸۰﴾“ (شعراء ۔ ۸۰) لیکن شہد میں بھی شفا کی خاصیت قرار دی ہے۔ ”فِیۡهِ شِفَآءٌ“ (نحل ۔ ۶۹)

ج: اگر چہ غیب کا علم اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ ”اِنَّمَا الۡغَیۡبُ لِلّٰهِ“ (یونس ۔ ۲۰) لیکن وہ اس کا کچھ حصہ اپنے بعض نیک اور صالح بندوں پر بھی ظاہر کر دیتا ہے۔ ”اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ“ (جن ۔ ۲۷)

بنا بریں انسان خدا کا جانشین بن سکتا ہے اور اس کی اطاعت کرنا ایسا ہی ہے جیسے خدا کی اطاعت کی ہے۔ ”مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللهَ“ (نساء ۔ ۸۰) اور اس کی بیعت کرنا بھی گویا خدا کی بیعت کرنا ہے۔ ”اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللهَ“ (فتح ۔ ۱۰) یعنی اے پیغمبر! جو لوگ آپؐ کی بیعت کرتے ہیں وہ خدا کی بیعت کرتے ہیں۔

ان سے محبت، خدا کے ساتھ محبت کرنے کے مانند ہے۔ ”من احبکم فقد احب الله“ (زیارت جامعہ کبیرہ)

☆ موجودات کے بارے میں فیصلہ کرنے کیلئے، ان کی تمام اچھائیوں اور برائیوں کو ایک ساتھ سامنے رکھنا چاہیے، اور جلد فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ فرشتوں نے دیکھا کہ ان کی تسبیح و تقدیس کرنا انسان سے کہیں زیادہ ہے۔ ابلیس نے بھی اپنے آپ کو دیکھا اور کہا: میں آگ سے ہوں اور آدم مٹی سے ہے اس لیے میں اس کو تسلیم نہیں کروں گا۔ لیکن خداوند عالم نے تمام پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے انسان کو سب سے بہتر جانا اور فرمایا: ”اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾“

پیغام:

۱۔ ان دو آیات (۲۹ ۔ ۳۰) سے شاید یہ تصور ذہن میں آتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے پہلے انسان کیلئے زندگی کی سہولتوں کو مہیا فرمایا پھر اسے خلق فرمایا۔ ”هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ۔ ۔ ۔ وَاِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ“ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ”فلما مهد ارضه و انفذ امره اختار آدم ۔ ۔ ۔“ (نہج البلاغہ، خ ۹۱) جب اس نے زمین کا فرش بچھا دیا اور اپنے فرمان کو نافذ العمل بنا دیا تو انسان کو خلق فرمایا۔

۲۔ فرشتوں کی تخلیق، حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے تھی کیونکہ خداوند انسان کی تخلیق کے بارے میں ان سے بات کی، ”اِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ“

۳۔ خلیفہ، جانشین اور الٰہی حاکم معین و مقرر کرنا صرف خداوند عالم ہی کے اختیار اور دست قدرت میں ہے۔ ”اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً“

۴۔انسان زمین پر خدا کا دائمی خلیفہ ہے۔''جاعل''(جاعل کا لفظ اسم فاعل ہے جس کے اندر ہمیشگی کے معنی پائے جاتے ہیں۔)

۵۔انسان اشرف المخلوقات ہوسکتا ہے، مقام خلیفۃ اللہ کے لائق ہے۔''اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط''لیکن ظالمین اس مقام تک پہنچنے کے اہل نہیں ہیں۔''لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ۝۱۲۴''(بقرہ۔۱۲۴)

۶۔فرشتے، انسان کے فساد اور خونریزی کو اس کا کبھی نہ ختم ہونے والا کام سمجھتے تھے۔''يُّفْسِدُ۔۔۔وَيَسْفِكُ''(فعل مضارع استمرار پر دلالت کرتا ہے۔)

۷۔خلیفۃ اللہ اور الٰہی حاکم کو عادل ہونا چاہیے، فاسد اور فاسق نہیں ہونا چاہیے۔خلیفہ کو''یفسد فی الارض''نہیں ہونا چاہیے۔

۸۔اپنی لیاقت اور استعداد کا اظہار اگر حسد پر مبنی نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔''نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط''

۹۔پرسکون فضا میں عبادت اور تسبیح کرنا، صرف یہ کسی کی صلاحیت یا استعداد کا معیار نہیں ہے۔''نَحْنُ نُسَبِّحُ''

۱۰۔اگر کچھ لوگ خراب ہوں تو ان کی وجہ سے دوسرے لوگوں کی ہدایت اور ترقی کے راستوں کو نہیں روکنا چاہیے۔اس کے باوجود کہ خدا تعالیٰ کے علم میں ہے کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ فساد و تباہی کرتے ہیں لیکن خلقت کی نعمت کو ہر ایک سلب نہیں کیا۔

۱۱۔ابہام کو دور کرنے کے لیے سوال کرنا، اطاعت و فرمانبرداری کے منافی نہیں ہے۔''اَتَجْعَلُ فِيْهَا''

۱۲۔خداوند نے انسان کے فساد اور خونریزی کی تردید نہیں کی لیکن اس کی اہم ترین صلاحیت اور بالاترین لیاقت اور شائستگی کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔''اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝۳۰''

۱۳۔یہ توقع نہیں ہونی چاہیے کہ سب لوگ آپ کی بات کو یا آپ کے کام کو بغیر کسی اعتراض کے قبول کرلیں گے یا اس کی تعریف کریں گے۔کیونکہ فرشتوں نے بھی خدا تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں:''قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا''

۱۴۔فرشتوں کی معلومات اور ان کا علم محدود ہے۔''مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝۳۰''

آیت نمبر ۳۱

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝۳۱

ترجمۃ الآیات

خداوند نے تمام اسماء (حقائق و اسرار ہستی) آدم کو سیکھا دیے۔ پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: اگر تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ؟

نکات:

☆ خدا تعالیٰ نے کائنات کے اسماء و اسرار، اپنے اولیاء کے نام حتیٰ جمادات کے تک علوم جناب آدمؑ کو تعلیم دیے۔ (ہماری عام فہم اور رائج زبان میں اسم سے مراد کوئی نام یا نشان ہے۔ لیکن قرآن کی تہذیب میں اسم سے مراد ایسا نام ہے جو نام کے علاوہ اپنی حقیقت کا بھی مالک ہے۔ جیسے "فلہ الاسماء الحسنی" یعنی خدا تعالیٰ بلند ترین صفات کا مالک ہے۔) (تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۵۴؛ اکمال الدین، صدوق، ج ۱، ص ۱۴)

امام صادق علیہ السلام کے مطابق حضرت آدمؑ کو تمام زمینوں، پہاڑوں، دریاؤں، صحراؤں کا علم عطا کیا گیا ہے۔ حتیٰ اس زمین کے اس ٹکڑے کا بھی علم دیا گیا ہے جو ہمارے پاؤں کے نیچے اس وقت موجود ہے۔ (تفسیر مجمع البیان)

پیغام:

۱۔ حقیقی معلم فقط خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ قلم، بیان، استاد اور کتاب صرف تعلیم کے ذرائع ہیں۔ "عَلَّمَ"

۲۔ فرشتوں پر انسان کی برتری صرف علم کی وجہ سے ہے۔ "وَعَلَّمَ اٰدَمَ ---"

۳۔ انسان ہر طرح کے علم کو سیکھنے کی صلاحیت و اہلیت رکھتا ہے۔ "كُلَّهَا"

۴۔ فرشتوں کے پاس عبادت زیادہ تھی اور آدم کے پاس علم زیادہ تھا۔ مقام خلافت کا تعلق عبادت کی نسبت علم سے زیادہ ہے۔ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ ... وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ"

۵۔ دوسروں پر برتری واضح کرنے کیلئے بہترین طریقہ کار امتحان لینا ہے۔ فرق کو صاف دیکھنا اور صلاحیت کو ثابت کرنا ہے۔ "عَلَّمَ ... ثُمَّ عَرَضَهُمْ ... فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ"

۶۔ فرشتے خود کو مقام خلافت کیلئے زیادہ اہل سمجھتے تھے۔ "اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾"

(امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل ہوئی ہے کہ فرمایا: "اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾" یعنی اگر آپ فرشتے اپنے بارے میں زیادہ اہل ہونے کے دعوے میں سچے ہو تو ---" تفسیر نور الثقلین)

آیت نمبر ۳۲

قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳۲﴾

ترجمة الآيات

فرشتوں نے عرض کی: پروردگارا! تم پاک ومنزہ ہو۔ ہم اس چیز کے علاوہ جس کی تم نے ہمیں تعلیم دی، کچھ نہیں جانتے ہیں۔ بے شک تم ہی سب سے زیادہ جاننے والے اور حکمت والے ہو۔

نکات:

☆ ابلیس اور فرشتے ہر کوئی خود کو اپنے تئیں جناب آدمؑ سے برتر سمجھ رہے تھے۔ ابلیس اپنی خلقت کی وجہ سے ''اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ'' کہتا تھا۔ فرشتے اپنی عبادت کی بنیاد پر ''نَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِکَ'' کہتے تھے۔ لیکن ابلیس نے خدا کے فرمان سجدہ کا انکار کیا اور اطاعت نہ کی۔ فرشتوں نے جب حقیقت کو جان لیا تو معافی مانگتے ہوئے اپنی جہالت کا اقرار کر لیا۔ ''سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ''

پیغام:

۱۔ نادانی میں کیے گئے سوال کی معافی مانگنا ایک اچھائی ہے۔ ''سُبۡحٰنَکَ'

۲۔ اونچی اڑان کرنا، اپنے آپ کو برتر دیکھنا، ایک حد تک ہونا چاہیے۔ ''نسبح ونقدس'' کہنے والوں نے کہا ''لَا عِلۡمَ لَنَاۤ''

۳۔ اپنی جہالت کا اقرار کریں۔ ''لَا عِلۡمَ لَنَا'' فرشتوں نے اعلیٰ ترین ادب کا مظاہرہ کیا۔ ''سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳۲﴾ یہ سب الفاظ ادب کی علامت ہیں۔

۴۔ فرشتوں کا علم محدود ہے۔ ''لَا عِلۡمَ لَنَاۤ''

۵۔ خدا تعالیٰ کا علم ذاتی ہے۔ ''انك انت العليم'' لیکن دوسروں کا علم اکتسابی (حاصل کیا ہوا) ہے۔ ''عَلَّمۡتَنَا''

۶۔ کائنات کے معاملات کو اتفاقی خیال نہ کریں۔ ''اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳۲﴾''

آیت نمبر ۳۳

قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۳۳

ترجمۃ الآیات

فرمایا: اے آدم ان کے ناموں سے فرشتوں کو آگاہ کرو۔ پس جب آدم نے انہیں ان کے ناموں سے آگاہ کیا تو خدا تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے نہ کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے رموز کو جانتا ہوں، اس بات کو بھی جانتا ہوں جو تم آشکار کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

پیغام:

۱۔ اہلیت اور صلاحیت کے حامل افراد کو اپنا اظہار کرنے اور پھلنے پھولنے کا موقع دیا جانا چاہیے۔ ’’اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ‘‘

۲۔ خدا تعالیٰ نے جو علمی میدان سجایا تھا اس میں جناب آدمؑ نے فرشتوں پر کامیابی حاصل کی۔ ’’فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ‘‘

۳۔ فرشتوں نے جو کچھ بیان کیا اس کے علاوہ کچھ باتیں وہ چھپا رہے تھے۔ ’’كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۳۳‘‘

آیت نمبر ۳۴

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ٭ۗ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝۳۴

ترجمۃ الآیات

جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کیلئے سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار اور تکبر کیا، وہ کافروں میں سے ہو گیا۔

نکات:

☆ قرآن کے مطابق ابلیس جنوں میں سے تھا اور فرشتوں کے درمیان رہ کر عبادت کیا کرتا تھا۔ ''کَانَ مِنَ الْجِنِّ'' (کہف۔ ۵۰)

☆ آدم کیلئے سجدہ کیونکہ خدا تعالیٰ کے حکم سے تھا اس لیے وہ سجدہ حقیقت میں خدا کی بندگی و عبودیت تھا۔ (عیون اخبار الرضا)۔ کیونکہ سچی عبادت وہ عمل ہے جیسے خدا چاہے نہ کہ وہ عمل جو ہماری مرضی سے ہو۔ ابلیس صدیوں سجدے کرنے کیلئے تیار تھا لیکن آدم کو ایک سجدہ کرنے کیلئے تیار نہ تھا۔

☆ آدم کو سجدہ صرف ان کی ذات کیلئے نہ تھا بلکہ ان کی نسل اور اولاد کیلئے بھی تھا۔ چنانچہ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:
''خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ'' (اعراف۔ ۱۱)

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جناب آدم علیہ السلام کیلئے سجدہ ان کی ذریت ونسل کیلئے سجدہ تھا۔ (تفسیر صافی)

☆ فرشتوں کا سجدہ کرنا ایک وقت کیلئے تھا لیکن فرشتوں کا مومنین پر رحمتوں برکتوں کے ساتھ نزول اور ان کیلئے استغفار کرنا مسلسل اور ہمیشہ کیلئے ہے۔ ''اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ'' (جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار، اللہ ہے اور پھر اس پر ثابت قدم رہتے ہیں، ان پر فرشتے نازل ہوتے رہتے ہیں۔ فصلت۔ ۳۰۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوا: ''وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' یعنی فرشتے اہل ایمان کیلئے مسلسل استغفار کرتے رہتے ہیں۔ غافر۔ ۷)

☆ آدم کو سجدہ اس کے جسم کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس الٰہی روح کی وجہ سے تھا جو اس جسم میں موجود تھی۔ ''فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝۲۹'' (حجر۔ ۲۹) جب میں اسے ٹھیک سے بنالوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم فوراً اس کے لیے سجدہ میں گر جانا۔

☆ یہ انسان کی طرف سے ناانصافی ہوگی کہ تمام فرشتے خدا کے فرمان پر انسان کو سجدہ کریں لیکن انسان خدا کے حکم کو بجا نہ لاتے ہوئے خدا کو سجدہ نہ کرے۔

پیغام:

۱۔انسانوں کی طرح فرشتوں کو بھی امر و نہی کیا جاتا ہے۔''اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ ''

۲۔اہلیت وصلاحیت کسی کے سابقے یا قدیم ہونے سے زیادہ اہم ہے۔انتہائی قدیم فرشتے، نئے خلق شدہ انسان کیلئے سجدہ کرتے ہیں، چاہے اس نے ابھی زمانہ نہیں دیکھا لیکن کیونکہ وہ اس بات کے لائق ہے اس لیے فرشتے سجدہ کرتے ہیں۔''اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ ''

۳۔اطاعت نہ کرتے ہوئے کوئی عمل انجام نہ دینے سے زیادہ خطرناک اور بُرا، احکام پر اعتقاد نہ رکھنا ہے۔''اَبٰی وَاسۡتَکۡبَرَ ''

۴۔ابلیس کا تکبر اور جسارت، اس کی تمام بدبختیوں کا باعث بنا۔''وَکَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۳۴﴾''

آیت نمبر ۳۵

وَقُلۡنَا یٰۤاٰدَمُ اسۡکُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُکَ الۡجَنَّۃَ وَکُلَا مِنۡہَا رَغَدًا حَیۡثُ شِئۡتُمَا ۪ وَلَا تَقۡرَبَا ہٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۳۵﴾

ترجمۃ الآیات

ہم نے کہا: اے آدم تم اور تمہاری زوجہ اس باغ میں رہو، جہاں سے جو چاہو خوب کھاؤ۔لیکن اس درخت کے قریب مت جانا، کیونکہ ظالمین میں سے ہو جاؤ گے۔

نکات:

☆ قرآن میں ''شجر'' درخت کے علاوہ پودے کو بھی کہا جاتا ہے۔مثلاً کدو کی بیل کو کہا ''شَجَرَۃً مِّنۡ یَّقۡطِیۡنٍ ﴿۱۴۶﴾'' (صافات۔۱۴۶) اس لیے روایات وتفاسیر میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں اس آیت میں شجرۃ سے مراد گندم کا پودا ہے۔اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔

☆ ''جنت'' دنیا کے باغات کو بھی کہا جاتا ہے، جیسا کہ سورہ قلم آیت ۱۷ میں آیا ہے کہ ''اِنَّا بَلَوۡنٰہُمۡ کَمَا بَلَوۡنَاۤ

اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ ‘‘یعنی جس طرح ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی۔روایات اور قرآن کی دوسری آیات سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ جناب آدمؑ نے جس باغ میں رہائش اختیار کی وہ جنت موعود نہ تھی کیونکہ

۱۔وہ جنت پاداش و جزا ہے جبکہ آدم نے ایسا کوئی کام انجام نہ دیا تھا جس کی وجہ سے جزا کا استحقاق پیدا ہو۔’اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ وَلَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ ‘‘(آل عمران۔۱۴۲) یعنی کیا تم یہ گمان کرتے ہوئے کہ تم بہشت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانچا ہی نہیں کہ جنہوں نے جہاد کیا۔

۲۔جو جنت میں داخل ہوگا پھر وہیں رہے گا، وہاں سے نکالا نہ جائے گا۔’’وَمَا هُمۡ مِّنۡهَا بِمُخۡرَجِیۡنَ۝۴۸ ‘‘(حجر۔۴۸)

۳۔اس جنت میں امر و نہی، ممنوع ہونا یا فرائض عائد ہونا نہیں ہے۔جبکہ جنت میں جناب آدمؑ کو درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا۔اس کے علاوہ اہل بیت علیہم السلام سے منقول روایات میں ہے کہ وہ جنت، بہشت موعود نہ تھی۔

☆ حضرت آدمؑ کو منع کرنا ’’نہی تکلیفی‘‘ نہ تھی کہ جس پر عمل کرنا حرام ہو۔ بلکہ نصیحت اور راہنمائی کا پہلو رکھتی تھی۔

پیغام:

۱۔تربیت کے آداب میں ہے کہ جب کسی بات سے منع کرنا چاہو یا کوئی راہ بند کرنا چاہو تو پہلے کسی دوسرے راستے کی نشاندھی کرو پھر اس راستے سے منع کرو۔اس لیے پہلے فرمایا: ’’كُلَا مِنۡهَا رَغَدًا حَیۡثُ شِئۡتُمَا۪ وَلَا تَقۡرَبَا‘‘

۲۔جیسے ہی انسان گناہ کے قریب ہوتا ہے، اس کی طرف بڑھتا ہے تو اس میں جا گرتا ہے۔’’لَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوۡنَا‘‘

۳۔خدا کی دی ہوئی ہدایت و راہنمائی پر عمل نہ کرنا اصل میں خود پر ظلم کرنا ہے۔’’فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ۝۳۵ ‘‘۔

جناب آدمؑ اور جناب حوّاؑ نے توبہ کرتے ہوئے اپنے بارے میں کہا ’’ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا‘‘ یعنی ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

انبیاء کی عصمت کے پیش نظر یہاں ظلم سے مراد حیثیت و مقام کا پاس نہ کرنے کی وجہ سے انجام دیا گیا عمل ترک اولیٰ کہلائے گا۔

آیت نمبر ۳۶

فَاَزَلَّهُمَا الشَّیۡطٰنُ عَنۡهَا فَاَخۡرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیۡهِ۪ وَقُلۡنَا اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ

وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ ۞۳۶

ترجمۃ الآیات

پس شیطان نے آدمؑ اور ان کی بیوی کو پھسلا دیا اور جس (بہشت) میں وہ رہتے تھے انہیں وہاں سے نکال دیا گیا اور (اس وقت) ہم نے (ان سے) کہا سب کے سب (زمین کی طرف) چلے جاؤ اس حال میں کہ تم میں سے کچھ دوسروں کے دشمن ہوں گے، زمین ایک مدت معین کے لیے تمہاری قرارگاہ اور فائدہ اٹھانے کا ایک ذریعہ ہوگی۔

نکات:

☆ خداوند عالم نے سابقہ آیات میں فرمایا کہ ''اِنِّىۡ جَاعِلٌ فِى الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً ؕ'' اس موضوع سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی تخلیق کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ زمین میں رہیں لیکن چونکہ زمین میں رہنے کے لیے ایک قسم کی تیاری کی ضرورت تھی لہٰذا آدمؑ کو بھی معلوم ہونا چاہیے کہ

۱۔ وہ مطلق آزاد نہیں ہے۔ اس کی زندگی میں امر و نہی اور بہت سے فرائض پائے جاتے ہیں۔

۲۔ ابلیس انسان کا دشمن ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ حق کا روپ دھار کر، قسمیں کھا کر، جھوٹ بول کر، جھوٹے وعدے دے کر اور دیگر کئی قسم کی نیرنگیاں اختیار کر کے انسان کو فریب دے۔

۳۔ شیطان کی اطاعت انسان کی تباہی کا سبب ہے۔

۴۔ توبہ، تلافی کا موجب ہوتی ہے۔

☆ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: آدم علیہ السلام کی یہ لغزش ان کے مقام نبوت تک پہنچنے سے پہلے سرزد ہوئی اور یہ کوئی اتنی بڑی لغزش بھی نہیں تھی جو قابل معافی نہ ہو۔ (نور الثقلین، ج ۱ ص ۵۰)

☆ شیطان نے ورغلانے اور لغزش میں ڈالنے کے لیے ہر طرح کے نفسیاتی اور تبلیغاتی حربے آزمائے۔ از آں جملہ:

الف: جناب آدمؑ و حواؑ کیلئے قسم کھائی ''وَقَاسَمَهُمَاۤ'' (اعراف۔ ۲۱)

ب: خیر خواہی کا روپ دھارا اور کہا: ''اِنِّىۡ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيۡنَ ۞۲۱'' میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔ (اعراف۔ ۲۱)

ج: ابدیت اور ہمیشگی کا وعدہ دیا کہ اگر اس بوٹی کو کھا لو گے تو ابدی زندگی اور حکومت پاؤ گے۔ ''شَجَرَةِ الۡخُلۡدِ وَمُلۡكٍ لَّا يَبۡلٰى ۞۱۲۰'' یعنی کیا میں تم کو ہمیشگی کے درخت اور ختم نہ ہونے والے ملک کی خبر دوں؟ (طٰہٰ۔ ۱۲۰)

د: اس نے جھوٹ بولا اور ذات حق تعالیٰ پر تہمت باندھی ''مَا نَهٰٮكُمَا رَبُّكُمَا عَنۡ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَا

مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ۝ ''یعنی تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے نہیں روکا مگر یہ کہ تم فرشتے بن جاتے یا اس جنت میں ہمیشہ کے لیے رہ جاتے ۔(اعراف ۔۲۰)

پیغام:

۱۔شیطان کا خطرہ بزرگوں کے لیے بھی ہوتا ہے۔وہ جناب آدمؑ و جناب حوّاؑ کے پیچھے بھی گیا۔''فَاَزَلَّهُمَا''

۲۔شیطان نسل انسانی کا دیرینہ دشمن ہے کیونکہ وہ پہلے دن سے ہمارے ماں باپ کے پیچھے پڑ گیا تھا۔''فَاَزَلَّهُمَا''

۳۔انسان بذات خود جائز الخطا اور وسوسوں کا شکار ہونے والا ہے۔''اَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ''

۴۔ ہر انسان میں بہشت جانے کی استعداد اور لیاقت موجود ہے لیکن وہ خلاف ورزیوں کا ارتکاب کر کے ناکامی سے دوچار ہوجاتا ہے۔''فَاَخْرَجَهُمَا''

۵۔خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور ابلیس کے وسوسوں اور ان کے تلخ نتائج سے عبرت حاصل کریں۔شیطان کے جھانسے میں آ جانا برابر ہے خدا کے عطا کردہ بلند مقامات سے دور ہونے اور وہاں سے محرورم ہو جانے کے۔''فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا''

۶۔دنیا کی زندگی عارضی ہے۔''اِلٰى حِيْنٍ۝۳۶''

آیت نمبر ۳۷

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۝۳۷

ترجمة الآیات

پھر آدم کو اپنے رب کی طرف سے کچھ کلمات بتائے گئے (جن کے ذریعے انہوں نے توبہ کی) اور خداوند تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرلی، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔

نکات:

☆ جب حضرت آدم علیہ السلام نے ممنوعہ درخت سے کچھ چکھ لیا اور وہاں کی نعمتوں اور آسائشوں سے محروم ہو گئے تو

اپنی غلطی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اسی ندامت اور پشیمانی کی حالت میں ان کو خداوند کریم کی طرف سے کچھ کلمات بتائے گئے اور انہوں نے ان کلمات کے ذریعہ توبہ کی۔

(توبہ کا معنی ہے ''بازگشت'' اگر توبہ کی نسبت خداوند کریم کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوگا ''خلاف ورزی کرنے والے اور پشیمان بندے کی طرف اس کے لطف و کرم کی بازگشت'' ''هُوَ التَّوَّابُ'' اور اگر اس کے بندے کی طرف نسبت دیں تو پھر اس کا معنی ہوگا ''خطا کار انسان کی اپنے رب کی طرف بازگشت'' ''فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ)

☆ شیعہ اور سنی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کلمات کے ذریعہ حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ کی اور ان کی توبہ قبول ہوئی، وہ خلق خدا میں سے بہترین مخلوق یعنی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی پاک آل کے اسمائے گرامی تھے جن کو وسیلہ بنا کر حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ کی۔ تفسیر در منثور میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت آدمؑ نے اپنی توبہ کی قبولیت کیلئے جن کلمات کی قسم دی خدا تعالیٰ کو دی اور واسطہ دیا، وہ کلمات یہ تھے ''بحق محمد و علی و فاطمة و الحسن و الحسین'' یعنی بواسطہ محمد، علی، فاطمہ وحسن وحسین ہماری توبہ قبول فرما۔ (درمنثور، ج۱، ص۶۰۔۶۱)

البتہ بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ وہ کلمات وہی ہیں جو سورہ اعراف میں مذکور ہیں: ''رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۲۳ '' خداوندا! ہم نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔ (اعراف۔ ۲۳)

اس بنا پر اس روئے زمین پر سب سے پہلی توبہ محمد وآل محمد علیہم السلام کے واسطہ سے قبول ہوئی۔

پیغام:

۱۔ جس طرح توبہ کی توفیق خدا کی طرف سے ہوتی ہے اسی طرح توبہ کا راستہ بھی خدا ہی کی طرف سے حاصل کرنا چاہیے۔ ''مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ''

۲۔ توبہ کا قبول کرنا اور اس کی راہ دیکھنا، خدائی تربیت اور ربوبیت کی شان ہے۔ ''مِنْ رَّبِّهٖ'

۳۔ اس قدر لطف و کرم اور توبہ کا قبول کرنا صرف خدا ہی کا کام ہے۔ ''هُوَ''

۴۔ اگر توبہ سچی ہو تو خدا تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ ''هُوَ التَّوَّابُ''

۵۔ اگر ہم توبہ کر کے توڑ ڈالیں اور بار بار اس کی خلاف ورزی کریں تو بھی خدا توبہ کو قبول کرتا ہے کیونکہ وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ ''هُوَ التَّوَّابُ'

۶۔ خداوند انسان کی توبہ رحمت کے ساتھ قبول کرتا ہے نہ کہ عتاب اور سرزنش کے ساتھ۔ ''التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۳۷''

آیت نمبر ۳۸۔۳۹

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمة الآیات

ہم نے کہا: سب کے سب (بہشت سے زمین پر) اتر جاؤ، جب میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس آئے گی تو جو لوگ اس کی پیروی کریں گے ان کے لیے نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اور جو لوگ کافر ہو گئے اور انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

نکات:

☆ اگر چہ حضرت آدمؑ و جناب حواؑ کی توبہ باعث بنی کہ خدا تعالیٰ ان کو معاف فرما دے لیکن توبہ کی قبولیت کے بعد وہ واپس بہشت میں نہیں گئے۔ کیونکہ لغزش کے طبعی اور وضعی اثرات، عفو و درگذر کے علاوہ ہیں۔

کچھ آیات پہلے ''اهْبِطُوْا'' اتر جانے کا حکم، ایک قسم کے رعب و قہر کے ساتھ تھا لیکن اس آیت میں جو آدم کی توبہ کے بعد ہے، بالکل ایک معمولی اور عام طریقہ پر بیان ہوا ہے۔ یہاں ایسی امید جاگتی ہے کہ اگر الٰہی ہدایت کی پیروی کرو گے تو کسی رنج و ملال میں مبتلا نہ ہو گے۔

پیغام:

۱۔ بعض اوقات ایک ایسی حرکت سرزد ہو جاتی ہے کہ اس کا ردعمل خیر یا شر کی صورت میں اس قدر وسعت اختیار کر لیتا

ہے جو صدیوں اور نسلوں پر محیط ہوتا ہے۔ ''اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا''

۲۔کسی ایک لغزش کی وجہ سے انسان کو چھوڑ نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ وہ قابل ارشاد و ہدایت ہے۔ ''يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى''

۳۔انسان کی راہنمائی کیلئے انبیا کا آنا حتمی اور ضروری ہے۔ ''يَأْتِيَنَّكُمْ''

۴۔حقیقی اور سچی ہدایت صرف خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ''مِّنِّيْ هُدًى''

۵۔صحیح معنوں میں ہدایت پانے والے حقیقی آرام اور سکون سے بہرہ مند اور خطرات سے محفوظ ہوتے ہیں۔ ''فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۳۸''

آیت نمبر ۴۰

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝۴۰

ترجمۃ الآیات

اے فرزندان اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا کی ہیں اور جو وعدہ تم نے مجھ سے کیا ہے اسے پورا کرو تا کہ میں بھی تم سے کیے ہوئے وعدے کو پورا کروں اور تم صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو۔

نکات:

☆ ''اسرائیل'' حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے جو دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ''اسر'' اور ''ئیل''۔ ''اسر'' کا معنی ہے بندہ، اور ''ئیل'' کا معنی ہے خدا۔ لہٰذا ''اِسْرَاۗءِيْلَ'' کا معنی ہوا کہ خدا کا بندہ۔

☆ بنی اسرائیل کی تاریخ فرعونوں کے ہاتھوں ان کی قید و بند، جناب موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے ان کی رہائی، پھر ان کی حیلہ سازیاں اور ارتداد کی لمبی داستان سے بھری ہوئی ہے۔ یہ تاریخ مسلمانوں کے لیے بھی نصیحت آموز اور درس آمیز ہے کہ اگر مسلمانوں نے بھی ہوش کے ناخن نہ لیے تو روایات کے مطابق وہ بھی اسی قسم کی سرنوشت سے دوچار ہو سکتے ہیں۔

☆ الٰہی عہد و پیمان میں آسمانی کتابیں اور فطری پیمان بھی شامل ہیں جو خدا تعالیٰ نے سب سے لیے ہیں۔ قرآن پاک

میں امامت کے مسئلہ کو عہد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ''لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ﴿۱۲۴﴾'' (بقرہ۔ ۱۲۴) یعنی میرا عہد (منصب امامت) ظالم افراد کو نہیں پہنچے گا۔ اس لیے عہد سے وفا، امام سے وفا ہے، آسمانی راہبر کی اطاعت ہے۔

اسی طرح روایات میں پڑھتے ہیں کہ نماز بھی عہد الٰہی ہے۔ وسائل، ج ۴، ص ۱۱۰)

پیغام:

۱۔ پروردگار کی نعمتوں کی یاد اس کی محبت اور اطاعت کا موجب ہوتی ہے۔ ''اذۡكُرُوۡا ۔ ۔ ۔ اَوۡفُوۡا '' یعنی جب تمہیں خدا کی طرف بلایا جائے تو اس کے لطف و کرم، احسانات اور مہربانیوں کو یاد کرو تا کہ اس دعوت کی قبولیت کے اسباب فراہم ہوں۔ ''اذۡكُرُوۡا''

۲۔ نعمتوں کو یاد کرنا اور ذکر کرنا ضروری ہے۔ ''اذۡكُرُوۡا''

۳۔ جو نعمتیں کسی کے آباؤ اجداد اور بزرگوں کو عطا ہوتی ہیں وہ گویا اسی شخص کو عطا ہوتی ہیں۔ یعنی جو نعمتیں ان یہودیوں کے آباؤ اجداد کو عطا ہوئی تھیں جو پیغمبر خدا کے زمانہ میں تھے۔ ان کے لیے مخاطب آپؐ ہی کے زمانے کے یہود ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کی نسل سے فرما رہا ہے کہ تم ان نعمتوں کو بھول نہ جانا۔ ''اذۡكُرُوۡا''

۴۔ الٰہی عہد و پیمان کے ساتھ وفا کرنا واجب ہے۔ ''بِعَهۡدِیۡۤ'

۵۔ خداوند عالم کے الطاف و مراحم سے فائدہ اٹھانے کیلئے ضروری ہے کہ اسی راستہ پر چلا جائے جو خدائی فرائض کی بجا آوری کا راستہ ہے۔ ''اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ '' جی ہاں! اگر ہم خدا کے فرمانبردار ہوں گے تو خدا بھی ہماری دعاؤں کو قبول فرمائے گا۔ ''وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ''

۶۔ فرائض کی بجا آوری کے لیے کسی طاقت سے نہیں ڈرنا چاہیے اور کسی کی رعایت بھی نہیں کرنی چاہیے۔ دشمن کا زہریلا پراپیگنڈہ، ملامت کرنے والوں کی ملامت، دشمن کی گیدڑ بھبکیاں اور سازشیں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں بلکہ خدا کا قہر و غضب سب سے اہم اور سخت ہے۔ ''وَاِیَّایَ فَارۡهَبُوۡنِ﴿۴۰﴾''

آیت نمبر ۴۱

وَاٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ وَلَا تَكُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ۡ وَاِيَّاىَ فَاتَّقُوۡنِ﴿۴۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور جو کچھ میں نے نازل کیا ہے (قرآن) اس پر ایمان لے آؤ جو (تورات) تمہارے پاس ہے یہ اس تصدیق کرتا ہے اور تم اس کے پہلے منکر نہ بنو اور میری آیات کو کم قیمت پر فروخت نہ کرو اور صرف مجھ سے ڈرتے رہو۔

نکات:

☆ یہ آیت یہودیوں سے مخاطب ہوکر کہہ رہی ہے: خدا فرماتا ہے کہ جو کچھ میں نے نازل کیا ہے وہ ان بشارتوں سے ہم آہنگ ہے جو تمہاری تورات میں ہیں۔ (قرآن کی تحریف سے محفوظ تورات سے ہم آہنگی کا مطلب ہے کہ کلی اور اجمالی طور پر ہم آہنگی ہے نہ کہ تمام احکام میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔)

اے علمائے یہود! ایک زمانے میں تم اسلام کے مبلغ اور اس کے منتظر تھے، اب کفر کی جانب پیش قدم نہ بنو، مبادا تمہاری اتباع و پیروی کرتے ہوئے دوسرے یہودی بھی اسلام سے روگردانی کر جائیں۔ میری آیات کو کم قیمت پر نہ بیچو اور مجھ سے ڈرتے رہو۔

پیغام:

۱۔ لوگوں کے صحیح عقائد کو قبول کر لینا چاہیے تا کہ وہ ہماری اچھی باتوں کو قبول کر لیں۔ ''مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ''

۲۔ تورات و انجیل کے بعض حصوں میں تحریف ہمیں اس کے دوسرے حصوں کو ماننے سے نہیں روکتی۔ ''مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ''

۳۔ علما کا منحرف ہونا عوام کی گمراہی کا سبب بنتا ہے۔ ''وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ''

۴۔ علما کا بے محل خاموش رہنا اور حقائق کو چھپانا صرف اس لیے ہوتا ہے کہ وہ مادی منافع کو پیش نظر رکھے ہوتے ہیں۔ ''وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا''

۵۔ چونکہ دنیوی فائدے بہت ہی تھوڑے اور قلیل مدت کیلئے ہوتے ہیں لہٰذا تمام دنیوی منافع حاصل ہونا بھی ایک لمحہ کی غلطی کی قیمت نہیں بن سکتا۔ ''ثَمَنًا قَلِيْلًا''

۶۔ مال و مقام کے ضائع ہونے سے ڈرنے کی بجائے قہر خداوندی سے ڈرنا ضروری ہے۔ ''وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ﴿۴۱﴾''

آیت نمبر ۴۲

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور حق کو باطل کے ساتھ نہ چھپاؤ اور جان بوجھ کر حقیقت کو نہ چھپاؤ۔

نکات:

☆ کلمہ ''الْبِسُ '' چھپانے کے معنی میں آتا ہے اور ''شک وشبہ'' کے معنی میں بھی آتا ہے۔

☆انسان کی شخصیت کی امتیازی خصوصیت حق کی معرفت ہوتی ہے اور جو لوگ شک، وسوسے اور شیطنت کے ذریعے لوگوں سے حق بات چھپاتے اور ان کی معرفت ان سے چھین لیتے ہیں، درحقیقت وہ ان سے ان کی امتیازی خصوصیات سلب کر رہے ہوتے ہیں اور یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

☆ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: اگر باطل اس کی اصل صورت میں پیش کیا جائے تو کوئی خوف نہیں۔ (کیونکہ لوگ اس کو جان جاتے ہیں اور اسے چھوڑ دیتے ہیں۔) اسی طرح اگر حق کو بھی خالص انداز میں پیش کیا جائے تو مخالف کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ لیکن خطرہ وہاں ہوتا ہے جہاں حق اور باطل کو آپس میں ملا دیا جاتا ہے اور اسے اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ شیطان کے لیے اپنے ہواداروں پر غلبہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ (نہج البلاغہ، کلمات قصار ۴۹)

پیغام:

۱۔ نہ حق کو باطل کے ساتھ ملائیں اور نہ ہی اسے تبدیل کریں۔ نہ باطل کو حق کے لباس میں پیش کریں۔ ''وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ'

۲۔ تمہارا ضمیر اور تمہاری فطرت اس فکری اور علمی خیانت سے باخبر ہوتا ہے۔ ''وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۲﴾ ''

آیت نمبر ۴۳

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۴۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

پیغام:

۱۔ایمان کی دعوت کے بعد عمل صالح کی دعوت ہے۔''اٰمِنُوۡا۔۔۔اَقِیۡمُوا''

۲۔نماز اور زکوۃ بنی اسرائیل میں بھی تھی۔''اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ''

۳۔خدا کے ساتھ رابطہ نماز کے ذریعے ہوتا ہے۔خلق خدا کی امداد زکوۃ کے ذریعے ہوتی ہے اور یوں دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر رہنے سے ایک ''مقدس مثلث'' وجود میں آتی ہے۔''اَقِیۡمُوا ،اٰتُوا ،ارۡکَعُوۡا''

۴۔شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ نماز کا اصل حکم با جماعت ادا کرنے میں ہے۔دین کی بنیاد اجتماع ہے اور گوشہ نشینی ،لوگوں سے کٹ کر رہنا قابل مذمت ہے۔''وَارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ﴿۴۳﴾''

آیت نمبر ۴۴

اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡکِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ﴿۴۴﴾

ترجمۃ الآیات

کیا تم لوگوں کو نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو؟ حالانکہ تم اپنی (آسمانی) کتاب کو (بھی) پڑھتے ہو،کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

نکات:

☆ پیغمبر اسلامؐ کی بعثت سے پہلے یہودی علما لوگوں کو حضورؐ پر ایمان لانے کی دعوت دیا کرتے تھے۔آنحضرتؐ کے ظہور کی بشارت دیا کرتے تھے۔لیکن جب ظہور رسالت ہو گیا تو وہ خود ہی ایمان نہیں لائے۔جو یہودی مسلمان ہو جاتے تھے، بعض علمائے یہود اپنے ان رشتہ داروں اور متعلقین کو ہدایت کیا کرتے تھے کہ وہ مسلمان ہی رہیں،لیکن خود اسلام نہ لاتے تھے۔(

تفسیر نمونہ، ج ۱، ص ۲۱۴)

☆ روایات میں ہے کہ جو عالم دوسروں کو بہشت کی دعوت دے لیکن خود جہنمی ہو، اس کے لیے بہت زیادہ اور بہت سخت حسرت ہوگی۔ (بحار الانوار، ج ۲، ص ۳۷)

☆ تلاوت کا حق یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''کونوا دعاۃ الناس باعمالکم و لا تکونوا دعاۃ بالسنتکم'' لوگوں کو اپنے اعمال کے ذریعے حق کی طرف دعوت دو، صرف زبان کے ذریعے دعوت نہ دو۔ (تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۵۷)

حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم میں تمہیں کسی کام کی دعوت اس وقت تک نہیں دیتا جب تک خود اس میں پیش قدمی نہ کروں اور کسی کام سے اس وقت تک نہیں روکتا جب تک کہ تم سے پہلے خود اس سے نہ رکوں۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۵)

اسی طرح آپ نے فرمایا: جو شخص دوسروں کا پیشوا بنتا ہے اسے چاہیے کہ دوسروں (کو تعلیم دینے) سے پہلے خود کو تعلیم دے۔ (نہج البلاغہ، حکمت ۲۰۷)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں: خوشخبری ہے ان علما کے لیے جو اپنے قول پر عمل بھی کرتے ہیں اور عذاب ہے ان عالموں کے لیے جو صرف وعظ ہی کرتے ہیں۔ (بحار، ج ۷۸، ص ۲۹۹)

بے عمل عالم کی مثال

الف۔ قرآن پاک میں بے عمل عالم کو گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے، جو کتابوں کا بوجھ اٹھاتا ہے لیکن خود اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتا۔ (جمعہ۔ ۵)

ب۔ روایات میں:

۞ رسولخداؐ فرماتے ہیں کہ بے عمل عالم اس چراغ کی مانند ہے جو خود تو جلتا رہتا ہے لیکن اس کی روشنی سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (کنز العمال، ح ۲۹۱۰۹)

۞ آنحضورؐ نے فرمایا: بے عمل عالم ایسے تیر انداز کی طرح ہے جس کے پاس کمان نہیں ہے۔ (بحار، ج ۱۰، ص ۱۰۰)

عیسیٰ ابن مریمؑ فرماتے ہیں: بے عمل عالم ایسا چراغ ہے جو تاریک کمروں کی چھت کے اوپر جلتا رہتا ہے۔ (بحار، ج ۱۴، ص ۳۰۹)

۞ امام علیؑ فرماتے ہیں: بے عمل عالم ایسے درخت کی مانند ہے جس پر پھل نہیں ہوتا اور ایسے خزانے کی مثل ہے جس سے کوئی چیز خرچ نہیں کی جاتی۔ (غرر الحکم)

❁ امام صادقؑ فرماتے ہیں: بے عمل عالم کا وعظ اور اس کی نصیحت ایسی بارش کی مانند ہے جو پتھروں پر برستی ہے، ایسے ہی اس کا وعظ بھی دلوں پر اثر نہیں کرتا۔ (بحار، ج ۲ ص ۳۹)

ج: دانشوروں اور علما کی نظر میں:

❁ بے عمل عالم

اس بھوکے شخص کی مانند ہے جو کسی خزانے پر لیٹا ہو۔

ایسے پیاسے کی مانند ہے جو سمندر کے کنارے کھڑا ہو۔

ایسا طبیب ہے جو خود درد کی وجہ سے کراہ رہا ہو۔

ایسے مریض کے جیسا ہے جو اپنی بیماری کا نسخہ ہاتھ میں لے کر پڑھتا رہتا ہے مگر اس کو استعمال نہیں کرتا۔

ایک ایسا منافق ہے جس کی گفتار و کردار ایک جیسی نہیں ہے۔

بے جان جسد ہے۔

پیغام:

۱۔ امر بالمعروف کرنے والوں کیلئے ضروری ہے کہ پہلے وہ خود اس پر عمل کرنے والے ہوں۔ ''اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ''

۲۔ اگر ہم خود ہی فراموشی کے مقدمات فراہم کریں تو ہمارے کسی عذر کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ ایسی فراموشی قابل معافی ہے جس میں ہمارا کوئی قصور نہ ہو۔ ''تَنۡسَوۡنَ، تَتۡلُوۡنَ''

۳۔ آسمانی کتاب کی تلاوت کافی نہیں ہے بلکہ اس میں غور و فکر کرنا ضروری ہے۔ ''تَتۡلُوۡنَ الۡکِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۴﴾''

۴۔ نظر انداز کرنا اور بھول جانا، بے عقلی کی علامت ہے۔ ''اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۴﴾''

آیت نمبر ۴۵

وَاسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ ؕ وَاِنَّہَا لَکَبِیۡرَۃٌ اِلَّا عَلَی الۡخٰشِعِیۡنَ ﴿ۙ۴۵﴾

ترجمة الآيات

اور صبر و نماز سے مدد حاصل کرو اور یہ کام خدا کے حضور جھکنے والوں کے علاوہ (دوسروں) پر بہت ہی گراں ہے۔

نکات:

☆ اگرچہ یہ آیت یہودیوں سے خطاب کے بعد ہی ذکر ہوئی ہے لیکن اس کے مخاطب تمام لوگ ہیں اور روایات میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کو جب بھی کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے اور اس آیت کی تلاوت فرماتے۔

☆ ایک روایت میں پیغمبر اسلامؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: صبر کی تین قسمیں ہیں یعنی مصیبت پر صبر، معصیت پر صبر اور عبادت پر صبر۔ (بحار، ج ۷۱، ص ۷۷) اس بنا پر جو روایات میں ذکر ہوا ہے، اس آیت میں صبر سے مراد روزہ ہے جو کہ صبر کے مصادیق میں سے ایک ہے۔

☆ نماز رسولخداؐ کی آنکھوں کا نور ہے۔ (بحار، ج ۱۶، ص ۲۴۹)۔ لیکن جو لوگ خشوع کی حالت سے عاری ہیں، ان کے لیے یہ ایک بھاری بوجھ ہے۔ ''خشوع'' کا تعلق دل اور روح سے ہے اور ''خضوع'' کا تعلق اعضائے جسمانی سے ہے۔

☆ توجہ کے ساتھ نماز پڑھنا، انسان کو ایسی قدرت کی یاد دلاتی ہے جس کی کوئی حد و انتہا نہیں اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ اسے حقیر نظر آتا ہے۔ اس کی محبت دل بڑھا دیتی ہے۔ توکل کے جذبہ کو تقویت پہنچاتی ہے اور انسان کی مادی وابستگیوں کو کم کر دیتی ہے۔ یہ سب آثار مشکلات کے موقع پر انسان کے لیے کارآمد ہوتے ہیں۔

☆ صبر و استقامت ہر عبادت کی کنجی ہے۔ فرشتے اہل بہشت کو سلام کرتے ہیں۔ ان کی عبادت، نماز، حج و زکوٰۃ کی وجہ سے نہیں بلکہ ان استقامت اور پائیداری کی خاطر سلام کرتے ہیں: ''سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ'' (رعد۔ ۲۴)۔ کیونکہ اگر استقامت نہ ہو تو نماز، حج، زکوٰۃ اور جہاد بھی نہیں ہو سکتے۔ حتیٰ کہ مقام ہدایت اور الٰہی راہبری تک پہنچنے کیلئے بھی صبر ایک شرط ہے۔ ''وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا'' (سجدہ۔ ۲۴)

یادگار واقعہ

امیر المومنین علی علیہ السلام کے دوستوں میں سے ایک شاعر ''نجاشی'' نے ماہ رمضان میں شراب پی لی۔ حضرت امیرؑ کے حکم سے شراب پینے کی وجہ سے اس کو کھڑا کر کے اسی کوڑے مارے گئے اور بیس کوڑے ماہ رمضان میں گناہ کے ارتکاب کی بنا پر لگائے گئے۔ وہ حضرتؑ کے اس اقدام سے ناراض ہو کر معاویہ کے پاس چلا گیا اور آنجنابؑ کے خلاف کچھ اشعار بھی کہہ ڈالے۔

نجاشی کے رشتہ داروں کے چھ ہزار گھرانے جو کوفہ میں رہتے تھے انہوں نے آپؑ سے اس بات کا گلہ شکوہ کیا کہ کیوں

آپؐ اپنے دوستوں کا خیال نہیں کرتے کہ وہ آپؐ کا ساتھ چھوڑ کر دشمنوں سے جا ملتے ہیں۔

طارق بن عبداللہ دان کا سردار تھا۔ وہ بھی ناراض ہو کر آپؐ سے کہنے لگا:

''کیوں آپؐ یگانوں اور بیگانوں کے درمیان فرق قائم نہیں کرتے؟ نجاشی جیسے انسان کو کوڑے نہیں لگنے چاہئیں تھے۔ ہم اس طریقہ کار کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ ہمیں جہنم کی راہ قبول ہے لیکن ہم اس طرح کے اقدام کو برداشت نہیں کریں گے۔''

یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام نے اس آیت کو تلاوت فرمایا: ''وَاِنَّهَا لَكَبِيۡرَةٌ اِلَّا عَلَى الۡخٰشِعِيۡنَ ۝۴۵ ''۔ آخر کار طارق بھی معاویہ سے جا ملا۔ (بحار، ج ۳۳، ص ۲۷۳)

یہ آیت اگرچہ نماز کے بارے میں ہے لیکن اس سے مشابہ آیات قرآن سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

پیغام:

۱۔ صبر اور نماز دو ایسے طاقتور ستون ہیں جن سے مشکلات کا سامنا کیا جا سکتا ہے۔ ''وَاسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ ...''

۲۔ خدا کی بارگاہ میں جس قدر زیادہ عجز و ناتوانی اور بندگی کا اظہار کریں، اتنی ہی زیادہ غیبی امداد حاصل ہوگی اور مشکلات پر کامیابی ملے گی۔ ''وَاسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ ...''

۳۔ خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرنا ''اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ'' اس بات سے منافات نہیں رکھتا جس سے امداد کیلئے خود اس نے حکم دیا ہے جیسے ''وَاسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ ...''

۴۔ نماز کو سنگین تصور کرنا بھی خدا کے سامنے تکبر کرنے کے برابر ہوتا ہے۔ ''لَكَبِيۡرَةٌ اِلَّا عَلَى الۡخٰشِعِيۡنَ ۝۴۵''

آیت نمبر ۴۶

الَّذِيۡنَ يَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ وَاَنَّهُمۡ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ۝۴۶

ترجمۃ الآیات

(خاشعین) وہ ہوتے ہیں جو (قیامت پر اور) خدا سے ملاقات پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ اسی کی جانب لوٹ جائیں گے۔

نکات:

☆ ''لقاء'' دیکھنے کے معنی میں نہیں بلکہ اس کے معنی ''پیش ہونا'' ہیں۔ جس طرح اگر کوئی نابینا کسی کے پاس جاتا ہے تو

کہتا ہے: میں نے اس سے ملاقات کی ہے۔ چاہے اس نابینا نے اسے نہیں دیکھا۔ صاحبِ مجمع البیان کہتے ہیں کہ ''لقائے پروردگار سے مراد خدا کی جزا اور سزا سے ملاقات ہے۔''

ہوسکتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی ملاقات سے مراد وہ عرفانی حالت ہو جو خاشعین نماز کی حالت میں پیدا کرتے ہیں۔ اس نظریہ کی رو سے کہ نماز خداوند متعال کے حضور پیشی ہے، لوگوں میں خشوع کی حالت پیدا ہوتی ہے۔ ''اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴿۴۶﴾'' یعنی وہ اسی کی طرف لوٹ جائیں گے، سے مراد وہی روز قیامت ہے۔

☆ اگر ''ظن'' اور ''گمان'' علم کے مقابلے میں ہو تو ناپسندیدہ ہے، جیسے ''وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ'' وہ علم نہیں رکھتے اور اپنے گمان کے علاوہ کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے۔ (نجم۔۲۸)

اگر ظن سے مراد یقین ہو تو قابل قدر ہے، چاہے وہ یقین مضبوط نہ ہو۔ خداوند بھی بہادر اور مخلص مجاہدین کی تعریف کرتے ہوئے انہیں قیامت کے بارے میں صاحبان گمان کی تعبیر سے یاد فرماتا ہے: ''قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً'' یعنی وہ لوگ جن کو یقین ہے کہ خدا کے حضور پیش ہونا ہے، بول اٹھے کہ ایسا بہت ہوا ہے کہ خدا کے حکم سے چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آگئی ہے۔ (بقرہ۔۲۴۹)

پیغام:

۱۔ خاشع، نماز میں خدا سے ملاقات کا احساس کرتا ہے۔ ''الْخٰشِعِيْنَ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ''

آیت نمبر ۴۷

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴿۴۷﴾

ترجمۃ الآیات

اے بنی اسرائیل! جو نعمت میں نے تمہیں عطا کی ہے اسے یاد کرو اور یہ کہ میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔

نکات:

☆ یہ آیت اولاد یعقوبؑ سے مطالبہ کر رہی ہے کہ خدا کی بیشتر معرفت حاصل کرنے، شکر گزاری کی روح کو زندہ کرنے اور اس کی نعمتوں کے ساتھ دل لگانے کے لیے وہ خداوند کریم کی ان نعمتوں اور عطاؤں کو یاد کریں۔ البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ بنی اسرائیل کو جو فضیلت دی گئی تھی وہ ان کے زمانے کے لوگوں پر تھی، اس لیے کہ قرآن مجید مسلمانوں کے بارے میں فرماتا ہے: ''کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ'' (آل عمران۔۱۱۰) یعنی تم تمام امتوں میں سے بہترین امت ہو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ فضیلت اور برتری سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعدد معجزات، بنی اسرائیل کو ملنے والی مادی نعمتیں اور ان کی آسودگی اور نجات مراد ہو اور ان کی اخلاقی و اعتقادی برتری مراد نہ ہو۔ کیونکہ قرآن مجید ان کے برے اخلاق، بے موقع حیلہ بازی، بہانہ گیری اور غلط عقائد کی بارہا مذمت کرتا ہے۔ (جاثیہ۔۱۶)

پیغام:

۱۔ نعمت اور فضیلت خدا تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ ''نِعْمَتِیَ، اَنْعَمْتُ، فَضَّلْتُ''

۲۔ طاغوت کے سلطہ سے نجات سب سے بڑی نعمت الٰہی ہے۔ ''نِعْمَتِیَ، فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝''

آیت نمبر ۴۸

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

ترجمۃ الآیات

اور اس دن سے ڈرو جس میں کوئی شخص دوسرے کی جگہ سزا نہیں پائے گا۔ نہ ہی سفارش قبول کی جائے گی، نہ ہی تاوان و بدلہ قبول ہوگا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔

نکات:

☆ اس آیت میں یہودیوں کی بعض غلط فہمیوں اور بے جا آرزوؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہودی یہ سمجھتے تھے کہ قیامت کے دن ان کے آباؤ اجداد ان کی سفارش کریں گے۔ جس طرح بت پرست بتوں کو اپنا شفیع جانتے تھے۔ کچھ لوگ قربانی کو

اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھتے تھے، اگر ان کے پاس رقم وغیرہ نہ ہوتی تھی تو ایک جوڑا کبوتروں کا ذبح کر دیا کرتے تھے۔ کچھ افراد ایسے بھی تھے جو اپنے مردوں کے ہمراہ سونا اور زیورات دفن کر دیا کرتے تھے تاکہ مردہ گناہوں کا جرمانہ ادا کر سکے۔

جبکہ قیامت کا دن دنیا کے دنوں کے برعکس ہے۔ جہاں لوگ روپے پیسے یا گروہ بندی یا دوسری طاقتوں کا سہارا لے کر اپنی مشکلات پر قابو پا لیتے ہیں۔

☆ قیامت کے دن کفار کیلئے

تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے۔ ''وَتَقَطَّعَتۡ بِهِمُ الۡاَسۡبَابُ۝۱۶۶'' (بقرہ۔۱۶۶)

رشتہ داریاں، مقام و منزلت مٹ جائیں گے۔ ''فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَيۡنَهُمۡ'' (مومنون۔۱۰۱)

عذر خواہی کی زبانیں بند ہو جائیں گی۔ ''وَلَا يُؤۡذَنُ لَهُمۡ فَيَعۡتَذِرُوۡنَ۝۳۶'' (مرسلات۔۳۶)

مال اور اولاد فائدہ نہ پہنچا ئیں گے۔ ''لَا يَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ۝۸۸'' (شعراء۔۸۸)

دنیوی اقتدار مٹ جائیں گے۔ ''هَلَكَ عَنِّيۡ سُلۡطٰنِيَهۡ۝۲۹'' (الحاقہ۔۲۹)

اذن خدا تعالیٰ کے بغیر کوئی سفارش و شفاعت قبول نہ کی جائے گی۔ ''وَلَا يَشۡفَعُوۡنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارۡتَضٰى'' (انبیاء۔۲۸)

فدیہ اور قربانی قبول نہ کی جائے گی۔ ''لَا يُؤۡخَذُ مِنۡكُمۡ فِدۡيَةٌ'' (حدید۔۱۵)

شفاعت کے بارے میں

☆ شفاعت کلمہ ''شفع'' سے، مدد اور نصرت کے معنی میں ہے۔ مدد کرنے والے ہمراہی اور ساتھی کے معنی پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ یعنی ایسے افراد جن کے پاس ایمان، تقویٰ اور عمل کا سرمایہ موجود ہوگا لیکن اس دن کچھ کمی پائی جائے گی۔ ان کے اس سرمایہ میں لطف و کرم کے ساتھ کچھ اضافہ ہو جائے گا۔ اولیای الٰہی کی مہربانی کے ہمراہ ہونے کی وجہ سے خدا کے قہر و غضب سے نجات پا لیں گے۔ لہٰذا شفاعت صرف ایسے افراد کیلئے ہوگی جو کوشش کرنے والے ہوں گے اور راستے میں کچھ پیچھے رہ جائیں گے۔ انہیں ایسی طاقت کی ضرورت ہوگی جس کے ذریعے وہ اولیا کے قریب پہنچ جائیں۔

☆ قرآن مجید میں تقریباً تیس آیات شفاعت کے بارے میں ہیں اور انہیں چند قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ ایک قسم ایسی آیات کی ہے جن میں شفاعت کی نفی کی گئی ہے۔ جیسے ''يَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ'' (بقرہ۔۲۵۴) ایسا دن ہے کہ جس میں لین دین، دوستی اور شفاعت نہیں ہوگی۔

۲۔ ایک قسم میں وہ آیات ہیں جن میں صرف خداوند عالم کی شفاعت کا ذکر ہے۔ مثلاً ''مَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيۡعٍ ؕ'' یعنی تمہارے لیے اس (خدا) کے علاوہ نہ تو کوئی یار و مددگار ہے اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا ہے۔ (سجدہ۔۴)

۳۔ بعض ایسی آیات ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ کچھ لوگ اذن خداوندی سے شفاعت کر سکیں گے۔ جیسے "مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ "کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے؟ (بقرہ۔۲۵۵)

۴۔ کچھ آیات ایسی ہیں جو شفاعت کیے جانے والوں کے بارے میں ہیں:

الف۔ "لَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى "صرف ان لوگوں کیلئے شفاعت ہے، جن سے خدا راضی ہوگا۔ (انبیاء۔۲۸)

ب۔ "مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّ لَا شَفِیْعٍ "ظالموں کے لیے نہ تو کوئی دوست ہوگا اور نہ ہی کوئی شفاعت کرنے والا۔ (غافر۔۱۸)

ج۔ "وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ "فرشتے ان لوگوں کیلئے دعا اور استغفار کرتے ہیں جو ایمان لے آئے ہیں۔ (غافر۔۷)

مذکورہ بالا آیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ شفاعت غیر مشروط طور پر نہیں ہوگی۔ شفاعت خدا کے اذن واجازت سے ہوگی۔ جن کے بارے میں شفاعت کی جائے گی، انہیں شرائط کا حامل ہونا چاہیے اور اگر کسی میں یہ شرائط نہ ہوئیں، خواہ وہ نبی کی زوجہ ہی کیوں نہ ہو، اس کی شفاعت نہ ہوگی۔ جیسا کہ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویاں اپنے فسق اور نافرمانی کی وجہ سے فاقد الشرائط ہو کر محروم شفاعت ہوں گی۔ ارشاد ہوتا ہے "فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا وَّ قِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ ﴿۱۰﴾ "ان دونوں بیویوں نے اپنے شوہروں سے دغا کیا اور اسی میں گرفتار ہو گئیں۔ لیکن دونوں پیغمبر اپنی بیویوں کے بارے میں قہر خداوندی کا کوئی مداوا نہ کر سکے اور ان سے کہہ دیا گیا کہ جہنم میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی جہنم میں چلی جاؤ۔ (تحریم۔۱۰)

بنا بریں ایسی شفاعت کارگر ہوگی جس کے لیے مذکورہ شرائط موجود ہیں۔ کیونکہ اس طرح سے انسان اولیاء اللہ کے نزدیک ہوگا اور مایوسی سے بچ جائے گا۔ جس قسم کی شفاعت کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اس سے انسان کو گناہ کے ارتکاب کی جرات ہوتی ہے کیونکہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ بقول ان کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام قربان ہو کر اپنے پیروکاروں کے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں۔ یہ ہرگز بھی قابل قبول نہیں ہے۔

سوال: کیا اولیائے خدا کی شفاعت ارادہ الٰہی کے سامنے کھڑے ہو جانے کے مترادف نہیں ہے؟ جس کے بارے خدا نے ارادہ کیا ہو کہ اسے عذاب فرمائے گا تو کیا پیامبر اپنی شفاعت کے ذریعے اپنے ارادے کے ساتھ اس ارادہ الٰہی کے عملی ہونے میں رکاوٹ نہیں بنیں گے؟

جواب: بدکاروں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچانا اور اپنے اولیاء کو شفاعت کی اجازت دینا بھی ارادہ الٰہی اور مرضی خدا تعالیٰ ہے۔ لہٰذا اولیائے خدا کی شفاعت، ارادہ الٰہی کا مقابلہ نہیں ہے۔

سوال: کیا اولیائے خدا کی شفاعت کا معنی یہ ہے کہ ان کا لطف ومہربانی، خدا کے لطف وکرم سے زیادہ ہے۔ کیونکہ خدا تو

عذاب کرنا چاہتا تھا لیکن اولیاء اللہ اس بندے کی شفاعت کر رہے ہیں؟

جواب: اولیائے الٰہی میں رحم اور کرم کرنے کی خواہش وصلاحیت، پروردگار عالم کی طرف سے ہے، اس رحم اور محبت کو استعمال کرنے کی اجازت اور قوت بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ لہٰذا وہ ہے جو اپنی رحمت اور لطف وکرم کے ساتھ شفاعت کی اجازت مرحمت فرماتا ہے۔

سوال: کیا شفاعت، ارادہ الٰہی کو تبدیل کر دیتی ہے؟

جواب: مختلف حالات میں اور مختلف شرائط میں ارادہ الٰہی بھی اس کے متناسب ہوتا ہے۔ خدا کا ارادہ گناہ گاروں کو سزا دینا ہے۔ لیکن اگر وہ توبہ کر لے تو خدا اپنا قہر وغضب ہٹا لیتا ہے۔ یہ ارادہ الٰہی اور اس کی رحمت ہے۔ کیونکہ گناہ گار انسان کی حالت وکیفیت، توبہ کرنے والے انسان کی حالت وکیفیت سے مختلف ہوتی ہے۔ ایک انسان اولیائے خدا سے محبت، عشق اور ان کی اطاعت کی وجہ سے شفاعت کا حق دار قرار پاتا ہے۔ جبکہ دوسرا ان سے مخالفت کی وجہ سے اس سے محروم رہتا ہے۔

☆ دنیا میں گناہوں کی بخشش کے تین ذرائع ہیں:

۱۔ توبہ ''اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾'' (بقرہ۔ ۱۶۰)

۲۔ گناہان کبیرہ سے اجتناب کرنا۔ ''اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ'' اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم بھی تمہارے گناہوں کو چھپا دیں گے۔ (نساء۔ ۳۱)

۳۔ حسنات اور نیک کام انجام دینا۔ ''اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ'' نیک اور شائستہ کام برائیوں کو ختم کر دیتے ہیں۔ (ہود۔ ۱۱۴)

البتہ آخرت میں بخشش کا راستہ صرف شفاعت اور خدا تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔

پیغام:

۱۔ عدالت الٰہی میں حاضر ہونے کا خوف، کسی وکیل یا شفیع کے بغیر، تقویٰ الٰہی کی تقویت ہے۔ ''وَاتَّقُوْا يَوْمًا''

۲۔ خرافات اور باطل عقاید کے سامنے سختی کے ساتھ ڈٹ جاؤ۔ ''لَا يُقْبَلُ، لَا يُؤْخَذُ''

آیت نمبر ۴۹

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ

يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعونیوں کے ہاتھ سے رہائی بخشی جو تمہیں سخت ترین طریقے سے مسلسل آزار و تکلیف پہنچاتے تھے، وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری سخت آزمائش تھی۔

نکات:

☆ روم کے بادشاہوں کا لقب فرعون، ایران کے بادشاہوں کا لقب کسریٰ، ترک کے بادشاہوں کا لقب خاقان تھا۔ حضرت موسیٰ کے زمانے میں فرعون کا نام رامیس اول تھا، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا جسد آج بھی مصر کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ ''فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ '' (یونس۔ ۹۲)

☆ ''يَسُوْمُوْنَكُمْ'' لفظ ''سوم'' سے لیا گیا ہے۔ اس کا معنی کسی چیز کے پیچھے مسلسل جانا ہے۔ ''يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ'' کا مطلب ہے کہ وہ مسلسل تم پر عذاب برپا کیا کرتے تھے۔ ان عذاب اور مصیبتوں میں سے ایک اُن کے بیٹوں کو قتل کرنا تھا۔ ایسا اس خواب کی وجہ سے تھا جو فرعون نے دیکھا تھا اور معبروں نے اس کی تعبیر میں کہا تھا کہ تم بنی اسرائیل کے ایک مرد کے ہاتھوں مارے جاؤ گے، تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ یا یہ سب کچھ بنی اسرائیل کی ترقی اور بڑھوتی کو روکنے کیلئے تھا۔

پیغام:

۱۔ طاغوتوں سے آزادی سب سے بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اپنی نعمتوں میں سے اس نعمت کا ذکر کیا ہے۔ ''نَجَّيْنٰكُمْ''

۲۔ گذر جانے والی سختیوں اور مشکلات کا ذکر، آج حاصل شدہ آزادی کی لذت کو زیادہ کر دیتا ہے۔ ''يَسُوْمُوْنَكُمْ ۔۔۔ يُذَبِّحُوْنَ ۔۔۔ يَسْتَحْيُوْنَ''

۳۔ طاغوت، اپنے حواریوں اور چاپلوس افراد کے بغیر کچھ نہیں ہوتے۔ ''اٰلِ فِرْعَوْنَ''

۴۔ سختیاں اور آزادی دونوں ہی آزمائش اور تربیت کے ذرائع ہیں۔ ' بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ '

۵۔ کسی قوم کے دفاعی اسباب کا خاتمہ کرنا اور عیاشیوں و گمراہی کے اسباب کو باقی رکھنا، فرعون صفت افراد کا وطیرہ ہے۔ ''يُذَبِّحُونَ اَبۡنَآءَكُمۡ وَيَسۡتَحۡيُوۡنَ نِسَآءَكُمۡ ؕ''

۶۔ طاغوتی طاقتیں اپنے تسلط کو باقی رکھنے اور اپنے قیام کردہ فاسد نظام کی حفاظت کیلئے کسی بھی ظلم سے دریغ نہیں کرتے۔ ''يَسُوۡمُوۡنَكُمۡ، يُذَبِّحُوۡنَ''

آیت نمبر ۵۰

وَاِذۡ فَرَقۡنَا بِكُمُ الۡبَحۡرَ فَاَنۡجَيۡنٰكُمۡ وَاَغۡرَقۡنَآ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ۝۵۰

ترجمۃ الآیات

(یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لیے دریا میں شگاف پیدا کر دیا اور تمہیں نجات عطا کی، اور فرعونیوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا۔

نکات:

☆ بنی اسرائیل کا دریائے نیل سے عبور کرنا، قرآن پاک میں کئی ایک آیات میں ذکر ہوا ہے۔ (طہ۔ ۷۷؛ شعراء۔ ۶۳؛ دخان۔ ۲۴)

خدا تعالیٰ نے جناب موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارنے کے ذریعے دریا کے پانی کو شگاف کیا اور انہیں دریائے نیل سے پار کر دیا۔

☆ اس آیت میں تین معجزات الٰہی ایک جگہ بیان ہوئے ہیں:

الف۔ دریا کو شگاف کرنا، ب۔ بنی اسرائیل کی نجات، ج۔ فرعونیوں کا غرق ہونا۔

پیغام:

۱۔ اسباب اور عوامل کا کام کرنا، خدا تعالیٰ کے حکیمانہ ارادہ کے تحت انجام پاتا ہے۔ جناب موسیٰ کے پاس ایسا عصا تھا جس کے واسطے سے کبھی پتھر سے پانی ابل پڑتا تھا۔ ''اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ ؕ فَانۡفَجَرَتۡ'' کبھی پانی پر مارتے تو اس کے

درمیان میں سے راستہ بن جاتا۔ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ''

۲۔ سیاہ کالی رات کا آخر روشن دن ہے۔ اس قدر مصیبتوں اور مشکلات کے بعد بنی اسرائیل نے نجات اور خوشحالی حاصل کر لی۔ ''فَاَنْجَيْنٰكُمْ''

۳۔ مظلوموں اور ستم دیدہ لوگوں کے سامنے ظالموں اور ستمگروں سے انتقام، ان کے زخموں پر مرہم کا کام ہے۔ ''اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝۵۰''

آیت نمبر ۵۱

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۝۵۱

ترجمۃ الآیات

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا (اور وہ تم سے جدا ہو کر چالیس راتوں کے لیے وعدہ گاہ پر احکام لینے کے لیے آئے) پھر تم نے بچھڑے کو (اپنے معبود کی حیثیت سے) منتخب کر لیا۔ حالانکہ (اس کام میں) تم اپنے ہی اوپر ظلم کر رہے تھے۔

نکات:

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام قرآن پاک کی ۳۵ سورتوں میں ۱۳۶ مرتبہ آیا ہے۔ میعادگاہ کی طرف جانے کا تذکرہ سورہ اعراف ۱۴۲ اور سورہ طہٰ کی آیت ۸۶ میں بھی بیان ہوا ہے اور مقام میعاد ''کوہ طور'' تھا۔ البتہ ابتدا میں یہ میعاد تیس راتیں مقرر تھی اور میعادگاہ ہی میں اس میں دس راتوں کا اضافہ ہوا۔ یہ مدت کتاب تورات کے حصول کے لیے تھی۔

لیکن بنی اسرائیل باوجودیکہ حضرت موسیٰ کے بھائی جناب ہارون جیسے رہبر کی قیادت اپنے درمیان موجود پاتے تھے مگر انہوں نے تمام خدائی الطاف و مراحم اور نعمتوں کو فراموش کر دیا اور گوسالہ پرستی شروع کر دی۔ یہ بچھڑا ایک ہنرمند مجسمہ ساز ''سامری'' نے طلائی زیورات سے حضرت موسیٰ کی عدم موجودگی میں تیار کر لیا اور اس طرح سے ان لوگوں کے اوپر ظلم و ستم ڈھایا۔

☆ قرآن کی آیات سے استفادہ ہوتا ہے کہ اس وعدہ میں تین مسئلے مورد نظر تھے:

الف۔ تورات کا حصول

ب۔حضرت ہارون کے لیے مقام خلافت کا اثبات

ج۔بنی اسرائیل کی آزمائش

☆ بنی اسرائیل کا معاشرہ چند وجوہات کی بنا پر شرک اور گوسالہ پرستی جیسی لعنت میں مبتلا ہوا:

الف۔حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے رہبر کی عدم موجودگی

ب۔سامری جیسے گمراہ ہنرمند شخص کی موجودگی

ج۔طلا اور زیورات جیسی پرکشش چیزیں

د۔گمراہ کن تبلیغات کی صدائیں (سامری کا بچھڑا آواز بھی نکالتا تھا)

ھ۔لوگوں کی سادہ لوحی، زود باوری اور محکم ایمان کا نہ ہونا۔

و۔گائے کی پوجا کی سابقہ عادت کہ جس سے گوسالہ پرستی کا راستہ ہموار ہوا۔

پیغام:

۱۔الٰہی راہبروں کا محدود مدت کیلئے معاشرے سے الگ ہو کر عبادت خدا میں مشغول ہونا اچھا اور مفید کام ہے۔''وَعَدۡنَا مُوۡسٰۤی اَرۡبَعِیۡنَ لَیۡلَۃً'' (تفسیر راہنما)

۲۔لوگوں سے دور اور چالیس دن تک عبادت کے بہت اچھے اور خاص آثار ہوتے ہیں۔''اَرۡبَعِیۡنَ لَیۡلَۃً''

۳۔چالیس کے عدد کو انبیا علیہم السلام کے لیے وحی الٰہی کے حصول اور اولیا پر الہام کے لیے خاص اہمیت حاصل ہے۔''اَرۡبَعِیۡنَ لَیۡلَۃً''

۴۔شرک انسانیت پر بہت بڑا ظلم ہے کیونکہ اس سے توحید پرستی رخصت ہو جاتی ہے۔''وَ اَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ﴿۵۱﴾''

آیت نمبر ۵۲

ثُمَّ عَفَوۡنَا عَنۡکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ﴿۵۲﴾

ترجمة الآیات

پھر ہم نے (تمہاری) اس (غلطی) کے بعد تمہیں معاف کر دیا شاید کہ تم اس نعمت کا شکر بجالاؤ۔

نکات:

☆ شرک سے توبہ، ایمان لانا اور شہادتین کا اظہار کرنا ہے۔ کیونکہ انبیا کی بعثت کا ایک مقصد عالم انسانیت کو کفر و شرک سے نجات دلانا ہے۔ اسی لیے خداوند عالم فرماتا ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ' خداوند شرک کو معاف نہیں کرے گا۔ (نساء۔ ۴۸ و ۱۱۶)۔ یہ ان افراد کیلئے ہے جو شرک کی حالت میں دنیا سے چلے جاتے ہیں اور توحید و یکتا پرستی کی طرف نہیں پلٹتے۔

پیغام:

۱۔ حتیٰ شرک اور گوسالہ پرستی کیلئے بھی توبہ کے اور واپسی کے دروازے کھلے ہیں۔ ''ثُمَّ عَفَوْنَا''

۲۔ الٰہی عفو و درگذر، انسان کیلئے شکر کرنے کی راہ ہموار کرتی ہے۔ ''عَفَوْنَا . . . لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۵۲﴾'

آیت نمبر ۵۳

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴿۵۳﴾

ترجمۃ الآیات

(یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) اور فرقان عطا کیا تاکہ شاید تم ہدایت پا جاؤ۔

نکات:

☆ فرقان وہ ذریعہ ہے جو حق کو باطل سے جدا کرتا ہے۔ کیونکہ آسمانی کتاب میں حق باطل سے الگ ہوتا ہے، اس لیے اسے فرقان بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں فرقان سے مراد شاید وہ نو معجزات یا دوسرے حقائق ہوں جو تورات کے علاوہ حضرت موسیٰ کو عطا کیے گئے تھے۔ کیونکہ یہاں فرقان کو کتاب کے علاوہ ذکر کیا گیا ہے۔

پیغام:

۱۔ آسمانی کتابیں حق کو بیان کرنے والی اور حق کو باطل سے الگ کرنے کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ ''الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ''

۲۔ خداوند کی طرف سے حجت تمام ہے۔ لیکن لوگ کبھی اپنی خواہشات نفسانی کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے۔ ''لَعَلَّكُمْ''

آیت نمبر ۵۴

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اِنَّكُمۡ ظَلَمۡتُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ بِاتِّخَاذِكُمُ الۡعِجۡلَ فَتُوۡبُوۡۤا اِلٰى بَارِئِكُمۡ فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ عِنۡدَ بَارِئِكُمۡ ؕ فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۵۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم نے گوسالہ کی پرستش کرنے سے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ پس توبہ کرنے سے اپنے خالق کی طرف واپس پلٹ جاؤ۔ اور ایک دوسرے کو قتل کرو۔ یہ کام بارگاہ پروردگار میں تمہارے لیے بہتر ہے۔ پس خداوند نے تمہاری توبہ کو قبول کرلیا کیونکہ وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

نکات:

☆ جملہ ''فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ'' میں نفس کو قتل کرنے سے مراد خودکشی نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے کو قتل کرنا ہے۔ جیسا کہ آیت ''لَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ'' (حجرات۔۱۱) یعنی ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو۔ یا اس آیت ''فَسَلِّمُوۡا عَلٰۤى اَنۡفُسِكُمۡ'' کی طرح ہے، یعنی ایک دوسرے پر سلام کرو۔ (نور۔۶۱)

☆ اس طرح سخت قسم کی توبہ کرنا، یہودیوں کیلئے فضیلت ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ منافقین پر تنقید کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''وَلَوۡ اَنَّا كَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ اَوِ اخۡرُجُوۡا مِنۡ دِيَارِكُمۡ مَّا فَعَلُوۡهُ اِلَّا قَلِيۡلٌ مِّنۡهُمۡ ؕ'' (نساء۔۶۶) یعنی اگر ہم انہیں ایک دوسرے کے قتل کرنے کا حکم دیتے یا ان کی سرزمین سے انہیں نکل جانے کا فرمان صادر کرتے تو کوئی اس کی اطاعت نہ کرتا سوائے چند ایک افراد کے۔''

پیغام:

۱۔لوگوں کو نرمی اور محبت کے ساتھ خدائی احکامات قبول کرنے پر آمادہ کریں۔''یٰقَوۡمِ ۔ ۔ ۔ فَاقۡتُلُوۡۤا''

۲۔شرک،خود اپنے اوپر ظلم ہے۔''ظَلَمۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ بِاتِّخَاذِکُمُ الۡعِجۡلَ''

۳۔خدا تعالیٰ کی طرف جس قدر برہان،معجزہ یا دلیل آئے گی،اسی قدر فرائض بھاری ہوتے چلے جائیں گے اور پھر ان سے فرار انسان کے اپنے لیے خطرناک ہوگا۔اتنے زیادہ معجزات دیکھ لینے کے بعد گوسالہ کی پرستش کی توبہ سوائے قتل کے کچھ نہیں ہوسکتی۔''فَتُوۡبُوۡۤا ۔ ۔ ۔ فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ'

۴۔مرتد کا حکم موت ہے۔''فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ'

۵۔اللہ کی رحمت کے ساتھ مر جانا بہتر ہے،اس سے کہ انسان خدا کی لعنت کے ہمراہ زندگی بسر کرتا رہے۔''ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ'

۶۔اللہ کے حکم کو نافذ کرنا،چاہے کسی انسان کو قتل کرنے کی بنیاد پر ہو،وہ انسان کے فائدے میں ہے۔''فَاقۡتُلُوۡۤا ۔ ۔ ۔ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ''

۷۔الٰہی احکامات کی بنیاد،انسان کو فائدہ پہنچانا ہے۔''ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ''

۸۔بھاری جرمانے کی ادائیگی کیلئے لوگوں کو اس کے زیادہ سے زیادہ فائدے بیان کیے جائیں تاکہ لوگ اس کو ادا کرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔''فَاقۡتُلُوۡۤا ۔ ۔ ۔ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۴﴾'

آیت نمبر ۵۵

وَاِذۡ قُلۡتُمۡ یٰمُوۡسٰی لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَہۡرَۃً فَاَخَذَتۡکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۵۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے کہا:اے موسیٰ! ہرگز تم پر ایمان نہ لائیں گے مگر یہ کہ خدا کو خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔پس آسمانی بجلی نے تمہیں آلیا جبکہ تم اسے دیکھتے ہی رہ گئے تھے۔

نکات:

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے:

الف۔ کچھ وہ لوگ تھے جو مناجات، دعا اور خدا کا کلام سننے کیلئے جناب موسیٰ کے ہمراہ کوہ طور پر گئے تھے۔ جب انہوں نے جناب موسیٰ اور خدا تعالیٰ کی گفتگو سنی تو کہنے لگے ہم کس طرح یقین کریں کہ یہ خدا کی آواز ہے؟ ہم ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم خود اپنی آنکھوں سے خدا کو نہ دیکھ لیں۔

ب۔ کچھ لوگ وہ تھے جو جناب ہارون علیہ السلام کے ہمراہ پہاڑ سے نیچے رہ گئے تھے اور نافرمانی کی وجہ سے گوسالہ کی عبادت شروع کر دی تھی۔ سورہ اعراف کی آیت ۱۵۴ میں، ان لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ جو خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے: ''اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ'' انہیں زلزلہ نے گھیر لیا۔

یہاں جس بجلی کے گرنے کا ذکر ہے وہ شاید اس زلزلے کے ہمراہ تھا، جس کی وجہ سے وہ لوگ ہلاک ہو گئے تھے۔ کیونکہ بعد والی آیت میں ہے کہ تمہیں موت کے بعد ہم نے دوبارہ زندہ کر دیا۔

☆ یہ آیت پیغمبر اسلامؐ کو تسلی دے رہی ہے کہ لوگوں کی بیہودہ قسم کی فرمائشوں اور باتوں سے مت پریشان ہوں، کیونکہ جناب موسیٰ سے لوگ اس سے کہیں زیادہ بیہودہ مطالبات کیا کرتے تھے۔

پیغام:

۱۔ گذشتہ لوگوں کی ہٹ دھرمیوں اور ناجائز فرمائشوں کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔ ''لَنْ نُّؤْمِنَ ... فَاَخَذَتْكُمُ''

۲۔ کچھ لوگوں کیلئے تو منطق و استدلال کافی ہے لیکن کچھ کیلئے قہر و غضب ضروری ہے۔ ''فَاَخَذَتْكُمُ''

۳۔ اگر خدا تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے تو کیا ہوا، اس کے آثار اور نشانیاں تو ہیں۔ تو انہیں دیکھ کر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ ''فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴿۵۵﴾''

آیت نمبر ۵۶

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۵۶﴾

ترجمۃ الآیات

پھر ہم نے موت کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کردیا تاکہ شاید تم شکر گزاری کرو۔

نکات:

☆ ان کو زندہ کرنا اور دوبارہ اٹھانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پریشانی، اضطراب اور دعا کی وجہ سے تھا، جس کا ذکر سورہ اعراف کی آیت ۱۵۵ میں آیا ہے۔ اس بارے میں انشاء اللہ آگے چل کر بحث ہوگی۔

پیغام:

۱۔ بعض مردوں کی رجعت اور ان کا اسی دنیا میں دوبارہ زندہ ہونا، محال یا ناممکن نہیں ہے۔ بلکہ اسی دنیا میں ایسا واقعہ کئی مرتبہ پیش آچکا ہے۔ "بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ"

۲۔ بعض اوقات انسان کے لیے زندگی تلخ ہو جاتی ہے اور مصائب و آلام میں گھر جانے کے بعد نجات حاصل ہوتی ہے اس کا فلسفہ اور رمز یہ ہے کہ اس سے انسان کے اندر شکر کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۵۷

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۝۵۷

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے تمہارے اوپر بادلوں کا سایہ کیا اور تم پر من و سلویٰ نازل کیا۔ اور ہم نے کہا ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں دی ہیں۔ (لیکن تم نے کفران نعمت کیا اور اس طرح) انہوں نے ہم پر تو کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ اپنے ہی نفسوں پر ظلم کیا۔

نکات:

☆ فرعون کے تسلط سے نجات پانے کے بعد بنی اسرائیل کو حکم ملا کہ وہ سرزمین فلسطین میں چلے جائیں لیکن انہوں نے یہ بہانہ بنا کر کہ وہاں ظالم لوگ رہتے ہیں ادھر کا رخ نہ کیا۔ اور موسیٰ سے کہنے لگے ''آپ اپنے خدا کو ساتھ لے کر ان لوگوں سے جنگ کریں، ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔'' اس پر غضب الٰہی جوش میں آ گیا اور وہ چالیس سال تک ''تیہ کے بیابان'' میں بھٹکتے رہے۔ لیکن خداوند عالم نے وہاں پر بھی ان پر بادلوں کا سایہ کیے رکھا اور دو قسم کی طبعی اور خوشگوار غذا ان کے اختیار میں دے دی جو من و سلویٰ تھی۔

☆ ''من'' اس مخصوص شیرہ کو کہتے ہیں جو درختوں پر قطروں کی صورت میں گوند بن کر جم جاتا ہے۔ بعض مفسرین کے بقول اس کے معنی ''شہد'' کے ہیں اور بعض کے نزدیک ''کھمبی'' ہے۔ ''سلویٰ'' کبوتر کی مانند ایک خاص قسم کے پرندے کو کہتے ہیں۔

پیغام:

۱۔ بادل، ہوا، بارش سب خدا تعالیٰ کے تحت فرمان ہیں۔ ''ظَلَّلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡغَمَامَ''

۲۔ خداوند کا رازق ہونا کسی خاص قسم کے حالات پر موقوف نہیں ہے بلکہ وہ تو جنگلوں اور بیابانوں میں بھی رزق عطا کرتا ہے۔ ''وَاَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى‌ؕ''

۳۔ خدا تعالیٰ، انسان کے رزق کو حلال و پاکیزہ چیزوں سے عطا فرماتا ہے۔ ''طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ‌ؕ''

۴۔ خدائی فرامین کی خلاف ورزی خود اپنے اوپر ظلم کے مترادف ہے۔ ''اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ۝۵۷''

آیت نمبر ۵۸

وَاِذۡ قُلۡنَا ادۡخُلُوۡا هٰذِهِ الۡقَرۡيَةَ فَكُلُوۡا مِنۡهَا حَيۡثُ شِئۡتُمۡ رَغَدًا وَّادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّقُوۡلُوۡا حِطَّةٌ نَّغۡفِرۡ لَكُمۡ خَطٰيٰكُمۡ‌ؕ وَسَنَزِيۡدُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ۝۵۸

ترجمۃ الآیات

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے کہا کہ اس بستی (بیت المقدس) میں داخل ہو جاؤ اور اس

کی فراواں نعمتوں سے جو چاہو کھاؤ، تمہارے لیے خوشگوار ہیں۔ اور (معبد بیت المقدس کے) دروازے سے خضوع وخشوع کے ساتھ داخل ہو جاؤ اور کہو (بار الہا! ہمارے گناہوں کو بخش دے) تاکہ ہم تمہارے گناہوں کو بخش دیں اور ہم نیکوکاروں کو زیادہ (بدلہ) دیں گے۔

نکات:

☆ سورہ مائدہ کی آیت ۲۱ میں ہے کہ ''قریۃ'' سے مراد بیت المقدس ہے۔ چالیس سال تپہ لے بیابانوں میں سرگردان رہنے کے بعد بنی اسرائیل کو حکم ملا تھا کہ وہ شہر بیت المقدس میں داخل ہو جائیں اور جب معبد بیت المقدس میں داخل ہوں تو داخل ہوتے ہوئے۔ ''حطۃ'' کا مقدس کلمہ اپنی زبانوں پر جاری کریں۔ ''حطۃ'' کے معنی گناہوں کا جھڑنا، معافی کا طلبگار ہونا اور توبہ کا اظہار ہے۔

تفسیر ''اطیب البیان'' میں ہے کہ دروازے سے شہر کا دروازہ نہیں بلکہ مسجد کا دروازہ مراد تھا اور اب بھی اسے ''باب الحطۃ'' کہا جاتا ہے۔ ''سُجَّدًا'' سے مراد مسجد میں داخل ہونے کے بعد ''سجدہ شکر'' کرنا ہے۔

پیغام:

۱۔ مقدس علاقوں اور مقامات کے لیے خصوصی احترام ضروری ہوتا ہے۔ ''وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا''

۲۔ معاف کرنا اسی (خدا) کا کام ہے لیکن استغفار وطلب بخشش ہماری طرف سے ہونی چاہیے۔ ''قُوْلُوْا حِطَّۃٌ نَّغْفِرْ لَکُمْ''

۳۔ دعا کے آداب اور توبہ کرنے کا طریقہ کار خدا تعالیٰ سے سیکھنا چاہیے۔ ''ادْخُلُوا ۔۔۔ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّۃٌ''

۴۔ خدا تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے سے توبہ کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ ''ادْخُلُوا ۔۔۔ قُوْلُوْا ۔۔۔ نَّغْفِرْ لَکُمْ''

۵۔ استغفار کرنا گناہگاروں کی بخشش کا سبب ہوتا ہے اور نیک لوگوں کے درجات کی بلندی کا موجب ہوتا ہے۔ ''نَّغْفِرْ لَکُمْ خَطٰیٰکُمْ ؕ وَسَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾''

آیت نمبر ۵۹

فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَھُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمۃ الآیات

پس ظالموں نے وہ بات جو (کلمہ استغفار کی حیثیت سے) انہیں بتائی گئی تھی (کہ حطۃ کہو) تبدیل کردی (اور مذاق میں حطۃ کی بجائے حنطۃ یعنی گندم کہا) تو ہم نے اس نافرمانی کے بدلے ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا اور یہ اس لیے ہوا کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔

نکات:

☆ اس آیت اور اس سے پہلی آیت سے ملتی جلتی سورہ اعراف کی دو آیتیں ۱۶۱ اور ۱۶۲ ہیں جن میں صرف ایک دو جملوں کا فرق ہے۔ لفظ ''رجز'' عذاب طاعون اور اضطراب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

☆ خداوند کا طریقہ نزول رحمت ہے۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل کیلئے بہترین غذا من وسلویٰ نازل کیا گیا۔ لیکن ان کی کجروی کے باعث ان پر عذاب نازل ہوا۔

پیغام:

۱۔ ظلم و گناہ قانون کی تبدیلی اور تحریف کا موجب ہوتے ہیں۔ ''فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا''

۲۔ جب تک کسی کام کا خاص طریقہ کار اور اس کی روش بیان نہ ہو اس وقت تک انسان کو آزادی ہے کہ اپنے نظریہ کے مطابق اسے انجام دے لیکن خاص روش اور طریقہ کار کے بیان ہو جانے کے بعد کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ ''قِيْلَ لَهُمْ''

۳۔ خدائی احکام کی تحریف کرنے والوں اور ان میں تبدیلی پیدا کرنے والوں کی سزا خدا کا قہر و غضب ہے۔ ''رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ''

۴۔ سزا اور جزا کا تعلق صرف آخرت ہی کے ساتھ نہیں بلکہ بعض سزائیں یا جزائیں اس دنیا میں بھی مل جاتی ہیں۔ ''فَاَنْزَلْنَا ۔۔۔ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ''

۵۔ اگر ہٹ دھرمی اور گمراہی انسان کی عادت بن جائے تو قہر الٰہی نازل ہو کر رہتا ہے۔ ''كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾''

آیت نمبر ۶۰

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ

فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا ؕ قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ ؕ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ اللّٰهِ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ۝۶۰

ترجمة الآيات

اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے انہیں حکم دیا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو تو ناگاہ اس سے پانی کے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ (اس طرح کہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے) ہر ایک نے اپنا (مخصوص) چشمہ پہچان لیا۔ (ہم نے کہا) اللہ کے (دیے ہوئے) رزق سے کھاؤ پیو اور زمین میں تباہ کار بن کر فساد نہ پھیلاؤ۔

نکات:

☆ شاید بارہ کے عدد میں کوئی راز پوشیدہ ہے کیونکہ سال کے مہینے بارہ ہیں، بنی اسرائیل کے نقیبوں کی تعداد بارہ تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی تعداد بارہ تھی، اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی تعداد بھی بارہ ہے۔

☆ آیت مجیدہ میں کلمہ ''مُفۡسِدِيۡنَ۝۶۰'' کے ساتھ ''لَا تَعۡثَوۡا'' کا کلمہ بھی آیا ہے۔ ''تَعۡثَوۡا'' کا معنی ہے زبردست قسم کا فساد۔ ان دونوں کلمات کا ایک ساتھ ذکر اس لیے ہے کہ خداوند عمداً! فساد انگیزی اور جان بوجھ کر فتنہ پروری کے رجحان کی بیخ کنی کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ غیر ارادی لغزش اور بغیر قصد کے فتنہ انگیزی قابل معافی ہوا کرتی ہے۔

پیغام:

۱۔ انبیاء لوگوں کی مادی ضروریات کو پورا کرنے کی فکر میں بھی ہوتے ہیں۔ ''اِذِ اسۡتَسۡقٰى مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ''

۲۔ ہر چیز کو، حتیٰ پینے کے پانی کو بھی خدا تعالیٰ سے طلب کریں۔ ''اسۡتَسۡقٰى''

۳۔ قوانین طبیعت، ارادہ خداوند کے تحت ہیں۔ ''اضۡرِبۡ ... فَانۡفَجَرَتۡ''

خداوند سبب ساز بھی ہے اور سبب سوز بھی۔ کبھی تو ایک ہاتھ سے مارے جانے والے عصا کے ذریعہ پانی کو خشک کر دیتا ہے اور کبھی اسی سے پانی جاری کر دیتا ہے۔

۴۔ انبیاء کی دعا مستجاب ہوا کرتی ہے۔ ''اسۡتَسۡقٰى، فَانۡفَجَرَتۡ''

۵۔ پتھر پر عصا کے مارے جانے سے پانی کا جاری ہونا ایک معجزہ ہے اور بارہ قبیلوں کے لیے بارہ چشمے ایک اور معجزہ ہے۔ ''اثْنَتَا عَشْرَةَ''

۶۔ منظم، عادلانہ اور حق کے برابر تقسیم کرنا، ملک میں امن قائم کرنے، محبت میں اضافہ کرنے کا باعث ہوتا ہے اور اختلافات کو روکنے میں معاون ہوتا ہے۔ ''قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ط''

۷۔ خدا کی نعمتوں سے استفادہ، کہیں آپ کے فساد کی راہ ہموار نہ کرے۔ ''كُلُوا ۔۔۔وَلَا تَعْثَوْا''

۸۔ فساد کو روکنے اور حق کی طرف بلانے کے لیے محبت اور خداوند کے لطف و کرم کو بنیادی عنصر قرار دیں۔ ''كُلُوا وَاشْرَبُوا ۔۔۔وَلَا تَعْثَوْا

آیت نمبر ۶۱

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ط قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ط اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ط وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ق وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب تم نے کہا: اے موسیٰ ہم (اس کے لیے) ہرگز تیار نہیں کہ ایک ہی قسم کے کھانے پر اکتفا کریں۔ اپنے خدا سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لیے زمین سے اگنے والی سبزیوں میں سے ککڑی، لہسن، مسور اور پیاز اگائے۔ موسیٰ نے کہا: کیا بہتر غذا کے

بدلے پست چیز کا انتخاب کرتے ہو؟! (اب اگر ایسا ہی ہے تو کوشش کرو اور اس بیابان سے نکل کر) کسی شہر میں داخل ہو جاؤ کیونکہ جو کچھ تم چاہتے ہو وہ تو وہیں ہے۔ ذلت اور محتاجی (کی مہر) ان پر لگا دی گئی اور وہ ایک مرتبہ پھر پروردگار عالم کے غضب میں مبتلا ہو گئے کیونکہ وہ آیات الٰہی سے کفر کرتے اور خدا کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ وہ گنہگار، سرکش اور تجاوز کرنے والے تھے۔

نکات:

☆ بنی اسرائیل بجائے اس کے کہ وہ من وسلویٰ جیسی نعمتوں کا شکرادا کرتے، اس کے برعکس زیادہ طلبی اور تنوع پسندی کی ہوس میں پڑ گئے، زمینی غذاؤں کا تقاضا کرنے لگے اور انہوں نے مثال کے طور پر سبزی، کھیرا، پیاز اور لہسن کا نام لیا۔ جناب موسیٰ ان کے اس قسم کے تقاضوں پر اظہار افسوس بھی کرتے ہیں کہ وہ بہترین اور عمدہ ترین نعمتوں کے بدلے میں عام اور سادہ چیزوں کو طلب کرتے ہیں۔ پھر جناب موسیٰ ان سے کہتے ہیں کہ اگر تم ان تمام چیزوں کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر شہر کی طرف چلو اور وہاں دشمن کے ساتھ جنگ کرو۔ ایک تو تم میں جہاد کی ہمت نہیں اور دوسرے شہر نشینی کی تمام سہولتوں کا مطالبہ کر رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ یہ لوگ اپنی تمام فضیلتوں کے باوجود ذلت وخواری میں مبتلا ہو گئے اور خداوند کے قہر وغضب میں جکڑ دیے گئے۔ کیونکہ تنوع پسندی اور زیادہ طلبی، انسانوں کو قید کر دینے کے شیطانی حربے ہیں۔ سامراجی طاقتیں بھی اسی عوامی خواہشات، روٹی، کپڑا، مکان، اچھی سواری اور عیش وعشرت کے وسائل کے حصول کی خواہش سے فائدہ اٹھاتی ہیں اور لوگوں کو اپنے دام اسیری میں جکڑ لیتی ہیں۔

پیغام:

۱۔ شکم پرستی اور آرام طلبی انسان کے زوال اور پستی کے عوامل ہیں۔ ''لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ۔۔۔اِهۡبِطُوۡا''

۲۔ عیش وعشرت میں کھو جانا، ذلت وخواری کا سبب ہے۔ ''لَنۡ نَّصۡبِرَ۔۔۔ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ۔۔۔''

۳۔ گفتگو میں بے ادبی انسان کے سرکش ہونے کی علامت ہے۔ یعنی وہ ''لَنۡ نَّصۡبِرَ'' (ہرگز صبر نہ کریں گے) کی بجائے کہہ سکتے تھے کہ ایک ہی جیسی غذا ہمارے لیے بوجھل ہو گئی ہے۔ یا ''فَادۡعُ لَنَا رَبَّكَ'' (اپنے رب سے دعا کر) کی بجائے کہہ سکتے تھے کہ ''فادع لنا ربنا'' (یعنی ہمارے لیے ہمارے رب سے دعا کریں۔)

۴۔ بنی اسرائیل ایسی قوم ہے جس میں توقعات بھی زیادہ پائی جاتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ کی طلب بھی۔ ''فَادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُخۡرِجۡ لَنَا''

۵۔ چھوٹی چھوٹی خواہشات کو زبان پر لانا، حرص ولالچ اور حقارت کی نشانی ہے۔ ''بَقۡلِ، قِثَّآءِ، فُوۡمِ، وَعَدَسِ

وَبَصَلِ ''

۶۔ جو کچھ خدا تعالیٰ چاہتا ہے اس پر راضی ہونا اور اس پر صبر کرنا۔ اس میں انسان کی بھلائی اور سچی وحقیقی کامیابی کی ضمانت موجود ہے۔ ''اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ---''

۷۔ شہرنشینی اور ہر قسم کی سہولیات کا مہیا ہونا کسی معاشرے کے ترقی یافتہ ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ بعض اوقات زوال اور پستی کا موجب بھی ہوتا ہے۔ ''اِهْبِطُوْا مِصْرًا ''

۸۔ خطرناک کام منحرف اور خطرناک سوچ کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ''یَكْفُرُوْنَ، یَقْتُلُوْنَ ''

۹۔ انبیاء کی تاریخ راہ خدا میں شہادت سے وابستہ چلی آ رہی ہے۔ ''یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ ''

۱۰۔ سرکشی اور مسلسل گناہ کا ارتکاب کفر کا سبب ہے جبکہ کفر ہر قسم کے جرائم کے ارتکاب کا باعث ہے۔ ''یَكْفُرُوْنَ، عَصَوْا ''

۱۱۔ ذلت اور بدبختی کسی خاص قوم اور نسل سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ یہ انسان کی اپنی خصوصیات، عقائد اور اعمال سے تعلق رکھتی ہے۔ ''ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ''

آیت نمبر ۶۲

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

ترجمة الآيات

جو لوگ (پیغمبر اسلامؐ پر) ایمان لے آئے ہیں اور یہود و نصاریٰ اور صائبین میں سے جو بھی خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیے تو ان کے لیے ان کے پروردگار کے ہاں جزا اور اجر ہے اور ان کو نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ ہی وہ محزون ہوں گے۔

نکات:

☆ تفسیر نمونہ میں بہ نقل تفسیر "جامع البیان" اس کی شان نزول یوں ذکر کی گئی ہے: سلمان فارسی نے حضرت رسولخداؐ کی خدمت اقدس میں عرض کی "میرے دوست جو اہل ایمان اور نمازی تھے، لیکن وہ آپؐ سرکار کی زیارت نہیں کر سکے تاکہ آپؐ پر ایمان لا سکتے۔ تو قیامت کے دن ان کی کیا حالت ہوگی؟

وہاں پر موجود افراد میں سے ایک نے کہا: وہ سب جہنمی ہیں! مگر اسی موقع پر یہ آیت آ گئی: گذشتہ ادیان کے پیروکار اگر اپنے زمانے کے مطابق فرائض واحکام الٰہی پر عمل پیرا ہو چکے ہیں، تو انہیں اجر ملے گا۔ البتہ یہ آیت یہودیت اور عیسائیت پر باقی رہنے کے لیے بہانہ اور دستاویز قرار نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ:

ایک تو قرآن نے "یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ" کہہ کر خود انہیں اسلام کی دعوت دی ہے۔

دوسرے انہیں تنبیہ کی ہے کہ اگر جان بوجھ کر اسلام کے علاوہ کسی اور دین کے پیچھے گئے تو وہ قابل قبول نہ ہوگا۔ (آل عمران۔ ۸۵)

☆ "الَّذِيْنَ هَادُوْا" سے مراد یہودی ہیں۔ ان کا یہ نام یا یہودیوں کی توبہ کے اظہار کی وجہ سے ہے کہ جیسے "اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَيْكَ" (اعراف۔ ۱۵۶) یا پھر حضرت یعقوبؑ کے بیٹے جناب یہود کے نام سے منسوب ہیں۔

☆ "نصاریٰ" سے مراد عیسائی ہیں۔ ان کا یہ نام شاید اس لیے ہے کہ جب حضرت عیسیٰ نے پوچھا: مَنْ اَنْصَارِيْٓ، کون ہے میرا مددگار؟ تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا: نَحْنُ اَنْصَارُ، (صف۔ ۱۴)۔ یا پھر ان کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ وہ علاقہ ناصریہ جو کہ جناب عیسیٰ کی جائے پیدائش تھا، وہاں رہائش پذیر تھے۔

"صّٰبِــِٕیْنَ" انہیں کہا جاتا ہے جو خود کو جناب یحییٰ کے پیروکار جانتے تھے۔ یہ لوگ ستاروں کے بارے میں قائل ہیں کہ ان کے پاس تدبیر کرنے کا اختیار موجود ہے۔ اس گروہ کا نام سورہ بقرہ، مائدہ اور حج میں یہود، نصاریٰ، مجوسی اور مشرکوں کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ (بقرہ۔ ۶۲؛ مائدہ۔ ۶۹؛ حج۔ ۱۷) یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ صّٰبِــِٕیْنَ ان چار گروہوں سے علاوہ ایک گروہ کے طور پر موجود تھے۔ اس گروہ کے افراد اور اس آئین و دین کے پیروکاروں کو بھی دیگر اہل کتاب کی طرح اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔

یہ لوگ اپنے خاص اعتقادات کی وجہ سے، بہت کم پیروکار رکھتے ہیں اور ان کے ہاں اپنے دین کی تبلیغ کا رواج نہیں ہے۔ زیادہ تر ندی نالوں اور دریاؤں کے کناروں پر رہائش پذیر ہوتے ہیں۔ گوشہ گیر اور عام معاشرے سے کٹ کر رہتے ہیں۔ ان کے ہاں کئی ایک غسل پائے جاتے ہیں جو کہ گرمیوں سردیوں میں کسی بہتے ہوئے پانی میں انجام دینا ضروری ہیں۔ آج بھی اس گروہ کے تقریباً پانچ ہزار افراد صوبہ خوزستان ایران کی ندی "کارون" کے کنارے زندگی گذار رہے ہیں۔ اسی صوبہ کے

دوسرے شہروں میں بھی کچھ مختصر تعداد میں ایسے لوگ موجود ہیں ۔ اسی طرح عراق میں نہر دجلہ کے کنارے بھی تقریباً آٹھ ہزار لوگ اسی گروہ کے ہیں جو وہاں رہائش پذیر ہیں ۔ دجلہ کے قریبی شہروں میں بھی اس گروہ کے کچھ مختصر افراد رہتے ہیں ۔

پیغام:

۱۔ تمام آسمانی ادیان کے کچھ مشترک اصول ہیں: الف ۔ توحید، ب ۔ معاد، ج ۔ نیک اعمال کی انجام دہی ۔ ''اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا''

۲۔ توحید کے بعد سب سے اہم اصول، معاد یعنی قیامت ہے ۔ ''اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ''

۳۔ دوسرے ادیان کے ماننے والے، خواہ اسلام سے پہلے یا اسلام کے بعد، اسلام سے بے خبری کی بنیاد پر، اگر اپنے دین پر ایمان رکھتے ہوں اور نیک اعمال انجام دیتے ہوں، اسلام سے بے خبر رہنے میں ان کا کوئی قصور نہ ہو تو وہ اہل نجات میں سے ہیں ۔ ''مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ۔۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ۔۔۔''

۴۔ انسان صرف خداوند پر ایمان، آخرت کی امید اور نیک اعمال کی انجام دہی کی وجہ سے سکون پاتا ہے ۔ ''لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ''

۵۔ انسان کی خوشبختی اور عزت، اس کے ایمان اور نیک اعمال کی وجہ سے ہے ۔ اس کے ظاہری ناموں مسلمان، یہودی، عیسائی یا صابئی کی وجہ سے نہیں ہے ۔ ''مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ۔۔۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ۔۔۔''

آیت نمبر ۶۳

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا اور کوہ طور کو تمہارے سروں پر مسلط کر دیا اور (تم سے کہا) جو کچھ (آیات و احکام خداوندی کی صورت میں) ہم نے تمہیں دیا اسے مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو ۔ (اور اس پر عمل کرو ۔) تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ ۔

نکات:

☆ کوہ طور کے اپنی جگہ سے اٹھنے اور یہودیوں کے سروں پر مسلط ہوجانے کا ماجرا سورہ بقرہ۔ ۹۳؛ نساء۔ ۱۵۴ اور اعراف۔ ۱۷۱ میں بھی بیان ہوا ہے۔ جس عہد کا ذکر اس آیت میں ہے اس سے مراد شاید وہی عہد ہو جو سورہ بقرہ۔ ۴۰۔ ۸۲ اور سورہ مائدہ۔ ۱۲ میں مذکور ہے۔

پیغام:

۱۔ وعدہ لینا، عمل کرنے پر ابھارنے اور عمل کی ترغیب کیلئے مفید ہوتا ہے۔ ''اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ''

۲۔ خداوند تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجنے سے اور غیر معمولی معجزات دیکھا کر لوگوں پر اپنی حجت تمام کردی ہے۔ ''وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ ؕ''

۳۔ مغرور وضدی افراد کو کنٹرول کرنے اور سزا دینے کیلئے خوف دلانا اور تنبیہ کرنا بھی ایک تربیتی انداز ہے۔ ''وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ ؕ''

۴۔ انقلابی نتائج (فرعون کے ہاتھوں سے نجات، غلامی کے بندھن سے رہائی وغیرہ) کی حفاظت طاقت اور سختی کے ساتھ ضروری ہے۔ ''وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ ؕ''

۵۔ اللہ تعالیٰ کی آیات پر عمل اور اس کے احکام کے حصول کے لیے قدرت، طاقت، پختگی رائے، عشق ومحبت اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہے۔ اس میں ہنسی، مذاق، شک اور ظاہری آن بان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ''خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ''

۶۔ دینی معارف کو تدریس، تبلیغ اور بار بار کے ذکر سے لوگوں کے ذہنوں میں زندہ رکھنا چاہیے۔ ''اذْکُرُوْا مَا فِیْهِ''

۷۔ آیات الٰہی کی یاد آوری اور اس میں غور وفکر، حصول تقویٰ کا باعث ہے۔ ''اذْکُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۞۶۳''

آیت نمبر ۶۴

ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَکُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۞۶۴

ترجمۃ الآیات

(کوہ طور تمہارے سروں پر تنبیہ کی غرض سے مسلط کر دیا گیا اور اس طرح سے ہم نے تم سے

عہد و پیمان لیا) اس کے بعد پھر تم نے روگردانی کی اور اگر خدا کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والے ہوتے۔

پیغام:

۱۔ غافل انسان بڑی سے بڑی دھمکی کو بھی فراموش کر دیتا ہے۔ ''ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ''

۲۔ ناامید نہ ہو جاؤ کیونکہ خدا تعالیٰ خلاف ورزی کرنے والوں کے ساتھ بھی فضل و رحمت سے پیش آتا ہے۔ ''فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

۳۔ خسارے سے نجات صرف خدا تعالیٰ کے فضل و رحمت کے سایہ میں ہے۔ ''فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾ ''

آیت نمبر ۶۵

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۵﴾

ترجمۃ الآیات

تم ضرور ان لوگوں کی حالت کو جانتے ہو (جو تم میں سے تھے اور) جنہوں نے ہفتہ کے دن کے بارے میں نافرمانی کی (کہ تعطیل کرنے کی بجائے کام میں لگے رہے) پس ہم نے (ان کی نافرمانی کی وجہ سے) انہیں حکم دیا کہ دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ۔

نکات:

☆ تورات کے احکام میں سے ایک یہ تھا کہ ہفتہ کے دن چھٹی کی جائے۔ لیکن حرص و لالچ کی خصلت نے بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کو بہانوں اور تسلیوں کے ساتھ اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ کام کریں۔ (جس کی وجہ ہم بعد میں بیان کریں گے۔) لہٰذا وہ لوگ ہفتہ کے دن بھی کام کیا کرتے تھے۔

بنابریں خدا تعالیٰ نے ان بہانہ باز افراد کو مکروہ بندروں میں بدل دیا تا کہ دوسروں کیلئے باعث عبرت ہو۔ یہ واقعہ اس

آیت کے علاوہ سورہ اعراف کی آیات ۱۶۳ تا ۱۶۶ میں بھی بیان ہوا ہے۔ چہروں کا مسخ ہو جانا خدا کے عذاب میں سے ایک اور الٰہی قہر کا تحقق اور اظہار ہے۔ عیسائیوں میں سے بھی بعض نے آسمانی مائدہ (کھانے) نازل ہونے کے بعد جب کفر اختیار کر لیا تو وہ بھی بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کر دیے گئے تھے۔ ''وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ'' (مائدہ۔ ۶۰)

☆ ''سبت'' کا مطلب کاٹنا اور کسی کام سے ہاتھ روکنا ہے۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں خواب کے بارے میں ہے کہ ''وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا'' (نباء۔ ۹) اس لیے ہفتہ کا دن یہودیوں کیلئے چھٹی کا دن ہے اور اسے یوم السبت کہتے ہیں۔

☆ ''خٰسِئِيْنَ'' کا کلمہ ''خساء'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے۔ ''دھتکارنا'' یہ لفظ ابتدا میں کتے کے بھگانے کے لیے استعمال ہوتا تھا مگر بعد میں عام طور پر استعمال ہونے لگا۔ آیت میں ''قردۃ خاسئۃ'' کی بجائے ''خاسئین'' استعمال ہوا ہے کہ جو جمع مذکر عاقل کی صفت ہے۔ شاید یہ استعمال اس لیے ہے کہ ان کے جسم تو بندروں کی شکل اختیار کر گئے مگر روح اور عقل انسانی رہی۔ کیونکہ اس صورت میں عذاب میں شدت کا پہلو پایا جائے گا۔

ہر چند کہ ''مراغی'' جیسے کچھ مفسرین بندروں کی صورت میں تبدیلی کو ایک تشبیہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آیت بھی ''كَمَثَلِ الْحِمَارِ'' یا ''كَالْاَنْعَامِ'' کی مثل ہے۔ یعنی یہ تبدیلی معنوی طور پر مسخ ہونے کی خبر دیتی ہے نہ کہ ظاہری صورت میں مسخ ہونے کو ظاہر کرتی ہے۔ لیکن تفسیر ''اطیب البیان'' میں حضرت رسولخدا سے ایک روایت نقل ہوئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: خداوند عالم نے تاریخ میں سات سو امتوں کے چہرے ان کے کفر کی وجہ سے تبدیل کیے ہیں۔ اور وہ تیرہ قسم کے جانوروں میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ (اطیب البیان، منقول از بحار الانوار، ج ۱۴، ص ۷۸۷)

☆ جیسا کہ ہم روایات میں پڑھتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کی روحانی کیفیتوں کے پیش نظر ان میں سے بڑی تعداد کی شکلیں مسخ ہو جائیں گی۔ ان میں دس طرح کے لوگ ہونگے۔ مثلاً

الف۔ افواہیں پھیلانے والے بندروں کی صورت میں ہونگے۔

ب۔ حرام کھانے والے سوروں کی شکل میں ہونگے۔

ج۔ سود کھانے والے الٹے لٹکے ہونگے۔

د۔ ناحق فیصلہ کرنے والے اندھے ہونگے۔

ھ۔ مغرور اور خود غرض لوگ گونگے اور بہرے ہونگے۔

و۔ بے عمل عالم اپنی زبانیں چبا رہے ہونگے۔

ز۔ ہمسائے کو ستانے والے کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہونگے۔

ح۔ چغل خور آگ کے ستونوں سے لٹکے ہونگے۔

ط۔ عیش پرست مردار سے زیادہ بدبودار ہونگے۔

ی۔ مستکبرین آتش جہنم کا لباس پہنے ہونگے۔

(اس حدیث کو تفسیر مجمع البیان، تفسیر نور الثقلین اور تفسیر صافی میں سورہ نباء کی آیت ۱۸ کے ذیل میں درج کیا گیا ہے۔)

پیغام:

۱۔ تاریخی معلومات سے درس عبرت حاصل کریں۔ ''وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ''

۲۔ جو خدا کے حکم کو منسوخ کرتا ہے وہ درحقیقت خود کو مسخ کر دیتا ہے۔ دین کے چہرے میں تبدیلی اور تحریف درحقیقت انسانیت کے چہرہ میں تبدیلی اور تحریف ہوتی ہے۔ ''اعۡتَدَوۡا ۔۔۔ کُوۡنُوۡا قِرَدَۃً''

۳۔ جہانِ طبیعت میں ایک موجود سے دوسرے موجود میں تبدیل ہو جانا ممکن ہے۔ ''کُوۡنُوۡا قِرَدَۃً''

۴۔ حیوانات بھی رحمت خداوندی سے دور نہیں ہیں لیکن انسان کا حیوان میں تبدیل ہو جانا خدا کے قہر و غضب اور دھتکار کی علامت ہے۔ ''کُوۡنُوۡا قِرَدَۃً خٰسِئِیۡنَ ﴿۶۵﴾''

آیت نمبر ۶۶

فَجَعَلۡنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهَا وَمَا خَلۡفَهَا وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۶۶﴾

ہم نے عذاب کے اس واقعہ کو اس زمانے کے لوگوں کے لیے اور بعد میں آنے والوں کے لیے درس عبرت قرار دیا اور پرہیزگاروں کے لیے اسے نصیحت بنایا ہے۔

نکات:

☆ ''نکال'' اس عذاب کو کہتے ہیں جس کا اثر ظاہر بظاہر اور باقی رہنے والا ہو۔ ''فَجَعَلۡنٰهَا'' میں ''ھا'' کی ضمیر اس سزا کی طرف لوٹ رہی ہے جو اس سے پہلی آیت میں بیان ہوئی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: اس آیت میں کلمہ ''لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهَا'' مذکور ہے جس سے مراد عذاب اور بلاؤں کے نازل ہونے کے وقت موجود لوگ ہیں۔ ''وَمَا خَلۡفَهَا'' کے کلمہ سے مراد اس کے بعد کی امتیں ہیں جن میں ہم مسلمان بھی شامل ہیں۔

پیغام:

۱۔ گذشتہ لوگوں کی شکست اور فتوحات آئندہ والوں کے لیے سبق ہونی چاہئیں۔ ''نَكَالًا ۔۔۔ مَا خَلۡفَهَا''

۲۔ نصیحت حاصل کرنا اور درس عبرت سیکھنے کیلئے تقویٰ کا عنصر ضروری ہے۔ ''وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ''

آیت نمبر ٦٧

وَإِذۡ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوۡمِهِۦٓ إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُكُمۡ أَن تَذۡبَحُواْ بَقَرَةٗۖ قَالُوٓاْ أَتَتَّخِذُنَا هُزُوٗاۖ قَالَ أَعُوذُ بِٱللَّهِ أَنۡ أَكُونَ مِنَ ٱلۡجَٰهِلِينَ ٦٧

ترجمۃ الآیات

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: خداوند تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ (قاتل کی پہچان کیلئے) ایک گائے ذبح کرو، تو انہوں نے کہا: کیا تم ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہو؟ (موسیٰ نے) جواب دیا: میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔

نکات:

☆ اس سورت کو اسی داستان کی مناسبت سے سورہ بقرہ کہا جاتا ہے۔ گائے کے ذبح کرنے کا ماجرا تورات کے سفر تثنیہ کی فصل ۲۱ میں ایک قضیہ کے فیصلے کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نامعلوم طور پر قتل ہو جاتا ہے، اس کے قاتل کا کسی طرح پتہ نہیں چلتا، بنی اسرائیل کے درمیان جھگڑا اور نزاع شروع ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے لوگوں اور دوسرے قبیلے کو ذمہ دار گردانتا ہے اور اپنے تئیں بری الذمہ قرار دیتا ہے۔

لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس موقعہ پر مشکل کشائی کی درخواست کرتے ہیں۔ چونکہ عام اور معروف طریقوں سے اس قضیہ کا فیصلہ ممکن نہ تھا لہٰذا آپ بذریعہ اعجاز اس مشکل کو حل کرتے ہیں۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: خداوند تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے کو ذبح کرو اور اس کے بدن کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم سے مس کرو تا کہ وہ زندہ ہو جائے اور اپنے قاتل کا نام ونشان بتائے۔ یہ جواب سن کر وہ لوگ جناب موسیٰ سے کہنے لگے کہ کیا تم ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہو؟ جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ جاہلوں میں سے ہو جاؤں کیونکہ مذاق اور مسخرہ بازی جاہلوں کا کام ہے۔

☆ قرآن وروایات میں جہل، بے عقلی کے معنی میں ہے، لاعلمی کے معنی میں نہیں ہے۔ اس لیے کلمہ ''جہل'' کلمہ ''عقل

’’ کے متضاد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ’’علم‘‘ کے متضاد کے طور پر استعمال نہیں ہوتا۔ کیونکہ دوسروں کو مسخرہ کرنا بے عقلی کی علامت ہے اس لیے جناب موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے ہیں۔

پیغام:

۱۔ اگر فرمان الٰہی ہمارے سلیقہ اور ذہن سے مطابقت نہ رکھتا ہو اور ہم اس میں پوشیدہ راز کو نہ سمجھ سکیں تو ہمیں اس کا انکار نہیں کر دینا چاہیے۔ ’’اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ ۔۔۔ اَتَتَّخِذُنَا ہُزُوًا ؕ‘‘

۲۔ جناب موسیٰ، گائے ذبح کرنے کا حکم پروردگار کی طرف سے سناتے ہیں کہ لوگ ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے سر تسلیم خم کر دیں۔ لیکن وہ پھر بھی بہانہ جوئی سے باز نہ آئے۔ ’’اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ‘‘

۳۔ خدا چاہے تو وہ دو مُردہ جسموں کے ایک دوسرے سے مس ہونے کے ذریعے ایک کو زندہ کر سکتا ہے۔ ’’تَذۡبَحُوۡا بَقَرَۃً ؕ‘‘

۴۔ گائے کے ذبح کرنے میں اس کا تقدس ختم ہو جاتا ہے، گائے کے مقدس ہونے کی نفی ہو جاتی ہے۔ بالکل جناب ابراہیمؑ کی بت شکنی کی طرح اور سامری کی بنائی ہوئی طلائی گائے کو آگ لگانے کی مانند۔ ’’تَذۡبَحُوۡا بَقَرَۃً ؕ‘‘

۵۔ پیغمبروں پر لوگوں کے ایمان کے درجے کو اس طرح جانچا جا سکتا ہے کہ پیغمبر خدا ان کو احکام الٰہی پہنچائیں اور وہ ان کے بارے میں اپنے ردعمل کا اظہار کریں۔ ’’اَتَتَّخِذُنَا ہُزُوًا ؕ‘‘

۶۔ طلب توبہ اور خدا کی پناہ میں جانا، خود کو ہر طرح سے محفوظ کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ انبیا کی عصمت اور ان کا گناہوں سے دور رہنا خدا تعالیٰ سے طلب توبہ کرتے رہنے اور اسی طرح کے اعمال سے ہے۔ ’’اَعُوۡذُ ۔۔۔‘‘

۷۔ مذاق اڑانا، جاہل اور بے عقل لوگوں کا کام ہے۔ ’’اَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ‘‘

۸۔ جہالت اور بے عقلی، ایسا خطرہ ہے جس سے اولیائے الٰہی خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔ ’’اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ اَنۡ اَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ‘‘

۹۔ ایک ہی واقعہ میں خدا تعالیٰ نے توحید یعنی خدا کی قدرت نمائی، نبوت یعنی موسیٰ کی صداقت اور معاد یعنی روز قیامت مردوں کے دوبارہ ہونے کو ثابت کر دیا ہے۔

آیت نمبر ۶۸

قَالُوا ادۡعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنۡ لَّنَا مَا ہِیَ ؕ قَالَ اِنَّہٗ یَقُوۡلُ اِنَّہَا بَقَرَۃٌ

لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۞۶۸

ترجمة الآيات

ان لوگوں نے کہا: تم اپنے خدا سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لیے واضح کرے کہ یہ گائے کیسی ہو؟ (موسیٰ نے) کہا: خداوند عالم فرماتا ہے کہ ایسی گائے ہو کہ جو نہ بوڑھی ہو اور نہ بے کار ہو، نہ ہی بالکل جوان ہو بلکہ وہ درمیانی حالت کی ہو۔ جو حکم تمہیں مل چکا ہے اس پر (جس قدر ہو سکے جلدی) عمل کرو۔

نکات:

☆ جب بنی اسرائیل کو علم ہو گیا کہ بات پکی ہے اور مذاق نہیں ہے تو وہ بہانے بنانے لگے اور بعض مفسرین کے بقول اس بات کا احتمال بھی ہے کہ شاید اس قسم کے حیلے بہانے اصلی قاتل کی طرف سے لوگوں کے اذہان کو منتشر کرنے کیلئے دیے جا رہے تھے کہ مبادا وہ رسوا ہو جائے۔ (تفسیر کبیر، فخر رازی)

بہر حال قوم کی طرف سے سوال کرنے کے انداز ان کے ہٹ دھرم ہونے پر دلیل ہے۔ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ان کے باطن سے پردہ ہٹایا گیا ہے۔

پیغام:

۱۔ سوال مؤدبانہ انداز میں ہونا چاہیے۔ آیت میں ''لَنَا'' (ہمارے لیے) کا کلمہ دو مرتبہ استعمال ہوا ہے اور ''ربنا'' یعنی ہمارے رب کی بجائے ''رَبَّكَ'' یعنی تیرا رب، کا کلمہ ان کے متکبرانہ مزاج کی عکاسی کر رہا ہے۔ ''ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا''

۲۔ احکام الٰہی کی فوراً تعمیل ہونی چاہیے۔ لیت و لعل اور شک و تردید سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ''فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۞۶۸''

آیت نمبر ۶۹

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ إِنَّهٗ يَقُوْلُ إِنَّهَا

بَقَرَةٌ صَفۡرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوۡنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيۡنَ ﴿۶۹﴾

ترجمۃ الآیات

انہوں نے (موسیٰ سے) کہا: اپنے پروردگار سے ہمارے لیے چاہو کہ وہ ہم پر اس (گائے) کا رنگ واضح کر دے کہ اس کا رنگ کیسا ہے؟ (جناب موسیٰ) نے کہا: بے شک خداوند فرماتا ہے: ایک جیسے زرد رنگ کی گائے ہونی چاہیے کہ جو دیکھنے والوں کو مسرور اور شادکام کر دے۔

نکات:

☆ باوجودیکہ گائے کے ذبح کا حکم دومرتبہ صادر ہو چکا تھا مگر پھر بھی وہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ حکم پر عمل درآمد ہو۔ شاید بعض لوگ قاتل کو پہچان چکے تھے لیکن وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس کا لوگوں کو پتہ چل جائے۔ اسی لیے ہٹ دھرمی اور حیلہ سازیوں سے کام لیتے ہوئے مختلف قسم کے سوال کرتے لگے۔ حتیٰ کہ انہوں نے گائے کے رنگ کا سوال بھی کر ڈالا۔ خداوند عالم نے ان کے جواب میں فرمایا: گائے پختہ اور خالص زرد رنگ کی ہونی چاہیے جسے دیکھ کر دیکھنے والے خوش ہو جائیں یعنی وہ خاص قسم کی خوش اندامی، صحت وسلامتی اور رنگ وزیبائی کی حامل ہو۔ دراصل تو وہ بہانوں کی تلاش میں تھے، کبھی اس کی عمر کے بارے میں سوال کرتے اور کبھی اس کے رنگ کے بارے میں پوچھتے تھے، اگر ان کے پاس وزن کرنے کا کوئی ذریعہ ہوتا تو یقیناً گائے کے وزن کے بارے میں بھی سوال کرتے۔

☆ بے جا اور بے موقع ومحل سوالات نہ کیا کرو جیسا کہ ہم سورہ مائدہ۔۱۰۱ میں پڑھتے ہیں: ''لَا تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡ اَشۡيَآءَ اِنۡ تُبۡدَ لَـكُمۡ تَسُؤۡكُمۡ ۚ'' یعنی ایسی چیز کے بارے میں سوال نہ کیا کرو کہ اگر ان کا جواب دیا جائے تو تمہیں برا لگے۔

ایک روز حضرت رسولخداؐ حج کی اہمیت اور اس کی ضرورت کے سلسلے میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک خطبہ کے دوران ہی ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا یہ حکم ہر سال کے لیے ہے؟ پیغمبر اکرمؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے دوبارہ سوال کیا تو حضورؐ ناراض ہوئے اور فرمایا: ''کیوں اصرار کر رہے ہو؟'' اگر میں ''ہاں'' کہہ دوں تو تمہارے لیے مشکل ہو جائے گا۔ جب تم نے دیکھ لیا کہ میں خاموش ہو گیا ہوں تو پھر اصرار کی کیا ضرورت تھی؟''

پھر فرمایا: ''گذشتہ اقوام کی ہلاکت کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ بے جا سوال کیا کرتے تھے۔'' (تفسیر نمونہ، ج۵، ص۹۶)

حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

''وسکت لکم عن اشیاء ولم یدعھا نسیانا فلا تتکلفوھا''

یعنی خداوند عالم نے تمہارے لیے بعض مسائل سے خاموشی برتی ہے اور یہ خاموشی اس وجہ سے نہیں کہ وہ بھول گیا ہے بلکہ اس لیے ہے کہ تم لوگ میدان عمل میں آزاد رہو، لہٰذا بے جا سوال کرنے کا تکلف نہ کرو۔ (نہج البلاغہ، شرح ابن ابی الحدید، حکمت ١٠٢، ج ١٨، ص ١٠٢)

پیغام:

١۔ زرد رنگ کے بارے میں روایات میں بہت ذکر ملتا ہے، دین نے بھی اس بارے میں سفارش کی ہے۔ ''فَاقِعٌ لَّوۡنُهَا''

٢۔ انسانی طبیعت پر رنگ کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ ''لَّوۡنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيۡنَ ﴿٦٩﴾''

آیت نمبر ٧٠

قَالُوا ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنۡ لَّنَا مَا هِىَ ۙ اِنَّ الۡبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيۡنَا ؕ وَاِنَّآ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهۡتَدُوۡنَ ﴿٧٠﴾

ترجمۃ الآیات

(ایک مرتبہ پھر جناب موسیٰ سے) انہوں نے کہا: اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ ہمارے لیے واضح کرے کہ آخر وہ گائے کیسی ہونی چاہیے کیونکہ یہ گائے ہمارے لیے مبہم ہوگئی ہے، اگر خدا نے چاہا تو (تمہاری توضیحات کے ساتھ) ہم ہدایت پا جائیں گے۔

نکات:

☆ ہر کام میں اعتدال کی اہمیت ہے۔ بعض اوقات لوگ ایک عام سی نشانی کو دیکھ کر یقین پیدا کر لیتے ہیں اور کچھ لوگ واضح بیان ''اَنۡ تَذۡبَحُوۡا بَقَرَةً ؕ'' کے ہوتے ہوئے بھی وسوسوں کا شکار ہوجاتے ہیں، لہٰذا واضح اور صریح بیان میں وسوسوں کا شکار نہیں ہوجانا چاہیے۔

☆ پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: بنی اسرائیل ایک سادہ گائے کو ذبح کرنے پر مامور ہوئے تھے لیکن انہوں نے اسے مشکل بنا دیا اور بہانے بنانا شروع کردیے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کردی۔ (تفسیر نور الثقلین، ج ١، ص ٨٩)

پیغام:

۱۔مسلسل فرعی اور غیر اہم سوالات کی طرف توجہ انسان کو بنیادی اور اصلی مسائل کی طرف پوری توجہ کرنے سے روک دیتی ہے۔''اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ ''

۲۔ہٹ دھرمی والا رویہ، انسان پر حق کو مشتبہ بنا دیتا ہے۔''اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ ''

۳۔بعض سوالات ایسے ہیں جن سے تحقیق اور علم مقصود نہیں ہوتا۔جن کا مقصد ہٹ دھرمی، ضد اور ٹال مٹول ہوتا ہے۔
''يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ ''

۴۔الٰہی راہبر وسیع و کشادہ سینہ رکھتے ہیں، کبھی بھی جسارت کو اپنی طرف نہیں آنے دیتے۔(کلمہ ''رَبَّكَ'' بجائے ''رَبَّنَا'' ایک جسارت تھی، جس کا کئی بار تکرار کیا گیا۔لیکن جناب موسیٰ اس بات کو اپنے رخ پر نہ لائے۔)

آیت نمبر ۷۱

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

ترجمۃ الآیات

(جناب موسیٰ) نے فرمایا: خدا فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہونی چاہیے جو زمین میں ہل چلانے کے لیے نہ سدھائی گئی ہو، نہ ہی کھیتی سینچے، ہر عیب سے دور اور ایک ہی رنگ کی ہو۔حتیٰ کہ اس میں کوئی دوسرا رنگ بھی نہ ہو۔انہوں نے کہا اب تم نے (ہمارے لیے) ٹھیک ٹھیک بیان کیا۔پھر انہوں نے (ایسی گائے تلاش کی) اور اسے ذبح کیا، حالانکہ وہ مائل نہ تھے کہ اس کام کو انجام دیں۔

نکات:

☆''ذَلُوْلٌ'' کا معنی ہے ''سدھایا ہوا'' اور ''تُثِيْرُ'' ''اثارۃ'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے ''ہل چلانا''۔مُسَلَّمَةٌ

کا معنی ہے ہر قسم کے جسمانی نقائص وعیب سے صحیح وسالم ہونا۔لَّا شِيَةَ کا معنی ہے ایک قسم کا رنگ۔''شِيَةَ'' کا کلمہ''وشی'' سے لیا گیا ہے، جس کا معنی ہے''خال''یا''دھبہ''۔''لَّا شِيَةَ'' کا معنی ہوگا کہ اس کے رنگ میں نہ کوئی خال ہو اور نہ دھبہ ہو۔

☆ یہود اپنے پیغمبر کی نسبت بے ادب تھے۔جبکہ وہ خود بہانے اور فرار کے راستے تلاش کر رہے تھے۔لیکن جب فرمان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے تو جناب موسیٰ سے کہنے لگے''الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ''اب حق کہا۔گویا اس سے پہلے وہ باطل باتیں کرتے رہے۔

پیغام:

ا۔کسی منصوبہ بندی پر عمل درآمد کے لیے فعال پیداواری اور اقتصادی منابع اور عناصر کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔''لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي''

۲۔جس چیز کو راہ خدا میں خرچ کیا جائے تو بہتر ہے کہ وہ صحیح وسالم ہونی چاہیے۔''مُسَلَّمَةٌ''لطف کی بات یہ ہے کہ عید قربان کے دن خانہ خدا کے زائرین (حجاج کرام) سے بھی کہا گیا ہے کہ ان کی قربانی کا جانور ہر عیب سے بری ہونا چاہیے۔

۳۔غرور اور ہوس انسان کو اس حد تک لے جاتے ہیں کہ جہاں کوئی کام اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہو تو وہ اسے حق کا نام دیتا ہے۔''جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ''

آیت نمبر ۷۲

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا اور پھر اس (کے قاتل) کے بارے میں تم میں پھوٹ پڑ گئی اور خدا نے اسے آشکار کر دیا جسے تم چھپا رہے تھے۔

نکات:

قتل کا واقعہ اور گائے کو ذبح کرنے کا حکم، گذشتہ آیات میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔لیکن اس آیت میں واقعہ کا

خلاصہ ذکر کیا جا رہا ہے تا کہ ایک دفعہ پھر انہیں آگاہ کر دیا جائے کہ جس بات کو تم لوگ چھپا رہے تھے، خدا تعالیٰ نے گائے کو ذبح کرنے، اس کے ٹکڑے کو مقتول کے بدن کے ساتھ مس کرنے، مقتول کا زندہ ہو کر اپنے قاتل کی پہچان کروانے سے، سارے سلسلے کو افشا کر دیا اور تمہاری خلاف ورزیوں سے پردہ اٹھا دیا۔

☆ پیغمبر اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں: اگر انسان پتھروں کے پیچھے چھپ کر کوئی عمل انجام دے، ایسی جگہ جہاں ذرا سی بھی درز نہ ہو، تب بھی خدا تعالیٰ اس عمل کو لوگوں کیلئے ظاہر کر سکتا ہے۔ (تفسیر در المنثور)

☆ ہم روایات میں پڑھتے ہیں کہ وہ سال بھر کی گائے، بیان شدہ خصوصیات کی حامل، صرف ایک لڑکے کے پاس موجود تھی، اس کیلئے یہ معاملہ انتہائی نفع بخش تھا لیکن کیونکہ اس جگہ کی چابی اس کے والد کے سرہانے رکھی تھی اور لڑکا نہیں چاہتا تھا کہ والد کو بیدار کرے۔ اس لیے لڑکے نے معاملے سے انکار کر دیا۔

خدا تعالیٰ نے بیٹے کی باپ کیلئے اس خدمت کے بدلے میں بنی اسرائیل کے بہانوں کا یوں جواب دیا کہ اس لڑکے کی گائے پر بات آ کر ٹھہری۔ تا کہ وہ لڑکا اس گائے کو اور بھی زیادہ قیمت پر فروخت کر سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: انظروا الی البر ما یبلغ باھلہ ''دیکھو اس نیکی کو، کہ کس طرح اپنے گھر والوں کے ساتھ کر رہا ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ جو دوسروں کے گناہوں پر راضی ہو وہ اس گناہ میں شریک ہوتا ہے اور گناہ کی نسبت اسے بھی دی جاتی ہے۔ پیغمبر کے زمانے کے یہودیوں پر خدا تعالیٰ نے قتل کی نسبت دی۔ گویا وہ زمان موسیٰ میں ہونے والے اس قتل پر راضی تھے۔ ''وَاِذْ قَتَلْتُمْ''

۲۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنی ذات سے کسی تہمت کو دور کرنے کے لیے اس کی نسبت دوسروں کی طرف دے دیتا ہے اور یہ اس کا آخری حربہ ہوتا ہے۔ لیکن وہ اس بات سے غافل ہوتا ہے کہ اگر خدا چاہے تو ایک مردے کو دوسرے مردے کے ساتھ مس کرنے سے تمام راز فاش کر سکتا ہے۔ مسائل کو روشن اور مجرموں کے چہرے سے نقاب پلٹ سکتا ہے۔ ''وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴿۷۲﴾''

آیت نمبر ۷۳

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴿۷۳﴾

ترجمۃ الآیات

پھر ہم نے کہا: گائے (کے گوشت) کا ایک ٹکڑا مقتول (کے بدن) مارو (تا کہ وہ زندہ ہو اور اپنے قاتل کے بارے میں بتائے) اللہ تعالٰی اسی طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمھیں اپنی آیات دکھاتا ہے شاید کہ تم سمجھ سکو۔

پیغام:

۱۔ لوگوں کا اطمینان اور اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گائے کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کے بدن سے بذات خود نہیں لگایا تھا بلکہ دوسروں سے کہا کہ آپ خود یہ کام کرو۔ ''اضْرِبُوْهُ''

۲۔ یہ آیت ایک نمونہ ہے اس بات کا کہ خداوند عالم مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ دنیا میں ''رجعت'' کے عنوان سے اور قیامت میں سزا اور جزا کے لیے زندہ کرے گا۔ ''كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى''

۳۔ قدرت الٰہی کی نشانیوں کو دیکھنا انسانوں کے ہمیشہ عقل سے کام لینے کے لیے ہے، وقتی طور پر متعجب ہونے کی خاطر نہیں۔ ''لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝۷۳''

۴۔ اگر انسان کی فکر و روح آلودہ ہو تو الٰہی نشانیوں کو دیکھنے اور ان میں غور و فکر کرنے سے بھی بیداری نہیں آتی۔ (کیونکہ تعقل کا لفظ لعل کے ہمراہ استعمال ہوا ہے۔) ''لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝۷۳''

آیت نمبر ۷۴

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝۷۴

ترجمۃ الآیات

پھر تمہارے دل اس (ماجرا) کے بعد سخت ہو گئے کہ جیسے پتھر یا اس سے بھی زیادہ سخت کیونکہ کچھ پتھر ایسے بھی ہیں جو شگافتہ ہو جاتے ہیں اور ان سے نہریں بہنے لگ جاتی ہیں۔ بعض ایسے ہیں جن میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں اور ان میں سے پانی کے قطرات ٹپکتے ہیں۔ ان میں سے بعض پتھر خوف خدا سے (پہاڑ کی بلندی) سے نیچے گرتے ہیں۔ (لیکن تمہارے دلوں پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا) اور خدا تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

نکات:

☆ گذشتہ آیات میں خداوند کے بہت سے الطاف اور معجزات کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً فرعون کے چنگل سے آزادی، دریا کا شگافتہ ہونا، گوسالہ پرستی سے توبہ کی قبولیت، بہترین غذاؤں کا نازل ہونا، بادلوں کا سائبان بنا، معصوم کی قیادت ۔۔ وغیرہ پھر آخر میں ایک انسانی قتل کا ماجرا بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کیونکر ایک اعجاز آمیز طریقے سے اس کا قاتل پکڑا گیا۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ فرمارہا ہے کہ اس قدر آیات و معجزات دیکھ چکنے کے باوجود بھی بے توجہی، ضد، ہٹ دھرمی اور کینے کی وجہ سے تمہارے دل سخت ہو گئے ہیں۔ تم سنگدل بن چکے ہو بلکہ تمہارے دل تو پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں۔

☆ پتھروں کے مختلف مرحلے ہوتے ہیں:

الف: ٹوٹ جاتے ہیں، ان سے نہریں جاری ہوتی ہیں اور انسان کو سیراب کرتی ہیں۔ ''يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ ''

ب: ان میں فوارہ تو نہیں نکلتا لیکن کم از کم خود کو اور اپنے اطراف کو تر کرتے ہیں۔ ''يَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ ''

ج: خشیت الٰہی کی وجہ سے گر جاتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔ ''يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ ''

پیغام:

۱۔ قساوت اور سنگدلی ایک ایسی روحانی بیماری ہے جو انسان کے اندر اس کی مسلسل ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر وجود میں آتی ہے۔ ''ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ''

۲۔ آیات الٰہی اور الطاف الٰہی کو دیکھنے سے ضدی اور ہٹ دھرم افراد کے اندر ایمان مضبوط ہونے کی بجائے، قساوت اور سنگدلی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ''قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ''

جیسا کہ قرآن مومنین کیلئے مایہ رحمت اور شفا ہے، ظالمین کیلئے خسارت اور نقصان کا باعث ہے۔ (اسراء۔ ۸۲)

باران کہ در لطافت طبعش ، خلاف نیست

در باغ ، لالہ روید و در شورہ زار ، خس

بارش کی لطافت طبع میں کسی کو اختلاف نہیں، باغ میں برسے تو گل لالہ اگتے ہیں اور اگر شورہ زار زمین پر برسے تو خس و خاشاک کے سوا کچھ نہیں اگتا۔

۳۔ ایسا کام نہ کریں جس کی وجہ سے ہماری آئندہ کی نسل شرمسار ہو۔ اس آیت کے مطابق گذشتگان سنگدل ہو گئے تھے لیکن خدا تعالیٰ ان کی نسل سے فرماتا ہے: ''قَسَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ '' تم لوگوں کے دل سخت ہو گئے ہیں۔

۴۔ صرف علم، نورانیت کا باعث نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اس قدر زیادہ معجزات کو دیکھنے کے باوجود سنگدل ہو گئے تھے ''قَسَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ''

۵۔ قساوت قلبی، سنگدلی کے بھی مرحلے ہیں۔ ''کَالۡحِجَارَۃِ اَوۡ اَشَدُّ قَسۡوَۃً ؕ''

۶۔ سادہ ترین تشبیہ اور مثال کے ساتھ انتہائی گہرے مطالب کو بیان کیا جا سکتا ہے۔ ''کَالۡحِجَارَۃِ''

۷۔ کسی پر کی گئی تنقید کے ساتھ دلیل بھی ہونی چاہیے۔ یہ جو قرآن نے فرمایا ہے کہ کچھ کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں تو اس کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ جیسے پانی کا پتھر کے پاس سے گذرتے رہنے سے اس میں دڑاڑیں پڑ جاتی ہیں۔ ''وَ اِنَّ مِنَ الۡحِجَارَۃِ لَمَا یَتَفَجَّرُ ...''

۸۔ جمادات میں بھی شعور کا ایک مرحلہ پایا جاتا ہے کہ وہ خدا کے خوف کو درک کرتے ہیں اور اپنی طرف سے اس کے ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ ''وَ اِنَّ مِنۡہَا لَمَا یَہۡبِطُ مِنۡ خَشۡیَۃِ اللّٰہِ ؕ''

خشیت صرف علم کی وجہ سے ہوتی ہے، کسی اور وجہ سے نہیں۔ ''اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ''(فاطر۔۲۸)

اس سلسلے میں مولانا رومی کہتے ہیں:

جملہ ی ذرات پیدا و نھان
با تو می گویند روزان و شبان
ما سمیعیم و بصیریم و ھُشیم
با شما نا محرمان ما خامُشیم
نطق آب و نطق خاک و نطق گل
ہست محسوس حواس اہل دل

کائنات کا ایک ایک ظاہری اور باطنی ذرہ شب و روز تم سے کہہ رہا ہے کہ ہم سنتے بھی ہیں، دیکھتے بھی ہیں اور ہوش و شعور بھی رکھتے ہیں۔ لیکن تم نامحرم لوگوں کو ہم خاموش نظر آتے ہیں۔ چنانچہ پانی کی بولی، مٹی کی گفتار اور پھول کا کلام، اہل باطن

ہی کے لیے قابل سماعت ہے۔

۹۔قساوت قلبی کی دوائی، صرف خداوند کے علم کی طرف توجہ کرنا ہے۔''كَالْحِجَارَةِ ۔ ۔ ۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ''

۱۰۔دل کی سختی، ہمارے کردار میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔''قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ ۔ ۔ ۔ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۷۴﴾''

۱۱۔خدا تعالیٰ ہمارے تمام افعال سے آگاہ ہے۔''اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۷۴﴾''

آیت نمبر ۷۵

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴿۷۵﴾

ترجمۃ الآیات

(پس اے مومنوں) کیا تم یہ توقع رکھتے ہو کہ وہ (سخت دل یہودی) تم پر (یعنی تمہارے دین پر) ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کلام خدا کو سنتا تھا اور سمجھنے کے بعد اس میں تحریف کر دیتا تھا جبکہ وہ لوگ (حق کے بارے میں) علم و اطلاع بھی رکھتے تھے۔

پیغام:

۱۔لوگوں کے ایمان لانے کا انتظار کرنا اچھی بات ہے لیکن سب لوگ ایمان لانے کی توفیق حاصل نہیں کر پاتے۔آپ بھی اس بات کی توقع نہ رکھیں۔''اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا''

۲۔ضدی اور خطرناک دانشوروں کی موجودگی میں، معاشرے کی اصلاح کی امید کرنا بیکار ہے۔''اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ ۔ ۔ ۔''

۳۔تنقید کرتے وقت انصاف کا لحاظ کریں۔سارے یہودی تحریف کرنے والوں میں سے نہ تھے۔''فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ''

۴۔حق کی پہچان ہونا، حق کو قبول کرنے سے سوا ہے۔کچھ لوگ حق کو جانتے ہیں لیکن اس کا اقرار کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔''يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ''

۵۔وہ تحریف زیادہ خطرناک ہے جو ماہرانہ اور آگاہانہ ہو۔''يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ''

۶۔وہ جاہل جس کا اس کی جہالت میں اپنا قصور ہے،تنبیہ اور دھمکی اس کے لیے ہیں۔بے خبر جاہل کیلئے ایسا نہیں ہے۔'' مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ ''

۷۔تحریف، علما اور دانشوروں کا گناہ ہوتا ہے۔'' يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ۝۷۵ ''

آیت نمبر ۷۶

وَإِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَإِذَا خَلَا بَعۡضُهُمۡ إِلٰى بَعۡضٍ قَالُوۡۤا اَتُحَدِّثُوۡنَهُمۡ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ لِيُحَآجُّوۡكُمۡ بِهٖ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ۝۷۶

ترجمة الآيات

اور (سب یہودی) جب مومنین سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں،لیکن جب علیحدگی میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو (ان میں سے بعض دوسروں پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں خدا نے جو مطالب (پیغمبر اسلامؐ کے صفات) تمہارے لیے (تورات میں) واضح کیے گئے ہیں تم انہیں مسلمانوں کے سامنے کیوں بیان کرتے ہو؟ کیا اس لیے کہ (قیامت کے دن) وہ بارگاہ خداوندی میں تمہارے خلاف ان سے استدلال کریں؟ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟

نکات:

☆ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ایک روایت کے مطابق: یہودیوں میں سے کچھ مخلص لوگ، جب مسلمانوں کو دیکھتے تو ان سے کہتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نشانیاں اور ان کے اوصاف ہماری تورات میں موجود ہیں اور ہم بھی انہیں مانتے ہیں لیکن یہی لوگ جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو سرزنش کرتے کہ تم محمدؐ کے اوصاف اور نشانیاں مسلمانوں کو کیوں بتاتے ہو؟ اگر تم انہیں تورات میں موجود باتوں کی خبر دو گے تو قیامت کے دن تمہارے خلاف انہی سے استدلال کریں گے۔(تفسیر مجمع البیان)

پیغام:

۱۔ انسان کو جب حقیقت کا علم ہو جائے تو اسے اس کی پیروی کر لینی چاہیے اور دوسرے لوگوں کے دباؤ اور دھمکیوں یا ان کے مرتبہ ومقام کے خوف سے حقیقت کو پس پشت نہیں ڈالنا چاہیے۔ ''قَالُوۡۤا اَتُحَدِّثُوۡنَہُمۡ بِمَا ...'' اے کاش! ان دنوں اگر یہودی علما، حق بات نہ چھپاتے تو آج اتنے یہودی وعیسائی نہ ہوتے۔

۲۔ کچھ گمراہ لوگوں کی نگاہ میں نفاق، حقیقت کا چھپانا، اپنے منصب کو بچانا اور بے جا تعصب، عقل مندی کی علامت اور عاقلانہ فعل ہوتا ہے۔ جبکہ یہ بات خلاف عقل ہے۔ ''اَتُحَدِّثُوۡنَہُمۡ ... اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ﴿۷۶﴾''

آیت نمبر ۷۷

اَوَلَا یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ وَمَا یُعۡلِنُوۡنَ﴿۷۷﴾

ترجمۃ الآیات

کیا وہ نہیں جانتے کہ خداوند اندرونی اور بیرونی اسرار سے واقف ہے۔

پیغام:

۱۔ خداوند کے موجود ہونے اور اس کے علم پر ایمان، انسان کو برائیوں سے روکتا ہے۔ ''اَوَلَا یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ ...''

۲۔ خداوند تعالیٰ کے نزدیک آشکار اور پنہان سب برابر ہے۔ ''مَا یُسِرُّوۡنَ وَمَا یُعۡلِنُوۡنَ﴿۷۷﴾''

آیت نمبر ۷۸

وَمِنۡہُمۡ اُمِّیُّوۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ الۡکِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِیَّ وَاِنۡ ہُمۡ اِلَّا یَظُنُّوۡنَ﴿۷۸﴾

ترجمة الآیات

اوران میں بعض ان پڑھ (یہودی) ایسے ہیں جو کتاب خدا کو چند خیالات اور آرزوؤں کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتے اور ان کے پاس خیال وگمان کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

نکات:

☆اس آیت میں بنی اسرائیل کے ایک اور گروہ کا تعارف کرایا جارہا ہے کہ وہ لوگ مذکورہ یہودیوں کے علاوہ ہیں۔ اول الذکر گروہ میں تو صاحبان علم و دانش تھے، تورات میں موجود پیغمبر اسلامؐ کے اوصاف و علامات سے باخبر تھے مگر حقیقت کو چھپاتے تھے۔ اس آیت میں ان لوگوں کی بات ہورہی ہے جو آسمانی کتاب سے بالکل ناواقف ہیں اور اپنے خیالات اور آرزوؤں کے ہجوم میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کے خیالات اور آرزوئیں یہ تھیں کہ یہودی ایک اعلیٰ ترین نسل کے لوگ ہیں نیز ہم خدا کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں۔ پس ہم جہنم میں نہیں جائیں گے۔ اگر گئے بھی اور سزا بھی ملی تو وہ صرف چند دنوں کے لیے ہوگی۔

(اس کا نمونہ سورہ نساء۔ ۸۰و۱۲۰؛ سورہ بقرہ۔ ۱۰۹؛ نیز سورہ مائدہ۔ ۲۱ میں اس قسم کی آرزو اور خواہشات کا ذکر ہوا ہے۔)

پیغام:

۱۔ اپنے زمانے میں اپنے معاشرہ میں موجود ذرائع شناخت، افکار، اور لوگوں میں رائج عقائد سے آگاہی ہونی چاہیے۔ ''وَمِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ''

۲۔ کتاب اور معلم ہونے کے باوجود لاعلم ہونا اور ان پڑھ ہونا ایک عیب ہے۔ کتاب حق تک رسائی کیلئے ہر کوئی کوشش کرے تاکہ ہم پر تنقید نہ کی جاسکے۔ ''وَمِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ''

۳۔ لاعلمی اور ان پڑھ ہونا، بے جا آرزو اور غلط خیالات کی راہ ہموار کرتا ہے۔ ''وَمِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِىَّ''

۴۔ توقعات علم پر مبنی ہونی چاہئیں نہ کہ خیالات اور گمان پر۔ ''اِلَّا يَظُنُّوۡنَ﴿۷۸﴾''

۵۔ عقائد میں خیال وگمان کی پیروی ممنوع ہے۔ ''اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ﴿۷۸﴾''

آیت نمبر ۷۹

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمۃ الآیات

پس افسوس اور ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو کچھ مطالب اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے تا کہ اسے تھوڑی سی قیمت پر فروخت کر سکیں، پھر افسوس اور ہلاکت ہے ان پر اس کے بارے میں جو وہ اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور افسوس ہے ان پر اس کے باعث جو وہ کماتے ہیں۔

نکات:

☆ قرآن پاک میں یہی ایک ایسی آیت ہے جس میں لفظ ''وَيْلٌ'' تین بار استعمال ہوا ہے، اس میں دنیا پرست علما اور دانشوروں کے ہاتھوں پیدا ہونے والے خطرات کو بیان کیا گیا ہے۔

پیغام:

۱۔ دین سازی، پوری تاریخ میں سب سے زیادہ خطرناک سلسلہ رہا ہے۔ ''يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ۔۔۔''

۲۔ بدعت، دین سازی، دین فروشی اور لوگوں کو گمراہ کرنا اور ان سے مال بٹورنا، ایسے خطرات ہیں جو بدنیت دانشمندوں کی طرف سے لوگوں کو لاحق رہتے ہیں۔ ''يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ''

۳۔ تحریف کرنے اور بدعت کی بنیاد رکھنے والے قلموں، کتابوں اور زہر آلود مقالوں سے ہوشیار رہیں اور ہر عالم پر اعتماد نہ کریں۔ ''يَكْتُبُوْنَ ۔۔۔ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ''

۴۔ لوگ فطری طور پر مذہب کے دلدادہ ہوتے ہیں، بہت سے شاطر افراد ان کی اس فطری وابستگی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور دین و مذہب کے نام پر انہیں اپنا غلط نظریہ اپنانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ''يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ''

۵۔ بدعت اور جھوٹ باندھنے کا ایک اہم عامل، دنیا حاصل کرنا ہے۔ ''ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ''

۶۔ بدترین آمدنی وہ ہے جو دین سازی اور دین فروشی کے ذریعے حاصل کی جائے۔ ''وَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ ۝۷۹''

۷۔ وہ لوگ سخت سے سخت عذاب کے مستحق ہیں جو عوام الناس کے عقائد و افکار میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔ اس کلمہ کا تکرار ہے ''وَيۡلٌ ۔۔۔ وَيۡلٌ ۔۔۔ وَيۡلٌ''

۸۔ تاریخ میں ہر وہ غلط نظریہ جس کی بنیاد بدعت پر رکھی گئی ہو، اس کا گناہ بنیاد رکھنے والے کی گردن پر ہوگا۔ پھر اس عمل کے مرتکب پر بھی بار گناہ ہوگا مگر وہ بنیاد رکھنے والا اس میں بھی شریک ہوگا۔ ''يَكۡسِبُوۡنَ'' یہ کلمہ استمرار پر دلالت کرتا ہے۔

آیت نمبر ۸۰

وَقَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً ؕ قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ عَهۡدًا فَلَنۡ يُّخۡلِفَ اللّٰهُ عَهۡدَهٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝۸۰

ترجمۃ الآیات

اور وہ (یہود) نے کہا کہ چند دنوں کے سوا (جہنم کی) آگ ہم تک ہرگز نہیں پہنچے گی۔ (تو) آپؐ (ان سے) کہہ دیجئے کہ کیا تم نے خدا سے کوئی عہد و پیمان لیا ہوا ہے (جس کے بل بوتے پر تم کہہ رہے ہو) کہ خدا ہرگز اپنے عہد و پیمان کی خلاف ورزی نہیں کرے گا؟ یا پھر خدا کی طرف ایسی بات منسوب کرتے ہیں جس کا تمہیں علم نہیں؟

نکات:

☆ یہود کے غلط عقائد میں سے یہ بھی تھا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ بالفرض اگر ہم گناہگار رہوں بھی تو یہ گناہ دوسروں سے بہت کم ہوگا اور ہم سوائے چند دنوں کے آتش جہنم کا عذاب نہیں دیکھیں گے کیونکہ ہم دوسروں سے برتر ہیں۔ چنانچہ خداوند نے اس آیت کے ذریعے ان کے مذکورہ غلط عقیدہ پر خط بطلان کھینچ دیا ہے۔

پیغام:

۱۔ دوسروں سے خود کو ممتاز سمجھنا، یہودیوں کی خصوصیات میں سے ہے۔ ''وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا''

۲۔ غلط افکار اور ناروا بیانات کو جواب دیے بغیر نہیں چھوڑ دینا چاہیے۔ ''وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ''

۳۔ تفوق طلبی، نسل پرستی اور عمل کے بغیر امید رکھنا منع ہے۔ ''وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ ۔۔۔ اَمْ تَقُوْلُوْنَ''

۴۔ قانون کے سامنے سب برابر ہیں۔ خداوند نے کسی خاص قوم سے نجات کا کوئی وعدہ نہیں کیا۔ ''قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا''

۵۔ معارف دینی سے لاعلمی باعث بنتی ہے کہ انسان دین کے ساتھ خرافات کو نسبت دے۔ ''اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰''

آیت نمبر ۸۱

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۱

ترجمۃ الآیات

ہاں! جو لوگ گناہ کمائیں اور گناہ کے اثرات ان کے سارے جسم پر محیط ہوں وہ اہل جہنم ہیں اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

نکات:

☆ بنی اسرائیل کا گمان یہ تھا کہ خدا کی طرف سے ان پر دوسروں کی نسبت بہت کم عذاب ہوگا۔ ان کے اس غلط نظریئے کے خلاف خداوند عالم فرماتا ہے: ''تمام لوگ قانون کے سامنے برابر ہیں، اگر گناہوں کے اثرات کسی شخص کو اس طرح اپنے احاطہ میں لے لیں کہ اس کے لیے توبہ اور خدا کی طرف بازگشت کی گنجائش باقی نہ رہے تو وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔

پیغام:

۱۔ خیالات واوہام کا ڈٹ کر اور دوٹوک انداز میں مقابلہ کرنا چاہیے۔ ’’ بَلٰی مَنۡ ‘‘

۲۔ سزا و جزا انسان کی آرزو و خواہش کے مطابق نہیں بلکہ اس کے عمل کی بنیاد پر ہوگی۔ ’’ بَلٰی مَنۡ كَسَبَ ‘‘

۳۔ ان گناہوں کی سزا ملے گی جو جان بوجھ کر کیے جائیں اور ارادے و اختیار سے انجام دیے جائیں، اپنی جہالت اور کسی کے دباؤ یا مجبور کرنے کی وجہ سے نہ کیے جائیں۔ ’’ كَسَبَ ‘‘

۴۔ گناہگار کسی نفع اور فائدہ ہی کو پیش نظر رکھ کر گناہ کرتا ہے۔ ’’ كَسَبَ سَيِّئَةً ‘‘

۵۔ ہر گناہ کے اثرات، نتائج اور شعاعیں ہوتی ہیں جن میں انسان غرق ہوسکتا ہے۔ ’’ اَحَاطَتۡ ‘‘

آیت نمبر ۸۲

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیے وہ اہل بہشت ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

پیغام:

۱۔ ڈرائے جانے کے ہمراہ خوشخبری بھی ضروری ہے۔ پہلے والی آیت میں گناہگاروں کے کیفر کردار کے بارے میں بتایا گیا۔ اس آیت میں نیکی کرنے والوں کی جزا کے بارے میں بیان کیا جا رہا ہے۔ ’’ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ‌ۚ ‘‘

۲۔ ایمان، عمل سے الگ نہیں ہے۔ ’’ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا ‘‘

۳۔ بہشت کا معیار ایمان اور عمل ہے۔ خیالات اور آرزوئیں نہیں ہیں۔ ’’ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا ... اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ‌ۚ ‘‘

۴۔ صرف ایک صالح عمل کافی نہیں بلکہ تمام نیک نیتی کے ساتھ اعمال صالحہ انجام دینا ضروری ہے۔ ''عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' الصالحات جمع ہے اور الف ولام کے ساتھ آیا ہے۔ لہٰذا اس میں ہر نیک کام کا حکم موجود ہے۔

آیت نمبر ۸۳

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰہَ ۟ وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَقُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا وَّاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّیۡتُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡکُمۡ وَاَنۡتُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۸۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا کہ خدائے واحد کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کروگے اور والدین، قریبیوں، یتیموں اور بے نواؤں کے ساتھ نیکی کا سلوک کروگے اور لوگوں سے نیکی کی بات کروگے، نماز قائم کروگے اور زکوٰۃ ادا کروگے (باوجودیکہ تم نے وعدہ کیا تھا) تم میں سے تھوڑے لوگوں کے علاوہ باقی سب نے اس سے سرکشی کی اور روگردان ہو گئے۔

نکات:

☆ نیکی کے باب میں احسان ایک جامع اور وسیع ترین کلمہ ہے، والدین کے فقر کی حالت میں مادی احسان اور انکی تونگری کی حالت میں روحانی احسان ہے۔ جیسا کہ یتیم کے ساتھ احسان میں ادب سکھانا، حقوق کی حفاظت کرنا، محبت، شفقت اور تعلیم بھی شامل ہے۔

☆ تمام ادیان میں ایک جیسے اصول ہیں کیونکہ یہ تمام آداب اسلام میں بھی پائے جاتے ہیں۔

پیغام:

۱۔ خداوند نے عقل، فطرت اور انبیا کے ذریعے لوگوں سے عہد و پیمان لیا ہے۔ ''اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَ''

۲۔ توحید، مکتب انبیا کا سرنامہ ہے۔ اس کے بعد تمام نیک کام آتے ہیں۔ ''لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا''

۳۔ اہمیت کے پیش نظر توحید کے ساتھ احسان بہ والدین کا ذکر کیا گیا ہے۔ ''لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا''

۴۔ والدین کی عزت و احترام میں فرق کا قائل ہونا یا کسی ایک کی طرف زیادہ جھکاؤ ہونا ممنوع ہے۔ ''وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا''

۵۔ پہلے اپنے قریبی ضرورت مند افراد کی دادرسی کریں پھر دوسروں کی رسیدگی کریں ''ذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى ---'' قریبی اور رشتہ داروں کے مابین بھی ترجیح اور اولویت بندی کا حق محفوظ ہے۔ ''وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ'' (انفال۔۷۵)

۶۔ احسان، ادب کے ساتھ اور بغیر جتائے ہونا چاہیے۔ احسان کے ساتھ ''قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا'' کا ذکر آیا ہے۔

۷۔ اگرچہ ساری دنیا کے لوگوں کے ساتھ احسان نہیں کیا جاسکتا تاہم میٹھے بول سب کے ساتھ بولے جاسکتے ہیں۔ ''قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا''

۸۔ اچھا رویہ اور اچھی بات، صرف مسلمانوں سے ہی نہیں بلکہ ہر ایک کے ساتھ ضروری ہے۔ ''وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا''

۹۔ ضرورت مندوں اور یتامیٰ کو زکوٰۃ کی ادائیگی کے علاوہ ان کے ساتھ احسان و نیکی ضروری ہے۔ آیت میں زکوٰۃ کا ذکر بھی ہے اور مساکین کے ساتھ احسان کرنے کا بھی ذکر موجود ہے۔ ''اِحْسَانًا ... وَالْمَسٰكِيْنِ ... وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ''

۱۰۔ نماز اور خدا سے رابطہ، زکوٰۃ کی ادائیگی اور فقراء سے رابطے سے الگ نہیں ہے۔ ''وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ''

۱۱۔ نماز اور زکوٰۃ دوسرے ادیان میں بھی ہے۔ ''وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ''

۱۲۔ توحید پر اعتقاد، والدین، یتامیٰ اور مساکین کے ساتھ احسان، اس کے علاوہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم، لوگوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنا اور نماز کو قائم کرنا، اسلام کی وسعت اور جامعیت کی علامت ہے۔

۱۳۔ حقوق کی ادائیگی میں درجے اور مرحلے ہیں۔ پہلے خدا تعالیٰ کا حق ہے، پھر والدین، پھر رشتہ داروں کا حق ہے۔ پھر وہ یتیم جن کو محبت کی کمی ہے اور پھر مسکین ہیں جو معاشی حوالے سے کمزور ہیں۔

۱۴۔ عقیدہ، اخلاق، فقہ سے متعلق تمام احکام اصل میں انسان کا خدا تعالیٰ کے ساتھ میثاق و عہد ہے۔ میثاق کی بات کے بعد توحیدی عقیدے کی بات ہے پھر والدین کے ساتھ احسان اور پھر نماز و زکوٰۃ کی بات کی گئی ہے۔

آیت نمبر ۸۴

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ
أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿۸۴﴾

ترجمة الآيات

اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ اور ایک دوسرے کو اپنی زمین سے باہر مت نکالو۔ پس تم لوگوں نے اس عہد کا اقرار کیا اور تم اس پر گواہ ہو۔

نکات:

☆ لوگوں کے خون کے احترام والا بنی اسرائیل کا میثاق، یہاں شاید اس سے مراد سورہ مائدہ کی آیت ۳۲ والا میثاق ہو۔ جس میں فرمایا کہ بنی اسرائیل کیلئے ہم نے لکھ دیا ہے کہ اگر کوئی کسی کو بغیر وجہ کے یا فساد کیلئے قتل کرے گا تو گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا ہے۔

☆ حق حیات، سب سے پہلا حق انسان کیلئے ہے اور قتل نفس گناہان کبیرہ میں سے ہے۔ جیسا کہ سورہ مائدہ کی آیت ۳۲ میں ہے کہ بے جرم و خطا کسی ایک شخص کا قتل پوری امت کا قتل ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: مقتول کے سارے گناہ قاتل کے ذمہ آجاتے ہیں۔ (میزان الحکمۃ وثواب الاعمال، ص ۳۲۸) نیز حدیث میں آیا ہے کہ اگر آسمانوں اور زمین کے رہنے والے کسی ایک مومن کے قتل میں شریک ہوں تو سب کے سب جہنم میں جائیں گے۔ (میزان الحکمۃ ووسائل، ج ۱۹، ص ۸)

☆ طاغوت کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لیے قلعے اور محلات تعمیر کرتے ہیں وہ عوام کو در بدر کرتے، اذیتیں دیتے اور ان کی توہین اور بے عزتی کرتے ہیں۔ جبکہ حکم یہ ہے کہ قرض خواہ کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ اپنے مقروض کو اس کا گھر بیچنے پر مجبور کرے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے اپنی جگہ بنالے تو کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اسے وہاں سے اٹھنے پر مجبور کرے اور خود وہاں پر نماز پڑھے۔ اسی طرح جو شخص دوسروں سے پہلے کسی جگہ کو کسی کاروبار یا عبادت یا کھیتی باڑی کے لیے منتخب کرے تو اس کا حق فائق یعنی پہلے ہے اور کسی کو یہ حق حاصل نہی کہ اسے وہاں سے بے دخل کرے اور خود قابض ہوجائے۔

☆ زمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہودیوں پر نکتہ چینی اس جملے میں ''اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ ''ان کے آباؤ اجداد کے کارناموں کی وجہ سے ہے۔اس لیے کہ جو شخص کسی فرد یا قوم کے کارناموں یا کرتوتوں پر راضی ہو خواہ وہ زمانہ ماضی سے تعلق رکھتے ہوں یا زمانہ مستقبل سے وہ ان کے ایسے امور میں شریک تصور کیا جاتا ہے۔

پیغام:

۱۔اہم کاموں کی انجام دہی سے اطمینان حاصل کرنے کے لیے درخواست یا فرمان صادر کر دینا ہی کافی نہیں ہے، میثاق یا وعدہ لینا ضروری ہے۔''اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ ''

۲۔جان اور وطن کے امن کیلئے خداوند اور تمام الٰہی ادیان کی طرف سے سفارش کی گئی ہے ۔''لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ''

۳۔وطن سے محبت ایک فطری اور طبعی حق ہے اور اس حق کا چھیننا واضح ظلم ہے ۔''وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ''

۴۔معاشرہ ایک جسد کی طرح ہے، اس معاشرے کے افراد، اُس جسد کے اعضاء ہیں ۔''دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ ''

(کلمہ ''دِمَآءَكُمْ اور اَنْفُسَكُمْ '' یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو قتل کرنا یا نکال دینا، حقیقت میں خود کو قتل کرنا یا نکال دینا ہے۔

سعدی کہتا ہے:

بنی آدم اعضای یکدیگرند
کہ در آفرینش ز یک گوہرند

یعنی سارے انسان ایک دوسرے کے جسم کا حصہ ہیں کیونکہ ان سب کی خلقت ایک ہی جوہر سے ہے۔

آیت نمبر ۸۵

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ز تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ط

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٥﴾

ترجمۃ الآیات

پھر (اس تمام عہد و پیمان کے بعد) تم ہی ہو کہ ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو، ایک گروہ کو اپنی سرزمین سے باہر نکال دیتے ہو اور اس ظلم و گناہ میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو (اور یہ سب اس عہد کی خلاف ورزی ہے جو تم نے خدا سے باندھا ہے) لیکن اگر ان میں سے بعض قیدیوں کی شکل میں تمہارے پاس آئیں تو فدیہ سے انہیں آزاد کر دیتے ہو۔ حالانکہ انہیں باہر نکالنا ہی تم پر حرام ہے۔ کیا تم آسمانی کتاب کے کچھ احکام پر ایمان لے آتے ہو اور کچھ سے کفر اختیار کرتے ہو۔ جو شخص (احکام و قوانین خدا میں تبعیض کا) یہ عمل انجام دیتا ہے، اس کے لیے اس جہان کی رسوائی اور قیامت میں سخت ترین عذاب کی طرف بازگشت کے سوا کچھ نہیں اور خدا تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

نکات:

☆ خداوند اس آیت میں بنی اسرائیل کی سرزنش کر رہا ہے کہ عہد و پیمان جو تم نے کیے تھے اس کے خلاف تم ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہو، اور ایک دوسرے کو اپنی زمین سے نکال رہے ہو۔ آپ کا فرض تھا کہ اچھے اور صحیح خاندانی روابط کی بنیاد پر اور محروم و پسے ہوئے افراد کی دیکھ بھال کرتے ہوئے ایک متحد معاشرہ تشکیل دو۔ لیکن اس کی بجائے تم گناہ کرنے، دوسروں کے حقوق کو غصب کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہو۔ جس سے معاشرے میں بدنظمی، تفرقہ اور خونریزی کو رواج پا رہا ہے۔

تمہاری حمایت کے ساتھ، ظالم حکمرانوں میں قتل اور ملک بدر کرنے کی جرأت پیدا ہوگئی ہے۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ تم تورات کے حکم سے جب ان لڑائیوں میں قیدی ہو جاتے ہو تو فدیہ دے کر، آزاد کر لیتے ہو۔ جبکہ اسی تورات کا حکم قتل اور ملک بدری کے خلاف قبول نہیں کرتے ہو۔ تم اس بات پر تیار رہتے ہو کہ ایک دوسرے کو قتل کرو۔ لیکن ایک دوسرے کے قیدی بننے پر تیار نہیں ہو۔ اگر قید توہین ہے تو قتل اس سے کہیں زیادہ برا ہے۔ اگر فدیہ دینا اور قیدیوں کو آزاد کرنا تورات کا حکم ہے تو قتل اور ملک بدری سے ممانعت بھی خدا کا حکم ہے۔ جی ہاں! تم لوگ فرمان خداوند کے تابع نہیں ہو، بلکہ جہاں آیات الٰہی کو اپنی مرضی اور سلیقے

کے مطابق پاتے ہو تو مان لیتے ہو لیکن جہاں کہیں ایسا نہ ہو تو ہرگز اسے اپنے اوپر لاگو نہیں ہونے دیتے ہو۔

☆ یہ آیت مسائل کو ملا جلا دینے کے خطرے سے آگاہ کر رہی ہے۔ بتا رہی ہے کہ کس طرح لوگ دین کے کچھ حصے کو قبول کر لیتے ہیں اور دوسرے حصے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسے مسلمان ہیں جو انفرادی احکام پر عمل کرتے ہیں لیکن اجتماعی احکام کی نسبت غیر جانبدار رہیں اور انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ایسے افراد کو دنیا میں ذلت وخواری کا انتظار کریں اور قیامت میں عذاب کے منتظر رہیں۔ جو لوگ نماز روزہ کے احکام الٰہی کا لحاظ رکھتے ہیں وہ حاکم اور حکومت کے حالات وواقعات میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے اور اپنے فرائض کی کچھ پروا نہیں کرتے۔

پیغام:

۱۔ قرآن مجید دوسروں کے قتل کرنے کو اپنا ہی قتل قرار دیتا ہے۔ گویا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ ''دیگر کشی خودکشی'' ہے اور ایک معاشرہ کے افراد ایک ہی پیکر کے مختلف اعضا ہیں۔ ''تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ''

۲۔ گناہ اور دوسروں کے حقوق پر قبضہ کرنے میں کسی کی مدد کرنا منع ہے۔ ''تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ''

(ایک حدیث میں ہے: ''اگر کوئی کسی ظالم کے ساتھ اس ظلم وستم میں تعاون کرے گا تو وہ جہنم میں فرعون کے وزیر ''ہامان'' کا ہم نشین ہوگا۔'' ایک اور حدیث میں آیا ہے: ''حتیٰ کہ ظالم کے لیے قلم دوات تیار کرنا بھی جائز نہیں۔'' نیز امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ایک بزرگ مسلمان سے فرمایا: ''ہارون الرشید کے ارکان سلطنت کو اپنے اونٹ کرایہ پر دینا بھی جائز نہیں خواہ وہ سفر حج کے لیے ہی کیوں نہ ہوں۔ ''تفسیر اطیب البیان'')

۳۔ ایمان کی علامت احکام خدا پر عمل کرنا ہے۔ اگر کوئی دین کے دستور پر عمل نہ کرے تو گویا وہ ایمان نہیں رکھتا۔ ''اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ'' کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو۔

قرآن پاک اس بات پر اعتراض کرنے کی بجائے کہ بعض احکام پر کیوں عمل کرتے ہو اور بعض پر عمل نہیں کرتے، قرآن پاک فرماتا ہے کہ تم کیوں کچھ حصے پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ حصے کا انکار کرتے ہو؟

۴۔ حقیقی ایمان کی نشانی یہ ہے کہ ایسے احکام پر بھی عمل کیا جائے جو انسان کی مرضی اور سلیقے کے خلاف ہوں۔ ورنہ ایسے احکام پر عمل کرنے سے جو انسان کی مرضی کے عین مطابق ہوں، ایمان کی حقانیت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ ''تَقْتُلُوْنَ، تُفٰدُوْهُمْ'' (ایک دوسرے کو قتل کرنے میں تم تورات سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اور قیدیوں کی رہائی کے بارے میں تورات سے راہنمائی حاصل کرنے میں اہل ایمان ہو جاتے ہو۔)

۵۔ بعض آیات کا انکار اصل میں ساری آیات کا انکار ہے۔ اس لیے وہ لوگ جو بعض آیات کا انکار کرتے ہیں ان کیلئے دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب کی نوید ہے۔ ''خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ''

آیت نمبر ۸۶

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٨٦﴾

ترجمۃ الآیات

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کے بدلے آخرت کو بیچ دیا ہے لہٰذا ان کی سزا میں تخفیف نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔

نکات:

☆ یہ آیت ان تمام پیمان شکنیوں، قتل نفوس اور بعض آیات پر عمل نہ کرنے کی سزا کو بیان کر رہی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ دنیوی زندگی کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور صرف ان قوانین کی پابندی کرتے ہیں جو ان کے مفاد میں ہوتے ہیں اور ہر وہ قانون جو ان کے دنیوی مفادات کے خلاف جاتا ہے یہ اس کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ لہٰذا ان رفاہ طلب دنیا پرستوں کے عذاب اور سزا میں تخفیف نہیں کی جائے گی اور یہ جو ان کا خیال خام یا بے جا دعویٰ ہے کہ ''ہمیں عذاب نہیں ہوگا یا اگر ہوگا بھی تو چند دن سے زیادہ نہیں ہوگا'' اس کے برعکس وہ بھی دوسرے مجرموں کی طرح اپنے کیے کی سزا پائیں گے اور کوئی ان کی مدد کرنے والا بھی نہیں ہوگا۔

پیغام:

۱۔ انسان آزاد ہے اور اسے انتخاب کا پورا حق حاصل ہے، وہ تمام آیات جن میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان نے دنیا کو خرید لیا اور آخرت کو بیچ ڈالا یا ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی وغیرہ سب اس بات کی دلیل ہیں کہ انسان کو انتخاب کا حق اور آزادی حاصل ہے۔ یعنی انسان ہر معاملے میں غور و فکر کرتا ہے۔ ہر بات کا موازنہ کرتا ہے، اسے پرکھتا ہے اور پھر انتخاب کرتا ہے۔ ''اشْتَرَوُا''

۲۔ قانون خداوندی کے سامنے سب لوگ برابر ہیں۔ ''فَلَا يُخَفَّفُ'' پس بنی اسرائیل کا یہ نظریہ کہ وہ ایک اونچی قوم ہیں یا خدا کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں۔ یہ سب ''خیال است و محال است و جنوں'' کفر اور ہٹ دھرمی کے راستے پر چلنے والے خواہ افراد ہوں یا اقوام، خدا کا قہر و غضب کسی کو معاف نہیں کرتا۔

۳۔ دنیا کی لالچ، قتل کے اسباب میں سے ایک ہے۔ ''تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ . . . اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا''

آیت نمبر ۸۷

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴿۸۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو روشن دلیلیں عطا کیں اور ان کی روح القدس کے ذریعے تائید اور مدد کی۔ آیا جب بھی کوئی پیغمبر تمہاری نفسانی خواہشات کے خلاف آیا تو تم نے تکبر کا اظہار کیا۔ (اور اس پر ایمان لانے سے روگردانی کی اور صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ) کچھ کو جھٹلایا اور کچھ کو قتل کر دیا؟

نکات:

☆ یہ آیت بتا رہی ہے کہ بندوں کی ہدایت کے لیے خداوند عالم کے لطف و کرم کا سلسلہ جاری ہے۔ حضرت موسیٰ کے علاوہ اور انبیا مثلاً داود، سلیمان، یوشع، زکریا، اور یحیٰی بھی اس دنیا میں تشریف لائے ان کے بعد خداوند عالم نے حضرت عیسی بن مریم کو روشن دلائل دے کر بھیجا کہ جن کی روح القدس کے ذریعے تائید اور حمایت کی گئی۔ لیکن بنی اسرائیل نے تکبر اور سرکشی کی راہ کو اپنایا اور ہدایت الٰہی کو قبول کرنے کی بجائے انبیا علیہم السلام کو جھٹلانے یا انہیں قتل کرنے پر کمر باندھ لی۔

(سورہ نحل کی آیت ۱۰۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس سے مراد وہی جناب جبرائیل علیہ السلام ہیں۔)

☆ انبیا کی تاریخ کو نقل کرنا، پیغمبر اسلامؐ کیلیے اور مومنین کیلیے ایک طرح تسلی ہے تا کہ دکھوں کو برداشت کرنے کی ہمت میں اضافہ ہو جائے۔

پیغام:

۱۔تعلیم وتربیت کرنے میں چھٹی نہیں ہوتی ۔''قَفَّيْنَا ''ایک کے بعد ایک پیغمبر کو بھیجنا، پوری تاریخ میں سلسلہ ہدایت کے جاری رہنے پر دلیل ہے۔

۲۔فرشتے،اولیائے خدا کی مدد کرتے رہے ہیں۔''وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ''

۳۔انبیا کو ہرصورت (ہدایت کرنے کیلئے) عوام کے پیچھے جانا چاہیے۔''جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ''

۴۔نفسانی خواہشات،ہواوہوس،ہدایت کے ساتھ یکجانہیں ہوسکتے۔''لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ''

۵۔جوکوئی حق کے سامنے تسلیم نہ ہووہ متکبر ہے۔''لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ''

۶۔نفس کی پیروی انسان کو پیغمبر خدا کو قتل کرنے پر آمادہ کردیتی ہے۔''فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ۝۸۷''

۷۔انبیا اپنے الٰہی اہداف کی تکمیل کیلئے جان بازی بھی لگانے سے گریز نہیں کرتے۔''فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ۝۸۷''

آیت نمبر ۸۸

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ۝۸۸

ترجمۃ الآیات

وہ (پیغمبروں سے) کہتے تھے کہ ہمارے دل غلاف کے اندر ہیں (اور ہم تمہاری باتوں میں سے کچھ نہیں سمجھتے۔جی ہاں ایسا ہی ہے) خدانے ان کے کفر کی بنا پر انہیں اپنی رحمت سے دور کردیا ہے۔(اسی لیے وہ نہیں سمجھتے اور کسی چیز کا ادراک نہیں کرپاتے) اوران میں سے بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے ہیں۔

نکات:

☆ ظاہراً اپنے دور کے انبیا کی دعوت کے بدلے ہرمشرک وسرکش کا جواب اسی قسم کا توہین آمیز ہی رہا ہے۔مثلاً حضرت شعیبؑ کے جواب میں وہ کہتے تھے:''يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ''یعنی اے شعیب! ہم (تمہاری باتوں کو) نہیں سمجھتے۔(ہود۔۹۱)

سورہ فصلت ۔ ۵ میں آیا ہے کہ وہ قرآنی آیات کے بارے میں کہتے تھے ''قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّۃٍ '' یعنی ہمارے دل پردوں میں ہیں اور اس آیت میں آیا ہے کہ ''قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ '' یعنی ہمارے دل غلافوں میں ہیں ۔ ''غلف'' کا لفظ ''اغلف'' کی جمع ہے ۔ جس کا معنی ہے ''غلاف والی چیز'' ۔

پیغام:

ا ۔ بدقسمتی کے اسباب کا مہیا ہونا، خود انسان کے ہاتھ میں ہے ۔ اگر کبھی کچھ لوگوں پر خدا کی لعنت اور اس کا قہر و غضب ہوتا ہے تو یہ ان کے اپنے کفر، ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ ہی سے ہوتا ہے ۔ ''بَلۡ لَّعَنَہُمُ اللّٰہُ بِکُفۡرِہِمۡ فَقَلِیۡلًا ''

آیت نمبر ۸۹

وَلَمَّا جَآءَهُمۡ كِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ ۙ وَكَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۖۚ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ ۫ فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۸۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب خدا کی طرف سے ان کے پاس (قرآن جیسی) کتاب آئی ۔ حالانکہ وہ ان کی کتاب تورات کی تصدیق بھی کرتی ہے ۔ اور وہ اسلام کی آمد سے قبل اپنے آپ کو فتح کی خوشخبری بھی دیتے تھے (کہ آنے والے پیغمبر اور ان کے پیروکاروں کی مدد سے اپنے دشمنوں پر غلبہ پالیں گے) لیکن جب یہ (کتاب اور پیغمبر) ان کے پاس آئے جنہیں وہ پہلے سے پہچان چکے تھے تو وہ ان سے کافر ہو گئے پس خدا کی لعنت ہو کافروں پر ۔

نکات:

☆ یہ آیت یہودیوں کی ہٹ دھرمی اور ہوس پرستی کے ایک اور پہلو پر روشنی ڈال رہی ہے کہ وہ ظہور اسلام سے پہلے پیغمبر خدا کے منتظر تھے حتیٰ کہ اس ضمن میں ایک دوسرے کو فتح کی خوشخبری بھی دیا کرتے تھے کہ یہی شہر پیغمبر اسلام کی ہجرت کا مقام ہوگا ۔ اس لیے وہ پہلے سے وہاں سکونت پذیر ہو گئے اور تجارت کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلامؐ کے ظہور کا انتظار بھی کرتے رہے ۔ لیکن

پیغمبر اسلامؐ کے ظہور کے بعد ان کو تورات میں موجود تمام نشانیوں کے مطابق دیکھنے اور پہچاننے کے باوجود وہ ان کے منکرین ہو گئے۔(تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔الٰہی دین سب ایک دوسرے کی تائید اور تصدیق کرتے ہیں، ایک دوسرے کے مقابل میں کھڑے نہیں ہوجاتے۔ ''مُصَدِّقٌ''

۲۔ ہر استقبال کرنے اور خوش آمدید کہنے والے پر بھروسہ نہیں کر لینا چاہیے۔ کیونکہ یہودی اگر چہ پیغمبر اسلامؐ کے انتظار میں کئی سال پہلے سے مدینہ میں سکونت اختیار کر چکے تھے، مگر انہوں نے عمل کے موقع پر کفر کا مظاہرہ کیا۔''وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' (اپنے عشق وانتظار پر مغرور نہیں ہو جانا چاہیے۔ ممکن ہے کہ عمل کے مرحلہ میں انسان کے حالات بدل جائیں کہ آج تو دعائے ندبہ پڑھ رہے ہیں اور خدا نخواستہ کل کیا سے کیا ہو جائے؟)

۳۔حق کو جاننا اور اس کے بارے میں علم ہونا ہی کافی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ افراد، حق کو جانتے ہوں لیکن ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کافر ہو جائیں۔''فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ''

آیت نمبر ۹۰

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

ترجمۃ الآیات

انہوں نے اپنے نفسوں کو کیا ہی بری چیز کے بدلے بیچا ہے، وہ سرکشی کرتے ہوئے خدا کی نازل کردہ آیات کے منکر ہو گئے۔ (اور ان پر معترض بھی تھے) کہ کیوں خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے فضل سے اپنی آیات بھیجتا ہے۔ لہٰذا وہ خدا کے پے در پے قہر وغضب کی طرف لوٹ گئے اور کافروں کے لیے ذلیل وخوار کرنے والا عذاب ہے۔

نکات:

☆ اس آیت میں پیغمبر اسلامؐ سے یہودیوں کے کفر کی وجہ بیان کی گئی ہے۔ وہ حسد کیا کرتے تھے کہ خداوند عالم نے بنی اسرائیل میں سے کسی شخص پر کیوں وحی نازل نہیں فرمائی؟ اور یہ حسد اور کافرانہ سوچ ایک بدتر قیمت تھی جس کے بدلے میں انہوں نے اپنے نفسوں کو بیچ ڈالا۔

پیغام:

۱۔ لوگوں کے دین کا معیار، دین کے بارے میں ان کے احساسات اور جذبات ہیں۔ ''بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ۔۔ بَغْيًا''

۲۔ کبھی حسد کفر کا سامان ہو جاتا ہے۔ بنی اسرائیل کی خواہش تھی کہ پیغمبر موعود ان کی نسل سے ہوں۔ جب وہ اپنی اس آرزو میں کامیاب نہ ہوئے تو حسد کرنے لگے اور کافر ہو گئے۔ ''بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ''

۳۔ ہر پیغمبر، اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ ''مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ''

۴۔ انسان کی ناراضی خداوند عالم کے حکیمانہ لطف و کرم پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کے عظیم منصب سے کسے نوازے؟ ''مَنْ يَّشَاۗءُ''

۵۔ بدترین خرید و فروخت کی علامت یہ ہے کہ انسان اپنی شخصیت اور ہستی ایسی قیمتی متاع کو بیچ ڈالے اور اس کے بدلے کفر اور غضب الٰہی کو حاصل کرے جو بدترین قیمت ہے۔ ''بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ۔۔۔ غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۹۰''

آیت نمبر ۹۱

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَاۗءَهٗ ۤ وَھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَاۗءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۹۱

ترجمۃ الآیات

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اس پر ایمان لے آؤ تو وہ

کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اس چیز پر ایمان لائیں گے جو ہم لوگوں (کی قوم ونسل) پر نازل ہوئی اور جو اس کے علاوہ ہے اس سے کفر اختیار کر لیتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود بھی حق ہے اور اس (کتاب) کی بھی تصدیق کرتا ہے جو ان پر نازل ہوئی ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم (ان آیات پر جو تم پر نازل ہو چکی ہیں) ایمان رکھتے ہو تو پھر اس سے پہلے انبیا کو قتل کیوں کیا کرتے تھے؟

پیغام:

۱۔ پیغمبر اسلامؐ تمام امتوں کو اسلام کی دعوت دینے پر مامور تھے۔ ''قِيْلَ لَهُمْ ''

۲۔ کفار کے کفر کا ایک سبب ان کی نسل پرستی اور قومی تعصب تھا۔ ''نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ''

۳۔ ایمان لانے کا معیار، دین کی حقانیت ہے، نسل نہیں ہے۔ ''وَهُوَ الْحَقُّ ''

۴۔ قرآن پاک شروع سے آخر تک حق ہے۔ ''اَنْزَلَ اللّٰهُ۔۔۔ وَهُوَ الْحَقُّ ''

۵۔ کیونکہ پیغمبر اکرمؐ کے زمانے کے یہودی اپنے گذشتہ بڑوں کے کردار پر راضی تھے اس لیے خدا تعالیٰ نے انبیا کے قتل کی نسبت ان کے ساتھ دی ہے۔ ''فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ ''

۶۔ جھوٹا شخص ذلیل ورسوا ہے۔ ''فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ ۔۔۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٩١''

(اگر تم لوگ بنی اسرائیل کے پیغمبروں پر ایمان لائے تھے تو پھر کیوں جناب یحیٰ اور جناب زکریا کو قتل کیا، جو کہ بنی اسرائیل میں سے تھے؟

آیت نمبر ۹۲

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝٩٢

ترجمۃ الآیات

اور بے شک موسیٰ تمہارے پاس کئی معجزات لے کر آئے، پس اس کے (چلے جانے کے) بعد

تم نے بچھڑے کو معبود بنالیا اور اس عمل میں تم اپنے ستمگر تھے۔

نکات:

☆ تم نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عربی ہونے کو محض بہانہ قرار دیا اور ایمان نہیں لائے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو تمہاری ہی نسل سے تھے، وہ بڑے ہی واضح اور روشن دلائل کے ساتھ تمہارے بزرگان ماسلف کے پاس آئے۔ مگر جب وہ چند راتوں کے لیے مناجات کرنے اور کتاب لینے کی غرض سے کوہ طور پر گئے تو ان کی اس مختصر عرصے کی غیر حاضری میں تم (تمہارے بزرگوں) نے گوسالہ پرستی اختیار کر لی اور موسیٰ علیہ السلام کی تمام محنتوں اور مشقتوں پر پانی پھیر دیا، اس طرح تم لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

پیغام:

۱۔ گزشتہ مسائل کا ذکر، صحیح فیصلہ کرنے میں مددگار رہتا ہے۔ ''اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ''

۲۔ جاہلیت کی طرف بازگشت خود اپنے اوپر اور اپنی آئندہ نسلوں پر بہت بڑا ظلم ہے۔ ''وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ﴿۹۲﴾''

آیت نمبر ۹۳

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَكُمُ الطُّوۡرَؕ خُذُوۡا مَآ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ وَّاسۡمَعُوۡاؕ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَاۗ وَاُشۡرِبُوۡا فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡعِجۡلَ بِكُفۡرِهِمۡؕ قُلۡ بِئۡسَمَا يَاۡمُرُكُمۡ بِهٖۤ اِيۡمَانُكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴿۹۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے پیمان لیا اور کوہ طور کو تمہارے سروں پر بلند کیا (اور ہم نے کہا) یہ احکام وقوانین جو ہم نے تمہیں دیئے ہیں، انہیں مضبوطی سے تھامے رکھو اور سنتے رہو (اور عمل کرتے رہو) تم نے کہا ہم نے سن لیا ہے لیکن عمل نہیں کریں گے اور ان کے دل ان کے

کفر کے سبب سے گوسالہ پرستی کی محبت سے سیراب ہو چکے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو تمہارا ایمان تمہیں کیسا برا حکم دیتا ہے۔

نکات:

☆ یہودیوں کی آخری بات یہ تھی کہ اگر کوئی پیغمبر بنی اسرائیل سے نہیں ہوگا تو ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور ہم تو صرف اس کتاب پر ایمان لائیں گے جو خود ہم پر نازل ہوئی ہو۔

قرآن مجید ان کے جھوٹ کے چند نمونے بیان کرتا ہے:

۱۔ اس سے پہلے آیت میں فرمایا: اگر تم اس دعوے میں سچے ہو تو پھر تم نے حضرت موسیٰ سے منہ موڑ کر بچھڑے کی پرستش کیوں شروع کر دی؟

۲۔ دوسری مثال اسی آیت میں ہے کہ فرمایا: ہم نے تم سے پیمان لیا، کوہ طور کو تمہارے سروں پر بلند کیا اور کہا کہ پوری طاقت کے ساتھ تورات کے آسمانی قوانین کو پکڑو، انہیں کان لگا کر سنو اور عمل کرو لیکن تم نے کہا ''ہم قوانین کو سنتے تو ہیں لیکن عمل نہیں کرتے۔'' اب اگر تم قرآن اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس بہانے سے ایمان نہیں لاتے کہ محمدؐ ہم میں سے نہیں اور قرآن بنی اسرائیل پر کیوں نازل نہیں ہوا؟ تو پھر تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟

قرآن پاک ان کے عدم اعتقاد کا راز بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دل بچھڑے کی محبت سے سیراب ہو چکے ہیں اور اس نے ان کے دلوں میں تفکر اور ایمان کے لیے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔''

اگر بنی اسرائیل اپنے اس دعوے میں سچے ہیں کہ ''جو کچھ ہم پر نازل ہوگا ہم اس پر ایمان لے آئیں گے۔'' تو پھر وہ اپنے اس گناہ کی کیونکر توجیہ کریں گے جو تاریخ میں ثبت ہے؟ کیا گوسالہ پرستی، پیغمبر کشی اور پیمان شکنی ان کے ایمان کا جزو ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر تمہارا ایمان تمہیں بہت برا حکم دیتا ہے۔

پیغام:

۱۔ عہد و پیمان لینا عمل کے اسباب وعوامل میں سے ایک ہے۔ ''وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ''

۲۔ انقلاب الٰہی کے نتائج کی حفاظت ہر قیمت پر کی جانی چاہیے۔ خواہ ڈرانے دھمکانے کی ضرورت پیش آجائے تو اس پر عمل کرنا چاہیے۔ ''رَفَعۡنَا فَوۡقَكُمُ''

۳۔ خداوند کے احکام و فرامین کو انجام دینے کیلئے قدرت، لگن، عشق اور عزم مصمم کی ضرورت ہے۔ مذاق کی عادت، ظاہری رکھ رکھاؤ اور شک وغیرہ اس کام کے لیے مناسب نہیں ہیں۔ کیونکہ دین داری کمزوری، چشم پوشی اور ساز باز سے لگاؤ نہیں رکھتی۔ ''خُذُوۡا مَآ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ''

۴۔ کسی چیز کے ساتھ حد سے زیادہ عشق و محبت خطرناک ہے۔ اگر انسان کا دل کسی چیز کی محبت سے لبریز ہو جائے تو وہ حقائق کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ''وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ''
جیسا کہ مشہور مثل ہے کہ ''حب الشيء يعمى و يصم''یعنی کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے یعنی انسان اس کے عیبوں کو دیکھنے یا سننے کا روادار نہیں ہوتا۔
۵۔ کسی کا کردار اس کے عقائد و افکار کو واضح کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ''بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ''

آیت نمبر ۹۴

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴿۹۴﴾

ترجمۃ الآیات

کہہ دیجئے کہ اگر خدا کے ہاں آخرت کا گھر دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے ہی لیے مخصوص ہے تو پھر مرنے کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔

نکات:

☆ بنی اسرائیل کے بہت سے جھوٹے دعوے اور خیال پردازیاں تھیں، جن میں سے یہ تھیں کہ
❁ ہم خدا کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں۔ ''نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ''(مائدہ۔۱۸)
❁ کوئی بہشت میں داخل نہیں ہوگا مگر یہ کہ وہ یہودی ہو۔ ''لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا''(بقرہ۔۱۱۱)
❁ جہنم کی آگ ہمیں صرف چند دنوں تک کے لیے ہی چھو سکے گی اور بس۔ ''لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ''(بقرہ۔۸۰)
زیر بحث آیت میں ان کی تمام خام خیالیوں اور کج فکریوں کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے ''اگر تمہارے یہ دعوے درست ہیں اور تم ان باتوں اور دعوؤں پر ایمان رکھتے ہوتے تو موت سے کبھی نہ ڈرتے اور اس سے فرار کی راہیں تلاش نہ کرتے، لہٰذا اگر تم سچ کہتے ہو تو موت کی خواہش کرو تا کہ جنت میں جا سکو'
☆ اولیاء اللہ نہ صرف یہ کہ موت سے خوف نہیں کھاتے بلکہ وہ اس کی تمنا بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ امام علی علیہ السلام

فرماتے ہیں: و اللہ لابن ابی طالب آنس بالموت من الطفل بثدی امه'' خدا کی قسم! فرزند ابوطالب کو موت سے اس سے کہیں زیادہ انس ہے جتنا بچے کو ماں کے دودھ سے ہوتا ہے۔ (نہج البلاغہ، خ ۵)

جی ہاں! یوں زندگی گذارنی چاہیے کہ ہروقت موت کیلئے تیار رہیں۔ (موت، ایک سفر کی مانند ہے۔ گاڑی چلانے والا سفر سے صرف ان صورتوں میں گھبراتا ہے کہ اگر وہ راستہ نہ جانتا ہو، ایندھن ختم ہو جائے یا کوئی قانونی خلاف ورزی کرے۔ یا چوری کا مال لے کر جا رہا ہو، یا سفر کے اختتام پر اس کے پاس ٹھہرنے کو کوئی جگہ نہ ہو۔

جبکہ سچا مومن، راستے کو جانتا ہے ''اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ'' راستے کیلئے ایندھن کا انتظام رکھتا ہے ''عمل صالحا''۔ خلاف ورزیوں کا حساب توبہ کے ذریعے بے باک کروا چکا ہے، کوئی چوری کا مال نہیں لے کر جا رہا، یعنی مزید کوئی خلاف ورزی انجام نہیں دی۔ اپنے ٹھہرنے کی جگہ کو بھی جانتا ہے ''جنة الماوی''۔ اس لیے مومن سفر آخرت سے نہیں ڈرتا۔)

پیغام:

۱۔ خیالات واوہام کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ ''قُلْ''

۲۔ بے جا حد بندیوں، نسل پرستی اور تعصّبات کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا!! ''اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً۔۔۔''

۳۔ ضمیر، بہترین منصف ہے۔ ''اِنْ كَانَتْ ۔۔۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ''

۴۔ موت کیلئے ہروقت تیار رہنا، حقیقی اور سچے ایمان کی علامت ہے۔ ''فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾''

آیت نمبر ۹۵

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾

ترجمۃ الآیات

لیکن وہ اپنے ان (برے) اعمال کی وجہ سے جو پہلے سے بھیج چکے ہیں، مرنے کی آرزو نہیں کریں گے اور خداوند ظالموں سے پوری طرح آگاہ ہے۔

نکات:

☆ موت سے نہ ڈرنا صدق اور یقین کی علامت ہے۔ جی ہاں! جب موت سر پر آن پہنچے گی تو ہر قسم کے مذاق، تکلفات اور خیالات کافور ہو جائیں گے۔ اب صرف انسان ہوگا اور اس کے اعمال ہونگے۔ مرتے وقت انسان کو معلوم ہوگا کہ دنیوی مال و متاع کی کوئی حیثیت نہیں آخرت پائیدار اور بہتر ہے۔ آخری دم انسان کو معلوم ہوگا کہ دنیا ایک ایسا غنچہ ہے جو کسی کے لیے نہیں کھلتا اور دنیوی دوست مٹھائی پر بھنبھناتی ہوئی مکھیاں ہیں۔

انسان اگر یقین کے مرتبہ تک پہنچ چکا ہو تو وہ موت سے جتنا نزدیک ہوتا جائے گا اس کے دل میں قرب خداوندی اور دیدار الٰہی کا احساس اتنا ہی بڑھتا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام نے اپنے سر اقدس پر ابن ملجم ملعون کی تلوار کی ضربت کا احساس کیا تو فرمایا: ''فزت ورب الکعبة'' یعنی رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام جوں جوں عصر عاشور اور اپنے وقت شہادت سے نزدیک ہوتے گئے آپؑ کا چہرہ اقدس بیش از پیش گل گلاب کی مانند کھلتا چلا گیا۔ شب عاشور جب امام حسین علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے دریافت فرمایا کہ ''تم موت کو کیسا محسوس کر رہے ہو؟'' تو انہوں نے جواب میں ایسے جملے پیش کیے کہ اپنی حقانیت پر ان کے یقین کے آئینہ دار تھے اور وہ موت کو (شہد سے) زیادہ شیریں محسوس کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ اصحاب ایسے بھی تھے جو زندگی کی اس شب آخر میں ایک دوسرے سے مزاح کر رہے تھے۔

پیغام:

۱۔ موت سے خوف، اصل میں ہمارا اپنے کیفر کردار سے خوف ہے۔ ''بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ط''

۲۔ جھوٹے دعویدار اور بے جا امیدیں وابستہ کرنے والے ظالم ہیں۔ ''وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۹۵﴾''

۳۔ تم خود بھی جانتے ہو کہ کیا کر چکے ہو اور خدا بھی اس سے باخبر ہے پھر یہ اونچے دعوے کیا ہیں؟ ''وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۹۵﴾''

آیت نمبر ۹۶

وَلَتَجِدَنَّهُمۡ اَحۡرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا ۛۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمۡ لَوۡ يُعَمَّرُ اَلۡفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحۡزِحِهٖ

مِنَ الۡعَذَابِ اَنۡ یُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۶﴾

ترجمة الآيات

(اے پیغمبر) تم ان (یہودیوں) کو (دولت جمع کرنے اور اس دنیوی) زندگی پر سب لوگوں سے زیادہ حریص یہاں تک کہ مشرکین سے بھی زیادہ حریص پاؤ گے (یہاں تک کہ) ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ ہزار سال عمر پائے، حالانکہ یہ (طولانی عمر) بھی اسے خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکے گی اور خدا ان کے اعمال کو دیکھتا ہے۔

پیغام:

۱۔لمبی عمر کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں ہے، اصل میں خدا کا قرب، عمر کی برکت اور جہنم سے نجات ہے جسے اہمیت حاصل ہے ''لَوۡ یُعَمَّرُ اَلۡفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحۡزِحِهٖ مِنَ الۡعَذَابِ''

(تفسیر فخر رازی میں رسول اکرمؐ سے دعا منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اگر میرے لیے زندگی اچھی ہے، تو مجھے زندہ رکھ اور اگر موت بہتر ہے تو مجھے موت عطا فرما۔

امام سجادؑ بھی دعائے مکارم اخلاق میں یوں دعا مانگتے ہیں: ''الهی عمرنی ما کان عمری بذلة فی طاعتك فاذا کان عمری مرتعا للشیطان فاقبضنی ''یعنی خداوندا! اگر میری عمر تیری اطاعت کی راہ میں خدمت کا وسیلہ ہے تو میری عمر لمبی کر دے اور اگر میری عمر شیطان کی چراگاہ ثابت ہو تو مجھے اپنی طرف بلا لے۔)

۲۔یہودی دنیا کے سب سے زیادہ لالچی اور حریص لوگ ہیں۔''اَحۡرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوةٍ ۚ وَمِنَ''

۳۔ یہودی چاہتے ہیں کہ زندہ رہیں چاہے جتنی بھی پست ترین و ذلت آمیز زندگی ہو۔''اَحۡرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوةٍ ۚ وَمِنَ ''(کلمہ ''حیاة'' نکرہ آیا ہے اس سے مراد کسی بھی طرح کی زندگی ہے۔)

۴۔جھوٹے کا حافظہ کمزور ہوجاتا ہے۔ایک طرف تو یہودی جنت کو اپنے لیے مخصوص سمجھتے ہیں ''لَکُمُ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ اللّٰهِ خَالِصَةً ''اور دوسری طرف چاہتے ہیں کہ ہمیشہ دنیا میں رہیں۔''یُعَمَّرُ اَلۡفَ سَنَةٍ ۚ ''(تفسیر راہنما)

آیت نمبر ۹۷

قُلۡ مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِیۡلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلۡبِكَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾

ترجمۃ الآیات

(وہ کہتے ہیں کہ جو فرشتہ آپؐ پر وحی لاتا ہے وہ جبرائیل ہے اور ہم جبرائیل کے دشمن ہیں، لہٰذا ہم آپؐ پر ایمان نہیں لائیں گے۔) آپؐ کہہ دیجئے کہ جو شخص جبرائیل کا دشمن ہے (در حقیقت وہ خدا کا دشمن ہے) کیونکہ اس نے (خدا کے حکم سے) آپؐ کے دل پر قرآن اتارا ہے۔ وہ (قرآن) کہ جو گذشتہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور مومنین کے لیے ہدایت اور بشارت ہے۔

نکات:

☆ اس آیت کی شان نزول میں یوں آیا ہے کہ جب پیغمبر اکرمؐ مدینہ تشریف لے آئے تو ایک دن (ایک یہودی عالم) ابن صوریا فدک کے یہودیوں کی ایک جماعت کے ہمراہ آپؐ کی خدمت میں آیا اور اس نے مختلف سوالات کیے۔ آنحضرتؐ نے ان کے تمام سوالوں کا جواب دیا اور جو نشانی پوچھی آپؐ نے بیان فرمائی۔ ان کا آخری سوال یہ تھا کہ ''جو فرشتہ آپؐ کے پاس وحی لاتا ہے اس کا نام کیا ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''جبرائیل'' تو انہوں نے کہا: ''اگر میکائیل ہوتا تو ہم آپؐ پر ایمان لے آتے کیونکہ جبرائیل تو جہاد جیسے سخت احکام بھی لے آتا ہے لیکن میکائیل ہمیشہ سادہ اور راحت بخش احکام لے کر آتا ہے۔''

پیغام:

۱۔ انسان کی خیال پردازیوں اور ہٹ دھرمیوں کا دامن اس قدر وسیع ہو جاتا ہے کہ فرشتوں کے جہان تک جا پہنچتا ہے۔ ''عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ''

(ضدی انسان، فرشتوں کو بھی الزام دینے سے باز نہیں آتا۔ جن فرشتوں کو خداوند بھی معصوم قرار دیتا ہے، جیسا کہ ان کے بارے میں فرماتا ہے: ''لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ'' یعنی وہ احکام الٰہی کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرتے۔ (تحریم۔ ۶) وہ بنی اسرائیل کے ایک ضدی اور ہٹ دھرم گروہ کے اوہام و خیالات کے مطابق لوگوں کی دشمنی سے متہم کیے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی دوستی اور دشمنی کا یہ غلط معیار قائم کر لیا ہے کہ جبرائیلؑ چونکہ سخت احکام لے کر آتے ہیں اس لیے ان سے دشمنی ہے اور میکائیل جو آسان اور نرم احکام لاتے ہیں، ان سے دوستی ہے۔ یہ بعینہ وہی معاملہ ہے جیسے ایک کھلنڈر لڑکا ریاضی کے معلم کو برا اور ورزش کرنے والے استاد کو اچھا سمجھتا ہے۔ حالانکہ دونوں تعلیم و تربیت کیلئے ایک جیسی محنت اور کارکردگی کر رہے ہیں۔

۲۔ پاک دامن افراد جن پر تہمت لگائی جائے، ان کی حمایت اور دفاع ضروری ہے۔ ''نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلۡبِكَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ''
خداوند عالم نے اس آیت میں جہاں بنی اسرائیل کے تصورات کی مذمت کی ہے وہاں حضرت جبرائیل کی عظمت کو بھی بیان فرمایا ہے کہ وہ ہمارے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔ وہ اپنے سفارتی امور میں امین اور خدا و پیغمبر کے درمیان رابطے کی حیثیت رکھتا ہے۔
۳۔ جبرائیل ایسی کتاب لایا ہے جو تمہاری کتاب تورات کی تصدیق کرتی ہے تو پھر اس کے دشمن کیوں ہو گئے ہو؟! ''نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلۡبِكَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا''

آیت نمبر ۹۸

مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبۡرِيۡلَ وَمِيۡكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ۹۸

ترجمۃ الآیات

ترجمہ: جو شخص خدا، فرشتوں، خدا کے رسولوں، جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہے (وہ کافر ہے اور جان لو کہ) خدا کافروں کا دشمن ہے۔

پیغام:

۱۔ تمام مقدسات پر ایمان اور ان کا احترام ضروری ہے۔ جس طرح شرک کے تمام مظاہر سے نفرت ضروری ہے۔ ''لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ''
۲۔ انبیا اور اولیا سے دشمنی، کفر ہے اور خدا تعالیٰ سے دشمنی ہے۔ ''فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ۹۸''
۳۔ تمام فرشتے ایک درجہ اور سطح پر نہیں ہیں۔ ''وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبۡرِيۡلَ وَمِيۡكٰلَ'' (فرشتوں میں سے صرف جبرائیل اور میکائیل کا نام لیا گیا ہے۔)

آیت نمبر ۹۹

وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكۡفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الۡفٰسِقُوۡنَ ۹۹

ترجمۃ الآیات

یقیناً ہم نے آپؐ کی طرف روشن دلیلیں بھیجیں اور فاسقوں کے علاوہ کوئی بھی ان سے کفر نہیں کرتا۔

نکات:

☆ انسان خواہشات نفسانی کی پیروی اور گناہ انجام دینے سے حق کے دائرہ سے نکل جاتا ہے اور کفر کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے: جو گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اگر وہ توبہ نہ کریں تو ان کا انجام جھوٹ اور کفر پر ہوتا ہے۔ ''ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيۡنَ اَسَآءُوا السُّوۡٓاٰى اَنۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔۔۔'' (روم۔۱۰)

☆ ''ابن صوریا'' جس کی داستان اس آیت سے پہلے کی دو آیتوں میں بیان ہو چکی ہے۔ جب حضور پاکؐ نے اس کے سوالات کے تسلی بخش جواب دے دیے تو اب اس کے پاس کوئی اور بہانہ تو رہا نہیں سوائے اس کے کہ اس نے کہا ''چونکہ آپؐ پر جبرائیل وحی لاتے ہیں اور میکائیل نہیں لاتے لہٰذا ہم آپؐ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ لیکن چونکہ اس کا جواب گذشتہ آیت میں دیا جا چکا ہے لہٰذا وہ واپس جا کر کہنے لگا کہ ''محمدؐ کے پاس اس کے دعوائے نبوت کی کوئی روشن دلیل نہیں ہے۔'' وہ یہودی عوام کو حق بات سے بے خبر رکھنے کی خاطر ان سے کہنے لگا: ''انہوں نے ہمیں کوئی واضح دلیل نہیں دی۔''

اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ مبادا (ابن صوریا جیسے) علما کے حیلے بہانے آپؐ کو پریشان کر دیں۔ لوگوں کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ بنی اسرائیل حیلوں بہانوں سے کام لے رہے ہیں۔ ہم نے تو آپؐ کے لیے مفصل آیات اور روشن ومحکم دلیلیں بھیجی ہیں تاکہ کوئی شخص آپؐ کی نبوت میں شک نہ کر سکے۔ اس قدر واضح دلائل کے ہوتے ہوئے صرف وہی لوگ کفر کرتے ہیں جو فاسق ہیں اور ذاتی اغراض اور گناہوں کی کثرت کی وجہ سے راہ راست کو چھوڑ چکے ہیں۔

پیغام:

۱۔ کسی کو ناحق کمزور کرنے کے مقابلہ میں حق کے مطابق اسے تقویت کی جائے۔ چونکہ علمائے یہود پیغمبر اسلامؐ کو ناحق کمزور کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے اور کہتے تھے کہ ان کے پاس کوئی واضح دلیل نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے ازروئے حق آنجنابؐ کو تقویت پہنچائی۔ ''اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ''

۲۔ فسق اور گناہ، کفر کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ ''مَا يَكۡفُرُ بِهَآ اِلَّا الۡفٰسِقُوۡنَ﴿۹۹﴾''

آیت نمبر ۱۰۰

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوۡا عَهۡدًا نَّبَذَهٗ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور کیا جب بھی (یہودی) کوئی پیمان (خدا اور رسول سے) باندھتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ اسے پس پشت (نہیں) ڈال دیتا تھا؟ جی ہاں! ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے۔

نکات:

(یہ آیت حضرت رسولخداؐ کے دل کو تسلی دے رہی ہے کہ اس طرح کا بہانہ باز اور عہد شکن ٹولہ عرصہ دراز سے موجود چلا آرہا ہے اور ان لوگوں کی ضد پر تعجب نہیں کرنا چاہیے۔ ان کی عہد شکنی کے واقعات میں پیغمبر اسلامؐ پر ایمان نہ لانا، مشرکین کے ساتھ ہمکاری وتعاون، انبیا کرام کا قتل اور گوسالہ پرستی وغیرہ تاریخ کے صفحات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔)

آیت نمبر ۱۰۱

وَلَمَّا جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ نَبَذَ فَرِيۡقٌ مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ كَاَنَّهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب خدا کی طرف سے ایک رسول (حضرت پیغمبر اسلامؐ) ان کے پاس آیا کہ وہ ان

چیزوں (یعنی تورات) کی بھی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہیں تو اہل کتاب کی ایک جماعت نے کتاب کو اس طرح پس پشت ڈال دیا گویا وہ کچھ جانتے ہی نہیں۔

نکات:

☆ علمائے یہود، پیغمبر اکرمؐ کی بعثت سے پہلے لوگوں کو آنحضرتؐ کے ظہور اور دعوت کی خوشخبری دیا کرتے تھے اور ان کی نشانیاں اور خصوصیات لوگوں کو بتایا کرتے تھے۔ ان نشانیوں کی بدولت وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی اولاد کی طرح پہچانتے تھے۔ لیکن آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد ان کے انکار اور ان نشانیوں کو چھپانے میں لگ گئے۔

پیغام:

۱۔ مخالفین کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے، انصاف کے تقاضوں کا لحاظ رہنا چاہیے۔ پہلے والی آیت میں فرمایا کہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائیں گے تاکہ اقلیت کا حق باقی رہے۔ اس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے کہ جو چاہتا ہے کہ سب کو ایک نظر سے نہ دیکھا جائے۔ ''نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ''

۲۔ وہ علم جس پر عمل نہ کیا جائے وہ جہالت کی طرح ہے۔ ان علما سے کہ جنہوں نے اپنے علم کو نظر انداز کیا اور حقائق کو چھپایا، ارشاد ہوا ''كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۱''

آیت نمبر ۱۰۲

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ

وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

ترجمة الآيات

(یہودی) اس چیز (سحر و جادو) کی پیروی کرتے تھے جو سلیمان کے زمانے میں (جن و انس میں سے) شیاطین لوگوں کے سامنے پڑھتے تھے، سلیمان نے کبھی بھی اپنے ہاتھ جادو سے نہیں رنگے، اور وہ کافر نہیں ہوئے۔ لیکن شیاطین نے کفر کیا اور لوگوں کو جادو کی تعلیم دی۔ (نیز یہودیوں نے) اس چیز کی پیروی کی جو بابل کے دو فرشتوں ''ہاروت'' اور ''ماروت'' پر نازل ہوئی۔ وہ دونوں فرشتے لوگوں کو جادو کے باطل کرنے کے لیے جادو کا ایک اور طریقہ سکھاتے تھے۔ وہ کوئی بھی چیز سکھانے سے پہلے اس شخص سے کہتے تھے کہ ہم تیری آزمائش کا ذریعہ ہیں، کہیں (جادو کے استعمال سے) کافر نہ ہو جانا۔ (اور ان تعلیمات سے غلط فائدہ نہ اٹھانا) لیکن وہ ان دو فرشتوں سے مطالب سیکھتے تھے جن کے ذریعہ مرد اور اس کی بیوی میں جدائی ڈال سکیں۔ (نہ یہ کہ اس تعلیم سے جادو کے اثر کو باطل کرنے کے لیے استفادہ کریں) مگر وہ حکم خدا کے بغیر کبھی کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے کہ جو شخص ایسے مال و متاع کا خریدار ہو اسے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ملے گا، اور کاش وہ یہ جانتے کہ کس قدر قبیح و ناپسندیدہ تھی وہ چیز جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو بیچتے تھے۔

نکات:

☆ جو کچھ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں کچھ لوگ آپ کے ملک میں سحر اور جادو کا عمل کرنے لگے، حضرت سلیمان نے حکم دیا کہ تمام تحریریں اور اوراق جمع کر کے ایک جگہ حفاظت سے رکھ دیں تاکہ جادوگران سے غلط فائدہ نہ اٹھا سکیں لیکن حضرت سلیمان کی رحلت کے بعد کچھ لوگوں نے ان تحریروں تک دسترس حاصل کر کے انہیں باہر نکالا اور سحر و جادو کی تعلیم و تبلیغ شروع کر دی۔ انہوں نے یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ حضرت سلیمان بھی جادوگر تھے نہ کہ معجزہ نما تھے۔ اس طرح انہوں نے حضرت سلیمان کی نبوت کا انکار کر دیا۔

(سحر، اس لطیف اور عجیب فن کو کہا جاتا ہے جس سے معمول کے امور کو غیر معمولی طور پر انجام دیا جاتا ہے۔ اس کے

علاوہ سحر دھوکہ کے معنی میں آیا ہے یا باطل کو حق کے روپ میں پیش کرنے کو کہا جاتا ہے۔)

بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے بھی تورات کی اتباع کرنے کی بجائے جادو دیکھنا شروع کر دیا اور یہ کام اس قدر ترقی کر گیا اور اسے اس قدر شہرت حاصل ہوگئی کہ پیغمبر اسلامؐ کے زمانے کے یہودی بھی حضرت سلیمانؑ کو ایک زبردست جادوگر سمجھتے تھے اور انہیں پیغمبر نہیں مانتے تھے۔

یہ آیت بنی اسرائیل کے تورات کو ترک کر دینے کے جرم اور سحر آموز شیاطین کی پیروی کے گناہ کو بیان کر رہی ہے۔

یہودیوں نے تورات کی بجائے ان شیاطین کی پیروی شروع کر دی جو حضرت سلیمان کے زمانہ میں لوگوں پر منتر پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے جادو کی نسبت حضرت سلیمان کی طرف دینا شروع کر دی تھی تا کہ اپنے اس غلط کام کو صحیح ثابت کر سکیں، مگر قرآن پاک نے ان کے اس نظریہ کی نفی کرتے ہوئے فرمایا: سلیمان ہرگز کافر نہیں ہوئے اور نہ ہی انہوں نے کسی قسم کے جادو کا سہارا لیا تھا۔ بلکہ وہ تو ایک مرد خدا تھے اور ان کا کام معجزہ ہوا کرتا تھا جبکہ شیاطین ان کے بالکل برعکس تھے اور ان کا کام جادوگری تھا اور اس بارے میں تم نے شیطانوں کی اتباع کی ہے۔

مذکورہ بالا صورت کے علاوہ یہودیوں نے ایک اور جگہ سے بھی جادو سیکھا تھا اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے شہر بابل میں ہاروت و ماروت نامی دو فرشتے انسانی شکل میں بھیجے تا کہ وہ لوگوں کو جادو کے باطل کرنے اور اس کا توڑ کرنے کی تعلیم دیں۔ چونکہ جادو کا توڑ کرنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ پہلے انہیں یہ بتائیں کہ جادو کیا ہوتا ہے؟ کیونکہ جب تک انسان کسی چیز کے ترکیبی اصول کو نہ جانتا ہو تو وہ اس کی کاٹ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا یہ فرشتے ایک تو انہیں جادو کی تعلیم دیا کرتے تھے اور دوسرے اس کا توڑ بتایا کرتے تھے۔ وہ یہ تعلیم دینے سے پہلے اپنے شاگردوں سے یہ شرط منوا لیا کرتے تھے کہ وہ اس سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ وہ ان سے کہا کرتے تھے کہ یہ کام آزمائش اور فتنہ ہے، مبادا تم اس فتنے میں پڑ جاؤ اور حق کی راہ سے بھٹک جاؤ! مبادا نجات حاصل کرنے کی بجائے غرق ہو کر ڈوب مرو!

لیکن یہودیوں نے جادو سیکھنے کے بعد اس سے ناجائز کام لینے شروع کر دیے اور اسے ناشائستہ مقاصد کے لیے استعمال کرنے لگے اور زن و شوہر کے درمیان جدائی ڈالنا شروع کر دیا۔ قرآن مجید اس مقام پر ایک نکتے کی یاد دہانی کراتا ہے جو بہت قابل غور ہے۔

☆ قرآن پاک میں یہاں ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: یہودی یہ خیال نہ کریں کہ انہوں نے جادو کا علم سیکھ لیا ہے تو وہ خدا کی قدرت کے احاطے سے بھی خارج ہو گئے ہیں۔ مزید یہ کہ وہ خدا کے اذن و ارادہ کے بغیر بھی کوئی کام انجام دے سکتے ہیں یا کسی کو ضرر پہنچا سکتے ہیں، ایسا ہرگز ممکن نہیں خداوند عالم نے ہر ایک چیز کے لیے اس کا اثر اور تاثیر قرار دی ہے، لہٰذا جادو کا طبعی نتیجہ بھی برے اثرات کا حامل ہو سکتا ہے۔ بطور مثال اس کے اثر سے زن و شوہر کے باہمی رابطہ میں بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے۔ پس بنی اسرائیل نے ان دو فرشتوں سے جو کچھ سیکھا اسے معاشرہ کی اصلاح کے کام میں لانے کی بجائے اس

کی تباہی اور فساد کا ایک ذریعہ بنا لیا۔ دوسروں کے جادو کو باطل کرنے اور اس کا توڑ کرنے کی بجائے وہ خود بھی جادوگروں کی صف میں شامل ہو گئے، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ کام بہت ہی برا اور نہایت ہی غلط ہے اور آخرت میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

☆ خداوند تعالیٰ نے اس کام کو غلط، ناجائز اور قابل مذمت قرار دیا ہے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس کے ذریعے ان لوگوں نے اپنی سعادتوں بھری عاقبت اور پر کیف انجام کو بیچ ڈالا ہے۔ خدا کی اتباع کرنے کی بجائے شیطانوں کی پیروی کرنی شروع کر دی۔ وہ اصلاح ذات البین (آپس کے حالات کو ٹھیک رکھنے) کی بجائے شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی ڈالنے لگ گئے۔ مفید علم حاصل کرنے کی بجائے بے مقصد اور مضر باتوں کو سیکھنا اپنے لیے بہتر سمجھنے لگے۔ یقیناً ان لوگوں نے بہت برا سودا کیا اگر انہیں علم ہوتا تو سمجھ جاتے کہ انہوں نے اپنے ساتھ کیا کیا ہے۔

پیغام:

۱۔ حق کی حکومت اور الٰہی حاکم کی حکمرانی میں بھی سب افراد کی اصلاح و تربیت حاصل نہیں ہو پاتی، کچھ لوگ چلتے ہی الٹے راستوں پر ہیں۔ ''وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ''

۲۔ شیاطین تو حضرت سلیمانؑ جیسے عظیم پیغمبر کے دور اور ان کی مملکت میں بھی بیکار نہیں بیٹھتے بلکہ لوگوں کے دلوں میں برے خیالات ڈالتے رہتے ہیں۔ ''مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ''

۳۔ حکومت اور نبوت میں تضاد نہیں ہے، انبیا کا کام صرف مسئلے بتانا ہی نہیں تھا، وہ حکمرانی بھی کیا کرتے تھے۔ ''مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ''

۴۔ جادوگر اپنے غلط کاموں کی توجیہ اور انہیں مقدس بتانے کی خاطر، جناب سلیمانؑ کو بھی جادوگر بتایا کرتے تھے۔ ''وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ''

۵۔ مقام انبیا پر لگائی جانے والی تہمت کا خدا تعالیٰ دفاع کرتا ہے۔ ''وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ''

۶۔ جادو کی تعلیم و تعلم اور جادو کے دیگر غلط کام، کفر کے زمرے میں آتے ہیں۔ ''كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ''

(روایات میں بھی آیا ہے کہ ساحر کافر ہے اور اس کی سزا قتل ہے۔)

۷۔ مضر علوم اور منحرف عقائد سے مقابلہ کیلئے صالح افراد کی آگاہی ضروری ہے۔ ''وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ''

۸۔ تعلیم دیتے وقت استاد کو علم کی منفی راہوں سے ہوشیار کرنا چاہیے۔ ''وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ''

۹۔ انسان دو طرح کی تعلیم کے درمیان ہوتا ہے، ایک شیطانی وسوسہ ''يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ'' اور دوسرا خدائی

الہام ”وَمَا يُعَلِّمٰنِ“

۱۰۔فرشتے بھی انسان کے معلم ہو سکتے ہیں۔”مَا يُعَلِّمٰنِ مِنۡ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوۡلَاۤ“

۱۱۔کبھی علم و دانش آزمائش کا ذریعہ ہوتا ہے۔”اِنَّمَا نَحۡنُ فِتۡنَةٌ“

۱۲۔میاں بیوی کے درمیان لڑائی ڈلوانا شیطانی کام ہے اور کفر کی حد تک برا کام ہے۔”فَيَتَعَلَّمُوۡنَ مِنۡهُمَا مَا يُفَرِّقُوۡنَ بِهٖ بَيۡنَ الۡمَرۡءِ ۔۔۔“

۱۳۔تعلیم و تربیت ہمیشہ مفید نہیں ہے، کبھی مُضر اور نقصان دہ بھی ہے۔”وَيَتَعَلَّمُوۡنَ مَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنۡفَعُهُمۡ ؕ“

۱۴۔سحر و جادو حقیقت رکھتا ہے اور انسانی زندگی پر موثر واقع ہوتا ہے۔”يُفَرِّقُوۡنَ بِهٖ ۔۔۔“

۱۵۔جادوگر جو بھی کام کرتا ہے، اس کی تاثیر جیسے وہ چاہتا ہے ضروری نہیں ویسے ہی واقع ہو جائے۔کیونکہ تمام اثر و تاثیرات اذن خدا کے تحت ہیں۔خدا تعالیٰ کی پناہ میں جانے، استغفار کرنے، توکل، دعا اور صدقے کے ذریعے ہر طرح کی سازش سے بچا جا سکتا ہے۔”وَمَا هُمۡ بِضَآرِّيۡنَ“

۱۶۔ہوسکتا ہے کہ جادوگر کو مال و دولت حاصل ہو جائے لیکن آخرت میں اس کیلئے کوئی نفع نہیں ہے۔”مَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ ؕ“

۱۷۔جو کوئی تفرقہ ڈالنے اور جادوگری کے پیچھے جائے گا، اپنی انسانیت کو گنوا بیٹھے گا۔”وَلَبِئۡسَ مَا شَرَوۡا بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ“

آیت نمبر ۱۰۳

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَمَثُوۡبَةٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ خَيۡرٌ ؕ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمة الآيات

اگر وہ ایمان لا کر پرہیزگار بن گئے ہوتے، تو یقیناً جو انعام خدا تعالیٰ کے پاس تھا وہ بہتر تھا۔ اگر وہ جانتے ہوتے۔

نکات:

☆ ''تقویٰ'' صرف برائیوں سے پرہیز ہی نہیں ہے بلکہ اچھائیوں کا دفاع اور ان کا بچاؤ بھی ہے۔ مثلاً جملہ ''اتَّقُوا النَّارَ'' حفاظت اور آگ سے بچنے کے معنی میں ہے۔ جملہ ''اتَّقُوا اللہَ'' الٰہی امر و نہی کی حفاظت کے معنی میں ہے۔ آیت ''اتَّقُوا اللہَ ... وَالْاَرْحَامَ'' کا معنی ہے کہ اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کے تعلق کو بچا کر رکھو۔

☆ تقویٰ کے بارے ایک سوال کے جواب میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: تقویٰ، خاردار جھاڑیوں اور کانٹوں سے پُر جگہ سے حفاظت کے ساتھ گذرنے کی طرح ہے۔

پیغام:

۱۔ صرف ایمان ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ تقویٰ اور بچاؤ بھی ضروری ہے۔ ''اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا''

۲۔ خدا کی طرف سے جزا یقینی ہے۔ حرف ''ل'' اس پر دلیل ہے۔ ''لَمَثُوْبَةٌ''

۳۔ خدا کے انعامات ہر چیز سے اچھے ہیں۔ کلمہ ''خیر'' کے بعد کچھ نہیں آیا، یہ بات مطلق ہونے پر دلیل ہے، نسبی ہونے پر نہیں ہے۔

آیت نمبر ۱۰۴

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

ترجمة الآيات

اے وہ جو ایمان لائے ہو! (پیغمبر سے) نہ کہو ''راعنا'' (ہمارا لحاظ کرو) بلکہ کہو ''اُنظرنا'' ہم پر نظر کریں۔ (اس نصیحت کو) سنو اور کافروں کیلئے دردناک عذاب ہے۔

نکات:

☆ بعض مسلمان پیغمبر خدا کی باتوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے آپؐ سے درخواست کیا کرتے تھے کہ آہستہ اور ان کے حال کے مطابق بات کریں۔ وہ اپنی یہ درخواست لفظ ''رَاعِنَا'' کے ساتھ کیا کرتے تھے جس کا معنی ہے ''آپ ہماری رعایت کریں۔'' لیکن یہودیوں کے عرف عام میں ایک طرح کی بدزبانی شمار ہوتا تھا۔ اس لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ ''رَاعِنَا'' کی

بجائے ''انۡظُرۡنَا'' کہا کرو تا کہ دشمن ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے۔

(رَاعِنَا مادہ رعی سے ماخوذ ہے، جس کا معنی مہلت دینا ہے۔ لیکن یہود اس کلمہ ''راعنا'' کو مادہ ''الرعونۃ'' سے لیا کرتے تھے، جس کے معنی احمق اور بے وقوف تھے۔)

☆ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر کے مسلمانوں کو ''رَاعِنَا'' کے استعمال سے روک دیا اور اس کی بجائے ''انۡظُرۡنَا'' کے استعمال کا حکم دیا تا کہ دشمن کو ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع نہ مل سکے۔

☆ نزول قرآن کے آغاز سے اس وقت تک یہ پہلی آیت تھی جو ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا'' سے شروع ہوئی تھی۔ اس کے بعد اسی سے زیادہ ایسے موارد ہیں جو اس خطاب سے شروع ہوئے ہیں۔

پیغام:

۱۔ الفاظ کے اثرات اور عکس العمل پر بھی توجہ ہونی چاہیے۔ ''لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا ۔۔۔'' ممکن ہے کچھ لوگ کوئی لفظ اچھی نیت کے ساتھ استعمال کریں لیکن اس کا ظاہری ردعمل بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔

۲۔ دشمن ہماری تمام حرکات وسکنات پر نگاہ رکھے ہوئے ہے حتیٰ کہ ہمارے الفاظ پر بھی اس کی نگاہ ہوتی ہے۔ وہ کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اور جب بھی اسے موقع ملتا ہے وہ اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ ''لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا ۔۔۔''

۳۔ اسلام مناسب الفاظ کے انتخاب، سنجیدہ بیان اور مطلب کو بیان کرنے کے سلیقہ پر توجہ رکھے ہوئے ہے۔ ''وَقُوۡلُوا انۡظُرۡنَا''

۴۔ بڑوں کے ساتھ اور استاد کے سامنے بات کرتے ہوئے ادب وآداب کا لحاظ رہنا چاہیے۔ ''لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا وَقُوۡلُوۡا''

۵۔ اگر ہم دوسروں کو ادب کا لحاظ رکھنے کا کہتے ہیں تو پہلے ہم خود لوگوں سے بات کرنے میں آداب کا خیال رکھیں۔ ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا'' یہ خطاب محترمانہ ہے۔

۶۔ اگر کسی چیز سے منع کیا جائے تو بہتر ہے کہ اس کی جگہ کوئی مناسب بات کی اجازت دی جائے۔ ''لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا وَقُوۡلُوا انۡظُرۡنَا''

آیت نمبر ۱۰۵

مَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ وَلَا الۡمُشۡرِکِیۡنَ اَنۡ

يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

ترجمۃ الآیات

اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر ہیں وہ پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی خیر (و برکت) نازل ہو، حالانکہ خدا جسے چاہتا ہے اپنی خاص رحمت سے نوازتا ہے اور خدا بڑے فضل والا ہے۔

نکات:

☆ یہ آیت اس بات کا انکشاف کر رہی ہے کہ مومنین کے ساتھ مشرکین اور یہود و نصاریٰ جیسے کفار کو کس قدر دشمنی ہے اور وہ حسد اور کینے کی آگ میں اس طرح جل رہے ہیں کہ صورت حال کو دیکھنا گوارا نہیں کرتے کہ مسلمانوں کا بھی ایک عظیم الشان پیغمبر اور آسمانی کتاب ہے۔ جس کے ذریعے وہ توحید کی آسمانی ندا کو دنیا کے گوشے گوشے تک پھیلانا چاہتے ہیں وہ ہر قسم کے نسلی اور جغرافیائی امتیازات، مشرکین کی خرافات اور اہل کتاب کی خائنانہ تحریفات کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح وہ ان کے بزرگوں کی دھوکے بازیوں اور فریب کاریوں سے پردہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

خداوند اس آیت میں ارشاد فرما رہا ہے کہ وہ اپنے لطف و کرم کو اپنی مرضی اور منشا سے جس کے لیے چاہے مخصوص کر دے، خواہ یہ بات کسی ایرے غیرے کو پسند ہو یا ناپسند ہو، اسے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

پیغام:

۱۔ دشمن کے دلی ارادے اور باطنی مقصد سے آگاہ رہنا چاہیے۔ بالکل بھی ان کی طرف رجحان پیدا نہ کریں۔ ''مَا يَوَدُّ'' انہیں یہ بات ہرگز بھی پسند نہیں ہے کہ تمہیں کسی قسم کی کوئی خیر و برکت حاصل ہو بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم کفر و انکار کی طرف لوٹ جاؤ کفار کے ساتھ گھلے ملے رہو، ان کے مقابلے میں سستی اور سکوت اختیار کر لو اور سختیوں میں پڑے رہو تو اس سے انہیں لذت محسوس ہوتی ہے۔

آیات ذیل میں مسلمانوں کے بارے میں کفار کی منفی سوچ کی نشاندہی ہوتی ہے: وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً (نساء۔۸۹) کفار اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ تم بھی انہی کی طرح کافر ہو جاؤ۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾ (قلم۔۹) کفار اس بات کے خواہش مند ہیں کہ (اے پیغمبرؐ) آپؐ ان سے اتحاد و

اتفاق کرلیں۔

وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ (آل عمران۔۱۱۸) اس بات کے خواہاں ہیں کہ (اے مسلمانو!) تم تنگی وسختی میں پڑے رہو۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ط (آل عمران۔۶۹) اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ وہ تمہیں گمراہ کردے۔

۲۔ خیر دینا، شان ربوبیت ہے۔ ''خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ط''

۳۔ خدا پر توکل کرو اور دشمن کے کینہ وحسد سے نہ گھبراؤ۔ ''وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ''

۴۔ حاسدین کا حسد، اللہ کے لطف وکرم کے ارادوں پر کوئی اثر نہیں رکھتا۔ ''مَنْ يَّشَآءُ ط''

۵۔ خدا تعالیٰ کا فضل، رحمت اور اس کی ہدایت تمام اقوام عالم کیلئے ہے۔ بنی اسرائیل یا کسی خاص گروہ کیلئے مخصوص نہیں ہے۔ ''مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾''

آیت نمبر ۱۰۶

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ط اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾

ترجمۃ الآیات

ہم (اس وقت تک) کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے یا اس کے نسخ کو تاخیر میں نہیں ڈالتے، (جب تک کہ) اس کی جگہ اس سے بہتر یا اس جیسا کوئی حکم لے نہیں آتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے؟

نکات:

☆ کلمہ ''نُنْسِهَا'' مصدر ''انساء'' سے ہے، جس کا معنی تاخیر کرنا یا حذف کرنا ہے۔ یہاں نزول وحی کا تاخیر ہونا ہے جس کا نزول کچھ مدت بعد کیا گیا۔

☆ یہ آیت یہودیوں کی غلط باتیں پھیلانے کا جواب ہے۔ وہ سوال کرتے تھے کہ اسلام میں بعض قوانین کیوں تبدیل ہوتے رہتے ہیں؟ مثلاً کس لیے ''قبلہ'' بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تبدیل ہوگیا ہے؟ اگر پہلا قبلہ صحیح تھا تو پھر دوسرے کی

حیثیت کیا ہے؟ اور اگر دوسرا ہی ٹھیک ہے تو پھر تمہارے سابقہ اعمال باطل ہیں !!

قرآن مجید اس قسم کے اعتراضات کا جواب دے رہا ہے کہ ’’ہم کسی حکم کو منسوخ نہیں کرتے یا اسے تاخیر میں نہیں ڈالتے مگر یہ کہ اس سے بہتر یا اس جیسے حکم کو اس کا جانشین بناتے ہیں۔‘‘

وہ لوگ ان احکام کی تبدیلی میں پوشیدہ تربیتی، معاشرتی اور سیاسی مقاصد سے بے خبر ہیں، یہ وہی صورت ہے جس طرح ایک ڈاکٹر کسی مریض کے لیے ایک مرحلے پر ایک دوا تجویز کرتا ہے لیکن جب وہ قدرے تندرست ہو جاتا ہے تو وہ اس کی دواؤں کی ترکیب وترتیب بدل دیتا ہے۔ یا جس طرح کوئی استاد اپنے شاگرد کے تدریسی مراحل میں ترقی کی وجہ سے اس کے اسباق اور نصاب کو تبدیل کر دیتا ہے اسی طرح خداوند بھی مختلف زمانوں اور مختلف کیفیتوں کی وجہ سے انسان کے ارتقائی لائحہ عمل کو بدلتا رہتا ہے۔

☆ اس آیت کے مصادیق میں سے ایک معاشرے میں امامت کا سلسلہ ہے۔ ایک امام معصوم کے بعد دوسرے امام معصوم جانشین ہوتے رہے۔ اس آیت کے ذیل میں منقول ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی امام دنیا سے جاتے ہیں تو ان کی جگہ دوسرے امام جانشین ہو جاتے ہیں۔ (نخبۃ التفاسیر)

پیغام:

۱۔ انسان اپنی فطری اور مستقل خواہشات کے تحت بعض اوقات مختلف معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور عسکری حالات سے دوچار ہو جاتا ہے۔ ایسے مواقع پر ثابت اور پائیدار احکام اور قوانین کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے تغیر پذیر قوانین بھی ہونے چاہئیں جن کے ذریعے زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کا سامنا کیا جا سکے۔ ایسے قوانین نسخ کے ذریعے پیغمبر اور ان کے برحق جانشینوں کے واسطہ سے لوگوں تک پہنچائے جانے چاہئیں۔ ’’مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ‘‘

۲۔ احکام میں تبدیلی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ سابقہ منصوبے غلط تھے یا جدید مسائل کی طرف اب توجہ ہوئی ہے کہ جن کی طرف پہلے توجہ نہیں تھی بلکہ یہ ایک حکیمانہ تبدیلی ہوتی ہے جیسے کتاب یا معلم تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ’’مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ ۔۔۔ نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَآ ۔۔۔‘‘

۳۔ ظاہری طور پر خواہ احکام تبدیل ہوتے رہیں، انبیا متعدد ہوں، لیکن خداوند کریم کا لطف وکرم کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ ’’مِثۡلِهَا ‘‘

۴۔ احکام کا مقرر کرنا، انہیں تبدیل کرنا یا ان میں تاخیر کرنا، سب کچھ خدا تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ ’’نَنۡسَخۡ ، نُنۡسِهَا‘‘

۵۔ کسی بھی چیز کو ہمیشہ بہتر یا اس جیسی چیز کے ساتھ تبدیل کرنا چاہیے۔ اس سے کمتر یا پست تر نہ ہو۔ ’’نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَآ ‘‘

۶۔اسلام کے راستوں میں کوئی رکاوٹ نہیں بلکہ کچھ قوانین ایسے ہیں جو تبدیل ہو سکتے ہیں۔'' نَنْسَخْ ،نُنْسِهَا ''

۷۔قانون کی تبدیلی، مختلف حالات کا جنم لینا، نئی مصلحتوں کا پیدا ہونا، ان سب کیلئے قدرت واختیار کی ضرورت ہے۔'' نَنْسَخْ ۔۔۔اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۶﴾ ''

آیت نمبر ۱۰۷

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۰۷﴾

ترجمۃ الآیات

کیا نہیں جانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت خدا ہی کے لیے ہے؟ (اور اسے حق حاصل ہے کہ وہ اپنی حکمت اور حاکمیت کے تقاضوں کے پیش نظر قوانین اور احکام میں تغیر وتبدل پیدا کرے۔) اور خدا کے علاوہ نہ تمہارا کوئی سرپرست ہے اور نہ کوئی مددگار ہے۔

نکات:

☆ جو لوگ خدا کی طرف سے بعض احکام وقوانین کی تبدیلی کے بارے میں اعتراضات کرتے ہیں وہ اس بات کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ خداوند متعال حاکم مطلق ہے۔خدائے ذوالجلال کی حاکمیت دائمی، ذاتی اور عمومی ہے لیکن خدا کے علاوہ دوسروں کی حاکمیت اور حکومت محدود اور میعادی ہے یا پھر لوگوں کی طرف سے قرار دی ہوئی اور غیر ذاتی ہے۔

بنی اسرائیل، خدا کی حاکمیت کے بارے میں اسی طرح کے غلط تصورات رکھتے اور اسے اپنے احکام کے اجرا ونفاذ کے سلسلے میں بے دست وپا سمجھتے اور کہتے تھے'' یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ ''یعنی خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔(مائدہ۔۶۴)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ خداوند عالم کے ہاتھ تخلیق کائنات، قانون واحکام کے وضع کرنے اور ان میں تغیر وتبدل کرنے میں بالکل آزاد ہیں۔'' بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ ''یعنی اس کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔

(خداوند عالم جب چاہے اپنی خلق میں تبدیلی پیدا کردے۔مثلاً پانی کو کڑوا بنادے۔'' لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا '' (واقعہ۔۷۰) یا درختوں کو خشک کردے۔'' لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا '' (واقعہ۔۶۵) اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تمام لوگوں کو نیست ونابود کر کے دوسرے افراد پیدا کرے۔'' اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۹﴾ '' (ابراہیم۔۱۹) یا جیسا کہ بنی

اسرائیل کے کچھ لوگوں سے فرمایا: ''کُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِئِیۡنَ'' یعنی دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ۔ (بقرہ۔۶۵) اور وہ انسانی صورت سے بندروں کی صورت میں تبدیل ہوگئے۔ بنی اسرائیل نے اپنے دور میں اس طرح کے تغیر وتبدل کو بار بار دیکھ رکھا تھا۔ یعنی ان کے گزرنے کے لیے دریا کا خشک ہو جانا، حضرت موسیٰ کے عصا کا اژدھا بن جانا، پتھر کا پھٹنا اور اس میں سے چشموں کا جاری ہونا۔ یہ سب کچھ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے لیکن اب وہ احکام الٰہی میں تھوڑی سی تبدیلی پر انگلیاں اٹھا کر حیلے بہانے سے کام لے رہے تھے۔)

پیغام:

۱۔ آسمانوں اور زمین کی حاکمیت کا دائمی اور مطلق حق صرف خدا ہی کو حاصل ہے۔ ''لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ''

۲۔ قوانین کی تبدیلی کا حق بھی اسی ذات کو حاصل ہے جو آسمانوں اور زمین پر حق حاکمیت رکھتی ہے۔ لہٰذا اس بارے میں کسی بھی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ''مَا نَنۡسَخۡ۔۔۔ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ۔۔۔''

۳۔ بہانہ بنانے والے ہٹ دھرم افراد کو راضی کرنا تمہارے لیے اہم نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خدا کے علاوہ کوئی بھی تمہارا مددگار اور سرپرست نہیں ہے۔ ''وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ۔۔۔''

آیت نمبر ۱۰۸

اَمۡ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَـكُمۡ كَمَا سُٮِٕلَ مُوۡسٰى مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَمَنۡ يَّتَبَدَّلِ الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿۱۰۸﴾

ترجمۃ الآیات

کیا یہ چاہتے ہو کہ تم بھی اپنے پیغمبر سے ایسے ہی (بے جا) سوالات کرو جیسا کہ اس سے پہلے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے (بنی اسرائیل کی طرف سے) کیے جاتے تھے؟ اور جو شخص اس قسم کے حیلوں بہانوں کے ذریعے (ایمان سے روگرداں ہو کر) ایمان کو کفر میں تبدیل کرے گا تو یقیناً وہ راہ راست سے گمراہ ہو جائے گا۔

نکات:

☆ آیت پر توجہ کرنے سے اور جو کچھ شان نزول سے بات سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض کمزور ایمان والے مسلمانوں اور مشرکین نے حضرت رسولخداؐ سے بے ربط اور غیر منطقی سوالات کرنا شروع کر دیے۔ مثلاً وہ کہنے لگے ہمارے لیے خدا کی طرف سے کوئی خط لے آیے، یا نہریں بہا دیجئے اور کچھ لوگ مثلاً بنی اسرائیل کہنے لگے کہ ہمیں اپنی ان آنکھوں سے خدا کا دیدار کرائیے تا کہ ہم اس پر ایمان لے آئیں!!

☆ اگر چہ اعجاز کرنا اور معجزہ لانا پیغمبر کی دعوت کی سچائی اور اتمام حجت کے لیے ضروری ہے لیکن ہر لحظہ اور ہر کس و ناکس کی طرف سے معجزے کا تقاضا اور ہر راہ چلتا شخص جس قسم کا چاہے سوال کر دے تو ان سب افراد کے مطالبے پورے کرنا ضروری نہیں ہے۔ ایک انجینئر یا نقشہ نویس اپنے دعوے کے اثبات کے لیے نمونہ کے طور پر چند ایک کام کر کے دکھاتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر ہر شخص کے لیے ایک گھر بناتا رہے یا نقشے تیار کرتا پھرے۔

☆ مشکلات کا ذکر اور انبیا کی تاریخ کو بیان کرنا، پیغمبر اکرمؐ کی تسلی خاطر کیلئے ہے۔ اگر آپؐ سے لوگ نامعقول قسم کے سوال اور درخواستیں کرتے ہیں تو آپؐ پریشان نہ ہوں آپؐ سے پہلے والے انبیا سے بھی اسی قسم درخواستیں کی جاتی رہی ہیں۔

پیغام:

۱۔ بے جا سوالات اور درخواستوں سے پرہیز کرو کیونکہ کبھی اس سے کفر کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ ''اَمۡ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا ۔۔۔ وَمَنۡ يَّتَبَدَّلِ الۡكُفۡرَ''

۲۔ ماقبل ادیان کے پیروکاروں کو جو مشکلات وخطرات درپیش تھے، وہ مسلمانوں کیلئے بھی ہیں۔ ''تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَكُمۡ كَمَا سُئِلَ مُوۡسٰى''

۳۔ دوسروں کے انجام اور عاقبت سے درس عبرت حاصل کریں۔ ''كَمَا سُئِلَ مُوۡسٰى''

آیت نمبر ۱۰۹

وَدَّ كَثِيۡرٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يَرُدُّوۡنَكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ اِيۡمَانِكُمۡ كُفَّارًا ۖۚ حَسَدًا مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الۡحَقُّ ۚ فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

شَيۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۰۹﴾

ترجمة الآيات

بہت سے اہل کتاب (نہ صرف خود ایمان نہیں لاتے بلکہ) اپنے اس حسد کی وجہ سے جو ان کے دلوں میں ہے وہ اس بات کو دوست رکھتے ہیں کہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کفر کی طرف لوٹا دیں، باوجودیکہ (اسلام اور قرآن کا) حق ہونا ان کے لیے واضح ہو چکا ہے۔ لیکن تم ان (کے اس حسد) کو معاف کر دو اور ان کے ساتھ درگذر سے کام لو۔ یہاں تک کہ خداوندعالم اپنا حکم بھیج دے یقینا خداوندعالم ہر چیز پر قادر ہے۔

نکات:

☆ ''عفو'' کے معنی معاف کر دینا اور ''صفح'' کے معنی چشم پوشی کے ہیں۔

☆ جو ایسا دشمن جو دل میں آپ کے کافر ہونے کی تمنا رکھتا ہے، عملی طور پر کسی قسم کی سازش کرنے اور جال بننے سے باز نہ آئے گا۔ اس طرح کے لوگوں کا ایک طریقہ کار بے ربط اور بے جا سوالات کرنا ہے، وسوسہ ڈالنا، شک و شبہ پیدا کرنا ہے، اس چیز سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

پیغام:

۱۔ دشمن کے ارادوں اور کینہ و حسد سے باخبر رہو، ہمیشہ ہوشیار رہو۔ ''وَدَّ كَثِيۡرٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يَرُدُّوۡنَكُمۡ ''

۲۔ دشمن کے ساتھ بھی انصاف سے کام لینا چاہیے۔ ''وَدَّ كَثِيۡرٌ'' (آیت فرماتی ہے کہ اہل کتاب میں سے بہت سے ایسے ہیں، یعنی سارے ایسے نہیں ہیں۔)

۳۔ حسد کا شعلہ اس حد تک خطرناک ہوتا ہے کہ علم و آگاہی کے بعد بھی بجھنے میں نہیں آتا۔ ''حَسَدًا ... مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الۡحَقُّ ''

۴۔ تم لوگ تو اسلام پر ایمان لانے کے بعد عزت و عظمت سے نوازے جاتے ہو جبکہ تمہارا دشمن اس پر حسد کرتا ہے اور اسی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم زمانہ جاہلیت کے جہل، شرک اور تفرقہ بازی کی طرف پلٹ جاؤ۔ ''وَدَّ كَثِيۡرٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يَرُدُّوۡنَكُمۡ ''

۵۔ مخالفین کو فوراً سختی کے ساتھ جواب نہ دو بلکہ بعض اوقات یہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی کہ وہ دل میں حسد اور کینہ رکھتے ہیں، دلجوئی سے کام لینا چاہیے۔ ''فَاعۡفُوۡا ''

۶۔دشمن کو معاف کر دینے کا حکم عارضی ہے اور اس وقت تک ہے کہ مسلمان بد دل اور کافر جری نہ ہو جائیں۔"فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی"

۷۔معاف کرنا کمزوری کی علامت نہ سمجھی جائے کیونکہ خدا تعالیٰ ہر کام کرنے کی قدرت رکھتا ہے، وہ پہلے کی طرح آج بھی تمہیں دشمن پر غالب کر سکتا ہے۔"اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴿۱۰۹﴾"

آیت نمبر ۱۱۰

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴿۱۱۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو جو بھی نیک عمل اپنے لیے آگے بھیجتے ہو (آخرت میں) اسے خدا کے ہاں محفوظ پاؤ گے، یقیناً خدا تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

نکات:

☆ سورہ بقرہ کی آیت ۱۰۴ میں مسلمانوں کو "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے ساتھ پہلی مرتبہ خطاب کیے جانے کے بعد یہ آیت مسلمانوں کے لیے تیسرا حکم بیان کر رہی ہے۔

پہلا حکم نئے حکم کے آنے تک اہل کتاب کے کینہ اور حسد سے عفو و درگذر کرنے کا ہے۔"فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا"

دوسرا حکم قیام نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا ہے۔جس زمانے میں مسلمان طرح طرح کے حسد اور کینہ کے تیروں کی زد میں تھے، عفو و درگذر کرنے کا حکم ہوا۔ایسے حالات میں ضروری تھا کہ مسلمان نماز کے ذریعے خدا سے اپنا رابطہ مضبوط کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے سے معاشرے کے مظلوم و محروم طبقے کے ساتھ اپنے مراسم قائم کریں اور ان کی معاشرتی حیثیت میں اضافہ کریں۔

پیغام:

۱۔عام طور پر قرآن پاک میں جہاں بھی نماز کا حکم آیا ہے اس کے ساتھ ہی زکوٰۃ کا حکم بھی ہے۔یعنی شاید یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا کی یاد کے ساتھ ساتھ خلق خدا کی طرف توجہ بھی ضروری ہے۔"وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ"

۲۔ نیکی کے کام میں مقدار اہم نہیں ہے۔ جو کوئی جس مقدار میں کر سکے، انجام دے۔ ''مِّنْ خَیْرٍ''

۳۔ نیکی کے کام، آخرت کیلئے محفوظ رہتے ہیں۔ ''تَجِدُوْهُ''

۴۔ خدا کا ہر وقت ناظر ہونے اور آخرت میں جزا پر ایمان، نیک عمل انجام دینے کا طاقتور ذریعہ اور بہترین ترغیب ہے۔ ''وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾''

آیت نمبر ۱۱۱

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور انہوں نے کہا کہ یہود و نصاریٰ کے سوا کوئی ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوگا، یہ ان کی اپنی توقعات ہیں، کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو (اس موضوع کے بارے میں) اپنی دلیل لے آؤ۔

پیغام:

۱۔ دینی غرور باعث بنا کہ یہودی اور عیسائی خود کو برتر نسل تصور کریں اور جنت کو صرف اپنے ساتھ مخصوص سمجھیں۔ ''اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ''

۲۔ تفوق طلبی اور دوسرے سے ممتاز ہونے کا تصور، خام خیالی اور بیہودہ آرزو ہے۔ ''تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ''

۳۔ دلیل کے بغیر دعویٰ قابل قبول نہیں ہے۔ ''قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ''

۴۔ ہر طرح کا عقیدہ دلیل کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ ''قَالُوْا ۔ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ'' قرآن اپنے مطالب کو دلیل کے ساتھ پیش کرتا ہے اور مخالفین سے بھی دلیل کا تقاضا کرتا ہے۔

آیت نمبر ۱۱۲

بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا

خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ﴿۱۱۲﴾

ترجمۃ الآیات

ہاں! جو شخص اپنا چہرہ خدا کے سامنے جھکا دے۔(سر تسلیم خم کردے) اور نیکوکار ہو تو اس کا اجر اس کے پروردگار کے پاس موجود ہے ایسے لوگوں کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

نکات:

☆ آیت یہ بتا رہی ہے کہ بہشت میں داخل ہونے کی شرط خدا کے آگے سر تسلیم خم کرنا اور نیکوکار ہونا ہے۔یعنی خدا کی جنت کسی کو اس کے زبانی دعوے یا ذاتی خصوصیات کے نعرے لگانے کی بنا پر نہیں دی جائے گی بلکہ اس کے لیے کامل ایمان اور عمل صالح کی ضرورت ہے۔

پیغام:

١۔جنت میں جانے کیلئے، خیال اور آرزو کی بجائے خدا کے سامنے تسلیم ہونا اور باطنی ایمان ضروری ہونے کے ساتھ عمل صالح بھی ضروری ہے۔''اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ''

٢۔نیکی کے کام انجام دینا انسان کے سیرت و کردار میں شامل ہونا چاہیے۔وقتی اور موسمی نیک کام انجام دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔''هُوَ مُحۡسِنٌ''

٣۔اجر عطا کرنا، شان ربوبیت ہے۔''اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ‌ ''

٤۔جو کوئی خالص ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہوگا، اس کے لیے کامل اجر ہے''فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ‌ ''اور ہر طرح کے خوف سے دور ہو جاتے ہیں۔''لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ''

آیت نمبر ۱۱۳

وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ لَيۡسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىۡءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى
لَيۡسَتِ الۡيَهُوۡدُ عَلٰى شَىۡءٍ ۙ وَّهُمۡ يَتۡلُوۡنَ الۡكِتٰبَ‌ؕ كَذٰلِكَ قَالَ

الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی ناچیز لوگ ہیں (خدا کے ہاں ان کی کوئی حیثیت نہیں) اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی بے وقعت لوگ ہیں حالانکہ (دونوں گروہ) آسمانی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ نادان لوگ (مشرکین) بھی انہی جیسی باتیں کیا کرتے ہیں پس خداوند عالم قیامت کے دن اس بات کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ باہم اختلاف کرتے ہیں۔

نکات:

☆ یہ آیت اہل کتاب کے تعصب کی ایک اور تصویر پیش کر رہی ہے کہ ہر گروہ دوسرے کی نفی کرنے میں لگا ہوا ہے۔ یہودی عیسائیوں کو خدا کے حضور نامعقول اور بے حیثیت سمجھتے ہیں جبکہ اس کے برعکس عیسائی یہودیوں کو خدا کی بارگاہ میں بے وقعت اور ناپسندیدہ جانتے ہیں۔ اس سے ان کے متعصب ذہن کی عکاسی ہوتی ہے۔ حالانکہ اگر وہ اپنی آسمانی کتاب کی طرف توجہ کرتے تو اس سے راہنمائی حاصل کر سکتے تھے۔

پھر فرماتا ہے: مشرکین اور بت پرست لوگ بھی کوئی آسمانی کتاب نہ رکھنے کے باوجود انہیں جیسی باتیں کرتے ہیں یعنی باطل عقیدہ رکھنے والے آپس میں ہی ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں، وہ خصلتوں اوصفات میں، فکر و اندیشہ مین ایک ہی جیسے ہیں لیکن بروز قیامت خداوند عالم کی طرف سے فیصلہ سنائے جانے پر یہ سب اختلافات ختم ہو جائیں گے اور وہ حق کا مشاہدہ کریں گے۔

پیغام:

۱۔ بے جا تعصب کرنا اور بغیر دلیل کے ہر کامیابی کو اپنے لیے ہی مخصوص قرار دینا ممنوع ہے۔ دوسروں کو حقیر جاننا اور ان کو بے وقعت سمجھنا ایک طرح کی منہ زوری اور خودخواہی کی دلیل ہے۔ ”لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۔۔۔ لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ“
(ہر گروہ اس بات پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے اور یہ بے جا خوشی کا اظہار کرنا بہت سے فتنوں کو پیدا کرتا ہے۔)

۲۔ اگر تعصب اور خودخواہی ہو تو علم بھی ہدایت نہیں کر سکتا۔ اہل کتاب آسمانی کتاب کی تلاوت کیا کرتے تھے لیکن اپنی خودخواہی اور خود کو برتر سمجھنے کی وجہ سے ان کی تلاوت کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ ”وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ“

۳۔ تعصب آلود فضا میں عالم اور جاہل ایک جیسی فکر کے حامل ہوتے ہیں، جاہل مشرک بھی وہی بات کرتے تھے جو

توراۃ اور انجیل کے قاری کیا کرتے تھے۔ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ

آیت نمبر ۱۱۴

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۬ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

ترجمة الآيات

اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا جو خدا کی مساجد میں اس کا نام لینے سے روکتا ہے اور ان کی ویرانی و بربادی میں کوشاں ہے!! مناسب نہیں ہے کہ ایسے لوگ خوف و وحشت کے بغیر ان مساجد میں داخل ہوں ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔

نکات:

☆ شان نزول اور بعض روایات سے جو بات معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو خدا کی مسجدوں کو برباد کرنے کے درپے رہے ہیں۔

تاریخی لحاظ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مساجد کی بربادی یا ان میں داخل ہونے سے رکاوٹ کا عمل گمراہ اور طاغوتی لوگوں کے ہاتھوں بار بار رونما ہوا ہے۔ عیسائیوں کی تاخت سے بیت المقدس کی بربادی اور فطلوس نامی عیسائی کی طرف سے توراۃ کو آگ میں ڈالنے کا فعل سرزد ہوا، قریش کا مسلمانوں کو مسجد الحرام میں داخل ہونے سے روکنے کا عمل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ آج بھی ہم بقیع میں ائمہ اطہار کی قبور کے اطراف میں اوائل اسلام کے زمانے کی مساجد کے انہدام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، جنہیں شرک سے نبرد آزمائی کا نام دے کر منہدم کر دیا گیا۔ ادھر بھارت میں تین برس قبل ہم مسلمانوں کی تاریخی ''بابری مسجد'' کی بربادی بھی دیکھ چکے ہیں۔ یہ سب کچھ ان طاغوتوں کے کفر اور جہالت پر مبنی اقدام کا آئینہ دار ہے جو خدا کی یاد اور اس کے نام کی گونج سے وحشت میں مبتلا ہیں۔

☆ یہ آیت ان والدین اور بزرگوں کے لیے ایک انتباہ ہے جو اپنی اولاد کو مسجدوں میں جانے سے روکتے ہیں۔

☆اگر مسجد کی خرابی ظلم میں شمار ہوتی ہو تو ایسی مسجد کو آباد کرنا سب سے زیادہ نفع بخش کام ہے۔ (تفسیر فخر رازی)

پیغام:

۱۔کبھی ثقافتی ظلم سب سے بڑا ظلم ہوتا ہے۔ ''وَمَنْ اَظْلَمُ'' (قرآن پاک میں اظلم یعنی بڑ ''اظلم'' خدا پر جھوٹ باندھنے، خدا کے گھر کو بند کرنے کو کہا گیا ہے۔ ان دونوں کا ثقافتی امور سے گہرا تعلق ہے۔)

۲۔مسجد کی خرابی صرف بیلچے اور ہتھیاروں سے نہیں ہوتی بلکہ جس بھی طرز عمل سے مساجد کی رونقیں کم ہو جائیں، اور وہ ان کی بربادی کا موجب ہے۔ ''مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ''

۳۔وہ مساجد مورد قبول ہیں جن میں یاد خدا زندہ ہو، وہاں خدا کے مطلوبہ مقاصد کو پیش کیا جائے اور خدائی احکام بیان کیے جائیں۔ ''یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ''

۴۔دشمن مسجد کے در و دیوار سے نہیں ڈرتا وہ تو خدا کا نام زندہ ہونے اور مسلمانوں کے بیدار رہنے سے وحشت میں مبتلا ہوتا ہے۔ ''اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ''

۵۔مساجد جنگ اور جہاد فی سبیل اللہ کیلئے مورچے ہیں۔ اس لیے دشمن انہیں خراب کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ ''وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ''

۶۔مسجدیں ایسی پر رونق اور آباد ہونی چاہئیں جیسے فوجی صدر دفتر ہوتے ہیں، جس طرح جاسوس فوجی مراکز میں داخل ہونے سے وحشت اور اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے اسی طرح دشمن اور مخالف بھی مسجدوں میں آنے جانے سے خوف اور وحشت محسوس کریں۔ ''مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىٕفِیْنَ ؕ''

۷۔جو لوگ دینی مقدسات کے ساتھ نبرد آزما ہوتے ہیں وہ قیامت میں خدا کے قہر و غضب میں گرفتار ہونے کے علاوہ دنیا میں بھی ذلت و خواری کا شکار ہوتے ہیں۔ ''وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ ۔۔۔ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ''

(اگر ایسی عمارت جس میں خدا کا ذکر ہوتا ہے، وہ خدا کی یاد دلاتی ہے، اسے خراب کرنا دنیا کی ذلت اور اخروی عذاب کا موجب ہے تو ایسے افراد جو یاد خدا کا باعث بنتے ہیں ان کی بے حرمتی کرنا، تحقیر کرنا، تہمت لگانا، ان کے بارے میں افواہیں پھیلانا بھی جائز نہیں ہے۔ یقیناً ایسا کرنے والے افراد اسی دنیا میں ذلت و خواری میں گرفتار ہوں گے۔)

آیت نمبر ۱۱۵

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۗ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

ترجمۃ الآیات

مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی خدا موجود ہے۔ بے شک خدا ہر چیز پر محیط اور ہر ایک چیز کو جانتا ہے۔

نکات:

☆ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف قبلہ تبدیل ہونے پر یہودیوں نے سوالات کرنا شروع کر دیے یا یوں کہیے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں ایسے شکوک وشبہات پیدا کرنے لگے کہ کس دلیل کی بنا پر قبلہ کی تبدیلی رونما ہوئی ہے؟ ہر چند کہ اس سے پہلے آیت ۱۰۶ میں خداوند نے اس اعتراض کا اجمالی جواب دے دیا ہے لیکن اس آیت میں بھی اسی حقیقت کو بیان کیا جارہا ہے کہ مشرق ہو یا مغرب، خدا ہی کے لیے تو ہیں، جدھر کو رخ کرو خدا ادھر ہی ہے۔ اگر کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا ہے تو صرف اس وجہ سے کہ یہ مقام مسلمانوں کی وحدت کی تجلی گاہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جذبہ ایثار اور مشرکین کے ساتھ ان کی مجاہدانہ روش کی یاد کو زندہ رکھنے کا مرکز ہے اس لیے یہ مقدس اور محترم جگہ ہے۔

☆ چنانچہ تمام مراجع عظام کے رسالہ عملیہ توضیح المسائل میں یہ مسئلہ بیان ہے کہ واجبی نمازوں، ذبح کے وقت اور اسی قسم کے دوسرے امور کے لیے ہم اس کی طرف رخ کرتے ہیں البتہ مستحبی نمازوں میں سواری پر یا چلتے ہوئے اس طرف رخ کرنا شرط نہیں ہے۔ بعض روایات میں بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ''انزل الله هذه الاية فى التطوع خاصة'' یہ آیت مستحبی نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ تفسیر برہان وتفسیر راہنما)

☆ قبلہ کی سمت مشرق ہو یا مغرب ہو یہ تربیتی اور سیاسی موضوع ہے۔ اصل اور مقصود تو خدا کے ساتھ رابطہ قائم کرنا ہے اللہ تعالیٰ اپنے کچھ بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ'' وہ خدا کو کھڑے کھڑے، بیٹھے ہوئے اور سوتے وقت یاد کرتے ہیں۔ (آل عمران۔۱۹۱)

جب لوگوں نے قبلہ کی تبدیلی کے مسئلہ پر ہنگامہ کھڑا کر دیا تو خدا تعالیٰ نے فرمایا:

''لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ''

اے لوگو! نیکی اور نیک ہونا صرف اس بات میں نہیں ہے کہ تم عبادت کے وقت مشرق یا مغرب کی طرف رخ کر لو بلکہ

نیکی تو یہ ہے کہ تم خدا پر اور قیامت پر حقیقی معنی میں ایمان لے آؤ۔ (اور خدا کے پسندیدہ کام انجام دو۔) (سورہ بقرہ۔ ۱۷۷)

☆ ہر چند کہ اس سے پہلی آیت میں سب سے بڑے ظلم (مساجد کو برباد کرنے اور ان میں داخل ہونے سے روکنے) کی بات ہوئی ہے۔ ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ ''اگر جہاد نہ ہوتا تو صوامع، بیع اور مساجد برباد ہو چکی ہوتیں۔ (حج۔ ۴۰)

لیکن اس آیت میں یہ خوشخبری دی جا رہی ہے کہ تم مسلمان لوگ مایوسی اور ناامیدی کا احساس ہرگز نہ کرو اور یہ نہ سمجھو کہ ہماری کوئی پناہ گاہ نہیں ہے یاد رکھو کہ پوری کائنات مرکز عبادت ہے اور کائنات میں ہر مقام قبلہ گاہ ہے۔

پیغام:

۱۔ جو کام خدا تعالیٰ کے حکم سے ہو اور اس میں الٰہی رنگ پایا جائے، وجہ اللہ اور عبادت ہے۔ ''فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط''

۲۔ خدا تعالیٰ ہر جگہ حاضر اور ہر چیز پر ناظر ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾''

آیت نمبر ۱۱۶

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ط بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور (بعض اہل کتاب اور مشرکین) کہتے ہیں کہ خدا نے اپنے لیے ایک فرزند منتخب کر لیا ہے وہ تو اس چیز سے پاک اور منزہ ہے بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور سبھی اس کے سامنے سرنگوں ہیں۔

نکات:

☆ اہل کتاب اور مشرکین، ہر کوئی اپنے تئیں خدا تعالیٰ کیلئے ایک فرزند کے قائل تھے۔ یہودی کہتے تھے: عُزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ ''وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ'' (توبہ۔ ۳۰) عیسائی جناب عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے: ''وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ط'' (توبہ۔ ۳۰) اور مشرکین، فرشتوں کو اللہ کی اولاد سمجھتے تھے: ''وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ'' (نحل۔ ۵۷)

مذکورہ بالا آیت ان غلط توہم و بے جا خیال بافیوں کی رد کر رہی ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات کو ایسی ناروا نسبتوں سے پاک جانتی ہے۔

☆ خدا کو اپنے ساتھ موازنہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اگر انسان کو اولاد کی ضرورت ہے تو مندرجہ ذیل مسائل کی وجہ سے ہے:

۱۔ اس کی عمر محدود ہے اور وہ اپنی و اپنی نسل کی بقا چاہتا ہے۔

۲۔ اس کی طاقت و قدرت محدود ہے اور اسے مدد کرنے والے معاون و مددگار کی ضرورت ہے۔

۳۔ اسے محبت اور مہربانی کی ضرورت ہے، اس لیے ضروری ہے کہ کوئی پیار اور انس کرنے والا ہو۔

لیکن خدا تعالیٰ ایسی تمام ضرورتوں اور کمزوریوں سے پاک و منزہ ہے۔ بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کے سامنے تسلیم اور سرنگوں ہے۔

پیغام:

۱۔ جس خدا کے آگے تمام آسمان اور زمین جھکے ہوئے ہیں کیا اس میں کس قسم کی کمی باقی رہ جاتی ہے کہ کسی کو اپنا بیٹا بنا کر اسے پورا کرے؟! ''بَلۡ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ''

۲۔ خشوع و خضوع اور تواضع اس کے لیے سزاوار ہے، جس کے قبضہ قدرت میں یہ کائنات ہے۔ بت اور طاغوت اس کے سزاوار نہیں ہیں جو ایک مکھی کو بھی خلق کرنے سے عاجز ہیں اور کسی کو نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ''کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوۡنَ﴿۱۱۶﴾''

آیت نمبر ۱۱۷

بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ﴿۱۱۷﴾

ترجمۃ الآیات

آسمانوں اور زمین کو وجود بخشنے والا وہی ہے اور جب وہ کسی چیز کو وجود عطا کرنے کا فرمان جاری کرتا ہے تو کہتا ہے ''ہوجا'' پس وہ چیز (فوراً موجود) ہوجاتی ہے۔

نکات:

☆ وہ تمام موجودات کا مالک ہی نہیں بلکہ ان سب کا خالق بھی ہے۔ اس نے سب مخلوقات کو بغیر کسی پیشگی مثال کے پیدا کیا، پس اسے کیا ضرورت ہے وہ اولاد کی خواہش رکھتا ہو؟!

جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے کہ ''ہوجا'' تو وہ فوراً وجود میں آجاتی ہے۔

امام رضا علیہ السلام کی تعبیر کے مطابق: ''فارادة الله الفعل لا غير ذلك يقول له كن فيكون بلا لفظ ولا نطق ولا همة ولا تفكر '' خدا تعالیٰ اپنے کام میں حتیٰ ''کن'' کہنے کا بھی محتاج نہیں ہے۔ جونہی اس کا ارادہ ہوتا ہے اسی لحظے وجود خلق ہوجاتا ہے۔ (کافی، ج۱، ص۱۰۹)

یہاں قدرت الٰہی کے بارے چند آیات کا ذکر کیا جارہا ہے:

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ، مشرق ومغرب اسی کے لیے ہیں۔ (بقرہ۔۱۱۵)

لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، تمام آسمان اور زمین اپنی تمام اشیا کے ساتھ اسی کے لیے ہیں۔ (بقرہ۔۱۱۶)

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ، سب اس کیلئے متواضع اور اس کے فرمانبردار ہیں۔ (بقرہ۔۱۱۶)

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، آسمانوں اور زمین کو بغیر مثال کے پیدا کرنے والا ہے۔

كُنْ فَيَكُوْنُ، اس کے حکم سے ہر چیز موجود ہوجاتی ہے۔ (بقرہ۔۱۱۷)

☆ جس طرح اسے وجود کی نعمت نوازنے میں ایک لحہ لگتا ہے اسی طرح قہاریت کے مقام پر بھی وہ ایک ہی لحہ میں ساری کائنات کو ختم کرسکتا ہے۔ چنانچہ سورہ ابراہیم کی آیت ۱۹ میں فرماتا ہے: ''نْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾'' وہ چاہے تو تمہیں (ایک ہی آن میں) ختم کردے اور نئی مخلوق کو لے آئے۔

اس بات پر ایمان کہ ہر چیز کا وجود اور عدم اسی کے ہاتھ میں ہے، انسان کو انتہائی قوت عطا کرتا ہے اور اسے مایوسی و نا امیدی سے نکال دیتا ہے۔

پیغام:

۱۔ خدا تعالیٰ کی تخلیق ہمیشہ بدیع اور تازہ ہے۔ ''بَدِيْعُ''

۲۔ خداوند ایک لحہ میں ساری کائنات کو خلق فرماسکتا ہے؛ ''كُنْ فَيَكُوْنُ'' جبکہ اس کی حکمت اس بات کی متقاضی ہے کہ اسباب وعلل کا سلسلہ بحال رہے اور پیدا ہونے والی چیزیں تدریجی طور پر خلق ہوں۔

آیت نمبر ۱۱۸

وَقَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ لَوۡ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوۡ تَاۡتِيۡنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّثۡلَ قَوۡلِهِمۡ ؕ تَشَابَهَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمۃ الآیات

بے علم افراد کہتے ہیں کہ خدا ہم سے بات کیوں نہیں کرتا ؟ یا کوئی آیت (اور نشانی) خود ہمارے ہی پاس کیوں نہیں آتی ؟ ان سے پہلے بھی لوگ اسی قسم کی باتیں کرتے تھے ان کے دل (اور افکار) آپس میں ملتے جلتے ہیں لیکن ہم (کافی تعداد میں) اپنی آیات اور نشانیاں (حقیقت کے متلاشی) اہل یقین کے لیے واضح و روشن کر چکے ہیں۔

نکات:

☆ ایک بار پھر بے شعور گروہ کفار کی طرف سے بے جا تقاضا کیا جا رہا ہے۔ رسول خدا کی دعوت کے جواب میں کہتے ہیں: خدا براہ راست ہم سے کیوں بات نہیں کرتا؟ سیدھے ہم پر کیوں آیت نازل نہیں ہوتی ؟

قرآن مجید نے اسی قسم کے بیہودہ اور بے جا سوالات کے باعث مسلمانوں پر مرتب ہونے والے اثرات کو روکنے اور پیغمبر اکرمؐ کی دلجوئی کرنے کے لیے ایسے سوالوں اور تقاضوں کو معمولی قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس قسم کے سوالات کوئی نئی بات نہیں ہیں۔ اس سے پہلے بھی کافر لوگ گذشتہ انبیا سے اس قسم کے سوالات کیا کرتے تھے اور ان سے غلط اور بے جا توقعات وابستہ کیے ہوئے تھے۔

پھر فرماتا ہے: دونوں قسم کے لوگوں کے دل اور انداز فکر ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں لیکن ہم اس قسم کے سوالوں اور تقاضوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اس لیے کہ ہم نے اہل یقین اور طالبان حقیقت کے لیے (اپنی بہت سی آیات) بیان کر دی ہیں۔

☆ غیر ضروری توقعات، اسکتباری سوچ اور خود کو برتر سمجھنے کی وجہ سے ہیں یا جہالت و نادانی کی وجہ سے ہیں۔ جاہل شخص نہیں جانتا کہ فرشتہ وحی کا نزول ہر دل پر ممکن نہیں ہے، کوئی حکیم پاک وصاف اور خوشگوار شربت کو ہر برتن میں نہیں ڈالتا۔

قرآن پاک میں ہم پڑھتے ہیں کہ اگر تمہارے دل پاک ہوتے اور تمہارے اعمال صحیح ہوتے تو ہم تمہیں فرقان یعنی حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والی قوت عطا کرتے۔''اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّكُمۡ فُرۡقَانًا''(انفال۔۲۹)

پیغام:

ا۔سعی وکوشش اور استعداد ولیاقت کو ایک اصل مانا گیا ہے، تقاضوں اور توقعات کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ایسے لوگ بھی ہیں جو سعی وکوشش اور استعداد وصلاحیت کا اظہار کیے بغیر ہمیشہ اپنی ناروا اور غیر ضروری توقعات ظاہر کرتے رہتے ہیں۔''لَوۡ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ''

۲۔خداوند کا ہمیشہ سے طریقہ کار اتمام حجت اور دلیل کا بیان کر دینا رہا ہے۔ان کی خواہشات نفسانی اور غیر منطقی رجحانات کا جواب دینا نہیں ہے۔''قَدۡ بَيَّنَّا الۡاٰيٰتِ''

آیت نمبر ۱۱۹

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ وَّلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۱۹﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسولؐ!) ہم نے آپؐ کو حق کے ساتھ (اہل دنیا کو) بشارت (خوشخبری) دینے اور تہدید (ڈرانے) کے لیے بھیجا ہے اور آپؐ دوزخیوں (کی گمراہی اور ان کے جہنم میں جانے) سے متعلق جوابدہ نہیں ہیں۔

نکات:

☆اے رسول گرامیؐ! کفار کی غیر ضروری توقعات کی طرف توجہ نہ کریں کیونکہ ان میں سے تو ہر ایک چاہتا ہے کہ آیات کے کئی ایک صفحات ان پر نازل کیے جائیں۔''بَلۡ يُرِيۡدُ كُلُّ امۡرِىٴٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّؤۡتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً''(مدثر۔۵۲)

جبکہ ہم نے آپؐ کو حق کی منطق کے ساتھ لوگوں کیلئے بھیجا ہے تاکہ خوشخبری اور خوف دلانے کے ذریعے انہیں ان کی کامیابی سے آگاہ کریں۔اگر کچھ گروہ بہانے بنا کر حق کو قبول کرنے سے روگردانی کرتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ ان پر وحی

نازل ہوتو آپؐ ان کی جہنم کے بارے میں جوابدہ نہیں ہیں۔آپ صرف خوشخبری دینے اور خوف دلانے کے ذمہ دار ہیں۔اس کے نتیجہ اور لوگوں کی طرف سے اس بات کے قبول کرنے یا انکار کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

☆ خوشخبری کا آنا یا خوف دلانا، انسان کے مختار ہونے کی علامت ہے۔

قرآن مجید میں کئی مرتبہ یہ بات بیان ہوئی ہے کہ خدا پر یہ ہے کہ وہ اپنے معصوم نمائندگان کو حق کی منطق، بشارت اور انذار کے ساتھ بھیجے۔اب یہ لوگوں پر ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ راہ حق کو قبول کرلیں یا انکار کرنے میں سختی دیکھائیں۔

پیغام:

ا۔دشمن کی طرف سے حوصلوں کو پست کرنے اور سازشوں کے مقابلہ میں ضرورت اس امر کی ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تقویت، تسلی اور روح کی تسکین کے اسباب فراہم کیے جائیں۔''اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ''(پہلے والی آیت میں کفار کے بہانوں کا ذکر ہوا اور اس آیت میں''بِالۡحَقِّ''کے کلمہ کے ساتھ پیغمبرؐ کی تائید اور حمایت کی جارہی ہے۔)

۲۔خوشخبری دینا اور ڈرانا، ترازو کے دو پلڑوں کی مانند ہیں جنہیں ہمیشہ اعتدال پر رہنا چاہیے ورنہ غرور وتکبر، مایوسی اور ناامیدی کا موجب بن جائے گا۔''بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ''

آیت نمبر ۱۲۰

وَلَنۡ تَرۡضٰى عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ ‌ؕ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ‌ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ الَّذِىۡ جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ‌ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۱۲۰﴾

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبر!) یہود ونصاریٰ آپؐ سے کبھی راضی نہ ہوں گے، جب تک کہ آپؐ (ان کی غلط خواہشات کے سامنے سرتسلیم خم نہ کریں اور) ان کے مذہب کی پیروی نہ کریں۔آپؐ کہہ دیں کہ ہدایت تو صرف خدا ہی کی ہدایت ہے اگر آگاہ ہوجانے کے بعد بھی آپؐ نے ان کی ہوا وہوس کی پیروی کی تو خدا کی طرف سے آپؐ کے لیے کوئی سرپرست اور مددگار نہ ہوگا۔

نکات:

☆ تغیر قبلہ کے بعد مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں کی ناراضگی بڑھ گئی حتیٰ کہ کچھ مسلمان بھی یہی خواہش رکھتے تھے کہ بیت المقدس ہی قبلہ ہونا چاہیے تاکہ وہ یہودیوں کے ساتھ دوستانہ زندگی گذارتے رہیں۔ وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ تحویل قبلہ کا فیصلہ واپس لینے سے اہل کتاب خوش نہ ہونگے بلکہ وہ تو اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ مسلمان ان کے دین کی پیروی کریں۔

☆ یہ آیت اگرچہ براہ راست پیغمبر اکرمؐ سے مخاطب ہے لیکن درحقیقت اس کائنات میں ہر دور کے اہل اسلام سے خطاب کر رہی ہے کہ یہود و نصاریٰ تم لوگوں سے دلی طور پر ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم بے چون وچرا ان کے سامنے تسلیم نہ ہو جاؤ اور خدا کے مقرر کردہ اصولوں اور قدروں کو مکمل طور پر چھوڑ نہ دو۔

لیکن تم مسلمانوں کا فرض ہے کہ پختہ ارادے کے ساتھ نامحرم لوگوں کے زوردار تمانچا رسید کردو۔ جان لو کہ سعادت کا راستہ فقط وحی کا راستہ ہے اور ہر کس و ناکس کی پیروی سعادت کی راہیں نہیں دکھا سکتی۔

پیغام:

۱۔ دشمن تھوڑی چیز پر راضی نہیں ہوتا بلکہ وہ تمہارے مکمل سقوط، مکتب و مذہب کے مٹنے اور تمہارے مقاصد کے تہس نہس ہونے پر ہی راضی ہوتا ہے۔ ''لَنۡ تَرۡضٰی عَنۡكَ۔۔۔''

۲۔ اگر کبھی مسلمان یہ دیکھیں کہ کفار ان سے خوش ہیں تو پھر انہیں اپنے دیندار ہونے میں شک کرنا چاہیے، ایسی دینداری جسے کافر پسند کریں وہ کفر ہی ہے۔ ''لَنۡ تَرۡضٰی عَنۡكَ۔۔۔حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ ؕ''

۳۔ وحی اور الٰہی ہدایت کے علاوہ سب راستے گمراہی کی راہیں ہیں۔ ''قُلۡ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰی ؕ''

۴۔ عالم کی ذمہ داری جاہل سے زیادہ ہے۔ ''بَعۡدَ الَّذِیۡ جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ''

۵۔ اہل کتاب کے ساتھ تعلقات اپنے اصولوں کو نظر انداز کرنے کی قیمت پر نہیں ہونے چاہئیں۔ دوسروں کو ساتھ لے کر چلنا ٹھیک ہے لیکن اس کی خاطر اپنے اصولوں سے ہٹنا ٹھیک نہیں ہے۔ ''لَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ''

۶۔ لوگوں کی خواہشات کی پیروی خداوند کے لطف و کرم سے منقطع ہو جانے کا موجب بن جاتی ہے۔ اس لیے کسی ایک کا انتخاب کرنا چاہیے۔ لطف خدا' یا' عوامی خواہشات۔ ''مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ﴿۱۲۰﴾''

آیت نمبر ۱۲۱

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ یَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ یُؤۡمِنُوۡنَ

بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ترجمۃ الآیات

جن لوگوں (یہود و نصاریٰ) کو ہم نے (آسمانی) کتاب دی ہے وہ اس کی اسی طرح تلاوت کرتے ہیں جو اس کی تلاوت کا حق ہے وہ اس (قرآن یا پیغمبر) پر بھی ایمان لے آتے ہیں اور جو اس سے کفر اختیار کرے گا تو ایسے ہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

نکات:

☆ خداوند تعالیٰ کی طرف سے جہاں بعض یہودیوں اور عیسائیوں کو ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے مورد تنقید قرار دیا گیا ہے وہاں انہی میں سے بعض کی تعریف اور قدردانی بھی کی گئی ہے۔ وہ ایسے افراد ہیں جنہوں آسمانی کتاب کی طرف رجوع کیا ہے، اس میں پیغمبر اسلامؐ کے ظہور اور بعثت کی نشانیوں کو دیکھا ہے، اور پھر آپ ؐسرکار پر ایمان لائے ہیں۔

☆ تفسیر اطیب البیان میں ہے کہ اس آیت میں ''کتاب'' سے مراد قرآن پاک ہے اور اس کے مخاطبین وہ مسلمان ہیں جنہوں نے قرآن کی قرأت میں حق تلاوت ادا کیا ہے اور پیغمبر اکرمؐ پر ایمان لائے ہیں۔ تفسیر المیزان نے بھی اس بات کی تائید کی ہے۔

☆ آداب تلاوت قرآن کے حوالے سے ایک روایت تفسیر المیزان میں نقل ہوئی ہے جس میں آٹھ نکات بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ ترتیل آیات

۲۔ تفقہ در آیات (آیات میں غور و فکر)

۳۔ عمل بہ آیات

۴۔ قرآنی وعدوں پر امید

۵۔ خوف دلائی جانے والی باتوں سے ڈرنا

۶۔ واقعات سے عبرت حاصل کرنا

۷۔ الٰہی احکام کو انجام دینا

۸۔ جن باتوں سے منع فرمایا گیا ہے ان سے باز رہنا

آخر میں امام صادق علیہ السلام سے ایک روایت بیان کی گئی ہے، امامؑ نے فرمایا: تلاوت کا حق صرف آیات کو حفظ کر لینا، اس کے الفاظ و حروف کا سبق پڑھ لینا، اچھی قرأت یا تجوید کر لینا ہی نہیں ہے۔

روایات کے مطابق تلاوت کا صحیح حق ادا کرنے والے ائمہ معصومین علیھم السلام ہی ہیں۔ (کافی، ج۱، ص ۲۱۵)

پیغام:

۱۔ تلاوت کا حق، اچھی آواز میں تلاوت کرنا اور تجوید کے قوائد کا خیال رکھنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کا معیار ایمان اور عمل ہے۔ ''یَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ ''

۲۔ اگر کوئی مکتب کے انتخاب میں غلطی کا شکار ہو جائے، حقیقت میں نقصان اٹھانے والا ہے۔ ''فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ﴿۱۲۱﴾ ''

آیت نمبر ۱۲۲۔ ۱۲۳

یٰبَنِیۡٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ﴿۱۲۲﴾

وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡئًا وَّلَا یُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ﴿۱۲۳﴾

ترجمۃ الآیات

اے بنی اسرائیل! میں نے جو اپنی نعمت تمہیں عطا کی اور تمہیں عالمین پر فضیلت عنایت کی اسے یاد کرو۔

ڈرو اس دن سے جب کوئی (عذاب خدا) سے کسی کیلئے کچھ کم نہ کر سکے گا۔ اس کا کوئی بدلہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ کوئی شفاعت اسے فائدہ نہ دے گی۔ اور (کسی کی طرف سے) مدد نہ کیا جائے گا۔

نکات:

☆ یہ دو آیات اسی سورت کی آیات ۴۷ و ۴۸ سے تشابہ رکھتی ہیں، ان کے مطالب وہاں بیان ہو چکے ہیں۔

آیت نمبر ۱۲۴

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو چند باتوں میں آزمایا اور وہ بڑی عمدگی کے ساتھ ان سے عہدہ برآ ہوئے تو خدا نے ان سے فرمایا کہ میں نے تمہیں لوگوں کا امام و راہبر قرار دیا ہے۔ (ابراہیمؑ نے) کہا: میری اولاد سے بھی (امام قرار دے تو) خدا نے فرمایا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ (اور تمہاری اولاد میں سے جو پاک اور معصوم ہیں وہی اس مقام کے لائق ہیں۔)

نکات:

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انبیا کی فہرست میں ایک خاص مقام و منزلت حاصل ہے۔ اس عظیم انسان کا نام قرآن مجید کی ۲۵ سورتوں میں ۶۹ مرتبہ آیا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کی مانند انہیں بھی عالم بشریت کے لیے ایک اسوہ اور نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ بعض آیات میں انہیں اخیار، صالحین، قانتین، صدیقین، صابرین اور وعدہ وفا کرنے والوں میں ذکر فرما کر ان کی عظمت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

خداوند عالم نے اس عظیم پیغمبر کے مقام عظمت کو بیان کرنے کے لیے خصوصی اہتمام کیا ہے۔ حتیٰ کہ اسرار حج میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایثار اور قربانی کی یاد کو زندہ رکھنے کے لیے فرض کیا گیا ہے۔

اس مرد خدا نے مختلف میدانوں میں شرک اور گمراہی کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ ماہ پرستوں اور ستارہ پرستوں کے مقابلے میں دلائل و براہین پیش کرنا، بت پرستوں کے ساتھ عملی صورت میں نبرد آزما ہونا، نمرود کے سامنے اپنے دلائل اور حجت کا قائم کرنا اور دیگر آزمائشوں میں سرخرو اور سربلند ہونا ایسے امتیازات ہیں جن کی وجہ سے خدا نے انہیں دنیا والوں کے لیے اسوہ اور نمونہ قرار

دے کر منصب امامت پر فائز کیا ہے۔

☆ قرآن مجید میں قریباً بیس مقامات پر آزمائش اور امتحان کا ذکر آیا ہے لوگوں کا امتحان لینا خدا کا ایک دیرینہ طریقہ کار چلا آرہا ہے۔ البتہ آزمائش اس لیے نہیں ہوتی تھی کہ خدا کو کسی کے حال کا علم نہیں تھا اور پھر آزمائش کے ذریعے اسے آگاہی حاصل ہوئی۔ وہ تو پہلے ہی سے سب کچھ جانتا ہے لیکن یہ آزمائشیں لوگوں کے عمل کو ظاہر کرنے کے لیے ہوا کرتی ہیں اس سے انسان کی پوشیدہ وخوابیدہ صلاحتیں کھلتی و بیدار ہوتی ہیں۔ اگر انسان کوئی کام نہ کرے تو وہ کسی اجر و جزا کا کیونکر حقدار ہوسکتا ہے؟ زندگی کی تلخیاں اور شیرینیاں بھی امتحان وآزمائش کا ایک ذریعہ ہیں۔

کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں سختیوں، تکلیفوں اور مصیبتوں سے آزمایا جاتا ہے اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کو آسودگی، آرام اور نشاط کے ذریعے امتحان کی کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ بات ناگزیر ہے کہ تمام لوگ حتیٰ کہ انبیا علیھم السلام بھی امتحان و آزمائش سے دوچار ہوتے ہیں اور یہ کڑی آزمائشیں انسان کی تربیت اور پختگی کے لیے ہوتی ہیں۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام امتحان کے پہلے مرحلے میں ''عبداللہ'' ہوئے پھر ''نبی اللہ'' ہوئے اس کے بعد ''رسول اللہ'' پھر ''خلیل اللہ'' اور آخر میں امامت کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔ (کافی، ج۱، ص۱۷۵)

☆ آیت میں ''کلمات'' سے مراد ایسے سنگین حوادث اور فرائض ہیں جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دوچار ہونا بڑا اور شاید سب سے سخت اور کٹھن امتحان ان کی تنہائی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام ایک ایسی شخصیت تھے کہ ان کے اپنے قریبی رشتہ دار حتیٰ کہ چچا آذر بھی ان کے مخالف تھے۔ وہ پورے معاشرے میں تن تنہا تھے۔ لیکن خدا کے تابع اور اس کے آگے سرتسلیم خم کیے ہوئے تھے۔ وہ اکیلے ہی بت خانہ میں داخل ہوئے اور تمام بتوں کو توڑ ڈالا تاریخ میں بت شکن قرار پائے اس کے بعد خدا کی طرف سے ماموریت ملی کی بیوی اور بچے کو مکہ کی صحرا میں چھوڑ آئیں اور خود تبلیغ کی خاطر دوسری جگہ چلے جائیں۔ انہوں نے اپنے دل کی پرواہ نہیں کی انہیں خدا کے سپرد کیا اور چلے گئے۔ اسی طرح جب جناب اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم آیا پھر اپنے دل پر خدا کے حکم کو ترجیح دی اور خنجر کو اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر رکھ دیا۔ آواز آئی کہ ہمارا مقصد اسماعیل علیہ السلام کا ذبح کرنا نہیں تھا بلکہ ابراہیم علیہ السلام کا امتحان مقصود تھا وہ ایک ''شخص'' تھے لیکن قرآن نے انہیں ایک ''امت'' قرار دیا۔ جس طرح حضرت رسول اکرمؐ نے حضرت ابوطالب کے بارے میں فرمایا: ''وہ ایک شخص تھے لیکن (حقیقت میں) ایک امت تھے۔''

تمام ابتلاؤں، آزمائش کے بعد ابراہیم امامت کے عہدہ کے لے منصوب ہوئے۔ اس پر انہوں نے خدا سے درخواست کی کہ امامت اور رہبری کا یہ منصب ان کی اولاد کو بھی نصیب ہو لیکن خدا نے جواب میں فرمایا: ''منصب امامت میرا ایک ایسا عہد و پیمان ہے جو ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔ اگر آپ کی اولاد میں سے کسی شخص نے اپنے اوپر یا کسی دوسرے پر ظلم کیا تو وہ منصب امامت پر ہرگز فائز نہیں ہوسکے گا۔''

☆ حضرت ابراہیمؑ وہ واحد پیغمبر ہیں جنہیں مشرکین، یہود و نصاریٰ اور مسلمان سبھی اپنا مقتدا سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو ان

کا پیروکار کہتے ہیں۔ اس آیت میں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت کو سراہا گیا ہے وہاں بالواسطہ طور پر سب سے کہا جا رہا ہے کہ اگر واقعاً تم انہیں اپنا مقتدا تسلیم کرتے ہو تو شرک سے دوری اختیار کر کے انہی کی مانند احکام الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کر دو۔

☆ یہ آیت ان آیات میں شامل ہے جو مذہب شیعہ کے فکر و عقیدہ کی حمایت کرتی ہیں کیونکہ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ امام کو معصوم ہونا چاہیے اور جس پر ''ظالم'' کا لقب صادق آتا ہو وہ امامت کے عہدہ کا اہل نہیں ہے۔ (تفسیر المنا، جلد ۱ صفحہ ۴۵۷ میں آیا ہے کہ ابوحنیفہ اس آیت سے استناد کرنے کی وجہ سے حکومت وقت منصور عباسی کے مخالف تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے مقام قضاوت کو قبول نہ کیا تھا۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ اہل سنت کے ائمہ اربعہ بھی اپنے زمانے کی حکومتوں کے مخالف تھے کیونکہ وہ انہیں ظالم تصور کرتے تھے۔ لیکن تاریخی کتب اور ماخذ میں مولف تفسیر المنار کے اس دعوے کے خلاف مطالب نظر آتے ہیں۔)

☆ اس آیت میں امامت کے منصب کو ''عہدی'' کہا گیا ہے اس لحاظ سے آیت ''وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ''(بقرہ۔۴۰) کا معنی یہ ہوگا کہ اگر تم نے اس امام کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا جسے میں نے مقرر کیا ہے تو میں بھی اپنے اس قول کو پورا کروں گا جو میں نے تمہاری نصرت اور امداد کرنے کے بارے میں دیا ہے۔

پیغام:

۱۔ پیغمبر بھی الٰہی آزمائش کا سامنا کرتے ہیں۔ ''وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ''

۲۔ اعلیٰ مقامات پر افراد کو منصوب کرنے کیلئے انتخاب اور امتحان ضروری ہے۔ ''وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ''

۳۔ امامت کی بنیاد ''وراثت'' نہیں بلکہ ''لیاقت'' ہے اور ''لیاقت'' فقط نعرے لگانے سے معلوم نہیں ہوتی وہ تو خدا کی طرف سے آنے والی آزمائشوں میں کامیابی حاصل کرنے سے ثابت ہوتی ہے۔ ''فَاَتَمَّهُنَّ ۭ''

۴۔ منصب اور ذمہ داریاں تدریجاً منتقل ہونی چاہیں۔ ہر مرحلے میں کامیابی کے بعد عہدے حوالے کرنے چاہیں۔ ''فَاَتَمَّهُنَّ ۭ ...''

۵۔ امامت، انتصابی ہے انتخابی نہیں ہے۔ امام یقیناً خدا تعالی کی طرف سے منصوب ہوتا ہے۔ ''اِنِّىْ جَاعِلُكَ''

۶۔ امامت، خدا اور لوگوں کے درمیان ایک عہد ہے۔ ''عَهْدِي''

۷۔ راہبری کی اہم شرائط میں سے عدالت اور اچھا سابقہ ہوتا ہے۔ جس کسی کا سابقہ شرک وظلم ہو وہ امامت کے لائق نہیں ہے۔ ''لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾''

(تفسیر اطیب البیان میں امالی طوسی سے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ ابن مسعود، آنحضورؐ سے نقل کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا: ''من سجد لصنم دونی، لا اجعله اماما ... انا و علی بن ابی طالب لم یسجد احدنا لصنم قط'' جو کوئی بھی کسی بت کیلئے سجدہ کرے گا میں اسے امام و راہبر قرار نہ دوں گا ... اور میں نے اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہم دونوں میں

سے کسی نے بھی کسی بت کو کبھی بھی سجدہ نہیں کیا۔)

آیت نمبر ۱۲۵

وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَيۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمۡنًا ؕ وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدۡنَآ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ اَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ وَالۡعٰكِفِيۡنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ ﴿۱۲۵﴾

ترجمة الآيات

اور (یاد کرو) جب ہم نے خانہ (کعبہ) کو لوگوں کیلئے رجوع کرنے، اکٹھے ہونے اور امن کی جگہ قرار دیا (اور ہم نے کہا) مقام ابراہیم سے نماز کیلئے جگہ کا انتخاب کرو، ابراہیم اور اسماعیل پر لازم کیا کہ میرے گھر کو طواف، اعتکاف اور رکوع وسجود کرنے والوں کیلئے پاک و پاکیزہ کریں۔

نکات:

☆ گذشتہ آیت میں جناب ابراہیمؑ کے بلند و بالا مقام کو بیان کرنے کے بعد اس آیت میں ان کی یادگار یعنی کعبہ کے بارے میں ذکر کیا جارہا ہے۔ ارشاد ہے کہ ہم نے کعبہ کو لوگوں کیلئے ''مثابہ'' قرار دیا ہے۔ ''مَثَابَةً'' کلمہ ''ثوب'' سے ہے جس کے معنی پہلے والی حالت پر پلٹنا ہے۔ کعبہ لوگوں کے پلٹنے کی جگہ اور وعدہ گاہ ہے۔ امن ومقدس وعدہ گاہ قرار دیا ہے۔

☆ مقام ابراہیم، کعبہ سے قریباً ۱۳ میٹر کے فاصلے پر ہے۔ حاجیوں کیلئے ضروری ہے کہ خانہ کعبہ کے طواف سے فارغ ہو کر دو رکعت اس سے پیچھے پڑھیں۔ وہاں وہ پتھر موجود ہے جس پر کھڑے ہو کر جناب ابراہیمؑ نے دیوار کعبہ کو اونچا کیا تھا۔ آج اس پتھر کے گرد ایک حفاظتی محراب بنا دیا گیا ہے۔

☆ اس آیت میں ''عھد'' سے مراد اللہ کا حکم ہے، ''عَهِدۡنَآ'' یعنی ہم نے حکم دیا۔

☆ خداوند جسم نہیں رکھتا کہ جس کی وجہ سے اسے مکان کی ضرورت ہو۔ اس آیت میں ''بَيۡتِىَ'' میرا گھر، یہ ایسے ہی ہے جیسے ''شهر الله'' ماہ رمضان کے بارے میں ہے۔ کسی خاص جگہ یا وقت کو عزت وکرامت عطا کرنے کی خاطر خدا تعالیٰ اسے

اپنے ساتھ نسبت دیتا ہے۔ خانہ کعبہ کی عظمت کیلئے اتنا بہت ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ''بَیۡتِیَ'' میرا گھر کہا، یا فرمایا: ''رب ھذا البیت'' اس گھر کا پروردگار۔

پیغام:

۱۔ جناب ابراہیمؑ کی شخصیت ایک عالمی شخصیت ہے۔ ماقبل آیت میں جناب ابراہیمؑ کو تمام لوگوں کیلئے امام قرار دیا گیا اور اب اس آیت میں کعبہ کو سب لوگوں کی وعدہ گاہ قرار دیا گیا ہے۔ ''وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَیۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ''

۲۔ معاشرے کو امام اور امن کی ضرورت ہے۔ ماقبل آیت میں فرمایا: ''اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ'' اور اس آیت میں ارشاد ہے: ''وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَیۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ''

۳۔ جو کوئی خدا کی خاطر اپنے آپ کو، اپنے بیوی بچوں کو خدا کے سامنے اور اس حضور میں تسلیم کردے، دنیا میں ہر جبین (ماتھا) خدا کیلئے اس کی خاک پا پر جھکے گی۔ ''مُصَلًّى'' (تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۱۲۲)

۴۔ کیونکہ گھر، اللہ کا ہے ''بَیۡتِیَ''۔ اس لیے اس کا خادم بھی اولیائے اللہ سے ہونا چاہیے۔ ''طَهِّرَا بَیۡتِیَ''

۵۔ بیت اللہ کے زائرین کی عظمت وعزت کیلئے اتنا ہی بہت ہے کہ جناب ابراہیمؑ اور جناب اسماعیلؑ اس گھر کی طہارت و پاکیزگی کیلئے مامور کیے گئے تھے۔ ''طَهِّرَا بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ۔۔۔''

۶۔ عبادت کا طہارت کے ساتھ رابطہ ہے۔ ''طَهِّرَا بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَالۡعٰکِفِیۡنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ''

۷۔ عبادت اور نماز اس قدر اہم ہیں کہ حتیٰ جناب ابراہیمؑ اور جناب اسماعیلؑ ان عبادات کی انجام دہی سے پہلے اس جگہ کی طہارت کیلئے مامور کیے گئے ہیں۔ ''طَهِّرَا بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَالۡعٰکِفِیۡنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ''

۸۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ مساجد کو پاک وصاف اور پررونق بنائے رکھیں۔ ''طَهِّرَا بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَالۡعٰکِفِیۡنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ''

آیت نمبر ۱۲۶

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنۡ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيۡلًا ثُمَّ اَضۡطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئۡسَ

الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۲۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ابراہیم نے (بارگاہ رب العزت میں) عرض کیا کہ پروردگارا اس سرزمین کو شہر امن قرار دے اور اس کے رہنے والوں میں سے جو خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہوں، ان کو قسم قسم کے میووں سے روزی دے۔ (ہم نے ابراہیم کی اس دعا کو قبول کیا اور مومنین کو انواع واقسام کی برکتوں سے نوازا) خداوند عالم نے فرمایا کہ جو لوگ کافر ہو جائیں گے پس میں انہیں تھوڑا سا فائدہ دوں گا، پھر انہیں آگ کی طرف کھینچ لے جاؤں گا اور ان کا انجام کتنا برا ہے۔

نکات:

☆ گزشتہ آیات میں جناب ابراہیمؑ نے اپنی ذریت کے لیے مقام امامت کی درخواست کی۔ خدا تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: یہ مقام ومنصب ظالم افراد تک نہیں پہنچے گا۔ اس آیت میں جناب ابراہیمؑ کو مومنین کیلئے دنیا کے رزق کی درخواست کر رہے ہیں۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے درخواست کی اس محدودیت کو قبول نہیں فرمایا اور دنیا کا مادی رزق کفار کو دینے میں رکاوٹ نہیں ڈالی اس کے نزدیک مادی رزق وروزی اہم نہیں ہے، اس لیے اہل ونا اہل دونوں کو دی گئی ہے۔ چونکہ معنوی، روحانی مقامات اور راہبری انتہائی اہم ہے، لہٰذا ہر کسی کو نہیں دی جائے گی۔

پیغام:

۱۔ انبیا کرام لوگوں کو ہدایت ونصیحت کے علاوہ ان کی مادی ضرورتوں پر بھی توجہ رکھتے تھے، جیسے ان کی امنیت اور معیشت کا خیال کرنا، اس مقصد کیلئے کوشش کرنا اور دعا کرنا۔ ''رَبِّ اجۡعَلۡ ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا''

۲۔ نعمتوں سے بہرہ مندی اس وقت زیادہ لذت بخش ہو جاتی ہے اور بھلی معلوم ہوتی ہے جب خوف وخطرے سے پاک اور پرسکون ماحول میسر ہو۔ ''اٰمِنًا وَّارۡزُقۡ''

۳۔ دعا میں دوسروں کو فراموش نہ کریں۔ ''وارزقنا'' کی جگہ فرمایا: ''وَّارۡزُقۡ اَھۡلَہٗ''

۴۔ خدا تعالیٰ کا طریقہ کار یہ ہے کہ تمام انسانوں کو خواہ کافر ہوں یا مسلمان رزق وروزی عطا فرمائے۔ یہ طرز عمل حتیٰ جناب ابراہیمؑ کی درخواست کے بعد سے بھی مخدوش نہیں ہوتا۔ ''وَمَنۡ کَفَرَ فَاُمَتِّعُہٗ''

۵۔ دنیا میں نعمات سے بہرہ مندی، انسان پر خدا تعالیٰ کے لطف وکرم کی تمام نشانیوں میں سے نہیں ہے۔ ''وَمَنۡ کَفَرَ فَاُمَتِّعُہٗ''

۶۔ بنی نوع انسان کی مدد کیلئے اس کے نظریہ یا مذہب کو نہ دیکھو۔ ''وَمَنۡ کَفَرَ فَاُمَتِّعُہٗ''

۷۔ دنیوی اور مادی لحاظ سے جتنی بھی کامیابیاں حاصل کرلو، آخرت کی نعتوں کے مقابلے میں کم ہیں۔ ''قَلِیۡلًا''

آیت نمبر ۱۲۷

وَاِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰہٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَاِسۡمٰعِیۡلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۱۲۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور (یاد کرو) جب ابراہیم واسماعیل خانہ (کعبہ) کی بنیادوں کو بلند کر رہے تھے، (انہوں نے کہا) اے ہمارے پروردگار! تو ہم سے (یہ عمل) قبول فرما! یقیناً تو سننے والا، جاننے والا ہے۔

نکات:

☆ متعدد آیات وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے موجود تھا اور اس کے گر جانے یا مٹی کے نیچے دب جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے از سرِ نو اس کی بنیادوں کو اٹھایا تھا۔ اس بات کی دلیل قرآن پاک کی وہ آیت ہے جس میں حضرت ابراہیم کی اس التجا کا ذکر ہے جو انہوں نے اس وقت کی جب انہوں نے اپنی زوجہ اور فرزند کو سرزمین مکہ میں ٹھہرایا۔ انہوں نے کہا تھا: ''رَبَّنَاۤ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ'' ''اے پروردگارا! میں اپنی ذریت کے کچھ افراد کو اس خشک اور بے آب وگیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے نزدیک بسا رہا ہوں۔ (ابراہیم۔ ۳۷)

آیت اس بات کی شاہد ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طفولیت کے زمانے میں بھی کعبہ شریف کا وجود تھا، نیز آل عمران کی آیت ۹۶ میں بھی ''کعبہ'' کو لوگوں کے لیے پہلے گھر کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

زیر نظر آیت میں بھی ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں خانہ کعبہ کی دیواروں کو بلند کرنے کا ذکر ہے۔ اس تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کا وجود پہلے سے تھا اور ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے اس کی دیواروں کو بلند کیا۔

علاوہ ازیں حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ کے ''خطبہ قاصعہ'' میں ارشاد فرماتے ہیں: ''خداوند عالم حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر تا ابد لوگوں کو اسی کعبہ اور اس کے پتھروں کے ذریعے آزماتا رہے گا۔'' (نہج البلاغہ، صبحی صالح، خطبہ ۱۹۲)

☆ جناب ابراہیم اور جناب اسماعیل کام کرنے میں ایک جیسے نہ تھے۔ حدیث میں پڑھتے ہیں کہ جناب ابراہیمؑ معمار کا کام کر رہے تھے اور جناب اسماعیلؑ پتھر اٹھا کر اپنے والد کے ہاتھوں میں دے رہے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان دو بزرگوار کے ناموں کو ذکر کرنے میں فاصلہ دیا گیا ہے۔ ''يَرْفَعُ إِبْرٰهِمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيلُ ط''

پیغام:

۱۔ نیک کام کی ابتدا کرنے والوں کو فراموش نہ کریں۔ ''وَإِذْ يَرْفَعُ'' ''إِذْ'' کا مطلب ہے کہ گذشتہ کو یاد رکھو۔

۲۔ الٰہی اہداف کے راستے میں معماری کا کام اور مزدوری کرنا بھی عبادت ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ سے اس کی قبولیت کیلئے دعا کرتے ہیں: ''يَرْفَعُ إِبْرٰهِمُ الْقَوَاعِدَ ۔۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط''

۳۔ کام اہمیت نہیں رکھتا بلکہ اس کا قبول ہونا اہمیت رکھتا ہے۔ حتیٰ اگر کعبہ کی تعمیر کر لیں لیکن اگر قبولیت کے درجے تک نہ پہنچے تو کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ ''رَبَّنَا تَقَبَّلْ''

۴۔ اپنے کاموں کو خداوند کی عظمت کے سامنے قابل ذکر نہ سمجھیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے کام اور معماری کا ذکر نہیں کیا بلکہ کہا: ''رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط''

۵۔ روایات میں ہے کہ آداب دعا اور اس کی شرائط قبولیت میں حمد خدا تعالیٰ شامل ہے۔ جناب ابراہیمؑ نے اپنی دعا کا آغاز حمد خداوند سے کیا ہے: ''إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ''

آیت نمبر ۱۲۸

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ص وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۸﴾

ترجمۃ الآیات

(ابراہیم و اسماعیل نے کہا) پروردگارا! ہمیں اپنے حکم کے سامنے تسلیم بنا دے۔ ہماری اولاد میں بھی ایسی نسل قرار دے تو تیرے حکم کے سامنے تسلیم ہو، اپنی عبادت کا طریقہ وسلیقہ ہمیں

دیکھا دے اور ہماری توبہ کو قبول فرما، بے شک تم توبہ قبول کرنے والے اور مہربان ہو۔

نکات:

☆ اگرچہ اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام تسلیم ورضا کا ایک عالی ترین نمونہ ہیں، اس کے باوجود اس آیت میں دونوں باپ بیٹا (خلیل وذبیح) خدا کی بارگاہ میں عرض کر رہے ہیں کہ ہمیں اپنی بارگاہ میں سر تسلیم خم کرنے والا قرار دے۔ گویا وہ خدا سے اپنی بیشتر فرمانبرداری یا ہمیشہ کے لیے اور مستقل طور پر سر تسلیم خم کیے رہنے کی درخواست کر رہے ہیں۔

جو صرف خدا کے آگے اپنا سر جھکا دے وہ نہ تو اپنے بت تراش چچا کے آگے سر جھکاتا ہے، نہ بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوسکتا ہے اور نہ ہی کسی طاغوت کی اطاعت کرسکتا ہے۔

پیغام:

۱۔ اپنے آج کے کمالات پر راضی نہ ہو جاؤ، خدا تعالیٰ سے اس میں اضافہ اور اس کے جاری رہنے کی دعا کرتے رہا کرو۔ ''رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَکَ''

۲۔ اپنی اولاد اور نسل کے بارے توجہ کرنا، عاقلانہ اور خدا پسند دور اندیشی ہے۔ جس سے اس کے دل کی گہرائی سے عشق، دلسوزی، ہمدردی اور وسعت نظری کا پتہ چلتا ہے۔ یہ بات حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں میں کئی بار تکرار ہوئی ہے۔ ''وَمِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ''

۳۔ بندگی کا طریقہ اور سلیقہ خدا تعالیٰ سے سیکھنا چاہیے۔ ورنہ انسان بہت سی خرافات اور کئی قسم کی گمراہیوں کا شکار ہو جائے گا۔ ''اَرِنَا مَنَاسِکَنَا''

۴۔ جب تک روح تسلیم نہ ہو، اس کے سامنے احکام بیان کرنا بے سود ہے۔ یہاں جناب ابراہیمؑ پہلے تسلیم شدہ روح کا تقاضا کر رہے ہیں پھر عبادت وبندگی کا طریقہ وسلیقہ مانگ رہے ہیں۔ ''وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَکَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّۃً مُّسۡلِمَۃً لَّکَ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا''

۵۔ توبہ کی ضرورت، الطاف الٰہی کی طرف واپسی، ہر حال میں اور ہر مقام وصاحب منصب کیلئے اہمیت رکھتی ہے۔ ''تُبۡ عَلَیۡنَا ۚ'' (حدیث میں پڑھتے ہیں کہ رسولخداؐ ہر روز ستر مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے، اس کے باوجود کہ وہ معصوم تھے اور کوئی گناہ انجام نہ دیا۔)

۶۔ دعا کے آداب میں سے ایک پروردگار کی حمد کرنا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں بھی یہ بات دیکھائی دیتی ہے۔ ''التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ''

آیت نمبر ۱۲۹

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

ترجمۃ الآیات

پروردگارا! ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما، جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے، انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور انہیں (فکری، اخلاقی اور عملی مفاسد سے) پاک کرے، یقیناً تو توانا اور حکیم ہے۔

نکات:

☆ یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک اور دعا کی نشاندہی کر رہی ہے اس سے آنجناب کی حد سے بڑھ کر روحانی عظمت اور اندرونی سوز واخلاص کا پتہ چلتا ہے، باوجودیکہ ابھی آپ زندہ موجود اور خدا کے اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں لیکن آئندہ نسلوں کے لیے دعا کر رہے ہیں کہ خداوندا! میری اولاد میں سے ہونے والے لوگوں کے درمیان خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما۔

رسول خداؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''أنا دعوۃ ابی ابراھیم ''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی اجابت دعا کا نتیجہ ہوں، جنہوں نے فرمایا: ''رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ '' (تفسیر صافی وتفسیر المیزان)

☆ اس کے باوجودیکہ جناب ابراہیمؑ کی دعا میں تعلیم کو تزکیہ پر مقدم کیا گیا ہے، لیکن اجابت دعا کے موقع خدا تعالیٰ نے تزکیہ کو مقدم کیا ہے تاکہ ابراہیم علیہ السلام کو متوجہ کیا جائے کہ تزکیہ کی اہمیت تعلیم سے زیادہ ہے اور تعلیم کا درجہ بعد میں آتا ہے۔'' يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ '' (جمعہ۔۲)

پیغام:

۱۔ ایک آسمانی راہبر کی ضرورت انسانی معاشرے کی اہم ترین بنیادی ضروریات میں سے ہے، اگر اس کے لیے

ہزاروں سال پہلے دعا کی جا رہی ہے تو اس سے اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کا پتہ چلتا ہے۔ ''یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ ۔ ۔ ۔ وَابْعَثْ فِیْهِمْ'' جی ہاں! خدا کے معصوم راہبر کے بغیر کعبہ کی دیواروں کو بلند کرنا، ایک بت خانہ تعمیر کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

۲۔ پیغمبروں کی بعثت کا مقصد آسمانی کتاب کی بنیاد پر لوگوں کی تعلیم و تزکیہ ہے۔ ''یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ ط''

۳۔ علم و دانش اس وقت نتیجہ دیتی ہے جب وہ بصیرت، حکمت، تزکیہ اور تقویٰ کے ساتھ ساتھ ہو۔ ''وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ ط''

آیت نمبر ۱۳۰

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰھٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ط وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا ج وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۳۰﴾

ترجمۃ الآیات

کون ہے جو ابراہیمؑ کے دین سے روگردانی کرے سوائے اس شخص کے جس نے خود کو بے وقوف اور بے عقل بنا لیا ہو؟ اور ہم نے ان (ابراہیمؑ) کو اس جہان میں چن لیا ہے اور یقیناً وہ دوسرے جہان میں (بھی) صالحین میں سے ہیں۔

نکات:

☆ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چند ایک مقاصد اور ان کی شخصیت کے چند ایک پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ کے چہرے کی تابنا کی اور ان کے دین کی پاکیزگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے سوال فرما رہا ہے کہ ابراہیم اور ان کے اہداف و مقاصد سے نادان اور بے وقوف شخص کے علاوہ اور کون روگردانی کر سکتا ہے؟ دین ابراہیمی کی اہمیت تو اس حد تک ہے کہ سرورِ انبیاءؐ بھی اس پر فخر کرتے ہیں کہ ان کا راستہ ابراہیم کا راستہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ باعظمت پیغمبر ہیں: جو اپنی منطقی اور مدلل گفتگو میں کافر مخالفین کو مبہوت اور لاچار کر دیتے تھے۔ جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: ''فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ط'' (بقرہ۔ ۲۵۸)

شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ بت خانے میں اکیلے ہی جا کر کلہاڑے سے بتوں کو پاش پاش کر دیا جیسا کہ

پروردگار عالم فرماتا ہے: ''فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا'' (انبیاء۔ ۵۸)

حلم ایسا ہے کہ قرآن انہیں ''حلیم'' بتارہا ہے۔

صبر وتوکل کا یہ عالم ہے کہ اس میں بھی دوسروں کے لیے نمونہ عمل ہیں۔ نار نمرود میں پھینکے جاتے ہیں لیکن دل میں مکمل سکون واطمینان ہے۔

سخاوت کے مقام پر تومنداور چاق وچوبند بچھڑے کو ذبح کر کے اس کے کباب بنا کر مہمانوں کو کھلا دیتے ہیں۔

خدا کی فرمانبرداری اور تسلیم ورضا کی یہ حالت ہے کہ اپنے شیر خوار بچے کو مکہ کے بے آب وگیاہ میدان میں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور جب وہ جوانی کی منزلوں میں قدم رکھتا ہے تو حکم خداوندی سے اس کے گلے پر چھری رکھ دیتے ہیں۔

جی ہاں! انسان صرف اپنی عقل کو دھوکہ دینے کی وجہ سے ہی اللہ کے دین سے فراری ہوسکتا ہے۔ ''سَفِهَ نَفْسَهٗ ط''

☆ جناب ابراہیمؑ اپنی دعا میں خدا تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں: ''اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾'' مجھے صالحین کے ساتھ ملادے۔ (شعراء۔ ۸۳) پروردگار عالمان کی دعا کو قبول کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''ابراہیم آخرت میں صالحین میں سے ہیں۔''

☆ جو کوئی ابراہیم کو جو ہمدرد اور دلسوز پیغمبر ہیں، جنہوں نے بشر کی نسل کے فائدے کیلئے مرکز امن، معصوم راہبر، وسیع رزق، اسلام وتسلیم کی توفیق، قبولیت توبہ اور سعادت ذریت کی خدا تعالیٰ سے دعا مانگی، ان کی راہ کو چھوڑ دے اور دوسروں کے پیچھے چل نکلے تو اس سے بڑا کوئی بے وقوف اور نادان نہیں ہے۔

☆ قرآن کی زبان میں ایسے افراد کو سفیہ کہا گیا ہے جو حقائق کو نظر انداز کرتے ہیں اور کفران نعمت کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل کو ان کی تغیر قبلہ کے بارے میں بے جا بہانہ بازیوں کی وجہ سے سفیہ کہا گیا ہے۔ ''سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ'' (بقرہ۔ ۱۴۲)

اس آیت ''وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ'' (سورہ نسا۔ ۵) کے ذیل میں امام علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو کوئی شراب پیے وہ سفیہ ہے۔

ایسا شخص مفید اور حلال چیز پینے کی بجائے نقصان دہ اور حرام چیز کی طرف بڑھتا ہے۔ جی ہاں! جو راہ حق کو چھوڑ کر بے راہ کی طرف چل پڑتے ہیں وہ سفیہ ہیں۔ عقل کا حکم بھی یہی ہے کہ جو کوئی راہبر اور مکتب کے انتخاب میں صحیح قدم اٹھائے وہ عاقل ہے۔ حدیث میں ہے کہ عقل وہ چیز ہے جس کے ذریعے خدا کی عبادت کی جائے ورنہ وہ شیطنت ہے۔

پیغام:

۱۔ سفیہ وہ ہے جو منطق، دلیل، مکتب، راہبر اور حق راستے کو نظر انداز کرے، اپنی خواہشات نفسانی یا دوسروں کے پیچھے چل نکلے۔ ''سَفِهَ نَفْسَهٗ ط''

۲۔ دینداری اصل میں عقلمندی ہے اور اس سے منہ موڑنا اصل میں بے عقلی ہے۔ ''وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ

اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ؕ"

آیت نمبر ۱۳۱

اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۳۱﴾

ترجمۃ الآیات

(اس وقت کو یاد کرو) جب ابراہیم کے پروردگار نے ان سے فرمایا: حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دو تو انہوں نے کہا میں نے پروردگار عالم کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا ہے۔

پیغام:

۱۔ الٰہی مقام و منصب اور خدائی الطاف، دلیل کے بغیر کسی کو نہیں دیا جاتا۔ اگر خداوند نے جناب ابراہیمؑ کو انتخاب کیا ہے تو ان کی خدا کے سامنے تسلیم ہو جانے والی روح کی وجہ سے ہے۔ "اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ"

۲۔ انسان کا خدا تعالیٰ کے سامنے تسلیم ہونے کا فلسفہ یہ ہے کہ وہ رب العالمین ہے۔ "اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ"

آیت نمبر ۱۳۲

وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبۡرٰهٖمُ بَنِيۡهِ وَيَعۡقُوۡبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰى لَـكُمُ الدِّيۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾ؕ

ترجمۃ الآیات

اور ابراہیم اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو اسی (ملت اور دین) کی وصیت (اور سفارش) کی (اور ہر ایک نے اپنے بیٹوں سے کہا) اے میرے فرزندو! خدا نے تمہارے لیے دین (توحید) کو منتخب کیا ہے پس تم موت کو اختیار نہ کرنا مگر مسلمان ہونے کی حالت میں۔ (یعنی حکم

خداوندی کے آگے سر تسلیم خم کیے رہنا۔)

پیغام:

۱۔ ہمیں اپنی نسل کے صحیح عقیدے اور ایمان کی بھی فکر ہونی چاہیے، اور اپنی وصیت میں صرف مادی پہلوؤں پر ہی اکتفا نہ کریں۔ ''وَصّٰی۔۔۔فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ''

۲۔ حق کا راستہ وہی اسلام کا راستہ اور خدا تعالیٰ کے سامنے تسلیم ہونا ہے۔ انبیا اسی راستے کی سفارش کیا کرتے تھے۔ ''وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ط''

۳۔ خدا تعالیٰ نے تمام راستوں میں سے راہ دین کو ہمارے لیے چنا ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ''

۴۔ نیک عاقبت اور مسلمان ہونے کی حالت پر مرنا اہم ہے۔ ''فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ''
(بہت سے لوگ جو مسلمان تھے لیکن مرتے وقت مرتد اور کافر ہو گئے تھے۔ ''اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا'' (نساء۔ ۱۳۷))

۵۔ اگر چہ مرنے کا وقت اور جگہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے لیکن ہم اپنے اچھے انجام کو صحیح عقیدے، عمل صالح، دعا، گناہ سے دوری اور فاسد افراد سے بچ کر حاصل کر سکتے ہیں۔ ''فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ''

آیت نمبر ۱۳۳

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ لا اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ط قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ج وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

ترجمۃ الآیات

کیا تم (یہودی) اس وقت موجود تھے جب یعقوب کی موت کا وقت آیا؟ جب (یعقوب) نے اپنے بیٹوں سے پوچھا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا: آپ کے خدا اور اسی خداوند یکتا کی جو آپ کے آبا ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کا رب ہے اور ہم اسی کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔

نکات:

☆ یہودیوں میں سے ایک گروہ یہ دعویٰ اور عقیدہ رکھتا تھا کہ حضرت یعقوب نے بوقت وفات اپنی اولاد کو اس دین کے بارے میں جس پر یہودی تمام تحریفات کے باوجود عقیدہ رکھتے ہیں وصیت کی ہے کہ پابند رہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ یہودی اس دین و آئین کے پابند ہیں۔ خداوند ان کے اس عقیدے اور دعوے کو مسترد کرتے ہوئے ان سے سوال کر رہا ہے کہ کیا تم یعقوب کی موت کے وقت ان کے سرہانے موجود تھے کہ ایسی باتیں کرتے ہو؟ بلکہ اس کے برخلاف انہوں نے تو اپنی اولاد کو اسلام کی پابندی اور خدا کے سامنے سرتسلیم خم کرنے کی وصیت کی ! اور ان کی اولاد نے بھی ان سے وعدہ کیا کہ وہ خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت اور پرستش کریں گے اور اسی کے آگے سرتسلیم خم کیے رہیں گے۔

☆ قرآن نے دادا اور چچا کو "باپ" (اب) کہا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جناب یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے دادا اور اسماعیل علیہ السلام ان کے چچا تھے۔ "اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ"

پیغام:

۱۔ ہر بات علم و معرفت کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ "اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ"

۲۔ موت ہر ایک کا پیچھا کرتی ہے اور ہر ایک تک پہنچ کر رہتی ہے حتی پیغمبروں کو بھی اس مرحلے سے گذرنا پڑتا ہے۔ "حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ ۙ"

۳۔ زندگی کا نازک ترین وقت موت کا وقت ہے اور سب سے باریک اور نازک مسئلہ دین اور عقیدے کا مسئلہ ہے۔ مخاطبین میں سب سے اہم مخاطب نسل انسان ہے۔ "حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ ۙ اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ"

۴۔ موت کے وقت کی گئی نصیحت بہت گہرے اثرات رکھتی ہے۔ "حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ ۙ اِذۡ قَالَ"

۵۔ والدین کو اپنے بچوں کے دینی مسائل پر پوری توجہ رکھنی چاہیے۔ کیونکہ انبیاء کی اولاد بھی بے دین اور گمراہ ہو جانے کے خطرے سے باہر نہیں ہے۔ "مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ؕ"

۶۔ تمام انبیا نے خدا تعالیٰ کی عبادت اور اس کے حضور تسلیم ہونے پر تاکید کی ہے۔ "اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ"

۷۔ صرف الٰہی احکام کے سامنے تسلیم ہونا چاہیے۔ "لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ"

آیت نمبر ۱۳۴

تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَـكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ

وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٤﴾

ترجمة الآيات

وہ ایک امت تھے جو گزر گئے ان کے اعمال کا تعلق ان سے اور تمہارے اعمال کا رابطہ تم سے ہے ان کے اعمال کی باز پرس تم سے نہیں ہو گی۔

نکات:

☆ بنی اسرائیل کی غلط فہمیوں میں سے ایک یہ تھی کہ وہ اپنے بزرگوں اور گذرے ہوئے لوگوں پر بہت زیادہ فخر و مباہات کیا کرتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر وہ گناہوں سے آلودہ ہو بھی جاتے ہیں تو ان کے بزرگوں کے کمالات کی وجہ سے انہیں معاف کر دیا جائے گا۔

یہ آیت انہیں خبردار کر رہی ہے کہ تم اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہو جیسا کہ گزشتہ اقوام اپنے اعمال کے خود ذمہ دار تھیں۔

☆ غرر الحکم میں حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''الشرف بالهمم العالية لا بالرمم البالية''

یعنی عزت و شرف اپنی بلند ہمتوں کے ساتھ حاصل ہوتا ہے بزرگان ماسلف کی بوسیدہ ہڈیوں (پر نازاں ہونے) سے نہیں۔

تاریخ کے مطالعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے اپنے اعمال کی بدولت اپنا مستقبل سدھارا ہے۔ فرعون کی بیوی کا شمار بہشتیوں میں ہوتا ہے جبکہ اللہ کے نبی حضرت لوطؑ کی بیوی اپنی بداعمالی کی وجہ سے راہی جہنم ہوتی ہے۔ یہ پروردگار عالم کی عدالت اور برحق نظام کے چند ایک نمونے ہیں۔

☆ رسول خداؐ سے ایک حدیث میں نقل ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اے بنی ہاشم! کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ تو اپنی آخرت کیلئے اعمال بجالائیں اور تم اپنے حسب و نسب پر ناز کرتے رہو۔''

پیغام:

۱۔ ہر شخص کا مستقبل اس کے اپنے اعمال سے وابستہ ہے۔ ہر فرد اور ہر معاشرے کے اعمال کا نتیجہ خود اسی کے لیے ہے۔ ''وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ''

آیت نمبر ۱۳۵

وَقَالُوۡا كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا ؕ قُلۡ بَلۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهٖمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۳۵﴾

ترجمۃ الآیات

(اہل کتاب) کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی بن جاؤ تو ہدایت پا جاؤ گے۔ آپ (ان سے) کہہ دیں کہ (یہ تحریف شدہ مذاہب ہرگز موجب ہدایت نہیں ہو سکتے بلکہ) ابراہیم کے خالص دین کی پیروی (سبب ہدایت ہے) کیونکہ وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

نکات:

☆ ''یہود'' کا لفظ ''ہود'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی خدا کی طرف بازگشت ہے۔ مجمع البحرین میں امام صادق علیہ السلام سے روایت منقول ہے کہ یہود کا لقب سورہ اعراف کی آیت ۱۵۶ کے مطابق لیا گیا ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ بنی اسرائیل نے خدا تعالیٰ سے کہا ''اِنَّا هُدۡنَاۤ اِلَيۡكَ ؕ''۔ اسی طرح کلمہ ''نصاریٰ'' بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام سے ماخوذ ہے، جہاں جناب عیسیٰ نے فرمایا: ''مَنۡ اَنۡصَارِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ''

لیکن ''حنیف'' کا لفظ ''حنف'' سے لیا گیا ہے جس کے معنی سیدھی راہ پر آنے کے ہیں۔ جبکہ ''جنف'' کے معنی الٹی راہ پر جانے کے ہیں۔

☆ آیت ۱۱۳ میں پڑھا ہے کہ یہودی، عیسائیوں کو نہیں مانتے تھے۔ اسی طرح عیسائی بھی یہودیوں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ ان میں سے ہر کوئی یہ خیال کرتا تھا کہ صرف وہی راہ ہدایت پر ہے۔ جبکہ دونوں گروہ شک میں گرفتار ہو کر سیدھی راہ سے منحرف ہو چکے تھے۔ اور سیدھا راستہ تو جناب ابراہیمؑ کا راستہ ہے جو کبھی شک وشبہ کا شکار نہیں ہوئے۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''دین حنیف اور حق پر مبنی دین یہی ہے کہ اسلام اور حقیقت کو قبول کیا جائے۔ (تفسیر برہان)

پیغام:

۱۔ اپنے آپ کو سب کچھ سمجھ لینا ممنوع ہے۔ یہودی اور عیسائی بغیر کسی دلیل کے، ہر کوئی ہدایت کو صرف اپنے دین میں منحصر سمجھتے تھے۔ ''كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا ؕ''

۲۔ نام ونمود کی کوئی اہمیت نہیں ہے، ایمان وعمل کی اہمیت ہے۔ یہودی وعیسائی ایک ظاہری نام کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اگر کوئی بات اہمیت رکھتی ہے تو وہ توحید، ایک خدا کی عبادت کرنا ہے۔ ''بَلۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهٖمَ حَنِيۡفًا ؕ''

۳۔ دوسروں کی غلط اور جھوٹی تبلیغات کا جواب دیا جانا چاہیے۔ ''قَالُوۡا كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا ؕ قُلۡ''

۴۔ جناب ابراہیم علیہ السلام کبھی بھی مشرکین میں سے نہ تھے جبکہ یہودی وعیسائی شرک سے آلودہ اور اس کا شکار ہو گئے تھے۔ ''وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ''

آیت نمبر ۱۳۶

قُوۡلُوۡٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَمَآ اُنۡزِلَ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَآ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى وَعِيۡسٰى وَمَآ اُوۡتِىَ النَّبِيُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ ۖ وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمۃ الآیات

کہو کہ ہم خدا پر ایمان لے آئے اور اس پر بھی جو ہم پر نازل ہوا، اس پر (بھی ایمان لے آئے) جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور (بنی اسرائیل کے دیگر انبیا) اسباط پر نازل ہوا۔ (اسی طرح اس پر بھی ایمان لائے ہیں) جو کچھ موسیؑ، عیسیؑ اور دوسرے انبیا کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں کوئی تفریق نہیں کرتے اور خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔

نکات:

☆ یہ آیت مسلمانوں کو حکم دے رہی ہے کہ اپنے مخالفین سے کہہ دیں ہم خدا پر، تمام برحق انبیا پر اور ہر اس کلام پر ایمان رکھتے ہیں جو خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ کسی قسم کی خود پسندی اور نسلی تعصب ہمارے لیے اس بات کا باعث نہیں بنتا کہ کچھ حصے کو قبول کر لیں اور کچھ کو ٹھکرا دیں۔ ہم خدا کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں خواہ وہ جناب ابراہیم علیہ السلام سے پہلے جیسے آدم، شیث، نوح، ہود، صالح ہیں خواہ وہ ابراہیم کے بعد آئے ہیں جیسے سلیمان، یحییٰ اور زکریا ہیں۔ پس جو بھی پیغمبر روشن دلیل اور واضح معجزہ لے کر آیا ہے عقل کے حکم کے مطابق ہم اسے قبول کرتے ہیں۔

☆ ''اسباط'' جمع ہے ''سبط'' کی، جس کا معنی نوادگان، یعنی پوتے ہے۔ اس سے مراد بنی اسرائیل کے بارہ طائفے اور قبیلے ہیں جو کہ جناب یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں سے وجود میں آئے ہیں۔ ان کے درمیان کئی ایک پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں۔

☆ یہ جملہ ''وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى'' کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ان دو پیغمبروں پر نازل ہوا ہے ہم اسے قبول کرتے ہیں۔ نہ وہ جو کچھ تمہارے پاس موجود ہے۔ اس لیے یہ نہیں کہا: ''وَمَآ اُوْتِيْتُمْ'' لہٰذا تمہاری اس دعوت کے سامنے، جس میں تم کہتے ہو ''كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى'' راہ نجات کو یہودی یا نصرانی ہونے میں منحصر کرتے ہو، ہم اس کے خلاف ڈٹ کر سامنے کھڑے ہیں۔ یہ اس میں موجود انحرافات اور خرافات کی وجہ سے ہے جو تم لوگوں نے دین خدا میں ایجاد کر دی ہیں۔ ورنہ ہم تو اصل تورات اور انجیل کو قبول کرتے ہیں کہ جس میں پیغمبر اسلامؐ کے ظہور اور بعثت کی بشارت دی گئی ہے۔

پیغام:

۱۔ تمام انبیا اور آسمانی کتب پر ایمان ضروری ہے۔ ''اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ ۔۔۔'' بعض انبیا کا انکار تمام انبیا کا انکار ہے۔ سچا مسلمان وہ ہے جو تمام انبیا پر ایمان رکھتا ہو۔

۲۔ ہم اس چیز پر ایمان رکھتے ہیں جو کچھ جناب موسیٰ و جناب عیسیٰ پر نازل ہوا۔ اس چیز پر ایمان نہیں رکھتے جو آج تورات اور انجیل کے نام سے موجود ہے۔ ''وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى''

۳۔ قلبی طور پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر تسلیم ہونا بھی ضروری ہے۔ ''اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۔۔۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ''

آیت نمبر ۱۳۷

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا

هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾

ترجمة الآيات

اگر وہ بھی اس پر ایمان لے آئیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو وہ یقیناً ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔ اگر وہ روگردانی کریں تو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ (حق کے ساتھ) جنگ کی کیفیت میں ہیں۔ پس (اس صورت میں) خدا آپؐ سے ان کے شر کو دور کر دے گا اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

نکات:

☆ اگر اہل کتاب، یہود و نصاریٰ، سرکشی و خود پسندی کو چھوڑ دیں اور نسلی و قبائلی باتوں کا سہارا نہ لیں بلکہ تم مسلمانوں کی طرح تمام انبیا اور آسمانی کتابوں پر ایمان لے آئیں اور بے جا تعصّبات کو خیر باد کہہ دیں تو یقیناً ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ اگر گذشتہ زمانے کی طرح خود ہی کو ایمان و صداقت کا معیار قرار دیں اور دوسروں کو گمراہ اور کجرو سمجھیں تو وہ جنگ، نزاع، جدائی اور حق سے دوری کی حالت میں ہوں گے۔ البتہ تم مسلمان اپنے موقف پر ڈٹے رہو اور ان کے نعروں، توہین آمیز باتوں اور سازشوں سے ہرگز نہ گھبراؤ اس لیے کہ خداوند عالم ان کے شر کو تم سے دور کرے گا اور خدا کی امداد تمہارے لیے کافی ہوگی کیونکہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

پیغام:

۱۔ مسلمان، حقیقی ہدایت یافتہ لوگوں کا نمونہ ہیں۔ ''بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ '' اس لیے کہ وہ تمام انبیا اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان اور عقیدہ رکھتے ہیں۔

۲۔ خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کیلئے اپنی حمایت کا اعلان کیا ہے اور اپنے کافی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ''فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ''

۳۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا ایمان نہ لانا، دشمنی، ہٹ دھرمی اور جنگ جوئی کی وجہ سے ہے، منطق و استدلال کی بنیاد پر نہیں ہے۔ ''وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ''

(امام صادق علیہ السلام شقاق اور جنگ جوئی کو کفر شمار کرتے ہیں۔ تفسیر مجمع البیان و تفسیر راہنما)

آیت نمبر ۱۳۸

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمۃ الآیات

(یہ ہے) خدائی رنگینی مصوری، اور نگارگری میں خدا سے بہتر کون ہے؟ اور ہم تو صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

نکات:

☆ انسان کو اپنی زندگی میں کوئی ایک طریقہ کار اختیار کرنا چاہیے۔ تمام طریقہ کاروں میں سے خدائی طریقہ کار ہی سب سے بہتر ہے۔ خدائی طریقہ کار ہی خدائی رنگ ہے۔ واضح سی بات ہے کہ جب تک ہم نسلی، قومی، قبائلی اور خواہشات نفسانی کے رنگ کو دھو نہ ڈالیں، اس وقت تک وحدت، اخوت اور تسلیم امر الٰہی کے رنگ میں نہیں رنگے جاسکیں گے۔ ہر رنگ وقت کے ساتھ ساتھ پھیکا پڑ جاتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے لیکن خدائی رنگ دائمی اور پائیدار ہوتا ہے۔ ارشاد ہے: ''كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ''ہر چیز فانی ہے سوائے ذات رب العزت کے۔ (قصص۔ ۸۸)

خدائی رنگ سے بہتر کونسا رنگ ہوسکتا ہے، جس کی ہم عبادت اور بندگی کرتے ہیں؟ یہودیوں نے اپنی اولاد کو مخصوص حالات اور خاص نظریات مین پروان چڑھایا جیسے ایک خاص پانی سے دھویا ہو اور پھر انہیں ایک خاص مذہبی رنگ میں رنگ دیا ہے۔

☆ بہترین رنگ وہ ہے جو اچھا نظر آئے اور تادیر باقی رہے، اولیا کی نگاہ کو اپنی طرف متوجہ کرلے۔ ایسا رنگ جو فطرت اور منطق کے ساتھ ہم رنگ ہو اس کا خریدار خدا تعالیٰ اور اس کی قیمت جنت ہے۔ ہر رنگ مٹ جاتا ہے، قبیلہ، نسل، نسب جلد یا بدیر نابود ہو جائیں گے لیکن وہ جو ابدی اور باقی ہے وہی رنگ وصبغۃ اللہ یعنی اخلاص اور ایمان ہے۔

☆ روایت میں ہے کہ ایک شخص اپنے گھر کی دیوار میں سوراخ کر رہا تھا امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ ایسا کیوں کر رہے ہو؟ اس نے جواب دیا اس لیے کہ اس کے ذریعے چولہے کا دھواں گھر سے باہر نکل جائے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''تم ایسا بھی کرسکتے تھے کہ یہ سوراخ اس قصد سے بناؤ کہ اس میں سے روشنی اندر آئے اور تم نماز کے اوقات معلوم کرسکو۔'' یعنی اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دیوار میں سوراخ کریں تو صرف دھواں باہر نکالنے ہی کا قصد کیوں؟ روشنی آنے کا ارادہ کیوں نہ کیا جائے؟!! (آیت اللہ جوادی، تفسیر موضوعی، ج ۵، ص ۱۳۲)

جی ہاں! ہر کام کو خدائی رنگ دیا جا سکتا ہے۔

☆ خدائی رنگ صرف ایک ہی ہے، اگر خدائی رنگ نہ ہو تو دوسرے تمام رنگ انسان کو حیران و سرگرداں کر دیتے ہیں۔

ایسی جماعت، مذہب یا گروہ سے ہم رنگ ہو جانا قیامت کے دن رسوائی اور ذلت و خواری کا باعث ہے جو منحرف، کجرو اور گمراہ ہو۔

پیغام:

ا۔ ایمان بہ خدا، پیغمبروں، آسمانی کتب پر ایمان اور خدا کے سامنے تسلیم ہونا ہی الٰہی رنگ و صبغۃ اللہ ہے۔ گذشتہ آیات میں فرمایا: "قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ۔۔۔" اس آیت میں فرمایا: "صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ"

آیت نمبر ۱۳۹

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝۱۳۹

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبرؐ) آپؐ (ان اہل کتاب سے) کہہ دیجئے کہ کیا تم ہمارے ساتھ خدا کے بارے میں بحث و تکرار کرتے ہو، حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے۔ پس ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں اور ہم تو اس کی خالصانہ عبادت کرتے ہیں۔

نکات:

☆ یہ آیت اہل کتاب کو متوجہ اور متنبہ کر رہی ہے کہ وہ خدا کے بارے میں بحث نہ کریں اور اپنے بے بنیاد دعووں سے باز آجائیں۔ کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم خدا سے زیادہ نزدیک ہیں، ہم خدا کے بیٹے ہیں، ہم ہی اس کے محبوب بندے ہیں۔

بنی اسرائیل اپنے زعم باطل کے مطابق چاہتے تھے کہ تمام انبیا کو انہی (بنی اسرائیل) کی نسل سے ہونا چاہیے۔ وہ اپنے دین اور کتاب تورات کے قدیمی ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو برتر قرار دیتے تھے اور خداوند کے لطف و کرم کو اپنے لیے مخصوص سمجھتے تھے۔ وہ اپنے اسی زعم باطل کی بنا پر مسلمانوں سے بحث و تکرار میں لگے رہتے تھے۔

پیغام:

۱۔تمام انسانوں کا مالک ومختار خدا تعالیٰ ہے، اس کا لطف وکرم سب کیلئے ہے۔ وہ کسی بھی شخص پر چاہے وہ کسی بھی نسل سے ہواپنی خاص عنایات والطاف رکھتا ہے۔''وَھُوَ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ ''

۲۔قرب خداوندی کا معیار مخلصانہ عبادت اوراسے ہر شریک سے پاک جاننا ہے۔''وَنَحْنُ لَہٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾''

آیت نمبر ۱۴۰

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ کَانُوْا ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰہُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَتَمَ شَھَادَۃً عِنْدَہٗ مِنَ اللّٰہِ ؕ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

ترجمۃ الآیات

یا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اسباط یہودی یا نصرانی تھے؟ تو (اے پیغمبرؐ! آپؐ) کہہ دیجئے کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ (پھر حقیقت کو کیوں چھپاتے ہو؟) اور اس شخص سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا جو (پیغمبروں سے متعلق) اپنے پاس موجود خدا کی شہادت اور گواہی کو چھپاتا ہے؟ اور خدا تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

نکات:

☆اس آیت میں اہل کتاب سے ایک اور خطاب ہورہا ہے کہ کیا تم اپنے یہودی یا نصرانی ہونے پر فخر ومباہات کرتے ہوئے اتنے آگے بڑھ جاتے ہو کہ بزرگ اولیائے خدا کی طرف بھی جھوٹی اور ناروا باتوں کی نسبت دے دو؟ کیا تم ماضی کے تاریخی حقائق کو الٹ کر پیش کرنا چاہتے ہو اور کہنا چاہتے ہو کہ حضرت موسیٰ اور جناب عیسیٰ سے پہلے کے تمام انبیا بھی یہودی یا نصرانی تھے؟ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور جناب یعقوب کی نسل کے دوسرے انبیا (اسباط) بھی

یہودی یا نصرانی تھے؟ حالانکہ وہ توتورات اور انجیل کے نزول سے پہلے ہی گذر رے گئے ہیں۔ جس بات کا تم دعویٰ کر رہے ہو کیا اسے خدا بہتر جانتا ہے یا تم؟

کیا یہ ظلم نہیں ہے کہ تم اصل بات کو جان بوجھ کر چھپا رہے ہو اور ایک واضح ترین تاریخی حقیقت کو عوام الناس سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہے ہو؟ تم یہ ظاہر کر رہے ہو کہ تمام انبیا یہودیت یا نصرانیت کے تابع تھے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، دلوں کی باتیں جاننے والا خدا اسے جانتا ہے اور وہ اس سے غافل نہیں ہے۔

پیغام:

ا۔ کبھی تعصب انسان کو اس حد تک لے جاتا ہے جہاں انسان روشن اور واضح تاریخی حقائق کو تحریف کر دیتا ہے یا ان کا انکار کر دیتا ہے۔ ''اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ۔۔۔''

۲۔ سب سے بڑا ظلم ثقافتی یلغار اور حق کو چھپانا ہے۔ ''وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ کَتَمَ''

۳۔ ہمارے ظلم اور جھوٹ کے بارے میں خدا تعالیٰ کا علم ہمارے لیے ایک تنبیہ ہے۔ ''وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ﴿۱۴۰﴾''

آیت نمبر ۱۴۱

تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ وَلَا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ﴿۱۴۱﴾

ترجمۃ الآیات

بہر حال وہ امت گذر گئی، انہوں نے جو کچھ کیا، وہ ان کے لیے تھا اور جو کچھ تم نے کیا وہ تمہارے لیے ہے اور جو کچھ وہ کرتے رہے اس کا تم سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

پیغام:

ا۔ خوشبختی حاصل کرنے کیلئے گذر جانے والوں اور اپنے اجداد کی تاریخ پر اترانا نہیں چاہیے کیونکہ اس سے کچھ ہونے والا نہیں اور وہ چارہ ساز نہیں ہے۔ ''لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ''

گیرم پدر تو بود فاضل

از فضل پدر ، تو را چہ حاصل

ٹھیک ہے کہ تمہارے والد بڑے عالم فاضل انسان تھے لیکن ان کے فضل سے تجھے کیا حاصل وصول ہے؟

۲۔ ہرامت اپنے اعمال کی خود ذمہ دار ہے۔ ''لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾''

پارہ نمبر ۲

آیت نمبر ۱۴۲

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾

ترجمۃ الآیات

عنقریب کم عقل لوگ کہیں گے کہ کس چیز نے (مسلمانوں کو) ان کے پہلے قبلہ (بیت المقدس) کہ جس پر وہ (اعتقاد رکھتے) تھے سے پھیر دیا گیا؟ تو (آپؐ) کہہ دیجئے کہ مشرق ومغرب اللہ کے لیے ہے وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت کرتا ہے۔

نکات:

☆ پیغمبر اکرمؐ اور تمام مسلمان، بعثت کے بعد تیرہ سال تک جو وہ مکہ میں رہے، کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ جب مدینہ ہجرت کی تو ابھی کچھ مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ یہودیوں نے اعتراض کرنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کے ساتھ توہین آمیز رویہ رکھنے لگے۔ وہ کہتے تھے کہ آپ لوگ ہمارے قبلہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہو۔ اس لیے تم ہمارے پیچھے چلنے والے لوگ ہو اور تمہارا کوئی استقلال نہیں ہے۔

اس توہین سے پیغمبر اکرمؐ بہت دکھی تھے۔ آپؐ دعا کے وقت آسمان کی طرف نگاہ کیا کرتے تھے، گویا آپؐ نزول وحی کے منتظر ہیں تاکہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم نازل ہو جائے۔ پیغمبر اکرمؐ نے ایک دن بیت المقدس کی طرف منہ کر کے ظہر کی نماز ابھی دو رکعت

پڑھی تھی کہ جناب جبرائیل خدا کے حکم سے مامور ہوئے کہ آنحضورؐ کا بازو پکڑ کر کعبہ کی طرف پھیر دیں۔اس طرح پیغمبر اکرمؐ نے ایک نماز کو دو قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھا۔آج بھی مدینہ میں اس مقام کو مسجد قبلتین کہا جاتا ہے۔(تفسیر نور الثقلین، ج ۱ ص ۱۳۶)

اس واقعہ کے بعد یہودی سخت ناراض ہو گئے اور اپنی عادت کے مطابق چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر نکتہ چینی کرنا شروع کر دی ۔کل تک تو وہ کہہ رہے تھے کہ مسلمان استقلال نہیں رکھتے اور ہمارے پیچھے پیچھے ہیں۔آج وہ پوچھ رہے تھے کہ انہوں نے سابقہ انبیا کا قبلہ کیوں تبدیل کر لیا ہے؟ پیغمبر اکرمؐ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور کیا گیا کہ اس کا جواب دیں: مشرق و مغرب خدا کی طرف سے ہے اور خدا تعالیٰ کی کوئی خاص جگہ نہیں ہے۔

جی ہاں! قبلہ کی تبدیلی حکمت الٰہی ہے نہ کہ کوئی کمزوری یا جہل ہے۔جیسا کہ نظام تکوین میں موسموں کا بدلنا، تدبیر کی علامت ہے، کمزوری یا پشیمانی نہیں ہے۔

☆ خدا تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، دنیا کے مشرق و مغرب اسی کے ہیں۔پس کعبہ کی طرف منہ کرنا اصل میں ایک علامت ہے کہ ہمارا دل خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے۔ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں لیکن اصل میں ان کا قبلہ کوئی اور ہو۔

چنانچہ خواجہ عبداللہ انصاری کہتے ہیں:

قبلہ شاہان بود ، تاج و کمند
قبلہ ارباب دنیا ، سیم و زر
قبلہ صورت پرستان ، آب و گل
قبلہ معنا شناسان ، جان و دل
قبلہ تن پروران ، خواب و خورشت
قبلہ انسان ، بہ دانش پرورش
قبلہ عاشق ، وصال بی زوال
قبلہ عارف ، کمال ذی الجلال

تاج اور کمان بادشاہوں کا قبلہ ہے، ارباب دنیا کا قبلہ مال و دولت ہے۔

شکل و صورت کی پرستش کرنے والوں کا قبلہ مٹی اور پانی ہے، جبکہ الفاظ و معنی سے کھیلنے والوں کا قبلہ، جان و دل کی رعنائیاں ہیں۔

جسم کو پرورش دینے والوں کا قبلہ، خوب نیند کرنا اور خوب کھانا ہے۔انسان کا قبلہ، معلومات کی پرورش ہے۔

عاشق کا قبلہ، لازوال وصال ہے اور عارف کا قبلہ ذی الجلال کا کمال حاصل کرنا ہے۔

پیغام:

۱۔ وہ لوگ جو ہر روز کسی بہانہ کی تلاش میں رہتے ہیں تا کہ حق کو قبول کرنے سے فرار کرتے رہیں، ایسے لوگ سفیہ (بے وقوف) ہیں۔ ''سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ''

(جیسا کہ روایات میں ہے کہ جو کوئی اپنی آخرت کو دنیا کے بدلے میں قربان کردے وہ پاگل مجنون ہے۔ جو فاسد راہبر کے پیچھے چلے وہ فقیر ہے، جو اپنے دین کو ہاتھ سے کھو دے وہ ایسا ہے جیسے اس کا سب کچھ لٹ گیا ہو۔)

۲۔ جو شخص احکام کے بنانے اور انہیں تبدیل کرنے کے بارے میں خدا کے ہاتھوں کو بندھا ہوا سمجھتا ہے وہ ''سفیہ'' اور کند ذہن ہے۔ خداوند حکیم و دانا پر اعتراض کرنا ہی اس کی بے خبری کی دلیل ہے۔ ''سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ''

۳۔ مسلمانوں کو ہوشیار رہتے ہوئے دشمنوں کی سازشوں، چالبازیوں اور سخن چینیوں کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ پھر ان کا موثر توڑ پیش کرنا اور ان کے ناپاک منصوبوں کو ناکام بنا دینا چاہیے۔ ''سَيَقُوْلُ۔۔۔قُلْ''

۴۔ سوال کرنا برا نہیں ہے، سوال کرنے والے کی بری نیت مورد تنقید ہے۔ جو صرف اعتراض کرنے کی خاطر اور سوال برائے سوال کرتا ہے وہ مورد تنقید ہے۔ ''مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ''

۵۔ جگہ اور وقت کی عزت و کرامت اور تقدس، پروردگار کی عنایت کے ساتھ ہے، کسی اور وجہ سے نہیں۔ ''لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ط''

۶۔ قبلہ کی تبدیلی پیغمبر اسلام کی نشانیوں میں سے ایک ہے جس کا آسمانی کتب میں ذکر ہے۔ اسی وجہ سے یہ واقعہ بعض لوگوں کیلئے وسیلہ ہدایت بھی بنا۔ ''يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ''

آیت نمبر ۱۴۳

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ط وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ط وَمَا

كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

ترجمۃ الآیات

اسی طرح ہم نے تمہیں بھی درمیانی امت قرار دیا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور پیغمبر تم پر گواہ رہیں ۔ ہم نے وہ قبلہ (بیت المقدس) کہ جس پر تم پہلے تھے تا کہ جو لوگ پیغمبر کی پیروی کرتے ہیں انہیں ایسے لوگوں سے ممتاز کر دیں جو (جاہلیت کی طرف) پلٹ جانے والے ہیں ۔ اگر چہ (قبلہ کی تبدیلی کا) یہ حکم ان لوگوں کے سوا جنہیں خدا نے ہدایت دی ہے، دوسروں پر دشوار تھا (یہ بھی جان لو کہ تمہاری وہ نمازیں درست ہیں جو پہلے قبلہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ادا کی گئیں) اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان (نماز) کو ہرگز ضائع نہیں کرتا کیونکہ خدا لوگوں کے لیے مہربان اور رحم کرنے والا ہے ۔

نکات :

☆ بیت المقدس میں عیسائی لوگ اپنی عبادت کے موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے تھے ۔ وہ جگہ ان لوگوں کے مقام رہائش سے مشرق کی طرف تھی اور خود یہودی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے عبادت کیا کرتے تھے ۔ جو ان کے مقام رہائش کی نسبت مائل بہ مغرب تھا ۔ لیکن خانہ کعبہ ان دونوں اطراف کی نسبت درمیان میں واقع ہے، قرآن اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے ”جیسے ہم نے کعبہ کو درمیان میں قرار دیا ہے اسی طرح تم مسلمانوں کو بھی درمیانی امت بنا دیا ہے ۔“

مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں مختلف بحثیں کی ہیں اور ”امت وسط“ کی توجیہ کرتے ہوئے بعض نے یہ کہا ہے : ایسی امت جو نہ افراط کی قائل ہے اور نہ تفریط کی قائل ہے، نہ صرف جبر کو مانتی ہے اور نہ ہی تفویض کو قبول کرتی ہے، نہ اصالت فرد کی قائل ہے اور نہ ہی اصالت اجتماع کو مانتی ہے ۔

لیکن اگر چند مقدماتی باتوں کو مدنظر رکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آیت میں امت وسط سے مراد کچھ خاص افراد ہیں ۔ وہ مقدماتی بات یہ ہے کہ ۱ ۔ قرآن پاک، امت وسط کو اعمال پر گواہ بتا رہا ہے ۔ پس قیامت کے دن وہ امت لوگوں کے اعمال کے بارے گواہی دے گی ۔

۲ ۔ گواہی کیلئے دو چیزیں کا ہونا ضروری ہے ۔ الف ۔ عدالت، ب ۔ علم و آگاہی،

۳ ۔ امت کے سب افراد آگاہی و عدالت نہیں رکھتے ۔

یہی وجہ ہے کہ ہم روایات میں دیکھتے ہیں کہ اس کا مصداق ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں ۔ کیونکہ پہلی بات یہ ہے کہ وہ

ہر بات کا علم رکھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے: ''فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ '' (توبہ۔ ۱۰۵) اس سے مراد ایسے مومنین ہیں جو لوگوں کے اعمال کو دیکھتے ہیں اور ان کے بارے میں علم پاتے ہیں۔ روایات کے مطابق وہ ائمہ معصومینؑ ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ عوام کے اندر عدالت بھی موجود نہیں ہے۔ چنانچہ خداوند ایک آیت میں فرماتا ہے: ''اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا'' (احزاب۔ ۳۳) اے اہل بیت پیغمبر! خدا تو بس یہی چاہتا ہے کہ وہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور رکھے اور تمہیں ایسا پاک و پاکیزہ رکھے جیسا پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

اس بیان کے ساتھ خدا تعالیٰ نے ائمہ معصومینؑ کی عصمت اور عدالت کو بیان فرمایا ہے۔

ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں ''کیا ایسا ممکن ہے کہ اس امت میں تو ایسے افراد بھی ہیں جن کی گواہی کھجور کے پھل کے تھوڑے سے حصے کے بارے میں بھی قابل قبول نہیں ہے چہ جائے کہ وہ قیامت کے دن تمام لوگوں کے اعمال کے گواہ بن سکیں؟''

بہرحال خدا کے حضور میں گواہ بننے کا مقام، وہ بھی لوگوں کے تمام کاموں کے بارے میں گواہ ہونا، امت کے صرف خاص افراد کے ساتھ مخصوص ہے۔ روایات کی فرمائشات کے مطابق وہ ائمہ معصومینؑ ہی ہیں۔

یہاں ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے بعض افراد کا نام لینے کی بجائے امت کا لفظ کیوں استعمال کیا ہے؟ اس کے جواب میں کہیں گے کہ قرآن پاک نے ایک شخص کو بھی امت قرار دیا ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ

یقیناً حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا کی فرمانبردار امت تھے۔ (نحل۔ ۱۲۰)

قبلہ کی تبدیلی کا فلسفہ

قبلہ کی بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف تبدیلی کے بارے میں بہت حد تک اس بات کا تجزیہ کیا جا چکا ہے اور اس کی تحلیل ہو چکی ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ بیت المقدس کو قبلہ اول قرار دینے کا مقصد یہودیوں کے افکار اور ان کی ہمدردیوں کو اپنی طرف متوجہ کرانا تھا۔ جب مسلمانوں نے قدرت و توانائی پیدا کرلی تو پھر اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

بعض نے کہا ہے کہ وطن کی محبت کا تقاضا تھا کہ قبلہ کی تبدیلی عمل میں آجائے اسی لیے یہ حکم صادر ہوا۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو اس قسم کی تحلیل و تاویل نہ صرف یہ کہ خلاف حقیقت ہے بلکہ یہ وہم و خیال پر مبنی ہے۔ اس بارے میں قرآن مجید نے جس چیز کی وضاحت کی ہے وہ یہ ہے کہ قبلہ کی تبدیلی خدا کی طرف سے ایک آزمائش تھی تاکہ پیغمبرؐ کے حقیقی پیروکار اور فرمانبردار پہچانے جائیں اور سب کو معلوم ہو جائے کہ جاہلیت کے دور کی طرف پلٹ جانے والے کون ہیں۔

چنانچہ جن کا ایمان خالص نہیں وہ صرف ایک ہی فرمان پر چہ میگوئیاں کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ حکم کیوں نازل ہوا؟

ہمارے سابقہ اعمال کا کیا بنے گا؟ اگر سابقہ حکم ٹھیک تھا تو پھر یہ نیا حکم کیسا؟ وغیرہ

جو لوگ احکام الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہیں اور ہدایت کی راہوں پر گامزن ہیں خدا ان کے بارے میں فرماتا ہے: ''تمہارے گذشتہ اعمال ضائع نہیں جائیں گے کیونکہ خداوند عالم اپنے بندوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔''

☆ اس آیت میں نماز کے لفظ کی بجائے کلمہ ایمان سے استفادہ کیا گیا ہے جو کہ نماز کی اہمیت اور اس کے مقام کو بتاتا ہے، نماز کو یہاں سارے ایمان کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيۡعَ اِيۡمَانَكُمۡ ؕ''

پیغام:

۱۔ اللہ کے ولی، ہمارے اعمال پر نظارت رکھتے ہیں۔ ''لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ''

ہم جانتے ہیں کہ تاریخ میں بعض انسان گذرے ہیں اور آج بھی ایسے افراد موجود ہو سکتے ہیں جو روحانی طور پر اعلیٰ ظرفیت کے مالک ہوں جس کے ذریعے سے وہ دوسروں کے تمام اعمال پر ناظر ہوں اور ہر ایک کی نیت سے آگاہ ہوسکیں۔

۲۔ قیامت کے دن سلسلہ مراتب موجود ہوگا۔ قیامت کے محاکے اور عدالت کی تشکیل اور ترتیب یوں ہوگی کہ پہلے ائمہ معصومینؑ لوگوں کے اعمال پر گواہی دیں گے پھر پیغمبر اکرمؐ، ائمہ پر گواہ ہونگے۔ ''لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا ؕ''

۳۔ آزمائش ایک یقینی الٰہی سنت ہے۔ خدا تعالیٰ بعض اوقات اپنے حکم میں کچھ تبدیلی کے ساتھ لوگوں کا امتحان لیتا ہے ''لِنَعۡلَمَ مَنۡ يَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ ...''

۴۔ دین کے احکام کی پیروی ہی میں رشد و کمال ہے۔ اس کی نافرمانی اللہ سے بغاوت اور اس کے حضور میں جسارت ہے۔ ''يَّنۡقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيۡهِ ؕ''

۵۔ احکام خدا تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی عادت بنانے کے علاوہ کسی رنگ یا کسی سمت، وقت یا خاص جگہ سے لگاؤ یا کوئی خاص عادت نہ اپنائیں جس کی وجہ سے ہماری عادت یا سلیقہ کے خلاف یا اگر ہماری توقع کے خلاف کوئی حکم آجائے، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم فرار کا راستہ اپنالیں۔ ''لِنَعۡلَمَ مَنۡ يَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ مِمَّنۡ يَّنۡقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيۡهِ ؕ''

۶۔ عام لوگوں کیلئے مقام تسلیم مشکل ہے۔ ''لَكَبِيۡرَةً'' صرف وہی افراد اس مقام کو پاتے ہیں جو اللہ کی طرف سے خاص ہدایت حاصل کر پاتے ہیں۔ ''اِلَّا عَلَى الَّذِيۡنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ''

۷۔ قوانین وضوابط گذشتہ زمانے کیلئے نہیں ہوتے۔ مثلاً آج قبلہ کے تبدیلی کا حکم آجائے تو پہلے والی ساری نمازیں صحیح ہونگی۔ نئے حکم کے مطابق پھر ہمیں اسی سمت منہ کر کے نماز پڑھنا ہوگی۔ ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيۡعَ اِيۡمَانَكُمۡ ؕ''

۸۔ تمام تکوینی اور تشریعی تغیر و تبدل، خداوند کے فضل و کرم اور مہربانی کی بدولت وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ ''لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۴۳﴾''

آیت نمبر ۱۴۴

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبر!) یقینا ہم تمہارے چہرے کو دیکھتے ہیں جسے تم (وحی کے انتظار میں) آسمان کی طرف اٹھاتے ہو۔ اب ہم تمہیں اس قبلہ کی طرف پھیر رہے ہیں، جس سے تم راضی ہو۔ پس تم اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف پھیر لو اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے اسی کی طرف پھیر دو۔ یقینا جن لوگوں کو آسمانی کتاب دی گئی ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ حکم برحق ہے جو ان کے پروردگار کی طرف سے صادر ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

نکات:

☆ مذکورہ آیت اس امر کو بیان کر رہی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ قبلہ کی تبدیلی کے سلسلے میں نزول وحی کے منتظر اور مشتاق تھے۔ سمت قبلہ کی بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف تبدیلی خداوند کے اس وعدہ کی تکمیل تھی جو اس نے اپنے پیغمبرؐ سے کیا تھا۔ لیکن حضور گرامیؐ اس وعدے کی تکمیل کے لیے زبان سے کچھ کہے بغیر آسمان کی طرف نگاہیں کر لیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ رسول اکرمؐ اور دوسرے تمام مسلمان عبادت کے موقع پر اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف کیا کریں۔

اگر اہل کتاب (یہودی) اس تبدیلی کی حقانیت کو اچھی طرح جانتے تھے اور اس سے پہلے وہ اپنی کتابوں میں بھی پڑھ چکے تھے کہ پیغمبر اسلامؐ دو قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے۔ پھر بھی وہ اس حقیقت کو چھپائے ہوئے تھے یا پھر مختلف قسم کے شکوک وشبہات اور بے جا سوالات کر کے اپنی تخریب کارانہ ذہنیت کا ثبوت فراہم کر رہے تھے۔ خدا تعالیٰ نے یہ جملہ ''وَمَا اللّٰهُ

بِغَافِلٍ عَمَّا يَعۡمَلُوۡنَ﴿۱۴۴﴾ ’’کہہ کر انہیں ایسا کرنے پر خبردار کر دیا کہ وہ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔(تفسیر مجمع البیان)

☆ رسولخدا کا قبلہ کی تبدیلی سے راضی ہونا چند دلائل کی بنا پر تھا:

الف: خانہ کعبہ جناب ابراہیمؑ کا قبلہ تھا۔

ب: یہودیوں کی زبان کے زخم، مذاق اڑانے اور ان کی طرف سے کی جانے والی توہین سے چھٹکارا حاصل ہو گیا تھا۔

ج: مسلمانوں کا استقلال اور ایک مستقل حیثیت ثابت ہو گئی تھی۔

د: توحید کے پہلے مرکز کی طرف پلٹ گئے تھے۔

☆ ان مطالب کا دو مرتبہ ذکر ہونا قبلہ کی تبدیلی کے قطعی اور ضروری ہونے کی دلیل ہے کیونکہ قبلہ کی تبدیلی کا مسئلہ ایک اہم ترین واقعہ تھا۔ لہٰذا آیت میں کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دو مرتبہ آیا ہے ایک مرتبہ ’’وجھک‘‘ کے لفظ کے ساتھ اور دوسری مرتبہ مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے ’’وُجُوۡهَكُمۡ ‘‘ کے کلمہ کے ساتھ ہے۔

پیغام:

۱۔ آسمان، وحی کا سرچشمہ اور انبیا کی نگاہوں کا مرکز ہے۔ ’’قَدۡ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ ‘‘

۲۔ خدا تعالیٰ انسان کی خواہشات سے آگاہ ہے۔ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰٮهَا ۠ ‘‘

۳۔ احکام کا صادر ہونا اور ان میں تغیر و تبدل خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پیغمبر اپنی طرف سے کوئی حکم صادر نہیں کرتے۔ ’’فَوَلُّوۡا ۔۔۔‘‘

۴۔ پیغمبر اکرمؐ کا ادب و اخلاق اس تک بلند مرتبہ تھا کہ انہوں نے زبان سے کبھی قبلہ کی تبدیلی کی درخواست نہیں کی بلکہ صرف اپنی آنکھوں سے اس تمنا کا اظہار کرتے تھے۔ ’’قَدۡ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ ‘‘

۵۔ خدا تعالیٰ اپنے رسول کو راضی کرنا چاہتے تھے۔ خدا تعالیٰ کی رضایت، رسولخدا کے راضی ہونے میں ہے۔ ’’قِبۡلَةً تَرۡضٰٮهَا ۠ ‘‘

۶۔ قرآن مجید ان علما کی مذمت کر رہا ہے جو حقیقت کو جانتے بوجھتے ہوئے لیت و لعل سے کام لیتے ہیں۔ ’’لَيَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ‌ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعۡمَلُوۡنَ﴿۱۴۴﴾ ‘‘

۷۔ دینی مسائل میں لوگوں کے ساتھ سختی نہیں کرنی چاہیے۔ ’’شَطۡرَ ‘‘ سمت کے معنی میں ہے۔ یعنی مسجد الحرام کی سمت میں کھڑا ہونا کافی ہے، بالکل ٹھیک قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں ہے۔ ’’فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ‌ ؕ ‘‘

آیت نمبر ۱۴۵

وَلَئِنۡ اَتَيۡتَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوۡا قِبۡلَتَكَ ۚ
وَمَاۤ اَنۡتَ بِتَابِعٍ قِبۡلَتَهُمۡ ۚ وَمَا بَعۡضُهُمۡ بِتَابِعٍ قِبۡلَةَ بَعۡضٍ ؕ
وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ اِنَّكَ
اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۵﴾

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبر!) اگر آپ ہر قسم کی آیت (دلیل اور نشانی) اہل کتاب (کے اس گروہ) کے لیے لے آئیں تو بھی یہ تمہارے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور تم بھی اب ان کے قبلہ کی پیروی نہیں کرو گے بلکہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتا۔ تم علم (وحی) و آگاہی کے بعد بھی ان کی خواہشات کی پیروی کرو گے تو ضرور ستم کاروں میں سے ہو جاؤ گے۔

نکات:

☆ اس آیت میں اہل کتاب کی دشمنی اور کینہ سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ (لئن میں لام، جواب قسم ہے۔) تاکید کی خاطر قسم کھا کر بتایا جا رہا ہے کہ ان کیلئے جتنی بھی نشانیاں لے آئیں اور دلائل مہیا کر لیں وہ لوگ اسلام اور قبلہ کی پیروی ہرگز نہ کریں گے۔ اس لئے کہ وہ حقیقت کو جان چکے ہیں لیکن جانتے بوجھتے ہوئے اسے قبول کرنے سے فرار کر رہے ہیں۔

☆ قرآن مجید میں جہاں پیغمبر اکرم کو متنبہ کیا گیا ہے یا انہیں دھمکی دی گئی ہے تو اس کا مقصد ''غلو'' اور اولیائے خدا کی طرف ''خدائی'' کی ناروا نسبت جیسے طرز تفکر کی حوصلہ شکنی اور پیش بندی ہے۔ جیسا کہ دوسرے ادیان میں لوگوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کو ''خدا کے بیٹے'' کے طور پر اور فرشتوں کو ''خدا کی بیٹیوں'' کا نام دے کر پیش کیا۔

پیغام:

۱۔ ہٹ دھرمی اور تعصب ہر قسم کے طرز تفکر، استدلال اور حقائق کے قبول کرنے میں مانع ہوتے ہیں وہ صرف اسلام

سے ہی تعصب نہیں کرتے بلکہ خود ان کے اپنے مابین بھی یہی صورتحال ہے۔ ''مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ''

۲۔ مخالفین کے شور وغل اور ہنگاموں سے گھبرا کر تسلیم نہیں ہو جانا چاہیے۔ دشمنوں کو مایوس کرنے کیلئے ثابت قدمی اور مستقل مزاجی ضروری ہے۔ ''اَنْتَ بِتَابِعٍ''

۳۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا اپنا اپنا قبلہ تھا۔ ''وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ''

۴۔ علما اور دانشوروں کا گمراہ ہونا انتہائی خطرناک ہے۔ ''مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ''

۵۔ ہدایت پانے کیلئے صرف علم کا حصول کافی نہیں ہے۔ حق کو قبول کرنے کا جذبہ بھی ضروری ہے۔ یہودی آسمانی کتاب اور کتاب کا علم رکھتے تھے لیکن غیر ضروری تعصب کی بنا پر، ایسا علم بھی ان کے کسی کام نہ آیا۔ ''اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ''

۶۔ لوگوں کی خواہشات کے مطابق اللہ کے قانون کو تبدیل کرنے کا حق پیغمبر کو بھی نہیں ہے۔ ''اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ''

۷۔ دین اسلام حقیقی علم کے سرچشمہ سے سیراب ہوا ہے۔ ''جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ''

۸۔ ایسے قوانین لائق قبولیت اور پیروی کرنے کے قابل ہیں جو نفسانی خواہشات سے پاک اور علم کی بنیاد پر قائم ہوں ''لَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ''

۹۔ قانون سب کیلئے ایک برابر ہے۔ بفرض محال اگر کوئی پیغمبر بھی خواہشات نفسانی کی پیروی کرے تو وہ بھی اپنے کیفر کردار میں گرفتار ہوگا۔ ''اِنَّكَ اِذًا''

۱۰۔ الٰہی قانون کی موجودگی میں، عوامی خواہشات کے سامنے تسلیم ہو جانا یا ان کی پیروی کرنا، ظلم ہے۔ ''اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾''

آیت نمبر ۱۴۶

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

ترجمۃ الآیات

(یہود و نصاری) جنہیں ہم نے (آسمانی) کتاب عطا کی، وہ اس (پیغمبر اسلامؐ) کو اپنے بیٹوں کی طرح جانتے تھے، بے شک ان میں سے ایک گروہ والے اس کے باوجود کہ حق کو پہچانتے تھے، اسے چھپاتے اور اس کا انکار کرتے تھے۔

نکات:

☆ یہ بات قرآن پاک میں کئی مرتبہ بیان ہوئی ہے کہ اہل کتاب تورات و انجیل میں بیان شدہ بشارت کی وجہ سے پیغمبر اسلامؐ کے ظہور اور آپؐ کی بعثت پر ایمان رکھتے ہوئے آپؐ سرکار کے انتظار میں تھے۔ پیغمبر اکرمؐ کی صفات و خصوصیات کو اس قدر وضاحت کے ساتھ سن چکے تھے کہ حضورؐ کے بارے میں اپنے بچوں جیسی شناخت حاصل کر چکے تھے۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود انہی میں سے ایک گروہ اس حقیقت سے انکار کیا کرتا تھا۔

ایک جگہ پر قرآن پاک میں ہے کہ وہ صرف پیغمبر اکرمؐ ہی کے بارے میں ایسی پہچان نہ رکھتے تھے بلکہ وہ اس معاشرے کو بھی جانتے تھے جو بعد میں اسلام کے سایہ میں تشکیل پانے والا تھا حتیٰ آپؐ کے صحابہ کے بارے میں بھی آگاہی رکھتے تھے۔ ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ'' (فتح۔۲۹) محمد، خدا کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لیے بہت ہی شدید ہیں اور آپس میں بڑے مہربان ہیں۔ تم انہیں یا رکوع میں دیکھو گے یا سجود میں دیکھو گے۔ وہ ہمیشہ خدا کے فضل (و کرم) اور اس کی رحمت کی طلب میں لگے رہتے ہیں اور سجدوں کے نشان ان کے چہروں پر نمایاں ہیں ان کی یہ تعریف و توصیف تورات میں بھی ہے اور انجیل میں بھی۔

☆ قرآن پاک اہل کتاب کی پیغمبرؐ کے بارے میں دقیق شناخت کو، باپ کی بیٹے کے بارے میں شناخت سے تشبیہ دیتا ہے۔

کیونکہ درج ذیل دلائل کی روشنی میں یہ سب سے زیادہ واضح پہچان میں سے ایک ہے:

الف: پیدائش کے آغاز بلکہ اس سے بھی پہلے شناخت کا وجود عمل میں آجاتا ہے۔

ب: ایک ایسی چیز کی شناخت ہے کہ جس کے ساتھ انتظار ہے۔

ج: ایک ایسی پہچان ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں ہے۔

☆ علم کو چھپانا، بہت بڑا گناہ ہے۔ علم کو چھپانے والوں کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ''يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝۱۵۹'' اللہ تعالیٰ تمام جن و انس اور تمام باشعور لوگ، حق اور علم کے چھپانے والے پر ہمیشہ لعنت بھیجتے ہیں۔

(بقرہ۔۱۵۹)

جی ہاں! حق کا چھپانا ایسا ہے جیسے اپنے بیٹے کو چھپایا جائے اور یہ ظاہر نہ کیا جائے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ پس ایسا باپ کس قدر بے غیرت ہوگا جو دنیا کے لالچ میں آ کر اپنے بیٹے کو خود سے دور کر دے۔

پیغام:

۱۔ اگر حق کو حاصل کرنے کی طلب نہ ہو تو صرف علم کا حصول کافی نہیں ہے۔ یہودیوں نے رسولخداؐ کو اتنے قریب سے جاننے کے باوجود، قبول نہیں کیا۔ ''یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ''

۲۔ اپنے دشمنوں کے بارے میں بھی انصاف سے کام لینا چاہیے۔ قرآن پاک نے حق کو چھپانے کی نسبت سب اہل کتاب کو نہیں دی۔ ''فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ''

آیت نمبر ۱۴۷

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

ترجمۃ الآیات

حق (وہ چیز ہے جو) تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ پس اس کے بارے میں شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

پیغام:

۱۔ حق وہی ہے جو اس ذات پاک کے لامتناہی منبع علم سے جاری ہو۔ ''اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ''

۲۔ جو احکام الٰہی، وحی یا روایات کے ذریعہ ثابت ہیں ان میں کسی قسم کے شک و تردید اور مناقشے و جدل کی اجازت نہیں ہے۔ ''فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾''

۳۔ راہبر اور پیشوا کو عزم صمیم اور یقین کی دولت سے مالا مال ہونا چاہیے۔ خصوصاً ایسے موقع پر جب وہ کسی قانون کو تبدیل کرتے ہوئے پرانے رسم و رواج کو توڑ رہا ہو۔ ''فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾''

آیت نمبر ۱۴۸

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾

ترجمۃ الآیات

ہر گروہ کا ایک قبلہ ہے جسے خدا نے اس کے لیے معین کیا ہے (اسی لیے اب قبلہ کے بارے میں زیادہ گفتگو نہ کرو اور اس کی بجائے) نیکیوں اور اعمال خیر میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرو۔ تم جہاں کہیں بھی ہو گے خدا تمہیں (اچھے اور برے اعمال کی جزا یا سزا کے لیے قیامت کے دن) حاضر کرے گا، یقیناً خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

نکات:

☆ ''وِّجْهَةٌ'' کے دو معانی ہیں: ۱۔قبلہ، ۲۔طریقہ۔ اگر اس کلمہ کو پہلے معنی یعنی قبلہ کے معنی میں لیں جیسا کہ اکثر مفسرین نے لیا ہے تو آیت کا ترجمہ وہی ہوگا جو ہم نے اوپر کیا ہے۔ لیکن اگر ''وِّجْهَةٌ'' کا معنی 'طریقہ یا سلیقہ' لیں تو آیت کا ترجمہ یوں ہوگا ''ہر انسان یا ہر گروہ کے لیے اپنا ایک راستہ یا طریقہ کار ہے جس کی طرف وہ جا رہا ہوتا ہے اور اسے طے کر رہا ہوتا ہے۔''

یہ آیت سورہ اسراء۔ ۸۴، کی مانند ہوگی جس میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ''كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۚ'' یعنی ہر شخص اس راستے پر چل رہا ہے جو خدا نے اس کیلئے مقرر کیا ہے۔

☆ بعض مفسرین نے ''هُوَ مُوَلِّيهَا'' میں ''هُوَ'' سے مراد خدا تعالیٰ کو لیا ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ہر ایک کا قبلہ ہے جسے خدا تعالیٰ نے معیّن کیا ہے۔

☆ نیک کاموں میں سبقت لے جانا اس کی قدر و قیمت کو بڑھا دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ''سَارِعُوۡا'' ''سَابِقُوۡا'' اور ''فَاسْتَبِقُوا'' کے کلمات کار خیر کیلئے استعمال ہوئے ہیں۔ نیز انبیا کی تعریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ''يُسٰرِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ'' ''وہ نیکی کرنے میں جلدی اور تیزی کرتے ہیں۔ (انبیاء۔ ۹۰)

☆ اس آیت کے ذیل میں بعض روایات میں ہے کہ امام آخر الزمانؑ کے زمانہ ظہور میں آپؑ کے چاہنے والے پوری دنیا میں سے، نزدیک و دور سے امامؑ کے گرد جمع ہو جائیں گے۔ (تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۱۳۹)

پیغام:

۱۔ ہر امت کا ایک قبلہ تھا اور قبلہ کا مسئلہ صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ ''لِکُلٍّ وِّجۡهَةٌ''

۲۔ بیہودہ بحثوں کو چھوڑ دو، اپنی توجہ نیک کاموں کو انجام دینے کی طرف مبذول کرو۔ ''فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ ؕ''

۳۔ مادی اور دنیوی باتوں میں مقابلہ اور دوڑ کی بجائے، نیک کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ ''فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ ؕ''

۴۔ قیامت کے دن، خداوند تعالی سب کو ایک جگہ جمع کر دے گا۔ یہ بات خدا تعالی کی قدرت کا ایک مظہر ہوگا۔ ''يَاۡتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيۡعًا ؕ''

آیت نمبر ۱۴۹

وَمِنۡ حَيۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اے پیغمبر!) کسی بھی جگہ سے (سفر کے ارادے سے) نکلو تو (نماز کے وقت) اپنا چہرہ مسجد الحرام کی جانب کرلو یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق (پر مبنی) حکم ہے اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو خدا اس سے بے خبر نہیں ہے۔

نکات:

☆ اس سے پہلی آیات میں مسجد الحرام کی طرف منہ کرنے کا حکم صرف شہر مدینہ سے تعلق رکھتا تھا، جہاں مسلمان رہائش پذیر تھے۔ لیکن اس آیت میں فرماتا ہے تم جس بھی جگہ سے نکلو اور سفر اختیار کرو تو ضروری ہے کہ نماز کے موقع پر اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف کرلو۔

آیت نمبر ۱۵۰

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اے پیغمبر!) تم جہاں سے بھی نکلو پس (نماز میں) اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف کر لو اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو (سفر میں یا حضر میں) اپنا رخ اسی (مسجد الحرام) کی طرف کر لو۔ تاکہ کسی کے پاس تمہارے خلاف کوئی دلیل اور بہانہ باقی نہ رہے سوائے ظالم لوگوں کے (جو ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے) پس تم ان سے نہ ڈرو اور صرف مجھ سے ڈرو (بیان لو کہ قبلہ کی تبدیلی اس وجہ سے ہوئی) تاکہ میں تم پر اپنی نعمت کو مکمل کروں اور اس لیے بھی کہ تم ہدایت حاصل کرو۔

نکات:

☆ کئی آیات میں قبلہ کی تبدیلی کا موضوع بیان ہونا، اس کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کہ اس موضوع کے بیان کے ساتھ کوئی نہ کوئی نیا مطلب بھی بیان ہوا ہے۔ جیسے اس آیت میں ہے خداوند تعالیٰ مسجد الحرام کی طرف منہ کرنے کا حکم دینے کے بعد فرماتا ہے کہ یہ اس لیے ہے تاکہ دشمنوں کو پیغمبرؐ اور مسلمانوں کے خلاف کوئی بہانہ نہ مل سکے۔ کیونکہ اہل کتاب جانتے تھے کہ پیغمبر اسلامؐ دو قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے، اور اگر ایسا واقعہ نہ ہوتا تو وہ مسلمانوں پر اعتراض کرتے کہ تمہارے پیغمبرؐ وہ نہیں ہیں جن کے بارے میں پہلے والی آسمانی کتابوں میں ذکر آیا ہے۔

اسی طرح یا وہ اپنی تند و تیز زبان کے ساتھ مسلمانوں کی توہین کرتے اور کہتے کہ تم لوگ یہودیوں کے پیچھے چلنے والے ہو اور تمہارا اپنا کوئی قبلہ نہیں ہے۔

یہ اعتراضات صرف یہودیوں کی طرف سے نہ تھے بلکہ مشرکین بھی کہا کرتے تھے کہ اگر محمدؐ جناب ابراہیمؑ کے دین کے قائل ہیں تو پھر کیوں اس گھر کی طرف توجہ نہیں کرتے جو جناب ابراہیمؑ نے بنایا ہے؟ منافقین بھی یہ موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور وہ بھی نکتہ چینی کیا کرتے کہ پیغمبرؐ میں مستقل مزاجی اور ثابت قدمی نہیں ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ تاکید اور تکرار کے ساتھ مسلمانوں کو حق کے قبول کرنے اور ثابت قدم رہنے پر آمادہ کر رہا ہے اور انہیں یاد دلا رہا ہے کہ جو لوگ حجت اور دلیل کو مانتے ہیں وہ تم پر غالب نہیں آسکیں گے لیکن جو لوگ ظالم اور ستم کار ہیں وہ حق و حقانیت کو چھپاتے ہیں وہ بہانہ جوئی اور حیلہ سازی سے باز نہیں آئیں گے۔ تمہیں ایسے لوگوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے ان سے ہرگز نہیں ڈرنا چاہیے بلکہ صرف خداوند عالم ہی سے ڈرنا چاہیے۔

☆ ''قبلہ'' توحید کی علامت اور اس کا مظہر ہے۔ ''قبلہ'' مسلمانوں کا علامتی اور شناختی نشان ہے کہ جیسا کہ نہج البلاغہ میں کعبے کو ''علم'' یعنی اسلام کا پرچم اور واضح نشان کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ چونکہ بت پرست اور ستارہ پرست اپنی عبادت کے وقت بتوں یا چاند ستاروں کی طرف منہ کرتے تھے اس لیے اسلام نے ان کی اس گمراہی پر مبنی عمل کی جگہ خانہ خدا کی طرف توجہ کرنے کا حکم دیا اور قبلہ رخ ہونے کو خدا کی طرف متوجہ ہونا قرار دیا ہے۔

روایات میں ہے کہ حضرت رسولخداؐ عام طور پر قبلہ رخ ہو کر بیٹھا کرتے تھے۔ آپؐ فرمایا کرتے کہ قبلہ رو سویا کرو اور قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھا کرو حتیٰ کہ قبلہ رخ ہو کر بیٹھنے کو عبادت میں شمار کیا گیا ہے۔

نیز قبلہ کے خاص احکام ہیں اور بعض صورتوں میں رو بقبلہ ہونا واجب ہے۔ مثلاً جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کیا جائے، میت کو قبر میں رو بقبلہ لٹایا جائے اور واجب نمازوں کو قبلہ کی طرف رخ کر کے ادا کیا جائے لیکن بیت الخلا میں قبلہ کی طرف رخ کر کے یا پشت کر کے بیٹھنا حرام ہے۔

مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ بھی ''قبلہ'' مسلمانوں کی وحدت کا سبب اور علامت اتحاد ہے اگر کرۂ ارض سے اوپر جا کر نگاہ کریں تو مسلمان پانچ وقت کی نمازوں میں رو بقبلہ ہو کر ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ قبلہ کی طرف منہ کیے نظر آئیں گے۔

خانہ کعبہ خدائی تحریکوں اور الٰہی انقلابات کا مرکز اور ان کے لیے آمادگی کا مقام ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر حضرت امام حسین علیہ السلام تک سب بزرگواروں نے اپنی الٰہی تحریک اور خدائی انقلاب کا آغاز یہیں سے کیا۔ اسی طرح مستقبل میں حضرت امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف بھی اپنی مقدس تحریک کا آغاز یہیں سے کریں گے۔ کعبہ کی عظمت کیلئے یہ بہت ہے کہ مسلمان اہل قبلہ کہلاتے ہیں۔

☆ تغیر قبلہ کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے: قبلہ کی تبدیلی اس لیے ہے تاکہ آئندہ اپنی نعمت کو آپ پر تمام کروں۔ یعنی آپ کی ثابت قدمی، استقلال اور کعبہ کی طرف توجہ، آئندہ اتمام نعمت کی بنیاد ہے۔ ''لِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ''

یہ واقعہ مدینہ میں سال دوم ہجری کو پیش آیا۔ آٹھ ہجری فتح مکہ کے موقعہ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا: ''وَيُتِمَّ

نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ ''(فتح۔ ۲) یعنی یہ کامیابی اس لیے ہے تاکہ آئندہ خدا تعالیٰ تم پر اپنی نعمت تمام کرے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں آیات میں اتمام نعمت کی بات فعل مضارع کے ساتھ بیان ہوئی ہے جو آئندہ کسی کام کے جاری رہنے پر دلالت کرتا ہے۔

لیکن دہم ہجری حجۃ الوداع سے واپسی کے موقعہ پر، غدیر خم کے مقام پر معصوم راہبر کی پہچان کروانے کے بعد سورہ مائدہ کی آیت ۳ میں خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ '' آج میں نے تم پر اپنی نعمت کو تمام کر دیا۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے قبلہ کی طرف منہ کرنے کو اتمام نعمت میں پہلا قدم قرار دیا اور پھر فتح مکہ کو دوسرا قدم قرار دیا۔ آخر میں معاشرے کیلئے راہبر کے اعلان کو اتمام نعمت کا آخری قدم قرار دیا۔ یہ بات بھی قابل ملاحظہ ہے کہ قبلہ کی تبدیلی اور راہبر کے اعلان میں تاکید کی جا رہی ہے کہ ''فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ '' یعنی ڈرنا نہیں، گھبرانا نہیں۔ کیونکہ دونوں موقعوں پر بعض افراد کی طرف سے ضد، مقابلہ، بہانہ بازی اور افواہیں پھیلانے کا سلسلہ ہو سکتا تھا۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''یا علی مثلك فی الامة كمثل الكعبة نصبها الله للناس علما '' اے علیؑ! تیری مثال میری امت میں کعبہ کی طرح ہے، خدا تعالیٰ نے اسے روشن دلیل اور لوگوں کیلئے علم قرار دیا ہے۔ (بحار، ج ۲۲، ص ۴۸۳) تاکہ اپنے راستے کو گم نہ کر دیں۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ''و نحن كعبة الله و نحن قبلة الله '' ہم اللہ کا کعبہ اور اللہ کا قبلہ ہیں۔ (بحار، ج ٦، ص ۲۱۱ و ۳۰۳)

پیغام:

۱۔ مسلمان ہر اس کام سے پرہیز کریں جس سے دشمنوں کے ہاتھ میں کوئی بہانہ آ جائے۔ ''لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ''

۲۔ دوسروں کے تسلط کی نفی کرنا اور اپنے استقلال کو حاصل کرنا قابل قدر ہے۔ ''لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ''

۳۔ قبلہ کی تبدیلی اہل کتاب، مشرکین اور منافقین کے بے جا اعتراضات اور بہانہ بازیوں کو ناکام بنانے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ ''لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ''

۴۔ بیرونی دشمن، مسلمانوں کے لیے کوئی بڑا خطرہ نہیں ہیں بلکہ اصل خطرہ اس میں ہے کہ وہ خدا کا خوف دل سے نکال دیں اور اس کے احکام کی پروا نہ کریں۔ ''فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ''

۵۔ مسلمانوں کے لیے مخصوص قبلہ کا تعین ان پر خدا کی نعمتوں کی تکمیل کا سبب ہے۔ ''لِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ ''

٦۔ قبلہ کا تعین اور مسجد الحرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مومنین کی ہدایت کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ ''لَعَلَّكُمْ

تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵۰ ‘‘

۷۔ ہدایت کے مرحلے ہیں اس لیے یہ خطاب بھی مسلمانوں سے ہے جو کہ پہلے سے ہی ہدایت پا چکے ہیں، پس یہاں مراد بعد والے ہدایت کے مراحل تک پہنچنا ہے۔ ’’لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵۰ ‘‘

آیت نمبر ۱۵۱

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۵۱

ترجمۃ الآیات

جس طرح تمہاری ہدایت کی خاطر ہم نے تمہارے درمیان تمہاری ہی نوع سے رسول بھیجا تاکہ وہ تم پر ہماری آیات پڑھے، تمہارے (نفسوں کا) تزکیہ کرے، تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور جو کچھ تم نہیں جانتے تمہیں بتائے۔

نکات:

☆ ’’تلاوت‘‘ کلمہ ’’تُلُوْ‘‘ سے ماخوذ ہے جس کا معنی پے درپے ہے۔ کسی عبارت کو پے درپے پڑھنا، صحیح اور مناسب طریقے اور تقدس کے ساتھ پڑھنا بھی تلاوت کہلاتا ہے۔ تزکیہ کے معنی ہیں بڑھنا، رشد کرنا اور پاک کرنا۔ تعلیم کتاب کے معنی ہیں آسمانی آیات واحکام کا سکھانا، حکمت کی تعلیم دینے کا مقصد ہے صحیح افکار اور علوم کا سکھانا۔

☆ بعثت پیغمبر اکرمؐ، جناب ابراہیمؑ کی اس دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے جو انہوں نے یہ کہہ کر مانگی تھی۔ ’’وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ۔۔۔‘‘ خداوندا! ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان پر تیری آیات پڑھے۔ (بقرہ۔۱۲۹)

اسی طرح خود آنحضورؐ بھی فرماتے ہیں: ’’انا دعوة ابی ابراهيم‘‘ میں اپنے پدر بزرگوار اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا نتیجہ ہوں۔

پیغام:

۱۔ وہی راہبر کامیاب ہوتا ہے جو خود انہی لوگوں میں سے ہو، ان کے درد سے آشنا اور ان کا ہم زبان ہو۔ ''اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ''

۲۔ تعلیم سے پہلے تزکیہ نفس ہے۔ ''يُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ''

۳۔ دین کی تعلیم اصل محور و مرکز ہے۔ دوسری ہر طرح کی تعلیم اس کے بعد ہے۔ لہٰذا پہلے ''وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ'' اور اس کے بعد ''وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۝۱۵۱''

۴۔ بہت سے حقائق کو جاننے کیلئے انسان کو وحی کی ضرورت ہے۔ اسی لیے ''مَا لَا تَعْلَمُوْنَ'' کی بجائے فرمایا ''مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۝۱۵۱'' تاکہ ہمیں یاد دلائے کہ اگر انبیا نہ ہوتے تو انسان ابد تک ان مشکلات کے حل تک رسائی حاصل نہ کر سکتا۔ مخصوصاً انسان اس بات کا جواب نہیں دے سکتا کہ اس کا اور اس دنیا کا مستقبل و انجام کیا ہوگا؟

آیت نمبر ۱۵۲

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۝۱۵۲

ترجمۃ الآیات

پس تم مجھے یاد کرو تاکہ میں تمہیں یاد کروں اور تم میرا شکرادا کرو میری ناشکری اور کفر نہ کرو۔

نکات:

☆ خدا تعالیٰ بعض آیات میں فرماتا ہے: ''اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ'' میری نعمتوں کو یاد کرو۔ (بقرہ۔ ۴۰) لیکن اس آیت میں فرماتا ہے: ''اذْكُرُوْا'' خود مجھے یاد کرو۔

یہ فرق لوگوں کی معرفت کے درجات کی وجہ سے ہے۔ قطع نظر اس کے کہ خدا کی یاد اس کا شکر بجالانے کا پیش خیمہ ہے لہٰذا شکر پر مقدم ہے، یہ آیت انسانی سربلندی اور بندے پر خدا کے بے انتہا لطف و کرم کی دلیل بھی ہے۔ اس لیے کہ ایک طرف تو انسان ہے جس کی سرشت میں جہالت، لاعلمی، فقر فنا اور حقارت ہے اور دوسری طرف خداوند تعالیٰ ہے جو علم کا مالک، بے نیاز، ہمیشہ موجود رہنے والا اور عزت و قوت والا ہے۔ وہ بلند و برتر ذات مذکورہ صفات کے حامل انسانوں سے تقاضا کر رہی ہے کہ تم ان دو نعمتوں یعنی قبلہ اور رسالت کے باعث مجھے یاد کرو تاکہ میں تمہیں یاد کروں۔ ذرا غور کریں کہ ہمارا یاد کرنا کیا اہمیت رکھتا ہے؟ کیا

ایسا نہیں ہے کہ ہمارا یاد کرنا بھی اسی کی طرف سے ایک توفیق ہے؟

☆ خدا کو یاد کرنا صرف زبان کے ساتھ نہیں ہے، خدا کو دل و جان کے ساتھ یاد کرنا چاہیے۔ گناہ کے وقت اور اس گناہ کو ترک کرتے وقت خدا کی یاد سچی ہوتی ہے۔ شاید یاد خدا کی بہترین قسم نماز ہے کہ فرمایا: ''وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ﴿۱۴﴾'' (طہ۔۱۴)

☆ اس کے باوجود کہ شکر کرنا ذکر خدا کے مصادیق میں سے ایک ہے۔ لیکن ذکر اور یاد کے ساتھ شکر کا الگ سے بیان اس کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے جو کہ ذکر کا واضح ترین مصداق ہے۔

☆ خدا تعالیٰ انسان کے ساتھ خرید و فروخت کرتا ہے اور انسان کے کسی بھی عمل کو بے نتیجہ نہیں رہنے دیتا۔ ''فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ''، ''اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ'' (بقرہ۔۴۰)، ''فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ'' (مجادلہ۔۱۱)

☆ امام باقر علیہ السلام اس آیت کے ذیل میں تسبیح حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو، ذکر خدا کے مصادیق میں سے ایک شمار کرتے ہیں۔ جس میں ۳۴ مرتبہ اَللّٰهُ اَکْبَرُ، ۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ پڑھا جاتا ہے۔ (تفسیر نور الثقلین، ج۱، ص۱۴۰)

ذکر خدا میں رکاوٹیں:

الف: شیطان۔ ''فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ'' شیطان ان کو ذکر خدا سے غافل کر دیتا ہے۔ (مجادلہ۔۱۹)

ب: ذخیرہ اندوزی اور اس میں مقابلہ کرنا۔ ''اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾'' زیادہ کی لالچ نے تم کو سرگرم کر دیا۔ (تکاثر۔۱)

ج: آرزوئیں اور خیال بافیاں۔ ''وَیُلْهِهِمُ الْاَمَلُ'' آرزوؤں نے اسے سرگرم کر دیا۔ (حجر۔۳)

ذکر و یاد خدا کے اثرات:

اس کی نعمتوں کو یاد کرنا، شکر اور معرفت کی رمز ہے۔

اس کی بے انتہا قدرت کو یاد کرنا، اس کی ذات پر توکل کی دلیل ہے۔

اس کے علم کو یاد کرنا، ہمارے تقویٰ اور ایمان کی علامت ہے۔

اس کے لطف و کرم کو یاد کرنا، خدا سے محبت کی دلیل ہے۔

اس کی عدالت کو یاد کرنا، اس میں خوف خدا پوشیدہ ہے۔

اس کی مدد کو یاد کرنا، امید اور آرزو رکھنے کی دلیل ہے۔

پیغام:

۱۔ خدا تعالیٰ انسان کو شخصیت عطا کرتا ہے اور اس کے مقام کو اس حد تک بلند کرتا ہے کہ فرمایا: تو میری یاد کر میں تیری

یاد کروں گا۔ ''فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ''

۲۔ خدا اور اس کی نعمتوں کو یاد کرنا، شکر گذاری کی بنیاد ہے۔ جیسا کہ یاد خدا سے غفلت، کفر وانکار کا باعث ہے۔ ''فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴿۱۵۲﴾''

آیت نمبر ۱۵۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴿۱۵۳﴾

ترجمة الآيات

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو (زندگی کے سخت حوادث میں) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو یقیناً خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

نکات:

☆ اسی سے مشابہ کلام الٰہی ہم اسی سورت بقرہ کی آیت ۴۵ میں پڑھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ بنی اسرائیل سے فرماتا ہے: زندگی کی سختیوں اور پریشانیوں میں نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو۔

اس آیت میں یہی حکم مسلمانوں کو بھی دیا جا رہا ہے کہ وہ زندگی کے سخت حوادث میں صبر اور نماز سے مدد طلب کریں۔ مسلمہ اصول ہے کہ! ایک جیسے درد کی دوا بھی ایک ہی جیسی ہوا کرتی ہے۔ (جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ دراصل مسلمانوں کی سرنوشت بڑی حد تک بنی اسرائیل کی سرگذشت سے ملتی جلتی ہے اسی لیے ان دونوں امتوں کے واسطے ایک ہی جیسے احکام صادر ہوئے ہیں۔)

محدود انسان، کئی قسم کی متعدد مشکلات اور ناگوار حوادث میں، اگر خدا تعالیٰ کی لامحدود قدرت کے ساتھ متصل نہ ہوگا تو شکست سے دچار ہوگا اور ٹوٹ جائے گا۔ لیکن خدا تعالیٰ سے رابطہ رکھنے والا شخص حادثات اور مشکلات میں ہمت نہیں ہارتا، حادثات کا بڑا ہونا، اس کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ جو کوئی نماز کو پوری توجہ اور دلچسپی کے ساتھ پڑھتا ہے، وہ معراج کی منزل پاتا ہے۔ اس کی روحانی پرواز جس قدر زیادہ ہوگی اتنے ہی زیادہ مقامات پائے گا، اس کی نگاہ میں دنیا اور اس کی مشکلات اور اس کی خوشیاں چھوٹی اور حقیر ہو جائیں گی۔

☆ انسان یا نعمات کے اندر زندگی گذار رہا ہوتا ہے کہ جس کی مثال کیلئے ہم گذشتہ آیت پر عمل کر سکتے ہیں : ''فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ ''۔ یا انسان مشکلات میں زندگی گذار رہا ہوتا ہے، جس کیلئے اس آیت پر عمل ہونا چاہیے :''اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ ''

☆ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔ وہ یہ نہیں فرماتا کہ نماز گزاروں کے ساتھ ہے۔ اس لئے کہ نماز کیلئے بھی صبر واستقامت کی ضرورت ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

☆ روایات میں پڑھتے ہیں کہ جب بھی حضرت علی علیہ السلام کیلئے کوئی مشکل پیش آتی تو آپ دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ (تفسیر صافی)۔ اس بات پر بوعلی سینا بھی عمل کیا کرتے تھے۔

☆ تمام کمالات کا سرچشمہ صبر ہے:

جنگ میں صبر، شجاعت کی دلیل ہے۔

گناہوں کے مقابلہ میں صبر، تقویٰ کا ذریعہ ہے۔

دنیوی امور پر صبر، زہد ہے۔

شہوت پر صبر، عفت کا باعث ہے۔

عبادت میں صبر، اطاعت کا موجب ہے۔

شبہات میں صبر، باطنی پاکیزگی کا باعث ہے۔ (تفسیر اطیب البیان)

پیغام:

۱۔ اگر ایمان، عمل وتوکل وصبر اور عبادت کے ہمراہ ہو تو زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ ۔۔۔'' (تفسیر راہنما)

۲۔ نماز بوجھ نہیں بلکہ بوجھ اٹھانے کا ایک ذریعہ ہے۔ ''اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ ''

۳۔ صبر اور نماز، خدائی مدد اور الطاف الٰہی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا وسیلہ ہے۔ ''اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۵۳ ''

۴۔ اگرچہ خداوند تعالیٰ ہر جگہ اور ہر شخص کے ساتھ ہے ''هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ '' (حدید۔ ۴) یعنی تم جہاں بھی ہوتے ہو وہ خدا تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن اس کی صابرین کے ساتھ ہمراہی کے ایک خاص معنی ہیں اور وہ صبر کرنے والوں پر اس کا لطف وکرم، محبت اور انہیں امداد رسانی ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۵۳ ''

آیت نمبر ۱۵۴

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴿۱۵۴﴾

ترجمۃ الآیات

جو لوگ راہ خدا میں قتل کر دیے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔

نکات:

☆ جنگ بدر میں چودہ مسلمان درجہ شہادت پر فائز ہوئے جن میں سے چھ اشخاص مہاجرین اور آٹھ انصار میں سے تھے۔ کچھ لوگ کہنے لگے کہ فلاں شخص مر گیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں اس طرز فکر سے منع فرمایا۔ (تفسیر مجمع البیان)

شہدا وہ ہیں کہ جن کا صرف نام اور ان کا کام زندہ یا باقی نہیں بلکہ وہ ایک حقیقی برزخی زندگی رکھتے ہیں۔ ایک ایسی زندگی ہے جس میں انہیں رزق و روزی بھی ملتی ہے اور مسرت و شادمانی بھی حاصل ہے۔ وہ رحمت خداوندی کے جوار میں زندگی گزار رہے ہیں جہاں نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی کوئی غم ہے۔

اس قسم کی زندگی کی خصوصیات انشاء اللہ سورہ آل عمران میں آیات ۱۶۸ سے ۱۷۰ تک میں بیان ہونگی۔

☆ راہ خدا میں لڑتے ہوئے میدان جنگ میں مارے جانا، قتل ہو جانا اور دشمن کا ہدف قرار پانا، جان، ناموس اور مال کے دفاع میں مومنین کا مارے جانا، کسی بھی جگہ پر ہو یا کسی بھی وقت میں ہو، شہادت کا درجہ ہے۔

پیغام:

۱۔ اپنی محدود مادی نگاہوں کو خدا پر ایمان اور اس کے احکام کے ساتھ تکمیل اور تصحیح کریں۔ ”لَا تَقُوْلُوْا“

۲۔ سخت مشکلات کیلئے اور نقصان کو پورا کرنے کیلئے، مضبوط قسم کے عقیدے کی بنیادیں چاہئیں۔ جو یہ جانتا ہے کہ وہ موت کے بعد بھی زندہ رہے گا تو ایسا شخص موت کیلئے شہادت کا انتخاب کرتا ہے۔ ”لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ“

۳۔ شہادت اس وقت اہمیت رکھتی ہے جب خدا کی راہ میں ہو۔ ”فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ“

۴۔ دین کی راہ میں جہاد اور جد و جہد، خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت زیادہ قدر و قیمت کی حامل ہے۔ ''یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ''

۵۔موت کے بعد روح باقی رہے گی چاہے جسم بکھر جائے اور پارہ پارہ ہو جائے۔ ''اَحۡیَآءٌ''

۶۔واقعات کے بہت سے تجزیہ و تحلیل، حقائق سے لاعلمی کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ ''لَا تَقُوۡلُوۡا ۔ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ﴿۱۵۴﴾''

آیت نمبر ۱۵۵

وَلَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۵۵﴾ۙ

ترجمۃ الآیات

اور تمہیں ہر صورت میں آزمایا جائے گا، کچھ خوف اور بھوک کے ساتھ، اموال، جان اور ثمرات میں نقصان کے ساتھ۔ اور (اس سلسلے میں) صبر کرنے والوں کو (ان حادثات اور مصیبتوں میں) خوشخبری دے دو۔

نکات:

☆ خدا تعالیٰ سب انسانوں کو آزماتا ہے۔ جبکہ سب کا امتحان اور آزمائش ایک جیسی نہیں ہے۔ ساری دنیا امتحان گاہ اور سارے لوگ حتیٰ سب پیغمبر بھی مورد امتحان اور اس امتحان کا حصہ ہیں۔ یہ بات جان لینی چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی آزمائش کسی مبہم چیز کو روشن کرنے کیلئے نہیں ہے، کسی مجھول کو معلوم بنانے کیلئے نہیں ہے بلکہ انسان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور انسان کی تربیت کیلئے ہے۔

امتحان کے ذرائع میں سب اچھے برے حالات شامل ہیں۔ جن میں خوف، بھوک، مالی جانی نقصان اور اثرات و ثمرات میں کمی واقع ہونا ہے۔ دشمن سے خوف، اقتصادی پابندیاں، جنگ و جدل اور اپنے بچوں کو، عزیز و اقارب کو میدان جنگ میں بھیجنا، سب امتحان میں شامل ہے۔

☆ دشمن سے خوف کے امتحان میں کامیابی کیلئے خدا پر توکل اور یاد خدا کی ضرورت ہے۔ نقصان کا مقابلہ کرنے کیلئے صبر و استقامت کی ضرورت ہے۔ اس کے بارے میں دو آیات پہلے بیان آیا ہے: ''اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ ؕ''

☆ ضروری نہیں ہے کہ سب لوگوں کا ہر طرح سے امتحان لیا جائے۔ بلکہ ممکن ہے:

الف: ہر ایک کی آزمائش کسی ایک خاص مسئلہ میں ہو۔

ب: ہوسکتا ہے کہ کوئی ایک امتحان میں کامیاب ہوجائے اور دوسرے امتحان میں ناکام ہوجائے۔

ج: یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص کا امتحان دوسروں کے امتحان کا بھی ذریعہ ہو۔

☆ کبھی انسان کا مال، زرعی اجناس اور پھل میوے کم ہو جاتے ہیں یا خوف و خطر اور دوسری مشکلات خدا کی طرف سے آزمائش کی وجہ سے آتی ہیں اور کبھی یہ سختیاں انسان کے اپنے کردار کی سزا کی صورت میں بھی ہوتی ہیں۔ بعض اوقات انسان ایسے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے جن کے باعث اللہ تعالیٰ اسے بعض مصیبتوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ان اللہ یبتلی عبادہ عند الاعمال السیئة بنقص الثمرات و حبس البرکات، و اغلاق خزائن الخیرات لیتوب تائب و یتذکر متذکر ''یعنی خداوند عالم یقیناً اپنے بندوں کو ان کے برے اعمال کی وجہ سے پھلوں کے کم ہونے، برکتوں کے روک لینے اور خیر کے خزانوں کے دروازے بند کر دینے جیسی مصیبتوں میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کرتے ہوئے توبہ کرلیں۔ (نہج البلاغہ، خ ۱۴۳)

لیکن یہ تنبیہ بھی ایک آزمائش ہے جس طرح ایمان کے نتیجے میں ملنے والی نعمت آزمائش کا ذریعہ ہوا کرتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

''لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ ط ''ہم نے انہیں فراوانی کے ساتھ پانی پلایا تاکہ ہم ان کی آزمائش کریں۔ (جن۔۱۶۔۱۷)

☆ صبر کرنے والوں پر خدا تعالیٰ کی طرف سے چند ایک عنایات ہیں:

۱۔محبت۔''وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۴۶﴾''(آل عمران۔۱۴۶)

۲۔نصرت۔''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾''(بقرہ۔۱۵۳)

۳۔جنت۔''یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا''(فرقان۔۷۵)

۴۔بغیر حساب کے جزا۔''اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾''(زمر۔۱۰)

۵۔بشارت۔''وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ''

☆ الٰہی آزمائش میں کامیابی کے راستے پر درج ذیل امور ضروری ہیں:

الف: صبر و استقامت

ب: اس بات پر یقین ہونا کہ حادثات اور مشکلات ہمیشہ نہ رہیں گے۔

ج: گذشتہ لوگوں کی تاریخ کو نظر میں رکھنا کہ وہ کس طرح مشکلات میں سے گذرے ہیں۔

د: اس بات کی طرف توجہ ہونا کہ ہماری تمام مشکلات اور تمام واقعات خدا تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں اور ہر چیز کسی حساب کتاب کے ذریعے ہے۔

جب امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں پر موجود جناب علی اصغر علیہ السلام کو تیر لگا اور وہ شہید ہو گئے تو امامؑ نے فرمایا: ''هَوّن عليّ ما نزل بي انه بعين الله'' کیونکہ خدا تعالیٰ میری اس مصیبت کو دیکھ رہا ہے اس لیے میرے لیے یہ مصیبت آسان ہے۔ (بحار، ج ۴۵، ص ۴۶)

پیغام:

۱۔ آزمائش و امتحان خداوند عالم کا ایک دیرینہ اور حتمی طریقہ کار چلا آ رہا ہے۔ ''وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ''

۲۔ مشکلات، استقامت اور ترقی کا باعث ہوتی ہیں۔ انسان کی بہت سے صفات جیسے صبر، رضا، تسلیم، قناعت، زہد، تقوا، حلم و ایثار، یہ سب کچھ تنگدستی اور ناداری میں شکوفا ہوتی ہیں۔ ''بَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ۝۱۵۵''

۳۔ آیت میں کسی خاص بشارت کا ذکر نہیں ہے اس لیے اس میں کئی طرح کی بشارتیں شامل ہوسکتی ہیں۔ ''بَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ۝۱۵۵''

آیت نمبر ۱۵۶

الَّذِيۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَؕ۝۱۵۶

ترجمۃ الآیات

(صبر کرنے والے) وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی مصیبت انہیں پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں یقیناً ہم خدا کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔

نکات:

☆ حقیقی صابر وہ لوگ ہیں کہ جب بھی انہیں کوئی مصیبت یا ناگوار معاملہ در پیش ہوتا ہے تو وہ حواس باختہ ہونے یا کسی انسان کی پناہ حاصل کرنے کی بجائے صرف خدا سے پناہ حاصل کرتا ہے۔ اس لئے کہ ان کی نگاہ میں یہ ساری کائنات ایک

مدرسہ اور میدان آزمائش ہے کہ جس میں رہ کر ہم ترقی کریں اور پروان چڑھیں۔

دنیا رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ نہ ہی عیش وعشرت کا گھر ہے۔ اس میں سختیاں اور مشکلات، خدا کی بے رحمی کی دلیل نہیں۔ یہ شدائد اور مشکلات اس لیے ہیں کہ ہمارے پاؤں میں حرارت آجائے اور ہم آگے کی طرف تیز تر دوڑ لگائیں۔ بنا بریں انہی تلخیوں میں شیرینی ہے اس لیے کہ ان سے استعداد اور لیاقت کو جلا ملتی ہے اور خدا کی طرف سے مقرر کردہ انعامات حاصل کرنے میں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

☆ جو مصائب اس ذات کی طرف ہیں وہ اس مالک حقیقی اور خدا تعالیٰ کا اپنی مملوک پر حق تصرف ہے۔ اگر انسان یہ یقین رکھتا ہو کہ خدا تعالیٰ حکیم اور رحیم ہے جبکہ انسان پہلے کچھ قابل ذکر نہ تھا "وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿٦٧﴾" (مریم۔ ۶۷) حتیٰ بعد میں بھی کچھ قابل ذکر نہ تھا "لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ﴿١﴾" (انسان۔ ۱)۔ اگر یہ سب کچھ انسان مان لے تو وہ خود کو اس ذات کے اختیار میں دے دے گا۔ وہ ذات جو مجھے جمادات سے نباتات میں لے کر آئی، نباتات سے حیوان تک اور پھر درجہ حیوان سے مرتبہ انسان کی طرف راہنمائی فرمائی۔ ان مراحل کو میری ہدایت اور ترقی کیلئے قرار دیا۔

جیسے ہم گندم کے دانے کو پیس کر آٹا بناتے ہیں اور پھر تندور کی آگ میں اس سے روٹی تیار کرتے ہیں تاکہ اس کے وجودی مراحل کو بلند سے بلند تر بنا دیں۔

☆ صابر افراد کا نعرہ "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب تمہیں کسی مصیبت کا سامنا ہو تو یہی جملہ "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" کہا کرو۔ (درالمنثور، ج ۱ ص ۳۷۷)۔

مصائب اور مشکلات کے وقت "اِنَّا لِلّٰهِ" کہنے اور ذکر خدا کے بہت زیادہ اچھے اثرات ہیں:

الف: انسان کو کفر آمیز بات اور شکایت سے روک دیتا ہے۔

ب: انسان کی تسلی خاطر، حوصلہ اور تاکید کا موجب بنتا ہے۔

ج: شیطانی وسوسوں کو روک دیتا ہے۔

د: اس سے عقائد حقہ کا اظہار ہوتا ہے۔

ھ: دوسروں کے لیے نمونہ بننے اور درس دینے کا سبب ہوتا ہے۔

☆ مصائب وآلام کے موقع پر ردعمل کے لحاظ سے لوگوں کی کئی قسمیں ہیں:

الف: کچھ لوگ چیخ وپکار شروع کر دیتے ہیں۔ "اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿٢٠﴾" (معارج۔ ۲۰)

ب: کچھ لوگ صبر کرنے والے اور بردبار ہوتے ہیں۔ "وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾"

ج: بعض صبر کرنے کے علاوہ شکر گذار بھی ہوتے ہیں۔ "اللهم لك الحمد حمد الشاكرين لك على مُصابهم" "اے اللہ میں تیری حمد کرتا ہوں ایسی حمد جو مصیبت پر شکر کرنے والوں نے کی ہے۔ (زیارت عاشورہ کا آخری فقرہ)

اس قسم کا ردعمل افراد کی اپنی معرفت کے مطابق ہوتا ہے۔ جو وہ مصائب وشدائد کے فلسفہ کے بارے میں رکھتے ہیں۔ جس طرح ایک بچہ پیاز کھانے سے سخت پریشان ہوتا ہے، نوجوان خوشی سے کھاتا ہے اور بڑے بوڑھے پیسے دے کر بھی اسے خریدتے اور شوق سے کھاتے ہیں۔

پیغام:

ا۔ خدا کی ذات، قیامت اور جزا وسزا پر ایمان ہی صبر کا سرچشمہ ہے۔ ''الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۵۵ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۱۵۶''

آیت نمبر ۱۵۷

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝۱۵۷

ترجمة الآیات

یہی لوگ تو ہیں جن پر ان کے پروردگار کی طرف سے درود اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

نکات:

☆ کلمہ ''صلوات'' لفظ ''صلوٰ'' سے ہے۔ جس کے معنی نعمت اور رحمت میں داخل ہونا ہے۔ لفظ ''صلی'' کے برعکس، جس کے معنی قہر وغضب میں داخل ہونے کے ہیں۔ جیسے: ''تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۴'' (غاشیۃ۔ ۴)

☆ وہ مومنین جو مشکلات میں صبر اور پائیداری کا مظاہرہ کرتے ہیں خداوند تعالیٰ بذات خود ان پر درود وصلوات بھیجتا ہے لیکن معاشرے کے خوشحال مومنین جو اپنے مال کی زکوۃ ادا کرتے ہیں، پیغمبر اکرمؐ کو ان پر درود بھیجنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ ''صَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ'' (توبہ۔ ۱۰۳)

پیغام:

ا۔ خدا تعالیٰ صبر کرنے والوں کو اپنی رحمت خاص میں داخل کر دیتا ہے۔ ''عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ''

۲۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے صبر کرنے والوں کی تعریف وتمجید ہمیں یہ درس دیتی ہے کہ معاشرے میں صبر کرنے والوں، ایثار وقربانی کرنے والوں اور اذیتیں برداشت کرنے والوں کو خصوصی عزت واحترام کا مقام ملنا چاہیے۔ ''عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ---''

۳۔ تعریف وتمجید کرنا شان ربوبیت اور تربیت کا لازمہ ہے۔ ''صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ''

۴۔ صابر لوگوں کی ہدایت یقینی اور حتمی ہے، قرآن کے الفاظ میں دوسرے لوگوں کی ہدایت آرزو کی صورت میں بیان کی گئی ہے ''لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵۰'' لیکن صبر کرنے والوں کی ہدایت کے بارے میں زیر بحث آیت بتارہی ہے کہ وہ مسلم طور پر ہدایت یافتہ ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝۱۵۷

۵۔ ہدایت کے مرحلے ہیں۔ چاہے ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' کہنے والے مومنین اور ہدایت یافتگان ہی ہیں۔ لیکن اس سے بڑے بعد والے مرحلے کو صبر، صلوات اور رحمت الٰہی کے ذریعے پاسکتے ہیں اور کسب کرتے ہیں۔ ''اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝۱۵۷''

آیت نمبر ۱۵۸

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝۱۵۸

ترجمۃ الآیات

بے شک صفا اور مروہ خدا کے شعائر (نشانیوں) میں سے ہیں لہٰذا جو لوگ خانہ خدا کا حج کریں یا عمرہ بجالائیں ان کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ ان دونوں (پہاڑیوں صفا اور مروہ) کا طواف (سعی) کریں اور جو لوگ حکم خدا کی بجا آوری میں (واجبات کے علاوہ) اعمال خیر بجالائیں تو خدا ان (کے اعمال) کا قدردان اور ان (کے کردار) سے آگاہ ہے۔

نکات:

☆ ''شَعَآئِرِ''،''شعیرۃ'' کی جمع ہے۔ خاص قسم کے اعمال کو انجام دینے کو کہتے ہیں۔ ''شَعَآئِرِ اللّٰہِ'' کا مطلب وہ علامات ہیں جو اللہ کی عبادت کیلئے قرار دی گئی ہیں۔ (تفسیر مجمع البیان)

☆ صفا و مروہ دو پہاڑوں کا نام ہے جو مسجد الحرام کے پاس واقع ہیں۔ ان کے درمیان ۴۲۸ میٹر کا فاصلہ ہے، یہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے واقع ہیں۔ آج کل ان دونوں کے درمیان چھت والی گلی بنا دی گئی ہے۔ خانہ خدا کے زائرین پر فرض ہے کہ سات مرتبہ ان دو پہاڑوں کے درمیانی فاصلہ کو ایک ہی دفعہ میں طے کریں۔

یہ سعی جناب ہاجرہ جو کہ حضرت ابراہیمؑ کی جانثار بیوی تھیں، ان کی یاد میں کی جاتی ہے۔ جناب ہاجرہؑ اپنے بچے جناب اسماعیلؑ کیلئے ایک گھونٹ پانی کی تلاش میں مضطرب اور پریشان حال ہو کر، کسی مددگار اور ہمدم کے بغیر ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سات چکر لگائے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: روئے زمین پر ان دو پہاڑیوں کے درمیانی علاقہ سے بہتر کوئی اور مقام نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہاں پر ہر متکبر و سرکش بھی ننگے سر اور ننگے پاؤں، کفن پہنے بغیر کسی امتیاز کے دوڑ کر اور پیدل چل کر یہ فاصلہ طے کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کوہ صفا سے پیغمبر اسلامؐ کی دعوت کی بھی کئی یادیں وابستہ ہیں، کہ آپؐ وہاں کھڑے ہو کر کفار مکہ کو توحید کی دعوت دیتے جبکہ وہ آپؐ کی بات سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ (تفسیر نور الثقلین، ج ۱ ص ۱۴۵)

☆ زمانہ جاہلیت میں مشرکین نے کوہ صفا پر ''اساف'' نامی بت نصب کر رکھا تھا اور مروہ پہاڑ پر ''نائلہ'' نام کا بت گاڑا ہوا تھا۔ وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کے موقع پر ان کے اوپر چڑھ جایا کرتے اور ان دونوں بتوں کو تبرک کے طور پر ہاتھ کے ساتھ مسح کیا کرتے تھے۔ اس لیے مسلمان صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کو ناپسند کرتے اور یہ خیال کیا کرتے تھے چونکہ پہلے یہاں بت نصب تھے لہٰذا اس جگہ سعی نہیں کرنا چاہیے۔ لہٰذا مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی کہ صفا اور مروہ تو خدا کے شعائر ہیں، اگر نادان اور بے سمجھ لوگوں نے انہیں بتوں سے آلودہ کر دیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ مسلمان اسے چھوڑ دیں۔ (تفسیر تبیان، ج ۱ ص ۴۴)

☆ حج اور عمرہ کبھی تو باہم، اذان اور اقامت کی مانند بجالائے جاتے ہیں۔ کبھی عمرہ کے اعمال الگ سے انجام دیے جاتے ہیں۔

عمرہ تمتع میں پانچ عمل واجب ہیں: ۱۔ احرام، ۲۔ طواف، ۳۔ نماز طواف، ۴۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی، ۵۔ بالوں یا ناخن کا کاٹنا۔ البتہ عمرہ مفردہ میں ان اعمال کے علاوہ طواف النساء اور نماز طواف النساء بھی ان پانچ اعمال کے ساتھ اضافہ ہو جاتے ہیں۔

حج میں ان مذکورہ اعمال کے علاوہ بھی کچھ اور اعمال ہیں جو بجالائے جاتے ہیں۔ ان کی تفصیل مناسب مقام پر بیان کی

جائے گی۔ بہرصورت اعمال خواہ حج کے ہوں یا عمرہ کے دونوں ہی میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا ضروری ہے۔

☆ صفا اور مروہ کی زیارت کرنا گویا خود کو ایک تاریخی مقام پر پہنچانا ہے کیونکہ اس سے ''تصور'' کی بجائے ''تصدیق'' اور ''ذہنیت'' کی بجائے ''عینیت'' پیدا ہوتی ہے۔

صفا اور مروہ میں خدا شناسی کی کلاس ہوتی ہے۔ اس کا ایک ارادہ کیونکر تمام انسانوں کو ان کے تمام تر اختلافات کے باوجود ایک لباس میں ایک ہی مقصد پر جمع کرتا ہے۔ اسی طرح یہ پیغمبر شناسی کی کلاس بھی ہے کہ خدا کے پیغمبر جناب ابراہیمؑ نے خدا کے فرمان کی بجا آوری کے لیے اپنی بیوی اور بچے کو ایک لق و دق صحرا میں کیونکر اکیلے چھوڑا!

پھر یہ انسان شناسی کا درس بھی ہے جس سے یہ سبق مل رہا ہے کہ انسان اس طرح کے اعمال چند لحظوں میں انجام دے سکتا ہے کہ جن کے آثار تا ابد باقی رہتے ہیں۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی اس بات کی یاددہانی کرا رہی ہے کہ اگر ہم سب مل کر قدم اٹھائیں تو اپنے معاشرے میں خدائی روح کو موجود پائیں گے۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی اس بات کی یاد دلا رہی ہے کہ تکبر کو ترک کر کے سب کے ساتھ مل کر قدم اٹھانا چاہیے۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی ہمیں یہ درس دیتی ہے کہ نام خدا کو زندہ رکھنے میں عورتوں اور بچوں کا بھی حصہ ہے۔

☆ اس سے پہلی آیات میں آزمائش و ابتلا کا تذکرہ تھا اور اس آیت میں جناب ہاجرہؑ، ان کے معصوم بچے اور بچے کے باپ اور دیگر مسلمانوں کی آزمائش کا تذکرہ ہے۔ اگر کام خدا کے لیے کیا جائے اور وہ خلوص پر بھی مبنی ہو تو اس کی قدر و منزلت اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ انبیا کو حکم مل جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کی تقلید کرتے ہوئے انہی کی مانند مضطربانہ انداز میں اس فاصلے کو سات مرتبہ طے کریں۔

یہ حکم خداوند، جناب ہاجرہؑ کی زحمات اور تکالیف کو برداشت کرنے پر شکریہ ادا کرنا ہے۔ ''فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾''

☆ باوجودیکہ صفا اور مروہ کی سعی واجب ہے لیکن خدا فرماتا ہے: ''فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ'' اور گفتگو کا یہ انداز اس لیے ہے کہ مسلمان چونکہ صفا اور مروہ کی سابقہ حالت سے پریشان تھے کہ وہاں پر بت رکھے ہوئے تھے اور وہاں مشرکین بھی چلتے پھرتے تھے۔

☆ ''طواف'' کے معنی صرف دائرے کی شکل میں ہی چکر لگانا نہیں بلکہ ہر وہ حرکت کہ جس میں انسان دوبارہ اپنی پہلی جگہ پر لوٹ آئے خواہ وہ دائرے میں چکر کی صورت میں ہو یا طول میں جانے آنے کے انداز میں ہو، وہ طواف کہلاتی ہے۔ اسی لیے ''طواف'' کا لفظ ''کعبہ کے گرد دائرہ کی صورت میں حرکت'' پر بھی بولا گیا ہے، جیسے: ''وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾'' (حج۔۲۹)

اور صفا و مروہ کے درمیان طول میں حرکت کو بھی طواف کہا گیا ہے۔

پیغام:

۱۔کسی چیز یا جگہ یا شخص کی طرف خدا تعالیٰ کی خاص توجہ وعنایت اس بات کا موجب ہوتی ہے کہ وہ چیز یا جگہ یا شخص بندوں کی توجہ کا محور اور قرب کا مرکز بن جائے۔وہ چیز شعائر الٰہی میں شمار ہونے لگے۔''اِنَّ الصَّفَا وَالۡمَرۡوَةَ مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ''

۲۔نیت سے کاموں کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔مشرکین بتوں کو مس کرنے کی غرض سے سعی کیا کرتے تھے لیکن اسلام نے حکم دیا کہ خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر سعی کرو۔''فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِ اَنۡ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ''

(بہت سے کام ظاہری اعتبار سے ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں۔لیکن ان کو انجام دینے کا جذبہ اور محرک مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً جناب یوسفؑ اور زلیخا کا بند دروازوں کی طرف بھاگنا، جناب یوسفؑ بھاگ رہے تھے تاکہ گناہ سے بچ سکیں اور زلیخا بھاگ رہی تھی تاکہ آلودہ ہو جائے۔''وَاسۡتَبَقَا '')

۳۔اگر حق کے مراکز کچھ لوگوں کے ہاتھوں خرافات سے آلودہ ہو جائیں تو ان سے ہاتھ نہیں کھینچ لینا چاہیے، بلکہ وہاں حاضر ہو کر ان جگہوں کو پاک وصاف کرنا چاہیے اور گمراہ لوگوں کی طاقت کو مفلوج کر دینا چاہیے۔''فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِ اَنۡ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ''

۴۔عبادت کو عاشقانہ اور بے غرض ہونا چاہیے۔''وَمَنۡ تَطَوَّعَ''

۵۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی عبادت کا شکر ادا کرتا ہے۔''فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۵۸﴾''۔یہ تعبیر اس کی جانب سے اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان اور لطف ہے۔

آیت نمبر ۱۵۹

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡتُمُوۡنَ مَآ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَيِّنٰتِ وَالۡهُدٰى مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الۡكِتٰبِۙ اُولٰٓئِكَ يَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَۙ ﴿۱۵۹﴾

ترجمۃ الآیات

یقیناً جو لوگ ان واضح دلائل اور ذرائع ہدایت کو چھپاتے ہیں جنہیں ہم نے نازل کیا ہے جبکہ

ہم نے ان لوگوں کے لیے ان کتاب میں بھی بیان کر دیا ہے خدا ان پر لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں۔

نکات:

☆ اگر چہ یہ آیت یہود ونصاریٰ کے علما کے بارے میں ہے جو تورات وانجیل کے حقائق کو چھپاتے تھے اور لوگوں کیلئے بیان نہیں کرتے تھے لیکن جملہ ''یَکْتُمُوْنَ'' استمرار پر دلالت کرتا ہے یعنی کام کے جاری رہنے پر دلالت کر رہا ہے اس لیے اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو حق کو چھپاتے ہیں۔ خواہ وہ تاریخ کے کسی بھی دور میں ہوں اور ان پر خدا کی لعنت بھی تا ابد ہوگی۔

☆ حق کو چھپانے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں جیسے کبھی خاموش رہنا اور حق بات کا اظہار نہ کرنا۔ کبھی بے جا توجیہات کرنے سے اور کبھی لوگوں کو جزوی مسائل میں الجھا کر حق بات سے دور رکھا جاتا ہے۔ کبھی اصلی مسائل سے غافل رکھا جاتا ہے اور چند دوسرے مسائل کو اصلی اور مہم بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

بعض اوقات حق بات کو چھپانا واجب یا مستحب ہو جاتا ہے، جیسے مومنین کے اسرار کو چھپانا اور برادران دینی کے عیب چھپانا۔

☆ حق کو چھپانے کا گناہ زیادہ تر علما کی طرف سے ہوتا ہے۔ سورہ آل عمران کی آیت ۱۸۷ میں بھی آیا ہے کہ خداوند نے اہل کتاب سے وعدہ لیا ہے کہ حقائق کو لوگوں کیلئے بیان کریں گے اور چھپائیں گے نہیں۔ ''وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ''

روایات میں آیا ہے کہ قیامت کے دن، حق بات کو چھپانے والوں کے منہ پر لگام باندھی جائے گی۔

پیغام:

۱۔ ثقافتی ظلم بدترین ظلم ہے کہ جس کی وجہ سے خالق ومخلوق دونوں کی لعنت ہوتی ہے۔ ''يَكْتُمُوْنَ ۔ ۔ ۔ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۱۵۹''

۲۔ ہر طرح کے حق کو چھپانا منع ہے۔ وہ حق چاہے معجزات کی صورت میں ہو یا حقانیت کے اثبات پر دلائل کی صورت میں ہو۔ ''البینات'' خواہ حق بات کی راہنمائی کو چھپایا جائے یا احکام وارشادات حق کو چھپایا جائے۔ ''اَلْهُدٰى'' (تفسیر المیزان)

۳۔ حق کو چھپانا بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ اس طرح سے انبیا علیھم السلام کی کوششوں کو نقصان پہنچتا ہے، لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے اتحاد وحدت میں رکاوٹ پڑتی ہے اور آئندہ نسلیں گمراہی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ''يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ''

۴۔ حق کو چھپانا، دین خدا پر ظلم ہے۔ ہدایت حاصل کرنا لوگوں کا حق ہے، کتمان (حق کو چھپانا)، لوگوں کے اس حق پر

بھی ظلم ہے۔ اس لیے حق کو چھپانے والوں پر خدا اور اس کی مخلوق دونوں کی لعنت ہے۔ ''یَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ﴿۱۵۹﴾''

۵۔ لوگوں کی طرف سے کی گئی نفرین اور لعنت مؤثر واقع ہوتی ہے۔ لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ کچھ تو روک ٹوک ہونی چاہیے، اس بات کو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ لوگ نہی از منکر اور قانون کو پسند کرتے ہیں۔ لوگوں کی اس بات سے نیکی کے کاموں میں فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کو نہی از منکر کرنے سے بیدار رکھنا چاہیے۔ ''یَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ﴿۱۵۹﴾''

آیت نمبر ۱۶۰

اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا وَاَصۡلَحُوۡا وَبَيَّنُوۡا فَاُولٰٓـئِكَ اَتُوۡبُ عَلَيۡهِمۡ‌ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ﴿۱۶۰﴾

ترجمۃ الآیات

مگر جن لوگوں نے توبہ کی اور نیک اعمال کے ذریعے (اپنے برے اعمال کی) اصلاح کی اور (جو کچھ چھپا رہے تھے اس میں) حق کو آشکار کیا تو میں (اپنے لطف کے ساتھ) اپنی مہربانی ان لوگوں کی طرف پھیر دوں گا کیونکہ میں توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہوں۔

نکات:

☆ حق بات کو چھپانے جیسے بہت بڑے گناہ کے لیے بھی توبہ اور بازگشت کے دروازے اسی طرح کھلے ہوئے ہیں جس طرح دوسرے گناہوں کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ البتہ حقیقی توبہ اس وقت معرض وجود میں آئے گی جب انسان تہہ دل سے گناہ سے پشیمانی کا اظہار کرے، اپنے اعمال کی اصلاح کرے اور جن باتوں کو چھپایا تھا، انہیں واضح طور پر بیان کردے۔ بعض صورتوں میں توبہ کی صورت اعمال کے انجام دینے سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسے کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا تھا اور اب توبہ کر لی ہے تو وہ نمازوں کی قضا بجالائے گا۔ کبھی توبہ کا وجود مال کے خرچ کرنے سے وابستہ ہوتا ہے۔ جیسے کسی نے دوسرے شخص کا مال ضائع کردیا اور اب پشیمان ہو رہا ہے تو اسے ضائع شدہ مال کی تلافی کے ذریعے توبہ کرنا ہوگی۔ لیکن جو بات آیت مجیدہ میں بیان ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ حق کو چھپانے کی توبہ حقائق کو بیان کرنے سے ہوتی ہے۔ یعنی جس شخص نے حقائق کو چھپا کر دنیائے علم و دانش اور انسانی نسلوں سے خیانت کی ہے اس کی توبہ صرف اسی صورت میں قبول ہوگی کہ وہ ان چھپائے ہوئے حقائق کو واضح طور پر بیان کردے۔

☆ خداوند نے شیطان سے فرمایا: ''اِنَّ عَلَيۡكَ لَعۡنَتِىۡ'' (سورہ ص۔ ۷۸) میری لعنت ہو تم پر۔ (ص۔ ۷۸) بعد

والی آیت میں فرمایا: ''عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللهِ ۔۔۔'' درنتیجہ حق کو چھپانے والے اور شیطان ایک ہی صف میں ہیں۔

پیغام:

۱۔ خداوند تعالیٰ نے گناہگاروں اور خطا کاروں کیلئے ہر حال میں توبہ اور بازگشت کی گنجائش رکھی ہے۔ ''يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا''

۲۔ اور گناہ اس لئے کہ توبہ کرنے والے کو اصلاح اور گناہ کا ازالہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ''تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا''

۳۔ ہر گناہ کی توبہ اس کی نوعیت کے مطابق ہے جیسا کہ اس آیت کی رو سے حق کے چھپانے والے کی توبہ یہی ہے کہ وہ حق کو آشکار کرے۔ ''تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا''

۴۔ چونکہ حق کے چھپانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں سختی سے ڈانٹتے ہوئے لعنت کا مستحق قرار دیا تھا تو اب مہربانی کی صورت میں ''انا'' اور ''التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝'' کے کلمات استعمال کیے ہیں۔ گویا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ ''میں اپنی مخصوص مہربانی کے ساتھ براہ راست تمہاری طرف لوٹ رہا ہوں۔'' ''يَلْعَنُهُمُ اللهُ ۔۔۔ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝''

۵۔ گناہگاروں کو دھمکانا اور نیکو کاروں کو خوشخبری دینا۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر تربیت کے دو اساسی رکن ہیں۔ ''يَلْعَنُهُمُ اللهُ ۔۔۔ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝''

۶۔ توبہ کرنے والوں کی طرف خدا تعالیٰ کا لطف و کرم کے ساتھ پلٹنا، ہمیشہ کیلئے، قطعی طور پر اور محبت کے ساتھ ہے۔ ''اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝''

آیت نمبر ۱۶۱ ۔ ۱۶۲

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۶۱

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝۱۶۲

ترجمۃ الآیات

جو لوگ کافر ہو گئے اور اسی حالت میں اس دنیا سے گذر گئے ان پر خدا کی، فرشتوں کی اور تمام

لوگوں کی لعنت ہے۔
(وہ لوگ) ہمیشہ اس (لعنت اور پروردگار کی رحمت سے دوری) میں گرفتار رہیں گے کہ نہ تو ان کے عذاب میں کمی ہوگی اور نہ ہی کسی قسم کی مہلت دی جائے گی۔

نکات:

☆اس سے پہلی آیت میں بیان ہو چکا ہے کہ اگرحق کو چھپانے والے توبہ کریں اور حقائق کو بیان کردیں تو پروردگار عالم کا لطف وکرم اور مہربانی ان کے شامل حال ہوگی لیکن اس آیت میں ایک مرتبہ پھر تنبیہ کرتے ہوئے دھمکی دے کر کہا جا رہا ہے کہ اگر یہ کفار توبہ نہ کریں اور کفر کی حالت میں مرجائیں تو پھر پروردگار عالم، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ان کے گلے کا ہار ہوگی۔

سوال: آیت میں سب لوگوں کی طرف سے لعنت کا ذکر آیا ہے لیکن لوگوں میں سے کچھ لوگ کافر ہیں یا کافروں کے دوست ہیں، اس لحاظ سے سب لوگوں کی لعنت کافروں پر ہوگی، اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہ لعنت دنیا اور آخرت کیلئے ہے۔ لہٰذا وہ لوگ جو دنیا میں کافر ہیں یا کافروں کے دوست ہیں، آخرت میں وہ سب لوگوں کی لعنت کے مستحق قرار پائیں گے۔''كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ط '' (اعراف۔۳۸)

☆اولیائے خدا کی درخواست اور دعا میں سے ایک اہم دعا اسلام وایمان کی حالت میں موت کیلئے رہی ہے۔ حضرت یوسفؑ خدا تعالیٰ سے چاہتے ہیں کہ جب وہ مریں تو مسلمان مریں ''تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا '' (یوسف۔۱۰۱) حضرت ابراہیمؑ وحضرت یعقوبؑ اپنی اولاد سے نصیحت کرتے ہیں کہ ''فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ '' (بقرہ۔۱۳۲) نہ مرنا مگر یہ کہ مسلمان حالت میں یعنی پروردگار کے سامنے تسلیم ہونے کی حالت میں مرنا۔

پیغام:

۱۔کفر پر اصرار کرنا اور کفر کی حالت میں مرنا، ہمیشہ کیلئے رحمت خدا سے دوری کا باعث ہے۔''مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ ... عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ ''

۲۔اہم بات زندگی کا اختتام ہے کہ انسان ایمان کی حالت میں مرا ہے یا بے ایمانی کے عالم میں مرگیا ہے۔''مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ ''

آیت نمبر ۱۶۳۔۱۶۴

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّہَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾

ترجمۃ الآیات

تمہارا معبود واحد معبود ہے، کوئی معبود نہیں سوائے اس کے، جو کہ رحمن اور رحیم ہے۔

آسمانوں اور زمین کی خلقت میں، رات دن کے آنے جانے میں، انسانوں کے فائدے کے لیے دریا میں چلنے والی کشتیوں میں، خدا کی طرف سے آسمان کی طرف سے نازل ہونے والے اس پانی میں جس نے زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی دی ہے، اور ہر طرح کے چلنے والے حیوان اس میں پھیلے ہوئے ہیں اور (اسی طرح) ہواؤں کے چلنے میں بادلوں میں جو زمین و آسمان کے درمیان معلق ہیں (ان سب چیزوں میں) ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل اور فکر سے کام لیتے ہیں۔

نکات:

☆طبعی عناصر، اجزائے کائنات اور ان پر حاکم قوانین فطرت کے درمیان پائی جانے والی ہم آہنگی، خدائے واحدہ لا شریک کی حاکمیت، قدرت اور ارادے کی نشانیاں ہیں۔

آسمانوں کی خلقت اور ان میں ہمیشہ پائی جانے والی وسعت، ''وَاِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ ﴿۴۷﴾'' (ذاریات۔۴۷)

اب تک انسان کی معلومات صرف آسمان اول کی بعض جزئیات تک ہوسکی ہیں۔ ان کا استحکام، ''سَبۡعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾'' (نبا۔۱۲)۔ سات آسمان کا طبقہ دار ہونا، ''سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ'' (ملک۔۳)۔ ان پر حاکم نظام، ''اَوۡحٰی فِیۡ كُلِّ سَمَآءٍ اَمۡرَهَا ؕ'' (فصلت۔۱۲)۔ ان کے درمیان موجود رابطہ اور ستون کے بغیر ہونا، ''بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا'' (رعد۔۲)۔ پھر ان کا محفوظ ہونا، ''سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا ۚۖ'' (انبیاء۔۳۲)۔ ستاروں کا اپنے مدار میں حرکت کرنا اور ان کے درمیان موجود فاصلوں کا قائم رہنا۔ خدائے واحدہ لاشریک کی قدرت اور حکمت کی علامات ہیں۔

سعدی کہتا ہے:

آفرینش ، ہمہ تدبیر خداوند دل است
دل ندارد ، کہ ندارد بہ خداوند اقرار

خلقت، سب دل کے خداوند کی ہے دل نہیں رکھتا کہ نہیں رکھتا خداوند کا اقرار

کوہ و دریا و درختان ، ہمہ در تسبیحند
نہ ہمہ مستمعی ، فھم کند این اسرار

پہاڑ و دریا اور درخت، سب تسبیح کرر ہے ہیں، تم ہر سننے والے ان اسرار کو نہیں سمجھ سکتا

عقل ، حیران شود از خوشہ زرین عنب
فھم ، عاجز شود از حبہ یاقوت انار

عقل، انگور کے سنہری خوشہ سے حیران ہے۔ فہم وشعور، انار کے ایک یاقوتی دانہ کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

پاک و بی عیب ، خدایی کہ بہ تقدیر عزیز
ماہ و خورشید ، مسخر کند و لیل و نہار

وہ پاک و بے عیب خدا ہی ہے کہ جو اپنی عظیم قدرت کے ذریعے چاند سورج اور دن رات کو مسخر کرتا ہے۔

☆ کلمہ ''ریاح'' لفظ ''رِیۡح'' کی جمع ہے۔ جس کے معنی ''ہوا'' ہیں۔ لیکن قرآن میں جہاں کہیں ریح کا لفظ آیا ہے اس کے ساتھ عذاب کا ذکر ہوا ہے۔ جیسے ''بِرِیۡحٍ صَرۡصَرٍ'' (حاقہ۔۶) لیکن جہاں ریاح کا کلمہ آیا ہے وہاں بارش اور لطف الٰہی کا ذکر بھی ہے۔ حدیث میں پڑھتے ہیں کہ جب کبھی ہوا چلتی تو پیغمبر اکرمؐ فرمایا کرتے: ''اللھم اجعلھا ریاحا و لا تجعلھا ریحا'' خداوندا! اس ہوا کو ریاح رحمت قرار دے، ریح عذاب قرار نہ دے۔ (تفسیر مجمع البیان، تفسیر صفوۃ التفاسیر)

پیغام:

۱۔ فطرت اور دنیائے طبیعت کی شناخت، خدا شناسی کے راہوں میں سے ایک ہے۔ جس کے ذریعے ہمیں اس ذات کی عظیم قدرت وحکمت اور وحدانیت کی شناخت حاصل ہوتی ہے۔ ''وَاِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ ... اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ ... لَاٰيٰتٍ''

۲۔ خدا تعالیٰ کی کوئی مثال یا شبیہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ اجزا سے مرکب ہے۔ ''اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ''

۳۔ فطرت کی صنایعت اور انسان کے ہاتھوں سے بنائی ہوئی صنعت، سب اسی ذات کی طرف سے ہے۔ ''خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ''

۴۔ دنیا کا ہر موجود، خداوند کی کتاب فطرت کی آیت ہے۔ ''لَاٰیٰتٍ''

برگ درختان سبز ، در نظر ہوشیار

ہر ورقش دفتری است ، معرفت کردگار

ایک آگاہ انسان کی نظر میں درخت کا ایک سبز پتا، کردگار کی کتاب معرفت سے ایک ورق ہے۔

۵۔ صرف باشعور افراد ہی اس ہستی پر نگاہ کرنے سے خداشناسی کا سبق حاصل کرتے ہیں۔ ''اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ ۔۔۔ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴿۱۶۴﴾''

آیت نمبر ۱۶۵

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَہُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ وَلَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ﴿۱۶۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور بعض لوگ خدا کے علاوہ اپنے لئے کسی اور معبود کا انتخاب کرتے ہیں اور انہیں اس طرح دوست رکھتے ہیں جیسے خدا کو دوست رکھنا چاہیے لیکن وہ لوگ جو ایمان لے آئے ہیں انہیں (مشرکین کی اپنے معبودوں سے محبت کی نسبت) خدا سے شدید عشق و محبت ہے۔ جنہوں نے ظلم کیا ہے (یعنی خدا کے علاوہ کسی اور کو معبود قرار دے لیا ہے) جب وہ عذاب خدا کو دیکھ لیں گے تو جان لیں گے کہ تمام قدرت خدا کے ہاتھ میں ہے (نہ کہ ان خیالی معبودوں کے ہاتھ میں جن سے وہ ڈرتے ہیں) اور خدا کا عذاب اور سزا شدید ہے۔

نکات:

☆ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ''دُوْنِ اللّٰہِ'' اور ''اَنْدَادًا'' سے مراد بت نہیں ہیں بلکہ وہ

گذشتہ ظالم اور گمراہ لوگ ہیں، جنہیں لوگ خدا کی طرح چاہتے تھے۔ (کافی، ج ۱، ص ۳۷۴)۔

ادبی لحاظ سے ''یُحِبُّوۡنَہُمۡ'' میں ''ھم'' انسان کیلئے استعمال ہوا ہے، اشیاء کیلئے استعمال نہیں ہوا۔

☆ محبت کی بنیاد، یا کمال دوستی ہے یا جمال دوستی ہے۔ مومن ہر طرح کے کمال اور جمال کو خداوند کی ذات میں پاتا ہے اس لیے سب سے زیادہ محبت اسی ذات سے کرتا ہے۔ مومنین کا عشق، معشوق کی شائستگی، صلاحیت اور عظمت کی وجہ سے ہے۔ ایسا عشق کبھی ٹھنڈا نہیں ہوتا، اس سے جلنے والا چراغ کبھی بجھتا نہیں۔ لیکن مشرکین کا عشق، اپنے ذاتی خیالات، جہالت، اندھی تقلید اور بیہودہ خواہشات کی بنا پر ہوتا ہے۔

پیغام:

۱۔ حقیقی خدا کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت اور محبت ممنوع ہے۔ ''یَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡدَادًا یُّحِبُّوۡنَہُمۡ''

۲۔ احساسات کو اعتقادات کے مطابق ہونا چاہیے۔ ''الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ''

۳۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب تک ان کے سامنے سے پردے ہٹ نہیں جائیں گے اور قیامت کا مشاہدہ نہیں کر لیں گے اس وقت تک اپنے راستوں کی کجی اور افکار کے انحراف کا اعتراف نہیں کریں گے۔ ''وَلَوۡ یَرَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا''

۴۔ مؤثر قوت کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور جذب کرنے میں عظمت ہے، ''اَنَّ الۡقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیۡعًا'' پس ہمیں اس سے ہٹ کر نہیں سوچنا چاہیے۔

آیت نمبر ۱۶۶

اِذۡ تَبَرَّاَ الَّذِیۡنَ اتُّبِعُوۡا مِنَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡا وَرَاَوُا الۡعَذَابَ وَتَقَطَّعَتۡ بِہِمُ الۡاَسۡبَابُ ﴿۱۶۶﴾

ترجمۃ الآیات

اس وقت (کافروں کے) راہبر اپنے پیروکاروں سے بیزاری ظاہر کریں گے جب عذاب خدا کا مشاہدہ کریں گے اور ان کے تمام اسباب و وسائل منقطع ہو جائیں گے۔

نکات:

☆ اپنے راہبر کا انتخاب خوب سوچ سمجھ کر کرو اور اچھی طرح غور کرلو کہ کس کی محبت اور عشق کی جوت اپنے دلوں میں جگا رہے ہو؟ یہ جو آج تم ان سب طاغوتوں اور خدا کے دشمنوں کو دوست بنائے ہوئے ہو اور ان سے محبت کر رہے ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ دنیا میں تمہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یہ تمہاری قوت اور طاقت ہی کے بل بوتے پر اپنی خواہشات اور آرزوؤں کی تکمیل کرتے ہیں لیکن قیامت کے دن تم سب کو چھوڑ کر خود تم ہی سے نفرت و بیزاری ظاہر کریں گے۔

پیغام:

۱۔ جو بھی عشق اور محبت عقل و فطرت کی بنیادوں پر استوار نہ ہو وہ جلد یا بدیر یا تو سرد مہری کا شکار ہو جائے گی یا پھر دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی۔ ''یُحِبُّوۡنَهُمۡ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ ۔ ۔ ۔ تَبَرَّاَ الَّذِيۡنَ اتُّبِعُوۡا ''

۲۔ محبت، اتباع کی بنیاد ہے۔ ''یُحِبُّوۡنَهُمۡ ۔ ۔ ۔ اتُّبِعُوۡا ''

۳۔ مستقبل کے بارے میں سوچنا عقلمندی کا تقاضا ہے، محبت اسی کے ساتھ کرو جس میں قدرت بدرجہ اتم موجود ہو اور خطرے کے دن تمہیں چھوڑ نہ دے۔ ''اِذۡ تَبَرَّاَ الَّذِيۡنَ اتُّبِعُوۡا ''

۴۔ محبت اور تعلق کا سچا ہونا یا جھوٹا ہونا، اس وقت معلوم ہوتا ہے جب کوئی مشکل درپیش ہوتی ہے۔ جب کوئی مصیبت یا عذاب نازل ہوتا ہے۔ ''رَاَوُا الۡعَذَابَ ''

آیت نمبر ۱۶۷

وَقَالَ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡا لَوۡ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنۡهُمۡ كَمَا تَبَرَّءُوۡا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيۡهِمُ اللّٰهُ اَعۡمَالَهُمۡ حَسَرٰتٍ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَمَا هُمۡ بِخٰرِجِيۡنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

ترجمۃ الآیات

(اور اس وقت ان کے) پیروکار کہیں گے کاش کہ ہم دوبارہ دنیا کی طرف پلٹ جائیں تاکہ ہم بھی ان سے اسی طرح بیزاری اختیار کریں جس طرح (آج) یہ ہم سے بیزار ہوئے ہیں۔

یونہی خدا ان کے اعمال انہیں حسرت کی صورت میں دکھائے گا اور وہ جہنم کی آگ سے باہر نہیں نکل پائیں گے۔

نکات:

☆ روایات کی رو سے قیامت کے متعدد مناظر اور موقف ہوں گے جن میں سے بعض مواقع پر انسانوں کے منہ پر مہر سکوت لگا دی جائے گی اور وہ صرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ دیکھ کر رو رہے ہوں گے۔ بعض مقامات پر وہ ایک دوسرے سے مدد طلب کر رہے ہوں گے اور بعض جگہوں پر وہ ایک دوسرے پر نفرت بھری لعنت کر رہے ہوں گے۔

اس آیت میں ہم یہ پڑھ رہے ہیں کہ جھوٹے معبود، معشوق اور طاغوت اپنے پیروکاروں سے دامن چھڑانے کی کوشش کریں گے اور ان سے اظہار برأت کریں گے اور ان کے پیروکار اپنی حمایت اور محبت پر اظہار ندامت و پشیمانی کریں گے۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت، کے مصداق صرف دلوں میں حسرت اور زبانوں پر یہ آرزو ہوگی کہ اگر ہم دوبارہ دنیا میں چلے جائیں تو کبھی ان کی اتباع نہیں کریں گے۔ جو لوگ آج اس قدر بے وفائی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور ہم سے اظہار برأت کر رہے ہیں اگر ہم واپس لوٹ جائیں تو ہم بھی ان سے اظہار نفرت و برأت کریں گے۔ وہ یہ حسرت کرتے رہیں گے مگر ان کے دل کی حسرتیں دل ہی میں رہ جائیں گی اور جہنم کی آگ سے ہرگز باہر نہیں نکل پائیں گے۔

☆ متعدد آیات میں کلمہ ''خلود'' عذاب کے بارے میں استعمال ہوا ہے۔ کچھ ''خلود'' کا معنی طویل مدت کرتے ہیں۔ لیکن اس آیت ''وَمَا هُمۡ بِخٰرِجِيۡنَ مِنَ النَّارِ'' سے ابدیت کے معنی ملتے ہیں، طویل مدت کے معنی ٹھیک نہیں ہے۔

☆ قیامت کے دن حسرت کرنے والے گناہگاروں کے نمونے روایات میں ذکر ہیں:

وہ لوگ ہیں جو اپنے وارثوں کیلئے بہت زیادہ وراثت چھوڑ جاتے ہیں۔ جبکہ خود اپنی زندگی میں کوئی کار خیر نہ کیا کرتے تھے۔ اس دن وہ دیکھیں گے کہ اگر ان کے وارثوں نے اس کی وراثت کے ذریعے کوئی نیک کام انجام دیا ہے تو اس میں انہیں بھی حصہ ملے گا لیکن اگر وارثوں نے اس وراثت کے ذریعے برے کام انجام دیے ہیں تو اسے بھی شریک جرم قرار دیا جائے گا۔ (تفسیر نور الثقلین، ج۱، ص۱۵۱)

قیامت کے دن حسرت کرنے والا دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے بہت زیادہ عبادتیں انجام دیں لیکن علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت اور راہبری کو قبول نہ کیا۔ (بحار، ج۲۷، ص۱۸۴)

☆ انسان دنیا میں آزاد ہے اگر آزاد نہ ہوتا تو اس کے دل میں یہ حسرت، پشیمانی اور ارادے کی یہ تبدیلی رونما نہ ہوتی۔ یہ حسرت اور پشیمانی اس بات کی دلیل ہے کہ ہم ایک کو چھوڑ کر دوسرا کام کر سکتے ہیں۔ پھر ارادے کی یہ تبدیلی اس بات کی دلیل ہے کہ انسان اپنے ارادے اور اختیار سے جس کام کو چاہے اختیار کر سکتا ہے اور جس راستے کا چاہے انتخاب کر سکتا ہے۔

پیغام:

۱۔ طاغوت کو فوراً چھوڑ دو ورنہ دیر ہو جائے گی اور قبل اس کے کہ وہ قیامت میں تمہیں چھوڑ دیں تم دنیا ہی میں ان کا ساتھ چھوڑ دو۔ ''فَنَتَبَرَّاَ مِنۡهُمۡ ''

۲۔ قیامت کے دن انسان کی آنکھ حقیقت بین ہو جائے گی اور انسان اپنے کاموں کی حقیقت کو دیکھ لے گا جس کی وجہ سے وہ اپنے برے کاموں پر حسرت کرے گا۔ ''یُرِیۡهِمُ اللّٰهُ اَعۡمَالَهُمۡ حَسَرٰتٍ ''

۳۔ پلٹنے کی خواہش کرے گا لیکن واپسی کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔ ''لَوۡ اَنَّ لَنَا كَرَّةً۔۔۔وَمَا هُمۡ بِخٰرِجِيۡنَ''

آیت نمبر ۱۶۸

یٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوۡا مِمَّا فِى الۡاَرۡضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ‌ؕ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۶۸﴾

ترجمۃ الآیات

اے لوگو! جو کچھ زمین میں حلال اور پاکیزہ ہے اسے کھاؤ اور شیطان کے نقوش قدم (وسوسوں) کی پیروی نہ کرو کہ یقیناً شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔

نکات:

☆ اسلام ہمیشہ لوگوں کو خداوند تعالیٰ کی پاک وحلال چیزوں کو استعمال کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ غیر ضروری اور بے جا قسم کے فقر و زہد سے دور رہنے کی تاکید کرتا ہے اور ایسی سوچ سے مقابلہ کرتا ہے۔ دین کامل کی نشانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غیر سالم اور مضر اشیا کے کھانے پینے کو شیطان کی طرف سے قرار دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: ''اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَالۡمَيۡسِرُ وَالۡاَنۡصَابُ وَالۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝ '' یعنی شراب۔۔۔ پلیدی، شیطانی کام ہے۔ (مائدہ۔ ۹۰) اور بلا وجہ نہ کھانے کو بھی شیطانی قدم قرار دیا ہے، جیسے: ''كُلُوۡا مِمَّا فِى الۡاَرۡضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ‌ؕ ''

بعض تاریخی روایات میں آیا ہے کہ عرب کے کچھ قبائل نے بعض زرعی اجناس اور جانوروں کے کھانے کو اپنے اوپر از

خود حرام کر رکھا تھا۔ بعض اوقات وہ اس حرمت کی نسبت خدا کی طرف دیا کرتے تھے۔ اس لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ ہر قسم کا ابہام اور شک وشبہ دور ہو جائے۔

☆ اسلام انسان کی مادی زندگی پر بھی پوری طرح نگاہ رکھے ہوئے ہے کہ جس میں خوراک کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور اس بارے میں بیسیوں آیات اور سینکڑوں احادیث موجود ہیں۔ چنانچہ انبیا علیہم السلام کے فرائض میں یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ لوگوں کو کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزوں سے آگاہ کریں اور انہیں ان میں سے ہر ایک کے نفع اور نقصان سے باخبر کریں۔

☆ قرآن مجید نے جہاں عام طور پر اشیا کے کھانے پینے میں استعمال کرنے کی اجازت دی ہے وہاں کوئی نہ کوئی شرط بھی بیان کی ہے۔ مثلاً اسی جگہ فرماتا ہے: ''كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا''

اور سورہ بقرہ میں فرمایا:

''كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۝۶۰'' کھاؤ پیو۔۔۔لیکن زمین میں فساد برپا نہ کرتے پھرو۔ (بقرہ۔۶۰)

ایک اور آیت میں فرماتا ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ یعنی کھاؤ پیو لیکن اسراف نہ کرو۔ (اعراف۔۳۱)

ایک اور جگہ فرماتا ہے: ''فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوْا'' کھاؤ اور کھلاؤ۔ (حج۔۲۸)

☆ تفسیر برہان میں امام صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ ایک شخص بنام طارق نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کر کے دنیوی امور سے دور راہبانہ زندگی گذارے گا۔ امامؑ نے اس کے بارے میں فرمایا: ''ان ھذا من خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ'' یہ شیطانی اقدامات میں سے ہے۔

پیغام:

۱۔ چیزوں کو استعمال کرنے میں دو بنیادی شرط ہیں: ایک حلال ہوں اور دوسری پاک و پسندیدہ ہوں۔ ''كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ''

۲۔ بعض غیر ضروری قسم کی ریاضیت اور پرہیز کا اسلام مخالف ہے۔ ''كُلُوْا''

۳۔ حرام، نجس اور ناپاک چیزوں سے فائدہ اٹھانا، شیطان کی پیروی کرنا ہے۔ ''كُلُوْا ۔۔۔ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ''

۴۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی فطری وطبیعی خواہشات گمراہی اور شیطان کے تسلط کا سبب بن جاتی ہیں اس لیے اپنی

ضروریات کو پورا کرتے وقت توجہ رہنی چاہیے کہ لغزش اور زیادہ روی کا شکار نہ ہو جائیں۔ ''کُلُوْا ۔ ۔ ۔ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ ۔ ۔ ۔''

۵۔شیطان، انسان کو قدم قدم پر گمراہ کرنے کی مسلسل کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا پہلے ہی اس سے ہوشیار ہو جانا چاہیے۔ ''خُطُوٰتِ''

۶۔حرام چیزوں کے استعمال پر ابھارنا اور حلال نعمتوں کے استعمال سے روکنا، شیطان کی واضح دشمنی کی ایک مثال ہے۔ ''کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾''

آیت نمبر ۱۶۹

اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

ترجمۃ الآیات

وہ (شیطان) تمہیں برائی اور بدکاری کا حکم دیتا ہے اور (یہ بھی حکم دیتا ہے) کہ خدا کے بارے میں ایسی باتیں کہو جو تم نہیں جانتے۔

نکات:

☆ تفسیر روح البیان میں ہے کہ شیطان لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالنے کے لیے کئی مراحل طے کرتا ہے۔ سب سے پہلے تو وہ کفر کی طرف بلاتا ہے اگر اس میں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوتی تو پھر بدعت کی دعوت دیتا ہے۔ اگر اس میں ناکام ہو جائے تو پھر کبیرہ گناہوں کے لیے آمادہ کرتا ہے، اگر اب بھی اسے کامیابی حاصل نہ ہو تو صغیرہ گناہوں کے ارتکاب کی طرف لے جاتا ہے اگر اس میں ناکام ہو جائے تو عبادات کی جگہ پر مباح کاموں کے لیے تیار کرتا ہے، اگر اس میں بھی کامیابی حاصل نہ ہو تو پھر نچلے درجہ کی عبادات بجالانے کی طرف لے جاتا ہے تاکہ انسان بلند درجے کی عبادت سے باز رہے۔

☆ شیطان کا حکم وہی اس کے وسوسے ہیں۔ وہ انسان سے اس کے اختیارات نہیں چھین سکتا کہ انسان مجبور ہو کر گناہ کرے۔

☆ ہم پر شیطان کی حکمرانی ہماری اپنی کمزوری کی دلیل ہے انسان (ایمانی طور پر) جتنا کمزور ہوگا اسی قدر شیطان کے وسوسوں کو حکم مولا کی مانند اپناتا جائے گا۔ وگرنہ اولیاء اللہ تو ایسے مرحلہ پر فائز ہیں کہ جہاں تک شیطانی وسوسوں کو رسائی حاصل نہیں

ہو پائی۔ قرآن کے فرمان کے مطابق ''اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ'' یعنی شیطان کی سلطنت اور فرمانروائی ایسے ضعیف الایمان افراد پر ہے جو اس کی ولایت کو قبول کرتے ہیں۔ (نحل۔ ۱۰۰)

ایک اور جگہ خداوند تعالیٰ شیطان سے فرماتا ہے:

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ

تو میرے (خالص) بندوں پر تسلط قائم نہیں کر سکتا۔ (حجر۔ ۴۲)

پیغام:

۱۔ شیطان کی دشمنی کی علامت، برائی کو انجام دینے کا وسوسہ اور خدا تعالیٰ پر افترا پردازی کا خیال ہے۔ ''عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۶۸ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ''

۲۔ شیطان گناہ کا حکم بھی دیتا ہے اور اس کی تاویلیں بھی سیکھاتا ہے، برائی اور بدکاری کا حکم، گناہ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا اس گناہ کی توجیہ و تاویل اور گناہ کے ارتکاب کا موجب ہے۔ ''يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا''

۳۔ دینی احکام و معاملات میں اظہار رائے کرنا اور علم کے بغیر فتویٰ دینا، حرام ہے۔ ''اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۶۹''

۴۔ شک و تردید کے مقام پر بالکل بھی خدا تعالیٰ کی طرف کسی چیز کی نسبت نہیں دینی چاہیے چہ جائیکہ ایسے مقامات پر کسی چیز کی خدا کی طرف نسبت دی جائے کہ جس سے متعلق ہم جانتے ہوں کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں ہے۔ اس لیے قرآن کی تفسیر اور احکام دین بیان کرتے وقت خاص طور پر اس طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ ''اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۶۹''

آیت نمبر ۱۷۰

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝۱۷۰

ترجمۃ الآیات

اور جب ان (مشرکین) سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے تم اس کی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادوں کو (عمل کرتے) پایا ہے، کیا ایسا نہیں کہ ان کے آباؤ اجداد نہ کسی چیز کو سمجھتے تھے اور نہ ہی ہدایت یافتہ تھے؟

نکات:

☆ سابقہ آیت ہمیں اس بات سے خبردار کر رہی ہے کہ ہم شیطان کے احکام کی پیروی سے باز رہیں۔ اس آیت میں شیطانی راستے کا ایک مصداق بیان کیا جا رہا ہے، جو کہ اندھی تقلید ہے۔

☆ عقلی طور پر کسی کی پیروی اور اطاعت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ قرآن ان لوگوں پر تنقید کرتا ہے جو نہ خود کوئی عقل رکھتے تھے اور نہ ہی انہوں نے انبیا کی ہدایت کو تسلیم کیا۔

☆ خدائی ہدایت کا سلسلہ ہر دور اور ہر زمانے میں جاری و ساری ہے یہ جو قرآن کہتا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد ہدایت یافتہ نہیں تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی ہدایت ہر زمانے میں موجود تھی لیکن انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔

حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں: ''بلی لا تخلوا الارض من قائم للہ ظاھرا او خائفا'' زمین حجت خدا (آسمانی راہبر) سے کبھی خالی نہیں رہی، خواہ وہ ظاہر ہو یا مخفی ہو۔ (نہج البلاغہ، قصار الحکم ۱۴۷)

پیغام:

۱۔ رجعت پسندی اور گذشتہ کی طرف لوٹ جانا ممنوع ہے۔ آباؤ اجداد کی پیروی اگر عقل اور استدلال پر مبنی نہ ہو تو وہ رجعت پسندی اور دقیانوسی طریقہ کار ہے جو کہ قابل قبول نہیں ہے۔ ''اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ''

۲۔ نسلی اور قبائلی تعصب، حق کو قبول نہ کرنے کا ایک سبب ہے۔ ''بَلۡ نَتَّبِعُ مَآ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا''

۳۔ گذشتہ لوگوں کے عقائد اور آداب و رسوم، آئندہ نسلوں پر اثر رکھتی ہیں۔ ''مَآ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ''

۴۔ عقل اور وحی کے ذریعے راہ حق تک رسائی ہو سکتی ہے۔ ''لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔـا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ﴿۱۷۰﴾''

۵۔ تجربہ، علم اور ہدایت کو آنے والی نسلوں تک پہنچانا ایک قابل قدر اور نیک بات ہے لیکن گذشتہ نسلوں کی خرافات کو آئندہ نسلوں تک منتقل کرنا خلاف عقل اور خلاف حقیقت ہے۔ ''اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ''

۶۔ عقل ہمیں وحی کی پیروی کرنے کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ ''اتَّبِعُوۡا مَآ اَنۡزَلَ ۔۔ اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ''

آیت نمبر ۱۷۱

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

ترجمة الآيات

اور کافروں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایسے جانوروں کو (دور سے) آواز دے اور (جو ایسے ہیں کہ نزدیک کی صدا اور پکار کے سوا کچھ نہیں سنتے، یہ لوگ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں اسی لیے کچھ نہیں سمجھ سکتے۔

نکات:

☆ ''دعا'' قریب سے پکارنے کے معنی میں ہے اور ''ندا'' دور سے پکارنے کے معنی میں ہے۔

☆ اس آیت میں دو تشبیہ ہیں، پہلی تشبیہ میں حق کی طرف بلانے والے کو ایک چرواہے سے دی گئی ہے۔ دوسری تشبیہ میں کافروں کو ایسا جانور کہا گیا ہے جو چرواہے کی باتوں میں سے سوائے اس کی چیخ و پکار کے کچھ نہیں سمجھتے۔ یعنی اے پیغمبر! اس بے ایمان قوم کو حق کی طرف بلانے میں اور اندھی تقلید سے باز رکھنے میں آپ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی جانوروں کو یا بھیڑ بکریوں کو خطرے سے نجات کیلئے آوازیں دے رہا ہے جبکہ وہ اس پیغام کو سمجھ ہی نہیں رہے۔ اس لئے کہ ان کی آنکھیں، کان اور دل بند ہو چکے ہیں، حقیقت میں وہ گونگے، بہرے اور اندھے ہو چکے ہیں۔

پیغام:

۱۔ انسان کی آنکھ، زبان اور اس کے کانوں کی اہمیت اس صورت میں ہے کہ جب یہ سب تعقل میں مددگار ہوں یا اس کیلئے بنیاد فراہم کریں۔ ورنہ جانور بھی ایسے اعضاء رکھتے ہیں۔ ''صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾''

۲۔ ذرائع شناخت میں پوچھنا، سننا، دیکھنا اور پھر ان سے حاصل شدہ معلومات میں غور وفکر کرنا ہے۔ ''صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾''

۳۔ حق کی دعوت کے سامنے غیر جانبدار رہنے والے افراد کی پانچ صفات ہیں:

۱۔ جانوروں کی مانند ہیں، ۲۔ اندھے ہیں، ۳۔ بہرے ہیں، ۴۔ گونگے ہیں اور ۵۔ بے عقل و بے شعور ہیں۔
''وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔۔۔ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾''

آیت نمبر ۱۷۲

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

ترجمة الآيات

اے ایماندارو! جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے پاک و پاکیزہ چیزیں (شوق سے) کھاؤ اور اگر فقط خدا ہی کی عبادت کرتے ہو تو اس کا شکر بجالاؤ۔

نکات:

☆ حضرت رسول اکرمؐ سے ایک حدیث منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگوں کو میں پیدا کرتا ہوں مگر وہ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں، انہیں روزی میں دیتا ہوں لیکن وہ شکر میرے غیر کا بجالاتے ہیں۔ (تفسیر صافی)

☆ عام طور پر قرآن کی دعوت کا طریقہ کار یہ ہے کہ جب وہ انسان کو کسی کام سے روکنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اس کے مباح راستے بیان کرتا ہے، پھر اس کی نہی کے مقامات کا ذکر فرماتا ہے، چونکہ اگلی آیات میں بہت سی ناجائز، فاسد اور مضر چیزوں کے کھانے سے روکا جارہا ہے لہٰذا اس آیت میں حلال راستوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

☆ شکر کے کئی مراحل ہیں، کبھی زبان سے ہوتا ہے، کبھی دل سے اور گاہے عمل سے اور حقیقی شکر یہ ہے کہ نعمتوں کو اس جگہ پر صرف کیا جائے جسے خدا نے ان کے مصرف قرار دیا ہے۔

☆ طبیعی نعمات کے خلق کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ مومنین ان سے بہرہ مند ہوں۔ تین آیات پہلے فرمایا: اے لوگو! جو کچھ زمین ہے، اسے کھاؤ۔ جبکہ اس آیت میں فرماتا ہے: اے مومنو! جو کچھ میں نے تمہیں رزق و روزی دی ہے اس میں سے دل پسند غذا کھاؤ۔

تعبیر میں اختلاف کی رمز شاید یہ ہو کہ اصل ہدف تو مومنین کو روزی دینا ہے لیکن عوام الناس بھی انہی کے ساتھ ساتھ اس سے بہرہ مند ہو جائیں جیسے مالی کا اصل مقصد تو پھولدار اور پھل دار پودوں اور درختوں کو پانی دینا ہوتا ہے لیکن ان کے ساتھ ساتھ گھاس پھوس اور خاردار جھاڑیوں کو بھی پانی مل جاتا ہے اور وہ بھی بہرہ مند ہو جاتے ہیں۔

☆ شاید ایسا بھی کہا جا سکتا ہے کہ کیونکہ ہر کسی سے ایک خاص توقع ہوتی ہے جیسے عام لوگوں سے توقع یہ ہے وہ کھانے کے بعد گناہ، شیطان کے وسوسے اور فساد کی طرف نہ جائیں گے۔ ''كُلُوۡا مِمَّا فِي الۡاَرۡضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ ؕ'' (بقرہ۔۱۶۸) لیکن اہل ایمان سے توقع یہ ہے کہ وہ کھانے کے بعد نیک اعمال اور شکر گزاری کی طرف بڑھیں گے۔ ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا '' اور ''يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوۡا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا ؕ'' (مومنون۔۵۱)

پیغام:

۱۔ خودسازی، زہد و تقویٰ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ پاکیزہ چیزوں کو استعمال کیا جائے۔ ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ''

۲۔ اسلام کے مکتب میں مادیات در اصل معنویات و روحانیات کیلئے مقدمہ اور ابتدائی سیڑھی ہے۔ ''كُلُوۡا، وَاشۡكُرُوۡا، تَعۡبُدُوۡنَ﴿۱۷۲﴾''

۳۔ اسلام کھانے پینے کے معاملے میں، صفائی کی تاکید کرتا ہے۔ ''طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ''

۴۔ لوگوں کی بنیادی ضروریات زندگی کو پورا کرنے سے پہلے اور ان کے ساتھ محبت کا اظہار کیے بغیر، لوگوں سے کسی قسم کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ ''كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا''

۵۔ شکر، خدا پرستی اور خالص توحید کی علامت ہے۔ اگر انسان اپنے رزق کو اپنی اقتصادی سمجھ بوجھ، محنت اور کوشش، ذمہ داری کی ادائیگی، اپنی دولت اور شخصیت وحیثیت کا نتیجہ تصور کرے تو وہ خدا تعالیٰ کو ان معاملات میں شامل نہ سمجھے گا کہ جس کی وجہ سے وہ اس کا شکریہ ادا کرے۔ ''وَاشۡكُرُوۡا لِلّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ﴿۱۷۲﴾''

۶۔ شکر، عبادت کی ایک واضح مثال ہے۔ ''وَاشۡكُرُوۡا لِلّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ﴿۱۷۲﴾''

۷۔ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ ''كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا''

۸۔ جس چیز کو خدا پرست انسان کیلئے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے وہ اسے اپنے تئیں حرام قرار نہیں دیتا۔ ''كُلُوۡا ۔۔۔ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ﴿۱۷۲﴾''

آیت نمبر ۱۷۳

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةَ وَالدَّمَ وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ

لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

ترجمۃ الآیات

خداوند عالم نے تم پر صرف مردار (کا گوشت) خون، سور کا گوشت اور جانور جس پر (ذبح کے وقت) غیر خدا کا نام لیا گیا ہو، حرام کیا ہے۔ (لیکن) جو شخص مجبور ہو جائے (اور اپنی جان بچانے کے لیے اس سے کچھ کھالے) اگر وہ زیادہ طلبی نہ کرے اور ضرورت کی حد سے بھی آگے نہ بڑھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ تعالی بخشنے والا مہربان ہے۔

نکات:

☆ گذشتہ آیت کے تسلسل میں اس آیت کے اندر کھانے کی اصل چیزوں کو بیان کیا گیا ہے یعنی تم اپنے وہم وگمان کے تحت خدا کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کرو، اس لئے کہ خدا نے تم پر صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور اس جانور کا گوشت حرام کیا ہے جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔

☆ یہ تحریم بھی کئی دلائل کی بنا پر ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''مردار کا گوشت بدن کی کمزوری، نسل کے منقطع ہونے اور اچانک موت کا موجب ہوتا ہے اور پھر خون کا استعمال بھی دل کے سخت ہونے کا سبب ہوتا ہے۔'' (وسائل، ج۱۶، ص ۳۱۰)

☆ جس کے پاس اپنی جان بچانے کیلئے کوئی حلال و پاک غذا نہ ہو تو وہ اضطرار و مجبوری کے ان حالات میں حرام غذا سے استفادہ کرسکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ سرکشی، نافرمانی اور ظلم نہ کرے یعنی صرف اتنی مقدار صرف کرے جس کے ذریعے وہ اپنی جان کو نجات دے سکے، لذت کے پیچھے نہ پڑ جائے۔ یہ اجازت خدا تعالیٰ کے لطف و کرم کی وجہ سے ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر انسان مجبوری کی حالت میں عمداً ممنوع اشیا سے نہ کھائے اور مرجائے تو وہ کافر ہو کر مرے گا۔'' (تفسیر نور الثقلین، ج۱، ص ۱۳۰)

☆ اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ کھانے پینے میں حرام چیزوں کی تعداد آیت میں مذکورہ چار چیزوں سے زیادہ ہے اس لیے یہاں کلمہ ''اِنَّمَا'' سے مراد حصر عقلی نہیں ہے۔ (یعنی عقلی لحاظ سے ان چار چیزوں کے علاوہ بھی حرام چیزوں کا سوچا جا سکتا ہے۔) لہٰذا یہاں یہ کلمہ ''اِنَّمَا'' جہالت کی بنیاد پر چیزوں کو خود سے ہی حرام کیے جانے کے خلاف ایک حکم کے طور پر آیا ہے۔

☆ قاعدہ اضطرار، صرف کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ جس کسی مسئلہ میں پیش آئے گا، قانون کے نفاذ کو محدود کر دے گا۔ قانون میں ایک رعایت کے طور پر لاگو ہو سکتا ہے۔

امام صادق علیہ السلام سے سوال پوچھا گیا کہ ڈاکٹر نے ایک بیمار کو آرام کرنے اور لیٹے رہنے کی ہدایت کی ہے، اس بیمار کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ امامؑ نے جواب میں اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا: نماز کو لیٹے ہوئے پڑھے۔ (تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۱۴۵)

☆ اسلام کے احکام، فوائد اور مصالح کی بنیاد پر ہیں۔ گذشتہ آیت میں کھانا ان کے پاک ہونے کی وجہ سے مباح تھا، اور اس آیت میں جو چیزیں طیبات میں سے نہیں ہیں وہ حرام کی جا رہی ہیں۔

☆ خدا تعالیٰ کی طرف سے حرام کی جانے والی اشیا صرف ان کے طبی مسائل یا صحت و صفائی کے مسائل کی وجہ سے نہیں ہیں، جیسے مردار کے گوشت کا حرام ہونا ہے کیونکہ کبھی حرمت کی دلیل اعتقادی، فکری اور تربیتی مسائل ہوتے ہیں۔ جیسے کہ اس جانور کے گوشت کا حرام ہونا جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو، شرک کی روک تھام کیلئے ہے۔

ہم بھی کبھی کھانا نہیں کھاتے، اس لیے نہیں کہ اس میں صفائی ستھرائی کا خیال نہیں رکھا گیا بلکہ اس لیے نہیں کھاتے کہ ہمیں پسند نہیں، یا ہمیں کسی بات پر اعتراض ہوتا ہے یا نفرت کا اظہار کرنے کی خاطر ایسا کرتے ہیں۔

پیغام:

۱۔ اسلام نے غذا کے مسئلے پر پوری توجہ دی ہے اور فاسد، مضر اور حرام چیزوں کے استعمال سے بار بار منع کیا ہے۔ اسی سور کے گوشت، مردار اور خون کی تحریم ہی کو لے لیجئے کہ اس کے بارے میں قرآن مجید میں چار مرتبہ حکم آیا ہے یعنی دو مرتبہ مکہ میں اور دو مرتبہ مدینہ میں، ان چیزوں کی حرمت بیان کی گئی ہے۔ ''اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ۔۔۔''

(مذکورہ آیت، سورہ مائدہ۔ ۳، انعام۔ ۱۴۵، نحل۔ ۱۱۵)

۲۔ چیزوں کے حرام کرنے کا حکم جاری کرنا صرف خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے، کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ''اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ''

۳۔ جانور کو ذبح کرتے وقت خدا تعالیٰ کی طرف توجہ اور اس کا نام لینا ضروری ہے۔ تاکہ ہمارا کوئی بھی کام توحید کے دائرے سے باہر نہ ہو اور شرک و بت پرستی کی علامتوں سے مقابلہ کر سکیں۔ ''وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ''

۴۔ اضطرار حکم کو تبدیل کر دیتا ہے، یہ اس شخص کیلئے ہے جس پر اضطرار آجائے لیکن اس کیلئے نہیں ہے جو خود کو مضطر کر لے۔ ''اُضْطُرَّ'' کا کلمہ مجہول آیا ہے، معلوم نہیں آیا۔ ''فَمَنِ اضْطُرَّ''

۵۔ اسلام ایک آسان اور جامع دین ہے، اس کی راہیں کبھی بند نہیں ہوتیں اور اس کی تعلیمات کے مطابق مجبوری کی

حالت میں ہر تکلیف قابل رفع ہے۔ ''فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ''

۶۔ قانون بنانے والوں کو قانون بناتے وقت مخصوص حالات کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ ''فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ''

۷۔ اضطرار اور مجبوری کی حالت میں بھی غلط و ناجائز فائدہ حاصل نہ کرو۔ ''فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ''

آیت نمبر ۱۷۴

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾

ترجمۃ الآیات

وہ لوگ جو اسے چھپاتے ہیں جسے خدا نے کتاب میں نازل کیا ہے تاکہ اسے تھوڑی سی قیمت کے بدلے میں بیچ دیں وہ اپنے شکم میں جہنم کے علاوہ اور کچھ نہیں لے جاتے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا، نہ ہی انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

نکات:

☆ یہود اور نصاریٰ کے علما، حضرت رسول اکرمؐ کی تشریف آوری سے پہلے آنجنابؐ کے ظہور پر نور کی خوشخبری دیا کرتے تھے اور تورات و انجیل میں آپ کی جو نشانیاں بتائی گئی تھیں انہیں لوگوں کے سامنے بیان کیا کرتے تھے۔ جب سرکار رسالت مآبؐ مبعوث ہوئے اور ان لوگوں نے اپنے مفادات پر زد پڑتی دیکھی اور رسالت کے اقرار کو اپنے جاہ و مال اور مقام و منصب کے ہاتھ سے جانے کے برابر تصور کیا تو سب کچھ فراموش کر دیا اور حقیقت پر پردہ ڈال دیا۔

ممکن تھا کہ حقیقت کو چھپانے سے وہ چند دن تک اپنی مسند پر بیٹھ سکیں اور سادہ لوح لوگوں کے ہدیوں اور نذرانوں

سے اپنے پیٹ کا جہنم بھرتے رہیں لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ایک بہت ہی معمولی قیمت ہے جو وہ عظیم گناہ کے بدلے حاصل کرتے ہیں۔ان کی یہ آمدنی بھی جہنم کی آگ سے کم نہیں جو وہ اپنے پیٹ میں جھونک رہے ہیں۔جیسا کہ ایک اور آیت میں یتیموں کا مال کھانے کو آگ کے کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔(نساء۔۱۰)

خداوند عالم قیامت کے دن حق چھپانے والوں اور حقیقت کو فراموش کرنے والوں سے محبت کے ساتھ بات نہیں کرے گا جبکہ اس دن مومن افراد اپنے خدا سے ہم کلام ہوں گے۔البتہ یہ گفتگو یا تو فضا میں موجوں کی ایجاد کے ذریعے ہوگی یا پھر الہام اور دل کی زبان کے ذریعے ہوگی۔اس دن سب نیک اور اچھے لوگ ''کلیم اللہ''بن جائیں گے۔

☆ گذشتہ آیت میں سور اور مردار کے گوشت کی تحریم کے بعد مغفرت کی بات آئی ہے جبکہ اس آیت میں حق کو چھپانے اور گناہ (ایسے مسائل ہیں جن کا تعلق فکری اور ثقافتی امور سے ہے۔) کی حرمت کے وقت لہجہ تند اور سخت ہو گیا ہے اور بخشش کی بھی کوئی بات نہیں آئی۔اس سے بعد والی آیات میں تنبیہ کا لہجہ اور بھی سخت ہو گیا ہے۔

☆ حق وحقیقت کا چھپانا صرف پیغمبر اکرمؐ ہی کی ذات کے بارے میں نہیں بلکہ جو لوگ پیغمبرؐ کے حقیقی جانشینوں کے بارے میں حق وحقیقت کو چھپاتے ہیں وہ بھی اسی قسم کے عذاب سے دوچار ہونگے۔یعنی جو لوگ واقعہ غدیر خم کو اپنی تفسیروں اور تاریخوں سے مٹا دیتے ہیں، آیات کی تحریف اور توجیہ کرتے ہیں اور عوام الناس کو معصوم امام کی بجائے دوسروں کی طرف بھیجتے ہیں ،وہ بھی حقیقت کو چھپانے کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔

پیغام:

۱۔علما اور دانشوروں کیلئے دنیا کی محبت اور دنیا طلبی سب سے بڑا خطرہ ہے۔''يَكْتُمُوْنَ ۔۔يَشْتَرُوْنَ''

۲۔دین فروشی خواہ کسی قیمت میں ہو، سراسر نقصان اور گھاٹے کا سودا ہے۔اس لئے کہ آسمانی کتابوں کے حقائق اور معارف، ہر نفع سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔''ثَمَنًا قَلِيْلًا''

۳۔حرام کی خوراک قیامت کے دن مجسم ہو کر آگ کی صورت اختیار کر لے گی۔''مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ''

۴۔ ہر چیز کا ایک رخ باطنی اور ملکوتی ہوتا ہے جو قیامت کے دن مجسم ہو جائے گا۔''فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ''

۵۔سزا کو جرم کی نوعیت کے مطابق ہونا چاہیے چونکہ وہ علما دنیا میں لوگوں کیلئے کلام خدا سننے کی راہیں مسدود کیا کرتے تھے، قیامت میں کلام الٰہی کے سننے کی لذت سے محروم ہو جائیں گے۔''لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ''

۶۔قیامت کے عذاب، جسمی اور روحی دونوں ہیں۔''لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ''

آیت نمبر ۱۷۵

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾

ترجمۃ الآیات

یہ (حق کو چھپانے والے) وہی لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے خرید لیا ہے لیکن یہ لوگ خدا کے عذاب کو کہاں تک برداشت کر سکتے ہیں؟

نکات:

☆ حق کو چھپانے کے گناہ پر آٹھ طرح سے خبردار کیا گیا ہے۔ پانچ طرح سے گذشتہ آیت میں اور دو مرتبہ اس آیت میں جبکہ ایک مرتبہ بعد والی آیت میں خبردار کیا گیا ہے۔شاید کسی بھی اور گناہ کے بارے میں اس طرح سے آٹھ دھمکیاں یکے بعد دیگرے نہیں دی گئی ہیں۔

☆ حقیقت پوشی کے کئی اسباب ہیں۔ان میں غرور، بے بنیاد دینی تعصب، اپنے مقام و مرتبہ کو بچانا، نفسانی کمزوری، اخلاقی جرات کا فقدان، تنگ نظری، غیروں کی ترغیب، عہدہ، مال اور اس قسم کی دیگر چیزیں قابل ذکر ہیں۔

☆ حق کو چھپانے کے گناہ سے توبہ محض استغفار اور رونا دھونا نہیں بلکہ حق کا علی الاعلان اظہار اور اثبات کی کوشش ہے۔ بعض موقعوں پر حق اور سچ بات کو چھپانا ضروری ہے، مثلاً جب کسی کی جان خطرے میں ہو، فساد یا کوئی اور خطرہ درپیش ہو۔ جیسے اپنے اور لوگوں کے گناہوں کو چھپانا۔

پیغام:

۱۔ حقائق کو چھپانا بدکار عالموں اور دانشمندوں کے خاص گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔ "أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ"

۲۔ آسمانی کتب کے بیان کرنے میں الٰہی ہدایت و مغفرت شامل ہے لیکن ان کو چھپانے میں گمراہی اور عذاب شامل ہے۔ "اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ"

۳۔ دین فروشی اور حقیقت کی پردہ پوشی بہت بڑا گناہ ہے۔ جس کے بھیانک نتائج ہو سکتے ہیں اور سخت ترین عذاب دیا

جائے گا۔قرآن پاک میں ''فَمَآ اَصۡبَرَهُمۡ عَلَى النَّارِ'' کا جملہ صرف اور صرف ایسے ہی لوگوں کے واسطے استعمال ہوا ہے۔

آیت نمبر ۱۷۶

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِى الۡكِتٰبِ لَفِىۡ شِقَاقٍۢ بَعِيۡدٍ۝۱۷۶

ترجمۃ الآیات

وہ (عذاب) اس لیے ہے کہ خداوند عالم نے (آسمانی) کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور جو لوگ اس کتاب میں (حق کو چھپانے اور تحریف کر کے) اختلاف پیدا کرتے ہیں وہ مخالفت میں کچھ زیادہ ہی الجھ گئے ہیں۔

نکات:

☆ حق وحقیقت کو چھپانے والوں کے لیے اس قدر تہدید آمیز خطاب اور عذاب کا وعدہ صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمانی کتابوں کو واضح، روشن اور دلائل سے مزین کر کے نازل فرمایا ہے حتیٰ کہ کسی کے لیے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی لیکن اس کے باوجود کچھ لوگوں نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے ان میں توجیہات اور تحریفات کر کے ان کے سمجھنے میں اختلافات کھڑے کر دیئے تاکہ مشہور مثل کے مصداق ''پانی کو گدلا کر کے اس سے مچھلیاں شکار کر سکیں۔'' اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے: ''یہ لوگ اختلاف اور جدائی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔''

☆ حق کو چھپانے سے اختلافات کی راہیں کھلتی ہیں۔گذشتہ تین آیات میں تمام تر تنبیہ، دھمکیاں اور ڈرانے کی باتیں حق چھپانے والے افراد کے لیے بیان ہوئی ہیں۔اس آیت میں ان تمام تہدیدات کے آخر میں بجائے اس کے کہ فرماتا ''حق کو چھپانے والے مخالفت میں الجھے ہوئے ہیں۔'' یہ فرمایا ہے کہ ''کتاب میں اختلافات پیدا کرنے والے گہری اور دور دراز کی مخالفت میں الجھے ہوئے ہیں۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق کو چھپانے والے ہی اختلاف پیدا کرنے کا سبب ہوتے ہیں۔اس لئے کہ اختلافات سے آلودہ ماحول ہی میں لوگوں کو پریشان اور سرگرداں رکھ کر حقائق کو چھپایا جا سکتا ہے۔

بنابریں مذکورہ آٹھ قسم کی دھمکیاں ان اختلافات کو پیدا کرنے والے خودغرضوں کے بارے میں ہیں جو بدنیتی کے تحت ایسے مسائل کو بیان کرتے یا تحریر کرتے ہیں جن کے کئی پہلو نکل سکتے ہوں۔اس طرح وہ لوگوں کو حیران و پریشان اور سرگرداں کر

دیتے ہیں۔

پیغام:

۱۔ دینی و مذہبی اختلافات کی جڑ، علما ہوتے ہیں، آسمانی کتابیں نہیں ہوتیں۔ ''نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْكِتٰبِ''

۲۔ حقائق کو چھپانا، جدائی، لڑائی، علیحدگی اور انتشار کا باعث ہے۔ ''شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ۝۱۷۶''

آیت نمبر ۱۷۷

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۝۱۷۷

ترجمۃ الآیات

نیکی صرف یہ نہیں (کہ نماز کے وقت) اپنے چہروں کو مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لو (نہ یہ کہ قبلہ اور اس کی تبدیلی کے بارے میں گفتگو کرتے رہو) بلکہ نیکوکار وہ لوگ ہیں جو خدا، روز قیامت،، ملائیکہ، آسمانی کتاب اور انبیا پر ایمان لے آئیں۔ نیز (اپنے) مال سے پوری محبت کے باوجود اسے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، ضرورت مند مسافروں، سوال کرنے

والوں اور غلاموں کے آزاد کرانے پر خرچ کریں۔ وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، جب عہد و پیمان باندھیں تو اسے پورا کریں اور سختیوں، محرومیوں، بیماریوں اور میدان جنگ میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کریں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچ بولتے ہیں۔ (کیونکہ ان کی گفتار، کردار اور اعتقاد میں ہم آہنگی ہے) اور یہی پرہیزگار ہیں۔

نکات:

☆ کلمہ ''بِرّ'' کا معنی ''نیکی'' ہے۔ جو شخص بہت ہی نیک ہو تو اسے ''بر'' کہتے ہیں کہ یہ سراپا ''نیکی'' ہے۔

☆ ''بَاْسَآءِ''، کلمہ ''بؤس'' سے فقر و سختی کے معنی میں ہے، جو انسان کے بیرونی حالات کی وجہ سے اس پر آتی ہے۔ ''ضراء'' ایسی درد اور بیماری ہے جو انسان کو اندرونی طور پر تکلیف دیتی ہے اور دباؤ کا شکار کرتی ہے۔ ''حِيْنَ الْبَاْسِ ط'' جنگ و جہاد کا وقت ہے۔

☆ آیت ۱۴۴ میں ہم نے پڑھا کہ قبلہ کی تبدیلی کے واقعہ کے بعد، قبلہ کی تبدیلی کے بارے بحث کرتے ہوئے آیت میں فرمایا گیا ہے کہ دین کی اصل تبہ ہے کہ خدا و قیامت پر ایمان اور نیک اعمال انجام دیئے جائیں، کیوں جدلی ابحاث میں الجھ رہے ہو؟

☆ یہ آیت قرآن مجید کی جامع ترین آیت ہے۔ کیونکہ اعتقادی، عملی و اخلاقی اہم اصولوں کا اس میں ذکر موجود ہے۔ تفسیر المیزان میں حضرت رسولؐ سے منقول ہے کہ فرمایا: ''جو شخص اس آیت پر عمل کرتا ہے اس کا ایمان کامل ہے۔''

اس آیت میں پندرہ نیک صفات کا ذکر تین عنوان ایمان، عمل اور اخلاق کے تحت کیا گیا ہے۔ صفت ایمان کے ذیل میں، خدا پر ایمان، فرشتوں، انبیا، قیامت اور کتب آسمانی پر ایمان کا بیان ہے۔ عمل کے حصہ میں عبادی مسائل جیسے نماز، اقتصادی مسائل جیسے زکوٰۃ اور اجتماعی مسائل جیسے غلاموں کو آزاد کرنا، جنگی مسائل جیسے میدان جہاد میں صبر سے کام لینا، نفسیاتی و روحانی مسائل جیسے مشکلات میں صبر کرنے کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح اخلاقی پہلو کے حوالے سے وعدہ پورا کرنے، مادی چیزوں سے دل نہ لگانے اور فقرا سے محبت و شفقت سے پیش آنے کے بارے اشارہ کیا گیا ہے۔

☆ خدا پر ایمان، انسان کے اندر حق کے سامنے تسلیم ہو جانے کی صفت پیدا کرتا ہے اور طاغوت کے سامنے نہ جھکنے کی جرأت پیدا کرتا ہے۔

قیامت کے بارے ایمان، انسان کی نگاہ کو وسیع کرتا ہے اور اس کی ہمت کو بڑھاتا ہے۔

ملائکہ کے وجود پر ایمان، ماورائے طبیعت کے نظم و انتظام پر ایمان کا موجب ہے۔

انبیا پر ایمان، تاریخ میں ہمیشہ جاری رہنے والے سلسلہ ہدایت پر ایمان اور وحی کے رابطے پر ایمان کا باعث ہے۔ یہ

اس بات پر دلیل ہے کہ اس دنیا میں انسان آوارہ اور بغیر کسی پروگرام کے نہیں بھیجا گیا تھا۔

انفاق کی صفت انسان کے اندر تعاون کی روح کو بیدار کرتی ہے، دوستی ومحبت میں اضافہ کرتی ہے۔ نماز، اللہ تعالیٰ سے مستقیم رابطہ ہے۔ زکات، معاشرے کے محروم اور پسے ہوئے افراد وطبقوں کی بہتری اور ترقی کیلئے پروگرام بنانے اور عملی کرنے کا بنیادی فنڈ ہے۔ وعدہ پورا کرنے سے رابطے مستحکم ومضبوط ہوتے ہیں۔ صبر کی صفت انسان کی روح اور نفسیات کو نرم کرتی ہے۔ (تفسیر مراغی، ذیل آیت)

☆ ''اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ'' اس جملے کے تین طرح سے معنی کیے گئے ہیں:

الف: کسی کو مال دینا اس سے محبت کی وجہ سے۔

ب: کسی کو مال دینا، خدا سے محبت کی وجہ سے۔

ج: کسی کو مال دینا، فقرا سے ہمدردی اور محبت کی بنا پر۔

☆ تمام کمالات کی بنیاد صبر ہے۔ قرآن مجید نے صبر کو بھی بہشت میں جانے کے لیے ایک سبب قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ''اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا'' یعنی ایسے لوگوں کو صبر کی وجہ سے بہشت کے بالا خانے دیئے جائیں گے۔ (فرقان۔ ۷۵)

یا یہ کہ فرشتے اہل بہشت سے کہیں گے: ''سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ'' تم پر سلام ہو اس لئے کہ تم نے صبر سے کام لیا۔ (رعد۔ ۲۴)

صبر وبردباری پیشوائی اور راہبری کے اعلیٰ منصب تک پہنچنے کے لیے ایک اہم شرط ہے۔ چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے: ''جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا'' ہم نے انہیں لوگوں کا پیشوا بنایا کیونکہ وہ صبر سے کام لیتے ہیں اور ہمارے امر کی ہدایت کرتے ہیں۔ (سجدہ۔ ۲۴)

☆ ان آیات کی طرح روایات میں بھی ہم دینی معارف کے بارے میں پڑھتے ہیں کہ

''لیس العاقل من یعرف الخیر من الشر ولکن العاقل من یعرف خیر الشرین'' عقلمند وہ نہیں ہے جو خیر کو شر سے الگ پہچان کرے، عقلمند وہ ہے جو دو برائیوں میں سے ان کی اچھائی کو تلاش کرلے۔ (بحار، ج ۷۸، ص ۶)

''لیس العلم بکثرۃ التعلم انما ھو نور یقذفه الله فی قلب من یرید'' علم، بہت زیادہ سیکھنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ حقیقی علم، اللہ کا نور ہے جو دلوں پر نور افشانی کرتا ہے۔ (بحار، ج ۱، ص ۲۲۵)

''لیس البر فی حُسن الزی ولکن فی السکینۃ والوقار'' بڑائی، ظاہری طور پر آراستہ ہونے میں نہیں ہے بلکہ آرام اور پروقار رہنے میں ہے۔ (بحار، ج ۱، ص ۱۰۶)

''لیس السخی ... الذی ینفق ماله فی غیر حقه ولکنه الذی یؤدّی الی الله ما فرض علیه'' سخی وہ

نہیں جو ہر جگہ اور بلا وجہ انفاق کرے بلکہ سخی وہ ہے جو ہر اس جگہ انفاق کرے جہاں خدا کی خشنودی ہے۔ (بحار، ج ۷۱، ص ۳۵۲)

''لیس العبادۃ کثرۃ الصیام و الصلاۃ و انما العبادۃ کثرۃ التفکر فی امر اللہ'' بہت زیادہ نماز و روزہ کرنا ہی عبادت نہیں ہے بلکہ خدا اور اس کے آثار کے بارے میں غور و فکر کرنا بھی عبادت ہے۔ (بحار، ج ۷۱، ص ۳۲۵)

''اشد من یتم الیتیم یتیم انقطع عن امامہ'' وہ شخص جو سچے اور حقیقی راہبر سے محروم ہو جائے، اس سے زیادہ یتیم ہے جو اپنے باپ اور اپنی ماں کو کھو دے۔ (بحار، ج ۱۰۸، ص ۱۷۱)

تقویٰ کے کمال کے مرحلہ تک پہنچنے کے لیے ''انفاق'' (راہ خدا میں خرچ کرنا) ضروری ہے خواہ یہ واجب ہو یا غیر واجب ہو۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو مختلف مواقع پر مستحقین کی امداد کرتے ہیں لیکن اپنے واجب حقوق و فرائض کو ادا نہیں کرتے۔ بعض وہ ہیں جو اپنے واجب حقوق تو ادا کرتے ہیں لیکن فقرا و مساکین اور معاشرے کے محروم طبقوں سے لاتعلق ہو جاتے ہیں۔ اس آیت میں صحیح معنوں میں نیک، مومن اور متقی اسے کہا گیا ہے جو اپنے واجب حقوق ادا کرتا ہے جیسے زکوٰۃ وغیرہ اور مستحب امور پر بھی خرچ کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ روایات میں ہم پڑھتے ہیں کہ دولت مندوں کے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی محرومین کا حق ہے۔ (تفسیر قرطبی و روح المعانی) جو شخص خود سیر ہو کر سو جائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہ جائے تو گویا وہ خدا اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ (اصول کافی، ج ۲، ص ۶۶۵)

پیغام:

۱۔ ہمیں دین کی بنیادی اور اساسی باتوں کو چھوڑ کر صرف نعروں اور ظاہری باتوں پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہیے ورنہ ہم اصل مقاصد سے دور ہو جائیں گے۔ ''لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ''

۲۔ انبیا اور آسمانی کتب کا ایک مقصد لوگوں کی ثقافت و تہذیب کی اصلاح کرنا ہے۔ ''لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ''

۳۔ ایمان، عمل سے پہلے ہے۔ '''' مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ... اٰتَى الْمَالَ''

۴۔ تمام انبیا اور ملائکہ پر ایمان کے ساتھ خدا پر ایمان اور روز قیامت پر ایمان بھی ضروری ہے۔ ''اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ''

۵۔ لوگوں سے رابطہ، حادثات اور مشکلات میں اجتماعی تعاون کے ساتھ ساتھ خدا سے رابطہ بھی ضروری ہے۔ ''اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ''

۶۔ سارے نیک کام، خدا پر ایمان کے سایہ میں پروان چڑھتے ہیں۔ ''اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ''

۷۔ اسلام کا انفاق سے مقصد صرف بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا نہیں ہے۔ بلکہ ثروتمندوں کو مال دنیا سے دل نہ لگانے دینا، بھی اس کا مقصد ہے۔ ''عَلٰى حُبِّهٖ''

۸۔ نیک کام انجام دینے والے افراد اپنے مال و دولت کو خوشی اور شوق سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ''اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ''

۹۔ انفاق کے حوالے سے ضرورتمند قریبی رشتہ دار دوسرے مستحقین کی نسبت فوقیت رکھتے ہیں۔ ''ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى ۔۔۔''

۱۰۔ کسی سائل کو رد نہ کریں۔ چاہے وہ فقیر، مسکین، غریب، مسافر یا رشتہ دار نہ ہو۔ کیونکہ کلمہ ''السَّآئِلِيْنَ'' علیحدہ استعمال کیا گیا ہے۔ ''وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ''

۱۱۔ ایمان، نماز و زکوٰۃ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتے جب تک جہاد در راہ خدا میں شرکت نہ کی جائے۔ ''وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ''

۱۲۔ ایمان کے دعویدار تو بہت ہیں لیکن حقیقی معنوں میں ایسے صاحبان ایمان بہت کم ہیں جو دین کی تمام باتوں پر عمل کرتے ہوں۔ ''اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ''

۱۳۔ سچائی کی علامت یہ ہے کہ اپنے دینی فرائض کو ادا کیا جائے اور اجتماعی مسائل میں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کیا جائے ۔ ''اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ''

۱۴۔ متقی وہ ہے جس کا عمل اس کے عقیدے کو ثابت کرے۔ ''اٰتَى الْمَالَ ۔۔۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۝۱۷۷''

آیت نمبر ۱۷۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! مقتولین کے بارے میں تمہارے لیے قصاص (کا قانون) اس طرح مقرر کیا گیا ہے کہ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے میں غلام اور عورت کے بدلے میں عورت، پس اگر کوئی اپنے (دینی) بھائی کی طرف سے معاف کر دیا جائے (اور حکم قصاص خون بہا میں بدل جائے) تو اسے چاہیے کہ پسندیدہ طریقے کی پیروی کرے (اور دیت کی وصولی میں ادا کرنے والے کی حالت کو پیش نظر رکھے) اور قاتل بھی ولی مقتول کو اچھے طریقے سے دیت ادا کرے (اور اس کی ادائیگی میں حیل و حجت سے کام نہ لے) یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے اور جو اس کے بعد بھی تجاوز کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

نکات:

☆ ''قِصَاص'' کا لفظ ''قص'' سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں کہ کسی چیز کی کڑی سے کڑی ملانا اسی لیے پے در پے بیان ہونے والی داستان کو ''قصہ'' کہا جاتا ہے اور قتل کے مقدمے کو لے چلنا، یہاں تک کہ قاتل کو سزا مل جائے، اسے ''قصاص'' کہتے ہیں۔

☆ ہر معاشرے میں کبھی کبھی قتل جیسی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ دین اسلام جو ایک مکمل اور جامع دین ہے اس کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس قسم کے حادثات کو روکنے کے لیے ایک منطقی اور منصفانہ تجویز اور منصوبہ تیار کر کے اسے عملی جامہ پہنائے۔ تاکہ ایک طرف تو اس قسم کے واقعات کے بکثرت رونما ہونے اور ان کے اعادہ سے محفوظ رہا جا سکے اور دوسری طرف بے بنیاد انتقام بلکہ بعض صورتوں میں اس سے ناجائز مفاد حاصل کرنے سے روکا جا سکے۔ تاکہ قاتلوں کی جرات بھی نہ بڑھنے پائے اور مظلوم کا خون بھی رائیگاں نہ جائے۔ نیز یہ کہ طاقت کے بلاوجہ استعمال اور خرافات پر مبنی عقائد اور فوقیت طلبی کے جذبہ کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

ظہور اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں ایسے واقعات بھی رونما ہوئے ہیں کہ ایک شخص کے قتل کی خاطر پورے قبیلہ کو خاک و خون میں تڑپا دیا جاتا اور طولانی جنگیں چھڑ جاتیں، یا پھر خون بہا لینے یا معاف کر دینے کے بعد بھی انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوتی تھی اور انتقام کے طور پر قاتل کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔

اسلام نے اپنے اس پروگرام کے ذریعے جو آیت میں بیان کیا ہے لوگوں کے خون کی حفاظت ہے، طرفین کی رضایت، انصاف اور سزا کو نظر میں رکھا ہے۔ البتہ قصاص کا قانون ایسا حکم الٰہی نہیں ہے جو قابل معافی یا درگذر نہ کیا جائے بلکہ یہ ایک ایسا حق ہے جو خون کے وارثان کیلئے ہے، وہ دیت لینے کے ساتھ یا نہ لے کر، اس سے پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔

سوال: قصاص کے قانون میں جنس کے بارے میں بیان کیوں نہیں؟ یعنی اگر قاتل مرد اور مقتول عورت ہو تو کیا مرد کو قصاص نہیں کیا جائے گا؟

جواب: عورت یا مرد کا قتل، نگاہ الٰہی و انسانی میں اور اخروی سزا کے اعتبار سے ایک جیسا ہے۔ لیکن دنیوی سزا میں فرق ہے کیونکہ مرد گھر کی کفالت کرنے والا ہوتا ہے اور اس کا قتل ایک خاندان کا معاشی و اقتصادی نقصان ہے۔ قانون، نوع کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ نادر پیش آنے والے واقعات کی بنیاد پر نہیں ہوتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کہیں عورت کسی گھر کی کفالت کرتی ہو۔ عورت کے مقابلے میں مرد پر قصاص کا حکم عورت کی دیت کا فرق نکال کر ہوتا ہے۔

پیغام:

۱۔ قصاص کے قانون میں مساوات اور عدالت پر توجہ رکھی گئی ہے۔ ''اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ط۔۔۔''

۲۔ انتہائی صورت کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا اور رحم و کرم اور مہربانی کے جذبہ کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ان دونوں کا ایک ساتھ ہونا ضروری ہے۔ ''فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ'' قصاص اگرچہ ایک قطعی حکم ہے مگر اس کے ساتھ ہی لفظ ''اَخِيْهِ'' کو بھی استعمال کیا گیا ہے تاکہ یہ بات ذہن نشین کرائی جائے کہ ورثائے مقتول قاتل کے دینی بھائی ہیں۔ قاتل، اسلام و اخوت کی حدود سے باہر نہیں نکل گیا۔

۳۔ اسلامی قوانین، اسلامی اخلاق کے ساتھ مزین ہیں۔ ''كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ۔۔۔ فَمَنْ عُفِيَ''

۴۔ اسلام نے نہ تو یہودیت کی مانند قتل کا بدلہ صرف قتل (قصاص) قرار دیا ہے اور نہ ہی عیسائیت کی طرح معاف کر دینے کو بہترین راہ قرار دیا ہے بلکہ مختلف راہیں دکھائی ہیں یعنی قصاص بھی ہے اور خوں بہا (دیت) بھی ہے جبکہ آخر میں معاف کر دینے کی ترغیب دلائی ہے۔ ''كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ۔۔۔ فَمَنْ عُفِيَ''

۵۔ قاتل کو معاف کرنے کا جواز اور قصاص کی جگہ خونبہا مقرر کرنا، شاید ہماری کی تربیت کیلئے ہے۔ ''تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ''

۶۔ حد سے تجاوز خواہ کسی فریق کی طرف سے ہو اور ناجائز فائدہ خواہ کوئی بھی فریق اٹھانا چاہے تو وہ ممنوع اور قابل مذمت ہے۔ ''فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾''

۷۔ اگر کسی قانون میں رعایت دی جائے تو پھر اس پر باقی رہنا چاہیے ۔ ’’تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى‘‘

آیت نمبر ۱۷۹

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۷۹

ترجمة الآيات

اے صاحبان عقل ! قصاص میں تمہارے لیے (پوشیدہ) زندگی ہے شاید کہ تم تقویٰ کی راہ اختیار کرلو۔

نکات:

☆ گویا آیت ان اعتراضات کا جواب دے رہی ہے جو قصاص کے بارے میں خاص طور پر نام نہاد روشن فکر طبقے کی طرف سے کیے جاتے ہیں ۔قرآن کہہ رہا ہے کہ حکم قصاص انسانی معاشرے کی بقا و زندگی کی ضمانت ہے یہ ایک ذاتی انتقام نہیں بلکہ اس سے اجتماعی اور معاشرتی امن وسکون حاصل ہوتا ہے ۔جس معاشرے میں مجرم کو قصاص کی سزا نہ ملے گی اس کے توازن اور سکون کی دھجیاں بکھر جاتی ہیں اور وہ زندہ معاشرہ کہلانے کے قابل نہیں بلکہ مردہ اور بے جان معاشرہ ہوتا ہے ۔

علم طب ، زراعت اور پرورش حیوانات کی رو سے انسان ،فصلیں اور جانوروں کی صحت وسلامت اور زندگی کیلئے خطرناک موجودات کا قلع قمع کرنا ایک علمی اصول ہے ۔اگر ہم یہ کہہ کر قاتل کو چھوڑ دیں کہ اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں تو پھر اس بات کی بھی ضمانت نہیں دی جاسکتی کہ دیگر جرائم میں بھی یہ بہانہ نہیں بنایا جائے گا ۔اس لئے کہ کوئی بھی مجرم روحانی اور دماغی سکون کی حالت میں کسی جرم کا ارتکاب نہیں کرتا ،اس حساب سے تو کسی بھی مجرم کو سزا نہیں ملنی چاہیے لیکن اس طرح ایک صحیح وسالم معاشرہ جنگل میں تبدیل ہوجائے گا کہ جب بھی کوئی شخص روحانی اور دماغی توازن کھونا شروع کرے تو اس کا جیسے دل چاہے کرڈالے اسے کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔

کسی کو اس غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہیے کہ آج کا دور قانون اور محبت کا دور ہے اور قصاص کا قانون سنگدلی پر مبنی اور محبت سے خالی ہے ۔غور سے دیکھا جائے تو جس قدر جرائم موجودہ دور میں ہو رہے ہیں اتنے کبھی نہیں ہوئے ۔

اسلام نے جہاں قصاص کا حکم دیا ہے وہاں دیت وخون بہا اور عفو ودرگذر کی اجازت بھی دی ہے کہ جو مناسب ہو وہی

اقدام کیا جائے۔ رہی نام نہاد روشن فکر طبقے کی طرف سے یہ تجویز کہ قید خانوں میں قاتلوں اور مجرموں سے زبردستی کام لیا جائے تاکہ وہ اقتصادی ترقی میں معاون ثابت ہوں، تو یہ تجویز قابل قبول نہیں۔ اس لیے کہ یہ تجویز یا رائے اس بات کی ضمانت نہیں دیتی کہ اس سے معاشرے کو امن وسکون حاصل ہو جائے گا۔ اصل معیار انسانیت کا بلند مقام اور عدالت پرور معاشرہ ہے نہ کہ زیادہ مصنوعات کے ساتھ خطرات سے بھرپور دنیا، اور پھر صنعتی ترقی بھی ایسی کہ جو مجرم اور قاتل لوگوں کے ہاتھوں پروان چڑھے۔

☆ بہرحال قصاص کا قانون عدل وانصاف اور امن وسکون کا ضامن اور بقائے زندگی کی علامت ہے۔ اسی لیے تو آیت کے آخر میں فرمایا ہے ''لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ'' یعنی قصاص کے قانون کا اجرا تقویٰ کی علامت اور قتل کی دوسری وارداتوں کو روکنے کا موجب ہوتا ہے۔

☆ زندگی کی مختلف قسمیں ہیں:

۱۔ طبیعی زندگی: بہار کے موسم میں زمین کا زندہ ہونا مائع کونپلوں کا نکلنا اور بارش کے بعد زمین کا زندہ ہونا۔ ''يُحْيِ الْاَرْضَ'' (روم۔۵۰)

۲۔ روحانی زندگی: پیغمبر کی دعوت دین جو کہ لوگوں کی زندگی کا باعث ہے۔ ''دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ'' (انفال۔۲۴)

۳۔ برزخی زندگی: شہدا کی زندگی۔ ''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ'' (بقرہ۔۱۵۴)

۴۔ اخروی زندگی: یہ زندگی سب کیلئے ہے۔ ''يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ'' (بقرہ۔۲۸)

۵۔ امن وعدل کے سایہ میں اجتماعی معاشرتی زندگی: جیسے یہ آیت ''لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ''

پیغام:

۱۔ عدل کا نفاذ، معاشرے کی زندگی کا ضامن ہے۔ ''لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ''

۲۔ سختی اور نرمی کے درمیان توازن کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔ جو خدا ''رحمان ورحیم'' ہے وہی معاشرے کی حفاظت کے لیے قصاص کو زندگی کی علامت قرار دیتا ہے۔ ''لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ''

۳۔ خطرناک عناصر کا قلع قمع کرنا ایک عاقلانہ اصول ہے۔ ''يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ''

۴۔ جلد فیصلہ نہ کرو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ابتدائی معلومات میں قصاص کو اچھی طرح سے نہ سمجھ سکو لیکن عقلمندی اور غور وفکر کے ساتھ تم جان جاؤ گے کہ قصاص، معاشرے کیلئے مایہ حیات ہے۔ ''يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ''

۵۔ تقویٰ اور گناہوں سے دوری، دینی احکام کا فلسفہ ہے۔ خواہ عبادی احکام ہوں یا عدالتی احکام ہوں۔ ''لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾'' (فلسفہ روزہ کے بارے میں بھی ارشاد ہے کہ ''لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾'' بقرہ۔۱۸۳)

۶۔قصاص، لوگوں کو قتل جیسے اقدام کرنے سے روکتا ہے۔"لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ۝۱۷۹"

آیت نمبر ۱۸۰

كُتِبَ عَلَيۡكُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ اِنۡ تَرَكَ خَيۡرَا ۖۚ الۡوَصِيَّةُ لِلۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ‌ۚ حَقًّا عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَؕ۝۱۸۰

ترجمۃ الآیات

تم پر واجب کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں کسی ایک کے پاس (آثار) موت آن پہنچے تو اگر وہ اپنی طرف سے مال چھوڑے جا رہا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ماں باپ اور قریبیوں کے لیے مناسب طور پر وصیت کرے یہ پرہیزگاروں پر ایک ذمہ داری ہے۔

نکات:

☆ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ وصیت جلد مرنے کی علامت ہے حالانکہ اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک قسم کی دور اندیشی ہے۔ یہ جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب موت قریب آجائے تو وصیت کرو۔ تو یہ زندگی کی مدت کے آخری لمحات کا بیان ہے ورنہ انسان موت آنے سے کئی سال پہلے بھی وصیت کر سکتا ہے۔

☆ بعض علما وصیت کو واجب جانتے ہیں لیکن "حَقًّا عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَؕ۝۱۸۰" کے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل مستحب ہے، ورنہ فرماتا: "حَقًّا عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ"

☆ آیہ شریفہ میں "مال" کی بجائے "خیر" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ مال خیر ہے۔ اسلام میں جس مال کی مذمت کی گئی ہے وہ مال حرام ہے یا مال سے بے انتہا محبت، یا مال کو انفرادی کمال ماننا اور اجتماعی ضروریات پر ترجیح دینا ہے اس کے حصول کے لیے لوگوں کا استثمار (یعنی ان کی کمائی ہڑپ) کرنا ہے۔

☆ اس طرح آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وصیت "معروف" یعنی عقل کے معیار پر پوری اترتی ہو۔ کینہ وانتقام یا بے جا اور بے جہت محبت کی بنا پر نہ ہو۔ کیونکہ قانون وراثت سے تو صرف بعض لوگ بہرہ مند ہو سکتے ہیں اور وہ بھی مقرر اور معین حد

تک۔ لہٰذا اسلام نے اس بات کی سفارش کی ہے کہ اگر رشتہ داروں میں کچھ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو حق میراث سے محروم ہیں یا ان کا حصہ بہت کم ہے تو انسان وصیت کے طور پر انہیں مال دے سکتا ہے یا ان کے حصے میں اضافہ کرسکتا ہے۔ اگر وصیت میں انصاف کا خیال نہ رکھا جائے یا کوئی ظلم کیا گیا ہو تو گناہ کبیرہ انجام دیا گیا ہے۔ (سفینۃ البحار، وصی)

ایک شخص کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے اور اس نے اپنا سارا مال خدا کی راہ میں خرچ کردیا۔ اس کے مرنے کے بعد آنحضرتؐ کو یہ بتایا گیا تو حضورؐ نے لوگوں سے پوچھا اس کے ساتھ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے عرض کی کہ ہم نے اسے دفن کردیا ہے! آنحضرتؐ نے فرمایا: اگر مجھے پہلے بتادیتے تو میں اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہ دیتا کیونکہ اس نے اپنی اولاد ہونے کے باوجود ان کے لیے کچھ بھی نہ رہنے دیا اور سب کچھ خدا کی راہ میں دے دیا۔ (سفینۃ البحار، وصی)

☆ وصیت کرنا بہت زیادہ اہم اور دقیق کام ہے، خدانہ کرے اگر کسی سے بے توجہی ہوجائے اور بعد میں وہی بات فتنہ و فساد اور نزاع کی وجہ بن جائے وگرنہ سارے نیکی کے کام تباہ ہوجائیں گے۔ پیغمبر اکرمؐ سے روایت ہوئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: کبھی انسان ساٹھ سال تک عبادت کرتا رہتا ہے لیکن چونکہ اپنی وصیت کو منصفانہ طور پر تحریر نہیں کرتا، ایسا انسان جہنم میں جائے گا۔ (نہج الفصاحۃ، جملہ ۶۲۶)

☆ وصیت اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد بھی اس کے مال کے کچھ حصے میں اس کی ملکیت باقی رہتی ہے۔

☆ وصیت صرف ایک تہائی مال میں ہوسکتی ہے اگر کوئی شخص کسی چیز کے بارے میں اس سے زیادہ کی وصیت کرے گا تو پھر ورثا کی اجازت ضروری ہوگی۔ رہی یہ بات کہ ہم کس طرح وصیت کریں؟ تو اس بارے میں بہتر ہے کہ ہم اولیائے خدا، شہدا اور علما کی وصیتوں کا مطالعہ کریں۔

☆ رسولخداؐ نے فرمایا: اگر کوئی پہلے کسی شخص کی وصیت کو انجام دینے کی ذمہ داری لے لے اور پھر بعد میں بغیر کسی وجہ سے اسے انجام نہ دے تو اس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا۔ سب فرشتے آسمان وزمین کے درمیان اس پر لعنت کرتے ہیں، وہ ہمیشہ خدا کے غضب کا شکار رہتا ہے۔ جب وہ ''یارب'' کہتا ہے تو ہر مرتبہ اس پر ایک لعنت کی جاتی ہے۔ اس کے سب اچھے اعمال وصیت کرنے والے شخص کے نامہ اعمال میں لکھ دیے جاتے ہیں۔ (تفسیر اطیب البیان)

وصیت کے آثار و برکات

۱۔ وصیت کرنا، اپنے مال کے بارے میں محتاط ہونے اور حساب کتاب کی طرف توجہ ہونے کی دلیل ہے۔

۲۔ وصیت دوسروں کے حقوق کے احترام کی علامت ہے۔

۳۔ وصیت ان امور خیریہ کے انجام دینے کا ایک راستہ ہے جس سے لوگ غافل ہیں۔ موت کے بعد نیک عمل کو جاری

رکھنا ہے۔

۴۔وصیت اقتصادی خلا کو پُر کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔وصیت دولت میں توازن پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: جو کوئی وصیت کرنے کے بعد دنیا سے جائے، گو یا وہ شہید مرا ہے۔(وسائل، ج ۱۳، ص ۳۵۲)

☆ والدین اور رشتہ داروں کیلئے وصیت کرنا، ایک قسم کی تجدید محبت اور قدردانی ہے۔اس لیے وصیت کی آیت کے شروع میں والدین کا ذکر کیا گیا ہے تا کہ وراثت کے حصہ کے علاوہ وصیت یوں بنائی جائے کہ اس کا فائدہ انہیں بھی ملے، یہ بات خود احسان کے مصادیق میں سے ہے۔

وصیت کی اقسام

۱۔واجب: جیسے حقوق اللہ، حقوق الناس، نمازوں کی قضا، دوسرے واجبات کی قضا، خمس و زکوٰۃ، کسی سے قرضہ واپس لینے، کسی کا قرض ادا کرنے کے بارے میں وصیت۔

۲۔مستحب: جیسے امور خیریہ کے بارے میں وصیت۔

۳۔مباح: جیسے اولاد کو کاروباری نوعیت، لباس اور کھانے پینے کے بارے میں وصیت۔

۴۔مکروہ: جیسے مقبرہ بنانے کے بارے میں وصیت۔

۵۔حرام: جیسے فساد و بدکاری کے اڈوں اور گمراہ کن کتابوں کی نشر و اشاعت کے بارے میں وصیت۔

پیغام:

۱۔موت کے ساتھ اگرچہ انسان دنیا سے چلا جاتا ہے لیکن وصیت جیسے اعمال کی وجہ سے اس دنیا میں اس کا حساب کتاب باقی رہتا ہے۔''اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ''

۲۔مال و دولت، اگر صحیح راہ میں استعمال ہو تو خیر و نیکی کا باعث ہے۔''اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ''

۳۔وصیت میں وراثت کے علاوہ بھی والدین اور رشتہ داروں کے لیے حصہ رکھنا چاہیے۔''الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ''

۴۔وصیت معاشرے میں عرف یعنی معمول کے مطابق ہونی چاہیے۔''الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝۱۸۰''

۵۔وصیت نہ کرنا، دوسروں کے حقوق کے ساتھ ناانصافی ہے۔''الْوَصِيَّةُ۔۔۔۔۔حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝۱۸۰''

آیت نمبر ۱۸۱

فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يُبَدِّلُوۡنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ؕ﴿۱۸۱﴾

ترجمۃ الآیات

پس جو شخص اسے (وصیت) سننے کے بعد اس میں تبدیلی پیدا کرے تو اس کا گناہ صرف ان لوگوں پر ہوگا جو اس (وصیت) کو بدلنے والے ہیں۔ بے شک خدا تو سننے جاننے والا ہے۔

نکات:

☆ یہ آیت ان افراد کے لیے تاکید ہے جو دوسروں کی وصیتوں میں تغیر و تبدل کے مرتکب ہوتے ہیں ان کو خبر دار کر رہی ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کو سننے اور اس کے موضوع اور موارد سے باخبر ہونے کے باوجود اس میں تبدیلی کر دیتا ہے تو اس تغیر و تبدل کا گناہ اسی شخص پر ہوگا جو اس ناشائستہ عمل کا مرتکب ہوتا ہے البتہ وصیت کرنے والے کو اس کا ثواب مل جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص وصیت کرتا ہے کہ سو فقیروں کی امداد کی جائے لیکن وصیت کا ذمہ دار وہی مال سو فقیروں کو دینے کی بجائے دوسروں کو دے دیتا ہے اور انہیں خبر تک نہیں ہوتی کہ یہ تو فقیروں کا مال ہے جو ہمیں دیا جا رہا ہے اور وہ اسے خرچ کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں سو فقیروں کے بارے میں وصیت کرنے والے کو تو ثواب مل جائے گا اور بے خبری میں لینے والے بھی گناہگار نہیں ہوں گے۔ گناہ صرف اس شخص پر ہوگا جو درمیان میں واسطہ تھا اور اس نے وصیت میں تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ ایسے شخص کو معلوم ہونا چاہیے کہ خداوند عالم سننے اور جاننے والا ہے اور وہ اس فعل کی سزا اسے قیامت کے دن یا پھر اسی دنیا میں ضرور دے گا۔

☆ حدیث میں پڑھتے ہیں کہ اگرچہ وصیت کسی یہودی یا نصرانی کے حق میں ہو، اسے تبدیل نہیں کرنا چاہیے۔ ''تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۱۵۹)

پیغام:

۱۔ دوسروں کی طرف سے وصیت کو تبدیل کرنا حرام ہے۔ ''فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثۡمُهٗ''

۲۔ حق ملکیت، کسی کی موت کے بعد بھی محترم ہے، کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ وصیت میں تبدیلی کرے۔ ''فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ

مَا سَمِعَهُ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ ‘‘

۳۔ جانتے بوجھتے ہوئے اور خودغرضی پر مبنی گناہ کا ارتکاب خطرناک ہے۔ ’’بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ ‘‘

۴۔ اس بات پر ایمان کہ ہم خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہیں۔ تقویٰ اختیار کرنے اور لوگوں کی وصیت میں تبدیلی نہ کرنے کا بہترین سبب ہے۔ ’’فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ ۔ ۔ ۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ ‘‘

آیت نمبر ۱۸۲

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾

ترجمۃ الآیات

جو شخص وصیت کرنے والے کی کج روی (اور بعض وارثوں کی طرف اس کے بے مقصد میلان) یا اس گناہ سے ڈرے اور ان (وارثوں) کے درمیان صلح و مفاہمت کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ (اس پر وصیت کی تبدیلی کے گناہ کا قانون لاگو نہیں ہوگا) بے شک خداوند عالم بخشنے والا مہربان ہے۔

نکات:

☆ صاحب مجمع البیان نے ’’جَنَفًا‘‘ کا معنی ’’بے شعوری میں گناہ کی طرف مائل ہونا‘‘ اور ’’اِثْمًا‘‘ کا معنی ’’شعوری طور پر گناہ کی طرف مائل ہونا‘‘ کیا ہے۔

☆ اسلام میں جو چیز منع کی گئی ہے وہ صحیح وصیت کو تغیر و تبدیل کرنا ہے۔ لیکن اگر وصیت فتنہ کا سبب ہو یا شرعی معیار کے خلاف ہو تو اس میں تبدیلی جائز ہے۔ چنانچہ اگر وصیت ایک تہائی مال سے زیادہ ہو تو اس مقدار کو کم کیا جا سکتا ہے۔ اگر گناہ کی سفارش کی گئی ہو تو اس وصیت کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اگر فتنہ و فساد پر عمل کرنے کی وصیت کرتا ہے تو حاکم اسلامی کے زیر نظر اس کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس حوالے سے اسلام میں رکاوٹ نہیں ہے کیونکہ ان کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے، اس لیے تقویٰ کے خلاف امور کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔

پیغام:

ا۔ ''اہم سے اہم تر'' کی ہر حالت میں رعایت کی جائے گی، اگرچہ وصیت کا احترام اہم ہے لیکن فتنہ وفساد کو دور کرنا اور مسلمانوں کے امور کی اصلاح اس سے اہم تر ہے۔ ''فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا فَاَصۡلَحَ بَیۡنَهُمۡ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ ؕ''

۲۔ وصیت کو تبدیل کرنے کا مقصد صرف فتنہ کو دور کرنا اور اصلاح کرنا ہو۔ ''فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا فَاَصۡلَحَ''

آیت نمبر ۱۸۳

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۸۳﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! روزے تم پر لکھ دیئے گئے ہیں (واجب کر دیئے گئے ہیں) جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں پر واجب کئے گئے تھے تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

نکات:

☆ ''تقویٰ'' کے معنی ہیں خود کو گناہ سے بچانا۔ بہت سے گناہ دو چیزوں غصے اور شہوت کی وجہ سے انجام دیئے جاتے ہیں۔ روزہ ان دونوں غریزوں (نفسانی خواہشات) کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ یہ یقیناً فساد کے کم ہونے اور تقویٰ کی افزائش کا سبب ہے۔ (کافی، ج ۲، ص ۱۸)

☆ مفسرین اور علوم قرآنی کے جاننے والوں کے نظریئے کے مطابق جن آیات کے اول میں ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا'' مذکور ہے وہ مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اور وہ مدنی آیتوں اور سورتوں کا جزو ہیں۔ روزے کا حکم اور اسی طرح جہاد اور زکوۃ کی ادائیگی کے احکام بھی ہجرت کے دوسرے سال میں صادر ہوئے ہیں۔

روزہ کے آثار و اس کی برکات

ظاہر اور باطن میں تقویٰ اور خدا خوفی یہ دو، روزہ کے اہم ترین اثر ہیں۔ روزہ واحد مخفی عبادت ہے جو کسی پر ظاہر نہیں

ہوتی۔ جبکہ نماز، حج، زکوٰۃ اور خمس ایسی عبادتیں ہیں جو لوگوں کو نظر آ جاتی ہیں مگر روزہ کسی کو دکھائی نہیں دیتا۔ روزے میں امیر لوگ بھی غریبوں کی طرح بھوک اور پیاس کا مزہ چکھتے ہیں۔ روزہ انسان کے ارادے کو مضبوط کرتا ہے۔ جو شخص ایک ماہ تک اشیائے خوردونوش اور اپنی بیوی سے الگ تھلگ رہ سکتا ہے وہ دوسروں کی اشیا اور ناموس سے بھی دوری اختیار کر سکتا ہے۔ روزہ انسان کی روحانیت کو تقویت عطا کرتا ہے جو شخص ایک مہینے تک بھوک کا مزہ چکھتا ہے وہ درد آشنا بن جاتا ہے اور بھوکوں کے درد و غم کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ روزے کے ذریعے اخراجات پر بڑی حد تک قابو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ حضرت رسول اکرمؐ فرماتے ہیں کہ روزہ نصف صبر ہے۔ (تفسیر المنار)

عوام الناس کا روزہ تو یہ ہے کہ کھانے پینے اور جنسی لذائذ سے کنارہ کشی کی جائے لیکن خواص کے روزے میں ان چیزوں کے علاوہ گناہوں سے اجتناب بھی ضروری ہے۔ پھر خاص الخواص کے روزے میں مفطرات سے اجتناب اور گناہوں سے پرہیز کے علاوہ دل کو بھی غیر خدا سے خالی کر دینا لازم ہوتا ہے۔ (تفسیر روح البیان)

روزہ انسان کو فرشتوں جیسا بنا دیتا ہے یعنی جیسے فرشتے کھانے پینے اور شہوت سے دور ہوتے ہیں، روزہ دار بھی ان کی شبیہ ہو جاتا ہے۔ (صاحب جواہر نقل از آیت اللہ جوادی)

☆ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا: "جو شخص ماہ رمضان میں روزے رکھتا ہے اس کے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ (تفسیر مراغی)

حدیث قدسی میں آیا ہے کہ "اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ" روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا اور ثواب دوں گا۔ (تفسیر مراغی) روزہ اس قدر اہم عبادت ہے کہ دوسری بہت سی عبادتوں کا ثواب روزے کے ثواب کے برابر بتایا گیا ہے۔ (کافی، ج ۲، ص ۱۰۰)

روزہ اگرچہ گذشتہ امتوں پر بھی واجب تھا مگر رمضان المبارک کا روزہ صرف انبیا پر ہی فرض تھا جبکہ اسلامی امت میں ماہ رمضان کا روزہ ہر مسلمان پر فرض قرار دیا گیا ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

حضرت رسول اللہؐ سے منقول ہے کہ ہر چیز کی زکوٰۃ ہوتی ہے اور بدن کی زکوٰۃ روزہ ہے۔ (بحار، ج ۶۹، ص ۳۸۰)

پیغام:

۱۔ پیارے و دلکش انداز میں کسی سے خطاب یا پکار، پیغام کے موثر ہونے میں بڑی حد تک عمل دخل رکھتے ہیں۔ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" تفسیر مجمع البیان کی ایک حدیث میں پڑھتے ہیں کہ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے ساتھ خطاب کی لذت روزے کی سختی کو آسان بنا دیتا ہے۔ اگر والدین یہ چاہتے ہیں کہ ان کے بچے ان کی باتوں کو غور سے سنیں تو ان کو بھی پیار بھرے لہجے میں آواز دینا چاہیے۔

۲۔ تبلیغ کے طریقوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مشکل احکام کو آسان کر کے بیان کیا جائے، مثلاً اسی آیت میں ہے: "

روزے کا یہ حکم صرف تم مسلمانوں ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ تم سے پہلی امتوں کو بھی روزے کا حکم دیا جاتا رہا ہے۔'' اس لیے ایسے عمل کا حکم جو پہلے کی امتوں کیلئے بھی تھا، اس پر عملدرآمد آسان ہے، اس حکم کی نسبت جو صرف ایک گروہ کیلئے ہو۔'' كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ''

۳۔قرآن پاک نے بعض احکام جیسے روزہ کے حکم کا فلسفہ بیان کیا ہے۔اس لئے کہ اگر لوگ کام کے نتیجہ کو جانتے ہوں تو اس پر عمل کرتے ہوئے زیادہ ذوق وشوق دکھاتے ہیں۔'' لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ ''

آیت نمبر ۱۸۴

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

ترجمة الآيات

گنتی کے چند دن ہیں (جن میں روزے مقرر ہیں) اور تم میں سے جو لوگ بیمار ہوں یا سفر میں ہوں تو وہ (اتنی تعداد میں) دوسرے ایام (میں روزے رکھیں) اور جن لوگوں میں روزہ رکھنے کی طاقت نہیں۔ (مثلاً دائمی مریض یا بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت) تو ضروری ہے کہ وہ کفارہ دیں یعنی ایک مسکین کو کھانا کھلائیں اور جو شخص نیکی کا کام کرے (ایک مسکین کے کھانے کی مقدار سے زیادہ دے) تو اس کے لیے بہتر ہے اور اگر تم (روزے کے اثرات کو جانو تو روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے۔

نکات:

☆ باب افعال کے خواص میں سے ایک سلب معنی بھی ہے مثلاً کلمہ '' عُجمہ '' کے معنی ہیں گونگا لیکن جب باب افعال کے وزن پر '' اِعجام '' پڑھا جائے تو اس کے معنی '' گونگے پن کا دور ہونا '' ہو جاتے ہیں اسی طرح اس آیت میں '' يُطِيْقُوْنَهٗ ''

کا لفظ ہے جس کے معنی ان سے طاقت کا سلب کر لیا جانا ہیں۔

☆ خدا تعالٰی کے حکم کے سامنے تسلیم ہونا ایک قدر ہے۔ اگر روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے تو ضرور روزہ رکھنا چاہیے، اور اگر افطار کا حکم دے تو روزہ کھول لینا چاہیے۔

مجمع البیان میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعض اصحاب نے سفر میں روزہ رکھا اور وہ اپنا روزہ افطار نہیں کرنا چاہتے تھے۔ رسول اکرمؐ نے انہیں گناہگار کہا۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر کوئی سفر میں روزہ رکھے، میں اس کے جنازے پر نماز نہ پڑھوں گا۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ ماہ رمضان میں مدینہ سے مکہ کی طرف جا رہے تھے آپؐ نے راستے میں پانی طلب فرمایا اور پانی کا برتن ہاتھ میں اٹھا کر سب کو دکھایا اور پھر نوش فرمایا۔

بہر حال اگر مسافر یا بیمار روزہ رکھ لے تو اس کا روزہ باطل ہے اور اسے قضا بھی دینا ہوگی۔ (تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۱۶۴)

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر ماں بچے کے دودھ کے بارے میں کسی پریشانی کا شکار ہو یا اس کا بچہ کوئی پریشانی رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ روزہ افطار کر لے، یہ خدا تعالٰی کے لطف و مہربانی کی علامت ہے۔ (تفسیر برہان، ج ۱ ص ۱۸۲)

پیغام:

۱۔ اسلام نے ہر شخص کے لیے ہر موقع و محل کے مطابق قانون وضع کیے ہیں۔ اس آیت میں مسافروں، بیماروں اور بوڑھوں کے لیے احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔ ''فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ''

۲۔ خاص شرائط کسی حکم کے کلی فلسفہ اور اس کے احکام و منافع کو ختم نہیں کر سکتیں، اگر مریض یا مسافر بعض صورتوں میں روزہ نہیں رکھ سکتے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہیں کلی طور پر روزہ معاف کر دیا گیا ہے۔ بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ چھوڑے ہوئے روزوں کی دوسرے دنوں میں قضا بجالائیں تا کہ روزے کے فوائد سے بہرہ مند ہوں سکیں۔ ''فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ''

۳۔ صرف سفر کا ارادہ، روزہ نہ رکھنے کی وجہ نہیں ہے۔ سفر پر جانا ضروری ہے۔ ''عَلٰى سَفَرٍ''

۴۔ روزہ کی قضا کیلئے کوئی خاص یا معین وقت نہیں ہے۔ ''فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ''

۵۔ فرض کے عائد ہونے کیلئے توانائی کا ہونا شرط ہے۔ ''عَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ''

۶۔ فقرا کو کھلانا، اسلامی احکام کے اندر سمایا گیا ہے۔ ''طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ ؕ''

۷۔ ایسی عبادات رشد و ہدایت اور قربت کا باعث ہیں جن میں رغبت اور شوق پایا جاتا ہو۔ ''فَمَنۡ تَطَوَّعَ''

۸۔ خدائی احکام اس طرح کے ہیں کہ انہیں کم از کم حد تک فرض قرار دیا گیا ہے اور اس سے زیادہ کے لیے انسان کو

اختیار دیا گیا ہے۔ مثلاً اس آیت میں ایک شخص فقیر کو پیٹ بھر کے کھانا کھلانا واجب قرار دیا گیا ہے اور اس سے زیادہ کے عمل کو مستحب قرار دے کر انسان کے اختیار میں دیا گیا ہے۔ ’’فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ط ‘‘

۹۔ خداوند کے احکام کی اطاعت کرنے سے ایسے اچھے اثرات ہوتے ہیں جو خود انسان ہی کی طرف پلٹتے ہیں، خدا تعالیٰ کی طرف نہیں۔ ’’اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ‘‘

آیت نمبر ۱۸۵

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ط يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ز وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

ترجمۃ الآیات

وہ رمضان کا مہینہ ہی ہے جس میں قرآن (مجید) لوگوں کی ہدایت کے لیے اور (قرآن مجید ایسی کتاب ہے جس) حق کو باطل سے جدا کرنے والے روشن دلائل کے ساتھ نازل کیا گیا۔ پس تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے اسے چاہیے کہ وہ روزے رکھے اور جو شخص مریض یا مسافر ہے تو وہ اس کی بجائے دوسرے دنوں میں روزے رکھے۔ خدا تو تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے مشکل اور سختی نہیں چاہتا۔ مقصد یہ ہے کہ اس تعداد کو پورا کرو اور چونکہ خدا نے تمہیں ہدایت کی ہے لہٰذا اس کی بزرگی بیان کرو شاید کہ شکر گزار بن جاؤ۔

نکات:

☆ ’’رَمَضَانَ‘‘ کا لفظ ’’رمض‘‘ سے ہے، جس کے معنی جلانا ہے۔ ایسا جلانا جس میں دھواں اور خاکستر نہ ہو۔ اس

مہینہ کا نام اس لیے ماہ رمضان رکھا گیا ہے کہ اس میں انسانوں کے گناہ جلا دیے جاتے ہیں۔

☆ ماہ رمضان المبارک، ماہ نزول قرآن ہے۔ رمضان المبارک وہ واحد مہینہ ہے جس کا نام قرآن مجید میں آیا ہے۔ ''شب قدر'' بھی اسی مہینے میں ہے۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''تمام آسمانی کتابیں ماہ رمضان ہی میں نازل ہوئی ہیں۔'' ماہ رمضان خدا تعالیٰ کا بہترین مہینہ ہے۔ آنحضرتؐ ماہ شعبان کے آخری جمعہ کے خطبے میں ماہ رمضان کی عظمت اور فضیلت کو تفصیل سے بیان فرمایا کرتے تھے، جس کے مطالب بعض تفاسیر اور احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ (بحار، ج ۹۶ ص ۳۵۶)

اسی طرح صحیفہ سجادیہ میں امام سجاد علیہ السلام کی دعائے وداع ماہ رمضان میں دلسوز مناجات ہیں۔

☆ اسلام ایک آسان دین ہے، اس کی بنیاد سہولت پر رکھی گئی ہے یعنی سختی سے کام نہیں لیا گیا جو کوئی بیمار یا مسافر ہو تو وہ روزہ نہ رکھے اور اس کی قضا بجالائے۔ اگر کسی کے لیے وضو کرنا مشکل ہے تو اس کے بدلے اسے تیمم کر لینے کا حکم ہے۔ اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مشکل ہے تو بیٹھ کر پڑھ لینے کی اجازت ہے۔ یہ قانون فقہ کی کتابوں میں ''قاعدہ لا حرج'' کے نام سے مشہور ہے۔

رمضان المبارک خدا کے ہاں مہمانی کا مہینہ

☆ ماہ رمضان میں مومنین کو ''یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ'' کے کارڈ کے ساتھ خداوند کی مہمانی پر دعوت کی جاتی ہے۔ اس دعوت کی چند خصوصیات ہیں:

۱۔ میزبان، خدا تعالیٰ ہے اور خود اس نے مہمانوں کو دعوت دی ہے۔

۲۔ پذیرائی اور میزبانی میں شب قدر، نزول قرآن، فرشتوں کا نزول، دعاؤں کی قبولیت، روح کی لطافت، بھوکوں سے ہمدردی اور جہنم سے دوری جیسی نعمتیں شامل ہیں۔

۳۔ میزبانی کا زمانہ پورا ماہ رمضان ہے۔ روایات کے مطابق اس کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت اور تیسرا عشرہ ثواب و پاداش کا ہے۔

۴۔ میزبانی کا انداز کچھ اس طرح ہے کہ شب قدر میں وہ عظمت ہے کہ اس میں تمام مہمانوں کے لیے سال بھر کی ضرورتیں پوری کر دی جاتی ہیں اور اس رات میں زمین فرشتوں کے نور سے منور ہو جاتی ہے۔

۵۔ اس مہینہ کی میزبانی میں غذا، روحی غذا ہے۔ جو کہ روحانی رشد و ہدایت کیلئے ضروری ہے، اس کے لیے جسمانی غذا ضروری نہیں ہے۔ اس میزبانی کی غذا کا مزہ اور لطف آیات قرآنی ہیں کہ اس مہینے میں ایک آیت کی تلاوت دوسرے مہینوں میں پورے قرآن کے ختم کے برابر ہے۔ اس مبارک مہینے کی غذا روحانی ترقی کے لیے روح کی غذا ہے جسم کو فربہ کرنے والی غذا مراد نہیں ہے۔

یہ دعوت دنیاوی دعوتوں سے کسی بھی طرح نہیں ملتی، اس دعوت کے کیا کہنے کہ جس کا میزبان خود خدا ہو اسے کسی دنیوی

مہمانی اور میزبانی سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ خداوند کریم جو عالم، غنی، خالق، باقی، عزیز اور جلیل ہے وہ ان انسانوں کا میزبان ہے جو ذاتی طور پر جاہل، بے نوا، فانی مخلوق اور ذلیل ہیں۔ وہ ان کا میزبان بن کر کہتا ہے: ''میں تمہاری دعاؤں کو قبول کرتا ہوں اور اس مہینے میں تم جو سانس لیتے ہو اس پر تسبیح کا ثواب عطا کرتا ہوں۔'' (ماہ شعبان کے آخری جمعہ پر پیغمبر اکرم کا خطبہ)

آدابِ دعوت

وسائل الشیعہ میں روزہ دار کے اخلاق کے بارے میں ایک مفصل روایت ہے کہ روزہ دار کو جھوٹ، گناہ، لڑائی، حسد، غیبت، حق کی مخالفت فحش حرکات، گالی، ڈانٹ اور غصہ کرنے، طعنہ دینے، ظلم اور لوگوں کو تنگ کرنے، غفلت، برے لوگوں کے ساتھ وقت گذارنے، سخن چینی، چغلی، حرام خوری سے منع کیا گیا ہے۔ نماز، صبر، صداقت اور قیامت کی یاد پر تاکید کی گئی ہے۔

اس دعوت میں شریک ہونے کی صرف یہی شرط نہیں کہ ہم محض بھوک اور پیاس کی سختی کو برداشت کریں۔ حدیث میں یوں وارد ہوا ہے:

''جو شخص خدائی راہبر کی اطاعت سے روگردانی کرے گا یا گھریلو اور ذاتی معاملات میں اپنی بیوی سے اچھا سلوک نہیں کرے گا اور اس کے ساتھ مہربانی سے پیش نہیں آئے گا یا اس کی شرعی ضروریات کو پورا نہیں کرے گا یا اس کے والدین اس سے ناراض ہوں گے تو اس کا روزہ قبول نہیں ہوگا اور وہ اس ضیافت کی شرائط کو پورا نہیں کر پائے گا۔''

☆ روزے کے اگرچہ طبی فوائد و منافع بھی ہیں کہ انسان بھوک سے اپنے بدن کے زائد مواد کو تحلیل کرتا ہے لیکن سحر خیزی کی عادت، روح کی لطافت اور ماہ رمضان کی دعاؤں کی قبولیت کا لطف ہی کچھ اور ہے۔ حقیقی معنوں میں وہ شخص بدنصیب ہے جو ان سب برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔

پیغام:

۱۔ ماہ رمضان کی عظمت کی وجہ اس میں قرآن کا نزول ہے اور انسان کی قدر و قیمت بھی اسی اندازے سے ہوگی جس قدر قرآن اس کے کردار میں نفوذ کر چکا ہوگا۔ ''الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ''

۲۔ روزے کا وجوب، ماہ رمضان کے شروع ہونے کے یقین ہو جانے کے بعد ہوتا ہے۔ ''فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَـصُمۡهُ ؕ''

۳۔ بیمار اور مسافر پر روزے کی قضا واجب ہے۔ ''فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ''

۴۔ روزے کی قضا کیلئے کوئی خاص وقت معین نہیں ہے۔ ''اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ''

۵۔ خداوند کے احکام آسانی و سہولت پر مبنی اور انسانی طاقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہوتے ہیں۔ ''يُرِيۡدُ اللّٰهُ بِكُمُ الۡيُسۡرَ''

۶۔مشکل اور ناتوانی، انسان کے ذمے واجبات کو اٹھالیتی ہے۔''لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ ۫ ''

۷۔روزے کی قضا صرف اتنے ہی دنوں کی ہونی چاہیے جتنے دن عذر باقی تھا۔''لِتُکۡمِلُوا الۡعِدَّۃَ ''

۸۔عبادات کے بجالانے کی ہدایت اور حاصل ہونے والی توفیق خداوند کریم کی طرف سے ہے۔''تُکَبِّرُ'' خدا کی کبریائی کا نشان ہے جبکہ اپنی اور کسی دوسرے شخص کی طرف سے توجہ ہٹالینے کی دلیل ہے۔''لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰىکُمۡ ''

۹۔روزہ، انسان کی ہدایت اور اس کی شکرگذاری کیلئے راہ ہموار کرتا ہے۔''لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰىکُمۡ وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۱۸۵﴾ ''

آیت نمبر ۱۸۶

وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَ لۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ لَعَلَّہُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ ﴿۱۸۶﴾

ترجمۃ الآیات

جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کرتے ہیں تو (کہہ دیجئے) میں تو قریب ہی ہوں، جب کوئی دعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کا جواب دیتا ہوں لہٰذا انہیں بھی چاہیے کہ میری دعوت کو قبول کریں اور مجھ پر ایمان لے آئیں تا کہ وہ کمال کے راستے طے کریں۔

نکات:

☆ کچھ لوگوں نے حضرت رسولخداؐ سے سوال کیا کہ ہم خدا کو کیونکر پکاریں؟ کیا خدا ہمارے نزدیک ہے کہ اسے آہستہ پکاریں؟ یا دور ہے کہ اسے زور سے پکاریں؟ یہ آیت شریفہ انہی کے جواب میں نازل ہوئی ہے۔

☆ دعا کرنے والا شخص خدا کو اس قدر محبوب ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی ذات پاک کی طرف سات مرتبہ اشارہ فرماتے ہوئے انسان کے ساتھ اپنے انتہائی قرب اور رابطے کو بیان کررہا ہے۔''اگر میرے بندے، میرے بارے میں سوال کریں تو ان سے کہہ دو، میں خود ان کے قریب ہوں، جب کوئی مجھے پکارتا ہے، میں ان کی دعاؤں کو مستجاب کرتا ہوں، لہٰذا مجھ پر ایمان لائیں اور میری دعوت کو قبول کریں۔''

یہ محبت بھرا رابطہ اس صورت میں ہے جب انسان چاہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ مناجات کرے۔

☆ دعا کرنا، کل کائنات کے ساتھ ہمراہ اور ہم رنگ ہونا ہے۔ قرآنی آیات کے مطابق تمام کائنات خدا تعالیٰ کی تسبیح اور قنوت میں مصروف ہے۔ ''كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾'' (بقرہ۔۱۱۶)۔ اسی طرح کائنات کی تمام چیزیں خدا سے سوال کرتی رہتی ہیں: ''يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ'' (الرحمن۔۲۹)۔ لہٰذا ہم بھی خدا سے مانگتے رہیں تا کہ کائنات کی تمام چیزوں کے ہم آہنگ ہو کر آگے بڑھتے رہیں اور ان سے کٹ کر نہ رہ جائیں۔

☆ قرآن مجید نے دعا کے بارے کچھ ہدایات بیان کی ہیں منجملہ ان کے یہ ہیں:

۱۔ خدا سے دعا اور درخواست خلوص دل سے کرنی چاہیے: ''فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ'' یعنی خدا کو خالص دل کے ساتھ پکارو۔ (غافر۔۱۴)

۲۔ خوف اور امید کے ملے جلے جذبے کے تحت دعا مانگنی چاہیے۔ ''وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ'' (اعراف۔۵۶)

۳۔ تضرع کے ساتھ اور مخفیانہ دعا مانگنی چاہیے۔ ''اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ'' (اعراف۔۵۵)

۴۔ آہستہ آواز میں دعا مانگنی چاہیے۔ ''اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾'' (مریم۔۳) یعنی جب اس (پیغمبر) نے اپنے رب کو آہستہ سے پکارا۔

☆ اصول کافی کی جلد ۲ میں سینکڑوں احادیث دعا کے بارے میں درج ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ دعا کی کیا اہمیت ہے۔ زندگی میں اس کا کردار اور دعا کے آداب کیا ہیں۔ دعا مانگتے وقت پوری توجہ مرکوز رہنی چاہیے، اس میں اصرار شامل ہو۔ دعا کرتے وقت ہر ایک حاجت کا نام لے کر دعا مانگنی چاہیے مل کر اجتماعی دعا کی جائے۔ اس کے علاوہ دعا کی قبولیت پر ایمان ہونا چاہیے۔

سوال: بعض اوقات کیوں ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں؟

جواب: ہماری دعا کی عدم قبولیت ہمارے شرک یا ہماری جہالت کے سبب ہوتی ہے۔ تفسیر المیزان میں ہے کہ خداوند عالم اس آیت میں فرماتا ہے: ''اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ'' یعنی دعا کرنے والے کی دعا کو میں خود قبول کرتا ہوں کہ جو صرف مجھ سے دعا مانگتا ہے اور مجھ سے ہی خیر کا خواہاں ہوتا ہے۔

پس اگر ہماری دعا مستجاب نہیں ہوتی تو اس کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ ہم خدا سے خیر کی دعا نہیں کرتے، یعنی جو کچھ ہم خیر اور دعا کے طور پر خدا سے طلب کرتے ہیں درحقیقت وہ ہمارے لیے نقصان دہ اور شر ہوتا ہے۔ یا اگر واقعاً وہ دعائے خیر ہوتی ہے تو پھر ہماری طرف سے خالصانہ اور صادقانہ انداز میں نہیں ہوتی اور غیر اللہ سے استمداد کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔

کبھی دعا کا قبول نہ ہونا، اس لیے ہوتا ہے کہ وہ دعا یا درخواست ہمارے حق میں نہیں ہوتی۔ روایات میں ہے کہ اس صورت میں کوئی نہ کوئی بلا و مصیبت ہم سے دور ہو جاتی ہے۔ یا اس کا اجر آئندہ کیلئے محفوظ ہو جاتا ہے، یا ہماری نسل کیلئے ذخیرہ ہو

جاتی ہے، یا آخرت میں اس کا اجر دیا جائے گا۔

اصول کافی میں پڑھتے ہیں کہ جو کوئی حرام غذا کھائے یا امر بالمعروف اور نہی از منکر نہ کرے یا غلفت اور بے توجہی کے ساتھ دعا کرے، اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

☆ دعا کے معنی، کسب و کار کو چھوڑ دینا نہیں ہے بلکہ خدا پر توکل کرتے ہوئے محنت اور کوشش کرنا ہے۔ لہٰذا ہم حدیث میں پڑھتے ہیں کہ بیکار دعا مستجاب نہیں ہوتی۔

☆ روزہ کی آیات کے درمیان دعا کی آیت کا آنا، شاید اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ماہ خدا کا دعا کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

سوال: خدا تعالیٰ کے سب کام طے شدہ قانون کے پابند، اسباب کی بنیاد پر اور مستحکم طریقہ کار کے مطابق ہیں تو پھر اس میں دعا کا کیا کردار ہے؟

جواب: جس طرح سفر میں انسان کیلئے نماز و روزہ کا حکم اس انسان سے مختلف ہے جو وطن میں موجود ہے۔ اسی طرح خدا کو پکارنے والا شخص، اس شخص سے مختلف ہے جو خدا سے غافل ہے۔ متوجہ شخص پر لطف خدا سنت الٰہی ہے نہ کہ دوسری قسم کے شخص پر۔ جی ہاں! خدا تعالیٰ سے دعا اور گفتگو، الطاف الٰہی کو وصول کرنے کیلئے انسان کی صلاحیت اور ظرفیت میں اضافہ کر دیتی ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے اولیائے خدا کے ساتھ توسل اور ان کی زیارت کرنا انسان کے حالات کو بدل دیتی ہے۔ جیسے کوئی بچہ اگر اپنے والد کے ساتھ کسی دعوت میں جائے تو وہاں موجود لوگ اس سے بڑھ چڑھ کر محبت کا اظہار کریں گے لیکن اگر وہ بچہ اکیلا ہی اس دعوت میں چلا جائے تو ایسا نہ ہوگا۔

بنا بر ایں دعا، زیارت اور توسل، حالات کو بدلنے کا سبب ہیں۔ حتمی و قطعی سنت الٰہی کو بدلنے یا دگرگون کرنے کا سبب نہیں ہیں۔

☆ انسان کے قرب خداوند کے بارے میں جناب فیض کاشانی مرحوم کہتے ہیں:

گفتم کہ روی خوبت ، از ما چرا نھان است
گفتا تو خود حجابی ورنہ رخم عیان است

کہا کہ اپنا خوبصورت چہرہ ہم سے کیوں چھپا رکھا ہے بولا تم خود پردے میں ہو ورنہ میرا چہرہ تو کھلا ہوا ہے

گفتم فراق تا کی ، گفتا کہ تا تو ہستی
گفتم نفس ہمین است ، گفتا سخن ہمان است

کہا جدائی کب تک، بولا جب تک تم ہو کہا جان تو یہی ہے، بولا بات وہی ہے۔

پیغام:

۱۔ دعا جس وقت بھی ہو جہاں بھی ہو، فائدہ مند ہے، کیونکہ خداوند فرماتا ہے: میں نزدیک ہوں ''فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ''۔ البتہ دعا کے ابواب میں جن مخصوص اوقات اور متبرک مقامات کا ذکر ہے یہ ان کی فضیلت کی وجہ سے ہے نہ کہ دعا انہی اوقات اور مقامات میں منحصر ہے۔

۲۔ خداوند کریم تو ہمارے نزدیک ہے لیکن ہم کہاں ہیں؟ اگر کبھی اس کا قہر وغضب ہمارے دامن گیر ہو جاتا ہے تو یہ ہماری خدا تعالیٰ سے دوری کی وجہ سے ہے جو کہ ہمارے گناہوں کے اثرات کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ''فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ''

۳۔ خداوند کی طرف سے استجابت دعا ہمیشہ ہے، وقتی یا موسمی نہیں ہے کیونکہ ''اُجِيْبُ'' میں دوام اور تسلسل کے معنی پائے جاتے ہیں۔

۴۔ اس کے باوجود کہ خدا تعالیٰ ہر چیز سے آگاہ ہے لیکن دعا کرنا ہمارا فرض ہے۔ ''فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ''

۵۔ دعا قبولیت کے درجہ پر اس وقت پہنچتی ہے جب اس کے ہمراہ ایمان کی قوت ہو۔ ''وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ''

۶۔ دعا، رشد وہدایت کا ذریعہ ہے۔ ''لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝۱۸۶''

آیت نمبر ۱۸۷

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَاۗىِٕكُمْ ۭ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

اٰیٰتِہٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمۡ یَتَّقُوۡنَ﴿۱۸۷﴾

ترجمۃ الآیات

تمہارے لیے (ماہ رمضان کے) روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لیے (گویا) لباس ہیں اور تم (گویا) ان کے لیے لباس ہو۔ خداوند عالم کے علم میں تھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کیا کرتے تھے۔ (اور تم میں سے بعض افراد اس ممنوع کام کو انجام دیا کرتے تھے۔) پس اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی اور تمہیں معاف کر دیا، اب تم ان کے ساتھ ہم بستری کر سکتے ہو۔ جو کچھ خدا نے تم پر مقرر کر دیا ہے اسے طلب کرو اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ (صبح کی) سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے نمایاں ہو جائے اور پھر روزے کو رات تک مکمل کرو۔ جب تم مساجد میں اعتکاف کی حالت میں ہو تو اپنی بیویوں سے ہم بستری نہ کرو، یہ خدا کی (مقرر کردہ) حدود ہیں۔ لہٰذا تم (تجاوز و گناہ کی نیت سے) ان کے نزدیک نہ جاؤ۔ اسی طرح خداوند عالم اپنی آیات کو لوگوں کے لیے واضح کرتا ہے تاکہ وہ پرہیز گار بن جائیں۔

نکات:

☆ ابتدائے اسلام میں ماہ رمضان کے شب و روز میں بیویوں کے ساتھ ہم بستری ممنوع تھی۔ اسی طرح وہ رات کے ایک خاص حصے تک ہی کچھ کھا پی سکتے تھے۔ اگر ماہ رمضان کی رات میں کسی کو نیند آ جاتی تھی تو بیدار ہونے کے بعد اسے کچھ کھانے پینے کا حق حاصل نہ تھا۔

بعض مسلمان جنسی عمل کے ممنوع ہونے کے باوجود اس کو انجام دیا کرتے تھے، دوسری طرف کچھ ایسے مسلمان بھی تھے جو اپنی جان کو جوکھوں میں ڈال دیا کرتے تھے حتیٰ کہ رات کو بیدار ہونے کے باوجود بھی کچھ کھاتے پیتے نہیں تھے۔ اصحاب پیغمبرؐ میں سے ایک شخص ''مطعم بن جبیر'' رات کو افطاری کے وقت کھانا دیر سے آنے کی وجہ سے سو گئے جب نیند سے بیدار ہوئے تو کہنے لگے کہ اب میں کچھ کھانے کا حق نہیں رکھتا۔ چنانچہ کچھ کھائے پیئے بغیر روزہ رکھ لیا۔ دن میں جنگ احزاب کے سلسلے میں خندق کھودنے کی غرض سے مدینہ کی طرف چل دیئے کھدائی کے دوران شدید کمزوری کی وجہ سے ان کی طبیعت خراب ہوگئی اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

پیغمبر اکرمؐ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر بہت ہی افسردہ خاطر ہو گئے۔ اس کے بعد خداوند کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی

کہ طلوع فجر تک کھانے پینے کی اجازت ہے اور رمضان المبارک کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ چونکہ خداوندتعالی جانتا ہے کہ تم لوگ اپنے ساتھ خیانت کیا کرتے تھے، صبر اور پرہیز کرنے کی قوت کے حامل نہ تھے اور نہ آئندہ ہوگے۔ اسی لیے فرض تکلیف کو تم پر آسان کر دیا ہے اور تمہارے گذشتہ کو معاف کر دیا ہے۔

☆ اعتکاف کے معنی دنیا سے کٹ جانا اور خدا کی پناہ میں چلے جانا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ اپنی تمام تر مشکلات اور مصروفیات کے باوجود کبھی کبھار چند دنوں کیلئے مسجد میں معتکف ہوجایا کرتے تھے۔ اس ذریعہ سے اپنی روح کا تصفیہ کیا کرتے اور اپنی روح کو بہتر آرام وسکون پہنچایا کرتے تھے۔ جس سے آئندہ کیلئے بہتر روحانی آمادگی ہوجاتی ہے۔

کیونکہ اعتکاف کے علاوہ بھی مسجد میں آمیزش ممنوع ہے، ظاہراً یوں نظر آتا ہے کہ اس کلمہ ''عٰكِفُوْنَ'' سے مراد مسجد میں سکونت ہے یعنی اعتکاف کے معنی مخصوص عبادت نہیں ہے۔

☆ زوج کو لباس کے ساتھ تشبیہ میں بہت سے نکات اور لطائف مضمر ہیں:

لباس کا رنگ، سلائی اور جنس، انسان کے مناسب حال ہونا چاہیے۔ زوج (شوہر یا بیوی) کو بھی دوسرے انسان کا کفو (ہم پلہ) ہونا چاہیے۔ فکر، ثقافت اور شخصیت میں ایک دوسرے کے ہم پلہ ہوں۔

لباس حفاظت اور زینت کا ایک ذریعہ ہے، زوج اور اولاد بھی خاندان کی حفاظت اور زینت کا باعث ہیں۔

لباس انسان کے عیوب کو چھپاتا ہے۔ شوہر اور بیوی دونوں میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے عیبوں اور نقائص کو چھپائیں۔

لباس انسان کو سردی گرمی سے بچاتا ہے، اسی طرح شوہر اور بیوی میں سے ہر ایک اپنی جگہ مرکز کی حیثیت سے گھریلو زندگی کو گرمائے رکھتے ہیں اور رویوں کو سرد ہونے سے بچاتے ہیں۔

لباس سے دوری، رسوائی و ذلت کا باعث ہے، اسی طرح شادی سے دوری اور عائلی زندگی کو نہ اپنانا، انسان کیلئے انحراف کا موجب اور رسوائی کا سبب بن جاتا ہے۔

ٹھنڈے موسم میں موٹے کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے اور گرم موسم میں نازک کپڑوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح زوجین میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنے اخلاق اور رفتار کو دوسرے کی روحی ونفسیاتی ضروریات کے مطابق منظم کرے۔ اگر کسی وقت مرد کو غصہ آجائے تو عورت اس سے اچھے انداز میں پیش آئے اور اگر کبھی عورت تھکی ماندی ہو تو مرد کو اس کی طبیعت کا احساس ہونا چاہیے۔

انسان کو چاہیے کہ اپنے لباس کو آلودگی اور گندگی سے بچائے، اسی طرح زوجین میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ دوسرے کو گناہ کی آلودگی اور گندگی میں گرنے سے پہلے بچانے کی کوشش کرے۔

پیغام:

۱۔ احکام میں تخفیف اور آسانی دین اسلام کی خصوصیات میں سے ایک ہے۔ ''اُحِلَّ لَكُمْ''

۲۔ گفتگو میں ادب کا لحاظ رکھنا، قرآن کی خصوصیات میں سے ہے۔ کلمہ ''رفث'' کا معنی ہے، جنسی اور زناشوئی کے مسائل کے بارے میں گفتگو کرنا، جس کو اس آیت میں ہم بستری کے کنایہ اور رمز کے طور پر لایا گیا ہے۔

۳۔ جب چاہو کہ ایک راستے کو بند کردو، تو ایک جائز راستے کو کھلا رکھو، جیسا کہ خدا تعالیٰ نے ماہ رمضان کے دنوں میں دن کے وقت ہم بستری کو ممنوع قرار دیا تو دوسری طرف اس کی راتوں میں اسے جائز کر دیا۔ ''اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ''

(اس کے باوجود کہ ہر مہینہ کی پہلی تاریخ میں ہم بستری مکروہ ہے لیکن ماہ رمضان کی پہلی تاریخ میں مستحب قرار دی گئی ہے۔ یہ شاید اس لیے ہے کہ پہلے لوگوں کی خواہش کے مطابق ان کی ضرورت کو پورا کیا جائے اور پھر ان سے فرائض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے۔)

۴۔ دن کی عبادت اور رات کو جائز لذات سے بہرہ مند ہونا، دین کی جامعیت کی دلیل ہے۔ ایک ہی آیت میں روزے کا حکم بھی ہے اور زناشوئی کے مسائل اور رات کو شرعی لذتوں سے بہرہ مند ہونے کی اجازت بھی ہے۔ ''اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ''

۵۔ اسلام، فطری ضرورتوں کی طرف پوری توجہ رکھتا ہے۔ ''الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ''

۶۔ مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی ضرورت، دوطرفہ ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی فطری ضرورت کو پورا کرنے کیلئے دوسرے کا محتاج ہے۔ ''هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ''

۷۔ خداوند تعالیٰ انسان کے اعمال کی جزئیات تک سے آگاہ ہے۔ ''عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ''

۸۔ انسان، خطا کرنے والا ہے اور جنسی غریزہ اس کے اندر قوی ہے۔ ''كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ''

۹۔ خدا تعالیٰ کے حکم کی اطاعت نہ کرنا، اپنے ساتھ خیانت اور ظلم ہے۔ ''تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ''

۱۰۔ ہم بستری میں اور اولاد کی خواہش میں، خدا تعالیٰ کیلئے فرض معین نہ کرو کہ بیٹا ہو یا بیٹی ہو۔ ''وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ص''

۱۱۔ جنسی تعلق بھی با مقصد اور حکم خدا کے مطابق ہونا چاہیے۔ ''وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ص''

۱۲۔ اسلامی احکام کا معیار، عام، کلی، فطری اور سادہ ہے۔ صبح کی سفیدی کا نمودار ہونا اور رات کی تاریکی کو ہر کوئی جہاں کہیں بھی ہو، سمجھ سکتا ہے۔ ''يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ''

۱۳۔عبادات میں وقت کی حد بندیوں کے کردار کو فراموش نہ کریں۔''اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيۡلِ ''

۱۴۔اعتکاف،مسجد میں سکونت اختیار کرنا ہے جو کہ روزہ رکھنے کی شرط کے ساتھ ہے۔''عٰكِفُوۡنَ فِى الۡمَسٰجِدِ ''

۱۵۔پہلے سے ہی گناہ کی طرف بڑھنے سے روکنا ضروری ہے۔قرآن فرماتا ہے: گناہ کے قریب مت جاؤ، کیونکہ جیسے ہی گناہ کے قریب جاؤ گے اسی وقت ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرو گے۔''فَلَا تَقۡرَبُوۡهَا ''

۱۶۔احکام الٰہی کا فلسفہ،تقویٰ ہے۔روزہ،تقویٰ کے حصول کی خاطر ہے تو جائز ہم بستری بھی حصول تقویٰ کیلئے ہے۔''لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ۝۱۸۷''

(یہ سورت جو''هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ'' کے جملے سے شروع ہوئی ہے،اپنی مختلف آیات میں الٰہی احکام کے فلسفہ کو تقویٰ بتا رہی ہے۔)

۱۷۔الٰہی احکام پر عمل کرنا،ہدایت و تقویٰ کے حصول کی راہ ہموار کرتا ہے۔''لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ۝۱۸۷''

آیت نمبر ۱۸۸

وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَـكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ وَتُدۡلُوۡا بِهَاۤ اِلَى الۡحُـکَّامِ لِتَاۡكُلُوۡا فَرِيۡقًا مِّنۡ اَمۡوَالِ النَّاسِ بِالۡاِثۡمِ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ۝۱۸۸

ترجمة الآيات

اور تم ایک دوسرے کے اموال کو اپنے درمیان باطل (اور ناحق) طریقے سے نہ کھاؤ اور تم اپنے مالوں کو (رشوت کے عنوان سے) حکام کی طرف لے جاتے ہو تا کہ لوگوں کے کچھ مال کو گناہ کے ذریعے کھاؤ حالانکہ تم خود اس بات کو جانتے ہو (کہ حق کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔)

نکات:

☆''تُدۡلُوۡا'' کا معنی بالٹی کو کنویں میں ڈالنا ہے۔اس آیت میں قاضی کو رشوت دینے پر اس مثال سے تشبیہ دی گئی ہے۔رشوت در حکم سے مراد قاضی کو رقم یا کوئی چیز دینا تا کہ وہ اپنا فیصلہ بدل دے۔''اَمۡوَالِ النَّاسِ'' سے مراد عمومی اموال اور خصوصی اموال دونوں ہیں۔رشوت کے زمرے میں روپے پیسے کے علاوہ غیر مادی فوائد حاصل کرنا بھی ممنوع ہے۔

رشوت

رشوت کا شمار گناہان کبیرہ میں ہوتا ہے اور اس بہت سی معاشرتی برائیاں جنہم لیتی ہیں۔جن میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔عدل وانصاف ختم ہو جاتا ہے۔

۲۔کمزور اور ناتواں افراد مایوس ہو جاتے ہیں۔

۳۔طاقتوروں کی جرأت اور جسارت بڑھ جاتی ہے۔

۴۔حاکم اور قاضی غلط روش اپنا لیتے ہیں۔

۵۔لوگوں کے درمیان باہمی اعتماد کی فضا ختم ہو جاتی ہے۔

ان منفی اثرات کی بنا پر روایات میں اس کی سخت مذمت بیان ہوئی ہے۔

جیسا کہ حضرت رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

"یاعلی من السُحت ثمن المیتة و الکلب و الخنزیر و مھر الزانیة و الرشوة فی الحکم"

اے علیؑ! مردار، کتے اور خنزیر سے حاصل ہونے والی آمدنی اور اسی طرح زنا اور رشوت سے ملنے والی رقم سبھی حرام ہیں۔(بحار، ج ۷۷، ص ۵۴)

اس طرح حضرت علی علیہ السلام نے سورہ مائدہ کی آیت ۴۲ ''اَکّٰلُوۡنَ لِلسُّحۡتِ ؕ'' کے ذیل میں فرمایا: ''اس سے وہ افراد مراد ہیں جو لوگوں کی مشکلات کو حل کرتے ہیں اور اس کے بدلے ان سے تحفے لیتے ہیں۔(بحار، ج ۱۰۴، ص ۲۷۳)

امام جعفر صادق علیہ السلام رشوت کو خدا سے انکار کے برابر سمجھتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی رشوت دینے والے، رشوت لینے والے اور رشوت لینے دینے میں واسطہ بننے والے پر لعنت کی ہے، اور فرمایا ہے کہ رشوت سے تعلق رکھنے والے بہشت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ پائیں گے۔''(بحار، ج ۱۰۴، ص ۲۷۳)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو حاکم لوگوں کی مشکلات کی پرواہ نہ کرے اللہ تعالیٰ اپنا لطف و کرم اس سے ہٹا لیتا ہے۔ اگر(لوگوں کا کام بنانے کے لیے) ان سے ہدیہ قبول کرے تو وہ زنجیروں میں جکڑا جاتا ہے اور اگر رشوت وصول کرے تو مشرک ہو جاتا ہے۔(وسائل، ج ۱۲، ص ۶۳)

حضرت علی علیہ السلام رشوت لینے والے کو ہر طرح کی سربراہی کے حق سے محروم سمجھتے ہیں۔(نہج البلاغہ، خ ۱۳۱)

آپؑ نے ایک اور جگہ فرمایا: جو کوئی گروہ بھی رشوت کا شکار ہوا ہے، اس پر خوف، اضطراب اور پریشانیوں نے گھیرا تنگ کر دیا ہے۔(نہج الفصاحہ، ح ۲۶۹۳)

بعض لوگوں نے اپنے اس غلط کام کی توجیہ کے لیے رشوت کو مختلف نام دے رکھے ہیں: کوئی اسے ''ہدیہ'' کہتا ہے تو کوئی اسے ''تحفہ'' سمجھتا ہے۔ کوئی اسے ''حق الزحمت'' کے نام سے موسوم کرتا ہے اور کوئی اسے ''آنکھ کا نور'' کے نام سے پکارتا ہے۔

اشعث بن قیس نامی ایک شخص کچھ حلوہ لے کر حضرت علی علیہ السلام کے در دولت پر حاضر ہوا اور حضرتؑ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کیا کہ شاید اس طرح سے آنجنابؑ اس کے حق میں فیصلہ کر دیں۔ یہ دیکھ کر انہوں نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر مجھے ساتوں خطہ ہائے زمین اس بات پر بخش دیئے جائیں کہ ان کے بدلے میں ناحق طور پر چیونٹی کے منہ سے جو کا چھلکا چھین لوں تو میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ (نہج البلاغہ، ض ۲۲۴)

ایک شخص نے حضرت رسول اکرمؐ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ میں کسی کام کا منصب دار ہوں اور لوگ میرے لیے تحفے لے آتے ہیں، آپؐ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا: یہ کیسی حالت ہوگئی ہے کہ ہمارے کارگزار ہدیوں اور تحفوں کی باتیں کرنے لگے ہیں، اگر وہ اپنے گھروں میں بیٹھے ہوتے تو کیا لوگ ان کے پاس ہدیے لے آتے؟ (نہج الفصاحہ، ح ۵۳۹)

پیغام:

۱۔ مال کی مالکیت صحیح طور پر ہونی چاہیے، جیسے کسی بنجر اور غیر آباد زمین کو آباد کرنا یا کسی چیز کو اپنے قبضہ میں رکھنا، تجارت، زراعت، صنعت اور وراثت، ہدیہ وغیرہ۔ لیکن باطل اور ناحق طریقوں سے کسی چیز میں تصرف کرنا اور رشوت لینا مالکیت کا موجب نہیں بنتا۔ ''لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ''

۲۔ معاشرہ ایک جسد کا حکم رکھتا ہے۔ ''اَمۡوَالَكُمۡ بَيۡنَكُمۡ''

۳۔ رشوت حرام ہے۔ کسی انسان کو حق نہیں ہے کہ کسی شخص کے مال پر قبضہ کرنے کیلئے کسی دوسرے کو رشوت دے۔ ''تُدۡلُوۡا بِهَاۤ اِلَى الۡحُكَّامِ لِتَاۡكُلُوۡا فَرِيۡقًا مِّنۡ اَمۡوَالِ النَّاسِ''

۴۔ اسلام، لوگوں کو ان کے مال کا مالک جانتا ہے۔ ''اَمۡوَالِ النَّاسِ''

۵۔ جانتے بوجھتے ہوئے غلطیاں کرنا خطرناک ہے۔ ''اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ۝۱۸۸''

آیت نمبر ۱۸۹

يَسۡــَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَهِلَّةِ ؕ قُلۡ هِىَ مَوَاقِيۡتُ لِلنَّاسِ وَالۡحَجِّ ؕ وَلَيۡسَ الۡبِرُّ بِاَنۡ تَاۡتُوا الۡبُيُوۡتَ مِنۡ ظُهُوۡرِهَا وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنِ

اتَّقٰى ۚ وَاۡتُوا الۡبُيُوۡتَ مِنۡ اَبۡوَابِهَا ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۸۹﴾

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبرؐ) یہ لوگ آپؐ سے چاند نکلنے (کی حکمت) کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپؐ کہہ دیں کہ یہ اس لیے ہے تاکہ لوگ اپنے کام اور حج کے زمانے کو پہچانیں۔ نیکی یہ نہیں ہے کہ تم گھر کے پچھواڑے سے اندر جاؤ (جیسا کہ احرام باندھتے وقت زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا عقیدہ تھا) بلکہ نیکی یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرو اور گھروں میں ان کے دروازوں کے راستے جاؤ اور خدا سے ڈرو شاید کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

نکات:

☆ ''مواقیت'' جمع ہے ''میقات'' کی، جس کا معنی کوئی خاص وقت یا کوئی معین جگہ ہے جو کسی کام کے انجام کیلئے مخصوص کی گئی ہے۔

☆ اس آیت میں پیغمبر اکرمؐ سے چاند سے متعلق لوگوں کے سوال اور اس کے جواب کے ضمن میں چند امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ آیئے مل کر اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں:

اے پیغمبرؐ! یہ لوگ کہ جو چاند کے مختلف جلوؤں کے بارے میں آپؐ سے سوال کرتے ہیں تو ان سے کہہ دیں کہ چاند میں جو مختلف تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ یہ لوگوں کے لیے وقت کی پہچان کا ایک ذریعہ ہے، قدرتی اور عمومی تقویم (کیلنڈر) ہے۔

اسلام کی دیگر خصوصیات کے علاوہ ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے تمام حکم نامے قدرتی اور عمومی ومفت اندازے کے مطابق پیش کرتا ہے۔ مثلاً ایک ''کر'' پانی کی مقدار کو متعین کرنے کے لیے ''بالشت'' کو پیمانہ قرار دیا ہے یا نماز کے اوقات کے لیے سورج کے طلوع وغروب اور زوال کو معیار بتایا ہے۔ چاند کی مختلف صورتیں بھی انسان کے لیے ایک قسم کی تقویم اور شناخت اوقات کے حکم میں ہیں اور وہ ہر ایک کی دسترس میں ہیں۔

تقویم وتاریخ کی ضرورت انسان کی اجتماعی زندگی کے لیے ایک ضروری امر ہے اور اس کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ تمام افراد چاہے خواندہ ہوں یا ناخواندہ دنیا کے کسی بھی خطے میں ہوں ایک نظر سے اور تھوڑے سے غور وفکر کے ساتھ یہاں تک بتا سکتے ہیں کہ آج چاند کی کیا تاریخ ہے۔ نیز چاند نظر آتے ہی آپ لوگ حج پر جانے کی تاریخ بھی متعین کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد آیت میں ارشاف ہوتا ہے: نیکی اس بات میں نہیں ہے کہ تم گھروں میں داخل ہونے کے لیے دروازوں کے بجائے بے راہ ہو کر ان کے پچھواڑوں سے اندر جاؤ۔ ہاں! یہ تو ایک بے اصل عقیدہ ہے کہ احرام کی حالت میں گھر کے اندر جانے کے لیے گھر کے پچھلے حصے سے اندر جانا چاہیے۔

☆ ہر چیز کا اپنا ایک راستہ ہوتا ہے اور طبیعی راستے سے ہی اس میں داخل ہونا چاہیے۔ نیز ہر کام کے انجام دینے کے لیے مناسب وقت مناسب طریقہ اور مناسب راہبر و پیشوا کا ہونا ضروری ہے۔ جس طرح وقت خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے اور ماہ ہلال کے ذریعہ اس کی تعیین کی گئی ہے اسی طرح ہر کام کا طریقہ اور راہبر و پیشوا بھی خدا ہی کی طرف سے مقرر و متعین ہونا چاہیے۔ اس بنا پر آیت کا معنی یہ ہوگا کہ وقت شناسی کے لیے چاند سے استفادہ کرو، کام کی بجا آوری کے لیے خدا کی طرف سے نازل کردہ آسمانی احکام پر عمل کرو اور اس کا طریقہ سیکھنے کے لیے خدائی راہبروں کی طرف رجوع کرو اور غلط روی کا شکار نہ ہو جاؤ۔

سعادت اور نیک بختی کے اپنے راستے ہوتے ہیں جن کے ذریعے وہاں تک پہنچا جا سکتا ہے اور وقت، طریقہ اور راہبر کے انتخاب میں خوف خدا کو پیش نظر رکھو تا کہ شاید فلاح اور نجات پا جاؤ۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اس آیت ''وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا'' سے مراد یہ ہے کہ ہر کام کیلئے اس کے صحیح راستے سے وارد ہوا کریں۔ (تفسیر برہان، ج۱، ص ۱۹۰)

ائمہ معصومین علیہم السلام فرماتے ہیں: ہم آل محمد، باب خداوند ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ (تفسیر مجمع البیان، ج ۲، ص ۵۰۹)

☆ اس آیت میں جملہ ''وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا'' دو ''تقویٰ'' کے درمیان واقعہ ہوا ہے۔ شاید یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی کام کا طریقہ کار اپنانے اور امور میں داخل و خارج ہونے کیلئے بہت زیادہ تقویٰ کی ضرورت ہے، جن افراد کے تقویٰ کی مقدار کم ہو تو وہ بھی گمراہی اور بے راہ روی کا شکار ہو سکتے ہیں۔

☆ شاید اس آیت کا ایک معنی یہ ہو کہ لوگ جب آپؐ سے چاند کے بارے میں سوال پوچھیں تو ان کی سمجھ بوجھ کے مطابق جواب دیں کہ یہ چاند، دینی کاموں کے نظم اور اوقات کو معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ لیکن اگر اس میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کی نوعیت کے بارے میں جاننا چاہتے ہو تو ایک خاص طریقہ سے داخل ہونا ہوگا، اس کے لیے مطالعہ کریں اور سبق پڑھیں۔

اس مطلب کو قرآن پاک نے یوں بیان کیا کہ برّ و نیکی یہ نہیں ہے کہ غیر معروف راہوں سے وارد ہو بلکہ ہر کام کیلئے ایک خاص طریقہ کار رہتا ہے، اس کا اپنا ایک راستہ ہوتا ہے۔ فضا میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں جاننے کیلئے اس کا اپنا خاص علم حاصل کرنا ہوگا۔

پیغام:

۱۔افلاک اور چاند کی حرکت خاص منصوبہ بندی کے تحت ہے اور دقیق زمان بندی رکھتی ہیں جو عبادت اور انسانی زندگی کے امور کو منظم کرنے کے لیے موثر ہوسکتی ہے۔ ''قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ''

(امام صادق علیہ السلام اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: جب چاند کو دیکھو تو ماہ رمضان کے روزے رکھو، اور آخر میں جب ماہ شوال کا چاند دیکھو تو عید فطر مناؤ۔ تفسیر نور الثقلین، ج۱ ص۱۷۶)

۲۔اگر جمادات اور آسمانی کرات سے نظم وضبط ہے اور انہیں انسانی امور کے منظم کرنے کے لیے ایک منظم راستے پر لگا دیا گیا ہے تو پھر یہ انصاف نہیں ہوگا کہ ہم (انسان) بے حساب اور بغیر کسی نظم وضبط کے کھلے چھوڑ دیئے جائیں۔ ''قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ''

۳۔سوالات کا جواب دیتے ہوئے ایسا جواب دو کہ سوال کرنے والا سمجھ جائے اور وہ اس کی ضرورت کے مطابق ہو۔'' قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ''

۴۔اسلام، جاہلیت کے رسم ورواج اور انحرافی خرافات کا مقابلہ کرتا ہے۔ ''لَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا''

۵۔برّ اور نیکی کا سبق اپنے آباواجداد کی عادت اور سیرت سے حاصل کرنے کی بجائے فرمان وحی اور معصوم پیشواؤں (علیہم السلام) سے حاصل کرنا چاہیے اور یہی عقلی اور منطقی طریقہ کار ہے۔ ''لَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ''

۶۔جب کوئی راہ بند کرو تو اس کے مقابلے میں صحیح راستے کو دیکھاؤ۔ ''لَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ''

۷۔مفاہیم دینی کی اہمیت اس وقت ہے جب یہ مفاہیم افراد کے کردار میں نظر آئیں۔اس کی بجائے کہ کہے: تقویٰ نیکی ہے بلکہ فرمایا گیا کہ متقی ہونا نیکی ہے۔ ''وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ''

۸۔بے راہروی تقویٰ نہیں ہے، اگر ہم خدا کے مقرر کردہ پیشواؤں اور عقلائے جہان کی سیرت سے انحراف کرکے اس کا نام تقویٰ اور خودسازی رکھ لیں تو یہ سراسر گمراہی ہوگی۔ ''أْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ''

۹۔امور کی انجام دہی کیلئے نادرست اور غیر منطقی طریقہ کار کو اپنانا، تقویٰ کے خلاف ہے۔ ''وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ''

۱۰۔تمام کاموں میں اور عبادت میں وقت کی حفاظت کرنا اور نظم کا خیال رکھنا، تقویٰ اور فلاح کے مصادیق میں سے

ایک ہے۔ ''مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ . . . لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝۱۸۹''

۱۱۔ کامیابی، تکامل کی آخری منزل ہے۔ بہت سے احکام تقویٰ تک پہنچنے کیلئے ہیں لیکن اس آیت میں تقویٰ کامیابی کا مقدمہ ہے۔ ''اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝۱۸۹''

آیت نمبر ۱۹۰

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۝۱۹۰

ترجمۃ الآیات

اور خدا کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں لیکن حد سے تجاوز نہ کرو کیونکہ خداوند تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

نکات:

☆ اس آیت میں جہاں یہ تصریح کی گئی ہے کہ دشمن کی طرف سے حملے کی صورت میں دفاع اور اس کے تجاوز کا مقابلہ ضروری ہے وہاں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ میدان جنگ میں خدا کی مقرر کردہ حدود اور قیود سے تجاوز نہ کرو۔ نیز عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور بیماروں پر ہاتھ نہ اٹھاؤ جو تم سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ اسلام کی دعوت دینے سے پہلے اسلحہ نہ اٹھاؤ، جنگ کا آغاز نہ کرو اور میدان جنگ میں بھی انسانی ہمدردی کے اصولوں کو پیش نظر رکھو۔

☆ کچھ صفات ایسی ہیں جو بعض حالات میں اپنی اہمیت کھو دیتی ہیں مثلاً رحم کرنا ایک قدر ہے لیکن تیز دانتوں والے شیر پر رحم کرنا بچاری بکریوں پر ظلم کرنا ہے۔

اسی طرح علم ایک قدر ہے لیکن کبھی نہ جاننا اہم ہو جاتا ہے۔ مثلاً جس رات حضرت علیؑ، پیغمبرؐ کے بستر پر ان کی جگہ سوئے اور پیغمبر خداؐ نے ہجرت فرمائی۔ اس فداکاری کی قدر و قیمت اس صورت میں ہے کہ جناب علیؑ کو معلوم نہ ہو کہ اس بستر پر سونے کے بعد وہ مارے جائیں گے یا زندہ رہیں گے۔ اگر وہ جانتے ہوں کہ مارے نہیں جائیں گے تو اس کام کیلئے عوام الناس میں سے ہر کوئی حاضر ہو جائے گا۔

بہرحال کسی کی سخاوت یا شجاعت بعض حالات میں کم اہمیت یا بہت زیادہ قابل قدر ہو جاتی ہے یا بالکل بھی قدر و قیمت

دیتی ہے صرف عدل و انصاف ہے جس کی کبھی بھی اہمیت کم نہیں ہوتی، ہر زمانے میں، ہر جگہ پر، ہر فرد کی نسبت اور دوست و دشمن سب کیلئے یہ مسئلہ اہمیت رکھتا ہے۔

☆ دشمن کے ساتھ مقابلہ دو مرحلے میں ہے:

١۔ بے توجہی اور نظر انداز کرنا۔ ''دَعۡ اَذٰىهُمۡ ''(احزاب۔ ٤٨)، ''فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ ''(نساء۔ ٦٣)

٢۔ سخت رویہ اور جنگ۔ ''وَاغۡلُظۡ عَلَيۡهِمۡ ؕ ''(توبہ۔ ٧٣)، ''قَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ '' (بقرہ۔ ١٩٠)

☆ مسلمانوں کی جنگ، اپنے اور دین خداوند کے دفاع میں ہوتی ہے۔ دشمن کا جنگ سے مقصد نور خدا کو بجھانا ہوتا ہے۔ ''لِيُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ ''(صف۔ ٨) اس کے علاوہ مسلمانوں کو تسلیم کرنا مقصد ہوتا ہے۔ ''وَلَنۡ تَرۡضٰى عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ ؕ ''(بقرہ۔ ١٢٠)

پیغام:

١۔ دفاع اور مساوی مقابلہ ضروری اور انسانی حق ہے اگر کوئی شخص ہم سے جنگ کرے گا تو ہم بھی اس سے جنگ کریں گے۔ ''قَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ ''

٢۔ اسلام میں جنگ کا یہ تصور نہیں ہے کہ کسی کے آب و خاک پر قبضہ کیا جائے اور اسے اپنے زیر اثر لایا جائے یا کسی سے انتقام لیا جائے۔ بلکہ اس کا مقصد یا تو اپنے حق کا دفاع ہے یا برے عناصر کی بیخ کنی ہے یا انسانی افکار کی آزادی یعنی انسان کو بے بنیاد اور خیالی عقائد سے نجات دلانا ہے۔ ''فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ''

٣۔ میدان جنگ میں بھی حق اور انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہیے۔ ''قَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ ''

قرآن مجید نے بارہا ''وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ '' کے جملے کے ذریعے اس بات کی تاکید کی ہے کہ ہر حکم کی تعمیل میں حدود و قیود کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

٤۔ ظلم وستم اور دین خدا کے مقابلے میں ڈٹ جانے سے الٰہی محبت کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَ‏ ﴿۱۹۰﴾ ''

٥۔ صرف میدان جہاد پر پہنچنا ہی قرب الٰہی کا باعث نہیں ہے بلکہ خدا کے ہاں محبوبیت اس وقت ہے جب جنگ میں عادل رہیں اور دوسروں کے حقوق کا خیال رکھیں۔ ''وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَ‏ ﴿۱۹۰﴾ ''

٦۔ جنگ میں مقصد اور ہدف صرف خدا ہونا چاہیے۔ ہوس، تعصب، غنیمت، ریا کاری اور اپنا نفس نہیں ہونا چاہیے۔''

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ‘‘

۷۔اپنے طبیعی اور مادی حق کا دفاع کرتے ہوئے بھی، خدا تعالیٰ کا خوف نگاہ میں ہونا چاہیے۔اس کے باوجود کہ دشمن نے آپ کے خلاف جنگ کا آغاز کیا ہو اور اس پر دفاع کر رہے ہوں لیکن پھر بھی ’’فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ‘‘ ہونا چاہیے۔

آیت نمبر ۱۹۱

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان (بت پرستوں) کو (جو کسی بھی جرم کے ارتکاب سے نہیں چوکتے) جہاں بھی پاؤ قتل کر دو اور جس جگہ (مکہ) سے انہوں نے تم لوگوں کو نکال دیا تھا تم بھی انہیں وہاں سے نکال دو اور فتنہ تو قتل سے بھی بدتر ہے۔تم ان سے مسجد الحرام کے نزدیک جنگ نہ کرو جب تک کہ وہ تمہارے ساتھ جنگ کریں گے تو تم بھی انہیں قتل کرو کہ کافروں کی سزا ایسی ہی ہوا کرتی ہے۔

نکات:

☆ یہ آیت مشرکین کو قتل کرنے اور مکہ سے نکال دینے کا حکم دے رہی ہے۔اس بات کی دلیل یوں بیان کر رہی ہے کہ انہوں نے کئی سال تک تمہیں پریشان کیا، تکالیف دیں اور بے خانماں کر دیا تھا۔اذیت کرنا قتل کرنے سے سخت اور شدید ہے۔ پس آپ ان کے ساتھ مقابلہ کرنے میں اور جنگ میں سستی نہ کرو۔

سوال: اذیت کیوں قتل سے بدتر ہے؟

جواب: قتل کے بعد انسان دنیا سے الگ ہو کر آخرت میں پہنچ جاتا ہے لیکن اذیت میں انسان نہ آخرت کی طرف جاتا ہے اور نہ ہی دنیا میں آرام پاتا ہے۔

پیغام:

۱۔ بعض صورتوں میں دشمن کے ساتھ مساوی مقابلے، ٹھوس فیصلے اور سختی کا ارتکاب حتمی ہوجاتا ہے۔ ''وَاقْتُلُوْهُمْ''

۲۔ عادلانہ دفاع، صرف مورچے میں یا جنگ میں ہی نہیں ہونا چاہیے۔ ''وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ''

۳۔ انسانی حقوق میں سے وطن کا حق تمام ادیان کے نزدیک قابل قبول ہے۔ ''اَخْرَجُوْكُمْ''

۴۔ فتنہ برپا کرنے والا، محارب کی طرح ہے اس لیے سخت سے سخت سزا کا مستحق ہے۔ ''وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ''

۵۔ اگرچہ حرم اور مسجد الحرام مقدس مقامات ہیں لیکن مسلمانوں کا خون ان سے بھی زیادہ تقدس کا حامل ہے اور مقدس جگہ پر بھی ''الاھم فالاھم'' کے مسئلہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ''لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ''

۶۔ جس طرح مسلمانوں کو جنگ کا آغاز کرنے سے روکا گیا ہے اسی طرح مقدس مقامات کی حرمت کو توڑنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ ''حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ''

آیت نمبر ۱۹۲

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر وہ (اس کام سے) باز آجائیں تو خدا بھی بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

نکات:

☆ مشرکین کس چیز سے ہاتھ کھینچ لیں تاکہ وہ بخش دیے جائیں، اس میں دو احتمال پائے جاتے ہیں:

الف: جنگ اور فتنہ پردازی سے ہاتھ کھینچ لیں، کیونکہ گذشتہ آیات میں جنگ کے بارے میں ذکر آیا ہے۔

ب: کفر سے ہاتھ کھینچ لیں تاکہ مغفرت الٰہی ان کے شامل حال ہوجائے اس لئے کہ یہ مغفرت مومنین کیلئے مخصوص ہے۔

پیغام:

۱۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ دشمن کی طرف سے جنگ بندی کی سچی پیش کش کو قبول کریں۔ ''فَاِنِ انْتَهَوْا''

۲۔ اسلام، واپسی کے راستے کو کھلا رکھتا ہے، حتی دشمنوں کیلئے بھی کھلا رکھتا ہے۔ ''فَاِنِ انْتَهَوْا ۔۔۔''

۳۔ اگر کفار جنگ اور فتنہ سے ہاتھ کھینچ لیں اور ایمان لے آئیں تو ان کے پہلے کاموں پر ملامت نہ کریں۔ ''فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٩٢﴾''

۴۔ انسان کو چاہیے کہ رحمت الٰہی کو دریافت کرنے کیلئے خود ہی اس کی راہیں ہموار کرے۔ ''فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٩٢﴾''

آیت نمبر ۱۹۳

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩٣﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ (بت پرستی اور عوام کی آزادی کو سلب کرنے کا) فتنہ باقی نہ رہے اور دین فقط خدا ہی کا دین رہ جائے۔ پس اگر وہ (اپنی غلط روش سے) باز آجائیں تو (ان کو کچھ نہ کہو کیونکہ) ظالموں کے علاوہ کسی اور کے ساتھ زیادتی جائز نہیں۔

نکات:

☆ جنگ سے اسلام کا مقصد نہ تو مال غنیمت ہے اور نہ ہی کشور کشائی ہے، نہ انتقام اور نہ ہی رقابت ہے بلکہ اس کا مقصد کفر اور شرک کی بساط کو لپیٹنا ہے۔ ''فِتْنَةٌ'' کا معنی شرک، کفر، آزمائش اور ایذا رسانی ہے۔ اس آیت میں فرمارہا ہے کہ اگر مشرکین فتنہ اور جنگ سے دست بردار ہو جائیں تو بات ختم ہے۔ نہ دشمنی رہے گی اور نہ جنگ ہوگی کیونکہ فوجی کاروائی تو صرف ظالموں اور تجاوز کرنے والوں کے خلاف ہوتی ہے۔

☆ ''عُدْوَانَ'' یعنی زیادتی اور سرکشی جیسے لفظ کا استعمال خود مشرکین کے اپنے رویے کی وجہ سے ہے ورنہ اسلام تو زیادتی اور سرکشی نہیں کرتا۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ برائی کا جواب برائی ہی ہے۔ حالانکہ برائی کے بدلے میں ہمارا جواب عدل کے مطابق ہوتا ہے۔ لیکن فریق ثانی کے کردار کے مقابل ہم اسے برائی کا نام دے رہے ہوتے ہیں۔

پیغام:

۱۔ اسلام میں جنگ کا مقصد شرک اور فتنہ کی بیخ کنی اور خدا کے دین وقوانین کی حکمرانی ہے۔ ''حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ''

۲۔ ملبے کا صفایا، تعمیر سے پہلے ہے۔ پہلے فتنے کا قلع قمع کیا جائے پھر دین خداوندی کو مستحکم کیا جائے۔ بالفاظ دیگر پہلے طاغوت سے کفر اور پھر خدا پر ایمان ضروری ہے۔ ''حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ لِلّٰهِ ؕ''

۳۔ واپسی کا راستہ اور توبہ کا دروازہ کسی پر، کسی بھی صورت میں، بند نہیں ہے۔ حتی سخت ترین دشمن بھی اگر اپنا راستہ بدل کر صحیح راہ اختیار کر لے تو خداوند انہیں معاف فرمادے گا۔ ''فَاِنِ انۡتَهَوۡا ۔۔۔ فَلَا عُدۡوَانَ ۔۔۔''

۴۔ اس سے پہلی آیت میں خداوند کے لطف وکرم اور بخشش کو کفار کے گناہوں کی نسبت بیان کیا گیا ہے۔ ''فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۹۲﴾'' پھر اس آیت میں لوگوں سے سفارش کی گئی ہے کہ جب دشمن جنگ سے دست بردار ہو جائے تو تم بھی جنگ سے ہاتھ اٹھالو ''فَلَا عُدۡوَانَ''

آیت نمبر ۱۹۴

اَلشَّهۡرُ الۡحَـرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَـرَامِ وَالۡحُـرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۹۴﴾

ترجمۃ الآیات

حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے مقابلے میں ہے (اگر دشمنوں نے اس کے احترام کو ملحوظ خاطر نہ رکھا اور اس میں تمہارے ساتھ جنگ شروع کر دی تو تمہیں بھی حق حاصل ہے کہ اسی طرح مقابلہ کرو) اور تمام حرمتیں قصاص (کے قابل) ہیں۔ جو شخص تمہارے ساتھ زیادتی کرے اسی طرح تم بھی اس کے ساتھ زیادتی کرو اور خدا سے ڈرو (حد سے نہ بڑھ جاؤ) اور آگاہ رہو کہ خدا پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

نکات:

☆ اسلام سے پہلے عربوں کے درمیان سال کے چار مہینے خاص احترام کے حامل تھے۔ ان مہینوں میں جنگ حرام اور ممنوع تھی۔ ان میں سے تین مہینے یکے بعد دیگرے یعنی ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم ہیں جبکہ چوتھا مہینہ ماہ رجب الگ ہے۔ حتی ماہ ذی القعدہ کے نام رکھنے کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس ماہ میں جنگ سے ''قعود'' یعنی ٹھہر جانا ضروری ہے۔

اسلام نے اس رسم کو قبول کرتے ہوئے ہر سال چار مہینوں میں جنگ بندی کا اعلان کیا۔ لیکن دشمن ہر وقت اس گھات میں لگا رہتا تھا کہ کوئی مناسب موقع ملے تو اس سے ناجائز فائدہ اٹھائے۔ لہٰذا وہ کبھی کبھی سوچتا کہ چونکہ مسلمان ان مہینوں میں جنگ بندی کی رعایت کے حکم کے پابند ہیں تو کیوں نہ ان پر حملہ کر دیا جائے۔

خداوند عالم اس آیت میں فرماتا ہے: ''اگر تمہارے مخالفین ان چار مہینوں میں تم پر حملہ کریں تو تم بھی ان کے مقابلے کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور انہی مہینوں میں ان کے ساتھ جنگ کرو۔ حرمت والے مہینے کو حرمت والے مہینے کے برابر قرار دو کیونکہ مسلمان کے خون اور اسلامی نظام کی حفاظت کی حرمت ان مہینوں کی حرمت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ جو شخص حرمت کو توڑے گا اس سے قصاص لیا جائے گا۔

اس کے بعد ایک عمومی قانون کے طور پر فرماتا ہے: ''جو شخص تمہارے ساتھ زیادتی کرے اسی طرح تم بھی اس کے ساتھ زیادتی کرو۔ اسلام تجاوز اور زیادتی کا دین نہیں ہے لیکن دوسروں کے تجاوز اور زیادتی کو قبول بھی نہیں کرتا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ تقویٰ اختیار کیے رہو اور حد سے زیادہ قصاص نہ لو اور یہ جانے رہو کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔

☆ صاحب مجمع البیان اس آیت کے ذیل میں کہتے ہیں کہ غصب کے مسئلہ کے سلسلے میں اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے قصاص لیا جا سکتا ہے یعنی غاصب کے مال میں سے تقاص (اتنا ہی مال) لیا جا سکتا ہے۔

پیغام:

۱۔ تمام اوقات ایک جیسے نہیں ہیں۔ بعض مہینوں کی حرمت اور ممنوعیت کو باقی رہنا چاہیے۔ ''اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ''

۲۔ اسلام کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی جان کی حفاظت، زمان و مکان کے احترام اور ان کی حفاظت پر مقدم ہے۔ ''فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ''

۳۔ اسلام، تجاوز اور زیادتی کا دین نہیں ہے لیکن دوسروں کے تجاوز اور زیادتی کو بھی قبول نہیں کرتا۔ ''فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ''

۴۔ حتی دشمنوں کے ساتھ مقابلہ میں بھی عادل رہیں۔ ''فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ''

۵۔ قانون کے اجرا کا طریقہ کار ایسا ہونا چاہیے جس سے مسلمان مایوس نہ ہو جائیں اور کفار کو جرات حاصل نہ ہونے

پائے۔ مقابلہ بمثل کا اصول بھی اسی لیے ہے۔ ''فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى''

۶۔تقویٰ پر عمل پیرا ہونا حتیٰ کہ میدان جنگ میں بھی اسے ملحوظ خاطر رکھنا اسلام کے تربیتی اصولوں میں سے ایک ہے۔ ''اتَّقُوا اللّٰهَ''

۷۔اگر جنگ کے دوران بھی عدل وانصاف سے باہر نہ نکلو تو الٰہی غیبی امداد سے بہرہ ور ہوگے۔ یہ خیال نہ کرنا کہ تمہارا تقویٰ اور عدل وانصاف تمہیں جنگ میں کامیابی سے دور کردے گا۔ ''بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴿۱۹۴﴾''

آیت نمبر ۱۹۵

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَاَحْسِنُوْا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۱۹۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور خدا کی راہ میں خرچ کرو (اور خرچ کرنے کو ترک کرکے) اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں مت ڈالو اور نیکی کرو کہ خداوند عالم نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔

نکات:

☆ پانچ آیات میں مسلسل مسلمانوں کو دین کا دفاع اور کفار کا مقابلہ کرنے کیلئے پکارا جا رہا ہے۔اس آیت میں اس سلسلے کو انفاق اور احسان پر ختم کیا جارہا ہے۔

☆ اس آیت سے استفادہ ہوتا ہے کہ خودکشی اور اپنے آپ کو نقصان پہنچانا قطعی طور پر حرام ہے۔لیکن جب اسلام کی بنیاد خطرے میں ہو اس وقت شہادت طلب کرنا، ہلاکت میں گرنا نہیں ہے۔

☆ یہ آیت انفاق کی تاکید کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو ہر طرح کی افراط وتفریط سے بچنے کی بھی نصیحت کررہی ہے۔اس لئے کہ اگر دولتمند افراد کنجوسی کریں اور محروموں کی فکر میں نہ رہیں تو معاشرے میں طبقاتی اختلاف وسیع ہوتا جائے گا جو معاشرے کی تباہی کا باعث بنے گا اور انہیں بھی لے ڈوبے گا۔

دوسری طرف اگر انفاق کرنے میں میانہ روی سے کام نہ لیا جائے اور جو کچھ انسان کے پاس ہے وہ دوسرے کو بخش

دے تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے خود کو اور اپنے گھر والوں کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔

قرآن پاک نے بعض دوسری آیات میں بھی مسلمانوں کو خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرنے کی نصیحت کی ہے۔ پیغمبر سے فرمایا: ''وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ '' (اسراء۔۲۹) اے پیغمبر! اپنے ہاتھوں کو یوں بند نہ کرلو کہ کچھ بھی بخشش نہ کرو اور نہ یوں کھول دو کہ ہر چیز ایک ہی جگہ دے ڈالو۔

امام صادق علیہ السلام بھی اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں: '' آپ کا انفاق کرنا اس حد تک نہ ہو کہ اپنے ہاتھ خالی کرلو اور بدبختی کا شکار ہو جاؤ۔ (بحار، ج ۹۳، ص ۱۶۸)

☆ انسان چاہتا ہے کہ وہ محبوب ہو، اس لیے قرآن مجید نے اس فطرت سے فائدہ اٹھایا ہے اور فرمایا: نیکی کرو کیونکہ نیکی کرنے والے خدا کے محبوب ہیں۔

پیغام:

۱۔ اقتصاد و معاشیات ہر تحریک کیلئے ایک حتمی پشت پناہ ہے۔ ''اَنْفِقُوْا ۔۔۔'' جہاد بھی سرمایہ خرچ کیے بغیر اور دنیاوی فائدوں کو قربان کیے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اگر دشمن کے حملے کے موقع پر اور حق کے دفاع کرنے کے راستے میں لوگ اپنا مال خرچ نہ کریں تو یقینی شکست سے دوچار ہوں گے۔

۲۔ انفاق کرنے سے اپنے آپ کو اور اپنے مال کو ہمیشہ کیلئے محفوظ کرلو۔ ''اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ''

۳۔ اسلام میں جنگ، مورچہ بندی اور مالی امداد بھی صرف خدا کیلئے اور الٰہی رنگ سے رنگین ہونی چاہیے۔ ''فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ''

۴۔ محبوب خدا ہونا، اس بات کی ترغیب ہے کہ انسان احسان کرے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾''

آیت نمبر ۱۹۶

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ

صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۣ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾

ترجمۃ الآیات

حج اور عمرہ کو خدا ہی (کی خوشنودی) کے لیے پوری طرح انجام دو اور اگر (کسی وجہ سے) محصور ہو جاؤ (مثلاً دشمن کے خوف یا بیماری نے ایسا نہیں کرنے دیا کہ احرام باندھنے کے بعد مکہ میں داخل ہو) تو جو قربانی میسر ہو سکے (اسے ذبح کرو اور احرام کھول دو) اور اپنے سروں کو اس وقت تک نہ منڈواؤ جب تک قربانی اپنی جگہ تک نہ پہنچ جائے (قربان گاہ میں ذبح نہ ہو جائے) اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو جائے (اور وہ سر منڈوانے سے مجبور ہو جائے) تو اسے چاہیے کہ فدیہ کے طور پر اس کا کفارہ روزے یا صدقے یا قربانی کی صورت میں دے۔ پھر جب (بیماری یا دشمن سے) مطمئن ہو جاؤ تو جو لوگ عمرہ کے ختم ہوتے ہی حج کا آغاز کرتے ہیں تو وہ جو قربانی میسر ہے (ذبح کرو) اور جن کے پاس قربانی نہیں ہے وہ تین روزے ایام حج میں اور سات روزے اس وقت رکھیں جب وطن واپس جائیں۔ البتہ یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جن کے اہل خانہ مسجد الحرام کے نزدیک نہ ہوں (وہ مکہ اور اطراف مکہ کے رہنے والے نہ ہوں) اور خدا سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

نکات:

☆ اس آیت میں حج وعمرہ کے احکام کی کلیات اور بعض پہلو بیان ہوئے ہیں۔ اس کی تفصیلات روایات اور علما کے فتاویٰ میں موجود ہیں۔

☆ ''حج''، وہ مشہور عمل ہے جس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی ہے۔ عربوں میں یہ عمل حضرت ابراہیمؑ ہی کے زمانے سے چلا آرہا ہے۔ حکم خداوندی سے اسلام نے بھی اسے بحال رکھا اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہنے والا ہے۔

''عمرہ'' کے معنی ہیں زیارت، یعنی جو کوئی بھی مکہ میں داخل ہو، احرام کا لباس پہنے اور خانہ کعبہ کی زیارت اور اس کے طواف کیلئے جائے۔ عمرہ اصل میں حج کے مشابہ اعمال کی بجا آوری ہے لیکن حج سے قدرے مختلف ہے جیسے اذان اور اقامت ایک دوسرے کے مشابہ ہیں لیکن آپس میں قدرے مختلف بھی ہیں۔

''هَدْيِ'' حج کی قربانی کا نام ہے۔

☆ اس آیت میں حج تمتع کے ساتھ عمرہ تمتع کا ذکر کیا گیا ہے۔ ''فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ'' لیکن خلفا میں سے ایک نے اپنے اجتہاد کے ساتھ اسے ممنوع قرار دیا تھا۔ جبکہ یہ اجتہاد، خداوند کے واضح فرمان کے مقابلہ میں ہے۔

☆ اضطراری مسائل کا حکم، وقتی ضرورت تک ہی محدود ہوتا ہے۔ عام طور پر سفر میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہوتا لیکن اس سفر میں قربانی کو ذبح نہ کرنے کی صورت میں واجب ہو جاتا ہے کہ سفر میں بھی روزے رکھیں اور وہ بھی ماہ ذی الحجہ کی ساتویں، آٹھویں اور نویں تاریخ کو ہی رکھے جائیں۔ کیونکہ دسویں کو (عید قربان کے دن) روزہ رکھنا حرام ہوتا ہے۔

☆ ائمہ معصومینؑ نے اس جملے ''اَتِمُّوا الْحَجَّ'' کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حج تمام، وہ حج ہے جس میں کوئی بری بات نہ کی جائے، گناہ اور جھگڑا نہ کیا جائے اور محرمات سے پرہیز کیا جائے۔ (تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۱۸۱؛ تفسیر برہان، ج ۱، ص ۱۹۳)

نیز انسان یہ توفیق حاصل کرے کہ اپنے زمانے کے امام معصومؑ سے ملاقات کر سکے۔ (تفسیر نور الثقلین، ج ۳، ص ۱۸۳)

پیغام:

۱۔ دینی فرائض کو پوری توجہ کے ساتھ اور مکمل طور پر بجالایا جائے، اعمال حج کو شروع کرنے کے بعد اسے ناقص یا نامکمل نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ''اَتِمُّوا''

۲۔ حج کے تمام اعمال میں قصد قربت اور عبادت کی نیت کرنا ضروری ہے۔ سیر و تفریح اور سیاحت کے عنوان سے حج نہیں کیا جا سکتا۔ ''وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ''

۳۔ اسلام کے احکام لوگوں کیلئے مشکلات پیدا نہیں کرنا چاہتے۔ اسی لیے جو شخص بیمار ہو جائے یا دشمن وغیرہ کا خوف ہو جائے تو اس پر حج کے اعمال کو پورا کرنا واجب نہیں ہے۔ ''فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ''

۴۔ عبادات میں جگہ کی اہمیت اور اس کا حصہ ہے۔ ''يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ''

۵۔ بیماری بعض جگہوں پر حکم میں تخفیف کا باعث ہوتی ہے، حکم کے معطل ہونے یا اس کے بالکل ختم ہو جانے کا باعث نہیں ہوتی۔ لہٰذا حج میں معذور اور مجبور شخص، روزہ کے ذریعہ یا صدقہ کے ساتھ یا قربانی دے کر اپنے فرائض کے حساب کو برابر

کرسکتا ہے۔ ”فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ“

۶۔ حج میں قربانی کا واجب ہونا، اس کی استطاعت ہونے کی صورت میں ہے۔ ”فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۔۔۔“

۷۔ حج وعمرہ کے احکام وقوانین ایسے حاجیوں پر فرض ہیں جو مکہ کے رہائشی نہیں ہیں۔ مکہ کے رہائشیوں کیلئے حج ایک اور طرح سے ہے۔ ”اَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ ۔۔۔ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ“

۸۔ خدا کی طرف سے ملنے والی جزا وسزا پر توجہ رہنا، حصول تقویٰ کیلئے بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ ”اَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ ۔۔۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾“

۹۔ تقویٰ کی طرف توجہ، الٰہی احکام کی انجام دہی میں ضروری اور مددگار ہے۔ ”اَتِمُّوا الْحَجَّ ۔۔۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ“

۱۰۔ اسلام سے پہلے اعمال حج کسی اور طرح سے تھے اس لیے قرآن پاک نے اس میں کی جانے والی تبدیلیوں پر توجہ رکھنے اور عمل کرنے کو ضروری قرار دیا ہے اور اس بات پر تاکید فرمائی ہے۔ ”اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾“

۱۱۔ اگر کوئی خود سے حج کے احکام میں تبدیلی کرے تو اس کے لیے سخت عذاب ہے۔ ”شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾“

آیت نمبر ۱۹۷

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

ترجمۃ الآیات

حج چند معین مہینوں (میں) ہے جو شخص ان مہینوں (شوال، ذی القعدہ، ذی الحجۃ) میں اس فریضے کو ادا کرے تو اسے چاہیے کہ (اس اثنا میں) وہ نہ تو جماع کرے نہ اس سے کوئی فسق سرزد ہو اور نہ ہی مجادلہ (لڑائی جھگڑا) اور تم نیکی کا کوئی بھی کام کرو تو خدا اسے جانتا ہے۔ تم

اپنے لیے زادراہ مہیا کرو پس بہترین زادراہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے اور اے صاحبان عقل مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔

نکات:

☆ ''رَفَثَ'' سے مراد جنسی آمیزش ہے۔ ''فُسُوْقَ'' سے مراد جھوٹ بولنا، برا بھلا کہنا، گالی دینا، لڑائی جھگڑا کرنا اور ''لَاوَاللهِ'' ''خدا کی قسم ایسا نہیں ہے'' کہنا، 'بَلٰی وَاللهِ' ''خدا کی قسم ایسا ہی ہے'' کہنا ہے۔

☆ آیت میں مذکور وقت دراصل حج اور عمرہ دونوں کا مشترکہ زمانہ ہے۔ عمرہ تمتع شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ میں کیا جاتا ہے اور حج صرف ماہ ذی الحجہ ہی میں کیا جاتا ہے۔

پیغام:

۱۔ اسلامی عبادات میں زمانے اور وقت کا بہت اہم کردار ہے۔ ''اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ''

۲۔ حج اور مکہ کی باصفا فضا اور ماحول کو گناہوں اور کدورتوں سے آلودہ نہیں کرنا چاہیے۔ ''فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِی''

۳۔ خدا تعالیٰ کے علم پر اعتقاد اور یقین ہونا، فرائض کی بجا آوری میں نشاط، تازگی اور امید کے باقی رہنے کی علامت ہے۔ ''مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللهُ ؕ''

۴۔ ہر سفر کیلئے راہ اور توشہ سفر ضروری ہے۔ حج کے سفر میں بہترین زادراہ اور توشہ سفر تقویٰ ہے۔ ''خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ''

۵۔ پرہیزگاری، عقلمندی کی دلیل ہے۔ ''وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝۱۹۷''

آیت نمبر ۱۹۸

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝۱۹۸

ترجمۃ الآیات

اگر (حج کے دنوں میں) اپنے رب کی مہیا کردہ روزی (اور تجارت) کی تلاش کرنا چاہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور جب عرفات سے چل پڑو تو مشعر الحرام کے نزدیک خدا کو یاد کرو اور اسے اسی طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت کی ہے اگرچہ اس سے پہلے تم گمراہ تھے۔

نکات:

☆ مکہ سے بیس کلومیٹر پر ایک جگہ کا نام عرفات ہے، جہاں خانہ خدا کے زائرین کیلئے واجب ہے کہ وہ نو ذی الحجہ کو ظہر کے وقت سے غروب تک ٹھہریں۔ اگر جان بوجھ کر غروب سے پہلے کوئی وہاں سے چلا جائے تو اسے چاہیے کہ ایک اونٹ جرمانہ کے طور پر دے۔

''عرفات'' کا لفظ ''**معرفت**'' سے ہے، جس کے معنی شناخت کی جگہ ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں جناب آدم علیہ السلام اور جناب حوا علیہا السلام نے ایک دوسرے کو پہچانا اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

امام باقر و امام صادق علیہما السلام کی فرمائش کے مطابق یہ ہے کہ جناب جبرائیل علیہ السلام نے اس جگہ پر جناب ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پہچان لیں اور انہیں حاصل کرلیں۔ (کافی، ج ۴، ص ۲۰۷)

حدیث میں پڑھتے ہیں کہ ہر سال عرفات کے مقام پر حضرت مہدی علیہ السلام موجود ہوتے ہیں۔

عرفات کی زمین پر اولیائے خدا کے نالہ و فریاد، گریہ وزاری اور اشک ریزی کی یادیں موجود ہیں۔ روایات میں ہے کہ عرفہ پر غروب آفتاب کے ساتھ ہی خدا تعالیٰ اپنے گھر کے سارے زائرین کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ روز عرفہ کیلئے امام حسین علیہ السلام اور امام سجاد علیہ السلام سے مخصوص دعائیں منقول ہیں۔ (تفصیل کیلئے مؤلف کی تحریر کردہ کتاب حج کی طرف رجوع کیا جائے۔)

☆ اسلام کے ایک جامع دین اور مکمل ضابطہ حیات ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ حج کے عبادی اعمال کے ساتھ ساتھ مادی زندگی اور معیشت کو سدھارنے کی طرف بھی متوجہ ہے۔ جیسا کہ سورہ جمعہ میں جہاں نماز جمعہ میں شرکت کا حکم دیا ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ نماز کے تمام ہو جانے کے بعد اپنے کاروبار اور معاش کی تلاش میں لگ جاؤ۔ (جمعہ۔ ۱۰) پس حج جہاں ایک عبادت ہے وہاں عین سیاست بھی ہے اور تلاش معاش کا ذریعہ بھی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: حج کے واجب ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں ایک عظیم بین الاقوامی اجتماع کی تشکیل کی جاتی ہے، مختلف قسم کے تجربات منتقل ہوتے ہیں اور طرح طرح کے تجارتی و اقتصادی مال کا تبادلہ ہوتا ہے اور

اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا ہے۔(وسائل، ج ۸، ص ۹)

پیغام:

۱۔قرآن پاک، انتہا پسندی اور جمود فکری کا مقابلہ کرتا ہے۔بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دین اسلام صرف ایک ہی پہلو پر مشتمل ہے اور حج ایک خشک عبادت ہےلیکن اسلام ایسی سوچ کو سختی سے رد کرتا ہے۔''لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ''

۲۔حلال کی کمائی، فضل الٰہی ہے۔قرآن پاک نے''کسب'' کے کلمے کی جگہ''فضل'' کا کلمہ استعمال کیا ہے تاکہ یہ بتا سکے کہ حلال کمائی اصل میں پروردگار کا فضل ہے۔''فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ط''

۳۔اگرچہ کوشش کرنا اور طلب کرنا تمہاری طرف سے ہے؛''تَبۡتَغُوۡا''لیکن رزق، خدا تعالی کا فضل ہے۔''فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ط''

۴۔رزق پہنچانا، شان ربوبیت الٰہی ہے۔''فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ط''

۵۔رزق کے پہنچانے میں پروردگار کا ہاتھ کھلا اور وسیع ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ کلمہ''فضل'' کا استعمال نکرہ صورت میں آیا ہے۔''فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ط''

۶۔عبادات کی انجام دہی جاری شدہ احکام کے مطابق ہونی چاہئیں۔''وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰٮكُمۡ ج''

۷۔ایک طرف توفیق الٰہی اور دوسری طرف اپنی گذشتہ خطاؤں اور گناہوں پر توجہ کرنے سے خداوند کریم کے لطف و کرم کے ساتھ انسان کی محبت کو زیادہ کردیتا ہے۔''هَدٰٮكُمۡ ج وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيۡنَ ﴿۱۹۸﴾''

۸۔اپنے گذشتہ کو بھول نہیں جانا چاہیے۔وہ تھا کہ جس نے تمہاری ہدایت کی۔''كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيۡنَ ﴿۱۹۸﴾''

آیت نمبر ۱۹۹

ثُمَّ اَفِيۡضُوۡا مِنۡ حَيۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۹۹﴾

ترجمۃ الآیات

پھر تم بھی وہیں سے چل پڑو جہاں سے دوسرے لوگ چل پڑتے ہیں اور خدا سے اپنی بخشش

کی دعا کرو کیونکہ خداوند تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

نکات:

☆ اس آیت میں سب لوگوں کو ایک اجتماعی صورت میں حرکت کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور اہل مکہ کو اس بات کی یاد دہانی بھی کرائی جا رہی ہے کہ مبادا تمہارے دل میں یہ خیال ہو کہ ہم اہل حرم ہیں یا ہمارا قبیلہ قریش سے تعلق ہے یا اس قسم کے دوسرے خیالات ہوں اور تم یہ سمجھو کہ ہمارے اور دوسروں کے درمیان انجام عبادت میں فرق ہونا چاہیے۔ یہ سب باتیں اپنے دلوں سے نکال دو، تکبر کو ایک طرف رکھ دو اور عوام الناس کے ساتھ ہم قدم ہو کر چل پڑو۔

اصل میں حج کے آثار اور فلسفہ میں سے ایک یہ ہے کہ بناوٹی اور ظاہری نشانات کو اتار پھینکیں۔ وہاں انسان اپنے جوتے، ٹوپی، کپڑے، بیوی اور گھر سے دور ہو جاتا ہے۔ ایک ایسا قطرہ ہوتا ہے جو دریا میں ضم ہو جاتا ہے۔

☆ اس آیت میں دو مرتبہ اور پچھلی آیت میں ایک مرتبہ کلمہ ''افاضة'' استعمال ہوا ہے کہ جس کے معنی اجتماعی صورت میں حرکت کرنا ہے۔ یہ تکرار اور اصرار بتاتا ہے کہ عبادات کی انجام دہی میں اجتماعی صورت میں اعمال انجام دینا قابل قدر ہے۔

☆ عرفات اور مشعر الحرام (مزدلفہ) میں سب سے بہتر عمل استغفار اور ذکر خدا ہے۔ اگرچہ ان مقامات پر صرف ''وقوف'' ٹھہرنا ہی شرط ہے اور کوئی دوسرا عمل واجب نہیں ہے لیکن ان آیات میں قرآن مجید ہمیں ذکر خدا اور اپنے گذشتہ گناہوں کو یاد کر کے خدا سے ان کی بخشش طلب کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ جس سرزمین پر اولیاء اللہ نے آنسو بہائے ہوں ہم وہاں چین سے بیٹھے رہیں؟

پیغام:

۱۔ اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز سمجھنا چاہے جس نام اور جس عنوان کے تحت بھی ہو یہ ممنوع ہے۔ ''اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ''

۲۔ اکھٹے حرکت کرنا، اعمال کی انجام دہی کی اہمیت ہے۔ ''اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ''

۳۔ بالکل بھی مایوس نہ ہوں۔ گذشتہ کچھ بھی ہو استغفار سب کیلئے کارساز ہے۔ کیونکہ وہ غفور اور رحیم ہے۔ ''وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۹۹﴾''

آیت نمبر ۲۰۰

فَاِذَا قَضَیۡتُمۡ مَّنَاسِکَکُمۡ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَذِکۡرِکُمۡ اٰبَآءَکُمۡ اَوۡ

اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

ترجمۃ الآیات

ترجمہ: جب تم (حج کے) مناسک پورے کرلو تو خدا کو اسی طرح یاد کرو جس طرح اپنے آبا (و اجداد) کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر (خدا کو یاد کرو) کیونکہ یہاں کچھ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ پروردگارا! ہمیں دنیا میں خوشحالی عطا فرما لیکن آخرت میں ان کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے۔

نکات:

☆ اہل مکہ میں سے ایک گروہ، حج کے مراسم مکمل کر لینے کے بعد ایک جگہ پر جمع ہو جایا کرتے تھے اور اپنے آبا وٴاجداد کو یاد کر کے ان کے کارناموں پر فخر کرتے تھے۔ قرآن پاک حکم دے رہا ہے کہ اپنے بزرگوں اور آباؤ اجداد پر فخر و مباہات کرنے کی بجائے خدا کو یاد کیا کرو اور اس کی نعمتوں اور توفیقات کے بارے میں گفتگو کیا کرو بلکہ اس بارے میں اور بھی سنجیدہ ہو کر خدا کو زیادہ سے زیادہ یاد کیا کرو۔ (تفسیر مجمع البیان، ج ۲، ص ۵۲۹؛ نور الثقلین، ج ۱، ص ۱۹۸)

☆ کسی شخصیت کی یا کسی چیز کی یاد انسان کے دل و دماغ پر اس کی حاکمیت کی دلیل ہوا کرتی ہے۔ جو لوگ اپنے بزرگان ماسلف پر فخر و مباہات کرتے ہیں، ان کی فکر اور طرز معاشرت کو قبول کر چکے ہوتے ہیں۔ ان کی یہ یاد آوری زمانہ جاہلیت کے طرز معاشرت کو اسلامی معاشرے میں راسخ و نافذ کرنے کا موجب بن سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: میں سامری کے اس قیمتی طلائی بچھڑے کو آگ لگا کر اس کی خاکستر کو دریا میں بہاتا ہوں کیونکہ اس بچھڑے کو دیکھ کر انسان کے اندر مشرکین کے افکار اور ان کی معاشرت زندہ ہو جائے گی اس قسم کی طرز معاشرت کی بیخ کنی کے لیے سونے کو جلا کر راکھ کر دینا چاہیے۔

پیغام:

۱۔ فراغت کے دنوں کو مصروفیت میں بدل دینا، مربی (تربیت کنندہ) کے فرائض میں شامل ہے۔ ''فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ''

۲۔ یاد خدا، کمیت کے لحاظ سے بھی کثرت میں ہونی چاہیے۔ ''و اذكروا الله كثيرا'' اور کیفیت کے اعتبار سے عاشقانہ اور خالصانہ ہونی چاہیے۔ ''اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ''

۳۔ ہماری نگاہ سطحی نہیں ہونی چاہیے جس طرح بعض لوگ بہترین زمانے اور بہترین مقام پر بھی دنیا کی مختصر سی مادی زندگی کے بارے میں دعائیں مانگتے ہیں اور آخرت کی دائمی زندگی کی فکر نہیں کرتے ۔''رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾''

آیت نمبر ۲۰۱

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

ترجمۃ الآیات

اوران میں سے بعض لوگ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بہتری عطا فرما اور آخرت میں بھی نیکی (عطا کر) اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

نکات:

☆ لوگوں کو پہچاننے کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ آپ ان کی آرزوؤں اور دعاؤں کو جانتے ہوں ۔گذشتہ آیت میں پہلے گروہ کی خداوند سے درخواست صرف دنیا کے بارے میں تھی اوران کو اس کے خیروشر سے کوئی تعلق نہیں تھا۔لیکن اس آیت میں دوسرے گروہ کی درخواست دنیا اور آخرت میں ''حَسَنَةً'' ہے۔ پہلے والے گروہ کی نظر میں صرف دنیا خود دنیا ہی مطلوب ہے۔ لیکن دوسرے گروہ کی نظر میں وہ دنیا اہمیت کی حامل ہے جس میں حسنہ ہو اور وہ آخرت تک جا پہنچے۔

روایات میں دنیا اور آخرت کی نیکیوں کے بارے میں مثالیں بیان کی گئی ہیں۔(تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۱۹۹) جبکہ حسنہ صرف چند ایک مثالوں میں منحصر نہیں ہے۔

☆ امام صادق علیہ السلام اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: خوشنودی خدا سے مراد آخرت میں بہشت، دنیا کی زندگی ، دنیا میں خوش اخلاقی ہے۔(کافی ، ج ۵، ص ۷۱)

☆ دعاؤں میں کلی عناوین کو ذکر کرنا چاہیے اور مصداق کا معین کرنا خدا تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ہم خداوند سے ''حسنہ'' اور سعادت طلب کرتے ہیں لیکن اس میں ہماری بہتری کس بات میں ہے؟ یہ خدا کی ذات پر چھوڑ دینا چاہیے۔ کیونکہ ہم جزئی مصداقوں کی تعین نہیں کر سکتے اس لیے کہ ہمارا علم اور ہماری معرفت دونوں محدود ہیں۔ لہٰذا ہم اپنے مستقبل کی بہتری کو نہیں سمجھ

سکتے۔ اسی لیے ہمیں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ خدا سے کسی کام کے لیے وسیلہ مہیا کرنے کی درخواست نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اس کام کے سرانجام پانے کی دعا طلب کرنی چاہیے۔ اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ خداوند تعالیٰ مسبب الاسباب ہمارے لیے کوئی ایسا ذریعہ بنا دے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔ مثلاً خدا تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہیے کہ ''خداوندا! ہمیں حج بیت اللہ بجالانے کی توفیق عطا فرما'' اور یہ دعا نہیں مانگنی چاہیے کہ ''پروردگارا! مجھے مال عطا کرتا کہ میں مکہ جاؤں۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ خداوند متعال حج کے ایسے اسباب مہیا کردے کہ ہم ان کے بارے میں سوچ بھی نہ سکتے ہوں۔

پیغام:

۱۔ دنیا اور آخرت ہر مقام پر آپس میں ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ بشرطیکہ انسان حسنہ اور نیکی چاہتا ہو۔ ''فِي الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِي الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً''

۲۔ فلاح و بہبود اور خوش حالی کی تمام صورتیں مذموم نہیں ہیں بلکہ نیک اور پاک زندگی مطلوب ہے۔ ''رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنۡيَا حَسَنَةً''

۳۔ دوزخ کا حساب الگ ہے، کیونکہ اس کے باوجود کہ خدا تعالیٰ سے آخرت کی نیکی چاہتے ہیں، لیکن آگ سے بچنے کی الگ سے دعا کرتے ہیں۔ ''وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾''

(دعاؤں میں آگ سے نجات کیلئے تکرار اور اصرار بہت زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ جیسے دعائے مجیر میں ستر مرتبہ پڑھتے ہیں کہ ''اجرنا من النار یارب'' پروردگارا! ہمیں آتش جہنم سے نجات عطا فرما۔ یا جیسے دعائے جوشن کبیر میں سو عدد بند ہیں اور ہر بند کے آخر میں ہم کہتے ہیں کہ ''خلّصنا من النار یارب''

آیت نمبر ۲۰۲

اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّمَّا كَسَبُوۡا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

ترجمۃ الآیات

اپنے کسب وکار (اور دعا) میں ان لوگوں کے لیے ایک حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کا جلد تر حساب لینے والا ہے۔

نکات:

☆تفسیر میں ہے کہ ''حصے'' کو ''نصیب'' کہتے ہیں۔ گویا حصے کو اس کے لیے نصب کر دیا گیا ہے۔
ان کا حصہ صرف ''ربنا آتنا'' کی دعا سے نہیں بلکہ اس میں ان کی کوشش اور جد و جہد کو بھی بڑی حد تک عمل دخل ہے۔
یہ آیت ہمیں خبردار کررہی ہے کہ خداوند عالم کا لطف و کرم ان لوگوں کے شامل حال ہوتا ہے جو دعا کے ساتھ ساتھ سعی و کوشش میں بھی لگے رہتے ہیں۔
(قیامت میں انسان کا حصہ، اس کے بعض اپنے کاموں کی وجہ سے ہوگا، اس کے سب کاموں کی وجہ سے نہیں ہوگا۔'' مِّمَّا كَسَبُوۡا ؕ '' انسان بہت سے کام انجام دیتا ہے لیکن قصد قربت اور خالص نیت نہ ہونے کی وجہ سے قیامت کے دن اس میں سے اس کا کچھ حصہ نہ ہوگا۔)
☆ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: خداوند تمام مخلوقات کا حساب ایک ہی دفعہ میں کرلے گا۔ بالکل ایسے ہی جیسے ساری مخلوق کو ایک ہی دفعہ میں رزق دیتا ہے۔ (تفسیر مجمع البیان، ج ۲، ص ۵۳۱)

پیغام:

۱۔کسب، کوشش کے بغیر کوئی حصہ نہیں ہے۔ ''لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّمَّا كَسَبُوۡا ؕ ''
۲۔حساب کرنے میں تیزی، ایک خصوصیت ہے۔ ''سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ﴿۲۰۲﴾ ''

آیت نمبر ۲۰۳

وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ فِىۡٓ اَيَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِىۡ يَوۡمَيۡنِ فَلَآ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ۚ وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ﴿۲۰۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور خدا کو معین دنوں (۱۱، ۱۲ اور ۱۳ ذی الحجہ جو کہ ایام تشریق کے نام سے مشہور ہیں۔) میں یاد کرو جو لوگ جلدی کریں اور (اعمال منیٰ کو) دو دنوں میں انجام دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں

اور جو پرہیزگار تاخیر کریں (اور تین روز میں انجام دیں) تو ان پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ خدا سے ڈرو اور آگاہ رہو کہ تمہیں اسی کی طرف محشور ہونا ہے۔

نکات:

☆تفسیر نور الثقلین کی ایک حدیث میں اس بات کی سفارش کی گئی ہے کہ وہ پندرہ نمازیں جن کی ابتداعید الاضحیٰ کے دن نماز ظہر سے ہوتی ہے اور ان کا اختتام تیرہ ذی الحجہ کی نماز صبح پر ہوتا ہے ان میں سے ہر نماز کے بعد اس دعا کو پڑھا جائے۔ ''الله اکبر، الله اکبر، لا اله الا الله و الله اکبر، و لله الحمد، الله اکبر علی ما هدانا، الله اکبر علی ما رزقنا من بهیمة الانعام''

خدا بہت بڑا ہے، خدا بہت بزرگ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ خدا سب سے بڑا ہے۔ حمد و سپاس صرف اسی کے لیے ہے۔ خدا سب سے بڑا ہے، اس لیے کہ اس نے ہمیں ہدایت کی ہے، خدا سب سے بڑا ہے، اس لیے کہ اس نے ہمیں جانوروں کے گوشت سے روزی عطا کی ہے۔

☆ آیت کہتی ہے کہ جو شخص منیٰ کی سرزمین سے نکلنے کے لیے جلدی کرے اور بارہ ذی الحجہ کو ظہر کے بعد وہاں سے چل کر مکہ آجائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو شخص تاخیر کرے اور تیرہویں کی رات بھی منیٰ میں گزارے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔

پیغام:

۱۔ دعا کی قبولیت میں وقت کا بھی عمل دخل ہے۔ ''فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ''

۲۔ خداوند نے اپنے لطف و کرم کے سائے میں لوگوں پر راہیں تنگ نہیں کی ہیں بلکہ سبھی راستے کھلے رکھے ہیں۔ ''فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡہِ ۚ وَمَنۡ تَاَخَّرَ''

۳۔ ہر عمل کی بنیاد تقویٰ ہے۔ ''لِمَنِ اتَّقٰی ؕ'' روایات کے مطابق یہاں ''تقویٰ'' سے مراد احرام کی حالت میں محرمات سے دوری اختیار کرنا ہے۔

۴۔ ۱۲ ذی الحجہ کو سرزمین منیٰ سے نکلنے میں جلدی کرنا یا ۱۳ ذی الحجہ کو دیر سے نکلنا، دونوں صورتوں میں تقویٰ شامل ہونا چاہیے۔ ''لِمَنِ اتَّقٰی ؕ''

اگر جلدی اس لیے ہو کہ اپنی ہوشیاری دیکھائی جائے یا کوئی اور لغو بیکار مقصد ہو، اسی طرح اس جگہ زیادہ ٹھہرنا خودنمائی یا شہرت کیلئے ہو تو وہ عمل باطل ہو جائے گا۔

۵۔ کام کا مقدس ہونا اور جگہ کا مقدس ہونا کافی نہیں ہے بلکہ انسان کو بھی تقدس اور تقویٰ اختیار کرنا چاہیے۔ خانہ خدا کے زائرین کیلئے دو بار کلمہ ''تقویٰ'' کا استعمال، وہ بھی میدان منیٰ میں اس بات کی علامت ہوسکتا ہے کہ شیطان ہر جگہ اثر و نفوذ پیدا

کر سکتا ہے۔

۶۔ قیامت پر ایمان، تقویٰ کیلئے سب سے زیادہ مضبوط سبب ہو سکتا ہے۔ ''وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴿۲۰۳﴾''

آیت نمبر ۲۰۴

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ﴿۲۰۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اس (چندروزہ) دنیوی زندگی کے بارے میں جن کی باتیں آپؐ کو بھلی معلوم ہوتی ہیں اور جو کچھ وہ اپنے دل میں (چھپائے) رکھتے ہیں اس پر خدا کو گواہ ٹھہراتے ہیں (حالانکہ) وہ (حق کے) سخت ترین دشمن ہیں۔

نکات:

☆ ''لَدّ'' کے معنی بہت زیادہ دشمنی ہے۔''اَلَدّ'' اسے کہا جاتا ہے جو سخت قسم کی دشمنیاں رکھتا ہے۔

''خِصَامِ''، ''خصم'' کی جمع ہے یا خود ایک مصدر ہے جس کے معنی دشمنی کے ہیں۔

☆ منافقین کبھی تقابلی جائزہ کے نام سے، کبھی اعداد و شمار پیش کر کے، کبھی اپنی مہارت و تجربہ کاری، نام نہاد عالمانہ قیاس، اجتماعی اور معاشرتی مسائل کو سمجھنے کے زعم، غلط چرب زبانی، دھمکی، لالچ اور افواہ سازی کے راستے اختیار کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ دنیاوی معاملات اور حسابات سے متعلق ہے۔ جبکہ معنویات کے میدان کی طرف توجہ، غیبی امداد کی طرف دھیان اور خدائی ارادے کی تاخیر وغیرہ سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخرت میں بھی ان کی زبان بند ہوگی، حتیٰ کہ عذر خواہی کی بھی اجازت نہیں ہوگی۔

پیغام:

۱۔ منافقین کے خوبصورت ظاہر، چکنی چپڑی اور سحر آمیز باتوں سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ ''يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ''

۲۔ ہر طرح کی قسم پر اطمینان کا اظہار نہ کریں۔ ''یُشْھِدُ اللّٰہَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِہٖ ''

۳۔ منافقین کا اثر و نفوذ حاصل کرنے کا ایک ذریعہ جھوٹی قسمیں ہیں۔ ''یُشْھِدُ اللّٰہَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِہٖ ''

دشمن مقدسات کے مقابلے میں مقدسات کو لاتے ہیں اور مذہب کے مقابلے میں مذہب سے استفادہ کرتے ہیں۔ اللہ اور رسول کی قسم کے ذریعے خیانت کرتے ہیں۔

۴۔ منافقین کی باتوں کا مرکز دنیاوی مسائل ہوتے ہیں تا کہ دوسروں کو اپنے اثر میں لے سکیں۔ ''یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا''

۵۔ خدا تعالیٰ اپنے پیغمبر کو دوسرے کے غیب اور باطن سے آگاہ فرماتا ہے۔ ''هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝۲۰۴''

۶۔ جو لوگ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں وہ قسموں اور خوبصورت جملات کے ذریعے کوشش کرتے ہیں کہ خود کو دوسروں کا ہمدرد اور مخلص ظاہر کریں۔ ''یُشْھِدُ اللّٰہَ''

آیت نمبر ۲۰۵

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ۝۲۰۵

ترجمۃ الآیات

(اس کی علامت یہ ہے کہ) جب اسے حکومت مل جاتی ہے تو وہ زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے، کھیتوں اور بستیوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے اور خداوند عالم فساد کو پسند نہیں کرتا۔

نکات:

☆ کلمہ ''تَوَلّٰی'' کو دو طرح سے معنی کیا جا سکتا ہے: ایک قدرت و حکومت پر پہنچنا جو کہ ترجمہ میں بھی ذکر ہوا ہے۔ دوسرے اعراض کرنا یعنی منہ موڑنا۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جب حق اور الٰہی ہدایت سے منہ موڑا جائے اور جب حق و ہدایت تمہارے پاس سے چلی جائے تو وہ فساد اور فتنہ کی طرف آگے بڑھے گا۔

☆ گذشتہ آیت میں منافقین کی ظاہری خوبصورت باتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت میں ان کے مفسدانہ اعمال کا بیان ہے۔

☆ قرآن مجید فرماتا ہے : ''اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ'' (حج۔ ۴۱) اگر صالح افراد کے ہاتھ حکومت آئے تو وہ نماز کو قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، امر بالمعروف کرتے ہیں، نہی عن المنکر کرتے ہیں۔

اس طرح سے وہ اپنا رابطہ خدا اور معاشرہ کے محروم افراد سے قائم رکھتے ہیں اور معاشرہ کی اصلاح میں لگے رہتے ہیں۔

اگر حکومت نا اہلوں کے ہاتھ آ جائے اور وہ لوگوں کے سیاہ وسفید کے مالک بن جائیں تو وہ اندرونی ہوا وہوس کے طوفانوں، جہالت ولاعلمی اور بیرونی دباؤ کی وجہ سے معاشرے کی تمام اچھائیوں کو اپنی ذاتی خواہشات پر قربان کر دیتے ہیں۔

تفسیر المیز ان کے مطابق یہ حقیقت ہر تاریخ شناس کے لئے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ کیسے کیسے مسلمان اپنے نام کی خاطر اور ایمان کا تظاہر کر کے لوگوں پر حاکم بن گئے اور حرث ونسل کو تباہ کر دیا۔

☆ جو لوگ اپنی مرضی کے قوانین بنا کر، ثقافتی یلغار کے ساتھ، فحاشی پر مبنی نشر واشاعت، نشہ آور چیزوں کے ذریعے کسی معاشرے کی اقتصاد اور نئی نسل کی تباہی کا باعث بنتے ہیں، وہ اس آیت ''مفسد فی الارض'' کے مصداق ہیں۔

☆ حرث کی ہلاکت سے مراد ہر طرح کی کھیتی باڑی، فصلوں اور پیداوار کو تباہ کر دینا ہے۔ نسل کی ہلاکت سے مراد نئی نسل کو گمراہ کرنا ہے۔ مراغی اور فخر رازی اپنی تفاسیر میں احتمال دیتے ہیں کہ ''حرث'' سے مراد عورتیں ہیں۔ بدلیل اینکہ ''نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪'' (بقرہ۔ ۲۲۳)۔ ''نسل'' سے مراد اولاد ہے۔ یعنی طاغوت چاہتا ہے کہ خاندانی نظام کو تباہ کر دے اور اولاد کے تربیتی نظام کو ختم کر دے۔

پیغام:

۱۔ اگر نااہل افراد قدرت وطاقت میں آ جائیں تو وہ ہر چیز کو تباہ کر دیتے ہیں۔ ''اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى''

۲۔ سب سے بڑا خطرہ کسی قوم کی اقتصاد کی تباہی اور اس کی ثقافت وتہذیب کی تباہی ہے۔ ''يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ''

آیت نمبر ۲۰۶

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۲۰۶

ترجمۃ الآیات

جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تقویٰ الٰہی اختیار کرو تو اس کی وہ عزت جو اس نے گناہ کے ذریعے پائی ہے، وہ اسے اس بات سے روک دیتی ہے۔ پس اس کیلئے جہنم کافی ہے اور وہ کتنی بری جگہ ہے۔

پیغام:

۱۔ تکبر کرنے والے دوسروں کی نصیحت پر کان نہیں دھرتے۔ ''وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ''

تاریخ میں ہے کہ بنی امیہ کے خلفا میں سے عبدالملک بن مروان شہر مدینہ میں منبر پر بیٹھا اور بولا: خدا کی قسم جو کوئی مجھے تقویٰ کی نصیحت کرے گا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ (تفسیر احسن الحدیث، ج۱، ص۳۷۶)

۲۔ حکمران کو نصیحت قبول کرنے والا ہونا چاہیے۔ ''وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ''

۳۔ گناہ، گھمنڈ، غرور اور تکبر کا باعث ہے۔ ''اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ''

۴۔ دوزخ کی طرف توجہ کرنا، غرور توڑنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ''فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ''

آیت نمبر ۲۰۷

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

ترجمۃ الآیات

کچھ لوگ ایسے (بھی) ہیں جو اپنی جان کو خدا کی خوشنودی کے لیے بیچ دیتے ہیں۔ خداوند عالم اپنے بندوں کے ساتھ بہت ہی مہربان ہے۔

نکات:

☆ ابن ابی الحدید، جن کا شمار اہلسنت کے ساتویں صدی کے علما میں سے ہوتا ہے انہوں نے اپنی کتاب ''شرح نہج

البلاغہ'' میں لکھا ہے: ''تمام مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت امام علی علیہ السلام کی شان میں اس وقت نازل ہوئی جب شب ہجرت (لیلۃ المبیت) آپ بستر رسولؐ پر سو گئے تھے۔ یہ واقعہ تواتر کی اس حد تک پہنچا ہوا ہے جس کا انکار سوائے کافر یا دیوانے کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ (شرح ابن ابی الحدید، ج ۱۳، ص ۲۶۲)

☆ واقعہ کچھ یوں ہے کہ مشرکین مکہ نے آپس میں طے کیا کہ پیغمبر اکرمؐ کے قتل کے لیے ہر قبیلے سے ایک آدمی منتخب کیا جائے اور وہ سب یکبارگی حملہ کر کے آنحضرتؐ کی زندگی کا (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) خاتمہ کر دیں تا کہ بنی ہاشم کسی ایک قبیلہ سے آنحضرتؐ کے خون کا بدلہ نہ لے سکیں۔ اس طرح سے پیغمبر اکرمؐ کی دعوت و تبلیغ سے ان کی جان چھوٹ جائے گی لیکن حضور گرامیؐ کو ان کے ناپاک منصوبے کا علم ہو گیا اور اس رات امام علی علیہ السلام، پیغمبر اکرمؐ کے بستر پر سو گئے تا کہ آنجنابؐ خیر و عافیت کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر جائیں۔

(بہت سے علمائے اہلسنت نے امام علی علیہ السلام کی اس فضیلت کا اقرار کیا ہے اور علامہ امینی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے نام اپنی گرانقدر کتاب ''الغدیر'' کی دوسری جلد کے صفحہ ۴۸ پر ذکر کیے ہیں ان میں سے ایک امام احمد بن حنبل ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۳۴۸))

(تفسیر اطیب البیان میں بحوالہ کتاب ''غایۃ المرام'' لکھا ہے کہ بیس حدیثیں ایسی ہیں کہ جن میں سے نو حدیثیں علمائے اہلسنت سے اور گیارہ حدیثیں علمائے شیعہ سے نقل کی گئی ہیں۔ جن میں کہا گیا ہے (کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی فداکاری اور جان نثاری کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔) اسی طرح تیسری صدی میں لکھی جانے والی تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۳۷۳ میں حضرت علی علیہ السلام کے بستر رسولؐ پر سونے کا ماجرا بیان کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں تاریخ یعقوبی جلد دوم صفحہ ۳۹ پر یہ موضوع بڑی صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ صفحہ ۳۷ میں ہے کہ ''معاویہ نے ستر ہزار درہم صرف اس لیے خرچ کر ڈالے تا کہ لوگ کہیں کہ یہ آیت ابن ملجم ملعون کی شان میں نازل ہوئی ہے۔'' تفسیر نمونہ، ج ۲، ص ۴۹)

☆ اس خطرناک رات میں جب امام علی علیہ السلام، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر سو گئے تو خداوند عز و جل نے اپنے دو معزز فرشتوں جبرائیلؑ اور میکائیلؑ سے فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جو اپنی جان دوسرے پر قربان کرے؟'' ان میں سے کوئی بھی اس بات پر آمادہ نہ ہوا۔ اس وقت خداوند ذوالجلال نے فرمایا: ''ذرا دیکھو تو علیؑ کس طرح اپنی جان پیغمبرؐ پر قربان کر رہے ہیں!!''

☆ کبھی معاشرے میں ایک نیکی کو زندہ کرنے کیلئے یا کسی ایک برائی کو ختم کرنے کیلئے اپنی جان تک کی بازی لگانی پڑتی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو کوئی امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرنے کے راستے میں مارا جائے وہ اس آیت کے مصادیق میں سے ایک ہے۔ (تفسیر صافی، ج ۱، ص ۲۴۱)

پیغام:

۱۔ نا اہل افراد کی چکنی چپڑی باتیں لوگوں کو حیران کرتی ہیں لیکن مومن کا عمل پوری دنیا کو حیران کر دیتا ہے۔ ''وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّعۡجِبُكَ قَوۡلُهٗ'' ''وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَهُ''

۲۔ ایثار کرنے والوں کی یاد کو منانا چاہیے۔ ''مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَهُ''

۳۔ اولیائے خدا کی خاطر جان کی بازی لگانا قابل قدر بات ہے۔ ''مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَهُ''

۴۔ سب سے بڑا نفع یہ ہے کہ انسان اپنی بہترین متاع یعنی اپنی جان اپنے خالق کے ہاتھ بیچ دے وہ بھی اس غرض سے نہیں کہ اسے بہشت ملے گی یا جہنم سے بچ جائے گا بلکہ صرف اور صرف رضائے الٰہی کی خاطر۔ ''ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ ؕ''

۵۔ راہ خدا میں خطرات کا مسکرا کر مقابلہ کرنا اور ان سے خوف نہ کھانا زیادہ اہم ہے نہ کہ خطرات کو محسوس کرنا۔ اگر آیت کے شان نزول پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایسی ہستی کی تعریف کر رہی ہے جس نے خطرات مول لے کر اپنی جان بیچ دی تھی یہ اور بات ہے کہ کسی قسم کا حادثہ رونما نہیں ہوا۔ ''مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَهُ۔۔۔''

۶۔ خدا کی مہربانی بہترین اجر ہے۔ خداوند تعالیٰ نے ہر کام کی ایک جزا مقرر کر رکھی ہے لیکن اس آیت میں کسی قسم کی جزا کا ذکر نہیں بلکہ فرمایا ہے: ''خدا اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔'' گویا اس کی جزا خدا کی مہربانی ہے جو سب سے بہترین جزا اور پاداش ہے۔ آیت میں ارشاد ہے کہ خداوند رؤف ہے۔ ''اللّٰهُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾''

آیت نمبر ۲۰۸

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّةً ۪ وَلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۲۰۸﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایماندارو! تم سب مل کر صلح و آشتی میں داخل ہو جاؤ۔ (اور خداوند عالم کے سامنے اپنے سروں کو جھکا دو۔) شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو کیونکہ وہ تو تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔

نکات:

☆ قرآن پاک درج ذیل گروہوں کے ساتھ صلح وآشتی کے رابطہ کو اہمیت دیتا ہے:

۱۔ پر امن مشرکین ''لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَلَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡہُمۡ وَتُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡہِمۡ ؕ'' (ممتحنہ۔۸) جو لوگ تم سے جنگ نہیں کرتے اور تمہارے وطن سے تمہیں نہیں نکالتے، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

۲۔ اہل کتاب ''قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰہَ'' (آل عمران۔ ۶۴) اہل کتاب سے کہہ دو کہ آؤ تاکہ تمہارے اور ہمارے درمیان جو کچھ ایک جیسا ہے، اس پر متحد ہو جائیں۔ وہ یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کریں۔

۳۔ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ''یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً ۪''

☆ چند آیات پہلے (بقرہ۔۱۹۷) عظیم سیاسی عبادی اجتماع حج کے بارے میں فرمایا: وہاں فسق وجدل نہیں ہونا چاہیے یعنی اس کا مطلب ہے کہ فسق جیسی برائی اور لڑائی جھگڑے کے بغیر معاشرہ ہوسکتا ہے تو کیا ہی اچھا ہو کہ ہمیشہ ہم ایسے ہی رہیں۔ شیطانی چالیں جو کہ تفرقہ کا باعث ہیں، ان سے دور رہیں۔

☆ کئی ایک روایات میں سِلم میں داخل ہونا، معصوم راہبر کی قیادت میں بتایا گیا ہے۔ (تفسیر نور الثقلین، ج۱، ص ۲۰۵) چنانچہ روایات میں ہے کہ ''ولایت علی بن ابی طالب حصنی''

یہ بات واضح ہے کہ حصن اور قلع میں داخل ہونا، سلم، سلامتی اور امن میں داخل ہونا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا اطمینان اور امن کا احساس ہوگا کہ اس کا راہبر الٰہی، معصوم، آگاہ، ہمدرد، ہر قابل قدر بات میں سب سے آگے اور ہر کمال پر پورا ہے۔

پیغام:

۱۔ صلح وآشتی اور تسلیم ورضا کی فضا میں داخل ہونا ہر ایک کے بس میں نہیں ہے جب تک کہ ایمان کا سایہ ان کے سروں پر موجود نہ ہو۔ ''یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا''

۲۔ سلیقے اور مختلف طریقہ ہائے کار کے فرق کو ایک طرف رکھتے ہوئے، صرف اور صرف الٰہی قانون کے سامنے جھک جائیں۔ ''ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً ۪''

۳۔ صلح کی فضا برقرار رکھنا، ہر مسلمان کا فرض ہے۔ ''کَآفَّۃً''

۴۔ شیطانی وسوسے انسان کو گناہ پر مجبور نہیں کرتے، انسان میں شیطان کا مقابلہ کرنے اور اس کی اطاعت سے انکار کر دینے کی طاقت موجود ہوتی ہے، اسی لیے تو اس بات سے روکا گیا ہے۔ ''لَا تَتَّبِعُوۡا''

۵۔ شیطان قدم بقدم انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ ''خُطُوٰتِ''

۶۔ شیطان کے پاس گمراہ کرنے کیلئے بہت زیادہ راستے موجود ہیں۔ ''خُطُوٰتِ''

۷۔شیطان تمہاری وحدت وسلامتی اور امن وآشتی کا دشمن ہے۔تفرقے کی ساری صدائیں شیطانی آوازیں ہیں۔''
ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ ''

آیت نمبر ۲۰۹

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر (ان تمام) نشانیوں کے بعد بھی تم لغزش کھا جاؤ (اور گمراہ ہو جاؤ) تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ خداوند عالم غالب اور حکمت والا ہے۔(وہ اپنی حکمت کے مطابق عمل کرتا ہے اور کوئی طاقت اس کے ارادے کو نہیں روک سکتی۔)

پیغام:

۱۔خداوند تعالیٰ نے اپنی حجت تمام کر دی ہے۔''جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ''

۲۔جو لوگ جان بوجھ کر غلط کام کریں یا گناہ کے مرتکب ہوں تو ایسے لوگ عذاب کے منتظر رہیں۔''فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾''

۳۔تمہارا خدا کے سامنے تسلیم نہ ہونا، خدا تعالیٰ کی عزت میں کسی کمی کا باعث نہیں ہے۔''عَزِيْزٌ''

گر جملہ کائنات ، کافر گردند
بر دامن کبریائیش ، ننشیند گرد

اگر ساری کائنات بھی کافر ہو جائے تو اس کے دامن کبریائی پر دھول نہ بیٹھے گی۔

۴۔خدا تعالیٰ کی طرف سے کیفر اس کی حکمت کی بنیاد پر ہے۔''حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾''

آیت نمبر ۲۱۰

هَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓئِکَةُ وَقُضِیَ الۡاَمۡرُ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۲۱۰﴾

ترجمة الآيات

کیا وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بادلوں کے سایہ میں ان کے پاس آئیں اور (نت نئے دلائل ان کے پاس لائیں) بات تو ختم ہو چکی ہے اور (روشن اور واضح آیات کے آجانے کے بعد) اب کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور تمام امور خدا ہی کی طرف پلٹ جائیں گے۔

نکات:

☆ انبیا کی دعوت استدلال اور معجزہ کے ذریعہ سے ہے۔ جبکہ بہانے کرنے والے لوگ کسی اور بات کے منتظر رہتے ہیں، خدا تعالیٰ ہر امر کو انجام دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ لیکن ارشاد ہے کہ تمہارے مطالبات پورے ہونے کے بعد بھی تم کسی اور بات کا انتظار کر رہے ہو اور ہٹ دھرمی دکھا رہے ہو تو غضب وقہر الٰہی تمہیں گھیر لے گا پھر عذر بیان کرنے یا توبہ کی فرصت نہ مل پائے گی۔

اس کی مثال یہ ہے کہ جناب عیسیٰؑ سے لوگوں نے آسمانی کھانے طلب کیے، یا جناب صالحؑ سے اونٹنی کا مطالبہ کیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب لوگوں کی خواہش کے مطابق معجزہ رونما ہو گیا تو پھر اس کے بعد اطاعت کرنا ہر صورت لازمی ہے ورنہ عذاب یقینی ہے۔ البتہ یہ اس وقت ہے جب ان کا مطالبہ محال نہ ہو جیسے خدا کو دیکھنے کا مطالبہ کیونکہ یہ بات ناممکن ہے۔ ایسے سوالات کو رد کر دیا جاتا ہے۔

☆ خداوند کا نظام تخلیق و تربیت تمہاری بے جا توقعات کے گرد نہیں گھوم رہا ہے۔ ممکن ہے تمہیں اس بات کا انتظار ہو کہ خداوند اور اس کے فرشتے بادلوں کے سائے میں جسمانی شکل کے ساتھ تمہارے سروں کے اوپر پرواز کریں اور براہ راست تمہارے ساتھ باتیں کرنے لگیں تو ایسا ہرگز ممکن نہیں ہے۔

پیغام:

۱۔ پیغمبر کے بارے میں روشن اور واضح دلائل رکھنے کے باعث ہر قسم کی بے بنیاد توقع ممنوع ہے۔ ''هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ''

۲۔ خدا اور فرشتوں کو دیکھنے کا مطالبہ صرف حق کو قبول نہ کرنے کا بہانہ ہے۔ ''يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ''

۳۔ ہر چیز کا سرچشمہ اور اس کی بازگشت خدا تعالیٰ کی طرف ہے۔ پھر کیوں اس کو دیکھنا چاہتے ہو؟ کیا اس کے آثار و دلائل کو نہیں دیکھ رہے؟ ''هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ وَقُضِىَ الۡاَمۡرُ‌ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ‏﴿۲۱۰﴾''

آیت نمبر ۲۱۱

سَلۡ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ كَمۡ اٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنۡ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ‌ ؕ وَمَنۡ يُّبَدِّلۡ نِعۡمَةَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ‏﴿۲۱۱﴾

ترجمۃ الآیات

بنی اسرائیل سے پوچھو کہ ہم نے انہیں کس قدر روشن دلائل دیئے ہیں؟ اور جو شخص اپنے پاس خدا کی نعمت کے آجانے کے بعد اسے بدل ڈالے (اسے حق کے خلاف استعمال کرے اور ان سب آیات سے چشم پوشی اختیار کرلے تو وہ خدائی عذاب میں گرفتار ہوجائے گا کیونکہ) خدا بہت سخت عذاب دینے والا ہے۔

نکات:

☆ روایات کی رو سے گوناگوں حوادث کے اعتبار سے بنی اسرائیل کی تاریخ ہم سے نزدیک ترین تاریخ ہے۔ خداوند نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا راہبر عطا کیا، اپنے معجزات اور الطاف کریمانہ سے نوازا اور انہیں فرعون کی قید سے نجات دی۔ ان کے امور زندگی کی تدبیر کے لیے آسمانی قوانین نازل فرمائے اور مادی طور پر بھی ان کی تمام ضروریات زندگی کو پورا کیا اس کے باوجود ان کی طرف سے نعمتوں کا کفران اور ان میں ردوبدل اس حد تک پہنچ گیا کہ حضرت ہارونؑ کی بجائے

سامری کی اتباع شروع کر دی، خدا پرستی کی بجائے گوسالہ پرستی میں لگ گئے۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ خدا نے ایک دن تو ان کے لیے یہ فرمایا تھا: ''فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴿۴۷﴾ '(بقرہ۔ ۴۷) لیکن وہ اپنی بداعمالیوں کے باعث پستی کی اس حد تک جا گرے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا: ''وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ'' (بقرہ۔ ۶۱)

☆ یہ خداوند کا ایک دیرینہ قانون ہے کہ جو قوم و ملت خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان ہوں، اگر وہ خدائی نعمتوں میں تبدیلی کریں گے تو خدا کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ جیسا کہ آج کی ترقی یافتہ دنیا، ٹیکنالوجی اور صنعت سے مفید فائدہ اٹھانے کی بجائے، دنیا کو آگ اور فساد کی طرف لے کر جارہی ہے۔

پیغام:

۱۔ تاریخ کا مطالعہ اور اس سے عبرت حاصل کرنا ضروری ہے۔ ''سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ''

۲۔ نعمتیں، ذمہ داریاں لاتی ہیں اور ان ذمہ داریوں میں کوتاہی کرنا، برے نتائج کو لاتا ہے۔ ''مَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴿۲۱۱﴾''

آیت نمبر ۲۱۲

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴿۲۱۲﴾

ترجمۃ الآیات

دنیوی زندگی کافروں کے لیے آراستہ اور مزین کی جاچکی ہے۔ (اسی وجہ سے) وہ ایماندار لوگوں سے (جو اتفاق سے غریب اور نادار ہیں) مسخرہ بازی کرتے ہیں۔ حالانکہ مومنین اور متقی افراد قیامت کے دن ان پر فوقیت کے حامل ہوں گے۔ (کیونکہ اس دن حقیقی اقدار واضح ہوجائیں گی اور ان کے مسخرہ پن کی سزا انہیں عملی طور پر دی جائے گی) اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی عطا فرماتا ہے۔

نکات:

☆ یہ آیت جہاں کفار کو خبردار کر رہی ہے کہ دنیا کی چمک دمک میں مشغول اور اس کے نشے میں مست نہ ہو جاؤ اور مومنین سے مسخرہ بازی اور مذاق نہ کرو کیونکہ ایک دن وہ بھی آنے والا ہے کہ جب قدریں بدل جائیں گی، وہاں دوسری طرف مومنین کے لیے تسلی خاطر کا سامان بھی فراہم کر رہی ہے۔ تاکہ کافروں کے مسخرہ کرنے سے ان کے دل سست نہ ہو جائیں اور آئندہ کے بارے میں پُر امید رہیں۔

پیغام:

۱۔ کفر، انسان کی نگاہ میں دنیا کو اہم بناتا ہے۔ ''زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا''

جی ہاں! دنیا ان لوگوں کے سامنے بڑی سج دھج کے ساتھ پیش ہوتی ہے جو خدا کے الطاف کریمانہ اور قیامت کی بے حساب نعمتوں سے بے پرواہ ہوتے ہیں یا ان کے منکر ہیں۔ جبکہ مومن کی نگاہ میں دنیا کہاں اور بہشت کہاں۔

۲۔ دنیا کی محبت انسان کو اس حد تک لے جاتی ہے کہ وہ خود کو بہت بڑا سمجھنے لگتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھ کر ان کا مذاق اڑاتا ہے۔ ''زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ''

۳۔ نادار لوگوں کا مذاق اڑانا، دنیا داروں کا قدیمی شیوہ چلا آ رہا ہے۔ ''يَسْخَرُونَ'' (فعل مضارع، عمل کا بار بار انجام پانا اور اس کے تسلسل پر دلالت کرتا ہے۔)

۴۔ قیامت کے دن برتری اور فوقیت ان مومنین کے لیے ہوگی جو تقویٰ رکھتے ہوں گے اور کفار کی زبانوں کے زخموں نے ان کے تقویٰ کو پارہ پارہ نہیں کیا ہوگا۔ ''وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ''

۵۔ بے حساب روزی خدا کے لطف و کرم اور اس کی مہربانی کی علامت ہے۔ نہ یہ کہ خدا اس کا حساب نہیں رکھتا یا حکیمانہ طور پر تقسیم نہیں کرتا۔ ''يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾''

آیت نمبر ۲۱۳

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۚ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ

مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَیِّنٰتُ بَغۡیًۢا بَیۡنَهُمۡ ۚ فَهَدَی اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَا اخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ مِنَ الۡحَقِّ بِاِذۡنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۱۳﴾

ترجمة الآیات

(ابتدا میں) لوگ ایک ہی گروہ تھے (اوران کے درمیان کسی قسم کا اختلاف اور جھگڑا نہیں تھا ۔ پھران کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے) تو اللہ تعالیٰ نے انبیا کو بھیجا تا کہ لوگوں کو خوشخبری دیں اور ڈرائیں اوران پر آسمانی کتابیں بھیجیں جو لوگوں کو حق کی طرف دعوت دیتی تھیں تا کہ لوگوں کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے تھے وہ ان کا فیصلہ کریں۔ان لوگوں (میں سے کچھ افراد نے) آپس میں حسد، حق کے راستے سے انحراف اور ظلم کی وجہ سے اس میں اختلاف کیا کہ جو کتاب حاصل کر چکے تھے اوران کے پاس واضح نشانیاں پہنچ چکی تھیں۔ خداوند نے ایمانداروں کو اس حقیقت کی ہدایت کی جس کے بارے میں لوگوں کو اختلاف تھا۔ (لیکن بے ایمان لوگ اسی طرح گمراہی اور اختلاف میں پڑے رہے) اور خداوند جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔

نکات:

☆اس آیت سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ابتدائے دنیا میں لوگ فراخ اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے لیکن بعد میں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ افراد کی کثرت اور طریقہ ہائے کار کے زیادہ ہو جانے کی وجہ سے ان میں اختلافات اور جھگڑے شروع ہو گئے ۔بعض روایات میں اس دور کو حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے کا زمانہ قرار دیا گیا ہے کہ اس میں لوگ سادہ اور محدود قسم کی زندگی بسر کیا کرتے تھے اور ہر طرح کی خرابیوں اور برائیوں سے بے خبر تھے۔(تفسیر نور الثقلین، ج ا، ص ۲۰۹) لیکن پھر کچھ لوگ زیادہ منافع کی لالچ اور دوسروں سے خدمت لینے کے جذبے کے تحت جسے چاہتے اپنی خدمت کرنے کے لیے پکڑ لیتے اور اس کی کمائی سے فائدہ اٹھاتے۔یہیں سے معاشرے میں طبقاتی امتیازات پیدا ہوئے۔

اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے لیے ایک مضبوط، محکم اور منصفانہ قانون کی ضرورت ہوتی ہے جس کے ذریعہ اختلافات کا فیصلہ کیا جا سکے۔اسی ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے انبیا علیھم السلام کو مبعوث کیا اوران کے ساتھ کتابیں بھی نازل کیں لیکن

کچھ لوگوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کے تحت جان بوجھ کر انبیا کے فریضہ انذار و تبشیر (ڈرانے اور خوشخبری دینے) کا مقابلہ شروع کر دیا اس طرح وہ ایک اور اختلاف کا موجب بن گئے لیکن جو لوگ ہدایت کو قبول کرنے کی استعداد اور لیاقت رکھتے تھے خداوند نے اپنے لطف و کرم سے ان کی راہنمائی کی اور انہیں ہدایت سے نوازا لیکن جو لوگ دھونس، دھاندلی اور حسد یا ظلم کے بل بوتے پر مقابلہ کے لیے کمر بستہ ہو گئے خدا نے انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا تا کہ کل وہ اپنے کیے کی سزا پائیں۔

تفسیر جوامع الجامع میں ہے کہ ''كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً'' یعنی ''علی دینٍ واحدٍ'' سب لوگ ایک ہی فطرتِ خدا شناسی پر تھے۔

☆ قرآن مجید ایسے اختلافات کی مذمت کرتا ہے جو ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر کیے جائیں اور انسان انبیا کے فیصلے اور قوانین الٰہی کی پابندی کرنے سے گریز کرے۔ ورنہ ایسے اختلافات میں کوئی حرج نہیں ہے جن سے انسان عدل پر مبنی فیصلوں کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے ترازو کے دو مختلف پلڑے ہوتے ہیں جو اپنی متضاد اور مخالف چال کے ضمن میں عدل و انصاف تک لے جاتے ہیں۔ ''فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ''

پیغام:

ا۔ انسانی قوانین اور بشری تمدن اختلافات کو دور کرنے پر قادر نہیں ہیں کیونکہ ہر گروہ یا ہر فرد اپنے ذاتی مفادات کا تحفظ چاہتا ہے لہٰذا وہ اسی قسم کا قانون بنائے گا جو اس کے مفادات کا تحفظ کرے۔ اس سے دوسروں کے مفادات پر یقیناً زد پڑے گی اور معاشرہ لاقانونیت کا شکار ہو جائے گا۔ اس لیے بنی نوع انسان کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات کو حل کرنے کے لیے وحی اور انبیا کے ذریعے قانون سازی کی ضرورت ہوگی، ایسا قانون جو ہر طرح کی تحریف اور غلطی سے پاک صاف اور معصوم انسانوں کے ذریعے بے نیاز بادشاہ خالق کائنات کی طرف سے آیا ہو۔ ''فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ''

٢۔ اختلاف کا بہترین حل، قیامت کے بارے ایمان کی پختگی ہے۔ حضرات انبیا علیہم السلام اختلافات کو روکنے کے لیے جنت کی خوشخبری اور ان کا علاج کرنے کیلئے جہنم سے ڈرانے کا ذریعہ استعمال کرتے تھے۔ ''مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ''

٣۔ تمام انبیا کے اہداف کے خدوخال ایک ہی جیسے ہیں۔ ''النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ''

٤۔ تمام انبیا کے فیصلے، آسمانی قوانین کی چار چوب کے مطابق ہی ہوتے ہیں۔ ''اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ''

٥۔ انبیا کے فرائض میں سے ایک اتحاد قائم کرنا اور تفرقہ کی جڑیں کاٹنا اور اس کا قلع قمع کرنا ہے۔ ''لِيَحْكُمَ بَيْنَ

النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا ‘‘

۶۔تمام انبیا کے فیصلے ایک ہی بنیاد پر اور ایک ہی جیسے ہیں۔فرمایا گیا کہ ’’لِيَحْكُمَ ‘‘یوں نہیں فرمایا کہ ’لیحکموا ‘

۷۔بدترین قسم کے اختلافات وہ ہیں جو جان بوجھ کر کیے جائیں، جو حسد اور ظلم کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔’’فَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ‘‘

۸۔مومنین کے درمیان بھی اختلاف پیدا ہوجاتے ہیں لیکن خدائی ولایت اور راہبری کے سایہ میں ان کو ہدایت دی جاتی ہے۔’’فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ‘‘

۹۔ایمان، خدا تعالی کی طرف سے خاص ہدایت کا باعث ہے۔’’فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ‘

۱۰۔اگرچہ سب لوگوں کی ہدایت خدا تعالی کی مرضی سے ہے لیکن خدا تعالی کی مرضی انسان کے اختیار کی بنیاد پر ہے۔’’يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ‘‘

۱۱۔یہ صراط مستقیم ہے جو اختلافات کو ختم کرتی ہے۔’’اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾ ‘‘

آیت نمبر ۲۱۴

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

ترجمۃ الآیات

کیا تم نے یہ گمان کرلیا ہے کہ بہشت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تک تو تمہیں وہ حوادث در پیش ہی نہیں آئے جس طرح (کے حوادث) تم سے پہلے لوگوں کو پیش آچکے ہیں۔وہ تنگدستی اور بیماری سے دوچار ہوئے اور اس قدر جھنجھوڑے اور زیروزبر کیے گئے کہ پیغمبر اور جو لوگ

ایمان لا چکے تھے، کہنے لگے: کب خدا کی مدد آئے گی؟ (لیکن ان سے کہا گیا کہ) آگاہ رہو! خدا کی مدد نزدیک ہی ہے۔

نکات:

☆ ''بَأْسَآءُ'' ایسی سختی اور پریشانی ہے جو انسان پر خارج سے آئے، جیسے جنگ اور چوری وغیرہ۔ اور ''ضَرَّآءُ'' ایسی سختی اور پریشانی ہے جو اندرونی ہو، جیسے بیماری، زخم و آپریشن وغیرہ۔

☆ یہ آیت گذشتہ مومنین کی یاد دلا رہی ہے جنہوں نے سختیاں برداشت کیں جو کہ موجودہ مسلمانوں کیلئے ایک عبرت اور تسلی ہے۔ سخت و مشکل حوادث، الٰہی آزمائش ہیں۔ ایسی سخت جانی و مالی تنگ دستی اور بدامنی جیسی مشکلات سے دوچار ہو کر انسان کے جوہر کھلتے ہیں اور انسان صحیح معنوں میں انسان بنتا ہے۔

هر بلایی را عطایی با وی است
هر کدورت را صفایی در پی است
زیر هر رنجی، گنجی معتبر
خار دیدی، چشم بگشا گل نگر

ہر بلا کے اندر ایک عطا پائی جاتی ہے، ہر نفرت کے اندر مہربانی پائی جاتی ہے۔
ہر غم و رنج کے نیچے معدن اور گنج ہے۔ اگر تمہیں کانٹا چُبا ہے تو آنکھ کھولو اور پھول کو دیکھو۔

☆ پیغمبر اکرمؐ سے منقول ایک روایت میں پڑھتے ہیں کہ بہشت سختیوں میں لپٹی ہوئی ہے۔ (ان الجنة حفت بالمکاره و ان النار حفت بالشهوات 'تفسیر کاشف، ج۱، ص۳۱۹)

ایک اور روایت میں ہے کہ دنیا میں پریشان مومنین کیلئے ایسی جزا ہے کہ دوسرے لوگ کہیں گے: اے کاش! یہ پریشانیاں کچھ اور مزید مشکلات اور پریشانیوں کے ساتھ ہمارے لیے ہوتیں۔ (تفسیر منہج الصادقین، ج۱، ص۵۵۲)

جی ہاں! مشکلات، رشد و ہدایت اور قرب خدا کا ایک ذریعہ ہیں، بہشت میں جانے کا ایک راستہ ہے۔

نا برده رنج، گنج میسر نمی شود
مزد آن گرفت جان برادر که کار کرد

یعنی جب تک سختیاں برداشت نہیں کرو گے، خزانہ ہاتھ نہیں لگے گا۔ میرے بھائی! مزدوری کے پیسے اسے ملتے ہیں جو کام کرتا ہے۔

☆ دعا کی قبولیت میں دیر ہو جانا کہیں تمہارے لیے شک و تردید کا سبب نہ بن جائے کیونکہ خداوند تعالیٰ نے بارہا وعدہ

کیا ہے: ''اِنَّھُمْ لَھُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ'' (صافات۔ ۱۷۲) ہمارے انبیا اور بندوں کی ضرور مدد کی جائے گی۔ ''کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ'' (مجادلہ۔ ۲۱) خدا تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے بھیجے ہوئے، ضرور کامیاب ہوں گے۔

بہرحال خدا تعالیٰ نے کامیابی کا وعدہ کیا ہے اور ممکن ہے کہ بعض دلائل کی بنا پر ان میں تاخیر ہو جائے لیکن یہ تاخیر شک و تردید کا سبب نہ ہو۔

پیغام:

۱۔ صرف ایمان کی بنیاد پر اور کسی طرح کی سختی برداشت نہ کرتے ہوئے، جنت میں جانے کا انتظار، بے جا اور بیکار کا انتظار ہے۔ ''اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ۔۔۔''

۲۔ الٰہی سنت اور خدائی طریقہ کار میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی۔ تمام ملتوں، قوموں اور افراد کو آزمائش کی بھٹی سے کندن بن کر نکلنا ہوتا ہے۔ ''وَلَمَّا یَاْتِکُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا''

۳۔ دوسروں کی مشکلات کی طرف توجہ کرنے سے اپنی روح کو تسلی ہوتی ہے اور صبر آتا ہے۔ تاریخ سے عبرت اور سبق حاصل کرنا چاہیے۔ ''مَسَّتْھُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ''

۴۔ ہمیشہ تیار رہیں کیونکہ الٰہی آزمائشیں اتنی سخت ہوتی ہیں کہ بعض اوقات انبیا کو بھی مضطرب کر دیتی ہیں۔ ''یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ''

۵۔ سختیوں اور پریشانیوں میں انبیا، لوگوں سے الگ نہیں ہوتے۔ ''یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ''

۶۔ استجابت دعا کی شرائط میں سے ایک اضطرار اور غیر خدا سے قطع اُمید ہے۔ ''مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ''

۷۔ تمام مشکلات میں سکون واطمینان کا باعث صرف نصرت الٰہی پر ایمان رکھنا اور اسے یاد کرتے رہنا ہے۔ ''اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ''

۸۔ استقامت اور پائیداری سے نصرت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ ''مَسَّتْھُمُ۔۔۔ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ''

آیت نمبر ۲۱۵

یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ

وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۲۱۵﴾

ترجمۃ الآیات

(یہ) لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز (راہ خدا میں) خرچ کریں؟ آپ (ان سے) کہہ دیں کہ تم نیکی کے لیے جو کچھ بھی خرچ کرو تو وہ والدین، قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہونا چاہیے اور تم جو بھی نیک کام کرو گے تو یقیناً خدا اس سے آگاہ ہے۔

نکات:

☆ اس آیت میں دو مرتبہ کلمہ ''خَيۡرٍ'' استعمال ہوا ہے۔ ایک انفاق خیر ''اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ'' اور دوسرا کار خیر ''تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ'' تا کہ یہ بتا سکے کہ نادار افراد بھی نیکی اور بھلائی کے کاموں میں حصہ لے سکتے ہیں اور اپنے کام کو خیر تک پہنچا سکتے ہیں۔

☆ حدیث میں ہے کہ ''لا صدقة و ذو رحم محتاج'' (بحار، ج ۷۷، ص ۵۹) یعنی جب تک تمہارے رشتہ داروں میں غریب و محتاج افراد موجود ہیں، دوسروں کی باری نہیں آتی۔

انفاق کے معاملہ میں اہم اور مہم، مکمل معلومات اور قلبی اور نزدیکی تعلق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

☆ انفاق پانچ طرح سے ہے: (تفسیر مواہب الرحمن، ج ۳، ص ۲۶۴)

۱۔ واجب انفاق: جیسے زکوٰۃ، خمس، کفارے، قربانی اور نفقہ جو مرد پر کفیل ہونے کے حوالے سے واجب ہے۔

۲۔ مستحب انفاق: جیسے ضرورت مندوں کی مدد، یتیموں کی مدد اور دوستوں کو تحفہ دینا۔

۳۔ حرام انفاق: جیسے غصبی مال کو گناہ کیلئے دینا۔

۴۔ مکروہ انفاق: جیسے دوسرے مستحقین کی مدد کرنا جبکہ اپنے گھر میں اور رشتہ داروں میں مستحقین موجود ہوں۔ اس خیرات کا ثواب کم ہے۔

۵۔ مباح انفاق: زندگی کو بہتر بنانے کیلئے دوسرے افراد کی مدد کرنا۔ اس لئے کہ کسی کے فقر کو دور کرنے کیلئے مدد کرنا یا واجب ہے یا مستحب ہے۔

پیغام:

۱۔ انسان کو چاہیے کہ خرچ کرنے کی نوعیت، مقام اور طریقہ کو مکتب وحی سے سیکھے۔ ''يَسۡـَٔلُوۡنَكَ'' امام سجاد علیہ السلام''

دعائے مکارم الاخلاق'' میں خداوند عالم سے دعا مانگ رہے ہیں کہ وہ انہیں خرچ کرنے کا طریقہ وراستہ بتائے۔''و أصب بی سبیل الهدایة للبر فیما انفق منه''

۲۔ لوگوں کا سوال کرنا، خداوند تعالیٰ کی طرف سے جواب کے نزول کا سبب بنتا ہے۔''یَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ ؕ قُلۡ ''

۳۔ چھوٹے بڑے سب کام انفاق میں شامل ہو سکتے ہیں۔''مِّنۡ خَیۡرٍ''

۴۔ باایمان افراد کے ہاتھوں میں دنیا کی ثروت اور دولت ہونے سے خیر و نیکی بڑھتی ہے۔''مِّنۡ خَیۡرٍ''

۵۔ انفاق، اچھی اور پسندیدہ اشیا میں سے ہونا چاہیے۔''مِّنۡ خَیۡرٍ''

۶۔ انفاق، صرف مالی معاملات میں نہیں ہے بلکہ ہر نفع اور فائدہ سے انفاق ہو سکتا ہے۔''مِّنۡ خَیۡرٍ''

۷۔ انفاق کا بہترین مصرف و مورد، والدین اور قریبی رشتہ دار ہیں۔''فَلِلۡوَالِدَیۡنِ وَالۡاَقۡرَبِیۡنَ ---''

۸۔ اپنے رشتہ داروں کیلئے انفاق (خرچ) کرنے سے گھریلو اور خاندانی تعلقات گہرے ہوتے ہیں۔ دوسروں کو انفاق کرنے سے ضرورت مندوں کے معاشی اور نفسیاتی مسائل حل ہوتے ہیں جبکہ اس کے ذریعے معاشرتی طبقاتی اختلاف بھی کمزور پڑ جاتا ہے۔''فَلِلۡوَالِدَیۡنِ وَالۡاَقۡرَبِیۡنَ وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ؕ''

۹۔ صاحب حکمت وہ ہے جو سوال کرنے والے کے جواب میں ایسی بات کہے جس سے سوال کرنے والا پہلے غافل تھا۔ آیت میں انفاق کی جنس کے بارے میں سوال کیا گیا لیکن خدا تعالیٰ نے مورد کو معین فرمایا۔''مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ ؕ قُلۡ مَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ فَلِلۡوَالِدَیۡنِ وَالۡاَقۡرَبِیۡنَ وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ؕ ---''

۱۰۔ اسلام، محروم طبقوں پر خاص توجہ رکھتا ہے۔''الۡمَسٰکِیۡنِ''

۱۱۔ عمل صالح کبھی بھی ضائع نہیں ہوتا خواہ ظاہر میں انجام دیا جائے یا چھپ کر، کم ہو یا زیادہ ہو۔''فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ﴿۲۱۵﴾''

۱۲۔ ہمارے اعمال کے بارے میں خدا تعالیٰ ہر طرح سے آگاہ ہے، اس بات پر ایمان انسان کو مزید اچھے کام کرنے کی رغبت دلاتا ہے۔''فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ﴿۲۱۵﴾''

آیت نمبر ۲۱۶

کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِتَالُ وَہُوَ کُرۡہٌ لَّکُمۡ ۚ وَعَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَہُوۡا

شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

ترجمۃ الآیات

جنگ تم پر لازم قرار دے دی گئی ہے حالانکہ وہ تمہارے لیے خوش آئند نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو لیکن اس میں تمہاری بھلائی ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو لیکن اس میں تمہارا نقصان ہو۔ خدا (ہر بات) کو جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔

نکات:

☆ کلمہ ''کُرۡہٌ'' ایسی سختی کو کہا جاتا ہے جو انسان اندر سے محسوس کرے، جیسے جنگ کا خوف۔ ''کَرہ'' سے مراد ایسی سختی ہے جو انسان پر باہر سے نافذ کی جائے، جیسے مجبوراً کسی حکم کو ماننا۔ آیت میں ہے کہ ''ائۡتِيَا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيۡنَا طَآئِعِيۡنَ ﴿۱۱﴾'' (فصلت ۔ ۱۱) آسمانوں اور زمین سے کہا: رغبت کے ساتھ آؤ یا اکراہ کے ساتھ آؤ، انہوں نے کہا: ہم رغبت (شوق) کے ساتھ آئیں گے۔

☆ پہلے والی آیت مال دینے کے بارے میں تھی اور یہ آیت جان دینے کے بارے میں ہے۔

☆ جنگ کو ناپسند کرنے کی وجوہات کئی ایک ہیں: ۱۔ افراد کی آسائش پسندی اور آرام طلبی، ۲۔ انسان دوستی اور دوسرے انسانوں پر رحم، ۳۔ دشمنوں کے مقابلے میں اسلحہ اور افرادی قوت کی کمی کا ہونا۔

قرآن مجید فرماتا ہے: ہوسکتا ہے کہ یہ ناپسندیدگی تمہاری غلط پیش بینی کی وجہ سے ہو کہ تم جنگ کے آثار اور نتائج کو نہیں سمجھتے تمہاری توجہ صرف اس کے ظاہری اور مادی نقصانات کی طرف ہے جبکہ خداوند آج اور کل کے اسرار و نتائج اور کاموں کے مختلف پہلوؤں سے اچھی طرح باخبر ہے۔

☆ جنگ اپنی تمام تر سختیوں کے ساتھ بھی کچھ فائدے اور مثبت اثرات بھی رکھتی ہے۔ منجملہ:

الف۔ جنگی توانائیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

ب۔ دشمن کسی حملے کی جرات نہیں کرسکتا۔

ج۔ افراد میں ایفائے عہد اور ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

د۔ دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی قوت اور غلبے کا چرچا ہوتا ہے۔

ھ۔غیبی امداد شامل حال ہوتی ہے۔

و۔خدا سے مدد طلبی کا جذبہ قوی ہوجاتا ہے۔

ز۔خدا کی طرف سے اجروثواب ملتا ہے۔

ح۔تخلیقی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

دیگرادیان میں جہاد

☆ آج کل دنیا صلح کے ڈھنڈورے پیٹ رہی ہے اور جنگ کی مخالفت کررہی ہے حالانکہ راہ دین میں مسئلہ جہاد، تمام آسمانی ادیان میں ایک مسلمہ اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔

چنانچہ تورات کے چند مقامات پر کہا گیا ہے:

ا۔شہر کے تمام باشندوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دے اور ان کے اموال کو ایک ہی جگہ پر اکٹھا کرلے۔(تورات، سِفر تثنیہ، باب ۱۳، جملہ ۱۵)

۲۔ان سب کو یکبارگی ہلاک کردے اور کسی پر رحم نہ کر۔(تورات، سَفر تثنیہ، باب ۷، جملہ ۳)

۳۔جب تو جنگ کے لیے باہر جائے اور دشمن کی کثرت کو دیکھے تو اس سے ہرگز نہ ڈر۔(تورات، سِفر تثنیہ، باب ۲۰، جملہ ۱)

۴۔ہر شخص اپنے بھائی، دوست اور ہمسائے کو قتل کرے تاکہ بچھڑے کی پرستش کا کفارہ ہو۔(تورات، سِفر خروج، جملہ ۲۶)

۵۔حضرت موسیٰؑ نے لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو جنگ کی طرف روانہ کیا اور زبردست لڑائی شروع ہوگئی۔(تورات، سِفر اعداد، باب ۳۱، جملہ ۳۴)

☆اسی طرح انجیل متی کے دو مقامات پر ہم پڑھتے ہیں:

ا۔یہ گمان نہ کرو کہ میں آیا ہوں اور زمین پر سکون ہوگا۔ میں زمین پر سلامتی کے لیے نہیں بلکہ تلوار اٹھانے کے لیے آیا ہوں۔(انجیل متیٰ، باب ۱۰، جملہ ۷)

۲۔جو شخص اپنی جان کی سلامتی چاہتا ہے (اور جنگ کے لیے نہیں آتا) اسے ہلاک کردینا چاہیے اور جو شخص اپنی جان کو میرے لیے ہلاک کرکے شہید ہوجائے وہ اس (جان) کو پالے گا۔ (انجیل متیٰ، باب ۱۰، جملہ ۳۹)

☆انجیل لوقا کے دو مقامات پر بھی ہم پڑھتے ہیں:

ا۔میرے ان دشمنوں کو جو یہ نہیں چاہتے کہ میں ان پر حکمرانی کروں یہاں حاضر کرکے میرے سامنے قتل کردو۔(انجیل لوقا، باب ۱۹، جملہ ۲۸)

۲۔جس کے پاس تلوار نہیں ہے وہ اپنے کپڑے بیچ کر اسے خریدے۔(انجیل لوقا، باب ۲۲، جملہ ۳۶)

☆ قرآن پاک کی سورہ آل عمران ۔ ۱۴۷، سورہ مائدہ ۔ ۲۴ اور سورہ بقرہ ۔ ۲۴۶ میں بھی بتایا گیا ہے کہ جنگ و جہاد گذشتہ ادیان میں رائج رہے ہیں۔

پیغام:

۱۔ خیر و شر کا معیار، آسانی اور سختی یا شخصی رجحانات نہیں ہیں، بلکہ حقیقی مصلحت معیار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس بارے میں پہلے سے ہی اپنی ناقص سوچ کے ذریعے حاصل شدہ نتیجہ پر انحصار نہیں کرنا چاہیے۔ ''عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ''

۲۔ نفسانی بنیاد پر محبت اور نفرت یا کراہت، خیر و شر کی نشانی نہیں ہے۔ ''تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔـا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ''

۳۔ راہ دین میں جنگ و جہاد، خیر کی بنیاد ہے۔ ''كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ''

۴۔ ایسے خدا کے سامنے تسلیم ہو جائیں جو بے نہایت علم کی بنیاد پر ہمیں حکم دیتا ہے۔ چاہے ہم اس کی دلیل نہ جانتے ہوں۔ ''وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۲۱۶''

آیت نمبر ۲۱۷

يَسْـَٔـلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۲۱۷

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبرؐ) لوگ آپؐ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو آپؐ کہہ دیں اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے لیکن لوگوں کو خدا کی راہ سے اور ان کے حق پر ایمان لانے کی راہ سے روکنا، خدا سے کفر کرنا، مسجد الحرام کی ہتک حرمت کرنا، وہاں کے رہنے والوں کو ان کے گھروں سے نکال دینا، خدا کے ہاں اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فتنہ برپا کرنا تو قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (مشرکین) ہمیشہ تم لوگوں سے جنگ کرتے رہتے ہیں تاکہ اس طرح سے وہ تمہیں اپنے دین سے پلٹا سکیں لیکن تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پلٹ جائے گا اور کفر کی حالت میں مرے گا، ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت جائیں گے۔ ایسے ہی لوگ جہنمی ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

نکات:

☆ اس آیت میں "فِتْنَةُ" کے کلمہ سے مراد شرک، شکنجہ، امتحان اور بلویٰ ہے۔

☆ شیعہ وسنی تفاسیر میں ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ نے عبدالرحمن بن جحش نامی ایک شخص کو آٹھ آدمیوں کے ہمراہ ایک خط دے کر بھیجا تاکہ وہ کفار ومشرکین کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ جب فریقین کا آمنا سامنا ہوا تو ان میں لڑائی چھڑ گئی اس میں فریق مخالف کا سرغنہ مارا گیا اور دو آدمی قید کر لیے گئے۔ مسلمانوں نے مال اپنی تحویل میں لیا۔ یہ ماجرا ماہ رجب میں پیش آیا کہ جو ماہ حرام ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کا خیال تھا کہ آج جمادی الثانی کی آخری تاریخ ہے نہ کہ ماہ رجب کی پہلی تاریخ۔

یہ واقعہ ماہ رجب کے شروع میں ہوا جو کہ ماہ حرام میں سے تھا۔ (اسلام سے پہلے عرب قبائل میں حضرت ابراہیمؑ کی ایک سنت رائج تھی کہ چار مہینوں رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم الحرام حرمت والے مہینے تھے اور وہ ان میں جنگ نہیں کرتے تھے۔ اسلام نے بھی اس مقدس سنت کو بحال رکھا اور ان مہینوں میں جنگ وجدال کو حرام قرار دیا۔) مسلمانوں کا گروہ یہ سمجھ رہا تھا کہ جمادی الثانی کا آخر ہے نہ کہ اول ماہ رجب۔

بہرحال یہ لڑائی غلط فہمی کی وجہ سے حرمت والے مہینے (رجب) میں واقع ہوئی۔ کفار نے اس موضوع کو اپنے لیے ایک ہتھیار بنالیا اور یہ چرچا کرنا شروع کر دیا کہ مسلمان حرمت والے مہینوں کا احترام نہیں کرتے۔

ان کی زہریلی باتوں کا قرآن نے یوں جواب دیا ہے: یہ ٹھیک ہے کہ ماہ حرام میں جنگ گناہ ہے لیکن مسلمانوں کی غلط فہمی سے ایسا ہوا ہے۔ جبکہ تم تو جان بوجھ کر ایسے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہو، جن کی برائی اور سزا ماہ حرام میں جنگ سے کئی گنا

زیادہ ہے۔ لہٰذا تم اس قدر جرائم، رسوائیوں اور کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوتے ہوئے مسلمانوں کے غلط فہمی پر مبنی ایک عمل کو مسلمانوں کے خلاف اپنا ہتھیار نہ بناؤ۔

☆ دنیا میں مرتد کے اعمال کا حبط ہونا یہ ہے کہ وہ اسلام کے فائدوں سے محروم ہو جائے۔ کیونکہ اس کی سزا یہ ہے کہ اس کی بیوی الگ ہو جائے، وراثت سے محروم کر دیا جائے، تمام مسلمانوں سے قطع تعلق ہو جائے۔ اسلام و مسلمین کی حمایت ہٹا لی جائے اور بالآخر اس کو قتل کر دیا جائے۔

آخرت میں اس کے اعمال کا حبط ہونا، اس کے تمام کارِ خیر کا ختم ہو جانا اور بے سود ہونا ہے۔ ''حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ''

پیغام:

۱۔ شبہات کا مناسب جواب دیا جانا چاہیے۔ ''يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ''

۲۔ مسجد الحرام اور وہاں رہنے والے لوگ خاص احترام کے قابل ہیں۔ ''الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ''

۳۔ گناہوں کی سنگینی کا تعین کرنا خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ''اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ ۔۔۔''

۴۔ امن کی بربادی، قتل سے بدتر ہے۔ ''وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ''

۵۔ ضروری ہے کہ دشمن کے اہداف، ارادوں سے آگاہی حاصل کی جائے اور اس کی کوششوں پر نگاہ رکھی جائے۔ ''وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ''

۶۔ دشمن کا حملہ آور ہونا، آپ کے کفر اور ارتداد کو توجیہ نہیں کرتا۔ ''وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ ۔۔۔''

۷۔ دشمن ہمیشہ گھات میں لگے رہتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تم (مسلمان) لوگ کسی طرح مرتد ہو جاؤ، کفر اختیار کرو اور اپنے دین سے پیٹھ پھیر لو۔ وہ اس سے کم پر کسی طرح بھی راضی نہیں ہیں۔ وہ تم پر عارضی کامیابی کے خواہشمند نہیں ہیں بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے الٰہی مکتب و مذہب اور دین و ثقافت کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیں۔ ''حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ''

۸۔ عاقبت اچھی ہونا، بلند اقدار کا معیار ہے۔ کئی ایسے مسلمان ہیں جو کافر ہو کر مرے ہیں۔ ''فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ''

۹۔ ایمان اور عقیدہ کی اہمیت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ اگر ایمان رخصت ہو جائے تو اعمال خود بخود غارت ہو جاتے ہیں۔ ''مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ''

آیت نمبر ۲۱۸

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۙ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢١٨﴾

ترجمۃ الآیات

یقینا جو لوگ ایمان لے آئے اور جن لوگوں نے ہجرت کی راہ خدا میں جہاد کیا وہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور خداوند بخشنے والا مہربان ہے۔

نکات:

☆اس آیت کے شان نزول میں جو کہ گذشتہ آیت کا تسلسل ہے، میں فرمایا گیا ہے کہ وہ مومنین جنہوں نے ہجرت و جہاد کیا ہے لیکن ماہ رجب کے چاند کو ماہ جمادی الثانی کے ساتھ غلطی سے ملا دیا ہے اور قتال و جھگڑا انجام دیا ہے۔ وہ پریشان نہ ہوں کیونکہ ان کی غلطی قابل معافی ہے، ان کا ارادہ گناہ کو انجام دینا نہ تھا۔

☆عمل کے بغیر امیدیں لگائے رکھنا، آرزوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ سورہ کھف کی آخری آیت میں پڑھتے ہیں کہ "فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿١١٠﴾ "(سورہ کھف۔۱۱۰) یعنی جو اپنے پروردگار کی ملاقات اور اس کے قرب کو پہنچنے کی امید رکھتا ہے اسے چاہیے کہ نیک اعمال بجالائے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ "رجا" وہ امید ہوتی ہے جس تک پہنچنے کیلئے انسان اس کے مقدمات خود فراہم کرتا ہے۔

☆اسلام مختلف طریقوں سے انسان کو رحمت پروردگار کا امیدوار بناتا ہے:

۱۔ مایوسی اور ناامیدی گناہ کبیرہ ہے۔ (زمر۔ ۵۳)

۲۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے مومن بندے کے گمان کے قریب ہوں۔ اگر وہ میرے متعلق اچھا گمان رکھتا ہے تو میں بھی اسے نیکی عطا کروں گا۔" (کافی، ج۲،ص ۷۲)

۳۔ انبیا اور فرشتے مومنین کے لیے دعا اور استغفار کرتے ہیں۔ (غافر۔ ۷؛ ابراہیم۔ ۴۱)

۴۔ خدا کی طرف سے ملنے والا ثواب عمل کی نسبت کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ (بقرہ۔ ۲۶۱)

۵۔ توبہ کی مہلت خداوند عالم کی ایک رحمت ہے۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ (نساء۔ ۱۸)

۶۔ مومن کا مشکلات میں گھر جانا اور اس کا مصائب میں مبتلا ہونا اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ (بحار، ج ۸۱، ص ۱۷۶)

۷۔ خداوند عالم مومن کی توبہ قبول کر کے اس کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ (فرقان۔ ۷۰)

پیغام:

۱۔ ایمان کا مقام اور مرتبہ عمل پر مقدم ہے۔ ''اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا''

۲۔ پروردگار کے لطف و رحمت کی امید ایمان، ہجرت اور جہاد کے ساتھ مشروط ہے۔ ''اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا۔۔۔اُولٰٓئِكَ یَرۡجُوۡنَ''

۳۔ افکار اور اعمال کے بنیادی اصول اگر صحیح ہوں تو جزوی غلطیاں قابل معافی ہوتی ہیں۔ ''اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا۔۔۔اُولٰٓئِكَ یَرۡجُوۡنَ''

۴۔ ہمیشہ خداوند تعالیٰ کے لطف و کرم کا امیدوار رہنا چاہیے۔ اپنے نیک اعمال پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ بری عاقبت وحبط اعمال اور اطاعت کا قبول نہ ہونا، زندگی کے آخری لمحے تک ہمارے تعقب میں ہوتا ہے۔ ''یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰهِ ؕ''

۵۔ جب بندہ خدا تعالیٰ کی رحمت پر امیدوار رہتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اعلان فرماتا ہے کہ وہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔ ''یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۱۸﴾''

۶۔ ہجرت اور جہاد کی اہمیت اس وقت ہے جب خدا کی راہ میں اور اس کے لیے ہو۔ ''فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۙ''

۷۔ مومنین اور مہاجرین مخلصین بھی اس کی رحمت و مغفرت کی احتیاج رکھتے ہیں۔ ''هَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰهِ ؕ''

۸۔ مہاجرین فی سبیل اللہ اور راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کی غلطیوں کو معاف کر دینا چاہیے۔ ''وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۱۸﴾''

آیت نمبر ۲۱۹

یَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡخَمۡرِ وَالۡمَیۡسِرِ ؕ قُلۡ فِیۡهِمَاۤ اِثۡمٌ کَبِیۡرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثۡمُهُمَاۤ اَکۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا ؕ وَیَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا

يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسولؐ!) لوگ آپؐ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو آپؐ کہہ دیجئے کہ ان میں بہت بڑا گناہ ہے اور (مادی نقطہ نظر سے) لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔ (لیکن) ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے۔ (اسی طرح وہ) آپؐ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا چیز (راہ خدا میں) خرچ کریں؟ تو آپؐ کہہ دیجئے ''عفو''۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح آیات کو تمہارے لیے روشن اور واضح کر کے بیان کرتا ہے شاید کہ تم غور وفکر کرو۔

نکات:

☆ مفردات میں راغب کے مطابق کلمہ ''اِثْمٌ'' سے مراد ایسا عمل ہے جو انسان کو نیک کاموں کی انجام دہی میں سست کر دیتا ہے۔

☆ لوگوں کا پہلا سوال خمر اور میسر (شراب اور جوئے) سے متعلق ہے۔ لفظ ''خَمْرِ'' کا معنی ہے ''پوشش'' اور جس کپڑے سے عورتیں اپنے سر کو ڈھانپتی ہیں اور پردہ کرتی ہیں اسے ''خمار'' کہا جاتا ہے۔ چونکہ ''الکحلی مشروبات'' (نشہ آور اشیا) انسان کی قوت تشخیص وشناخت کو سلب کر لیتی ہیں اور حقیقت میں عقل کو ڈھانپ دیتی ہیں اسی لیے انہیں ''خمر'' کہا جاتا ہے۔

اسی طرح لفظ ''مَیْسِرِ'' ہے کہ جو ''یسر'' سے لیا گیا ہے۔ اس کا معنی ہے ''آسانی'' گویا جوئے میں فریقین یہ چاہتے ہیں کہ ایک دوسرے کا مال آسانی سے ہتھیا لیں۔

یہ آیت ان کے سوال کے جواب میں کہہ رہی ہے کہ شراب اور جوا دو بڑے گناہ ہیں اگرچہ ممکن ہے کہ اس کے ساتھ ان کے کچھ فائدے بھی ہوں۔ شاید یہ فوائد اس منافع کی طرف اشارہ ہوں جو شراب بنانے والے، انگور کاشت کرنے والے، کشمش تیار کرنے والے، شراب بیچنے والے یا کرایہ جات لینے والے، درآمدی برآمدی محصول لگانے والے اور میکدے اور قمار خانے کھولنے والے حاصل کرتے ہیں لیکن ان دونوں کا گناہ اور نقصان ان کے ظاہری فائدوں سے زیادہ ہے۔ علمی، سائنسی اور تربیتی کتابوں میں ان دونوں کے منفی اثرات اور نتائج کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔

یہاں ہم شراب اور جوئے کے نقصانات کی ایک فہرست تفسیر نمونہ سے پیش کرتے ہیں:

۱۔زندگی کم ہو جاتی ہے۔

۲۔بچوں کی پیدائش پر منفی اثرات پڑتے ہیں۔خصوصاً جب نشے کی حالت میں عورت سے ہمبستری کی جائے۔

۳۔اخلاقی بگاڑ میں اضافہ ہو جاتا ہے جرائم کی شرح بڑھ جاتی ہے۔خصوصاً چور چکاری، مار پیٹ، جنسی جرائم اور گاڑی چلاتے وقت حادثات اور خطرات میں اضافہ ہوتا ہے۔ایک دانشور کا قول ہے کہ ''اگر حکومتیں شراب فروشی کی نصف دکانیں بند کر دیں تو ہم آدھے ہسپتال اور پاگل خانے بند کر دیں گے۔''

جوا اس بات کا باعث ہے کہ طبیعت میں تیزی، اعصابی بیماریوں، دماغی اور قلبی سکتے، دل کی دھڑکن میں اضافے، بھوک نہ لگنے، رنگت کے اڑ جانے وغیرہ کا سبب بنے۔حتیٰ کہ تحقیقات کرنے والوں نے تو یہ بھی کہا ہے کہ تیس فیصد جرائم کا تعلق جوئے سے ہے۔ضمناً یہ بھی بتاتے چلیں کہ اقتصادی ترقی کے بارے میں جوا ایک تخریبی عمل ہے جو کہ مفید اقتصادی کاموں کے جذبے اور لگن کا خاتمہ کر دیتا ہے۔بعض غیر مسلم ممالک میں بھی مدتوں پہلے جوئے پر پابندی لگا دی گئی ہے۔مثلاً انگلستان میں ۱۸۵۳ء میں، روس میں ۱۸۵۴ء میں اور جرمنی میں ۱۸۷۳ء میں پابندی لگا دی گئی اور اسے غیر قانونی قرار دیا جا چکا ہے۔

☆اس آیت میں دوسرا سوال ''انفاق'' کے بارے میں ہے یعنی لوگ پوچھتے ہیں کہ کس چیز کا انفاق کیا جائے؟ جواب دیا جا رہا ہے کہ مال ''عَفْوَ'' کو خرچ کرو۔لغت میں ''عَفْوَ'' کے معنی ہیں: درگزر، معافی، اعتدال، اضافی مقدار اور مال کا بہترین حصہ۔ان معانی میں سے ہر ایک اس آیت سے مطابقت رکھتا ہے۔یہ بھی ممکن ہے کہ اس آیت میں عفو کے تمام معانی بیک وقت مراد ہوں گویا آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ انفاق کرو تو میانہ روی اختیار کرو اور اپنا مال ایک ہی مرتبہ خرچ نہ کر ڈالو کہ دوسروں کے محتاج ہو جاؤ۔نیز یہ کہ خرچ کرنے کے موقع پر اپنا بہترین مال راہ خدا میں دو۔جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ ''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ'' ''تم نیکی تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اس چیز کو خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہے۔(آل عمران۔۹۲)

☆تفاسیر میں آیا ہے کہ شراب کی حرمت تدریجی تھی کیونکہ اعراب شراب کی لعنت میں بری طرح سے گرفتار تھے۔اس لیے آیات نے تدریجاً انہیں حرمت کو قبول کرنے میں تیار کیا۔پہلے یہ آیت نازل ہوئی: ''تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ'' انگور سے مست کرنے والا مشروب اور نیک رزق حاصل ہوتا ہے۔(نحل۔۶۷) یعنی شراب نیک رزق میں شامل نہیں ہے۔پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ ''فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ'' شراب و جوئے کا نقصان لوگوں کیلئے، ان کے فائدے سے زیادہ ہے۔پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ ''لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى'' جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ۔(نساء۔۴۳)۔آخر میں اس کی ہمیشہ کی حرمت کا اعلان کیا گیا: ''اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ'' شراب اور جوا۔۔۔نجس ہیں اور شیطانی اعمال میں سے ہیں۔(مائدہ۔۹۰)

پیغام:

۱۔ شراب ہو یا جوا، دونوں ہی جسم اور روح کے بگاڑ اور غفلت کا موجب بنتے ہیں اسی لیے قرآن مجید میں ان دونوں کو ایک ہی جگہ ساتھ میں ذکر کیا گیا ہے۔ ''الۡخَمۡرِ وَالۡمَيۡسِرِ ؕ''

۲۔ اپنی عقل اور اپنے سکون کی حفاظت کرو۔ شراب کو حرام قرار دے کر عقل وفکر کی اور جوئے کو حرام کرنے سے روحانی اور اقتصادی سکون وسلامتی کی حفاظت کے اسباب مہیا کر دیئے گئے ہیں۔ ''فِيۡهِمَاۤ اِثۡمٌ كَبِيۡرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثۡمُهُمَاۤ اَكۡبَرُ''

۳۔ اپنے ہر سلوک اور رویے میں انصاف کا خیال رکھا کرو۔ دوسروں کی برائیوں کو ان کی اچھائیوں کے ساتھ دیکھا کرو آیت مجیدہ میں شراب اور جوئے کے فوائد سے بھی چشم پوشی نہیں کی گئی لیکن بات کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے کہ انسان کے اندر عقل سے کام لینے اور غور وفکر کرنے کی قوت زندہ ہو جاتی ہے۔ ''فِيۡهِمَاۤ اِثۡمٌ كَبِيۡرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثۡمُهُمَاۤ اَكۡبَرُ''

۴۔ ہوسکتا ہے کہ محرمات میں بھی بعض فائدے ہوں۔ ''مَنَافِعُ لِلنَّاسِ''

۵۔ قوانین بناتے وقت اہم اور اہم تر کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ ''مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثۡمُهُمَاۤ اَكۡبَرُ''

۶۔ خدائی احکام حقیقی مصالح اور مفاسد پر مبنی ہوتے ہیں۔ ''اِثۡمُهُمَاۤ اَكۡبَرُ''

۷۔ احکام کے فلسفہ سے آگاہی کی وجہ سے انسان انہیں قبول کرنے میں آسانی محسوس کرتا ہے اور جلدی قبول کر لیتا ہے۔ ''اِثۡمُهُمَاۤ اَكۡبَرُ''

آیت نمبر ۲۲۰

فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ؕ وَيَسۡـــَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡيَتٰمٰى ؕ قُلۡ اِصۡلَاحٌ لَّهُمۡ خَيۡرٌ ؕ وَاِنۡ تُخَالِطُوۡهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعۡنَتَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۲۰﴾

ترجمۃ الآیات

(شاید تم) دنیا اور آخرت کے بارے میں (غور وفکر کرو) اور (اے رسولؐ!) لوگ آپؐ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو آپؐ کہہ دیجئے کہ ان (کے امور) کی اصلاح بہتر

ہے۔ اگر تم (زندگی میں) ان سے میل جول رکھو (تو اس میں کوئی حرج نہیں) وہ تمہارے بھائی ہیں۔ (اور ان سے بھائیوں ہی جیسا سلوک کرو) اور اللہ تعالیٰ خیر خواہ سے الگ فسادی کو خوب پہچانتا ہے اور اگر اللہ چاہے تو تمہیں مصیبت میں ڈال دے (اور حکم دے دے کہ یتیموں کی سرپرستی کے دوران میں ان کے اموال اور کاروبار زندگی کو اپنے اموال سے مکمل طور پر علیحدہ رکھو لیکن خدا ایسا نہیں کرتا) بے شک وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

نکات:

☆ جملہ "فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ" یا تو انفاق سے متعلق ہے کہ جو گذشتہ آیات کے آخر میں آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ راہ خدا میں تمہارا یہ خرچ دنیا اور آخرت کی آسائش کے لیے ہونا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ تم سارا ہی مال خرچ کردو اور یہ عمل تمہارے لیے دنیا میں زحمت اور تکلیف کا سبب بن جائے اور بخل سے بھی کام نہ لو کہ تمہارے لیے آخرت کے ثواب سے محروم ہو جانے کا موجب بن جائے۔

یا پھر یہ جملہ غور و فکر کرنے سے متعلق ہے۔ جو سابقہ آیت کے آخر میں آیا ہے یعنی انسان کو اپنی دنیا اور آخرت کے بارے میں فکر کرنی چاہیے اور اسی دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کا سامان کرنا چاہیے۔ اسے مبدا و معاد، اسرار عالم، تخلیق کائنات اور ان پر حکم فرما قوانین کے بارے میں غور و فکر کرنا چاہیے اور وہ بھی اپنی عقل و فہم کے مطابق۔ اس لئے کہ مذہب کی قبولیت کے لیے تمام اسرار کی معرفت شرط نہیں ہے۔ (تفسیر المیزان، آیت ہذا)

☆ تفاسیر میں ہے کہ جب سورہ نساء کی آیت نمبر دس نازل ہوئی کہ یتیموں کا مال کھانا گویا آگ کو کھانا ہے۔ تو جن لوگوں کے گھروں میں یتیم موجود تھے وہ پریشان ہو گئے حتیٰ کہ کچھ لوگوں نے یتیموں کو گھروں سے نکال دیا اور بعض نے یتیموں کی غذا اور برتن علیحدہ کر دیئے۔ اس طرح صورت حال یہ ہوگئی کہ صاحب خانہ بھی مشکل میں پڑ گئے اور یتیم بھی پریشان حال ہو گئے۔ جب وہ لوگ پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یتیموں کے ساتھ سلوک کے بارے میں سوال کیا تو حضرت رسالت مآبؐ نے انہیں جواب دیا: یتیموں کو نکال دینے سے بہتر ان کی اصلاح اور ان کے امور کی نگرانی کرنا ہے۔ اگر تمہارے اموال کے ساتھ ان کے اموال مل گئے ہیں تو اس وجہ سے یتیموں کو آوارہ نہ کرو اور ان کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت سے جان نہ چھڑاؤ، وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اگر ان کا مال تمہارے مال سے مل جائے اور تمہارا مقصد ان کا مال کھانا نہیں ہے اور تمہاری طرف سے ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوتا، تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فسادی اور اصلاح کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

پیغام:

۱۔ دنیا و آخرت کو سطحی نگاہ سے نہ دیکھو بلکہ اس میں فکر کرو۔ "تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ"

۲۔ یتیموں کے امور کو چھوڑ دینا، ٹھیک نہیں ہے بلکہ نیکی کے ارادے کے ساتھ اور برادری کے جذبے کے ساتھ ان کے ہمراہ رہنے میں دو اطراف کی مصلحت ہے۔ ''قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ط''

۳۔ یتیموں کے حالات سدھارنے کے لیے ہر طرح کی اصلاح قابل قدر ہے۔ ''اِصْلَاحٌ'' کا لفظ مطلق طور پر استعمال ہوا ہے جو ہر قسم کی اصلاح کو شامل ہے خواہ ان کی مالی اصلاح ہو یا علمی و عملی یا تربیتی اور دینی اصلاح ہو۔ ''اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ط''

۴۔ یتیم نہ تو ہمارے غلام اور خادم ہیں اور نہ ہی ہماری اولاد ہیں بلکہ وہ ہمارے چھوٹے بھائی اور ہمارے ہی معاشرے کا حصہ ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ ہماری معاشرتی زندگی میں ہم سے گھل مل کر رہیں۔ ''فَاِخْوَانُكُمْ''

۵۔ نہ افراط ہو نہ تفریط ہو، نہ ہی اصلاح کے نام پر یتیموں کے مال کو کھاؤ، نہ فساد اور خرابی کے ڈر سے انہیں دور کر دو کیونکہ خدا تعالیٰ فساد کرنے والے اور اصلاح کرنے والے کو خوب جانتا ہے۔ ''وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ط''

۶۔ اگر ہم اچھی طرح سے سمجھ لیں کہ خدا تعالیٰ ہمارے افکار اور ہماری نیتوں سے خوب آگاہ ہے تو نہ ہم فساد کریں گے اور نہ ہم کوئی غلط کام کریں گے۔ ''وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ''

۷۔ اسلام میں کسی کی طاقت اور استطاعت سے زیادہ کچھ فرض نہیں ہے۔ ''وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ط''

۸۔ حکم میں آسانی پیدا کرنا، حکیمانہ کام ہے۔ ''وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾''

آیت نمبر ۲۲۱

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ط وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ج وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ط وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ط اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ صلے وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ج وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

ترجمۃ الآیات

جب تک مشرکہ عورتیں ایمان نہ لے آئیں ان سے نکاح نہ کرو اور ایماندار لونڈی ایک آزاد

مشرکہ عورت سے بہتر ہے اگرچہ (اس کی خوبصورتی یا ثروت یا معاشرتی زندگی) تمہیں اچھی لگے۔ (اپنی عورتوں کو) مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو۔ یقیناً ایماندار غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے اگرچہ (اس کا حسن، مال و دولت یا معاشرتی مقام) تمہیں اچھا لگے۔ وہ (مشرک لوگ تمہیں) جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور خداوند عالم بہشت اور مغفرت کی دعوت دیتا ہے اور اپنی آیات کو لوگوں کے لیے واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

نکات:

☆ غیر مومن افراد کے ساتھ نکاح کرنا آنے والی نسلوں کے لیے منفی اور گمراہ کن اثرات کا موجب ہوتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ دشمن کے آلہ کار بن جائیں۔ اگرچہ آیت غیر مسلمان کے ساتھ شادی کے بارے میں ہے۔ لیکن ہر اُس قسم کی معاشرت جس سے انسان کا ایمان خطرے میں پڑ جائے، ممنوع ہے۔

پیغام:

۱۔ کفار کے ساتھ خاندانی تعلق قائم کرنا، مسلمانوں کیلئے منع ہے۔ ''وَلَا تَنْكِحُوا''

۲۔ شریک زندگی کے انتخاب میں ایمان ایک اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں ظاہری فریب کا شکار نہیں ہوجانا چاہیے۔ مشرکین کے ساتھ شادی ممنوع ہے۔ ''وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ''

۳۔ شادی کے سلسلے میں خوبصورتی، دولت اور ظاہری منصب کے فریب میں نہ آئیں۔ ''وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ ... وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ''

۴۔ مقام و منزلت، مال و جمال، ایمان کی جگہ نہیں لے سکتے۔ ''وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ''

۵۔ باایمان لوگ کمزور اور محروم افراد کو اہمیت دیں اور ان کے ساتھ شادی کریں۔ ''وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ ... وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ''

۶۔ فطری غریزوں سے ضرور استفادہ کیا جائے لیکن اس میں مذہب کی حدود و قیود کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ''حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ ... حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ''

۷۔ ایمان ایک قدر ہے۔ چاہے کسی غلام یا کنیز میں ہو جبکہ شرک سقوط و شکست کی علامت ہے، چاہے کسی حُر یا آزاد شخص میں ہو۔ ''وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ'

۸۔ باپ اپنی بیٹی پر اس کی شادی کے سلسلے میں حق ولایت رکھتا ہے۔ داماد کے انتخاب کے بارے میں باپ سے

خطاب کرتے ہوئے تاکید کی جا رہی ہے کہ اپنی بیٹی کو مشرکین کے ہاتھ مت دو۔ ''لَا تُنْكِحُوا''

۹۔ پہلے ایمان پھر شادی، یہ نہ سوچنا کہ پہلے شادی کر دی جائے پھر ایمان لے آئیں گے اور ایمان لانے کیلئے راہ ہموار ہو جائے گی۔۔ ''حَتّٰى يُؤْمِنَّ ط ۔۔۔ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ط''

۱۰۔ مشرکین کے آلہ کاروں کو کسی بھی صورت مسلمانوں کی صفوں میں نہ گھسنے دو اور اس قسم کی شادی کے خطرناک نتائج کو لازماً مدنظر رکھو۔ ''اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ''

۱۱۔ زندگی کا مشرک ساتھی، جہنم کیلئے راہ ہموار کرتا ہے۔ ''يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ''

۱۲۔ اللہ کے احکام پر عمل کرنا، بہشت میں جانے کا راستہ ہے۔ ''وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ''

۱۳۔ مغفرت، الٰہی توفیق اور اذن کے ساتھ ہے۔ عیسائیوں کی طرح نہیں کہ جو بخشش کو اپنے بڑوں کے ہاتھ میں سمجھتے ہیں۔ ''وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ''

۱۴۔ واقعات اور حقائق کو انسان فطری طور پر حاصل کرتا ہے جبکہ اس قسم کے احکام کا بیان صرف ایک یاددہانی کیلئے ہوتا ہے۔ ''لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾''

آیت نمبر ۲۲۲

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ط قُلْ هُوَ اَذًى لا فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ لا وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

ترجمة الآیات

اور (اے رسولؐ!) لوگ آپؐ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو آپؐ (ان سے) کہہ دیجئے کہ وہ رنج اور تکلیف کا موجب ہے۔ لہٰذا حیض (کے دنوں) میں عورتوں سے کنارہ کش رہو۔ (ان سے ہم بستری نہ کرو) تاوقتیکہ وہ پاک ہو جائیں۔ جب وہ پاک ہو

جائیں تو جس راستے سے خدا نے تمہیں جانے کا حکم دیا ہے، ان سے جنسی آمیزش کرو۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک و پاکیزہ رہنے کو پسند کرتا ہے۔

نکات:

☆ ایام حیض میں عورتوں کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں یہودی بہت ہی سختی سے کام لیتے ہیں جبکہ نصاریٰ اس چیز کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ (یعنی وہ لوگ افراط وتفریط کا شکار ہیں۔) چنانچہ تورات میں ہے:

جو شخص حیض کی حالت میں عورت کو ہاتھ لگائے تو وہ شام تک نجس رہے گا۔ اس عورت کا بستر نجس ہے اور جہاں وہ بیٹھے گی وہ جگہ بھی نجس ہوجائے گی۔ جو شخص اس کے بستر کو چھولے وہ اپنے آپ کو پاک کرے اور جو شخص اس چیز کو ہاتھ لگائے جس پر وہ بیٹھی ہے تو وہ اپنے آپ کو دھوئے (نہائے) ورنہ شام تک نجس رہے گا۔ اگر مرد اس سے ہمبستری کرے گا تو سات دن تک نجس رہے گا اور اگر عورت اپنے مقررہ ایام سے زیادہ خون دیکھے تو وہ بھی نجس ہوگی۔ (تورات، سفر لاویان، جملہ ۱۹ تا ۲۹)

تورات کے ایسے سخت اور توہین آمیز احکام کے برخلاف نصاریٰ ایام حیض میں عورت سے ہمبستری تک کو جائز قرار دیتے ہیں۔

لیکن اسلام نے میانہ روی اور اعتدال کا راستہ اپنایا ہے اور وہ یہ کہ ایام حیض میں صرف جنسی آمیزش کو ممنوع قرار دیا ہے۔ (اور اس کی وجہ طبی، تربیتی اور اخلاقی نقصان ہیں۔) چنانچہ جنسی ملاپ کے علاوہ حائض عورتوں کے ساتھ دیگر ہر طرح کے معاشرتی مراسم اور نشست و برخاست رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

☆ اسلام ایک جامع دین ہے۔ اس کے پاس انسانی زندگی سے متعلق ہر سوال کا جواب موجود ہے۔ گذشتہ آیات میں ''یَسْئَلُوْنَكَ'' کے جملہ کے ساتھ حضرت رسالت مآبؐ سے کیے جانے والے کئی سوالات کا ذکر ہے اور اس کے ساتھ ہی ان سوالوں کا جواب بھی موجود ہے۔ کبھی جنگ کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے تو کسی وقت شراب اور جوئے سے متعلق پوچھا جاتا ہے۔ کہیں انفاق اور راہ خدا میں خرچ کے سلسلے میں گفتگو ہوتی ہے۔ زیر نظر آیت میں خون حیض کے بارے میں پوچھے جانے والے سوال کا جواب دیا جا رہا ہے اور یہی چیز کسی دین و مذہب کے جامع ہونے کی دلیل ہے۔ دین اسلام نے تو جنسی ملاپ تک کے سلسلے میں راہنمائی کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ''مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ط'' یعنی جس راستے سے آنے کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے وہیں سے آؤ۔ گویا تمام جزئی، کلی، مادی اور معنوی مسائل میں فرمان الٰہی پیش نظر ہے۔

☆ حیض کے ایام میں عورت جسمانی طور پر جنسی ملاپ کی آمادگی نہیں رکھتی، خون گاڑھا، بدبودار اور سوزش کا حامل ہونے کے باعث رحم کی جھلی کی رگوں کے منہ کھل جاتے ہیں۔ جس سے وہ عورت سستی، چڑچڑاہٹ اور کھچاوٹ کا شکار ہوجاتی ہے اور اس میں جنسی ملاپ سے لطف اٹھانے کی حس کمزور پڑ جاتی ہے۔ اسی طرح رحم ان دنوں اپنے اندر سے خون نکال رہا ہوتا ہے

اس لیے وہ بھی نطفے کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔ دانشوروں کے تجزیئے کے مطابق یہ بھی ممکن ہے کہ خون مرد کے سوراخ میں داخل ہوکر اسے ہمیشہ کیلئے نامرد بنادے۔

روایات میں بھی ہے کہ اگر ان دنوں میں نطفہ قرار پا جائے تو جو بچہ پیدا ہوگا وہ کئی جسمانی اور روحانی بیماریوں دو چار ہوسکتا ہے۔ (وسائل، ج ۲، ص ۵۶۸؛ تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۱۷۸)

پیغام:

۱۔ انبیا، مرجع ہیں اور لوگوں کے سوالات کے جوابات دیتے ہیں۔ ''یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ''

۲۔ سوال کرنے میں شرم نہیں کرنی چاہیے۔ ''یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ''

۳۔ احکام کا فلسفہ اور دلیل کا بیان، انہیں قبول کرنے میں مؤثر واقع ہوتے ہیں۔ اس آیت میں پہلے ہمبستری کے حرام کرنے کی وجہ بیان کی ہے پھر قربت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ''هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ''

۴۔ الٰہی احکام مصلحتوں کی حفاظت اور مفاسد کو دور کرنے کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ ''هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ''

۵۔ عادت کے ایام عورت کیلئے بہت مشکل ہوتے ہیں۔ ''هُوَ اَذًى''

۶۔ بیوی کے ساتھ نزدیکی کے لیے بھی کچھ حدود و قیود ہیں۔ ''فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ''

۷۔ زوجین میں سے ہر ایک کو دوسرے کا خیال رکھنا چاہیے۔ جب ایک مشکل میں ہو تو دوسرے کو صرف اپنی غرض پوری کرنے بارے میں نہ سوچنا چاہیے۔ ''فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ''

۸۔ جنسی ملاپ کیلئے طبی ہدایات اور صفائی کا خیال رکھنا چاہیے۔ ''حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ''

۹۔ جنسی ملاپ کیلئے بھی الٰہی احکام کی طرف توجہ رہے۔ ''فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ''

۱۰۔ توبہ اور گناہ و اشتباہ سے پلٹنا، خداوند کے قریب محبوب ہونے کا راستہ ہے۔ ''يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ''

۱۱۔ پشیمان اور توبہ کرنے والے افراد سے پیار و محبت کا اظہار کریں۔ ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ''

آیت نمبر ۲۲۳

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ

الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴿۲۲۳﴾

ترجمة الآيات

تمہاری عورتیں (بیویاں) تمہاری کھیتیاں ہیں تم جب چاہو ان کی طرف آسکتے ہو۔ (ان سے ہم بستر ہوسکتے ہو) اور اپنے لیے نیکی (اعمال صالحہ) آگے بھیجو، خدا سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ تمہیں اس سے جا ملنا ہے اور مومنین کو خوشخبری دے دو۔

نکات:

☆اس آیت میں عورتوں کو مزرعہ اور کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ وہ مرد کے بیج کو اپنے اندر پرورش دیتی ہے اور پھر نو ماہ کے بعد پھول سی اولاد اس انسانی گلستان میں اضافہ کرتی ہے۔ جس طرح کھیتی باڑی کے نہ ہونے سے انسانوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اسی طرح عورتوں کے بغیر انسانی معاشرہ نابود ہو جاتا ہے۔ عورتیں صرف ہوس رانی کا ذریعہ نہیں بلکہ وہ نسل انسانی کی بقا کا وسیلہ ہیں۔ لہٰذا یہ بات بہت ہی ضروری ہے کہ ازدواجی تعلقات قائم کرتے وقت ایک پاک و پاکیزہ نسل کی پیدائش کا مقصد پیش نظر رکھنا چاہیے۔ پاکیزہ نسل قیامت میں انسان کے لیے ذخیرہ ثابت ہوگی لہٰذا شہوت کے عروج کے وقت بھی اس مقدس مقصد کو نہیں بھولنا چاہیے۔

''وَاتَّقُوا اللّٰهَ'' کا جملہ اس بات سے خبردار کر رہا ہے کہ ناجائز راستے سے جنسی لذت حاصل نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ تمہیں خدا کے حضور پیش ہونا ہے لہٰذا ایسی روش اختیار کرو کہ کل خدا کے سامنے تمہیں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ بلکہ سرخرو اور سرافراز ہو کر اس کی بارگاہ میں ایسی اولاد اور ایسی نسل پیش کرو جو اس دن تمہارے لیے مجسم عمل صالح اور خیر و بھلائی کا موجب ہو۔

پیغام:

۱۔ مناسب شریک زندگی کا انتخاب، مناسب زراعت کی مانند ہے اور مناسب بیج کا انتخاب بھی بہتر پیداوار کے لیے اولین شرط ہے۔ ''نِسَآؤُكُمۡ حَرۡثٌ لَّكُمۡ''

۲۔ پیداوار کے سلسلے میں بیج اور زمین کو بہت ہی اہمیت حاصل ہے۔ اسی طرح آنے والی نسلوں کے لیے شوہر اور بیوی کا کردار انتہائی اہم ہوتا ہے۔ ''حَرۡثٌ لَّكُمۡ''

۳۔ وقتی طور پر کچھ رکاوٹوں کے ساتھ ہی لمبے عرصے کے لیے فائدہ حاصل کرنے کی اجازت ہے۔ گذشتہ آیت میں'' فاعتزلوا'' یعنی باز رہو، کہا گیا اور اس آیت میں ''فَاۡتُوۡا حَرۡثَكُمۡ'' یعنی اپنی کھیتی میں جب چاہے آؤ، کہا گیا ہے۔

۴۔ ہمبستری کیلئے مرد کو عورت کی طرف بڑھنا چاہیے۔ ''فَاۡتُوۡا حَرۡثَكُمۡ''

۵۔غرائز کی تکمیل میں بھی خدائی رنگ ہونا چاہیے۔اگر اس کا مقصد روز قیامت کے لیے ذخیرہ مہیا کرنا ہو تو اس میں بھی الٰہی رنگ آجاتا ہے۔"قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ"

صحیح بخاری میں ہے کہ "جنسی اختلاط سے اولیاء اللہ کا مقصد مجاہد اولاد کی پیدائش ہوتا ہے۔"

۶۔اگر تم معاشرے کو پاک و پاکیزہ نسل دو گے تو تم خود ہی اس سے بہرہ مند ہو گے۔"قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ"

۷۔عورتیں نہ تو بازاری سامان ہیں اور نہ ہی تاریکی کا سبب ہیں بلکہ وہ آبادی کی بنیاد رکھنے والی، تاریخ کی سرمایہ کار اور آخرت کے لیے تحفے دینے والی ہوتی ہیں۔"نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ"

۸۔جنسی مسائل میں تقویٰ کا لحاظ رکھیں۔"فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ"

۹۔خواہشات نفسانی کو تقویٰ کے ذریعے کنٹرول کریں۔"اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ"

۱۰۔آخرت پر ایمان ہی تقویٰ کے جانے کا بہترین ذریعہ ہے۔"وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ"

آیت نمبر ۲۲۴

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

ترجمۃ الآیات

اس بات کے لیے کہ تم نیکی کرو، تقویٰ اختیار کرو اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کے لیے اپنی قسموں میں خدا کو نشانہ نہ ٹھہراؤ (قسمیں نہ کھاؤ) اور خدا سننے اور جاننے والا ہے۔

نکات:

☆ متعدد تفاسیر میں، منجملہ مجمع البیان اور روح البیان میں اس آیت کی شان نزول میں لکھا ہے کہ اصحاب رسولؐ خدا میں سے ایک صحابی عبداللہ بن رواحہ کے داماد اور بیٹی کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا تو انہوں (عبداللہ بن رواحہ) نے قسم کھا کر کہا کہ وہ ان کے معاملے کی اصلاح کے لیے ان میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کریں گے۔اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس طرح کی قسموں کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔

☆ ''ایمان'' کا لفظ ''یمین'' کی جمع ہے، جس کا معنی ''قسم'' ہے۔ کلمہ ''عُرْضَۃً'' کا معنی ''پیش کرنا یا مانع قرار دینا'' ہے۔

☆ قسمیں کھا کر اپنی بات کی توجیہ نہ کرو اور اپنی ذمہ داری سے جان چھڑانے کی کوشش مت کرو، اس طرح سے نیک کاموں اور ان کے ثواب سے خود کو محروم نہ کر لو۔ ہر جگہ خدا اور اس کے مقدس نام کو استعمال نہ کرو۔ یہ کام بذات خود ایک طرح کی گستاخی اور بے ادبی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''لا تحلفوا باللہ صادقین ولا کاذبین'' خدا کی قسم نہ کھایا کرو خواہ سچی ہو یا جھوٹی ہو۔ (بحار، ج ۶۷، ص ۴۷)

پیغام:

۱۔ نام خدا اور مقدسات کا احترام باقی رہنا چاہیے۔ ''وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ''

۲۔ نیک کاموں کو انجام دینے میں رکاوٹ اور لوگوں کے درمیان اصلاح کو روکنے کیلئے قسموں کو استعمال نہیں کرنا چاہیے ''وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ''

آیت نمبر ۲۲۵

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

ترجمۃ الآیات

خداوند تم سے ان قسموں کا مواخذہ نہیں کرے گا جو لغو ہوں (اور بے اختیار زبان سے نکل جائیں) لیکن وہ ان (قسموں) کا ضرور مواخذہ کرے گا جو تمہارے دل سے (ارادے، آگاہی اور اختیار سے) نکلی ہوں اور خدا بخشنے والا بہت بردبار ہے۔

نکات:

☆ جو قسمیں بغیر توجہ کے یا غصے کی حالت میں، بے سوچے سمجھے، زیادہ باتیں کرنے، جلد بازی اور تیز زبانی کی وجہ سے انسان کی زبان سے نکل جاتی ہیں، ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی۔ انسان پر صرف ان قسموں کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو توجہ اور معمول

کے مطابق مفید کاموں کے لیے خدا کے مقدس نام کے ساتھ کھائی جائیں۔اس طرح کی قسمیں شرعی طور پر واجب العمل ہوتی ہیں اور ان کا توڑنا حرام ہے۔ان کے توڑے جانے کا کفارہ: دس فقیروں کو کھانا کھلایا جائے یا انہیں لباس دیا جائے یا پھر ایک غلام کو آزاد کیا جائے۔اگر مذکورہ صورتوں میں سے کسی ایک پر بھی عمل درآمد ممکن نہ ہو تو پھر تین دن کے روزے رکھے جائیں اور استغفار کی جائے۔(مائدہ۔۸۹)

پیغام:

۱۔انسان ان چیزوں کا ذمہ دار ہوتا ہے جن کو وہ ارادے اور انتخاب کے تحت انجام دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ انسان کی ان لغزشوں کو معاف کر دیتا ہے جو غیر معمولی حالات کے تحت غیر ارادی طور پر سرزد ہو جاتی ہیں۔''لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغۡوِ''

۲۔انسان کی نیت اور اس کا ارادہ، ثواب اور عذاب کا معیار ہے۔''کَسَبَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ ؕ''

۳۔خدا تعالیٰ کے حلم اور مغفرت کا ایک جلوہ، انسان کی غیر ارادی خطاؤں کو معاف کرنا ہے۔''لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ ۔۔۔ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۲۲۵﴾''

آیت نمبر ۲۲۶

لِلَّذِیۡنَ یُؤۡلُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ تَرَبُّصُ اَرۡبَعَۃِ اَشۡہُرٍ ۚ فَاِنۡ فَآءُوۡ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۲۶﴾

ترجمۃ الآیات

جو لوگ (اپنی بیویوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے) قسم کھاتے ہیں کہ اپنی بیویوں کے پاس نہیں جائیں گے ان کے لیے چار مہینوں کی مہلت ہے۔پس اگر وہ (اپنی قسم سے) باز آجائیں تو (ان پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ) خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

نکات:

☆''ایلا'' کا معنی ہے جنسی ملاپ کو ترک کر دینے کے لیے قسم کھانا۔زمانہ جاہلیت میں بعض مرد اپنی بیویوں کو پریشان کرنے کے لیے ایسا کیا کرتے تھے۔اس طرح سے وہ انہیں روحانی اور نفسیاتی دباؤ سے دوچار کر دیتے تھے۔وہ نہ تو کارآمد شوہر ہوتے اور نہ ہی طلاق دے کر انہیں آزاد کرتے تھے۔چنانچہ اس آیت میں اس طرح کے مردوں کو چار مہینے کی مہلت

دی گئی ہے کہ وہ اپنی بیویوں کا معاملہ صاف کریں۔ یا تو اپنی قسم سے باز آجائیں اور ان کے ساتھ صحیح زندگی گذاریں یا باقاعدہ انہیں طلاق دیں۔ یہ چار مہینے کی مدت اس بلا وجہ قسم کے احترام میں نہیں ہے بلکہ یہ اس لیے ہے کہ عام حالات میں کوئی مرد حق نہیں رکھتا کہ وہ چار ماہ سے زیادہ اپنی بیوی سے دور رہے۔

پیغام:

۱۔اسلام، مظلوموں کا حامی ہے۔ پوری تاریخ میں عورتیں ظلم کا شکار ہوتی رہی ہیں اور ان کے حقوق کو ضائع کیا جاتا رہا ہے۔قرآن پاک نے بارہا ان کی حمایت کی ہے۔''لِلَّذِیۡنَ یُؤۡلُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِهِمۡ ''

۲۔خرافات اور جاہلیت کے سلسلوں اور طریقہ ہائے کار کے ساتھ مقابلہ کرنا، انبیا کے اہم فرائض میں سے رہا ہے۔ ''لِلَّذِیۡنَ یُؤۡلُوۡنَ ''

۳۔کبھی انسان اپنے بدترین کاموں کیلئے، مقدس ترین ناموں کو بے جا استعمال کرتا ہے۔''یُؤۡلُوۡنَ ''

۴۔عورتوں کے حقوق اور ان کی فطری و روحانی ضرورتوں کو پورا کرنا ایک اہم اور بنیادی اصول حیات ہے۔''تَرَبُّصُ اَرۡبَعَةِ اَشۡهُرٍ ''

۵۔افراد کو واپس آنے کیلئے اور عاقلانہ فیصلہ کرنے کیلئے وقت درکار ہوتا ہے۔''اَرۡبَعَةِ اَشۡهُرٍ ''

۶۔طلاق کی طرف لے جانے کی بجائے لوگوں کو عام زندگی گذارنے کی طرف لے جانا چاہیے۔مرد اور عورت کو یہ جان لینا چاہیے کہ معمولی زندگی کی طرف لوٹنے میں خدا تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت شامل ہے۔''فَاِنۡ فَآءُوۡ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۲۶﴾ ''

آیت نمبر ۲۲۷

وَاِنۡ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۲۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر طلاق کا ارادہ کرلیا ہے۔(تمام شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے،تو کوئی حرج نہیں ہے۔) بے شک خدا تعالیٰ سب سے زیادہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

نکات:

☆ یہ چھوٹی سی آیت اس کے باوجود کہ طلاق کو صحیح قرار دے رہی ہے لیکن اس کے مفہوم میں یہ بات بطور تنبیہ موجود ہے کہ اگر مرد

حضرات طلاق دینے کا فیصلہ کرتے ہیں تو پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رحمت کا کوئی وعدہ باقی نہیں رہتا۔ خدا تعالیٰ ان کے کردار کے بارے میں خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔ وہ اچھی طرح سے جانتا ہے کہ اس مرد کی بے بنیاد انا تھی، نفس پرستی تھی کہ جس کی وجہ سے اس نے طلاق کے قانون سے غلط استفادہ کیا یا حقیقت میں اس کی گھریلو زندگی اس نہج پر آ گئی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں؟

پیغام:

۱۔ اسلام، طلاق کو اس کی تمام تر مشکلات اور برائیوں کے ساتھ قبول کرتا ہے۔ لیکن کسی صورت میں بھی بیوی کو بغیر کسی فیصلے کے یونہی چھوڑ دینے کو پسند نہیں کرتا۔ ''وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ''

۲۔ طلاق کا فیصلہ مرد کے ذمے ہے۔ ''عَزَمُوْا''

۳۔ ایسی نفس پرستی اور ایسا فیصلہ جس سے عورت کی زندگی تباہ ہو جائے، اس سے پرہیز کرو۔ ''فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾''

آیت نمبر ۲۲۸

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾

ترجمۃ الآیات

اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہے وہ تین (حیض سے) پاکی کی منتظر رہیں (طلاق کے بعد تین بار حیض آئے اور اس سے پاک ہوں۔ اس دوران عدت میں رہیں اور کوئی دوسرا شوہر نہ کریں) اور اگر وہ خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لیے حلال نہیں ہے کہ

جو کچھ خدا نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے اسے چھپائیں (بلکہ بچے کی پیدائش تک صبر کریں) اور اس صورت میں ان کے شوہر ان کی طرف رجوع کرنے اور (زناشوئی کے پیمان کو از سرنو پختہ کرنے کے دوسروں سے) زیادہ حقدار ہیں۔ جبکہ (صحیح معنوں میں) اصلاح کو خواہاں ہوں۔ اسی طرح عورتوں کے بھی ان پر شائستہ حقوق ہیں لیکن مردوں کو ان پر ایک طرح کی برتری حاصل ہے اور خداوند عالم غلبے والا حکمت والا ہے۔

نکات:

☆ ''قُرُوْٓءٍ'' کے دو معنی ہیں ایک تو ''حیض سے پاک ہونا'' اور دوسرے ''حیض کی حالت میں ہونا'' لیکن اگر اس کی جمع ''قُروء'' آئے تو اس کے معنی ''حیض سے پاک ہونا'' ہیں۔ لیکن اگر اس کی جمع ''اَقراء'' کی صورت میں آئے تو پھر اس کے معنی ''حیض کی حالت میں ہونا'' ہیں۔

☆ عدت گزرنے کی پابندی خداوند حکیم کی حکمت پر مبنی ایک طریقہ عمل ہے کیونکہ اس دوران میں ایک تو سابقہ زندگی کی طرف واپس جانے کے لیے مہلت مل جاتی ہے اور جذبات ٹھنڈے ہو جاتے ہیں دوسرے یہ کہ اگر عورت نے دوسری شادی کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو وہ حیض کے خون سے تین بار پاک بھی ہو جائے۔ تاکہ ایک مرد کی نسل دوسرے کی نسل سے مشتبہ نہ ہو جائے۔

☆ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: حیض سے پاک ہونے اور حاملہ ہونے کے بارے میں خود عورت کی اپنی گواہی کافی ہے۔ کسی کی گواہی، قسم اور کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں لیکن عورتوں پر حرام ہے کہ وہ خلاف واقعہ بات کریں۔ ان پر لازم ہے کہ کسی بات کو نہ چھپائیں اور اگر وہ کسی بات کو چھپائیں گی تو ان کا خدا اور قیامت پر ایمان نہیں ہوگا۔

☆ ایام عدت میں شوہر اگر چاہے کہ اپنی بیوی کی طرف رجوع کرے تو اس کے لیے کوئی شرط یا کسی قسم کے رسم و رواج کی ضرورت نہیں ہے۔ برخلاف طلاق کے، طلاق دینے میں بہت سی شرائط اور کئی قسم کے ادب وآداب ضروری ہیں۔ مذکورہ ایام عدت بعض عورتوں کیلئے ہے۔ حاملہ، یائسہ یا ایسی عورتیں جن کے ساتھ جنسی ملاپ نہیں ہوا ان کے احکام مختلف ہیں، جو اپنی مناسب جگہ بیان ہونگے۔

پیغام:

۱۔ طلاق کے فوراً بعد عورت کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسری شادی کرلے۔ ''وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ''

۲۔ طلاق کے مسئلہ میں اولاد کو ان کے حقوق سے محروم نہ کیا جائے۔ ''مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ''

۳۔ قوانین کے اجرا کی بہترین ضمانت، خدا پر ایمان ہے۔ ''لَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ''

۴۔ زندگی کو پہلے کی طرح جاری رکھنے میں ترجیح پہلے شوہر کیلئے ہے۔ ''بُعُوۡلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ''

۵۔ رجوع کرنے میں نیک نیتی پہلی اور بنیادی شرط ہے۔ مبادا شوہر اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کے لیے رجوع کرے اور پھر سے لاتعلق ہو جائے۔ ''اِنۡ اَرَادُوۡۤا اِصۡلَاحًا''

۶۔ جہاں پر فرائض ہوتے ہیں وہاں حقوق بھی آتے ہیں۔ جب کوئی اپنے ذمہ کوئی چیز لیتا ہے تو اس کا دوسرے پر حق بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جہاں والدین پر اولاد کے بارے میں فریضہ عائد ہوتا ہے وہاں اولاد پر ان کے کچھ حقوق بھی ہیں۔ ''وَلَهُنَّ مِثۡلُ الَّذِىۡ عَلَيۡهِنَّ''

۷۔ عورتوں کے ساتھ سلوک اور برتاؤ میں انصاف کیا جائے۔ ''وَلَهُنَّ مِثۡلُ الَّذِىۡ عَلَيۡهِنَّ''

۸۔ زمانہ جاہلیت میں بہت سے طے شدہ قطعی قوانین عورتوں کے خلاف بنائے گئے تھے۔ اسلام نے ان کی نفی کے ساتھ، ان کا ازالہ کیا ہے۔ ''لَهُنَّ مِثۡلُ الَّذِىۡ عَلَيۡهِنَّ'' ''عَلَيۡهِنَّ'' نقصان پر دلالت کرتا ہے۔

۹۔ ایک ہی جیسے حالات میں مختلف افراد کے بارے میں فرق کا قائل ہونا جسے تبعیض کہتے ہیں، ممنوع ہے۔ لیکن فرائض کی بجا آوری، استعداد و لیاقت اور ضروریات کو پورا کرنے میں کسی ایک کو دوسرے پر برتری حاصل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ ''وَلِلرِّجَالِ عَلَيۡهِنَّ دَرَجَةٌ''

۱۰۔ مرد اس بات کا حق نہیں رکھتے کہ اس برتری سے غلط استفادہ کریں کیونکہ اصل قوت اور طاقت خداوند تعالیٰ کیلئے ہے۔ ''عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۲۸﴾''

۱۱۔ عدت کا وقت گزارنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پوشیدہ ہے۔ ''وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۲۸﴾''

آیت نمبر ۲۲۹

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَـكُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـئًا اِلَّاۤ اَنۡ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ ؕ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا ۚ وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۲۹﴾

ترجمۃ الآیات

طلاق (رجعی) دو مرتبہ ہے (اور دونوں ہی دفعہ) شوہر کو چاہیے کہ یا تو اپنی بیوی کو اچھے طریقے سے اپنے پاس رکھ لے (اور اس سے صلح کر لے) یا پھر شرافت کے ساتھ اسے چھوڑ دے (اور اس سے جدا ہو جائے) اور تمہارے لیے یہ بات حلال نہیں کہ جو چیز تم نے اپنی بیویوں کو دی ہے ان سے واپس لے لو۔ مگر یہ دونوں شریک زندگی اس بات سے ڈریں کہ وہ خدائی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ پس اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ حدود الٰہی کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو پھر اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ عورت فدیہ اور عوض دے کر خود کو چھڑا لے۔ (طلاق لے لے) یہ خدا کی حدود ہیں لٰہذا ان سے تجاوز نہ کرو اور جو شخص ان سے تجاوز کرے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

نکات:

☆ زمانہ جاہلیت میں عورت کو طلاق دینا اور پھر رجوع کر لینا، ایک عام سی بات تھی اور اس میں کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی۔ لیکن اسلام نے زیادہ سے زیادہ تین بار طلاق اور اس میں دو بار رجوع کرنے کو جائز قرار دیا ہے تاکہ عورت اور خاندان کی عزت واحترام باقی رہ سکے۔ (تفسیر مجمع البیان)

☆ اسلام میں طلاق بہت ہی ناپسندیدہ فعل ہے اور اسے ''بدترین حلال'' کا نام دیا گیا ہے۔ بعض اوقات فریقین کی نااتفاقی اس حد تک جا پہنچتی ہے کہ ان کا ایک دوسرے کے ساتھ رہنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اس آیت میں طلاق رجعی جو کہ مرد کی طرف سے ہے، اس کے علاوہ طلاق خُلع جو کہ عورت کی طرف سے تجویز کی جاتی ہے، اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ عورت اپنا حق مہر یا کوئی اور چیز فدیہ کے طور پر اپنی آزادی کے لیے دے اور طلاق حاصل کر لے۔

☆ طلاق کی تعداد، رجوع کی تعداد اور بقائے زندگی کی بنیاد پر ہے۔ اگر کوئی شخص ایک ہی مجلس میں کہہ دیتا ہے کہ ''میں نے تمہیں تین طلاقیں دے دی ہیں۔'' درحقیقت یہ ایک ہی طلاق شمار ہوگی۔ اس نے ایک عقد سے زیادہ کو نہیں توڑا۔ لٰہذا فقہ اہلبیتؑ کی بنیاد پر چند طلاق چند مرحلوں میں ہونی چاہیے جو کہ ایک ہی مرتبہ میں واقع نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس میں مصلحت اور خوبی نہیں ہے کہ گھریلو زندگی کو ایک ہی مجلس میں اور ایک مرتبہ ارادہ کر لینے کے بعد فوراً اور ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا جائے۔

(اس بات کے پیش نظر جامعۃ الازہر کے چانسلر اور مصر کے مفتی اعظم شیخ محمود شلتوت مرحوم نے کہا تھا کہ میں طلاق کے

مسئلہ میں فقہ جعفریہ کو ترجیح دیتا ہوں۔)

پیغام:

۱۔ایک دوسرے سے جدائی اور روابط منقطع کرنے کے لیے ایک ہی دفعہ کوئی حتمی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ غور وفکر کرنے اور رجوع کر لینے کی راہیں کھلی رکھنی چاہئیں۔''اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ''

۲۔بیوی کو تکلیف دینا اور نقصان پہنچانا منع ہے۔مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی ضرورت پوری کرنے یا عورت کو روحانی ونفسیاتی طور پر ضرب لگانے کے لیے اس کی طرف رجوع کرے اور مقصد پورا ہو جانے کے بعد اسے چھوڑ دے۔'' فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ''

۳۔گھریلو زندگی میں شخصی تجربات اور اَن جان قسم کے طریقوں سے پرہیز کرنا چاہیے، عام اور معمول کے مطابق زندگی کو گزارنا چاہیے۔''فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ''

۴۔جدائی کی تلخی کو احسان اور تحفہ کے ذریعے ازلہ کریں۔''اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ''

۵۔طلاق کو کینہ، سختی اور انتقام کا سبب نہیں بنانا چاہیے بلکہ اگر طلاق ناگزیر ہو جائے تو ایسی صورت میں بھی نیکی ایک بنیادی شرط ہے۔''اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ''

۶۔زندگی میں اصل یہ ہے کہ آپ کی بیوی آپ کے ساتھ ہی رہے۔اسے چھوڑ دینا اصل نہیں ہے۔کلمہ''اِمْسَاكٌ''ہر جگہ کلمہ''تسریح''سے پہلے آیا ہے۔''فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ''

۷۔اسلام میں حقوق واحکام، اخلاق اور مہربانی سے الگ نہیں ہیں۔کلمہ''اِحْسَانٍ''اور''مَعْرُوْفٍ''اسی بات کی علامت ہیں۔''فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ''

۸۔حقوق کی رعایت کرنا ضروری ہے۔مرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ عورت کے مہر میں سے کچھ واپس لے کیونکہ یہ عورت کی ذاتی ملکیت اور اس کا ایک قطعی حق ہے۔''لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا''

۹۔مرد اور عورت کی خواہشات، الٰہی حدود کے اندر رہنی چاہئیں۔''اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ''

۱۰۔طلاق کے مورد میں زن وشوہر کا ذاتی نظریہ کافی نہیں ہے۔بلکہ ضروری ہے کہ دوسرے افراد بھی ان کی زندگی کے معاملات کا خوش اسلوبی سے آگے بڑھنے پر کوئی امید نہ رکھتے ہوں۔''يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ''

بیوی اور شوہر کبھی کہتے ہیں کہ ہمارا اخلاق آپس میں نہیں ملتا، لیکن ان کی یہ بات اصل میں ان کے غصہ کی وجہ سے ہے۔ اسی لیے قرآن نے بیوی اور شوہر کے خوف کے ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی شامل کیا ہے تاکہ وہ بھی ان حالات کو سمجھیں اور اپنا کردار ادا کریں۔''خِفْتُمْ''

۱۱۔ جب بھی کوئی حتمی فیصلہ کرنا مقصود ہو تو حدود الٰہی اور فریضہ کی ادائیگی کو بنیادی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ اگر حدود الٰہی کی پابندی ہو سکے تو ازدواج کو باقی رکھا جائے ورنہ طلاق دے دی جائے۔ ''فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا یُقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰہِ ۙ''

۱۲۔ طلاق خُلع ایسا راستہ ہے جس کے ذریعے عورت اپنے آپ کو بند راہوں سے باہر نکال سکتی ہے۔ ''افۡتَدَتۡ بِہٖ ؕ''

۱۳۔ اسلام کسی کے ساتھ زبردستی زندگی گزارنے اور جبر و اکراہ پر مبنی خانوادگی زندگی کی اجازت نہیں دیتا اگر عورت اپنی زندگی کی اس نہج تک پہنچ جائے کہ اپنے حق مہر سے صرف نظر کر کے اپنی جان چھڑانے پر مجبور ہو جائے تو اسلام نے اس کے لیے راستہ کھلا رکھا ہے۔ البتہ مرد کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ''طلاق خُلع'' کی پیش کش کو منظور کرے۔ ''فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡہِمَا فِیۡمَا افۡتَدَتۡ بِہٖ ؕ''

۱۴۔ قانون الٰہی کو توڑنا ظلم ہے۔ ''وَمَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۲۹﴾''

آیت نمبر ۲۳۰

فَاِنۡ طَلَّقَہَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰی تَنۡکِحَ زَوۡجًا غَیۡرَہٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَہَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡہِمَاۤ اَنۡ یَّتَرَاجَعَاۤ اِنۡ ظَنَّاۤ اَنۡ یُّقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰہِ ؕ وَتِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ یُبَیِّنُہَا لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۰﴾

ترجمۃ الآیات

پس اگر (دو طلاقوں اور دو رجوعوں کے بعد) عورت کو (تیسری) طلاق دے تو پھر وہ عورت اس پر حلال نہیں ہوگی مگر یہ کہ کسی اور مرد سے نکاح کرے اور وہ اس سے ہمبستری کرے اور اگر (دوسرا شوہر) اسے طلاق دے دے تو پھر کوئی حرج نہیں کہ وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف لوٹ جائیں (عورت اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کرے) جبکہ انہیں اس بات کی امید ہو کہ وہ خدا کی حدود کو قائم رکھیں گے اور یہی تو خدا کی حدود ہیں، جنہیں وہ علم رکھنے والوں کے لیے بیان کرتا ہے۔

نکات:

☆ اسلام میں بعض ضوابط ایسے ہیں جو جلدی بازی میں فیصلے کرنے سے روکتے ہیں۔ مثلاً

الف: اگر کوئی چاہتا ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو عورت کا ان حالات میں پاک ہونا ضروری ہے۔ طلاق دو عادل مرد گواہوں کے سامنے ہو۔ طلاق کے بعد بھی مرد ایک معین مدت تک اپنی بیوی کا نان نفقہ اٹھائے گا عدت کے دنوں میں عورت بناؤ سنگھار کر کے اپنے شوہر کے سامنے جاسکتی ہے۔

یہ تمام شرائط جلد بازی میں طلاق کے دیے جانے کو روکتی ہیں۔

ب: لوگ اپنی خصوصی باتیں پوچھنے کیلئے پیغمبر اکرمؐ کے پاس بھیڑ لگائے رہتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ جو کوئی پیغمبرؐ کے ساتھ خصوصی بات کرنا چاہتا ہے پہلے کچھ صدقہ ادا کرے پھر بات کرے۔ یہ قانون غیر ضروری سوالات کو روکنے کیلئے بنایا گیا تھا۔ (مجادلہ۔ ۱۲)

بہر حال دوسرے شوہر کے ساتھ شادی کرنا اور پھر اس کا طلاق دے دینا تا کہ پھر سے پہلے شوہر کے ساتھ شادی ہو جائے۔ یہ تمام مشکل مراحل بھی اسلام کے ایسے ضوابط میں سے ہے جو جلد بازی میں فیصلے کرنے سے روکتے ہیں۔

پیغام:

۱۔ مردوں کو اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ہمیشہ کے لیے آزاد اور خود مختار نہیں ہیں۔ امام علی رضا علیہ السلام سے روایت ہوئی ہے کہ "طلاق" کو معمولی بات نہ سمجھو اور عورتوں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ "فَلَا تَحِلُّ لَهٗ" (من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۳، ص ۵۰۲)

۲۔ احکام الٰہی کی بنیاد پر زندگی گزارنے کے بارے ارادہ رکھنا شادی کی شرط ہے۔ "اِنۡ ظَنَّاۤ اَنۡ یُّقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ"

۳۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ حدود الٰہی صرف نماز، روزہ، حج اور جہاد ہی کا نام نہیں بلکہ خاندانی اور عائلی زندگی کے مسائل کا تعلق بھی حدود الٰہی سے ہے۔ "تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ"

۴۔ ہر شخص الٰہی قوانین کی حکمت اور ان کے رازوں کو نہیں جان سکتا اسی لیے بعض لوگ ان احکام کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن صاحبان علم ان قوانین کے اسرار و رموز بخوبی جانتے ہیں۔ "لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۰﴾"

آیت نمبر ۲۳۱

وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِکُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ

سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫
وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَاۤ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ
وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی اور وہ اپنی ''عدت'' کے آخری دنوں تک پہنچ گئیں تو پھر انہیں صحیح طریقے سے اپنے پاس روک لو (اور صلح کرلو) یا انہیں اچھے انداز میں گھر سے رخصت کردو۔ انہیں نقصان پہنچانے اور ان پر ظلم کرنے کی غرض سے نہ روکو اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہ آپ اپنے اوپر ظلم کرے گا۔ خدا کی آیات کو مذاق نہ بناؤ اس نعمت کو یاد کرو جو خدا نے تمہیں دی ہے۔ آسمانی کتاب اور حکمت کہ جو اس نے تم پر نازل کی ہے اور تمہیں اس کے ذریعہ نصیحت کرتا ہے۔ خدا کا تقویٰ اختیار کرو اور جانے رہو کہ خداوند عالم ہر چیز سے آگاہ ہے۔

نکات:

☆ جہاں بھی انحراف وکجی، ظلم اور خطرے کا امکان زیادہ ہوتا ہے اس سے متعلق تنبیہات اور سفارشیں بڑھ جاتی ہیں۔ اگرچہ اس سے دو آیات پہلے میں ارشاد ہو چکا ہے کہ ''فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ'' (سورہ بقرہ۔۲۲۹) اس آیت میں پھر ایک مرتبہ فرمایا: فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪'' کیونکہ طلاق کے موقع پر زن ومرد کی اندرونی کیفیت معمول کے مطابق نہیں ہوتی بلکہ جذبہ انتقام وزیاں ان دنوں میں بڑھ جاتا ہے اور ظلم وتجاوز تو ہر وقت انسان کے دامن گیر ہوتا ہے۔

☆ عورت پر ظلم درحقیقت اپنے آپ پر ظلم ہے کیونکہ عورت کے حقوق کے بارے میں ظلم سے خود مرد ہی کو تکلیف ہوتی ہے۔ تخلیقی نظام میں مرد اور عورت ایک ہی پیکر کے دو اجزا ہیں اور کسی ایک عضو پر ظلم درحقیقت تمام اعضا پر ظلم ہوتا ہے۔ جو شخص

عورت پر ظلم کرتا ہے وہ عذاب الٰہی کی طرف بڑھتا ہے تو اس طرح وہ اپنے اوپر ظلم کر رہا ہوتا ہے۔

پیغام:

١۔ اسلام از دواجی زندگی کو صدق وصفا اور مہر ومحبت کی بنیادوں پر استوار دیکھنا چاہتا ہے۔ بیوی کو تکلیف دینے کی غرض سے اپنے پاس روکنا حرام ہے۔ ''وَلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا‌ ۚ''

٢۔ جو کوئی اپنی بیوی کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے وہ تجاوز کرنے والوں میں سے ہے۔ ''لِّتَعۡتَدُوۡا ۚ''

(جو حدود سے گزر جانے والے ہیں اور دوسروں کے حقوق کا خیال نہیں رکھتے، خدا تعالیٰ کی طرف سے مہر ومحبت کے مستحق قرار نہیں پاتے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَ ﴿۱۹۰﴾'' بقرہ۔ ١٩٠)

٣۔ عورت پر ظلم خود اپنے اوپر ظلم ہے۔ ''فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ‌ ؕ''

٤۔ از دواج خدائی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہے۔ لہٰذا بے موقع طلاق دے کر یا بیوی کو تکلیف دینے کی غرض سے روک کر اس مقدس قانون کا مذاق نہ اڑایا جائے۔ ''وَلَا تَتَّخِذُوۡٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا‌ ؗ''

(ارشاد ہے: ''وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً ؕ'' خدا کی آیات میں سے یہ بھی ہے کہ اس (خدا) نے تمہارے لیے خود تم ہی سے شریک حیات کو پیدا کیا ہے تا کہ تم اس کے دامن میں سکون محسوس کرو اور تمہارے اور ان کے درمیان مودت اور رحمت مقرر فرمائی ہے۔ روم۔ ٢١)

٥۔ نعمتوں کو تلخی کے ساتھ یاد نہ کریں بلکہ اچھے طریقے سے یاد کریں۔ کینہ رکھنے اور ایک دوسرے کی کمزوریوں کو تلاش کرنے کی بجائے، گھریلو مشکلات کو اللہ کی بے شمار نعمات کے سامنے کچھ اہمیت نہ دیں۔ ''وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ ''

٦۔ اپنے عائلی زندگی کے روابط کو بہتر بنانے کیلئے آسمانی کتاب کی نصیحتوں، احکام اور تقویٰ کی طرف توجہ ضروری ہے۔

''وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمَآ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ وَالۡحِكۡمَةِ يَعِظُكُمۡ بِهٖ‌ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ''

٧۔ جو کوئی اپنے آپ کو بارگاہ الٰہی میں حاضر سمجھے وہ گناہ سے پرہیز کرے گا۔ ''وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۲۳۱﴾''

٨۔ اگر طلاق دینے سے تمہارا مقصد اپنی بیوی پر ظلم کرنا اور ناجائز فائدہ اٹھانا ہے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ خداوند عالم ہر چیز سے آگاہ ہے۔ ''اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۲۳۱﴾''

آیت نمبر ۲۳۲

وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوۡا بَيۡنَهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ ذٰلِكَ يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمۡ اَزۡكٰى لَكُمۡ وَاَطۡهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت بھی پوری کر لیں تو تم انہیں اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہر سے نکاح کریں۔ (یہ اس صورت میں ہے) کہ ان کے درمیان اچھے طریقے سے موافقت اور رضا مندی ہو جائے۔ یہ ایک ایسا حکم ہے کہ جس سے صرف وہ لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ (اور اس پر عمل کرتے ہیں) یہ حکم تمہارے روحانی تزکیہ اور تمہارے (خاندانوں کے) لیے ترقی کا بہت ہی موثر ذریعہ ہے۔ یہ آلودگیوں کو دھونے اور (تمہارے معاشرے کو گناہوں سے) پاک کرنے کے لیے بہت بہتر اور نہایت ہی مفید ہے۔ خداوند عالم سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے۔

نکات:

☆ اگر مطلقہ عورتیں اپنے سابق شوہروں کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے ان سے نکاح کر لیں اس سے پاکیزگی، رشد، تزکیہ روح اور معاشرے پر اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔ ''ذٰلِكُمۡ اَزۡكٰى لَكُمۡ وَاَطۡهَرُ ؕ'' اس لیے کہ اس قسم کے ازدواج میں ایک دوسرے کے راز پوشیدہ رہیں گے اور اولاد اپنے حقیقی والدین اور سرپرستوں کی آغوش میں واپس پلٹ جائے گی۔ چونکہ زن و مرد نے طلاق کے تلخ ذائقہ کو چکھ لیا ہوتا ہے لہٰذا ممکن ہے کہ دوبارہ طلاق کا نام نہیں لیں گے۔

پیغام:

۱۔ شوہر کے انتخاب کے معاملے میں اور دوبارہ شادی کے بارے میں مطلقہ عورت کی رائے کا احترام کیا جائے۔ اس میں کسی اور کی اجازت ضروری نہیں ہے۔ ’’فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ ‘‘

۲۔ ایک بار طلاق ہو جانے سے ہمیشہ کے لیے بدظن نہ ہو جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ طلاق کے بعد دونوں پشیمان ہوں اور پھر سے اچھی و بہتر زندگی گزارنے پر رضا مند ہو جائیں۔ ’’اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ ‘‘

۳۔ ازدواج میں اصل شرط طرفین کا راضی ہونا ہے۔ ’’تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ ‘‘

۴۔ ازدواج میں طرفین کی طرف موافقت اور مطابقت، قوانین عقل و عدل کی رو سے ہونی چاہیے۔ ’’تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ‘‘

۵۔ جو لوگ دوسروں کے جائز ناطے اور نکاح میں روڑے اٹکاتے ہیں، انہیں چاہیے کہ اپنے خدا اور قیامت کے بارے ایمان پر شک کریں۔ ’’فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ‘‘

۶۔ طبعی اور شرعی جذبات کے آگے بند نہیں باندھنا چاہیے کیونکہ ممکن ہے جن زن و مرد کے درمیان طلاق نے جدائی ڈالی ہے وہ ایک دوسرے کے متعلق کچھ شیریں یادیں بھی رکھتے ہوں اور کبھی کبھی وہ انہیں یاد بھی کر لیتے ہوں۔ پس طبعی اور شرعی طریقے سے ان کا آپس میں میل ملاپ نہ ہو تو ممکن ہے وہ غیر شرعی طریقے سے ایسا کریں اور گناہ کے مرتکب ہو جائیں۔ ’’يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ۔۔۔ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ ‘‘

۷۔ معاشرہ کی بقا و سلامتی کیلئے ضروری ہے کہ مطلقہ عورتیں بغیر شوہر کے نہ رہیں۔ ’’يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ۔۔۔ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ ‘‘

۸۔ پھر سے شادی کرنا یا پہلے شوہر کے پاس واپس چلے جانا، اسی طرح طلاق اور عورت کا بغیر شوہر کے رہنا، اس کے اثرات انسانی عقل و فہم سے بالا ہیں۔ ’’وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۳۲ ‘‘

آیت نمبر ۲۳۳

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ

بِالْمَعْرُوْفِ ۭ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ
بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۤ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ
اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۭ
وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا
سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٢٣٣

ترجمۃ الآیات

جو مائیں اپنی اولاد کو مکمل طور پر دودھ پلانا چاہتی ہیں انہیں چاہیے کہ وہ پورے دو سال تک انہیں دودھ پلائیں۔ ان ماؤں کی اچھی خوراک اور لباس ان بچوں کے باپ کے ذمہ ہے۔ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی نہ کوئی ماں (بچے کے والد سے اختلاف کی بنا پر) بچے کو نقصان پہنچانے کا حق رکھتی ہے اور نہ ہی باپ۔ (اگر باپ موجود نہ رہے تو خوراک اور لباس کا خرچہ) بچے کے وارث پر واجب ہو جاتا ہے۔ اگر ماں باپ اپنی باہمی رضامندی اور مشورے سے دو سال کی مدت سے پہلے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ اگر (ماں کی ناطاقتی، نارضامندی کی وجہ سے) تم چاہتے ہو کہ بچے کے لیے دایہ مقرر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ ماں کا پچھلا حق اچھے طریقے سے ادا کرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ جو کچھ تم انجام دیتے ہو خدا اسے دیکھ رہا ہے۔

نکات:

☆ باپ، ماں اور اولاد کے بارے میں اس آیت میں کلمات ''أب'' و ''اُمّ'' سے استفادہ نہیں کیا گیا بلکہ ''والد'' اور ''والدہ'' کے کلمات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ لفظ ''أب'' میں چچا، استاد اور سسر بھی شامل ہو جاتا ہے۔ جیسے پیغمبر اکرمؐ کی ازواج اُمھات المومنین ہیں، والدات مومنین نہیں ہیں۔

☆ سابقہ آیات میں زن وشوہر کی جدائی اور طلاق کی گفتگو ہو رہی تھی پس ضروری تھا کہ معصوم اور شیر خوار بچوں کی مبہم کیفیت کو واضح کیا جائے تا کہ ننھے بچے اپنے والدین کے اختلاف کی بھینٹ نہ چڑھ جائیں۔

مادرانہ شفقت ومحبت، شیر مادر کی اہمیت، نوزاد کو اس کی طبیعی وفطری ضرورت اور اس کی مدت کے بارے میں اس آیت میں بیان آیا ہے۔

پیغام:

۱۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور جامع دین ہے۔ نومولود کی خوراک وغذا سے لے کر ہجرت و جہاد اور تعلیم و تربیت تک کے اصول اس کے پاس ہیں۔ ''وَالۡوَالِدٰتُ یُرۡضِعۡنَ''

۲۔ نوزاد کو دودھ پلانے میں حق اولویت ماں کیلئے ہے چاہے اسے طلاق دے دی گئی ہو۔ ''وَالۡوَالِدٰتُ یُرۡضِعۡنَ''

۳۔ بچے کو ماں کا دودھ پلانے کی مدت پورے دو سال ہے۔ ''حَوۡلَیۡنِ کَامِلَیۡنِ''

۴۔ بچے کو دودھ پلانے کے عوض ماں یا دایہ کے مالی اور مادی حقوق کو ضرور ادا کیا جائے۔ ''وَعَلَی الۡمَوۡلُوۡدِ لَہٗ رِزۡقُہُنَّ وَکِسۡوَتُہُنَّ۔۔۔ اِذَا سَلَّمۡتُمۡ مَّاۤ اٰتَیۡتُمۡ''

۵۔ اخراجات کی ادائیگی معمول کے مطابق جو رائج ہے ویسے ہی ادا ہوں اور انسان کی قدرت وتوانائی کے مطابق ہو۔ ''بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ لَا تُکَلَّفُ نَفۡسٌ اِلَّا وُسۡعَہَا ۚ''

۶۔ فرائض کا عائد ہونا انسانی قدرت وتوانائی کے مطابق ہے۔ ''لَا تُکَلَّفُ نَفۡسٌ اِلَّا وُسۡعَہَا ۚ''

۷۔ اولاد کو والدین کے نقصان کا باعث نہیں ہونا چاہیے۔ ''لَا تُضَآرَّ وَالِدَۃٌۢ بِوَلَدِہَا وَلَا''

۸۔ بچے کو دودھ پلانے کی مدت کے دوران ماں کی ضروریات زندگی کو پورا کیا جانا ضروری ہے خواہ بچے کا باپ اس دنیا سے رخصت بھی ہو جائے۔ ''وَعَلَی الۡوَارِثِ مِثۡلُ ذٰلِکَ ۚ''

۹۔ بچے کا شیر مادر چھڑوانے کیلئے پہلے والدین کی باہمی رضامندی اور مشورہ ضروری ہے۔ ''فَاِنۡ اَرَادَا فِصَالًا عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡہُمَا وَتَشَاوُرٍ''

۱۰۔ بیوی اور شوہر کو بچوں کے معاملات کے بارے میں باہمی مشورہ کرتے رہنا چاہیے۔ ''تَشَاوُرٍ''

۱۱۔ بچے کو دودھ پلانے کیلئے پہلے ماں کا حق ہے پھر دایہ وغیرہ کا۔ ''وَالۡوَالِدٰتُ یُرۡضِعۡنَ۔۔۔ وَاِنۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ تَسۡتَرۡضِعُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ''

۱۲۔ بچوں کو غذا اور خوراک دینے کے سلسلے میں بھی والدین کے لیے تقویٰ اور خوف خدا کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ ''۔۔۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ''

آیت نمبر ۲۳۴

وَالَّذِيۡنَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنۡكُمۡ وَيَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا يَّتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ
اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّعَشۡرًا ۚ فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ
فِيۡمَا فَعَلۡنَ فِىۡٓ اَنۡفُسِهِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ‌ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۲۳۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو ان (بیواؤں) کو چار مہینے اور دس دن انتظار کرنا چاہیے۔ (عدت میں رہنا چاہیے) جب وہ اپنی عدت کے آخر تک پہنچ جائیں تو تم پر کسی قسم کا گناہ نہیں ہے کہ وہ جو بھی چاہیں اپنے بارے میں اچھے طریقے سے انجام دیں۔ (اپنی مرضی کے شوہر سے ازدواج کریں) اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے آگاہ ہے۔

نکات:

☆تفسیر المیز ان میں ہے کہ مختلف اقوام وملل میں بیوہ عورتوں کے بارے میں عجیب وغریب نظریات پائے جاتے ہیں، منجملہ:

کچھ قومیں اس نظریے کی حامل ہیں کہ شوہر کی موت کے بعد عورت کو زندہ جلا دیا جائے۔

کچھ قومیں کہتی ہیں کہ شوہر کے مرنے کے بعد اس کی بیوی کو بھی زندہ حالت میں، اس کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے۔

کچھ قومیں شوہر کی موت کے بعد بیوہ کے دوسرے نکاح کو ہمیشہ کیلئے ممنوع قرار دیتی ہیں۔

کچھ قومیں ایک سال یا نو ماہ سے پہلے اس کے دوسرے نکاح کو جائز نہیں سمجھتیں۔

بعض قوموں میں رواج ہے کہ اگر مرد وصیت کر جائے تو اسی وصیت کے مطابق اسے عدت گزارنی چاہیے۔ اس کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

بعض قومیں تو شوہر کی موت ہی کے ساتھ دوسرے نکاح کو جائز سمجھتی ہیں۔

لیکن یہ گمراہ کن عقائد ونظریات یا تو افراط پر مبنی ہیں یا تفریط پر۔ اسلام نے عدت اور پھر اپنی مرضی کے مرد کے ساتھ

شادی کرنے کی اجازت پر اپنا علیحدہ نظریہ پیش کیا ہے۔ (جو اعتدال پر مبنی ہے۔)

☆ عدت وفات کے چار مہینے اور دس دن میں واضح ہو جائے گا کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں ہے۔ یہ عدت کا وقت ان عورتوں کیلئے ہے جن کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ وہ حاملہ ہیں یا نہیں۔ اگر معلوم ہو کہ بیوہ حاملہ ہے تو عدت کا وقت حمل پورا ہونے تک وسیع ہو جائے گا۔

☆ قرآن میں زیادہ تر ازدواج کیلئے کلمہ ''مَعۡرُوۡفِ'' استعمال ہوا ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہر معاملہ کی بنیاد اور ہر فیصلہ عاقلانہ اور شرع کے مطابق ہونا چاہیے۔ معاشرتی رائج قوانین یا رسم و رواج کی بنیاد پر نہیں۔

پیغام:

۱۔ موت، نابودی نہیں ہے بلکہ جسم سے روح کو پوری طرح سے واپس لینا ہے۔ کلمہ ''توفّی'' کے معنی پوری طرح سے واپس لینا ہے۔ ''يُتَوَفَّوۡنَ مِنۡكُمۡ''

۲۔ عورت اپنے شوہر کے مرنے کے فوراً بعد کسی دوسرے سے ازدواج کا حق نہیں رکھتی۔ ''يَّتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ''

۳۔ شوہر کے رشتہ دار، بیوہ عورت کے فیصلوں میں مداخلت کا حق نہیں رکھتے۔ ''يَّتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ''

۴۔ اس بات پر ایمان کہ ہمارے تمام کام اور ہمارے سب ارادے خدا تعالیٰ کی نگاہ سے باہر نہیں ہیں، تقویٰ اختیار کرنے کیلئے بہترین اور مضبوط دلیل ہے۔ ''وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ﴿۲۳۴﴾''

آیت نمبر ۲۳۵

وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا عَرَّضۡتُمۡ بِهٖ مِنۡ خِطۡبَةِ النِّسَآءِ اَوۡ اَكۡنَنۡتُمۡ فِىۡٓ اَنۡفُسِكُمۡ‌ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمۡ سَتَذۡكُرُوۡنَهُنَّ وَلٰـكِنۡ لَّا تُوَاعِدُوۡهُنَّ سِرًّا اِلَّاۤ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۚ وَلَا تَعۡزِمُوۡا عُقۡدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡكِتٰبُ اَجَلَهٗ‌ؕ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا فِىۡٓ اَنۡفُسِكُمۡ فَاحۡذَرُوۡهُ‌ ۚ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ﴿۲۳۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ (جو عورتیں عدت رجعی میں ہوں یا جن عورتوں کے شوہر وفات پا گئے ہوں اور وہ عدت میں ہوں) کنایہ کی صورت میں ایسی عورتوں کی خواستگاری کرو یا دل میں اس کام کا ارادہ کیے ہوئے ہو لیکن خداوند عالم کو علم ہے کہ تم انہیں یاد کرو گے۔ پھر بھی ان سے مخفی طور پر کوئی وعدہ نہ کرو۔ مگر یہ کہ اچھے اور پسندیدہ طریقے سے (بطور کنایہ) اس بات کا اظہار کرو لیکن (ہر صورت میں) ان سے نکاح نہ کرو جب تک کہ کتاب میں مقررہ مدت پوری نہ ہو جائے۔ یہ جانے رہو کہ جو کچھ تم دل میں رکھتے ہو خدا اسے جانتا ہے۔ لہٰذا اس (کی مخالفت) سے بچتے رہو۔ یہ بھی جان لو کہ خداوند عالم بہت بخشنے والا بردبار ہے۔ (اگر تم اس کے خلاف چلو تو تمہیں بخش دیتا ہے اور سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔)

نکات:

☆ ''عَرَّضۡتُمۡ '' کے معنی ہیں اشاروں کنایوں میں بات کرو اور ''خِطۡبَةِ '' کے معنی ہیں خواستگاری، اس آیت میں عدت کے دوران عورت سے خواستگاری کی اجازت دی گئی ہے۔ بشرطیکہ صریح لفظوں میں نہ ہو بلکہ اشاروں کنایوں میں ہو۔ اس موقع پر ''**قول معروف**'' سے مراد یہ ہے کہ اظہار، میلان اور خواستگاری کا انداز ایسا ہو کہ اجتماعی و معاشرتی آداب اور غم زدہ اور فراق دیدہ عورت کے حال کے مناسب ہو۔ مثلاً یوں کہے ''خدا تمہارے شوہر پر رحم کرے اور تمہیں صبر عطا فرمائے، پریشان مت ہو سکتا ہے آج بھی کچھ لوگ ایسے ہوں جو تمہیں تمہارے مرحوم شوہر کی طرح چاہتے ہوں۔''

پیغام:

۱۔ اسلام دین فطرت ہے اور انسان فطرتاً ازدواج کی خواہش رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ خواہش بیوہ عورتوں میں بھی ہوتی ہے لہٰذا اسلام اجازت دیتا ہے کہ اس خواہش کا اظہار عدت کے دوران بھی کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ کنایتاً ہو اور متعلقین کے جذبات بھی مجروح نہ ہوں۔ ''وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا عَرَّضۡتُمۡ ''

۲۔ غرائز اور نفسانی ہیجان کی طرف توجہ رکھو، ان کو دبانے کی بجائے، جوانوں کی راہنمائی کرو اور ان کی تنبیہ کرو۔ ''عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمۡ سَتَذۡكُرُوۡنَهُنَّ وَلٰكِنۡ لَّا تُوَاعِدُوۡهُنَّ سِرًّا ''

۳۔ تجویز اور مشورے میں اوقات اور حالات کو پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ غم زدہ اور داغ دیدہ عورت سے عدت کے ایام میں واشگاف الفاظ میں خواستگاری ناسمجھی اور بدتمیزی اور ایک طرح کی گستاخی کی علامت ہے۔ ''عَرَّضۡتُمۡ بِهٖ۔۔۔

۔ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ؕ''

۴۔ جو کوئی یہ جانتا ہو کہ خدا تعالیٰ اس کی اندرونی کیفیت سے بھی آگاہ ہے تو وہ ضرور تقویٰ اختیار کرے گا۔''یَعۡلَمُ مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ فَاحۡذَرُوۡہُ ۚ''

۵۔ تقویٰ کا حکم تو ہر حال میں ہے لیکن ازدواج کے معاملے میں اس کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔''فَاحۡذَرُوۡہُ ۚ''

۶۔ خداوند اپنی حلم و بردباری کے ساتھ تمہاری بے صبری کا ازالہ کرتا ہے۔ تم اس قدر عجلت کرتے ہو کہ ایک غمزدہ عورت کے پیچھے چل پڑتے ہو، وہ بھی ایسی عورت جو ابھی عدت کے ایام میں ہے۔ جبکہ دوسری طرف خدا تعالیٰ نے اپنے حلم کی وجہ سے تمہیں اس کام سے منع نہیں فرمایا۔''اَنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۲۳۵﴾''

۷۔ تادیب وتنبیہ کے ساتھ واپسی کا راستہ بھی ضرور کھلا رکھو۔''فَاحۡذَرُوۡہُ ۚ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۲۳۵﴾''

آیت نمبر ۲۳۶

لَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ اِنۡ طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمۡ تَمَسُّوۡہُنَّ اَوۡ تَفۡرِضُوۡا لَہُنَّ فَرِیۡضَۃً ۚۖ وَّمَتِّعُوۡہُنَّ ۚ عَلَی الۡمُوۡسِعِ قَدَرُہٗ وَعَلَی الۡمُقۡتِرِ قَدَرُہٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ حَقًّا عَلَی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۲۳۶﴾

ترجمۃ الآیات

اگر عورتوں سے جنسی روابط قائم کرنے اور حق مہر کے متعین کرنے سے پہلے (کسی وجہ سے) انہیں طلاق دے دو تو (اس موقع پر) تم پر کوئی گناہ نہیں کہ انہیں (مناسب ہدیہ سے) بہرہ ور کرو۔ جو شخص وسعت رکھتا ہے اپنی وسعت کے مطابق اور جو تنگ دست ہے اپنے اندازے کے مطابق کوئی مناسب ہدیہ دے۔ (جو دینے اور لینے والے کے حال کے مناسب ہو) اور یہ عمل نیک لوگوں پر واجب ہے۔

نکات:

☆ بعض لوگ خیال کرتے تھے کہ ازدواجی روابط قائم کرنے سے پہلے یا حق مہر مقرر کرنے سے پہلے عورت کو طلاق دینا صحیح نہیں ہے۔ یہ آیت اس قسم کے نظریات کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ہدیہ دینے کی بھی یاددہانی کرا رہی ہے۔

پیغام:

۱۔طلاق دینا بھی خیر خواہی اور نیکی کے ساتھ ہونا چاہیے۔''اِنْ طَلَّقْتُمُ ۔ ۔ ۔وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ ۔ ۔ ۔ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ۝۲۳۶''

۲۔زناشوئی کے مسائل میں وضاحت کی بجائے کلام میں بھی شرم وحیا کا خیال رکھنا ایک قابل قدر بات ہے۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے:''مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ''

۳۔مہریہ کا تعین اوراس کی ادائیگی مرد پرواجب ہے۔''تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ''

۴۔طلاق کی تلخی کو مناسب ہدیہ کے ذریعے ازالہ کریں۔اگر چہ جنسی ملاپ نہ ہوا ہو۔لیکن عورت کیلئے طلاق بذات خود ایک روحانی تکلیف شمار ہوتی ہے۔اس تکلیف کا احسان اور مناسب ہدیہ کے ساتھ مداوا اور ازالہ کیا جائے۔''مَتِّعُوْهُنَّ ۚ''

۵۔عقد ازدواج کا اپنا ایک تقدس اور احترام ہے۔اگر چہ مقاربت کا عمل نہ ہوا ہو،عقد کے صیغے کا اجراہی عورت کو یہ حق دیتا ہے کہ جدائی اور طلاق کے موقع پر مرد سے مناسب ہدیہ وصول کرے۔''مَتِّعُوْهُنَّ ۚ''

۶۔مرد اور عورت دونوں فریقین کے لیے ضروری ہے کہ وہ عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔جیسا کہ عورت کے صدمے کی تلافی مناسب ہدیئے سے کی جانی چاہیے۔دوسری طرف ہدیئے کی خاطر مرد پر بھی اس کی ہمت وتوان سے زیادہ دباؤ نہیں ڈالنا چاہیے اور ہر شخص کو اپنی حیثیت کے مطابق اقدام کرنا چاہیے۔''عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ''

۷۔مرد پر اس کے خاندانی اور گھریلو فرائض اس کی ہمت وتوان اقتصادی کے مطابق ہیں۔''عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ''

۸۔بیوی کی معاشرتی حیثیت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔کلمہ''مَعْرُوْفِ''سے مراد ہے کہ ہدیہ دینے میں عُرفی اور اجتماعی حیثیت کا خیال رکھا جائے۔''مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ''

۹۔زندگی کے معاملات میں افراط وتفریط کا شکار ہوئے بغیر میانہ روی اختیار کرنی چاہیے۔''بِالْمَعْرُوْفِ''

۱۰۔بیوی کو تحفہ دینا،نیک لوگوں کی علامت اور ان کے طریقہ ہائے کار میں سے ایک ہے۔''مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ۝۲۳۶''

۱۱۔تحفے میں کوئی چیز دینا،رقم دینے سے بہتر ہے۔درہم ودینا کی جگہ لفظ''مَتَاعًا''کا آنا اس بات کی علامت ہے کہ تحفے میں کوئی چیز دینی چاہیے۔''مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ''

۱۲۔شوہر جو اپنی بیوی کو تحفہ دیتا ہے۔اسے کوئی بدلہ،بوجھ یا صدقہ نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ تو ایک طرح سے عورت کا حق ہے جو مرد کے ذمے ہے۔''حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ۝۲۳۶''

۱۳۔ الٰہی احکام کی بنیاد اخلاق ہے۔ ''حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ﴿۲۳۶﴾''

آیت نمبر ۲۳۷

وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ فَرِيۡضَةً فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يَّعۡفُوۡنَ اَوۡ يَعۡفُوَا الَّذِىۡ بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى ؕ وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ﴿۲۳۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر تم عورتوں کو ان کے ساتھ مقاربت سے پہلے طلاق دے دو جبکہ ان کے لیے حق مہر کو مقرر کر چکے ہو تو (ضروری ہے کہ) مقرر کردہ مہر کا آدھا حصہ (انہیں ادا کرو) مگر یہ کہ عورتیں (اپنا حق) معاف کر دیں۔ یا (ان کے صغیرہ اور ناسمجھ ہونے کی صورت میں) ان کا ولی معاف کر دے کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور اگر عفو و درگزر سے کام لو (اور ان کا پورا حق مہر ادا کر دو) تو یہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔ اپنے درمیان عفو و درگزر اور نیکی کرنے کو کبھی نہ بھولو۔ بے شک خداوند عالم تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

پیغام:

۱۔ خاندان میں عائلی زندگی کے مسائل ذکر کرتے ہوئے گفتگو میں کلام کی شائستگی کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ ''تَمَسُّوْهُنَّ''

۲۔ مہر یہ کا تعین کرنا اور اس کی ادائیگی مرد پر واجب ہے۔ ''فَرِيْضَةً''

۳۔ مرد اور عورت دونوں کی طرف سے عفو اور درگزشت پسندیدہ ہے۔ یعنی یا تو عورت اپنا نصف حق مہر بخش دے یا پھر مرد اسے پورا مہر ادا کرے۔ ''اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْۤا''

۴۔ عورت کی شادی کیلئے اجازت کا حق اس کے سرپرست کا ہے۔ ''بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ''

۵۔ جو لوگ معاف کر دیتے ہیں وہ تقویٰ سے قریب ہیں۔ ’’وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ ‘‘

۶۔ طلاق عفو اور درگزشت، تقویٰ اور احسان کے ساتھ ہونی چاہیے۔ ’’يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ ‘‘

۷۔ طلاق کے موقع پر بھی اخلاقی اور انسانی شرافت و کرامت کے مسائل کو کبھی نہ بھولو۔ ’’لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ ‘‘

آیت نمبر ۲۳۸

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾

ترجمۃ الآیات

تمام نمازوں (خصوصاً) درمیانی نماز (ظہر) کی بجا آوری کے لیے کوشش کرتے رہو اور خدا کے لیے خضوع و خشوع کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔

نکات:

☆ درمیانی نماز کے بارے میں چند نظریات ہیں۔ آیت کے شان نزول کے مطابق کچھ لوگ گرمی کی وجہ سے نماز ظہر میں شرکت نہیں کیا کرتے تھے۔ روایات اور تفاسیر کے مطابق یہ نماز ظہر مراد ہے۔

☆ ہر چیز کی حفاظت اس چیز کی اہمیت کے مطابق ہوتی ہے۔ مال کی حفاظت چور کے چوری کرنے سے ہے۔ جسم کی حفاظت جراثیم سے ہے۔ روح کی حفاظت اخلاقی بیماریوں سے جیسے لالچ، حسد اور تکبر سے ہے۔ اولاد کی حفاظت بری صحبت سے ہوتی ہے۔

لیکن نماز کی حفاظت کیا اور کس چیز سے ہے؟ نماز کی حفاظت، اس کے اسرار کو جاننے کے ذریعے ہے، بروقت ادا کرنے کے ذریعے ہے، صحیح ادا کرنے کے ذریعے ہے، اس کے احکام اور آداب کو یاد کرنے کے ذریعے ہے، نماز کے دوران اپنی فکروں کو مطالب نماز کی طرف مرکوز کرنے کے ذریعے ہے اور عبادت گاہوں کی حفاظت کے ذریعے سے ہے۔

حدیث میں ہے کہ نماز کچھ لوگوں سے کہے گی، خدا تمہیں ضائع کرے تم نے مجھے ضائع کیا۔ پھر کچھ دوسرے لوگوں سے

کہے گی اللہ تمہاری حفاظت کرے تم لوگوں نے میری حفاظت کی۔ (کافی، ج ۳، ص ۲۶۸)

پیغام:

۱۔نماز کا قیام مسلسل ہونا چاہیے۔ ''حٰفِظُوْا''

۲۔سب لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ نماز کی حفاظت کریں۔ ''حٰفِظُوْا''

۳۔ممکن ہے کہ آیت یہ بھی دلالت کرتی ہو کہ نماز کو با جماعت ادا کریں۔ ''حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا''

۴۔ جہاں کہیں سہل انگاری اور غفلت کا احساس زیادہ ہو وہاں اتنی ہی زیادہ تنبیہ اور تاکید ضرور ہونی چاہیے۔ ''وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ''

۵۔نماز کو قائم کرنے کے لیے خاص توجہ، سرور، معرفت اور اخلاص کی ضرورت ہے۔ ''قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ''

۶۔انسان کو عالم وجود سے کٹ کر نہیں رہنا چاہیے، وجود کائنات پر بدنما داغ نہیں ہونا چاہیے۔قرآن میں کائنات کے بارے میں ہے: ''كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۞'' (روم ۔۲۶) پس اگر ہم قانت (متوجہ) نہیں ہونگے تو نظام کائنات سے کٹ کر رہ جائیں گے۔ ''قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۞''

۷۔نماز کی اہمیت اور لذت خضوع کے ساتھ ہے۔ ''قٰنِتِيْنَ ۞''

آیت نمبر ۲۳۹

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۞

ترجمۃ الآیات

پس اگر تمہیں (کسی دشمن یا خطرے کا) ڈر ہو تو پیادہ یا سوار ہو کر (نماز بجالاؤ) اور جب خطرہ ٹل جائے تو خدا کو اس وجہ سے یاد کرو کہ جو کچھ تم نہیں جانتے تھے وہ اس نے تمہیں سکھا دیا ہے۔

نکات:

☆ قرآن پاک میں کبھی لفظ ''صلاۃ'' کی جگہ ''ذکر'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ نماز جمعہ کے بارے میں فرمایا: ''فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ'' (الجمعۃ۔۹) ذکر اللہ کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھو۔ خداوند نے موسیٰ سے فرمایا: ''اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ'' (طٰہٰ۔۱۴) نماز کو قائم کرو تاکہ میری یاد میں رہو۔ اس آیت میں بھی ''ذکر'' سے مراد نماز ہی ہے۔

جی ہاں! نماز کا فلسفہ اور اس کی روح، یاد خدا ہے۔

☆ یہ آیت نماز خوف کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ نماز خوف جنگی حالات میں ادا کی جاتی ہے جس کے مخصوص احکام فقہ کے ابواب میں بیان کیے گئے ہیں۔

احادیث میں ہم پڑھتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے جنگ احزاب میں اشاروں کے ساتھ نماز پڑھی۔ حضرت علیؑ بھی بعض جنگوں میں حکم فرمایا کرتے کہ اشاروں کے ساتھ نماز ادا کریں۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کسی شخص نے سوال پوچھا کہ اگر کوئی درندہ جانور ہم پر حملہ کر دے اور ادھر نماز کا وقت بھی تنگ ہو تو ہم کیا کریں؟ امامؑ نے فرمایا: جس حالت میں بھی ہو نماز پڑھ لو، چاہے پشت بہ قبلہ ہو۔

(تفسیر نمونہ، ج ۲، ص ۱۴۸؛ نور الثقلین، ج ۲، ص ۲۳۹)

پیغام:

۱۔ نماز کسی بھی حال میں معاف نہیں ہوتی۔ ''فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ''

۲۔ اسلام میں سختی اور مشکل نہیں ہے جب نماز میں بدن کا ایک جگہ پر قائم رکھنا یا قبلہ رخ کھڑے ہونا یا کسی دوسری شرط کا پورا کرنا ممکن نہ ہو تو پھر ان کا پورا کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ (اگر شرائط پوری نہ ہو سکیں تو جیسے بھی ممکن ہو نماز پڑھے۔) ''فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ''

۳۔ نماز نعمتوں کا شکرانہ ہے۔ ''فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ''

۴۔ انسان بعض مسائل کو نہیں جانتا لیکن تجربہ سے حاصل کر سکتا ہے۔ بعض مسائل کو انسان نہیں جانتا اور جان بھی نہیں سکتا مگر یہ کہ وحی کے ذریعے جان سکتا ہے۔ ''مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۳۹'' نہیں فرمایا: ''لَا تَعْلَمُوْنَ''

آیت نمبر ۲۴۰

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ

مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور تم میں سے جن لوگوں کا وقت وفات قریب ہوتا ہے اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑے جا رہے ہوتے ہیں انہیں چاہیے کہ اپنی بیویوں کے بارے میں وصیت کریں کہ ایک سال (کی مدت) تک (ان کے اخراجات ادا کر کے) انہیں فائدہ پہنچاتے رہیں اور انہیں گھر سے باہر نہ نکالیں لیکن اگر وہ خود چلی جائیں اور اپنے بارے میں کوئی اچھا فیصلہ کر لیں تو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں اور اللہ تعالیٰ غلبے والا اور حکمت والا ہے۔

نکات:

☆ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ والی آیت، آیت عدہ وفات (بقرہ۔ ۲۳۴) اور آیت وراثت سے بھی پہلے نازل ہوئی ہے اور مذکورہ آیات کے نازل ہونے کے بعد یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں اب اس پر میعاد گزر چکی ہے، البتہ عدہ اور میراث والی آیات نے واجب اور ضروری مقدار کو بیان کیا ہے کہ عورت فلاں مقدار تک وراثت کی حقدار ہے اور فلاں مدت تک واجب عدت میں رہے۔

لیکن اس آیت کو فریضہ واجبہ کے ساتھ ساتھ ایک مستحب عمل سمجھا جا سکتا ہے۔ اور وہ یوں کہ اگر عورت لازمی مدت کے علاوہ شوہر کے احترام کے پیش نظر ایک سال تک گھر میں رہے تو شوہر بھی عورت کے احترام میں پیش نظر وراثت کے حصے کے علاوہ اپنے ایک تہائی مال سے اس کے لیے ایک سال کے اخراجات کی وصیت کرے اور اسے یہ وصیت کرنے کا حق حاصل ہے۔ (تفسیر اطیب البیان، آیت ہذا)

پیغام:

۱۔ مردوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مال میں سے کچھ اپنی بیویوں کیلئے وصیت کریں۔ ''وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ښ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ''

۲۔ بیوہ عورتوں کے مستقبل اور ان کے اخراجات کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ ''مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ''

۳۔ نئے شوہر کے انتخاب کے لیے عورت کا فیصلہ ہر طرح سے عقلی، شرعی اور مصلحت پر مبنی ہونا چاہیے۔ ''فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ''

۴۔اللہ کے احکام حکمت کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔''حَكِيمٌ ﴿۲۴۰﴾''

آیت نمبر ۲۴۱۔۲۴۲

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور مطلقہ عورتوں کے لیے ایک مناسب حصہ ہے (جو انہیں شوہر کی طرف سے ملتا ہے) یہ پرہیزگار لوگوں پر ایک حق ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو تمہارے لیے واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ شاید تم عقل سے کام لو۔

نکات:

☆اس سے پہلے کی آیات میں مقاربت سے پہلے اور مقاربت کے بعد عورتوں کو طلاق دینے اور ان کے حق مہر کی ادائیگی کا قانون بیان کیا گیا ہے۔یہ آیت ان عورتوں کے بارے میں ہے کہ بوقت نکاح جن کا حق مہر معین نہیں کیا گیا تھا اور انہیں مقاربت سے پہلے ہی طلاق دے دی گئی۔یا پھر طلاق کی تمام صورتوں میں اخلاقی اور انسانی ہمدردی پر مبنی ایک حکم ہے کہ شوہر ان عورتوں کو کامل یا نصف مہر ادا کرنے کے علاوہ کچھ تحفے تحائف بھی دیں تا کہ طلاق سے انہیں جو دکھ پہنچا اور دل شکنی ہوئی ہے اس کی تلافی کی جا سکے۔

البتہ یہ ایک اخلاقی اور استحبابی حکم ہے جو بالخصوص متقین اور پرہیزگاروں کے لیے ہے یعنی ان کے لیے بہتر ہے کہ وہ اس پر عمل کریں۔

بہرحال آیت نمبر ۲۳۶ کے جملہ''حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾'' یہاں جملہ''حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ''اور آیت ۲۳۷ میں جملہ''لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۖ'' سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مطلقہ عورتوں کے حقوق کے دفاع اور ان کے احساسات پر اسلام کی کس قدر زیادہ توجہ ہے۔

☆امام حسن علیہ السلام نے جس عورت کو طلاق دی تھی اس کو ہدیہ کے طور پر ایک کنیز بھی عنایت فرمائی۔(کافی، ج ۶، ص ۱۰۵)

پیغام:

۱۔ مطلقہ عورتوں کے ساتھ کسی قسم کے سلوک میں تقویٰ ملحوظ رہے۔ ''وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴿۲۴۱﴾''

۲۔ ہدیئے اور تحائف دینا متقیوں کا کام ہے جن سے کدورتیں دور ہوتی ہیں اور طلاق پانے والی عورتوں کی دلجوئی ہوتی ہے۔ ''مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴿۲۴۱﴾''

۳۔ الٰہی احکام اور قوانین میں غور و دقت کرنی چاہیے تا کہ ان کی مصلحت اور ان کے فلسفہ کو جان سکیں۔ ''يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴿۲۴۲﴾''

آیت نمبر ۲۴۳

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ﴿۲۴۳﴾

ترجمۃ الآیات

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے باہر نکل گئے۔ پس خدا نے ان سے فرمایا: مر جاؤ! (تو وہ مر گئے) پھر خدا نے انہیں زندہ کیا۔ (اور ان کے قصے کو آنے والے لوگوں کے لیے درس عبرت بنا دیا) یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل (و احسان) کرتا ہے لیکن بہت سے لوگ شکر نہیں بجالاتے۔

نکات:

☆ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں روایات میں ہے کہ شام کے ایک شہر، جس کی آبادی ستر ہزار گھرانوں پر مشتمل تھی، میں طاعون کی بیماری پھیل گئی اور عجیب سرعت کے ساتھ وہاں کے لوگوں کو یکے بعد دیگرے اپنی لپیٹ میں لینے لگ گئی (صاحب تفسیر تبیان (ج ۲،ص ۲۸۲) کے مطابق ان کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی۔ اس لئے کہ عرب لوگ دس ہزار سے زیادہ

کو ''اُلوف''اور اس سے کم تر کو ''آلاف'' کہتے ہیں۔)اسی اثنا میں جن لوگوں کے پاس شہر سے نکل جانے کے ذرائع تھے وہ فوری طور پر وہاں سے نکل گئے تاکہ موت کے منہ میں جانے سے بچ جائیں۔وہ شہر سے نکل جانے اور بزعم خود محفوظ جگہ پر پہنچ جانے کے بعد اپنی قوت اور غرور کا اظہار کرنے لگے اور انہوں نے ارادہ الٰہی کو فراموش کر دیا، چنانچہ خداوند عالم نے انہیں اس بیابان میں اسی بیماری سے ہلاک کر دیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بیماری کے پھیلنے کی وجہ، ان پر عذاب کا نزول تھا۔جب ان کے راہبر نے حکم دیا کہ جہاد کیلئے تیار ہو کر شہر سے باہر میدان جہاد کی طرف چلیں تو ان لوگوں نے یہ بہانہ بنایا کہ اس جنگی علاقے میں طاعون کی بیماری پھیلی ہوئی ہے۔یوں انہوں نے اس بہانے کے ذریعے جہاد پر جانے سے انکار کر دیا۔خدا تعالیٰ نے اس گروہ کو اسی بیماری میں مبتلا کر دیا جس کو وہ بہانہ بنا کر جہاد پر نہ گئے تھے۔

بعض تفاسیر اور روایات میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیا میں سے ایک نبی جناب حزقیل علیہ السلام جب وہاں سے گذرے تو انہوں نے خداوند سے دعا کی کہ انہیں زندہ کر دے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کرتے ہوئے اور انہیں پھر سے زندہ کر دیا۔وہ لوگ پھر سے وہیں اپنی زندگی گذارنے لگے۔یہ الطاف الٰہی تاریخ میں آئندہ آنے والوں کیلئے ایک تذکرا ور درس عبرت ہے تاکہ انسان کچھ سمجھے اور خداوند کا شکر گزار بندہ بنے۔(کافی، ج ۸،ص ۱۹۸)

☆ صاحب تفسیر المنار کہتے ہیں کہ اس آیت میں موت وحیات ایک مثال ہے، کسی قوم کیلئے استقلال حاصل کرنے یا استقلال کو کھونے کیلئے ایک مثال ہے۔

تفسیر المیز ان کے مؤلف اس طرز تفکر پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں ظاہر آیات پر معتقد ہونا چاہیے ورنہ یہ ضروری ہو جائے گا کہ تمام معجزات اور فوق العادہ امور کی توجیہ کریں یا تاویل کریں۔

☆ شکر صرف زبان سے نہیں ہے بلکہ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ الٰہی نعمتوں کا صحیح مصرف کریں۔ لہٰذا اکثر لوگ شکر کرنے والے نہیں ہیں۔

☆ اگر آیت میں کہا جاتا کہ ''اکثرھم لایشکرون''اس کے معنی ہیں کہ اکثر لوگ شکر کرنے والے نہیں ہیں۔لیکن قرآن پاک تمام زمانے کے لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے کسی ایک گروہ کے بارے میں نہیں، ''اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَشۡكُرُوۡنَ۝۲۴۳''

☆ شیعہ حضرات، رجعت اور قیامت سے پہلے کچھ لوگوں کے زندہ ہونے پر عقیدہ رکھتے ہیں۔اس بات پر سینکڑوں روایات کے علاوہ یہ آیت بھی دلالت کر رہی ہے۔اس بات کے امکان کو صحیح ثابت کر رہی ہے۔

پیغام:

۱۔ تاریخ کی طرف دیکھیں اور اس سے عبرت حاصل کریں۔ ''اَلَمۡ تَرَ۔۔۔''

۲۔ تاریخ میں جو چیز اہم ہے وہ عزت اور ذلت کے اسباب ہیں۔ افراد، قبائل اور علاقوں کے نام یاد کرنا اہم نہیں ہیں۔ ''الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ''

۳۔ جب خدا تعالیٰ کا ارادہ ہو تو کسی طرف فرار کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ''فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا''

۴۔ خداوند نے دنیا میں کئی بار مردوں کو زندہ کیا ہے۔ ''ثُمَّ اَحۡيَاهُمۡ''

۵۔ زندگی کے نشیب و فراز، مرنا، زاد و ولد، دوبارہ زندہ ہونا، سب کچھ اللہ کا لطف و کرم اور اس کا فضل ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ''

آیت نمبر ۲۴۴

وَقَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۴۴﴾

ترجمة الآیات

خدا کی راہ میں جہاد کرو اور آگاہ رہو کہ وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

نکات:

☆ گذشتہ آیت میں پڑھا کہ جنگ سے فرار ممکن نہیں ہے، قہر خداوند ہزاروں فرار کرنے والوں کو گرفتار کرسکتا ہے۔ اب اس آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ جب موت و حیات اس کے ہاتھ میں ہے تو اس کی راہ میں جہاد کریں۔ یہ جان لیں کہ اس کا صلہ و اجر اس کے ہاں محفوظ ہے کیونکہ جو کچھ تم پر گذرتا ہے وہ اس بات سے آگاہ ہے۔

پیغام:

۱۔ جہاد و مقابلہ اس وقت اہمیت رکھتا ہے جب خدا کیلئے اور اس کی راہ میں ہو۔ انتقام، طاقت کے اظہار کیلئے، قبضہ کیلئے، کشور کشائی کیلئے جنگ کرنا مقدس نہیں ہے بلکہ بے مقصد اور بے ہدف ہے، اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ''قَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ''

۲۔ اس بات پر توجہ کہ ہم ہر وقت خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہیں، میدان جہاد میں بہادری کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے موثر ترین ہے۔ ''سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۴﴾''

۳۔ جہاد سے فرار کیلئے بہانے بازی نہ کریں کیونکہ خدا تعالیٰ تمہاری نیتوں کو جانتا ہے۔ وہ تمہارے عذر اور بہانوں کو خوف سنتا ہے۔ ''سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۴﴾''

آیت نمبر ۲۴۵

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۚ وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۴۵﴾

ترجمۃ الآیات

کون ہے جو خدا کو قرض دے، قرض حسنہ تا کہ خداوند اسے اس کیلئے کئی گنا زیادہ کر دے۔
خداوند (بندوں کی روزی کو) محدود، کم یا زیادہ کرتا ہے اور اسی کی طرف پلٹا دیے جائیں گے۔

نکات:

☆ مختلف تفاسیر میں ہے کہ گذشتہ آیت جو لوگوں کو جہاد کی ترغیب دلا رہی تھی، یہ آیت مومنین کو انفاق کرنے اور قرض دینے پر ابھار رہی ہے۔ اس لئے کہ جس طرح معاشرے کو پر امن اور محفوظ رکھنے کیلئے جہاد اور مخلصانہ کوشش کی ضرورت ہوتی ہے، اسی معاشرے میں محروموں کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے اور جہاد کے وسائل اکھٹا کرنے کیلئے مادی امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ (تفسیر کبیر، تفسیر کاشف، تفسیر نمونہ)

☆ خدا تعالیٰ کو قرض دینے کی بات قرآن پاک میں سات مرتبہ آئی ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں قرض الحسنہ کیلئے چند شرائط بیان ہوئی ہیں، منجملہ یہ ہیں:

۱۔ حلال مال سے ہو۔
۲۔ صحیح و سالم مال سے ہو۔
۳۔ مصرف کیلئے ضروری ہو۔
۴۔ احسان نہ جتلایا جائے۔

۵۔ ریاکاری نہ ہو۔

۶۔ مخفی طریقہ پر ہو۔

۷۔ رضامندی اور ایثار و قربانی کے جذبہ کے ساتھ ہو۔

۸۔ جلدی ادا کیا جائے۔

۹۔ قرض دینے والا، اس توفیق کے حاصل ہونے پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

۱۰۔ قرض لینے والے کی عزت و آبرو کو محفوظ رکھا جائے۔

(تفسیر مجمع البیان، ذیل آیت ۱۱، سورہ حدید)

☆ ''قرض'' عربی زبان میں اس کے معنی کاٹنا ہے۔ اس ادھار کو جو قرض کہا جاتا ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ مال کا کچھ حصہ کاٹ کر دوسرے کو دے دیا جاتا ہے اور پھر واپس لے لیا جاتا ہے۔

''بسط'' کا معنی وسعت اور کشادگی ہے۔ ''بساط'' ایسی چیزوں کو کہا جاتا ہے جو زمین میں پھیل چکی ہوں۔

☆ جہاد کبھی جان کے ذریعہ ہے جس کا گذشتہ آیت میں ذکر ہوا اور کبھی جہاد، مال کے ساتھ ہے جس کا اس آیت میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

☆ ''كَثِيْرَۃً'' لفظ کا کلمہ ''اضعاف'' کے ساتھ آنا، اس کے معنی میں اضافہ کر دیتا ہے یعنی بہت زیادہ اجر و ثواب اور بدلہ دیا جائے گا۔ ''يُضٰعِفَهٗ'' کی بجائے ''یضاعفه'' کا استعمال بھی بتاتا ہے کہ اس میں مبالغہ کا صیغہ پایا جارہا ہے اور یہ بہت زیادہ کے معنی دیتا ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

☆ خدا تعالیٰ کو قرض دینے کی تعبیر، اس بات کی علامت ہے کہ کسی بھی شخص کو قرض الحسنہ دینے سے اس کا اجر و ثواب خدا تعالیٰ اپنے ذمے لے لیتا ہے، جو کہ اس کی ذات کی طرح بے نہایت ہے۔

☆ قرض دینے کا حکم دینے کی بجائے خدا تعالیٰ سوال فرما رہا ہے کہ کون ہے جو مجھے قرض دے، ایسا اس لیے ہے تاکہ لوگ قرض دیتے وقت اپنے اندر کڑواہٹ اور سختی محسوس نہ کریں بلکہ خوشی، رغبت اور شوق سے دوسرے لوگوں کو قرض دیا کریں۔ انسان کیونکہ فطرتاً ہر کام میں منفعت چاہتا ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے اس غریزے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، فرمایا کہ ''فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ ضِعَافًا''

☆ لوگوں کو قرض دینے کی بجائے، خود کو لوگوں کی جگہ رکھتے ہوئے فرمایا کون ہے جو اللہ کو قرض دے۔ ایسا اس لیے کیا تاکہ فقرا و غربا اس بات کا احساس کریں کہ خدا تعالیٰ ان کی جگہ اپنے آپ کو رکھتا ہے اور خداوند ان سے کس قدر محبت کرتا ہے اور یہ کہ وہ ذلت و حقارت کا احساس نہ کریں۔

☆ ہمارا وجود اور جو کچھ ہمارے پاس ہے اس کے باوجود کہ یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کا ہے لیکن

بعض اوقات خدا تعالیٰ خود کو گا ہک کے طور پر اور کبھی قرض لینے والے کے طور پر پیش کرتا ہے، تا کہ ہمیں ان امور کی طرف متوجہ کرے اور انہیں انجام دینے کی ترغیب دے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر خدا کیلئے اور اسی کے ہیں۔ پس قرض کی آیت تمہاری آزمائش کیلئے ہے۔ (نہج البلاغہ، خ ۱۸۳)

☆ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خداوند کو قرض دینے کا ایک مصداق امام معصومؑ کی مالی مدد کرنا ہے۔ (تفسیر روح البیان، ج ۱ ص ۳۸۱)

☆ آیت میں اگرچہ قبض و بسط کی نسبت خدا تعالیٰ سے دی گئی ہے لیکن روایات میں ہے کہ جو شخص لوگوں کی نسبت کشادہ دست ہے خدا تعالیٰ بھی اس کو کشادہ دست کر دیتا ہے اور جو کوئی لوگوں کی نسبت کنجوسی کرے تو خدا تعالیٰ بھی اسے تنگ دست کر دیتا ہے۔

☆ روایات میں ہے کہ قرض کا اجر اٹھارہ برابر ہے جبکہ صدقہ کا اجر صرف دس برابر ہے۔ (بحار، ج ۴۷، ص ۳۱۱)۔ اس کی دلیل یوں بیان کی گئی ہے کہ قرض کو محتاج و ضرورت مند افراد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ صدقہ اور بخشش کبھی غیر محتاج کو بھی دی جاتی ہے۔ (بحار، ج ۱۰۰، ص ۱۳۸)

☆ روایات میں ہے کہ جو کوئی کسی کو قرض دے سکتا ہو لیکن وہ کسی کو قرض نہ دے تو خدا تعالیٰ جنت کی خوشبو تک اس پر حرام کر دے گا۔ (بحار، ج ۱۰۰، ص ۱۳۸)

☆ جب یہ آیت "مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ" (نمل۔ ۸۹) یعنی جو کوئی نیک کا عمل کے ساتھ آئے گا تو اسے اس سے بہتر عطا کیا جائے گا، نازل ہوئی تو پیغمبر خداؐ نے اس کو بڑھائے کرنے کی درخواست کی۔ آیت نازل ہوئی کہ "فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ" (انعام۔ ۱۶۰) یعنی اسے دس برابر دیا جائے گا۔ آپؐ نے اس سے بھی زیادہ کی درخواست کی تو قرض الحسنہ کی آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ "اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ"۔

پیغمبر خداؐ متوجہ ہو گئے کہ جس چیز کے اندر خدا تعالیٰ کثیر مقدار شامل کر دے تو وہ قابل شمار نہیں ہے۔ (تفسیر المیزان، ج ۲، ص ۳۱۰)

☆ قرض دینے والے کیلئے دنیا میں بھی اجر ہے اور آخرت میں بھی اجر کثیر ہے۔ کیونکہ "اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ" کے ساتھ فرمایا "وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ" یعنی قیامت کا حساب الگ ہے اور دنیا کے اجر کے علاوہ آخرت میں بھی اجر موجود ہے۔

☆ غلط تعلیم اور غلط نتیجہ گیری کا سد باب کرنا چاہیے اگر خدا نے آیت کے آغاز میں نرم لہجے میں لوگوں سے قرض مانگا ہے تو آخر میں "وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ" بھی فرمایا ہے تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کچھ لوگ یہودیوں کی مانند گمان کرنے لگیں کہ خدا کسی کا محتاج ہے اور یہ نہ کہنے لگیں کہ "اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ" (آل عمران۔ ۱۸۱) یعنی خدا فقیر ہے اور ہم دولت مند ہیں۔ اسی

طرح انہیں بھی معلوم ہو جانا چاہیے کہ خدا کا قرض لینا بندوں کی پیش رفت کے لیے ہے، خدا کی کسی ضرورت کے لیے نہیں ہے۔ منافق لوگ کہا کرتے تھے کہ مسلمانوں پر خرچ نہ کیا کرو تا کہ وہ رسول اکرمؐ کے اطراف سے ہٹ جائیں اور ان کا ساتھ چھوڑ جائیں۔

قرآن مجید نے ایسے لوگوں کے جواب میں فرمایا ہے: ''یہ لوگ کس خیال میں ہیں؟ کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کے خزانے خدا کے قبضہ قدرت میں ہیں؟'' (منافقون۔ ۷)

پیغام:

۱۔ خلق خدا کی امداد گویا خود خدا کی امداد ہے۔ ''یُقْرِضُ اللّٰهَ'' کی بجائے ''یُقْرِضُ اللّٰهَ''

۲۔ لوگوں کو نیک کاموں کی طرف متحرک کرنے کے لیے تشویق و ترغیب ضروری ہے۔ ''فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ''

۳۔ اگر ہم یہ یقین کرلیں کہ رزق اور اسباب کی وسعت اور تنگی خدا کے ہاتھ میں ہے تو ہم بڑے آرام وسکون سے اس کی راہ میں خرچ کریں گے۔ ''وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ''

۴۔ اگر ہمیں اس بات کا یقین ہو جائے کہ ہمیں اسی کی بارگاہ میں لوٹ کر جانا ہے اور جو کچھ ہم خرچ کر چکے ہیں وہ ہمیں واپس ملے گا تو ہم خوشی کے ساتھ اس کی راہ میں خرچ کریں گے۔ ''اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۲۴۵''

آیت نمبر ۲۴۶

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۲۴۶

ترجمۃ الآیات

کیا آپ نے بنی اسرائیل کے ان بڑے لوگوں کے گروہ کو نہیں دیکھا جنھوں نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لیے کسی فرمانروائے حکومت کا انتخاب کریں تا کہ ہم (اس کی فرمانروائی میں) خدا کی راہ میں جنگ کریں۔ اس پیغمبر نے کہا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر تمہیں لڑنے اور جنگ کرنے کا حکم دیا جائے (تو نافرمانی کرتے ہوئے) راہ خدا میں جنگ و جہاد نہ کرو؟ انہوں نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم خدا کی راہ میں نہ لڑیں جبکہ ہم کو اپنے گھروں سے نکال کر بال بچوں سے جدا کر دیا گیا ہے؟ لیکن جونہی انہیں جنگ کا حکم ملا تو چند افراد کے سوا سب نے اس سے منہ پھیر لیا اور خدا ظالموں کو اچھی طرح جانتا ہے۔

نکات:

☆ ''مَلاء'' ایسے بڑوں اور اشراف کو کہا جاتا ہے کہ جن کی ہیبت کی وجہ سے انہیں دیکھ کر دل پر رعب اور آنکھوں میں حیا طاری ہو جائے۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل سے اقتدار چھن گیا وہ اپنی قانون شکنی، عیش طلبی اور تن پروری کی وجہ سے ایک بار پھر طاغوت کے تسلط اور قہرمانیوں کا شکار ہو گئے۔ وہ اپنی آزادی سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اس سرزمین سے بھی نکال دیئے گئے۔ انہوں نے جلاوطنی کی مصیبت سے نجات اور طاغوت کے ظلم وستم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے دشمن کے ساتھ جنگ کی ٹھان لی اور اپنے پیغمبر اشموئیل کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ وہ ان کے لیے ایک فرمانروا مقرر کریں تا کہ وہ اس کی کمان میں طاغوت سے جنگ و جہاد کریں۔ اللہ کے اس نبی نے بنی اسرائیل کی سابقہ کارستانیوں کے پیش نظر ان سے کہا: کیا اس بات کا احتمال نہیں ہے کہ جنگ کا حکم جاری ہو جانے کے بعد تم اس سے منہ پھیر لو اور حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جنگ کے لیے آمادگی پیدا نہ کرو۔

انہوں نے جواب میں کہا: ہم خدا کی راہ میں کیوں نہیں لڑیں گے جبکہ ہم اپنی سرزمین سے نکالے جا چکے ہیں اور عرصہ دراز سے آوارہ وطن ہو کر در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، ہماری زمینوں پر ان ظالموں نے قبضہ کر لیا ہے اور ہماری اولاد کو اپنا قیدی بنا رکھا ہے؟

لیکن ان بلند و بانگ دعوؤں اور قول و قرار کے باوجود جب انہیں جنگ کرنے کا حکم ملا تو تھوڑے سے لوگوں کے سوا باقی سب نے منہ پھیر لیا اور میدان جنگ میں جانے سے انکار کر دیا۔

پیغام:

۱۔مسلمان بنی اسرائیل کی تاریخ کوغور سے پڑھیں اوراس سے نصیحت حاصل کریں۔''اَلَمۡ تَرَ ''

۲۔الٰہی راہبر کا نہ ہونا،تفرقہ،دربدری اور ظالموں کی طرف سے ظلم وستم کیے جانے کا باعث ہے۔''مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰی ۘ ''

۳۔بعض انبیا ایسے تھے جوصرف ایک مخصوص گروہ وقوم کیلئے آئے تھے،ساری انسانیت کیلئے نہ تھے۔''اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ''(اگرفرمایا جاتا کہ ''نَبِیُّهُمۡ ''تو اس میں یہ بات واضح نہ تھی کہ کسی ایک قوم کیلئے ہیں یا سب کیلئے،لیکن جب فرمایا'' لنبی لّھم''اس سے بات واضح ہوگئی کہ وہ صرف ایک ہی قوم کیلئے تھے۔

۴۔جنگی سالار اور کمانڈر کو آسمانی راہبر کی طرف سے منتخب اور منصوب ہونا چاہیے۔''ابۡعَثۡ لَنَا ''۔پس دین سیاست سے الگ نہیں۔

۵۔اگر جنگ میں کامیابی حاصل کرنی ہے تو اس کے لیے لائق،قابل اور اہلیت رکھنے والا کمانڈر ہونا چاہیے۔''ابۡعَثۡ لَنَا مَلِكًا ''

۶۔طاغوت سے نجات حاصل کرنے کے لیے انبیا کی پناہ حاصل کرنی چاہیے۔''قَالُوۡا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ''

۷۔جولوگ اصلاح کے لیے تجاویز پیش کرتے ہیں،ان سے قول وقرار لینا ضروری ہے۔''هَلۡ عَسَیۡتُمۡ ''

۸۔راہبر وپیشوا کی نگاہیں مستقبل پر ہونی چاہئیں اور اسے احتمال اور خیال بھی رکھنا چاہیے کہ لوگ وعدہ خلافی بھی کریں گے،میدان بھی چھوڑ جائیں گے،جنگ سے راہ فرار بھی اختیار کریں گے اور اپنی ذمہ داریوں کو بھی پورا نہیں کرپائیں گے۔''هَلۡ عَسَیۡتُمۡ ''

۹۔ظلم کو دور کرنے اور وطن کے دفاع کیلئے جنگ کرنا راہ خدا میں جہاد ہے۔''مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَقَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِیَارِنَا وَاَبۡنَآئِنَا ؕ ''

۱۰۔مشکلات کا آنا،بیداری اور نجات کیلئے متحرک ہونے کا موجب ہوتا ہے۔''اُخۡرِجۡنَا ''

۱۱۔میدان جنگ وجہاد،بڑے دعوے کرنے والوں کو آزمانے اور ان کا پول کھولنے کی جگہ ہے۔''تَوَلَّوۡا ''

خوش بود گر محک تجربہ آید بہ میان
تا سیہ روی شود ہر کہ در او غش باشد

یہ اچھی بات ہے کہ آزمائش وامتحان ہوتا کہ جھوٹے دعوے کرنے والے کا منہ کالا ہوجائے۔

۱۲۔وعدہ خلافی کرنے والے اور محض نعرے لگانے والے بےعمل لوگ ظالم ہیں۔''عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۴۶﴾ ''

۱۳۔جب خدا تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے تو پھر اس قدر بلند وبانگ دعوے کس لیے؟!''وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌ ''

آیت نمبر ۲۴۷

وَقَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ بَعَثَ لَكُمۡ طَالُوۡتَ مَلِكًا‌ؕ قَالُوۡۤا اَنّٰى يَكُوۡنُ لَهُ الۡمُلۡكُ عَلَيۡنَا وَنَحۡنُ اَحَقُّ بِالۡمُلۡكِ مِنۡهُ وَلَمۡ يُؤۡتَ سَعَةً مِّنَ الۡمَالِ‌ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰٮهُ عَلَيۡكُمۡ وَزَادَهٗ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ‌ؕ وَاللّٰهُ يُؤۡتِىۡ مُلۡکَهٗ مَنۡ يَّشَآءُ‌ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۴۷﴾

ترجمۃ الآیات

اوران کے نبی نے ان سے کہا: اللہ تعالیٰ نے ’’طالوت‘‘ کوتمہاری حکمرانی کے لیے بھیجا (اور منتخب کیا) ہے۔ان لوگوں نے کہاوہ ہم پر کیسے حکمرانی کرسکتا ہے جبکہ ہم اس سے زیادہ حکمرانی کے لائق ہیں؟ اوراس کے پاس کچھ زیادہ مال بھی نہیں ہے۔پیغمبر نے فرمایا: خدانے اسے تم پر ترجیح دی ہے اوراس کی علمی اور جسمانی طاقتوں کو بہت زیادہ کردیا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنا ملک (فرمانروائی اور راہبری) جسے چاہے عطا کردے اور خدا (کا احسان) وسیع ہے اور وہ (لوگوں کی استعداد، لیاقت اورتوانائی) سے آگاہ ہے۔

نکات:

☆ کلمہ ’’وَاسِعٌ‘‘ یعنی خدا تعالیٰ اس بات سے بے نیاز ہے کہ وہ کسی قسم کی بخشش نہیں کرسکتا۔

☆ بنی اسرائیل کے اس ستم رسیدہ اور مظلوم گروہ نے ظالموں کے چنگل سے چھٹکارے کے لیے اگرچہ اپنے پیغمبر سے ایک حکمران کے مقرر کرنے کی درخواست کی تھی ’’مَلِكًا نُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ‘‘ لیکن اس کے ذریعے وہ سخت آزمائش میں پڑ گئے تھے۔انہوں نے بہانے بنائے اور کہا: طالوت کوسلطنتی امور سے کیا لینا دینا ہے۔وہ کس طرح ہمارا فرمانروا بن سکتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ جناب طالوت عسکری سربراہی کے علاوہ ان کے سلطان بھی قرار پائے تھے۔

اس ستم دیدہ گروہ بنی اسرائیل نے ظالموں کے پنجے سے رہائی کیلئے اپنے درمیان موجود نبی سے ایک راہبر کو معین کرنے کی درخواست تو کر لی تھی لیکن جب ان کے نبی نے جناب طالوت کیلئے، جو کہ ایک نوجوان چرواہا، مفلس اور گمنام انسان تھا ، ان کی فرمانروائی اور سپہ سالاری کا اعلان فرمایا تو ان لوگوں نے کہا: وہ کس طرح ہمارا سربراہ ہوسکتا ہے جبکہ اسے کوئی نہیں جانتا اور اس کے پاس مال و دولت بھی نہیں ہے۔ ہم چونکہ مالدار اور دولت مند لوگ ہیں لہٰذا اس منصب کے لیے اس سے زیادہ لیاقت رکھتے ہیں۔

جب اللہ کے نبی نے طالوت کے بارے میں فقر و ناداری کی وجہ سے ان لوگوں کے حیلے بہانے کی باتیں سنیں تو ان سے کہا: اس میں شک نہیں کہ خدا نے اسے تمہاری فرمانروائی کے لیے منتخب کیا ہے اور اسے فقر و ناداری کے بجائے علمی طاقت اور جنگ کی کمانداری کی قوت اور صلاحیت عطا کر دی ہے اور خدا جسے چاہتا ہے اسے اس کی مخفی صلاحیتوں اور لیاقت و استعداد کی بنا پر فرمانروائی عطا فرماتا ہے۔ جی ہاں! اگر اس کی نظر کرم کسی پتھر پر ہو جائے تو وہ جوہر بن جائے، کسی کانٹے پر ہو جائے تو وہ گل بن جائے اور اگر کسی فقیر پر ہو جائے تو وہ غنی ہو جائے۔

کیا ایسا چرواہا جس کی بھیڑیں گم ہو جاتی ہوں، وہ سپہ سالاری کی اہلیت رکھتا ہوگا؟ روایات کے مطابق جناب طالوت ایک چرواہا تھے جو اپنی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں شہر آئے ہوئے تھے۔ اسی سلسلے میں وہ پیغمبر کی خدمت میں آئے تھے کہ خدا تعالیٰ نے وحی فرمائی: یہی چرواہا وہ جوان ہے جو فرمانروائی کی اہلیت رکھتا ہے، لوگوں کو اس کے بارے میں آگاہ کرو۔

☆ جملہ ''بَسۡطَةً فِی الۡعِلۡمِ '' سے مراد شاید تمام علوم ہوں۔ اس جامعیت علوم کی وجہ سے وہ بہت سے علوم کے بارے وسیع معلومات رکھتے تھے۔

پیغام:

۱۔ تمام پیغمبر، وحی کی بنیاد پر اپنے جانشین کا انتخاب کرتے ہیں۔ ''اِنَّ اللّٰہَ قَدۡ بَعَثَ ''

۲۔ جس راہبر کو خدا تعالیٰ معین فرمائے وہ لوگوں کی بھلائی میں اچھا ہے۔ ''بَعَثَ لَکُمۡ ''

۳۔ اگر چاہتے ہو کہ آزادی و نجات حاصل کرو تو ضروری ہے کہ الٰہی راہبر کو قبول کر لو۔ ''اِنَّ اللّٰہَ قَدۡ بَعَثَ لَکُمۡ طَالُوۡتَ مَلِکًا ؕ ''

۴۔ دین، سیاست سے الگ نہیں ہے۔ انبیا کرام، جنگ و جہاد کے مسائل سے براہ راست سروکار رکھتے تھے۔ وہ عسکری سربراہوں کو عزل و نصب کیا کرتے تھے۔ ''اِنَّ اللّٰہَ قَدۡ بَعَثَ لَکُمۡ ''

۵۔ گمنام اور نادار افراد کی مخفی صلاحیتوں سے غفلت نہ برتا کرو۔ ''قَدۡ بَعَثَ لَکُمۡ ''

۶۔ حقیقی ایمان کی علامت، خدا اور رسول کے سامنے تسلیم ہونا ہے۔ بنی اسرائیل اپنی غلط سوچ کی وجہ سے تسلیم نہ تھے۔''

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا ‘‘

۷۔الٰہی امتحانات میں سے ایک ہمارا الٰہی راہبر کے ساتھ سلوک ہے۔’’قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ۔۔۔‘‘

۸۔خود کو دوسروں سے برتر سمجھنا، قابل مذمت ہے۔’’نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ ‘‘(شیطان نے بھی ایسا ہی کہا: اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ۔اعراف۔۱۲)

۹۔نام، عہدہ اور شہر میں سکونت ہونا، برتری کی علامت نہیں ہوا کرتا۔اس آیت میں ان لوگوں پر سخت نکتہ چینی کی گئی ہے جو برتری اور فوقیت کا معیار مال اور مقام و منزلت کو قرار دیتے ہیں۔’’لَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ ‘‘

۱۰۔اللہ کا انتخاب، اہلیت اور قابلیت کی بنیاد پر ہوتا ہے، خدائی فیصلے بیہودہ اور بیکار نہیں ہوتے۔’’اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ ‘‘

۱۱۔لشکر کی سپہ سالاری کیلئے علمی توان اور جسمی قوت دونوں ضروری شرط ہیں۔’’بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ ‘‘

۱۲۔علمی توان، جسمی طاقت وقدرت سے زیادہ اہم ہے۔’’زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ ‘‘پہلے کلمہ’’علم‘‘ آیا پھر کلمہ’’جسم‘‘ کا ذکر ہوا۔

۱۳۔راہبر اور مدیر کو چاہیے کہ اپنے زیردست افراد کے بارے میں وضاحت سے کام لے نیز تفصیل سے بات بیان کرے ان کے کام کی دلیل اور اپنے انتخاب کی وضاحت کو بیان کرے۔ابہام اور شکوک کو دور کرے۔صرف اتنا ہی نہ کہے کہ یہ میرا حق ہے کہ میں جو چاہوں انجام دے سکتا ہوں۔پیغمبر خدا نے طالوت کے انتخاب کی دلیل اس کی توان علمی اور جسمی بیان کی ہے ۔’’زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ ‘‘

۱۴۔ناداری اور گمنامی، الطاف الٰہی کے نزول میں رکاوٹ نہیں ہوسکتی اور نہ کسی کی ثروت وشہرت اس کا باعث ہوسکتی ہے۔’’وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ؀ ‘‘

۱۵۔لوگوں کے اکثر اعتراضات کی وجہ ان کی کم فکری اور کم ظرفی ہوتی ہے۔لیکن خدا تعالیٰ کا علم بے کراں اور لامحدود ہے۔’’وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ؀ ‘‘

آیت نمبر ۲۴۸

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ

تَحۡمِلُهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۚ﴿۲۴۸﴾

ترجمۃ الآیات

ان کے پیغمبر نے ان سے کہا: اس کی حکومت کی نشانی یہ ہے کہ ایک تابوت (عہد کا صندوق) تمہارے پاس آئے گا اور اس (صندوق) میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسکین و آرام اور خاندان موسیٰ و ہارون کی یادگاریں ہونگی۔ وہ اس حالت میں آئے گا کہ فرشتے اسے اٹھائے ہوں گے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ اس بارے میں تمہارے لیے واضح نشانی ہے۔

نکات:

☆ طالوت کی فرمانروائی پر لوگوں کے اطمینان ویقین کے لیے ان کے پیغمبر نے ان سے فرمایا: بنی اسرائیل کا مقدس صندوق انہیں واپس لوٹا دیا جائے گا تا کہ یہ خدا کی طرف سے طالوت کے حقیقی انتخاب کی علامت بن سکے۔ تابوت سے مراد وہی لکڑی کا صندوق ہے جس میں حضرت موسیٰ کو رکھ کر ان کی والدہ نے انہیں حکم خدا سے دریائے نیل میں ڈال دیا تھا۔ فرعون کے کارندے اس صندوق اور بچے کو فرعون کے پاس لے گئے تھے۔ وہ صندوق اسی طرح فرعون کے دربار میں رکھا رہا تھا۔

جب حضرت موسیٰ کو پیغمبری ملی تو انہوں نے تورات کی الواح اسی میں رکھیں اور بوقت وفات اپنی زرہ اور دوسری یادگاری اشیا اس میں رکھیں۔ پھر یہ صندوق اپنے وصی ''یوشع بن نون'' کے حوالے کر دیا۔ یہ صندوق بنی اسرائیل میں ایک مقدس صندوق کے عنوان سے جانا جاتا تھا اور اسے ''صندوق عہد'' کے نام سے موسوم کر دیا گیا تھا۔ وہ ایک عرصے تک بنی اسرائیل کے پاس رہا اور وہ اسے ہر جنگ میں آگے آگے اٹھائے رہتے تھے لیکن آہستہ آہستہ اس صندوق کا تقدس ختم ہو گیا اور وہ ان سے لے لیا گیا۔ یہ صندوق جناب طالوت کی صدارت کے زمانے میں خداوند تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعے ان تک پہنچا دیا تا کہ ان کیلئے سکون اور اطمینان کا باعث ہو۔

(تورات میں سِفر خروج، فصل ۳۷، میں اس موضوع پر بہت سے مطالب بیان ہوئے ہیں۔)

پیغام:

۱۔ اطمینان اور سکون کا باعث خدا تعالیٰ ہی ہے چاہے ہمراہ وسائل بھی ہوں۔ ''فِيۡهِ سَكِيۡنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ''

۲۔ انسان کو ہمیشہ سکون کی ضرورت ہوتی ہے، خاص طور پر میدان جہاد پر جاتے ہوئے۔ ''فِيۡهِ سَكِيۡنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ'' (یہاں کلمہ ''سَكِيۡنَةٌ'' فکری سکون کی دلیل ہے۔ کیونکہ گذشتہ آیات میں بنی اسرائیل کے میدان جہاد جانے کی باتوں

کا ذکر ہے۔)

۳۔خدائی راہبر کے پاس خدائی نشانی ہونا ضروری ہے چونکہ جناب طالوت خدا تعالیٰ کی طرف سے انتخاب شدہ تھے اس لیے ضروری تھا کہ خدائی نشانی کے ساتھ اس بات کی تائید کی جاتی ۔''مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ''

۴۔جو صندوق حضرت موسیٰ اور الواح تورات سے تعلق رکھتا تھا وہ مقدس تھا اور اس سے جان و دل کو سکون ملتا تھا۔اسی طرح ان صندوقوں کو بھی مقدس سمجھا جائے گا جو اولیاء اللہ کی قبروں پر ہوتے ہیں، ان کو مقدس جاننا قرآن کے خلاف نہیں ہے۔جو صندوق ائمہ اطہار علیھم السلام کی قبروں پر ہیں ان کا شمار ''بقية مما ترك آل محمد''میں ہوتا ہے۔جیسا کہ موسیٰ کے صندوق کو ''بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ''قرار دیا گیا ہے۔

۵۔انبیا کی یادگاروں کی حفاظت کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ ان سے دل و جان کو سکون ملتا ہے اور یہ برکت کا سبب ہیں۔''بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ''

آیت نمبر ۲۴۹

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾

ترجمة الآیات

پس جب طالوت (بنی اسرائیل کے لشکر کی فرمانروائی (سالاری) کے لیے منصوب ہو گئے اور

) اپنے لشکر کو باہر لے گئے تو لشکریوں سے کہا: خدا تمہیں ایک نہر کے ذریعے آزمائے گا تو جو شخص اس سے پانی پئے گا وہ مجھ سے نہیں ہوگا اور جو اس سے نہیں پئے گا وہ مجھ سے ہوگا مگر ایک چلو بھرے (اور اسے پئے) پس (جونہی وہ نہر پر پہنچے تو) تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ سب نے اس میں سے پانی پیا۔ پھر جب وہ اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے افراد اس نہر سے گزر گئے (اور دشمن کو دیکھ لیا) تو کہنے لگے آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے۔ جو لوگ جانتے تھے کہ خدا کے حضور پہنچنا ہے (اور قیامت کے دن پر ان کا ایمان تھا) وہ کہنے لگے: کتنے ہی چھوٹے گروہ خدا کے حکم سے بڑے بڑے گروہوں پر غالب آگئے اور خدا صبر (اور استقامت) کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

نکات:

☆ ''جُنُوْدِ '' کا کلمہ ''جُند'' کی جمع ہے، جس کا معنی لشکر ہے۔ چند لشکر کا لوگوں میں سے کچھ گروہوں کا ہٹنے کے بعد، وہاں جمع ہونا ان کی کثرت پر دلیل ہے۔

☆ اس آیت میں بنی اسرائیل کے بہت سے گروہوں کی ناکامی کی خبر دی گئی ہے جو پانی نہ پینے اور پیاس برداشت کرنے کی آزمائش کے میدان میں ناکام ہو گئے لیکن اس میدان میں کامیاب ہونے والوں کو ایک اور آزمائش کا سامنا کرنا پڑ گیا اور وہ روحانی اور معنوی امتحان تھا۔ یعنی جب ان کا سامنا ''جالوت'' کے بے پناہ لشکر سے ہوا تو کہنے لگے: ہم میں اس مسلح لشکر کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے۔ مگر جو لوگ قیامت اور خدا کے حضور پیش ہونے پر ایمان رکھتے تھے وہ کہنے لگے کہ کامیابی خدا کے ہاتھ میں ہے کتنے ہی ایسے چھوٹے گروہ ہیں جو خدا کے حکم سے بڑے بڑے لشکروں پر غالب آئے اور کامیاب ہوئے ہیں۔

☆ آزمائشوں کے مراحل میں صرف ایک مرحلے پر کامیابی کافی نہیں ہوتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ کسی ایک مرحلے پر تو کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن ایک اور مرحلے پر شکست کھا جاتے ہیں۔ اس واقعہ میں کچھ لوگوں نے تو راہبر کو اس وجہ سے تسلیم نہیں کیا کہ وہ غریب آدمی ہے، کچھ پیٹ کے معاملے میں شکست کھا گئے اور کچھ دشمن کی افرادی برتری دیکھ کر اپنے حواس کھو بیٹھے۔

☆ طالوت نے ابتدا میں لوگوں کو اپنے ساتھ نسبت نہ دی یعنی نا فرمایا: ''بِجُنُوْدِہ'' بلکہ فرمایا: ''بِالْجُنُوْدِ '' جبکہ وہاں کثیر تعداد میں لشکری موجود تھے اور انہوں نے جناب طالوت کی سربراہی کو قبول نہ کیا تھا۔ جناب طالوت نے اس وقت تک ان کی فرمانبرداری کو نہیں آزمایا تھا۔ لیکن آزمائش کے بعد اپنے ساتھ نسبت دی اور فرمایا: ''فَاِنَّہٗ مِنِّیْ''

☆ دو گروہوں کا حساب واضح ہے کہ اگر کوئی پانی نہ پئے تو وہ یقینی طور پر اپنا ہے اور جو کوئی پئے گا وہ غیر ہے۔ جو کوئی چلو

بھر کے پانی پیے گا وہ نہ اپنوں میں سے ہے اور نہ غیروں میں سے ہے۔ اس گروہ کو نہ مایوس کرنا چاہیے اور نہ ہی وہ الطاف الٰہی میں شامل ہوگا۔ اس لیے ''مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ'' کیلئے نہ کلمہ ''مِنِّيْ'' استعمال ہوا ہے اور نہ ہی کلمہ ''لیس منی'' استعمال کیا گیا ہے۔

☆ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جو لوگ آخر تک جناب طالوت کے ساتھ وفادار رہے تھے وہ تین سو تیرہ افراد تھے۔ (تفسیر نور الثقلین ج ۱، ص ۲۵۱)

☆ وہ لوگ جن کے ہاتھ لوگوں کے اموال یا حکومتی اموال تک پہنچ جاتے ہیں، اور وہ کرامت نفس اور زہد کے ساتھ اس کے پاس سے گزر جاتے ہیں، لالچ و طمع انہیں آلودہ نہیں کرتی، یہ لوگ حزب الٰہی ہیں۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے اس مال کی طرف ہاتھ لمبے کیے، جنہوں نے اپنی پشتوں کو ان اموال کے بوجھ کے ساتھ سنگین کر لیا، وہ سچے مومن نہیں ہیں۔ ''فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ''

پیغام:

۱۔ عسکری سربراہ کی ایک ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے جنگجو سپاہیوں کو تماشہ دیکھنے والوں سے الگ کرے۔ ''فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ''

۲۔ آزمائش کے ذرائع میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض چیزوں سے وقتی طور پر روک لیا جاتا ہے۔ آرام طلبی، راحت پسندی اور وقتی سختیوں اور مشکلات کی عدم برداشت ایک جان بر کف سپاہی کے شایان شان نہیں ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ''

۳۔ دشمن سے مڈبھیڑ سے پہلے ثابت قدمی کی مشق ضروری ہے۔ ''مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ''

۴۔ سردار لشکر کو غیر ضروری اور غیر مفید عناصر کو الگ کر دینا چاہیے۔ ''فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ''

۵۔ سردار لشکر کی اطاعت کامیابی کی ضمانت ہے۔ ''مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ''

۶۔ ضروریات زندگی کا اور مکمل آرام دہ زندگی کا حساب بالکل الگ الگ ہے۔ ''اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ ۚ''

۷۔ مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے میدان آزمائش سے جو لوگ کامیابی کے ساتھ باہر آتے ہیں وہ بہت کم ہوتے ہیں۔ ''اِلَّا قَلِيْلًا''

۸۔ انقلابی ہونا کوئی بڑی بات نہیں، انقلابی رہنا بہت اہم ہے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نعرے لگانے والے تو بہت تھے لیکن آزمائش کے مختلف مراحل میں کامیابی سے ہمکنار ہونے والے بہت کم تھے۔ ''اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ''

۹۔ معاد (قیامت) اور خدا کے وعدوں پر ایمان، مشکلات اور مصائب کو برداشت کرنے اور ان پر قابو پانے میں مفید

اور معاون ثابت ہوتا ہے ۔''مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ''

۱۰۔ایمان کے درجے ہیں۔ٹھیک ہے کہ جناب طالوت کے ساتھ بہت سے لوگ تھے وہ ان پر ایمان بھی رکھتے تھے، انہوں نے پانی بھی نہ پیا؛''اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ'' لیکن ہر مومن جان برکف مجاہد نہیں ہوتا، جان برکف مجاہد وہی ہوتا ہے جو اللہ سے ملاقات پر ایمان رکھتا ہے۔''یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ''

۱۱۔دشمن کی جنگی اور افرادی برتری ارادہ خداوندی کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی ۔''كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ''

۱۲۔جس گروہ کی کیفیت کے اعتبار سے حالت اچھی ہوگی وہ کمیت کے اعتبار سے بھاری گروہ پر غالب آجائے گا۔'' كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ---''

۱۳۔مخلص مومن، کامیابی کو صرف الٰہی نظر سے دیکھتا ہے، اور کامیابی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی جانتا ہے۔''بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ''

۱۴۔مسلمان اگر صابر اور ثابت قدم ہوں تو انہیں دشمن کی بڑی سے بڑی تعداد سے گھبرانا نہیں چاہیے اس لیے کہ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝۲۴۹''

آیت نمبر ۲۵۰

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ۝۲۵۰ؕ

ترجمة الآيات

اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے ہوئے تو کہنے لگے: اے ہمارے پروردگار! ہمارے اوپر صبر وشکیبائی نازل فرما۔ ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کافروں کے گروہ پر فتح و نصرت عطا فرما۔

پیغام:

۱۔دعا، تحرک وعمل کے ساتھ ساتھ ہونی چاہیے نہ کہ تحرک وعمل کی بجائے صرف دعا ہی کی جائے۔''بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ

وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ ۔۔۔''

۲۔صبر و کامیابی، ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں ۔صبر کے نتیجہ میں کامیابی نصیب ہوتی ہے ۔''صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا''

۳۔اپنی دعاؤں کو''رَبَّنَآ'' کے ساتھ شروع کریں۔''رَبَّنَآ اَفْرِغْ ۔۔۔''

۴۔مشکلات میں انسان کو صبر کرنے کی بہت ضرورت ہوتی ہے ۔''اَفْرِغْ'' کے معنی نزول کا زیادہ ہونا ہے ۔کلمہ ''صَبْرًا'' بھی نکرہ کی صورت میں آیا ہے۔جو کہ ایک عظیم صبر کی علامت ہے۔

۵۔امتحانوں اور آزمائشوں میں کامیاب ہوجانے کے بعد تمہیں مغرور نہیں ہوجانا چاہیے بلکہ ہمیشہ خدا تعالیٰ سے نصرت طلب کرتے رہنا چاہیے۔''ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا''

۶۔انسان کا کام سعی و کوشش ہے جبکہ کامیابی خدا کے ہاتھ میں ہے۔''رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا''

۷۔جنگ میں کامیابی اس وقت قدر و قیمت کی حامل ہوتی ہے جب مجاہدین کو باطل پر غلبے دلانے کے لیے جنگ کریں نہ کہ ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے لیے جنگ کر رہے ہوں۔''وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۵۰''

آیت نمبر ۲۵۱

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۵۱

ترجمة الآيات

پھر انہوں (طالوت اور ان کے ساتھیوں) نے خدا کے حکم سے دشمن کے لشکر کو شکست سے دو چار کر دیا اور داوٴد نے (جو طالوت کے ساتھیوں میں سے کم سن لیکن مومن اور شجاع شخص تھے)

جالوت کو (جو دشمن کا سپہ سالار تھا) قتل کر دیا۔ خداوند عالم نے انہیں حکومت اور حکمت عطا فرمائی اور جو کچھ وہ چاہتے تھے انہیں سکھا دیا۔ اگر خدا بعض لوگوں کو بعض افراد کے ذریعے دفع نہ کرے تو زمین میں فساد برپا ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ تمام جہانوں پر لطف و احسان فرماتا ہے۔

نکات:

☆ روایات کے مطابق حضرت داود علیہ السلام اپنی اسی شجاعت اور دلاوری کی وجہ سے مقام نبوت پر فائز ہوئے اور ان کے بیٹے جناب سلیمان علیہ السلام بھی انبیائے الٰہی میں سے تھے۔

☆ روایات میں پڑھتے ہیں کہ رسولخدا نے فرمایا: ''خدا تعالیٰ ایک مسلمان صالح فرد کی وجہ سے، ایک لاکھ ہمسائیوں کے گھروں سے بلا و مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔'' پھر حضورؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''لَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ ۔۔۔'' (تفسیر در المنثور، ج ۱، ص ۷۶۴)

☆ گذشتہ آیات پر توجہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کامیابی کے اسباب چند چیزیں ہیں:

۱۔ راہبر طاقت ور اور لائق ہو۔ ''زَادَهٗ بَسۡطَةً فِي الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ ؕ''

۲۔ پیروکار مومن ہوں۔ ''قَالَ الَّذِيۡنَ يَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ''

۳۔ توکل۔ ''كَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيۡرَةًۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ''

۴۔ صبر و استقامت۔ ''رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا''

۵۔ الٰہی جذبہ۔ ''وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ''

پیغام:

۱۔ اگرچہ مسلسل جدوجہد تمہاری طرف سے ہے لیکن دشمن کی شکست خداوند کے ہاتھ میں ہے۔ ''فَهَزَمُوۡهُمۡ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۙ''

۲۔ مجاہدین و مخلصین کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ ''انۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوۡهُمۡ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۙ''

۳۔ جب تک صلاحیت، لیاقت، ایثار اور شفاف ماضی نہ ہو اس وقت تک انسان، لطف الٰہی میں داخل نہیں ہوتا۔ ''وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوۡتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ وَالۡحِكۡمَةَ''

۴۔ جہاد کے دوران محاذ پر حملہ کے وقت نظریں دشمن پر گڑی ہونی چاہیں۔ ''قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوۡتَ''

۵۔ جو لوگ جنگ میں مردانہ وار جرات و بہادری سے لڑتے ہیں، جانثاری کرتے ہیں، ان کے نام کو زندہ رکھنا چاہیے۔ ''قَتَلَ دَاوٗدُ''

۶۔ کفر کے راہبر کی نابودی، اس کے لشکر کی تباہی اور فرار کا باعث ہوتی ہے۔ ''فَهَزَمُوۡهُمۡ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ

جَالُوْتَ ''

۷۔ اگر قابض جارح اور ظالم کے خلاف قیام نہ کیا جائے تو زمین پر فساد اور تباہی پھیل جاتی ہے۔ ''لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ ''

۸۔ مفسدین کے ساتھ جنگ کرنا ایک ضروری امر ہے۔ اگر مضر عنصر کا قلع قمع نہ کر دیا جائے تو دوسرے عناصر بھی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ ''لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ ''

۹۔ اللہ کا ارادہ اور فضل ، طبیعی عوامل و اسباب کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے۔ ''دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ''

۱۰۔ جارح کے خلاف جہاد اور دفاع کا حکم، اللہ کا فضل و احسان ہے۔ ''اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۵۱ ''

آیت نمبر ۲۵۲

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۵۲

ترجمۃ الآیات

یہ خدا کی آیات ہیں جنہیں ہم آپؐ پر حق و صدق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں اور آپؐ یقیناً رسولوں میں سے ہیں۔

نکات:

☆ یہ قرآن مجید کے دوسرے پارے کی آخری آیت ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مذکورہ تمام داستانیں اور حوادث کے اندر عبرت اور درس کا سامان جیسا ہے۔

بالخصوص ایک ہی لمحہ میں ہزاروں افراد کا لقمہ اجل بن جانا اور پیغمبر کی دعا سے پھر ان کا زندہ ہو جانا ، ایک گمنام مگر صاحب استعداد و لیاقت گڈریئے کو راہبری کے عظیم منصب پر فائز کرنا ، دشمن کے عظیم مسلح لشکر پر ایک چھوٹے سے گروہ کا غالب آنا ، جنگ میں ایک نوجوان کا شجاعت اور جوانمردی کے جوہر دکھانا اور اسے نبوت کا منصب عطا ہونا۔ یہ سارے کے سارے واقعات آیات الٰہی کے جلوے ہیں اور یہ حضور پیغمبر اکرمؐ کی رسالت و صدق گفتاری کی دلیل ہیں۔

آیت نمبر ۲۵۳

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿٢٥٣﴾

ترجمۃ الآیات

یہ وہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے ان میں سے کوئی وہ ہے جس سے خدا نے باتیں کیں اور ہم نے بعض پیغمبروں کے درجات بلند کیے۔ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح نشانیاں دیں اور ہم نے روح القدس کے ذریعے ان کی تائید کی۔ اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ جو ان پیغمبروں کے بعد ہوئے ان کے پاس اس قدر واضح نشانیاں آجانے کے بعد آپس میں جنگ اور لڑائی نہ کرتے (لیکن خدا کسی کو مجبور نہیں کرتا اس نے ہر ایک کو سعادت کی راہیں طے کرنے کے لیے آزاد پیدا کیا ہے) لیکن خود یہ لوگ ہی تھے جنہوں نے آپس میں اختلاف کیا ان میں سے کچھ تو ایمان لے آئے اور کچھ کافر ہو گئے۔ (اور جنگ اور اختلاف شروع کر دیا) پھر بھی اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں جنگ نہ کرتے۔ لیکن خدا جو چاہتا ہے (حکمت کی بنا پر اسے) انجام دیتا ہے۔

نکات:

☆ اگرچہ احادیث کی بنیاد پر انبیا کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے لیکن قرآن پاک میں ان میں سے صرف ۲۵ انبیا

کا نام آیا ہے اور باقی انبیا کا نام نہیں لیا گیا۔ ''مَّنۡ قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ ''(غافر۔۷۸)

تمام انبیا کا مقام اوران کے درجات ایک جیسے نہیں ہیں، ہر ایک کی اپنی جگہ اور بعض خصوصیات ہیں۔مثلاً پیغمبر اسلامؐ کی خصوصیت، خاتمیت، اُمی ہونا اوران کی کتاب میں تحریف کا نہ ہونا ہے۔ جناب ابراہیمؑ کی خصوصیت، ان کا اکیلئے ہی ایک اُمت ہونا اور مبارک نسل پانا۔ جناب نوحؑ نے خدا کی طرف سے بہترین سلام وصول پائے، انہیں طول عمر اور پائیداری عطا کی گئی۔اس آیت میں جناب موسیٰؑ اور جناب عیسیٰؑ کیلئے یہ خصوصیت بیان کی گئی کہ جناب موسیٰؑ، اللہ تعالیٰ سے باتیں کیا کرتے تھے اور جناب عیسیٰؑ کی روح القدس کے ذریعے تائید فرمائی گئی۔

کلمہ ''دَرَجٰتٍ'' متعدد بلندیوں اور مراتب کی طرف اشارہ ہے۔

☆ فخر رازی نے تفسیر کبیر میں اس آیت کے ذیل میں پیغمبر اسلامؐ کیلئے تقریباً بیس خصوصیات کو بیان کیا ہے۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کا معجزہ قرآن پاک تمام معجزات پر فوقیت رکھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ خداوند عالم سورہ نساء۔۴۱ میں فرماتا ہے: ''فَكَيۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيۡدٍ وَّجِئۡنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ شَهِيۡدًا﴿۴۱﴾'' یعنی بھلا اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت کے پیغمبر کو اس کی امت کا گواہ بنا کر لائیں گے اور آپؐ کو (اے محمدؐ!) تمام پیغمبروں کا گواہ بنا کر لائیں گے۔اس کا مطلب ہے کہ پیغمبر اسلامؐ، تمام پیغمبروں پر گواہ ہیں۔

پیغام:

۱۔انبیا کا مقام بہت بلند ہے۔''تِلۡكَ'' قریب نہیں بلکہ دور کیلئے اشارہ ہے، جس سے مراد بہت بلند درجہ ومقام ہے۔

۲۔تمام انبیا ایک مرتبہ ومنزلت پر فائز نہیں ہیں۔اگر ان سب کا ہدف اور مقصد ایک ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ چیز ان کے خصوصی کمالات اور خاص فوقیت وفضیلت سے مانع ہے۔''فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ۘ ''

۳۔گذشتہ انبیا کو خراج عقیدت پیش کرنا اور اچھے الفاظ میں یاد کرنا ضروری ہے۔ جیسے اس آیت میں جناب موسیٰؑ و جناب عیسیٰؑ کی تکریم کی گئی ہے۔''كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيۡنَا عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ ''

۴۔الٰہی قانون اور طریقہ کار یہی ہے کہ انسان کو آزاد رکھا جائے۔اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو سب کو مجبور کر کے راہ راست پر قائم رکھ سکتا تھا۔لیکن حقیقی پیش رفت، آزادی کے سایہ میں ممکن ہے۔اس آیت میں ہم نے دو مرتبہ پڑھا کہ اگر خدا چاہتا تو لوگوں کے درمیان کوئی اختلاف یا جھگڑا پیدا نہ ہوتا۔''وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ''

۵۔اختلافات کی جڑ خواہشات نفسانی، حسد وکینہ اور خود پسندی ہیں نہ کہ جہالت اور لاعلمی۔''مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ''

۶۔انبیا کا راستہ روشن دلائل کے ہمراہ ہوتا ہے۔''بَيِّنٰتُ''

۷۔ اعتقادی اختلافات، جنگ کے اسباب میں سے ایک ہے۔ دین ان اختلاف کا باعث نہیں ہے بلکہ لوگ خود اختلاف کرتے ہیں۔ ''وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا ''

۸۔ لوگوں کا آپس میں اعتقادی اختلاف کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ انسان آزاد اور خود مختار ہے۔ ''فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ''

آیت نمبر ۲۵۴

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایماندارو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ ایک دن ایسا آپہنچے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی اور سفارش (کام آئے گی) اور کفار ہی تو ظالم ہیں۔

نکات:

☆ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے لوگوں کو انفاق کی ترغیب دلانے کیلئے بعض اشارے اور علامتیں بیان کی ہیں:

الف: جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ہم نے دیا ہے، تمہارا اپنا کچھ نہیں ہے۔ ''رَزَقْنٰكُمْ ''

ب: جو کچھ تمہارے پاس ہے اس میں سے کچھ مقدار اللہ کی راہ میں دے دو، سب کچھ نہ دو۔ ''مِمَّا ''

ج: تمہارا یہ انفاق تمہاری آخرت کیلئے ہے۔ جو کہ ہر دوست سے بہتر ہے۔ ''يَّاْتِيَ يَوْمٌ ---''

پیغام:

۱۔ حکم دینے سے پہلے، لوگوں کو احترام کے ساتھ بلاؤ۔ ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ''

۲۔ کار خیر میں فرصت سے فائدہ اٹھانا، اچھا اور قابل قدر ہے۔ ''مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ ''

۳۔ آج کسی کو محروم کرنا، کل خود محروم ہونا ہے۔ اگر آج انفاق اور بخشش نہ کرو گے تو کل قیامت کے دن محبت، دوستی اور

شفاعت بھی نہیں ہوگی۔ ''اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا بَیۡعٌ فِیۡہِ۔۔۔''

۴۔ آخرت کی یاد، انفاق کی ترغیب دلانے کیلئے ایک مؤثر عامل ہے۔ ''اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ۔۔۔''

۵۔ سخاوت کا جذبہ اور حوصلہ پیدا کرنے کیلئے، انسان کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہیے کہ اگر آج اس نے دنیا میں انفاق نہ کیا تو کل قیامت کے دن وہ خالی ہاتھ ہوگا۔ ''لَّا بَیۡعٌ فِیۡہِ وَلَا خُلَّۃٌ وَّلَا شَفَاعَۃٌ ؕ''

۶۔ بخل، کفران نعمت اور الٰہی وعدے کے انکار کی علامت ہے۔ ''اَنۡفِقُوۡا۔۔۔ وَالۡکٰفِرُوۡنَ''

۷۔ کفر، ظلم کا واضح ترین نمونہ اور مثال ہے۔ ''وَالۡکٰفِرُوۡنَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۵۴﴾''

آیت نمبر ۲۵۵

اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ۬ۚ لَا تَاۡخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوۡمٌ ؕ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ ؕ یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَمَا خَلۡفَہُمۡ ۚ وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ کُرۡسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ وَلَا یَـُٔوۡدُہٗ حِفۡظُہُمَا ۚ وَہُوَ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ ﴿۲۵۵﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ زندہ اور (سارے جہانوں کو) سنبھالنے والا ہے۔ اسے نہ تو اونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ بس اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور شفاعت کرے؟ وہ ان لوگوں کے گذشتہ اور آئندہ حالات کو جانتا ہے اور لوگ اس کے علم کے کسی گوشے کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی (علم وقدرت) تمام آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ آسمانوں اور زمین کی نگہداشت اس پر کچھ بھی گراں نہیں اور وہ بلند تر اور عظمت

والا ہے۔

نکات:

☆اس آیت میں لفظ ''كُرْسِيُّ'' کی وجہ سے رسول اکرمؐ نے اس آیت کا نام ''آیت الکرسی'' رکھا ہے۔شیعہ اور سنی روایات میں ہے کہ یہ آیت قرآن مجید میں ایسے ہی ہے جیسے پہاڑ کی چوٹی ہوتی ہے اور آیات قرآنی میں اسے بلند مقام حاصل ہے۔(تفسیر روح المعانی، ج ۳،ص ۱۰؛تفسیر المیزان، ج ۲،ص ۳۵۱)

اس کی تلاوت کی بہت تاکید کی گئی ہے۔حضرت علی علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:''اس آیت کی فضیلت سننے کے بعد کسی رات کو آیت الکرسی کی تلاوت مجھ سے قضا نہیں ہوئی۔(تفسیر نمونہ، ج ۲،ص ۱۹۱؛تفسیر المیزان، ج ۲،ص ۳۵۵)

اس آیت میں سولہ مرتبہ خدا کا نام اور اس کی صفات ذکر ہوئی ہیں۔اسی لیے آیت الکرسی کو''توحید کا نعرہ اور پیغام'' کہا گیا ہے۔

اگرچہ قرآن مجید میں نعرہ توحید مختلف عنوانات کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔مثلاً

''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ''معبود حقیقی سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں۔(الصّٰفّٰت۔۳۵)

''لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ''اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں۔(بقرہ۔۱۶۳)

''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ'' تیرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں۔(انبیاء۔۸۷)

''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا''(خدا فرماتا ہے) میرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں۔(نحل۔۲)

لیکن اس میں سے کسی ایک میں بھی آیت الکرسی کی مانند نعرہ توحید کے ساتھ ساتھ خداوند عالم کی صفات کو بیان نہیں کیا گیا۔

☆ خدا کی صفات دو طرح کی ہیں: بعض وہ ہیں جو عین ذات ہیں اور ذات خداوندی سے کسی بھی وقت جدا نہیں ہیں۔ جیسے علم، قدرت اور حیات اور بعض وہ ہیں جنہیں صفات فعلی کہا جاتا ہے اور ان کا تعلق خداوند عالم کے ارادے سے ہوتا ہے جیسے بخشش، معاف کر دینا اور خلق وغیرہ کہ ان جیسی صفات میں خدا کا ارادہ ہی اصل کی حیثیت رکھتا ہے۔یعنی اگر چاہے تو بخش دے لیکن اس کی صفات ذات کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اگر وہ چاہے تو جان لے اور اگر نہ چاہے تو نہیں جانتا۔

اگر ہم ذاتی صفات کو تشبیہ کی صورت میں سمجھانا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ خدا کا عالم اور قادر ہونا ایسے ہے جیسے انسان کا مخلوق ہونا۔جس طرح انسان سے مخلوق ہونے کی صفت جدا نہیں ہوسکتی اسی طرح علم کی صفت خدا سے الگ نہیں ہوسکتی۔

☆''الٰہ'' کا لفظ ہر معبود کے لیے استعمال ہوتا ہے خواہ وہ برحق ہو یا ناحق اور باطل۔جیسے قرآن فرماتا ہے:

''اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ''(فرقان۔۴۳) کیا تم نے ایسے کو دیکھا ہے جس نے اپنے نفس کو اپنا معبود بنا

لیا ہے۔

لیکن ''اللہ'' کا لفظ ذات مقدس پروردگار ہی کا نام ہے۔

معبود حقیقی خداوند ذوالجلال کے علاوہ جو بھی معبود ہیں وہ ایک مکھی تک کو پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔ ''لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا'' (حج۔ ۷۳) جو لوگ حقیقی خدا کے علاوہ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں وہ توحید کی بلندیوں سے پھسل کر خوفناک دروں میں جا گرتے ہیں۔ ''وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ'' جو خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ ایسے ہے جیسے آسمان سے گرے اور اسے (راستے میں) پرندے اچک لیں۔ (حج۔ ۳۱)

☆ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' مسلمان کی شناخت کا پہلا نشان ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کی دعوت کا پہلا عنوان بھی یہی تھا: ''قولو الَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ و تفلحوا'' یعنی ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہو اور نجات پا جاؤ گے۔ (کنز العمال، ح ۳۵۵۴۱) اسی طرح آپؐ نے فرمایا: ''من قال الا اله الا الله مخلصا دخل الجنة و اخلاصه بها ان تحجزه لا اله الا الله عما حرم الله'' جو شخص خلوص دل کے ساتھ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے وہ جنت میں جائے گا۔ اس کے خلوص کی نشانی یہ ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا پڑھنا اسے خدا کی حرام کردہ چیزوں سے دور رکھے۔ (ثواب الاعمال، ص ۲۰)

امام صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: ''قول لا اله الا الله ثمن الجنة'' یعنی لا اله الا الله کا کلمہ جنت کی قیمت ہے۔ (بحار، ج ۹۳، ص ۱۹۶)۔ اسی طرح امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حدیث قدسی میں ہے: ''کلمة لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حصنی'' کلمہ توحید خدا کا مستحکم اور مضبوط قلعہ ہے۔ (بحار، ج ۳، ص ۷)

یقیناً توحید انسان کی نجات اور کامیابی کا سبب ہے۔ جس طرح کہتے ہیں کہ جو شخص کسی علمی مرکز میں داخل ہو جائے وہ دانشمند بن جاتا ہے۔ البتہ اس شرط کے ساتھ کہ لازمی اسباق کو پڑھے۔ اسی طرح ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' بھی نجات دلاتا ہے بشرطیکہ اس کی شرائط پر عمل کیا جائے جو بعد میں بیان ہوں گی۔

☆ توحید پر پختہ ایمان انسان کی آنکھوں میں دنیا کی تمام طاقتوں، سپر طاقتوں اور دوسری ہر قسم کی پُرکشش چیزوں کو کمتر اور حقیر بنا دیتا ہے۔ توحیدی تربیت کا نتیجہ یہی ہے کہ مسلمانوں نے کبھی بادشاہوں اور طاقتوروں کے لیے سجدہ نہیں کیا تھا۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں پناہ لینے والے مسلمانوں نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ ''لَا نَسْجُدُ اِلَّا لِلّٰهِ'' یعنی ہم خدا کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ (سیرۃ حلبی، ج ۱، ص ۳۸۷)

ایک اور مسلمان ''دحیہ کلبی'' نے قیصر روم کے محل میں پہنچ کر محل نشینوں کے سامنے سجدہ نہ کیا اور ان کے سوال کے جواب میں واضح کر دیا تھا کہ ''لا اسجد لغیر الله'' میں غیر اللہ کو سجدہ نہیں کرتا۔ (سیرۃ حلبی، ج ۳، ص ۲۷۲)

جی ہاں! توحید انسان کو وہاں تک بلند کر دیتی ہے کہ اس کیلئے جنت وجہنم کا مسئلہ اہم نہیں رہتا۔ ائمہ معصومین علیہم السلام بھی اسی قسم کے افراد تیار کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''لا تکن عبد غیرك و قد

جعلك الله حرا ''دوسروں کا غلام بن کر نہ رہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے آزاد خلق فرمایا ہے۔(نہج البلاغہ، مکتوب ۳۱)

ضروری ہے کہ تمام مسلمان روزانہ ہر جگہ با آواز بلند جھوٹے خداؤں اور طاغوتوں کی بندگی سے نجات کی صدائیں لگائیں حتیٰ کہ اپنے نومولود بچوں کو بھی سب سے پہلے توحید اور ''لا الہ الا اللہ'' کے اعلان سے آشنا کریں۔

''هُوَ ۚ اَلۡحَیُّ''

☆ وہ زندہ ہے۔دعائے جوشن کبیر کی ۷۰ ویں فصل میں خدا کے حی (زندہ) ہونے کو یوں بیان کیا گیا ہے:

''یاحیا قبل کل حی، یاحیا بعد کل حی، یاحی الذی لیس کمثله حی، یاحی الذی لا یشارکه حی، یا حی الذی لا یحتاج الی حی، یاحی الذی یمیت کل حی، یاحی الذی یرزق کل حی، یاحیا لم یرث الحیاة من حی، یاحی الذی یحیی الموتیٰ، یاحی یاقیوم''

خداوند عالم زندہ ہے ہر زندہ سے پہلے اور ہر زندہ کے بعد، زندہ ہونے میں نہ اس کی کوئی نظیر ہے اور نہ شریک، زندہ رہنے کے لیے کسی دوسرے کا محتاج نہیں۔وہ اپنے علاوہ دوسرے تمام زندوں کو موت دیتا ہے اور ہر زندہ کو روزی عطا کرتا ہے۔ اسے زندگی کسی سے میراث میں نہیں ملی بلکہ وہ تو مردوں کو بھی زندہ کرتا ہے، وہ خود زندہ ہے اور مخلوق کو زندہ و موجود رکھنے والا ہے۔

☆ خدا کی زندگی اور دوسری اشیاو افراد کی زندگی میں فرق ہے۔اس کی زندگی دوسری صفات ذاتیہ کی مانند اس کی ذات سے جدا نہیں اور نہ ہی اسے زوال اور فنا ہے۔ارشاد ہوتا ہے: ''وَتَوَکَّلۡ عَلَی الۡحَیِّ الَّذِیۡ لَا یَمُوۡتُ ''اس زندہ خدا پر توکل کرو جسے موت نہیں۔(فرقان۔۵۸)

اسے زندہ رہنے کے لیے نہ تو غذا اور خوراک کی ضرورت ہے نہ ہی اپنے جیسے کسی اور کو جنم دینے کی ضرورت ہے۔نہ وہ کسی جاذبہ اور دافعہ کا محتاج ہے، جو انسانوں حیوانوں اور درختوں جیسی مخلوق کا لازمہ حیات ہے۔''یاحی الذی لیس کمثله حی''

''اَلۡقَیُّوۡمُ''

☆ ''قَیُّوۡمُ'' کا لفظ ''قیام'' سے ہے اس کے معنی ہیں وہ ذات جو کسی دوسرے سے وابستہ نہ ہو بلکہ سبھی دوسرے اس سے وابستہ ہوں۔(مفردات راغب)

''قَیُّوۡمُ'' کا لفظ قرآن مجید میں تین مقامات پر آیا ہے اور تینوں ہی جگہ پر لفظ ''حی'' کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا قائم ہونا خود اسی کی ذات سے ہے یعنی اس کا قیام ذاتی ہے اور کائنات کی تمام دوسری چیزوں کا قیام اس کی ذات سے وابستہ ہے۔

پروردگار کے قائم ہونے سے مراد یہ ہے کہ تمام مخلوق پر اس کا تسلط ہے اور ان کی حفاظت اور ان کا نظام چلانے کا وہ خود ذمہ دار ہے۔اس کا قائم ہونا دائمی اور مکمل طور پر جامع ہے۔وہ پیدا بھی کرتا ہے، روزی بھی دیتا ہے، ہدایت بھی کرتا ہے،

موت بھی دیتا ہے اور کسی لحہ کسی بھی بات اور کسی بھی چیز سے غافل نہیں۔

☆ ہر زندہ چیز اپنی زندگی کو قائم رکھنے کے لیے ایک منبع فیض کی محتاج ہے جیسے بجلی کا ایک بلب ہے جسے روشن رکھنے کے لیے بجلی سے متصل کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح تمام مخلوق کو زندہ ہونے کے لیے ''حی'' کی ذات سے زندگی کی بھیک مانگنی پڑتی ہے اور زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے ''قیوم'' سے مواد زندگی حاصل کرنا پڑتا ہے۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''کل شیء خاضع لہ و کل شیء قائم بہ'' یعنی ہر چیز اس کے آگے سرنگوں ہے اور ہر چیز اسی سے وابستگی رکھتی ہے۔ (نہج البلاغہ، خ ۱۰۸)

منقول ہے کہ حضرت رسولخداؐ غزوہ بدر میں سجدہ ریز ہو کر بار بار یہ فرماتے تھے: ''یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ'' (تفسیر روح البیان ، ج ۱، ص ۴۰۰)

''لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ط''

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''ما من حی الا و ھو ینام خلا اللہ وحدہ'' کوئی زندہ چیز ایسی نہیں ہے جو نیند نہ کرتی ہو۔ صرف خدا تعالیٰ نیند سے دور ہے۔ (بحار، ج ۵۹، ص ۱۸۵)

خداوند زندہ ہے، وہ نینداور اونگھنے کا محتاج نہیں ہے۔ (کیونکہ انسان انگڑائی لیتا ہے اور اونگھنے لگتا ہے پھر سو جاتا ہے۔ قرآن نے بھی پہلے ''سِنَةٌ'' کا لفظ استعمال کیا ہے پھر ''نَوْمٌ'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔)

نیند زندہ لوگوں کو خود سے بے خود کر دیتی ہے تو دوسروں کی کیا بات ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کو نیند نہیں آتی وہ ہر چیز پر قیومیت و تسلط رکھتا ہے۔

''لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط''

☆ ہر چیز کا حقیقی مالک وہی ہے، انسان کی ملکیت عارضی ہے۔ انسان کی ملکیت کچھ دن کی ہے اور بعض محدود شرائط کے ساتھ ہے۔ یہ شرائط حقیقی مالک یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے معین کی جاتی ہیں۔ پس جب سارے اس کے مملوک ہیں تو پھر کیوں ایک مملوک کسی دوسرے مملوک کی پوجا کرے؟ دوسرے لوگ بھی ہماری طرح بندے ہیں؛ ''عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ'' (اعراف۔ ۱۹۴) یہ مادی دنیا خدا تعالیٰ کی ملکیت ہے، اس پر جاری قوانین بھی خدا تعالیٰ کے محکوم ہیں۔ اے کاش! انسان اس کی مِلک سے اور اس کے مُلک سے صحیح استفادہ کرتا۔ اگر ہر چیز خدا کی طرف سے اور خدا کیلئے ہے تو پھر بُخل اور حرص کیوں؟ کیا خالق خدا نے ہمیں یونہی چھوڑ دیا ہے؟ ''اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾'' (قیامت۔ ۳۶)

امام کاظم علیہ السلام ایک شخص بنام بُشر کے گھر کے دروازے کے سامنے سے گذر رہے تھے، اچانک شور وغل اور لہو و لعب کی آواز پر متوجہ ہوئے جو کہ اس گھر کے اندر سے آرہی تھی۔ ایک کنیز جو اس گھر سے باہر نکل رہی تھی، امامؑ نے اس سے پوچھا

: اس گھر کا مالک کون ہے؟ کیا وہ غلام ہے؟ اس کنیز نے جواب دیا: نہیں، وہ غلام نہیں بلکہ آزاد ہے۔ امامؑ نے فرمایا: اگر وہ غلام ہوتا تو اتنی زیادہ نافرمانی نہ کرتا۔ کنیز جب گھر میں واپس گئی تو اس نے گھر کے مالک کو یہ بات سنائی۔ وہ سوچ میں ڈوب گیا اور اس نے توبہ کر لی۔ (تتمۃ المنتہیٰ، ص ۳۲۹)

امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ تقویٰ اور خدا کی بندگی کا پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان خود کو کسی چیز کا مالک تصور نہ کرے۔ (بحار، ج ۱، ص ۲۲۵)

''مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ''

☆ مشرکین خدا تعالیٰ کو قبول کرتے تھے ''لَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰہُ ؕ'' (لقمان۔ ۲۵) لیکن بتوں کو اپنا شفیع مانتے تھے: ''وَیَقُوۡلُوۡنَ ہٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا'' (یونس۔ ۱۸)۔ آیت الکرسی اس وہمی، خیالی پناہ گاہ کو توڑ رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے؟ نہ صرف یہ کہ کائنات اس کی ہے بلکہ اس میں انجام پانے والے امور بھی اسی کے اذن سے ہیں۔ تمہارے خیال یا وہم کے ذریعے کوئی مخلوق کسی دوسرے کی شفیع نہیں ہوسکتی۔ شفاعت صرف خدا تعالیٰ کے اذن کے ساتھ محقق ہوگی۔ اگر کسی سے کوئی امر انجام پاتا ہے تو اس کے اذن اور ارادے سے ممکن ہو پاتا ہے۔ اس کا قیوم ہونا، مسلط ہونا کسی صورت میں، کسی حالت میں کمزور نہیں ہوسکتا تاکہ کوئی یہ نہ سوچے کہ وہ کسی جگہ اس سے اوجھل ہوکر کوئی کام انجام دے سکتا ہے۔

☆ شفاعت یہ ہے کہ ایک قوی موجود دوسرے کمزور موجود کی مدد کرے۔ مثلاً نظام آفرینش میں روشنی، پانی، ہوا اور زمین ایک بیج کی مدد کرتے ہیں تاکہ وہ درخت بننے تک کے مراحل تکمیل کر سکے۔ سزا جزا کے نظام میں اولیائے خدا، گناہگاروں کی مدد کرسکیں گے تاکہ وہ نجات حاصل کرسکیں۔ (امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''نحن الشافعون'' ہم ہیں وہ جن کو اذن شفاعت حاصل ہے۔ تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۲۵۸)

یہ مدد کرنا خدا تعالیٰ کے کمزور ہونے کی علامت نہیں ہے یا اثر قبول کرنا نہیں ہے۔ بلکہ وہ خود ہے جو اپنے اولیاء کو شفاعت کی اجازت دیتا ہے۔ اس نے نظام آفرینش کو یوں بنایا ہے کہ جب بیج پکنے کی طرف بڑھتا ہے تو روشنی، ہوا اور خاک اس کی مدد کرتے ہیں۔

بہرحال مادی اسباب اور مخلوقات سے جو انسان مدد حاصل کرتا ہے، اس کی اجازت سے حاصل کر پاتا ہے اور یہ سب ان قوانین کے مطابق ہوتا ہے جو ان امور پر اس نے حاکم کر رکھے ہیں۔ اسی وجہ سے کچھ لوگ شفاعت سے محروم ہونگے۔ ''فَمَا تَنۡفَعُہُمۡ شَفَاعَۃُ الشّٰفِعِیۡنَ ﴿ؕ۴۸﴾'' (مدثر۔ ۴۸) جیسا کہ روشنی، حرارت، پانی اور خاک ایسے بیج کو رشد کرنے میں مدد کرتے ہیں جس میں رشد کرنے کی قابلیت موجود ہو۔ اس سے مراد فاسد دنیا میں موجود طرفداری یا بے دلیل نصیحتیں نہیں ہے، اس کا حساب

اس بات سے الگ ہے۔ شفاعت، مایوسی اور نا اُمیدی کو روکنے اور لوگوں کو اولیائے خدا کے ساتھ جوڑنے کیلئے ہے۔ شفاعت وہ جزا ہے جو خدا تعالیٰ اپنے اولیا کو عطا فرماتا ہے۔ قیامت کے دن اس سے بہرہ ور ہونا، دنیا میں انسان کا انبیا اور اولیا کے نور علم و ہدایت سے بہرہ مند ہونے کا تجسم و عملی اظہار ہے۔

شفاعت کرنے والے کے پاس خدا تعالیٰ سے علاوہ کوئی طاقت نہیں ہوتی بلکہ اسی کے پرتو میں ہے، مقام شفاعت انہی کیلئے ہے جن کے بارے میں وہ چاہتا ہے۔ لہٰذا بت پرست لوگ اس نعرے ''هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا'' کے ساتھ یہ خیال نہ کریں کہ ان کی شفاعت ہوگی۔ (یونس۔ ۱۸)

اس نکتے کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ خدا کے علاوہ کسی کی بھی عبادت شرک ہے۔ البتہ خدا کے علاوہ کسی کو پکارنا ہر جگہ شرک نہیں ہے۔ جیسے یہ جملے جو قرآن مجید میں آئے ہیں کہ: ''يَدْعُوكَ'' (قصص۔ ۲۵)، ''يَدْعُوكُمْ'' (آل عمران۔ ۱۵۳)، ''يَدْعُونَ'' (آل عمران۔ ۱۰۴)، ''نَدْعُ'' (آل عمران۔ ۶۱)، ''دُعَآءَ الرَّسُوْلِ'' (نور۔ ۶۳)، ان میں سے کسی کا بھی شرک سے کوئی واسطہ نہیں لیکن ہر ایک کو پکارنا بھی قدر و قیمت کا حامل نہیں ہوتا۔ اگر بیمار ڈاکٹر کو بلائے تو حق ہے لیکن اگر فال لینے والے کو بلائے تو باطل ہے۔

''يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ''

☆ خداوند تمام حقائق سے پوری طرح باخبر ہے۔ اگر خدا کی بارگاہ میں کسی کی شفاعت کی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے بے گناہ ثابت کیا جائے جبکہ خدا ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے۔ شفاعت کا مقصد گناہگار کی مغفرت اور بخشش ہے، اس کو بے قصور ثابت کرنا نہیں۔ خدا کے باخبر ہونے کی پیش نظر انسان کو کچھ حیا سے کام لینا چاہیے، وہ دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے، ظاہری اور باطنی رازوں سے باخبر ہے، وہ تو ماؤں کے شکم میں موجود بچوں کے بارے میں بھی جانتا ہے کہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ روز قیامت کا علم اور ہر چیز کا اندازہ اور مقدار اسی کے پاس ہے۔

(يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ ، جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے باہر نکلتی ہے اور جو چیز آسمان سے نازل ہوتی ہے، سب کو جانتا ہے۔ (سبا۔ ۲) اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ ، جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم خواہ اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو خدا اسے جانتا ہے۔ (آل عمران۔ ۲۹) وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ، اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ (انعام۔ ۵۹) يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ، جو کچھ راز ہے اور جو کچھ پوشیدہ ہے وہ ہر چیز جانتا ہے۔ (طہ۔ ۷) اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ، وہ سینوں کے رازوں کو جانتا ہے۔ (ھود۔ ۵) يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ، وہ آنکھ کی چور نگاہ کو بھی جانتا ہے اور ان باتوں کو بھی جو (لوگوں کے) سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ غافر۔ ۱۹)

ہم انسانوں کا علم محدود ہے، ہم ایک حد تک سن سکتے ہیں، نظر آنے والی چیزوں کو ایک حد تک دیکھ سکتے ہیں۔ اسرار کو نہیں جانتے، مگر اس حصے کو جس کے بارے میں خدا تعالیٰ ارادہ فرمائے اور اجازت دے۔

''وَسِعَ كُرۡسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ وَلَا يَـُٔوۡدُهٗ حِفۡظُهُمَا ۚ وَهُوَ الۡعَلِىُّ الۡعَظِيۡمُ''

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''عرش'' خدا کے وہ علوم ہیں جن سے خدا نے نبیوں اور رسولوں کو آگاہ کیا ہے لیکن ''کرسی'' وہ علوم ہیں جن سے کسی کو آگاہ نہیں فرمایا اور اس کی ذات کے علاوہ کوئی بھی انہیں نہیں جانتا۔

(تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۲۵۹؛ تفسیر برہان، ج ۱، ص ۲۴۰)

بعض لوگ ''کرسی'' کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد خدا کی قدرت اور حکومت ہے یا پھر اس کا یہ معنی ہے کہ یہ کائنات اس قدر وسیع ہے کہ آسمان و زمین اس کی نسبت ایسے ہیں جیسے بیاباں میں پڑی ہوئی ایک انگوٹھی۔ تاہم اس جہان و کائنات کے اس قدر وسیع ہونے کے باوجود اس کی حفاظت اور نگہداشت خدا کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

آیت الکرسی لوگوں کو یہ بات سمجھا رہی ہے کہ خداوند، کائنات کا صرف مالک ہی نہیں بلکہ اس سے مکمل طور پر باخبر بھی ہے اور تمام ہست و بود اپنے متعلقین سمیت اس کے قبضہ قدرت اور تسلط کامل میں ہیں۔ (بَلۡ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾، جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے سب اسی کا ہے اور سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔ (بقرہ۔ ۱۱۶) اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ وَيَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ﴿۱۹﴾، اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو (عدم کے پردے میں) لے جائے اور ایک نئی خلقت لا بسائے۔ (ابراہیم۔ ۱۹)

لوگ خالق کی غیر محدود طاقت کو مخلوق کی محدود طاقت پر قیاس نہ کریں۔ اس لئے کہ تھکاوٹ مادی عوارض میں سے ایک ہے اور خداوند کی قدرت و طاقت اس کی عین ذات ہے: ''اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الۡقَوِىُّ الۡعَزِيۡزُ ﴿۶۶﴾'' (ھود۔ ۶۶)۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: وقت کا گذرنا خداوند کو بوڑھا یا کام کرنے سے معذور نہیں کرتا، نہ وہ خود تبدیل ہو کر تغیر کرتا ہے۔ (نہج البلاغہ، خ ۲۲۸)

جی ہاں! خداوند کی غیر محدود قدرت و طاقت، مومن کو روحانی تسکین عطا کرتی ہے اور وہ اپنے آپ کو اس کی امان اور پناہ میں محفوظ سمجھتا ہے۔

☆ خدا تعالیٰ کی صفات میں سے ہر ایک صفت قیوم، حی، علیم، قدیر اور عظیم، انسان کی تربیت میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ کیونکہ بہترین مکتب وہ ہے جو اپنے پیروکاروں کو اُمید اور شوق عطا کرے۔ ان کی زندگی اور مستقبل کو روشن اور کامیاب کرے۔ اس کے پیروکار بھی جانتے ہوں کہ ہر لمحہ زیر نظر ہیں، ان کی غلطیاں معاف کی جاتی ہیں اور ان کا حاکم بہت مہربان ہے۔

☆ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسا خدا ہی پرستش وعبادت کے لائق ہے جو زندہ، قائم اور تھکنے والا نہ ہو، جو کمزوری، تھکان، اونگھ اور نیند کا شکار نہ ہو جائے۔ اس کی اجازت، ارادے اور قدرت کے بغیر کوئی بھی چیز کسی قسم کا کام انجام نہ دے سکے۔ وہ ہر چیز کو جانتا ہی نہ ہو بلکہ ہر چیز پر مکمل تسلط بھی رکھتا ہو۔ ایسی صفات کا حامل خدا ہی کائنات کا معبود و محبوب ہوسکتا ہے۔ اور ایسے ہی خدا پر توکل کیا جاسکتا ہے۔ اسی سے حجت کی جاسکتی ہے اور اسی سے امیدیں وابستہ رکھی جاسکتی ہیں۔

وہ خدا جس کے اوصاف قرآن نے یوں بیان کیے ہیں کہ وہ تحریف شدہ انجیل اور تورات کے خدا سے کسی بھی طرح قابل موازنہ نہیں ہے۔ جو لوگ دنیا کے مادی نظاموں میں جکڑے جاچکے ہیں وہ خدا کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟ ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۚ وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِیَ لَوۡلَاۤ اَنۡ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ''

پیغام:

۱۔ سوائے ذات خداوند کے کائنات کی کوئی چیز ''معبود'' ہونے کے لائق نہیں ہے۔ ''لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ''

۲۔ ابدی اور حقیقی زندگی صرف ذات خداوند کی ہے اور دوسری تمام اشیا کی زندگی اسی ذات کی مرہون منت ہے۔ ''اَلۡحَیُّ''

۳۔ ہر چیز ہر وقت اسی سے وابستہ ہے، ایک لمحہ کیلئے بھی اس کی تدبیر سے باہر نہیں ہے۔ ''الۡقَیُّوۡمُ''

۴۔ ہر چیز اسی کی طرف سے ہے۔ ''لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ ۔۔۔''

۵۔ نہ صرف کائنات اس کی ذات سے قائم ہے بلکہ اس کائنات کی کارکردگی اسی کی ذات پر منحصر ہے۔ ''مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ''

۶۔ تمہارے خیال و گمان کرنے سے کوئی چیز شفیع نہیں بن سکتی۔ ''مَنۡ ذَا الَّذِیۡ''

۷۔ کوئی اس سے زیادہ مہربان نہیں ہے، ہر شفاعت کرنے والے کی محبت اور مہربانی اسی کی طرف سے ہے۔ ''اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ''

۸۔ خداوند ہر چیز سے آگاہ ہے لہٰذا جب صورت حال اس طرح ہو تو ہمیں گناہ سے شرم کرنی چاہیے۔ ''یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ ۚ ۔۔۔''

۹۔ وہ ذات ہر چیز پر محیط ہے جبکہ دوسرے لوگ اس کے ارادے کے بغیر اس کے علم کے کچھ حصے تک کا بھی احاطہ نہیں کرسکتے۔ ''لَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِهٖۤ'' (اَلَمۡ یَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی ﴿۱۴﴾ کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ علق۔ ۱۴)

۱۰۔ اس کی حکومت اور قدرت محدود نہیں ہے۔ ''وَسِعَ كُرۡسِیُّهُ''

۱۱۔ کائنات کی حفاظت اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ''وَلَا یَـُٔوۡدُهٗ''

۱۲۔ جو پوری کائنات کی حفاظت کرسکتا ہے وہ ہماری حفاظت تو بطریق اولیٰ کرسکتا ہے۔ ''حِفۡظُهُمَا ۚ'' اسی بنا پر جان و مال کی حفاظت کے لیے آیت الکرسی کے پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔

آیت نمبر ۲۵۶

لَاۤ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ ۙ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَىِّ ۚ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَيُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۵۶﴾

ترجمۃ الآیات

دین میں (جبراور) اکراہ نہیں ہے یقیناً ہدایت کی راہ گمراہی (کے راستوں) سے الگ ہو چکی ہے پس جس شخص نے طاغوت کا انکار کیا اور خدا ہی پر ایمان لایا تو یقیناً اس نے وہ مضبوط رسی پکڑ لی جو ٹوٹ نہیں سکتی اور خدا سننے والا جاننے والا ہے۔

نکات:

☆ قلبی ایمان ہرگز جبر و اکراہ کے ساتھ پیدا نہیں ہوتا بلکہ دلیل و برہان، وعظ و نصیحت اور حسن اخلاق کے ذریعے دلوں میں راسخ ہوتا ہے لیکن اس کا مقصد یہ بھی نہیں ہے کہ جس شخص کا جب جی چاہے برائی کا ارتکاب کرتا رہے اور کہے کہ میں تو آزاد ہوں اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ جس راستے کا میں نے انتخاب کیا ہے مجھے اس سے روکے۔ اسلام کے جزائی قوانین جیسے تعزیرات، حدود، دیات و قصاص اور واجبات جیسے نہی عن المنکر کے یہ فرائض، اور جہاد وغیرہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگرچہ انسان کسی چیز پر قلبی عقیدہ نہیں رکھتا لیکن اسے یہ حق بھی حاصل نہیں کہ انسانی معاشرے کے لیے بلائے جان بن کر رہے۔

☆ وہ اسلام جو کفار سے کہتا ہے: ''هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۱۱﴾'' (بقرہ۔۱۱۱) اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ کس طرح ممکن ہے کہ ایسا دین لوگوں کو اسلام کے قبول کرنے میں زور زبردستی سے کام لے؟

☆ اسلام میں جہاد کا حکم، طاغوت کے ساتھ مقابلہ اور ظالمین کے نظام (جو ملتوں کی فکری صلاحیتوں کو چھین لیتے ہیں۔) کی بیخ کنی کرنے کیلئے ہے یا شرک اور خرافات کی پرستش کے مٹانے کیلئے ہے جو درحقیقت ایک بیماری ہے، اور ان کے سامنے

خاموشی اختیار کرنا، انسانیت کے ساتھ ظلم ہے۔

☆ روایات کی روشنی میں "عُرْوَةِ الْوُثْقٰى" سے تمسک اور خدائی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا ایک مصداق یہ بھی ہے کہ اولیائے خدا یعنی ائمہ اہلبیت علیھم السلام کے دامن کو مضبوطی سے تھام لیا جائے۔

حضرت رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: "انت الْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى" "تم ہی محکم سلسلہ اور مضبوط رسی ہو۔ (تفسیر برہان، ج۱ص۱۴۱)

پیغام:

۱۔ جس دین کے پاس منطق اور دلیل موجود ہے اسے کسی کیلئے اکراہ اور اجبار کی ضرورت نہیں ہے۔ "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ"

۲۔ زور اور زبردستی جسمانی حرکات اور اعمال میں موثر ہوسکتی ہے لیکن افکار وعقائد میں نہیں ہوسکتی۔ "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ"

۳۔ حق کی راہیں، باطل کے راستوں سے علیحدہ کر دی گئی ہیں تا کہ لوگوں پر اتمام حجت ہو سکے۔ حق کی راہ عقل، وحی اور معجزات کے ذریعے واضح اور روشن ہوتی ہے۔ "قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" "اسلام رشد وہدایت کا دین ہے۔

۴۔ دین، انسانیت کی ہدایت کا ذریعہ ہے۔ "قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ"

۵۔ اسلام کبھی استکبار سے موافقت نہیں کرتا۔ "يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ"

۶۔ جب تک طاغوت کو ملیا میٹ نہ کر دیا جائے اس وقت تک توحید صحیح معنوں میں جلوہ گر نہیں ہوسکتی۔ پہلے طاغوت کا انکار پھر توحید پر ایمان ضروری ہے۔ "فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ"

۷۔ طاغوت کا انکار اور خدا پر ایمان میں ہمیشگی اور تسلسل ہونا چاہیے۔ "يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ" "فعل مضارع، حالت کے جاری رہنے پر دلالت کرتا ہے۔

۸۔ اللہ کی رسی کا مضبوط ہونا کافی نہیں ہے بلکہ اسے مضبوطی سے تھامنا بھی ضروری ہے۔ "فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ ـــ"

۹۔ طاغوت اور ہر غیر خدائی طاقت پر بھروسہ، ٹوٹ جانے والا اور ناپائیدار ہے۔ صرف ایک ہی رشتہ نہ ٹوٹنے والا اور پائیدار ہے اور وہ ہے خدا پر ایمان۔ "لَا انْفِصَامَ لَهَا"

۱۰۔ خدا پر ایمان اور اولیائے خدا کے ساتھ رابطہ دائمی استوار اور پائیدار ہے۔ "لَا انْفِصَامَ لَهَا" "لیکن طاغوتی قوتیں قیامت کے دن اپنے پیروکاروں سے بیزاری کا اعلان کر دیں گی۔

۱۱۔ خدا پر ایمان اور کفر کا انکار سچا ہونا چاہیے، منافقانہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خدا تعالیٰ جانتا ہے اور سنتا ہے۔ ''وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝۲۵۶''

آیت نمبر ۲۵۷

اَللّٰهُ وَلِىُّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ يُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡٓا اَوۡلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوۡتُ ۙ يُخۡرِجُوۡنَهُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝۲۵۷

ترجمۃ الآیات

اللہ تعالیٰ مومنین کا دوست اور سرپرست ہے وہ انہیں (مختلف) تاریکیوں سے نکال کر نور (اجالے) کی طرف لے جاتا ہے۔ کفار کے سرپرست طاغوت ہیں جو انہیں نور (اجالے) سے نکال کر تاریکیوں کی طرف (کھینچے) لیے جاتے ہیں یہی لوگ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

نکات:

☆ گذشتہ آیت میں ہم نے پڑھا کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے؛ ''لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ۔۔۔'' اس آیت میں ہم پڑھ رہے ہیں کہ اس کا مومنین سے رابطہ بہت خاص اور بلند ترین سطح پر ہے۔ ''وَلِىُّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ''

خدائی ولایت کو قبول کرنے والوں کی ایک جھلک جو شخص خدا کی ولایت کو قبول کر لیتا ہے اس کے کاموں میں خدائی رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ ''صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۚ'' (بقرہ۔۱۳۸)

اپنے لیے خدائی راہبر اور قائد کا انتخاب کرتا ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ بَعَثَ لَـكُمۡ طَالُوۡتَ مَلِكًا ؕ'' (بقرہ۔۲۴۷)

اس کی راہیں واضح، مستقبل روشن ہیں اور وہ اپنے کام میں گرم جوشی دکھاتا ہے۔ ''يَهۡدِيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِاِيۡمَانِهِمۡ ۚ'' (یونس۔۹)، ''اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ۝۱۵۶'' (بقرہ۔۱۵۶)، ''وَلَا نُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝۵۶'' (یوسف۔۵۶)۔

۔ مشکلات اور جنگوں میں خدائی امداد کا منتظر رہتا ہے اسی پر بھروسہ کرتا ہے اور کسی غیر خدائی طاقت سے نہیں گھبراتا۔''

فَزَادَهُمۡ إِيمَٰنٗا ’’(آل عمران۔ ۱۷۳)

۔موت سے نہیں ڈرتا، خدائی ولایت کے پرچم تلے اپنی موت کو سعادت سمجھتا ہے۔ جیسا کہ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: ’’انی لا اری الموت الا السعادۃ‘‘ میں موت کو سعادت کے سوا کچھ نہیں سمجھتا۔ (بحار، ج ۴۴، ص ۱۹۲)

۔زندگی میں تنہائی اس کے لیے تلخ اور ناگوار نہیں ہوتی کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میرا خدا میرے ساتھ ہے اور میری نشست و برخاست کو دیکھ رہا ہے۔ ’’إِنَّ ٱللَّهَ مَعَنَا‘‘ (توبہ۔ ۴۰)

۔وہ راہ خدا میں مال خرچ کرنے سے پریشان نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنے مال کو اپنے ولی (سرپرست) کے سپرد کر رہا ہوتا ہے۔ ’’يُقۡرِضُ ٱللَّهَ قَرۡضًا حَسَنٗا‘‘ (بقرہ۔ ۲۴۵)

۔مخالف آوازیں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں کیونکہ اسے خدا کے وعدے پر پختہ یقین ہوتا ہے۔ ’’وَٱلۡعَٰقِبَةُ لِلۡمُتَّقِينَ﴿۱۲۸﴾‘‘ (اعراف۔ ۱۲۸)

۔خدا کے علاوہ باقی تمام چیزیں اس کی نگاہ میں ہیچ ہوتی ہیں۔ امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ’’عظم الخالق فی انفسھم فصغر ما دونہ فی اعینھم۔۔۔‘‘ ان کے دلوں میں خالق کی عظمت گھر کر چکی ہوتی ہے لہٰذا ان کی آنکھوں میں کسی کی شان نہیں پنپتی۔ (نہج البلاغہ، خ ۱۹۳)

۔وہ متعدد اور مختلف قوانین و احکام سے حیران و پریشان نہیں ہوتا کیونکہ اس نے صرف خدائی قانون کو قبول کیا ہوتا ہے اور صرف اسی کے بارے میں سوچتا ہے۔ اگر اس کے لیے آمدنی کی سینکڑوں راہیں کھل جائیں تو وہ صرف اسی راہ کو منتخب کرتا ہے جس کو خدا نے مقرر فرمایا ہے۔ ’’وَمَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ‘‘ (مائدہ۔ ۴۴)

پیغام:

۱۔مومنین ایک سرپرست کو قبول کرتے ہیں جو کہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور کافروں کے متعدد سرپرست ہوتے ہیں جو کہ طاغوت ہیں۔ ایک سرپرست کو قبول کرنا آسان ہوتا ہے۔ (حضرت یوسف علیہ السلام نے کفار کو دعوت دیتے ہوئے اسی چیز کے ساتھ استدلال کیا ہے کہ ’’ءَأَرۡبَابٞ مُّتَفَرِّقُونَ خَيۡرٌ أَمِ ٱللَّهُ ٱلۡوَٰحِدُ ٱلۡقَهَّارُ﴿۳۹﴾‘‘ کیا متعدد اور مختلف رب بہتر ہیں یا ایک صاحب قدرت خدا؟! ، یوسف۔ ۳۹) مومنین کے بارے ارشاد ہے: ’’ٱللَّهُ وَلِيُّ‘‘ لیکن کفار کے بارے فرمایا: ’’أَوۡلِيَآؤُهُمُ ٱلطَّٰغُوتُ‘‘۔

۲۔گذشتہ آیت میں فرمایا: ’’قَد تَّبَيَّنَ ٱلرُّشۡدُ مِنَ ٱلۡغَيِّ‘‘ اور اس آیت میں رشد (ہدایت) اور ’’غی‘‘ (گمراہی) کے نمونے بھی بیان فرمائے ہیں کہ خدا کی ولایت رشد و ہدایت ہے اور طاغوت کی ولایت ’’غی‘‘ یعنی گمراہی ہے۔ ’’ٱللَّهُ وَلِيُّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ يُخۡرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِۖ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ أَوۡلِيَآؤُهُمُ ٱلطَّٰغُوتُ‘‘

۳۔حق کا صرف ایک راستہ ہے جبکہ گمراہی کے کئی راستے ہیں اور وہ بھی بہت بڑی تعداد میں ہیں۔اسی لیے قرآن مجید نے حق کی راہ کے لیے ''النُّوْرِ'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور گمراہ کن ٹیڑھی راہوں کے لیے ''ظُّلُمٰتِ'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔'' النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ط''

۴۔حق کی راہ ''نور'' ہے اور نور میں حرکت، پروان چڑھنے، ہدایت اور اُمید وتسکین کے امکانات موجود ہیں۔''النُّوْرِ''

۵۔مومن بند راہوں میں نہیں پھنستا۔''یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ''

۶۔کفر کے پیروکار، طاغوت کا تختۂ مشق ہیں اور طاغوت، کفر وشرک کی فضا میں مشقیں کرتے رہتے ہیں۔''وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ لا''

۷۔جو کوئی خدائی ولایت کے اندر نہ آئے گا، وہ چاہے یا نہ چاہے طاغوت اس پر ولایت حاصل کر لے گا۔''اَللّٰهُ وَلِيُّ ۔۔۔اَوْلِيٰٓــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ لا''

۸۔الٰہی ولایت کے علاوہ ہر قسم کی ولایت، طاغوتی ولایت ہے۔''اَللّٰهُ وَلِيُّ ۔۔۔اَوْلِيٰٓــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ لا''

۹۔طاغوت کو قبول کرنے کے برے نتائج کو دیکھنے کے بعد، انسان حق کو قبول کرنے کی طرف بڑھتا ہے۔''اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج''

آیت نمبر ۲۵۸

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ م اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ لا قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ط قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ج ﴿۲۵۸﴾

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبرؐ!) آپؐ نے اس شخص (کے حال) پر نظر نہیں کی جو صرف اس وجہ سے کہ خدا نے اسے سلطنت دی تھی، ابراہیمؑ سے ان کے رب کے بارے میں الجھ پڑا۔ جب ابراہیمؑ نے کہا

: میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اس نے کہا: میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں ۔ ابراہیمؑ نے کہا: خداوند سورج کو مشرق سے نکالتا ہے (اگر تو سچ کہتا ہے کہ کائنات پر تیری حکمرانی ہے) تو سورج کو مغرب سے نکال کر دکھا۔ (اس موقع پر) وہ کافر ہکا بکا رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔

نکات:

☆ گذشتہ آیت میں ہم نے پڑھا کہ خداوند مومنین کا ولی ہے اور وہ ان کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے یہ آیت اور بعد والی آیات، الٰہی ولایت اور ظلمات سے نور کی طرف لے جانے کے نمونے بیان کر رہی ہیں۔

☆ روایات اور تاریخ کے مطابق بابل کے بادشاہوں میں سے ایک نمرود تھا۔ اس کی حکومت بہت مستحکم تھی۔ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ خدا کے بارے میں بحث اور مجادلہ شروع کر دیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اس نے کہا: میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ پھر اس نے دو قیدیوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا جب وہ لائے گئے تو اس نے ایک کو رہا کر دیا اور دوسرے کو قتل کر دیا۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے سفسطہ اور مغالطہ کو ملاحظہ کیا کہ یہ شخص زندہ کرنے اور مارنے کو کیونکر غلط معنی دے رہا ہے اور کس طرح لوگوں کے افکار کو بگاڑ رہا ہے، تو آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تیرا یہ دعویٰ ہے کہ تو کائنات کے نظام پر حکم فرما ہے اور ہر چیز تیرے قبضہ قدرت میں ہے تو سورج کو مغرب سے نکال کر دکھا!۔

اس موقع پر نمرود مبہوت و پریشان ہو گیا اور خاموشی کے سوا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

پیغام:

ا۔ ہر کسی کے پاس جو کچھ بھی ہے اسی کا دیا ہوا ہے۔ کافر بھی دنیا میں اسی کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتے ہیں لیکن اس کا غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ''اٰتٰىهُ اللّٰهُ''

۲۔ اقتدار اور حکومت، استکبار اور غرور کا موجب بن سکتی ہے۔ ''اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ....اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ؕ ...''

۳۔ افکار عامہ اور عوام کے فیصلے پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔ اگرچہ نمرود کے جواب کے بارے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس کی بحث اور مجادلے میں افکار عامہ کا جواب نہیں تھا ورنہ زندگی اور حیات ایک ایسی چیز ہے جس سے خدا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ ''رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ''

۴۔ مغالطے میں ڈالنا اور سفسطہ سے کام لینا باطل پرستوں کی ایک چال ہے۔ ''اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ؕ''

۵۔ حق اگر منطقی اور استدلال کے طریقہ پر پیش کیا جائے تو باطل پر کامیاب ہوگا اور حکومت پائے گا۔ ''فَاْتِ بِهَا

مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ ‘

۶۔ بحث و مباحثہ میں فطری، عقلی اور علمی استدلال سے استفادہ کرنا چاہیے۔ تاکہ ضدی و ہٹ دھرم مخالف پریشان اور لاجواب ہوجائے۔ ’’فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ ‘‘

۷۔ کافر ظالم ہے کیونکہ اس نے خود پر اور انسانیت پر ظلم کیا ہے۔ ’’لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾‘‘

آیت نمبر ۲۵۹

اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾

ترجمۃ الآیات

یا جیسے وہ شخص (عُزیر) ہے جس کا گزر ایک بستی کے پاس سے ہوا اور وہ ایسی اجڑی ہوئی تھی کہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی (اور وہاں کے لوگ مر چکے تھے اور ان کی ہڈیاں ہر طرف بکھری پڑی تھیں) اس نے (اپنے آپ سے) کہا: خدا ان سب کو مرنے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا؟ (اس وقت) اللہ تعالیٰ نے اسے سو سال تک کی موت دے دی پھر اس کے بعد زندہ کیا اور اس سے کہا: تم کتنی دیر پڑے رہے؟ عرض کیا ایک دن یا اس سے بھی کم! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ ایک سو سال تک پڑے رہے ہو اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کی

طرف نگاہ کرو (جو تمہارے ہمراہ تھیں اور ایک صدی گزرنے کے بعد بھی) ان میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ (خداوند اس بات پر قادر ہے کہ جلد خراب ہو جانے والی غذا کو سالہا سال تک صحیح و سالم رکھے) اور اپنے گدھے کی طرف دیکھو (کیونکر پراگندہ اور منتشر ہو چکا ہے) ہم تمہیں (قیامت کی) نشانی اور لوگوں کے لیے حجت قرار دے رہے ہیں۔ (اب اپنی سواری کی) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم انہیں اٹھا کر آپس میں کیونکر جوڑتے ہیں اور پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ جب (یہ حقائق خدائی مرد کیلئے) آشکار ہو گئے تو اس نے کہا: میں جانتا ہوں کہ بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

نکات:

☆ پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نمرود کے ساتھ گفتگو کو بیان کیا گیا ہے، جس میں توحید کے بارے میں بات کی گئی ہے، اس میں استدلال کے ذریعے ہدایت کا پیغام دیا گیا ہے اور جناب ابراہیمؑ اپنی دلیل کے ساتھ کامیاب ہوئے ہیں۔

ظلمات سے نور کی طرف خروج کی دوسری مثال اس آیت میں بیان کی جا رہی ہے، جس میں معاد (قیامت) کے بارے میں ذکر ہے۔ اس میں ہدایت کا عملی اور محسوس طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ تفاسیر اور بعض روایات میں آیا ہے کہ اس شخص کا نام جناب عُزیر تھا۔ تفسیر المیزان میں ہے کہ یہ شخص اللہ کا نبی ہو سکتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس سے بات کی ہے۔

پیغام:

۱۔ ماضی کی ویران تہذیبوں کو عبرت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے اور ان سے درس حاصل کرنا چاہیے۔ ''مَرَّ عَلٰی قَرْيَۃٍ''

۲۔ چاہے تم جانتے ہو لیکن پھر بھی سوال کرنے سے اور تجربے کے ذریعے اپنے علم کو بڑھاتے رہنا چاہیے۔ ''اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ''

۳۔ ایک بات کو سمجھنے کیلئے اگر سو سال مرنا پڑے تب بھی اہمیت رکھتا ہے۔ ''فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ''

۴۔ طویل مدت کے گذر جانے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی قدرت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ''فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ط''

۵۔ رجعت اور مردوں کا زندہ ہونا اسی دنیا میں اور قیامت سے قبل قابل عمل و قابل قبول ہے۔ ''فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ط''

۶۔ عملی طور پر بات کو پیش کرنا، دینی معارف کو بیان کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ ''فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ ---''

۷۔ اگر خدا چاہے تو مضبوط اور پختہ ہڈیاں بھی گل سڑ کر بوسیدہ ہو جائیں لیکن جلد خراب ہو جانے والی غذا پورے سو سال تک محفوظ اور صحیح و سالم رہ جائے۔ ''لَمْ يَتَسَنَّهْ''

۸۔ قدرت خدا کا عملی نمونہ لوگوں کی ہدایت اور سیدھے راستے پر چلانے کیلئے ہے۔ نہ کہ کھیل تماشا اور کسی قسم کی دوسری سرگرمیوں کیلئے ہے۔ ''وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ''

۹۔ خداوند نے اسی دنیا میں قیامت کا نقشہ پیش کر دیا ہے۔ ''فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ... وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا''

۱۰۔ معاد جسمانی ہے کیونکہ اگر معاد روحانی ہوتی تو ہڈیوں کی بات درمیان میں نہ لائی جاتی۔ ''وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ''

۱۱۔ ایک مٹھی پورے ڈھیر کا پتہ دے دیتی ہے۔ خدا تعالیٰ قیامت کے دن اپنی ظاہر کرنے والی قدرت کا ایک چھوٹا سا عملی نمونہ اسی دنیا میں پیش کیا ہے۔ ''فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾''

آیت نمبر ۲۶۰

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۭ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ ۭ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ۭ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا: پروردگارا! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم ایمان نہیں لائے ہو؟ عرض کی: کیوں نہیں! لیکن چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ (خدا نے) فرمایا: چار پرندوں (مور، مرغ، کبوتر اور کوّے) کو پکڑو اور انہیں (ذبح کر کے) ان کی بوٹیاں بناؤ (اور ان کا گوشت آپس میں ملا دو) پھر ہر پہاڑ پر گوشت کا کچھ حصہ رکھ دو اس کے بعد ان پرندوں کو بلاؤ، وہ تمہارے پاس

دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ قدرت والا اور حکمت والا ہے۔

(تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۲۸۰؛ حدیث میں ہے کہ پرندوں کا آپس میں ملایا ہوا گوشت انہوں نے دس پہاڑوں پر جا کر تھوڑا تھوڑا رکھا تھا۔ کافی، ج ۸، ص ۳۰۵)

نکات:

☆ حضرت رسولخداؐ کے بعد تاریخ کے واحد عظیم ترین انسان یعنی علی بن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں: ''لو کشف الغطاء ما ازددتُ یقیناً'' اگر تمام پردے ہٹا دیے جائیں تو بھی میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا۔ (غرر الحکم و تفسیر روح البیان، ج ۱، ص ۴۱۶)

جبکہ باقی تمام لوگوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ سنی ہوئی بلکہ یقین کردہ باتوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں۔ یعنی سب لوگ جانتے ہیں کہ چینی گنے یا چقندر سے تیار ہوتی ہے لیکن وہ یہ ضرور دیکھنا پسند کرتے ہیں کہ وہ کس طرح تیار ہوتی ہے؟

☆ تفسیروں میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک دریا کے کنارے سے گزر رہے تھے کہ ایک مردار کو دیکھ لیا جو دریا کے کنارے پڑا ہوا تھا۔ اس کا آدھا حصہ پانی میں اور آدھا حصہ خشکی میں تھا اور اسے خشکی اور پانی کے پرندے اور جانور ہر طرف سے نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہی صورت حال انسان کو درپیش آجائے اور انسانی جسم کے ذرات دوسری جاندار مخلوق کے اندر چلے جائیں تو بروز قیامت وہ کیونکر جمع ہوں گے اور انہیں کیسے یکجا کیا جا سکے گا؟ اسی لیے انہوں نے اپنے رب سے درخواست کی کہ خداوندا! تو مجھے دکھا کہ مردوں کو کیونکر زندہ کرے گا؟ خدا تعالیٰ نے بھی اس عملی مظاہرے کے ذریعے حضرت ابراہیمؑ کو نور یقین اور اطمینان کی طرف راہنمائی فرمائی۔

پیغام:

۱۔ مردوں کو زندہ کرنا خدا تعالیٰ کی شان ربوبیت میں سے ہے۔ ''رَبِّ اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِ''

۲۔ بہترین تربیت کیلئے عملی نمونہ پیش کرنا اور حسی مشاہدات سے کام لینا ضروری ہے۔ ''اَرِنِیۡ''

۳۔ کشف و شہود کی کیفیت ان لوگوں پر طاری ہوتی ہے جو علم، ایمان اور استدلال کے مراتب کو طے کر چکے ہوں۔ ابراہیمؑ کی ''اَرِنِیۡ'' کی درخواست کا جواب دیا جاتا ہے، ہر کسی کی درخواست کا جواب نہیں دیا جاتا۔

۴۔ ہمیں اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے ایمان و یقین کو اس قدر بلند کریں کہ اسے اطمینان کی حد تک پہنچائیں۔ تحقیق اور جستجو ایک قابل قدر بات ہے۔ ''لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ ؕ''

۵۔ ایمان کے درجات و مراحل ہیں۔ ''لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ ؕ''

۶۔دل، اطمینان کیلئے مرکز ہے۔ ''لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ط''

۷۔اولیاء اللہ اس کائنات میں تصرف کی طاقت رکھتے ہیں، جسے ولایت تکوینی کہا جاتا ہے۔''ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا ط''

۸۔معاد جسمانی ہے، قیامت کے دن روح ایسے ہی بدن کے ذرات میں واپس آئے گی۔''يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا''

آیت نمبر ۲۶۱

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

ترجمۃ الآیات

جولوگ اپنے مالوں کو راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال (بیج کے) اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے (اور اس میں لیاقت بھی ہو) کئی گنا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ (قدرت و رحمت کے لحاظ سے) وسیع اور (ہر چیز کو) جانتا ہے۔

نکات:

☆ خدا کی راہ میں خرچ کرنے پر تاکید، اسراف کی ممانعت اور فضول خرچی سے پرہیز کرنا، معاشرتی طبقاتی اختلافات کو حل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ جیسا کہ ''سود'' کا آغاز اور اس کا رائج ہوجانا طبقاتی اختلافات کو جنم دیتا ہے۔ قرآن مجید میں راہ خدا میں خرچ کو لازمی قرار دینے والی اور سود کو حرام قرار دینے والی آیات ایک ساتھ ذکر ہوئی ہیں۔ (تفسیر المیزان، ج ۲، ص ۴۰۶)

☆ ایسا دانہ کسی بھی زمین پر جس میں سات بالیاں ہوں اور ہر بالی میں سو سو کی تعداد میں دانے ہوں، نہیں اُگتا، بلکہ اس کی لیے کئی شرائط کا ہونا ضروری ہے، مثلاً بیج صحیح و سالم ہو، زمین زرخیز ہو اور اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو، وقت مناسب

ہو اور اس کی صحیح طریقے سے حفاظت بھی کی جائے۔

اسی طرح اگر کچھ حلال مال صحیح اور سالم دل سے، قصد قربت کے ساتھ، بغیر احسان جتائے، ضروری موقع پر، اچھے انداز میں حاجتمند پر خرچ کیا جائے تو وہ مذکورہ صفات کا حامل ہوگا اور اس سے ایک دانے سے سات سو دانے ملنے کی توقع کی مانند ثواب کی بھی توقع کی جاسکتی ہے۔

پیغام:

۱۔ انفاق کا فائدہ صرف آخرت میں نہیں بلکہ اس دنیا میں بھی انسان کے وجود میں تکامل اور رشد کا باعث ہے۔ ''مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ''

۲۔ قرآن مجید ان لوگوں کی تعریف کر رہا ہے جن کی سیرت میں انفاق ہمیشہ شامل ہو اور یہ ان کا روزمرہ کا معمول ہو۔ ''يُنْفِقُوْنَ''، فعل مضارع کا صیغہ ہے جو استمرار پر دلالت کرتا ہے۔

۳۔ انفاق کی اہمیت اس وقت ہوتی ہے جب وہ خدا کی راہ میں ہو۔ اسلام میں معاشیات کا نظام، اخلاق کے نظام سے الگ نہیں ہے۔ ''فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ''

۴۔ طبعی مثالوں سے فائدہ اٹھانے کا دستور قدیم سے چلا آرہا ہے اور یہ طریقہ کار کبھی پرانا نہیں ہوا اور یہ ہر سن و سال اور ہر قسم کے لوگوں کے لیے قابل فہم ہوتا ہے۔ مال کو بیج کے ساتھ اور انفاق کو سو سو بالیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ ''كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ''

۵۔ ترغیب اور انعام کا وعدہ، کسی کو متحرک کرنے کیلئے بہترین ذریعہ ہے، سات سو گنا زیادہ انعام سے بڑھ کر کیا ترغیب ہوگی۔ ''وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ''

۶۔ خدا تعالیٰ کے لطف و مہربانی کی کوئی حد نہیں ہے۔ ''وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ''

۷۔ اگر خدا کی راہ میں مال کا خرچ کرنا سات سو گنا زیادہ بڑھنے کی قابلیت رکھتا ہے: ''كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ'' تو ان لوگوں کا حساب کہاں تک پہنچے گا جو اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں؟ ''وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۶۱''

آیت نمبر ۲۶۲

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ

اَنۡفَقُوۡا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى ۙ لَّهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۶۲﴾

ترجمۃ الآیات

جو لوگ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس خرچ کیے ہوئے مال کے پیچھے نہ تو احسان جتاتے ہیں اور نہ تکلیف پہنچاتے ہیں ان کا اجر پروردگار کے ہاں (محفوظ) ہے، نہ تو ان پر کسی قسم کا خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

نکات:

☆ انفاق سے اسلام کا مقصد صرف فقراء کا پیٹ بھرنا نہیں ہے بلکہ یہ نیک کام اچھے لوگوں کے ہاتھوں انجام پانا چاہیے، احسن انداز سے اور نیک مقاصد کے تحت جاری رہنے چاہئیں۔

☆ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان خدا کی راہ میں قدم اٹھاتا ہے اور نیک کام کو شروع کر دیتا ہے لیکن بعض معروضی حالات مثلاً تکبر کرنے، احسان جتلانے یا لوگوں سے کسی قسم کی توقع رکھنے کی وجہ سے وہ اس کام کی اہمیت اور قدر و قیمت کھو بیٹھتا ہے اور اس کے اثرات کو ضائع کر دیتا ہے۔ احسان جتلانے سے راہ خدا میں خرچ کرنے کا کے اثرات زائل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ خرچ کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ روح کو بخل کی آلودگیوں سے پاک کیا جائے لیکن احسان جتلانے کے نتیجے میں روح آلودہ ہو جاتی ہے۔

احسان جتلانے والے کا مقصد یا تو یہ ہوتا ہے کہ خود کو بڑا بنا کر پیش کرے اور دوسروں کی توہین و تذلیل کرے یا پھر لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا چاہتا ہے لیکن یہ دونوں ہی صورتیں خلوص و اخلاص سے کوسوں دور ہیں۔ کیا خدا تعالیٰ نے اس قدر نعمتیں عطا کرنے کے بعد کبھی ہم پر احسان جتلایا ہے؟ کہ ہم انہی نعمات میں سے کسی کو کچھ دیکر اس پر اپنا احسان جتلائیں۔

مجمع البیان میں ایک حدیث ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن احسانات جتلانے والوں پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔''

پیغام:

۱۔ کسی نیک کام کا شروع کر دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اسے انجام تک پہنچانا بھی ضروری ہے۔ ''يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتۡبِعُوۡنَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا مَنًّا''

۲۔ اسلام، محروموں اور فقراء کی عزت و آبرو کا محافظ ہے۔ احسان جتلانے کے ذریعے فقراء کی شخصیت کو تباہ کرنا، اعمال کے بطلان کا باعث قرار دیتا ہے۔ ''لَا يُتۡبِعُوۡنَ مَآ اَنۡفَقُوۡا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى ''

۳۔ انسان کے اعمال باہم ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں یعنی ایک عمل دوسرے عمل کو زائل کر سکتا ہے گویا انفاق فقر کیلئے دوا ہے لیکن احسان جتلانا فقراء کیلئے دکھ و درد کا باعث بنتا ہے۔ ''يُنۡفِقُوۡنَ ... لَا يُتۡبِعُوۡنَ ... مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى ''

۴۔ خداوند تعالیٰ انفاق کرنے والے کے مستقبل کی ضمانت دیتا ہے: ''لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ﴿۲۶۲﴾''

۵۔ جو کوئی بغیر احسان جتلائے اور تکلیف دیے بغیر اللہ کی راہ میں انفاق کرے گا، اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے سکون قلبی عطا کیا جائے گا۔ ''يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ---وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ﴿۲۶۲﴾''

آیت نمبر ۲۶۳

قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ وَّمَغۡفِرَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ صَدَقَةٍ يَّتۡبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيۡمٌ﴿۲۶۳﴾

ترجمۃ الآیات

(حاجت مندوں کے ساتھ) شائستہ گفتگو اور (ضرورت مندوں کی تند مزاجی کو) معاف کر دینا اس خرچ کرنے اور صدقہ دینے سے بہتر ہے جس کے بعد کسی کو ستایا جائے اور خداوند عالم بے نیاز اور بردبار ہے۔

نکات:

☆ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا: اگر تمہارے پاس کوئی سائل آجائے تو اسے ان دو طریقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ راضی کرو''بذل یسیر او ردّ جمیل''یعنی اپنی بساط کے مطابق اسے کچھ دے دیا کرو یا پھر اچھے طریقے سے اسے لوٹا دیا کرو۔
(تفسیر قرطبی و تفسیر نمونہ، ذیل آیہ)

آنحضرتؐ کا ارشاد گرامی ہے: ''اگر مال کے ساتھ لوگوں کی امداد نہیں کر سکتے ہو تو اخلاق کے ساتھ ان کی امداد کرو۔ (تفسیر کاشف، ج ۱ ص ۲۷۲)

پیغام:

۱۔ کسی فقیر کی عزت و آبرو کی حفاظت اس کو پیٹ بھر کے کھانا کھلانا سے زیادہ ضروری ہے۔ ''قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ''

۲۔ فقیر کو محبت اور ہمدردی کے ساتھ ایسے کام کی طرف راہنمائی کرنی چاہیے جس کے ذریعے اس کی زندگی کی ضروریات پوری ہو جائیں۔ ''قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ''

۳۔ انفاق، اخلاق کے ساتھ ہونا چاہیے۔ ''قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ''

۴۔ فقیر اور غریب کے ساتھ ملائم گفتگو اس کے لیے قلبی سکون کا موجب اور انسان کی ترقی کا سبب بنتی ہے جبکہ احسان جتلانے کے ساتھ صدقہ ان دونوں خصوصیات میں سے کسی ایک کا بھی حامل نہیں ہوتا۔ ''قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ''

۵۔ اگر کوئی فقیر معاشی دباؤ اور تنگ دستی کی وجہ سے ناروا سلوک کرے اور سخت کلامی کرے تو اسے معاف کر دو۔ ''مَغْفِرَةٌ''

۶۔ معاشرے میں رائج مناسب رویوں کو گفتگو اور عمل میں اپنانا ضروری ہے۔ ''قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ''

۷۔ خداوند، غریب کی ایذا رسانی کے بدلے میں لازماً سزا دے گا لیکن ضروری نہیں کہ جلد دے۔ ''حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾''

آیت نمبر ۲۶۴

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایماندارو! اپنے صدقات کو احسان جتلانے اور ایذا پہنچانے کے ساتھ باطل (ضائع) نہ کرو اس شخص کی مانند جو اپنے مال کو (خودنمائی اور) لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور خدا و آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے پتھر کا ایک صاف و شفاف ٹکڑا ہو اور اس مٹی (کی ایک نازک تہہ) جم چکی ہو (اور اس میں بیج بویا جائے) اور اس پر موسلا دھار بارش برسے (جو مٹی اور بیج کو بہا لے جائے) جو کام انہوں (ریاکاروں) نے کیا ہے اس سے انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔

نکات:

☆ اس آیت میں بھی تشبیہ سے کام لیا گیا ہے جو بعض افراد کی باطنی کیفیت کی نشاندہی کر رہی ہے۔ ایسے افراد جو ریا اور خودنمائی کے لیے خرچ کرتے ہیں ان کا ظاہری عمل نرم مٹی کی طرح ہوتا ہے لیکن ان کا باطن پتھر کی مانند ٹھوس اور سخت ہوتا ہے، جس میں کسی چیز کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اگر انہیں خرچ کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو یہ ان کے اپنے پتھریلے دلوں کے سخت اور ٹھوس ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

پیغام:

١۔ فقیر شخص پر احسان جتلانا اور اسے ایذا پہنچانا، خدا کی راہ خرچ کرنے اور صدقے کے ثواب کو ضائع کر دیتا ہے۔ ''لَا تُبۡطِلُوۡا''

٢۔ ریاکاری، انسان کا خدا اور قیامت پر سچا ایمان نہ ہونے کی علامت ہے۔ ''یُنۡفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ''

٣۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اتنا اہم نہیں جتنا خرچ کرنے والے کا جذبہ اہم ہے۔ ''رِئَآءَ النَّاسِ''

٤۔ احسان جتلانے والے، ریاکاری سے کام لینے والے اور کافر لوگوں کے اعمال برباد ہو جائیں گے۔ ''فَمَثَلُهٗ'' کا کلمہ تینوں پر صادق آتا ہے۔

٥۔ ریاکار آخر میں رسوا ہوتا ہے۔ زمانے کے حوادث حقائق کو کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔ ''فَتَرَكَهٗ صَلۡدًا ؕ''

٦۔ ریاکار صرف آخرت کے ثواب ہی سے محروم نہیں ہوتا بلکہ وہ روحانی بالیدگی اور معاشرتی اہمیت بھی کھو دیتا ہے۔ ''لَا یَقۡدِرُوۡنَ عَلٰی شَیۡءٍ''

۷۔احسان جتلانے والا اور ریا کار دونوں کفر کے محور میں قرار پاتے ہیں اور خدا کی طرف سے تنبیہ اور دھمکی کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔''لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۝۲۶۴''

آیت نمبر ۲۶۵

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۝۲۶۵

ترجمۃ الآیات

اور وہ لوگ جو رضائے خدا کے حصول اور اپنی روح کو ثابت واستوار رکھنے کے لیے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسے باغ کی سی ہے جو کسی بلند جگہ پر ہو اور اس پر موسلا دھار بارش برسے (اور کھلی فضا میں واقع ہونے کے سبب اسے بہت فائدہ حاصل ہو) اور وہ اپنے پھل دوگنا دے۔ اگر اس پر موسلا دھار بارش نہ برسے تو پھر ہلکی سی پھوار اور شبنم پڑے (اسی لیے یہ باغ ہمیشہ سرسبز وشاداب رہتا ہے) اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو خدا اسے دیکھ رہا ہے۔

پیغام:

۱۔اگر مقصد خدا کی رضا کا حصول اور انسانی صفات کا مظاہرہ ہو تو اعمال کو بھی پھول پھل لگتے ہیں۔''ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔۔۔فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ''

۲۔اخلاص، آسانی سے ہاتھ میں نہیں آتا بلکہ اس کیلئے کوشش کرنی پڑتی ہے۔''ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ''

۳۔خلوص نیت سے بجالائے گئے اعمال اس کھیتی کی مانند ہوتے ہیں جو بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے سیلاب کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہتی ہے۔بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا''

۴۔اگر مقصود ذات پروردگار ہو تو جلوؤں اور جمالیات سے بھی محروم نہیں ہوتے۔معاشرے کے اندر مخلصین کی عزت

ریا کار لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ ''جَنَّۃٍۭ بِرَبۡوَۃٍ'' خلوص دل کے ساتھ خرچ کرنے کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جو اونچی زمین پر پہاڑ کے دامن میں واقع ہو۔ جسے سب لوگ دیکھ سکتے ہیں اور اس سے خوشی حاصل کرتے ہیں۔

۵۔ وسائل کے ہونے سے زیادہ اہم وسائل کا صحیح استعمال ہے۔ بارش موسلا دھار ہو یا رم جھم پھوار ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اہم بات یہ ہے کہ زمین اسے اپنے اندر جذب کر سکے۔ ''فَاِنۡ لَّمۡ یُصِبۡہَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ''

آیت نمبر ۲۶۶

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ تَکُوۡنَ لَہٗ جَنَّۃٌ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۙ لَہٗ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَہُ الۡکِبَرُ وَلَہٗ ذُرِّیَّۃٌ ضُعَفَآءُ ۚۖ فَاَصَابَہَاۤ اِعۡصَارٌ فِیۡہِ نَارٌ فَاحۡتَرَقَتۡ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۲۶۶﴾

ترجمۃ الآیات

کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو، جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں اور اس کے لیے اس (باغ) میں ہر قسم کے پھل ہوں، اور اسی حالت میں وہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائے اور اس کے (چھوٹے اور) کمزور بچے ہوں (اسی حال میں) اس باغ کو آتش سوز اس کے ہمراہ ایک بگولا آلے اور باغ کو جلا کر راکھ کر دے۔ خداوند تمہارے لیے اس قسم کی آیات بیان کرتا ہے شاید کہ تم غور و فکر سے کام لو۔

نکات:

☆ انسان جب بوڑھا ہو جاتا ہے، کُنبہ تشکیل دے چکا ہوتا ہے تو اس مزید تولید نسل اور افعال انجام دینے کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف اس کی ضروریات اور محتاجی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس صورت حال میں اگر اس کی آمدن کے ذرائع ختم ہو جائیں تو وہ ذلیل ہو جائے گا۔ قیامت کے دن بھی انسان ایک طرف سے عمل کی قوت و اختیار نہ رکھتا ہوگا، دوسری طرف اسے اعمال کی شدید ضرورت ہوگی، ایسی صورت حال میں اگر اس کے نیک اعمال، احسان جتلانے اور ریا کاری کی وجہ سے برباد ہو

چکے ہونگے تو کس قدر ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

☆ کھجور اور انگور، مفید ترین پھلوں میں سے ہے اس لیے قرآن پاک میں ان کا متعدد بار ذکر ہوا ہے۔

☆ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''جو کوئی ''لا الہ الا اللہ'' کہے، تو اس کیلئے جنت میں ایک درخت لگا دیا جاتا ہے، ایسا ہی ہے جب کوئی ''اللہ اکبر'' کہے۔

کسی نے حضورؐ سے کہا: تو اس کا مطلب ہے کہ جنت میں ہمارے لیے بہت زیادہ درخت ہونگے۔ حضورؐ نے فرمایا: بالکل ایسا ہی ہے، صرف شرط یہ ہے کہ اس کے پیچھے آگ نہ بھیجو، جو اسے جلا دے۔ (بحار، ج ۸، ص ۱۸۶)

پیغام:

۱۔ خود کو دوسروں کی جگہ رکھو تا کہ مسائل کو اچھی طرح سمجھ سکو۔ ''اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ ۔۔۔''

۲۔ ایسی طبعی مثالیں پیش کی جانی چاہئیں، جن پر زمان و مکان، ماحول اور نسل انسانی کے اثرات کم ہوں۔ ''جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ ۔۔۔''

۳۔ راہ خدا میں خرچ کرنے کے بعد احسان جتلانا اور ایذا پہنچانا ایسا ہے جیسے سرسبز و شاداب باغ کو بادسموم و سوزاں اور تر و تازہ گلستان کو آگ جلا کر راکھ کر دے۔ ''فَاحْتَرَقَتْ ''

۴۔ ترقی اور تکامل کے مراحل آہستہ آہستہ طے ہوتے ہیں جبکہ اعمال کے تباہ برباد ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ ''فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ''

۵۔ قرآنی مثالیں، غور و فکر کرنے کیلئے ہیں۔ ''لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ۝۲۶۶''

آیت نمبر ۲۶۷

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۝۲۶۷

ترجمۃ الآیات

اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو! اس بہترین اور پاکیزہ ترین چیز کو خرچ کرو جس کو تم نے خود کمایا ہے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے اگایا ہے، ناپاک چیزوں کو حاصل کرنے کا قصد نہ کرو، پھر ان میں سے خرچ کرو گے حالانکہ تم خود بھی اس کے لیے آمادہ نہیں ہو کہ (مال کو قبول کرتے وقت) ایسی چیز حاصل کرو مگر چشم پوشی اور مجبوری کے تحت اور جان لو کہ خداوند متعال بے نیاز اور قابل ستائش ہے۔

نکات:

☆ گذشتہ آیات میں، انفاق کرنے والے کی شرائط بیان کی جا رہی تھیں، اس آیت میں ان چیزوں کے بارے میں شرائط بیان کی جا رہی ہیں جو غریب، فقیر لوگوں کو اللہ کی راہ میں دی جانی چاہیے۔

☆ امام محمد باقر علیہ السلام اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں: ''بعض مسلمانوں کی کمائی حرام ذرائع سے تھی، جیسے کہ سود سے حاصل ہونے والا منافع تھا، وہ لوگ اس منافع کو فقرا کیلئے استعمال کیا کرتے تھے، یہ آیت انہیں ایسے کام سے منع فرما رہی ہے۔(تفسیر برہان، ج ۱، ص ۲۵۵؛ تفسیر راہنما)

پیغام:

۱۔ راہ خدا میں خرچ کرنے کا مقصد بخل، کنجوسی سے بچنا ہے نہ کہ بے فائدہ اور ناکارہ چیزوں سے جان چھڑانا۔'' اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ ''

۲۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے نقد رقم یا چیزوں میں کوئی فرق نہیں۔'' كَسَبۡتُمۡ وَمِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا ''

۳۔ آسانی سے حاصل ہونے والی چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کم اہمیت رکھتا ہے، اس کی نسبت کہ اپنی محنت سے کمائی ہوئی چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔'' مَا كَسَبۡتُمۡ ''

۴۔ انفاق کے دوران غریبوں کی عزت نفس کو محفوظ رہنی چاہیے۔'' وَلَا تَيَمَّمُوا الۡخَبِيۡثَ ''

۵۔ صرف یہی نہیں کہ ناپاک اور پست چیزوں کو خدا کی راہ میں دو بلکہ ایسی چیزوں کو اس راہ میں دینے کا خیال بھی دل سے نکال دو۔'' وَلَا تَيَمَّمُوۡا ''

۶۔ انسان کا ضمیر، پاک اور ناپاک چیزوں کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار اور کسوٹی ہے۔ جو چیز تم اپنے لیے پسند کرتے ہو (راہ خدا میں) خرچ کرتے وقت دوسروں کے لیے بھی اسی چیز کو پسند کرو۔ اگر کسی چیز کو تم خود پسند نہیں کرتے تو وہ

دوسروں کو بھی نہ دو۔ ''لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا''

۷۔ ہر ثروت مند شخص کو یہ احتمال دینا چاہیے کہ کل وہ بھی غریب ہوسکتا ہے۔ شاید کبھی یہ دینے والا ہاتھ، لینے والا ہاتھ بن جائے۔ ''بِاٰخِذِيْهِ''

۸۔ ناپسندیدہ مال کو وصول کر لینا، اس بات کی علامت نہیں ہے کہ غریب و فقرا اس چیز پر راضی ہیں۔ بلکہ یہ بات ان کا استحصال کرنے کے مترادف ہے۔ ''تُغْمِضُوْا'' یعنی ایسا ہوسکتا ہے کہ تم بھی کبھی نہ چاہتے ہوئے، دل پر پتھر رکھ کر کسی بات کو یا کسی چیز کو قبول کر لو، لیکن ایسا عمل تمہاری رضایت کی دلیل نہ ہوگا۔

۹۔ راہ خدا میں خرچ کرنے کا فائدہ خود تمہیں واپس ملتا ہے ورنہ خدا تعالیٰ تو ہر چیز سے بے نیاز اور غنی ہے۔ ''اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴿۲۶۷﴾''

۱۰۔ اللہ کی بے نیازی اس کے کمالات اور اس کی تمام تعریفوں کے ساتھ ہے۔ ''غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴿۲۶۷﴾''

آیت نمبر ۲۶۸

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾

ترجمۃ الآیات

(راہ خدا میں خرچ کرتے وقت) شیطان تم سے فقر و تنگ دستی ڈراتا ہے اور تمہیں برائیوں کی طرف بلاتا ہے (لیکن) خدا تم سے بخشش اور زیادہ دینے کا وعدہ کرتا ہے اور خدا کی قدرت وسیع ہے اور وہ (ہر چیز کو) جانتا ہے۔

نکات:

☆ جب انسان خدا کی راہ میں خرچ کرنے لگے تو شیطان اس کے پاس آجاتا ہے اور اس کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ روپیہ پیسہ بچا لو کل کام آئے گا، اگر آج تم یہ خرچ کر دو گے تو کل تم خود فقیر ہو جاؤ گے۔ بہتر یہی ہے کہ اپنے مال کو سنبھال کر رکھو تاکہ بڑھاپے، بیماری اور دوسری ضرورتوں میں تمہارے کام آئے۔ یہ سب شیطانی وسوسے اور وعدے ہیں۔

☆ دنیا کے مستقبل میں دنیاوی ضرورتوں کو پورا کرنے سے کہیں زیادہ ہمیں قیامت کے دن الٰہی عفو و بخشش کی ضرورت

ہوگی۔خبر دار! کہیں دنیاوی آرام طلبی کے شوق میں اُخروی مغفرت الٰہی کا سودا نہ کردینا، اس لیے کہ:

الف: ہوسکتا ہے کہ ہم بڑھاپے کی منزل کو پہنچ ہی نہ پائیں اور اس سے پہلے ہی اس دنیا سے رخصت ہوجائیں اور مال خرچ کرنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ جبکہ قیامت میں تو خدا کی طرف سے مغفرت کی یقیناً ضرورت پیش آئے گی۔

ب: ہوسکتا ہے کہ جس مال کو کل کے لیے بچا کر رکھنے کی سوچ رہے ہیں وہ باقی ہی نہ رہے جبکہ راہ خدا میں آج کا دیا ہوا کل قیامت کے دن کے لیے یقیناً باقی رہے گا۔

ج: ہوسکتا ہے کہ آج کے بچائے ہوئے مال سے کل بڑھاپے کے دنوں میں فائدہ نہ اٹھا سکیں جبکہ آج کے دن میں راہ خدا کے لیے خرچ کیے ہوئے مال سے کل قیامت کے دن بہرہ مندی یقینی ہے۔

د: بچائے ہوئے مال سے بڑھاپے کے دنوں میں انسان کی بہرہ مندی عارضی ہے جبکہ خدا کی راہ میں خرچ کیے ہوئے مال سے بہرہ گیری ابدی اور دائمی ہے۔ (تفسیر فخر الدین رازی، آیت ہذا)

پیغام:

۱۔ اللہ کی راہ میں پسندیدہ اشیا دینے سے شیطان انسان کو روکتا ہے۔ ''اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ۔۔۔ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ۔۔۔''

۲۔ آپ کی کنجوسی، فقرا کو فساد اور برائی کی طرف لے جاتی ہے۔ ''يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ''

۳۔ انسان، اللہ کی راہ یا شیطان کی راہ کو انتخاب کرنے میں آزاد ہے۔ ''اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ''

۴۔ جو لوگ انسان کو راہ خدا میں خرچ کرنے سے روکتے اور مستقبل کے بارے میں اسے غربت و افلاس کا خوف دلاتے ہیں اور گناہوں کی ترغیب دیتے ہیں، وہی تو شیطان ہیں۔ ''اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمْ''

۵۔ غربت اور برائی کا آپس میں قریبی رابطہ ہے، کئی ایک گناہ انسان سے فقر اور مفلسی کے خوف سے سرزد ہوتے ہیں۔ ''يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ''

۶۔ انفاق نہ کرنا، برائی اور بدی کا نمونہ ہے۔ ''لَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ۔۔۔ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمْ۔۔۔''

۷۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے اور گناہوں کی مغفرت کا باعث ہے۔ ''اَنْفِقُوْا۔۔۔ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ''

۸۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں درپیش رکاوٹوں اور شیطانی افکار کے خلاف جہاد کریں، جب غریب ہوجانے کا خوف لاحق ہونے لگے تو فوراً خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے الطاف و احسان کی وسعت کو یاد کریں۔ ''مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ''

۹۔ ہر وہ فکر اور خیال جو آپ کیلئے تنگ نظری، خوف اور منفی اثرات کا موجب بننے لگے تو سمجھ لیں کہ یہ شیطانی وسوسے ہیں لیکن جو فکر و خیال آپ کے لیے تحرک و انبساط اور وسعت قلبی کا سبب بنے تو سمجھ لیں کہ یہ خدائی ہدایت ہے۔ ''وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۔۔۔''

آیت نمبر ۲۶۹

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

ترجمۃ الآیات

خدا جسے چاہے (اور اہل سمجھے) حکمت اور دانائی عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطا کر دی جائے اسے بہت زیادہ اچھائی عطا کر دی گئی اور (اس نکتے کو) عقلمندوں کے سوا اور کوئی نہیں سمجھتا۔

نکات:

☆ ''اَلْبَابِ'' جمع ہے ''لُبّ'' کی جس کے معنی ہیں ''مغز'' اور ہر عقلمند کو ''اُولُوا الْاَلْبَابِ'' نہیں کہتے بلکہ صرف ان صاحبان عقل و خرد کو کہتے ہیں جو اپنی عقلوں کو کام میں لاتے ہوئے اپنی حقیقی سعادت کی راہ تلاش کر لیتے ہیں۔

☆ حکمت کے معنی معرفت، اسرار کی پہچان، حقائق سے آگاہی اور حق تک پہنچنا بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ حکمت خداوند بعض لوگوں کو پاکیزگی، تقویٰ اور سعی و کوشش کی وجہ سے عطا فرماتا ہے۔ وہ اس کے ذریعے شیطانی وسوسوں اور خدائی الہامات کے درمیان فرق کو پہچان لیتے ہیں۔ ''چاہ'' کنواں، اور ''راہ'' کے درمیان فرق کو جان جاتے ہیں۔ وہ ''شعار'' اور ''شعور'' کے درمیان فرق کو پہچان لیتے ہیں۔ یہ فضیلت و برتری خیر کثیر ہے۔

☆ روایات میں ہم پڑھتے ہیں کہ حکمت، معرفت اور دین میں سمجھ بوجھ ہے۔ حکمت، خدا کی اطاعت، امامؑ کی شناخت اور کبیرہ گناہوں سے پرہیز ہے۔ (تفسیر نور الثقلین، ج ۱ ص ۲۸۷)

پیغام:

۱۔ اگرچہ مال و دولت خیر ہے لیکن خیر کثیر، وسعت نظری اور ہر جگہ کے فرق کو جان لینے کی صلاحیت ہے۔ جو لوگ اس

خیر سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں وہ خیر کثیر تک پہنچتے ہیں۔ ''اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ۔ ۔ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ''

۲۔ شیطان، فقر و غربت کے چھا جانے سے ڈراتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ فضل اور مغفرت کے وعدے کرتا ہے۔ مگر ان دونوں کو پہچاننے اور ان میں سے ایک کو اپنانے کے لیے حکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ''يُؤْتِي الْحِكْمَةَ''

۳۔ ساری دنیا بھی متاع قلیل ہے۔ (مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ، نساء۔ ۷۷) لیکن حکمت خیر کثیر ہے۔ اگر تمام مادی وسائل حکمت کے حصول کے لیے خرچ کر دیے جائیں تو بھی یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ ''فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا''

۴۔ حکمت ایک اصل چابی ہے، حکمت تمام خیر کی ماں ہے۔ جس کے پاس حکمت ہے اس کے پاس بہت کچھ ہے۔ ''وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا''

۵۔ ہر کوئی حکمت کی اہمیت کو نہیں جان سکتا، ''وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۲۶۹'' مادیت کو ترجیح دینے والے مال اور اعداد و شمار ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور اپنے نفع و نقصان کا حساب مادی نقطہ نظر سے کرتے ہیں لیکن صاحبان عقل و خرد اور سمجھدار لوگ اس چیز کو کسی اور نظریئے کے تحت دیکھتے ہیں۔

آیت نمبر ۲۷۰

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝۲۷۰

ترجمۃ الآیات

اور جس چیز کو تم (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہو یا (جس مال کے متعلق) نذر کی ہے کہ اسے خدا کی راہ میں خرچ کرو گے، خدا اسے جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

پیغام:

۱۔ جب یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے خرچ کرنے کو جانتا ہے تو پھر ہمیں اپنے بہترین مال کو اعلیٰ ترین مقاصد کے لیے خرچ کرنا چاہیے۔ ''وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ''

۲۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنا صرف دولتمندوں اور زیادہ اموال رکھنے والوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اگر آپ کے ساتھ بہت کم مال و اموال ہے تو اس میں سے بھی اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ ''مِّنْ نَّفَقَةٍ''۔ کبھی موسم خزاں کا ایک زرد پتہ بھی

بہت سی چیونٹیوں کیلئے کسی پانی کے حوض پر کشتی کا کام کرجاتا ہے۔

۳۔ اس بات پر ایمان کہ خدا تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، انفاق کرنے، اپنے وعدے کو پورا کرنے کیلئے بہترین ترغیب اور تحرک کا باعث ہے۔ ''فَاِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُہٗ ط''

۴۔ تشویق وترغیب کے ساتھ ساتھ تنبیہ انسان کی ترقی کا موثر عامل ہے۔ ''فَاِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُہٗ ط'' کا جملہ ترغیب اور ''مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾'' کا جملہ تنبیہ ہے۔

۵۔ نذر اور عہد کو پورا کرنا واجب ہے اور اسے ترک کرنا ظلم ہے۔ ''نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُہٗ ط وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ''

۶۔ اپنے اوپر ظلم کرنے سے توبہ بھی کی جاسکتی ہے اور اس کا کفارہ بھی دیا جاسکتا ہے لیکن مظلوم اور محروم طبقے کیلئے انفاق کو ترک کرنے کے ذریعے ظلم کرنے والوں کا کوئی ناصر اور مددگار نہیں ہے۔ ''وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾''

۷۔ کنجوس افراد کو شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ ''وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾''

(سورہ مدثر کی آیت ۴۴ تا ۴۸ میں ہے کہ: ''وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَکُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَکُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰٓی اَتٰىنَا الْیَقِیْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُہُمْ شَفَاعَۃُ الشّٰفِعِیْنَ ﴿۴۸﴾'' شفاعت کرنے والوں کی شفاعت ان (انفاق نہ کرنے والوں) کو کوئی فائدہ نہ دے گی۔

۸۔ اگر بخل کا موجب یہ بات ہے کہ دوسروں کے مال سے مدد حاصل کی جائے تو معلوم ہونا چاہیے کہ جب خدا کا قہر و غضب آئے گا تو اس وقت نہ مال کام آئے گا اور نہ لوگ امداد کرسکیں گے۔ ''مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾''

۹۔ جرم اور جرمانہ میں مناسبت ہونی چاہیے۔ جو شخص دنیا میں خرچ کرنے کے لحاظ سے کسی کا معاون و مددگار نہیں بنتا، آخرت میں اس کا بھی کوئی معاون و مددگار نہیں ہوگا۔ ''مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾''

آیت نمبر ۲۷۱

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا ھِیَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْھَا وَتُؤْتُوْھَا الْفُقَرَآءَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ط وَیُکَفِّرُ عَنْکُمْ مِّنْ سَیِّاٰتِکُمْ ط وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۷۱﴾

ترجمۃ الآیات

اگر تم صدقات (وخیرات) کو ظاہر کر کے دو تو اچھی بات ہے اور اگر انہیں چھپاؤ اور ضرورت مندوں کو دو تو تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور ایسا صدقہ تمہارے کچھ گناہوں کو چھپا دے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے باخبر ہے۔

نکات:

☆امام محمد باقر علیہ السلام اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ واجب زکوٰۃ ظاہر کر کے دو اور مستحبی زکوٰۃ پوشیدہ طور پر دو۔ (تفسیر نور الثقلین، ج۱،ص۲۸۹)

یہ حکم شاید اس لیے ہے کہ واجب زکوٰۃ کی ادائیگی ایک عمومی اور معمول کا فریضہ ہے جس میں ریا کاری کا ہونا یا نہ ہونا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اگرچہ آیت مالی لحاظ سے مدد کرنے کے بارے میں ہے لیکن اسلامی ثقافت میں ہر نیک کام کو صدقہ کہا گیا ہے۔ حتی اگر مسلمانوں کے راستے میں سے ایک پتھر کو بھی ہٹایا ہو تو وہ صدقہ ہے۔ لہٰذا محروم افراد کے ساتھ علمی تعاون، انکی عزت و آبرو کا دفاع اور کسی کام کیلئے وسیلہ بننا، بھی صدقہ ہے۔

پیغام:

۱۔ راہ خدا میں ظاہری طور پر خرچ کرنا دوسروں کی ترغیب کا سبب ہوتا ہے۔ انسان سے بخل کی تہمت کو دور کرتا ہے اور یہ ایک قسم کی عملی تبلیغ ہے۔ ''فَنِعِمَّا هِیَ ''

۲۔ اس کے باوجود کہ صدقات و زکوٰۃ کے بہت سے مصارف ہیں لیکن آیت میں فقیروں کا ذکر ان کے حق اولویت کو ظاہر کرتا ہے۔ ''تُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ ''

۳۔ آپ فقراء کے پیچھے جاؤ، انہیں اپنے پیچھے نہ بلاؤ: ''وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ '' فرمایا گیا ہے، ''یَاۡتُوۡكُمُ الۡفُقَرَآءَ '' نہیں کہا گیا۔

۴۔ چھپا کر اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، ریا اور خودنمائی سے دور اور اخلاص سے زیادہ قریب ہے نیز یہ طریقہ زکوٰۃ و صدقات لینے والوں کی آبرو کو بھی بچاتا ہے۔ ''فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ''

۵۔ انسان کے اندر منفعت طلبی اور خیرخواہی کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ چاہے کبھی مصداق میں غلطی کرتے ہوئے برائی کی طرف چلا جاتا ہے، اس لیے الٰہی پیغمبروں نے خیر و نیکی پر مبنی نمونے انسان کے سامنے بیان کیے ہیں۔ ''فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ''

۶۔ فقرا کی مدد سے بعض صغیرہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ ''یُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ ''

قرآن پاک میں ''سَیِّاٰتِ'' کا لفظ کبیرہ گناہوں کے برابر میں استعمال ہوا ہے، جس کے معنی صغیرہ گناہ ہیں۔ (اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْھَوْنَ عَنْہُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ ۔۔۔ (نساء۔۳۱)

۷۔اہم چیز تو خدا کا علم ہے۔لوگوں کو علم ہونا یا نہ ہونا اہم نہیں ہے۔ ''وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۷۱﴾''

آیت نمبر ۲۷۲

لَیْسَ عَلَیْكَ ھُدٰىھُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ط وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ اللّٰہِ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسولؐ!) ان لوگوں کا ہدایت پانا آپؐ کے ذمہ نہیں ہے لیکن خدا جس کو چاہے (اور اس کے لائق سمجھے) ہدایت کرتا ہے اور تم (لوگ) خیر میں سے جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے ہی لیے ہوتا ہے۔ (لیکن) خدا کی رضا کے حصول کے علاوہ خرچ نہ کرو اور تم (لوگ) خیر میں سے جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اس کی جزا تمہیں مکمل طور پر ملے گی اور تم پر کسی بھی طرح کا ظلم نہیں ہوگا۔

نکات:

☆ تفسیر مجمع البیان اور تفسیر فخر الدین رازی میں ہے کہ اس آیت کی جو شان نزول بیان ہوئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان غیر مسلم اور مشرک فقرا کو صدقہ و خیرات دینے کے بارے میں شک کرنے لگے تھے کہ کیا مشرکین کو صدقہ و خیرات دینا صحیح ہے یا نہیں؟ انہوں نے یہی سوال حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا اور اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

پیغمبر اکرمؐ اور آپؐ کی اہلبیتؑ کی عملی سیرت میں غیر مسلم کی امداد کے کئی ایک نمونے ملتے ہیں، حتیٰ ایسے افراد جو ان پاک ہستیوں کو برا بھلا کہا کرتی تھیں یا ان کا حق غصب کر چکے تھے، یہ ہستیاں ان کے بارے میں بھی خیر خواہ اور ہمدرد تھیں۔

پیغام:

۱۔کفار سے صدقہ وخیرات روک کر اور ان پر اقتصادی دباؤ ڈال کر انہیں ایمان لانے پر مجبور نہ کرو۔ ''لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ط''

۲۔ہدایت، توفیق الٰہی ہے جو صرف آمادہ دلوں پر نازل کی جاتی ہے۔ ''يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط''

۳۔غریب عوام کی امداد ایک انسانی فریضہ ہے لہٰذا غیر مسلم افراد کو بھی اپنی امداد میں شامل رکھیں۔ ''وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ط''

۴۔اسلام، ایک انسان دوست دین ہے، وہ یہ نہیں چاہتا کہ غیر مسلم تنگ دستی ومحرومیت کا شکار ہوں۔ ''وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ط''

۵۔راہ خدا میں خرچ کرنے کا فائدہ خود تمہیں ہی پہنچتا ہے کہ اس سے تمہارے اندر سخاوت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔اس طرح خرچ کرنے سے طبقاتی اختلافات کی نمود اور معاشرتی تباہیوں کو روکا جا سکتا ہے اور اس سے معاشرے میں مہر ومحبت پیدا ہوتی ہے۔راہ خدا میں خرچ کرنے سے انسان مال سے محروم نہیں ہو جاتا بلکہ اس سے آپ محفوظ ہو جاتے ہیں۔ ''فَلِاَنْفُسِكُمْ''

۶۔خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کیلئے انفاق نہ کرو۔ کیونکہ اس دنیا کے تمام مفادات اور اثرات جلد یا بدیر ختم ہو جائیں گے لیکن جو چیز راہ خدا میں خرچ کی جاتی ہے، انسان اس کی برکتوں سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بہرہ مند ہوتا رہتا ہے۔ ''اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ط وَمَا''

۷۔مال ودولت خیر ہے۔ ''مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ''

۸۔راہ خدا میں خرچ کرنے کے سلسلے میں ہاتھوں اور دل کو کشادہ رکھو کیونکہ جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرو گے بغیر کسی کمی وزیادتی کے، اسے حاصل کرو گے۔ ''يُوَفَّ اِلَيْكُمْ''

۹۔قیامت کے دن فائدہ صرف اسی وقت حاصل ہوگا جب انفاق صرف خدا کی رضا کیلئے کیا گیا ہوگا۔ ''اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ''

آیت نمبر ۲۷۳

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ز يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ

بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

ترجمۃ الآیات

(تمہارا راہ خدا میں خرچ کرنا خصوصی طور پر) ان ضرورت مند لوگوں کے لیے ہو جو راہ خدا میں گھرے ہوئے ہیں (اور خدا کے دین کی خاطر یا تو بے وطن کر دیئے گئے ہیں یا پھر محاذ جہاد میں ہیں) اور (اپنے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے یا تجارت کرنے کے لیے سرمایہ نہ رکھنے کی وجہ سے) زمین پر چلنے پھرنے اور سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور پاک دامنی اور آبرومندی کی وجہ سے بے خبر لوگ انہیں امیر سمجھتے ہیں لیکن تم انہیں چہرے کی علامتوں سے پہچان لو گے اور وہ لوگ ہرگز اصرار کر کے لوگوں سے کوئی چیز نہیں مانگتے۔ (یہ ان کی خصوصی علامتیں ہیں) اور نیکی کے کام میں تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو خدا اسے جانتا ہے۔

نکات:

☆ تفسیر کبیر، مجمع البیان اور قرطبی میں ہے کہ یہ آیت ''اصحاب صُفہ'' کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ''اصحاب صُفہ'' تقریباً چار سو افراد تھے جو ہجرت کر کے مدینہ آگئے تھے۔ چونکہ مدینہ میں نہ تو ان کے پاس کوئی گھر تھا اور نہ ہی ان کا کوئی واقف تھا۔ لہٰذا وہ مسجد نبوی کے گوشے میں ایک صفہ (بہت بڑے چبوترے) پر رہنے لگ گئے یہ لوگ ہمیشہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے آمادہ رہتے تھے۔

پیغام:

۱۔ ثروتمندوں کے مال میں فقرا بھی حق رکھتے ہیں۔ ''لِلْفُقَرَآءِ''

۲۔ دین اسلام کی راہ میں جہاد کے لیے ہمہ وقت آمادہ مجاہدین، چھاؤنیوں میں رہنے والے فدا کار، بے کس و بے سہارا مہاجرین بلکہ وہ سبھی لوگ جو راہ خدا میں محصور (گھرے ہوئے) ہوں اور انہیں تلاش معاش کے مواقع میسر نہ آسکتے ہوں وہ ہماری توجہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ اسی طرح دین و مذہب کے لیے کام کرنے والے علمی، سیاسی اور تحقیقی ادارے اور انجمنیں بھی ہماری توجہ کی مستحق ہیں۔ ''اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا۔۔۔''

۳۔ جو لوگ سفر کر کے اپنی روزی کما سکتے ہیں انہیں لوگوں کی امداد اور تعاون کا منتظر رہنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ انہیں چاہیے

کہ وہ کسی جگہ پر سکونت اختیار کرکے اپنے لیے روزی اور معاش کے ذرائع اختیار کریں۔ ''لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ''

۴۔ عفیف اور پاک دامن فقیروں اور باعزت ضرورت مندوں کی خدا بھی تعریف کرتا ہے۔ ''يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ''

۵۔ گمنام اور قابل احترام فقیروں کو دوسروں پر ترجیح حاصل ہے۔ ''تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ ۚ''

۶۔ اگرچہ ضرورت بھی درپیش ہو لیکن لوگوں سے مانگنے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ ''لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۗ''

۷۔ یہ انصاف کی بات نہیں ہے کہ کچھ لوگ تو اپنا سب کچھ راہ خدا میں فدا کرکے محاصرہ میں زندگی بسر کر رہے ہوں اور کچھ دوسرے ان پر خرچ کرنے میں بھی تنگ نظری کا مظاہرہ کریں۔ ''لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا''

(ابھی اس آیت کی تفسیر کو مکمل نہ کیا تھا کہ ایک شخص ہاتھ میں اخبار لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ اس اخبار میں بزرگان میں سے کسی کا قول لکھا تھا، جو اس آیت کے معنی کے ساتھ بہت زیادہ مناسب نظر آرہا تھا۔ اس لیے یہاں ذکر کر رہا ہوں۔ لکھا تھا کہ ایک مرتبہ جناب آیۃ اللہ میرزا علی آقا قاضیؒ نے استاد عرفان ومعنویت جناب علامہ طباطبائیؒ کو نجف اشرف کے بازار میں سبزی بیچنے والے کے پاس سبزی خریدتے ہوئے دیکھا۔ علامہ صاحب گلی سڑی سبزی لے رہے تھے۔ میں نے پوچھا: آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ آہستہ سے کہنے لگے: یہ دکاندار بہت غریب آدمی ہے میں چاہتا ہوں اس کی مدد کروں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس کی عزت نفس بھی محفوظ رہے اور اسے مفت کھانے کی عادت بھی نہ ہو جائے۔ اس لیے یہ پرانے پتوں والی سبزی خرید رہا ہوں تاکہ اس کی مدد کر سکوں۔ میرے لیے فرق نہیں کہ اس سبزی کے پتے تازہ ہوں یا مرجھائے ہوئے ہوں۔)

آیت نمبر ۲۷۴

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٤﴾

ترجمۃ الآیات

جو لوگ اپنے مالوں کو رات اور دن میں، چھپا کر اور ظاہر کرکے (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں تو ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے نہ تو ان کے لیے کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

نکات:

☆ تفاسیر صافی، مجمع البیان، قرطبی اور فخر رازی کی تفسیر کبیر میں منقول ہے کہ یہ آیت جناب علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ آنجنابؑ کے پاس صرف چار درہم تھے ایک درہم آپؑ نے دن کو، ایک رات میں، ایک ظاہر کر کے اور ایک چھپا کر، راہ خدا میں خرچ کر دیا تو اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

البتہ آیت کے اس وعدے میں دوسرے افراد بھی شامل ہیں جو اس طرح کا عمل انجام دیتے ہیں۔ ایسے افراد دنیا میں فقر و تنگدستی سے نہیں ڈرتے ہیں اس لیے کہ انہیں اللہ کے وعدے پر مکمل یقین ہوتا ہے اور وہ اسی پر توکل کیے ہوئے ہوتے ہیں اور نہ ہی یہ لوگ خرچ کرنے پر غمگین ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا مطمع نظر رضائے الٰہی کا حصول اور آخرت کے ثواب کا یقین ہوتا ہے۔

☆ شاید اس لیے کہ آیت میں ''الَّیۡلِ'' کو ''النَّهَارِ'' پر اور ''سر'' یعنی پوشیدگی کو ''عَلَانِیَةً'' پر مقدم کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اول الذکر دونوں صورتوں میں خرچ کرنے کو موخر الذکر صورتوں پر فوقیت حاصل ہے۔ یعنی رات کی تاریکی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا زیادہ قابل قدر ہے۔ (تفسیر مراغی)

☆ یہ آیت اس سورت میں انفاق کے بارے میں آمدہ چودہ آیتوں کی جامع ہونے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سورت میں مسلسل چودہ آیات راہ خدا میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور قرآن مجید میں کسی اور مقام پر انفاق کے بارے میں اس قدر تفصیل سے بحث نہیں کی گئی۔ راہ خدا میں خرچ کرنے کے نتائج کسی سے پوشیدہ نہیں اور ان میں سے کچھ یہ بھی ہیں:

الف: دولت کا توازن برقرار رہتا ہے۔

ب: دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔

ج: جذبہ سخاوت پروان چڑھتا ہے۔

د: طبقاتی اختلافات کم ہوجاتے ہیں۔

ھ: خداوند کریم کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

☆ صرف مال خرچ کرنے کا نام انفاق نہیں بلکہ علم، مقام و منصب سے انفاق کرنا بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ کیونکہ انفاق کے لغوی معنی ہیں ''سوراخ کا بھرنا'' اور اس کے اصطلاحی معنی ہیں ''مالی کمی کو پورا کرنا''

☆ اس بات کی طرف توجہ کرنا بھی ضروری ہے کہ انفاق کا حکم دے کر گداگری کے رجحان کی حوصلہ افزائی نہیں کی جا رہی کیونکہ روایات میں ان لوگوں کی سختی کے ساتھ مذمت کی گئی ہے جو ضرورت کے بغیر لوگوں سے بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور ان سے مال و مادی امداد کی درخواست کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ضرورت مندوں اور حاجتمندوں کی امداد کے لیے نقد رقم دینے کی بجائے کام کرنے کے اوزار و آلات عطیہ کی صورت میں دینے کی سفارش کی گئی ہے۔

پیغام:

۱۔انفاق اور سخاوت کا جذبہ قابل قدر ہے۔کسی پر رحم کھا کر کبھی کچھ خرچ کر دینا انفاق نہیں ہے۔''یُنْفِقُوْنَ ''(فعل مضارع ہے جو کہ استمرار پر دلالت کرتا ہے۔)

۲۔خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کا اجر وثواب معین نہ ہونا،اس میں وسعت کی علامت ہے۔''اَجْرُھُمْ ''

۳۔خدا کے وعدے،انسان کو نیک کام پر ابھارنے کیلئے بہترین ذریعہ ہیں۔''فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ ''

۴۔انفاق کی برکات میں سے سکون اور امن ہے۔''لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ﴿۲۷۴﴾ ''

آیت ۲۷۵

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۲۷۵﴾

ترجمۃ الآیات

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں اپنی قبروں سے) نہیں اٹھیں گے مگر اس شخص کی مانند جسے شیطان نے مس کر کے مخبوط الحواس بنا دیا ہو۔(اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکے کبھی زمین پر گرے اور کبھی کھڑا ہو جائے) یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ خرید وفروخت (تجارت) کا معاملہ بھی سود کی مانند ہے (ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں) جبکہ اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔پس جس کے پاس اپنے خدا کی نصیحت پہنچ جائے اور وہ (سود خواری سے) رک جائے تو اسے جو آمدنی سود کے ذریعے حاصل ہوئی

ہے وہ اسی کے لیے ہی ہے (یہ حکم گذشتہ صورت حال پر لاگو نہیں ہوگا) اور اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے لیکن جو لوگ اسی طرف لوٹ جائیں (دوبارہ سود لینے لگیں اور اس گناہ کا ارتکاب کریں) تو ایسے لوگ ہی جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

نکات:

☆ ''ربا'' لغت میں ''افزائش اور اضافہ'' کو کہتے ہیں۔ شریعت اسلام میں اس کا معنی قرض میں یا تجارت میں زیادہ وصول کرنا ہیں۔ سود، پیسے میں ہے یا چیزوں میں ہے؟ کبھی پیسہ قرض کے طور پر دیا جاتا ہے اور اس سے زیادہ وصول کیا جاتا ہے جو قرض دیا گیا تھا۔ یہ قرض میں سود ہے۔ کبھی کوئی چیز دی جاتی ہے اور واپسی پر اس مقدار سے زیادہ وصول کی جاتی ہے جو مقدار دی گئی تھی۔ یہ بھی سود کے موارد میں سے ہے۔ جیسے کوئی چیز وزن کر کے یا کسی پیمانے کے ذریعے دی جاتی ہے۔

☆ سودخوار کو ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جسے شیطان نے مخبوط الحواس بنا دیا ہو۔ ''خبط'' کے معنی ہیں ''چلتے وقت اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکنا یعنی کبھی گر پڑنا اور کبھی کھڑے ہو جانا''

قیامت کے دن سود خور دیوانوں کی طرح محشور ہوگا۔ کیونکہ دنیا میں ان کے برے اعمال کی وجہ سے معاشرے کا توازن بگڑ گیا تھا۔ دولت کی ہوس نے اس کی عقل کو اندھا کر دیا تھا، اپنے عمل کے ذریعے اس حد تک طبقاتی اختلافات اور دشمنی پیدا کر دی تھی کہ جو معاشرے میں بڑی سطح پر تباہی کا باعث بنی۔ مالکیت کی بنیاد کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ان افراد کے لیے سود اصل ہے اور خرید و فروخت ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ خرید و فروخت اور معاملات، سود کی طرح ہیں ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

☆ سودخوری، سود لینے دینے کے بارے میں اسلام نے شروع سے ہی اس پر تنقید کی ہے۔ سورہ روم جو مکہ میں نازل ہوئی اس میں فرمایا: ''وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ'' (روم۔۳۹) یعنی وہ چیز جو تم سود کی نیت سے دیتے ہوتا کہ لوگوں کے مال میں تمہارے لیے اضافہ ہو جائے، جان لو کہ خدا تعالیٰ کے ہاں وہ چیز اضافہ نہیں ہوتی پھر سورہ آل عمران میں ''لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا'' کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے۔ (آل عمران۔۱۳۰)۔

سب سے زیادہ سودخوری پر تنقید انہی آیات میں ذکر ہوئی ہے۔ سورہ نساء۔۱۶۱ میں بیان ہوا کہ: ''وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ'' وہ (یہودی) سود کا لین دین کرتے تھے حالانکہ انہیں اس سے روکا گیا ہے۔ اس میں یہ یاددہانی کرائی گئی ہے کہ یہودی مذہب میں بھی سود کو حرام قرار دیا گیا ہے جیسا کہ خود تورات میں اس حرمت کا ذکر ہے۔ (تورات، سفر خروج، فصل ۲۳، جملہ ۲۵، سفر لاویان، فصل ۲۵)

☆ سود سے متعلق آیات، انفاق کی آیات کے بعد ذکر ہوئی ہیں تا کہ مال کے بارے میں 'خیر و شر' کے دونوں پہلوؤں

کو اجاگر کیا جا سکے۔ چنانچہ انفاق کے معنی ہیں کسی کو عوض لیئے بغیر کچھ دینا اور سود یعنی کسی سے عوض دیئے بغیر کچھ لینا۔ پھر انفاق میں جو خوبیاں ہیں ان کے مقابل سود سے معاشرے میں برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی لیے قرآن فرماتا ہے: ''یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ط ''یعنی اللہ تعالیٰ سود سے حاصل ہونے والے مال و دولت کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

☆ قرآن مجید میں سودی لین دین اور طاغوت کی حاکمیت کو قبول کرنے کے بارے میں جیسے تہدید آمیز احکام بیان ہوئے ہیں ایسے احکام قتل، ظلم، شراب خوری، جوا اور زنا کے بارے میں بھی بیان نہیں ہوئے۔ (تفسیر المیز ان، آیت ہذا)

سود کی حرمت تمام اسلامی فرقوں کے نزدیک قطعی و مسلم ہے اور اس کا شمار کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ بتایا گیا کہ فلاں شخص سود خور ہے تو حضرتؑ نے فرمایا: ''اگر میرے بس میں ہوتو میں اس کی گردن اڑادوں۔'' (وسائل، ج ۱۲، ص ۴۲۹)

اسی طرح جب امام علی علیہ السلام کا ایک سود خور سے سامنا ہو گیا تو آپؑ نے اس سے کہا کہ توبہ کرو، اس نے توبہ کی تو آپؑ نے اسے چھوڑ دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: ''سود خور کو اس کے عمل سے توبہ کرانی چاہیے جیسا کہ مشرک کو اس کے شرک کے عمل سے توبہ کرائی جاتی ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ''بدترین آمدنی سود کی آمدنی ہے۔'' (کافی، ج ۵، ص ۱۴۷)

رسول خداؐ فرماتے ہیں: ''جب خداوند کسی آبادی کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس میں سود خور ظاہر ہو جاتا ہے۔ (کنز العمال، ج ۴، ص ۱۰۴)

خداوند نے سود خور، سود کے ضامن، گواہ اور لکھنے والے پر لعنت کی ہے۔ (وسائل، ج ۱۲، ص ۴۳۰) حدیث میں ہے کہ سود کھانے والے قیامت کے دن دیوانوں کی طرح محشور ہونگے۔ (تفسیر در المنثور، ج ۲، ص ۱۰۲)

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام سود کے بارے میں تکرار کے ساتھ بیان ہونے والی آیات کے اسباب وعلل کے بارے میں فرماتے ہیں: ''یہ اس لیے ہے تاکہ دولت مندوں کو نیکی کے کام اور صدقات کے لیے آمادہ کیا جائے۔ کیونکہ ایک طرف تو سود حرام ہے اور دوسری طرف دولت کو ایک جگہ پر مرتکز کرنا بھی حرام ہے۔ اسی لیے دولت مندوں کے لیے راہ خدا میں خرچ کرنے اور مفید پیداواری امور میں سرمایہ لگانے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔'' (وسائل، ج ۱۲، ص ۴۲۳)

جس طرح سود کی حرمت کے اسباب کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ سود سرمایہ کو پیداواری اور عمومی منافع کے کاموں پر خرچ کرنے میں مانع ہوتا ہے اور فکر و بازو کی کمائی کی بجائے صرف سود ہی کی راہوں سے سرمایہ حاصل ہوتا ہے لہٰذا سود حرام ہے۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر سود حلال ہوتا تو لوگ تجارت کرنا چھوڑ دیتے۔ ''لو كان الربا حلالا لترك الناس التجارات'' (وسائل، ج ۱۲، ص ۴۲۴؛ بحار، ج ۱۰۳، ص ۱۱۹)

امام رضا علیہ السلام سے بھی روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''اگر سود عام ہو جائے تو قرض کی راہیں بند ہو جائیں گی۔ (الحیاۃ، ج ۴، ص ۳۳۴) اقتصادی معاملات میں کیونکہ سود کے چکر میں گرفتار ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں اس لیے ہم

حدیث میں پڑھتے ہیں کہ ''من اتجر بغیر فقه فقد ارتطم فی الربا'' جو کوئی تجارت سے متعلق فقہی مسائل جانے بغیر تجارت کرے گا وہ ضرور سود میں گرفتار ہو جائے گا۔ (نہج البلاغہ، قصار ۴۴۷)

سود کے بُرے اثرات

☆ کسی مفید کام کے بغیر اضافی رقم لینا ظلم اور بے انصافی ہے اس سے دشمنی اور سنگ دلی پیدا ہوتی ہے۔ سود ادا کرنے والا روز افزوں رقم کی ادائیگی نہ کر سکنے کی وجہ سے بعض اوقات اقتصادی دیوالیہ پن کا شکار ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مختلف قسم کی ذلتوں اور پابندیوں کو برداشت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مراغی، آیت ہذا)

سود سے معاشرتی اعتدال ختم ہو جاتا ہے جس سے معاشرہ دو طبقوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ مستکبر اور مستضعف۔ سود لینے کی وجہ سے کوئی بھی عبادت قبول نہیں ہو پاتی۔ (تفسیر المیزان)

ان تباہ کن اثرات کی وجہ سے سود کو صرف شریعت اسلام ہی میں نہیں بلکہ تمام آسمانی ادیان میں حرام قرار دیا گیا ہے۔

لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جو مختلف حیلوں بہانوں سے سود کی توجیہات پیش کرتے ہیں یا اس سے فرار کی راہیں تلاش کرتے ہیں۔ شرعی دھوکہ دہی کے طریقے اختیار کرتے ہیں۔ جیسے ہفتہ کے دن یہودیوں کا مچھلی پکڑنے کا بہانہ کرنا، جس کا ذکر گذشتہ آیات میں ہو چکا ہے۔ یہ سب کچھ کھیل تماشوں سے زیادہ کچھ نہیں ہے، قرآن پاک نے اس قسم کے کھیل تماشوں سے منع فرمایا ہے اور اس پر شدید تنقید کی ہے۔

سود کے تباہ کن اثرات اپنی جگہ پر ہیں خواہ انسانی معاشرے اسے اپنے اقتصادی نظام میں قبول کر بھی لیں۔ مغربی معاشروں کی ترقی کا سبب سائنس اور ٹیکنالوجی ہے نہ کہ سود اور سود کا کاروبار۔

پیغام:

۱۔ سود خور لوگ نفسیاتی اور روحانی طور پر متوازن نہیں ہوتے، معاشرے کو بھی معاشی توازن سے نکال دیتے ہیں۔ ''كَمَا يَقُوۡمُ الَّذِىۡ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيۡطٰنُ''

۲۔ حلال تجارت کو حرام سود کے ساتھ تشبیہ دینا، ان کے فکری عدم توازن کی علامت ہے۔ ''يَتَخَبَّطُهُ الشَّيۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَيۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا‌ ۘ''

۳۔ گناہ کی توجیہ کرنا، گناہ کو انجام دینے کا راستہ کھول دیتا ہے۔ ''اِنَّمَا الۡبَيۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا‌ ۘ''

۴۔ فرض کے عائد ہونے سے پہلے تک کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ ''فَمَنۡ جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ''

۵۔ الٰہی احکام، لوگوں کی نصیحت اور تربیت کیلئے ہوتے ہیں۔ ''جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ''

۶۔ آج کا قانون، ماضی کے لوگوں کو شامل نہیں کرتا۔ ''فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ''

۷۔ نادانستہ انجام پائے جانے والے گناہ سے چشم پوشی ہونی چاہیے۔ لیکن جانتے بوجھتے ہوئے، بری نیت کے ساتھ انجام دیے گئے گناہ اور ایسے گناہ جن پر تاکید اور اصرار کیا جا تا رہا ہو، وہ ہرگز بھی قابل معافی نہیں ہے۔ ''وَمَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ ۚ''

آیت نمبر ۲۷۶

یَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرۡبِى الصَّدَقٰتِ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيۡمٍ‏ ﴿۲۷۶﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ تعالیٰ سود کو مٹا تا ہے اور صدقات کو بڑھا تا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی گناہگار کافر کو دوست نہیں رکھتا۔

نکات:

☆ کلمہ ''یَمۡحَقُ'' کا معنی ''بتدریج کم ہونا'' ہے۔ مُحاق اس چاند کو کہتے ہیں جو مہینے کی آخری راتوں میں کم ہوتے ہوئے اس حد تک پہنچ جاتا ہے جسے دیکھا نہیں جاسکتا۔ یہ لفظ ''ربا'' کے مقابل میں ہے جس کے معنی ہیں ''تدریجی طور پر بڑھنا''۔

زیر بحث آیت میں اس بات کی یاددہانی کرائی جارہی ہے کہ سود خور، اگرچہ دولت کی جمع آوری کے لیے سود لیتا ہے لیکن مال و دولت کی بدولت جو خیر و برکت حاصل ہونی چاہیے، خداوند وہ برکت اٹھالیتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ سود کے مال کا خاتمہ ہو جائے بلکہ اس مال سے جو اہداف و مقاصد پورے کرنا ہوتے ہیں وہ پورے نہیں ہو پاتے۔ سودی نظام میں نہ تو سعادت اور محبت ہوتی ہے اور نہ ہی امن و سکون ہوتا ہے۔ بہت سے دولت مند لوگ ہیں جنہیں اپنے سودی سرمایہ سے کسی قسم کا سکون و اطمینان حاصل نہیں اور نہ ہی وہ معاشرے میں لوگوں کی محبت حاصل کر سکے ہیں۔

اس کے برعکس جس نظام میں انفاق، صدقات اور قرض حسنہ کا رواج ہے اس میں بہت زیادہ خیر و برکت ہوتی ہے۔ اس قسم کے نظام میں غریب لوگ مایوس نہیں ہوتے اور امیر لوگ مال اندوزی اور دولت کی جمع آوری سے بے نیاز اور سنگ دلی سے محفوظ رہتے ہیں۔ معاشرے کے محروم طبقات میں انتقام جوئی، چوری اور خیانت جیسی برائیوں کا تصور نہیں ہوتا اور صاحبان ثروت و دولت کو اپنے مال کی حفاظت و حراست کی ضرورت نہیں ہوتی۔ معاشرے میں ایک قسم کا توازن و اعتدال پایا جاتا ہے

جس میں محبت والفت، رحمت و مہربانی، باہمی افہام وتفہیم اور امن وسکون کا دور دورہ ہوتا ہے۔

تفسیر فخر رازی میں ہے ''جب سودخور انسانی معاشرے کے توازن واعتدال، مہر ومحبت اور عدل وانصاف کو مٹاتا ہے تو وہ خود اوراس کا مال ودولت بھی غریبوں کے لعن ونفرین کا نشانہ بن جاتے ہیں۔لوگوں کا کینہ، انتقام اور چوری کی سازشیں اسے ہر وقت خوفزدہ رکھتی ہیں اور یہی چیز اس مال کی نابودی کا ایک نمونہ ہے جس کا ذکر آیت میں آیا ہے۔

پیغام:

۱۔مال وثروت کی ظاہری نشوونما تمہاری آنکھوں کو خیرہ نہ کردے۔سود کی بنیاد پر قائم ہونے والا اقتصادی نظام تباہی و نابودی کی طرف بڑھتا ہے۔''یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا''

۲۔سودی مال کو تباہ کرنا، سنت الٰہی میں سے ہے۔''یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا'' (فعل مضارع، استمرار پر دلیل ہے۔)

۳۔صدقہ اور زکوٰۃ کا رواج پانا، اقتصادی استحکام اور ترقی کا باعث ہے۔''یُرۡبِی الصَّدَقٰتِ ؕ''

۴۔سودخور، اللہ کی محبت اور رحمت سے محروم ہے۔''وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیۡمٍ ﴿۲۷۶﴾''

۵۔سودخور، بہت ناشکرا اور گناہ گار ہے۔وہ لوگوں کے مال کو اپنے ذمے لے لیتا ہے اور جب تک ادا نہ کردے، اس کے ذمے رہتا ہے۔زندگی کو اپنے لیے حرام کرلیتا ہے۔اپنی عبادت کو باطل کردیتا ہے اور حرص، طمع اور سنگدلی کو اپنے اوپر حکمران بنالیتا ہے۔''کَفَّارٍ اَثِیۡمٍ ﴿۲۷۶﴾''

آیت نمبر ۲۷۷

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۷﴾

ترجمۃ الآیات

جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے اچھے اچھے کام انجام دیئے یعنی نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے نہ تو ان پر کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ

ہی وہ غمگین ہوں گے۔

نکات:

☆ یہ آیت سودخوروں کے مقابلے میں کہ جو ''کَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾'' ہیں، مومنین کی تصویر کشی کر رہی ہے جو نیک اعمال انجام دیتے ہیں، نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ معاشرے سے سودی نظام کے خاتمہ کیلئے ایمان، عمل صالح، نماز کا قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے۔

لوگوں کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیئے ہیں ایسے لوگوں کو ''مومن'' کہا جاتا ہے۔

۲۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو نہ ایمان لائے اور نہ ہی اعمال صالح انجام دیئے ہیں، ایسے افراد کو ''کافر'' کہا جاتا ہے۔

۳۔ بعض لوگ وہ ہیں جو ایمان تو لے آئے ہیں لیکن اعمال صالح نہیں لائے، ایسے افراد ''فاسق'' ہیں۔

۴۔ بعض ایسے افراد ہیں جو ایمان نہیں لائے لیکن ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور ظاہر میں نیک اعمال انجام دیتے ہیں۔ یہ لوگ ''منافق'' ہیں۔

☆ اگر سودخور، خدا اور لوگوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں تو دوسری طرف کچھ اہل ایمان لوگ بھی ہیں جو نیک اعمال انجام دیتے ہیں، نماز کے ذریعے خدا سے رابطے میں ہوتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرنے کے ذریعے لوگوں سے جڑے رہتے ہیں۔

پیغام:

۱۔ اسلام، عبادی و فردی مسائل کے ساتھ ساتھ اقتصادی اور عوامی مسائل پر بھی توجہ رکھتا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کو اکھٹا ذکر کیا گیا ہے۔ ''اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ''

۲۔ عمل صالح کے بعد نماز اور زکوٰۃ کا ذکر، اس بات کی علامت ہے کہ نیک اور شایستہ کاموں میں ان دو کا الگ حساب ہے۔ ''عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ''

۳۔ نیک کام کرنے والوں کی تعریف و تمجید کرنا اور بدکاروں کو تنبیہ کرنا، ایک تربیتی اصول ہے۔ ''لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ''

۴۔ ذہین وہ ہے جو اپنے حساب کتاب میں صرف آج ہاتھ میں موجود چیز کو نہیں دیکھتا بلکہ مستقبل کو نگاہ میں رکھے اور خدا تعالیٰ کے پاس جو اس کا ذخیرہ ہے اسے بھی مدنظر رکھے۔ ''عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ''

۵۔ جو مومنین عمل صالح انجام دیتے ہیں اور نماز و زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، ان پر خدا تعالیٰ کی خاص نظر کرم ہوتی ہے۔ کلمہ

''رَبِّهِمۡ'' اس کے خاص لطف وکرم کی دلیل ہے۔

۶۔الٰہی وعدے، نیک اعمال کیلئے ترغیب ہیں۔''لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‌ ۚ''

۷۔حقیقی امن وسکون صرف ایمان، نیک اعمال، خدا کے ساتھ رابطہ اور لوگوں کے ساتھ تعلق رکھنے میں ہے۔'' لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ''

۸۔امن وامان کے اسباب میں سے ایمان، عمل صالح، نماز اور زکوٰۃ ہے۔''اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‌ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ‏ ﴿۲۷۷﴾''

آیت نمبر ۲۷۸

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوۡا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ‏ ﴿۲۷۸﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور تمہارے سود (کے مطالبات) میں سے جو باقی بچ گیا ہے اسے جانے دو! اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

نکات:

☆ گذشتہ آیات میں سود کی تباہ کاریوں کے بارے میں ذکر ہوا، کہ سود فرد اور معاشرے کا توازن بگاڑ دیتا ہے اور دیوانوں جیسی حالت بنا دیتا ہے۔''يَتَخَبَّطُهُ الشَّيۡطٰنُ'' یہ واضح ہوگیا کہ سود اصل میں کم ہونا ہے زیادہ ہونا نہیں۔''يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا'' اب سود کو بطور کلی منع کر دیا گیا ہے۔''ذَرُوۡا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰٓوا''

☆ مجمع البیان، المیزان اور مراغی جیسی تفسیروں میں ہے کہ جب سود کو حرام قرار دینے والی آیت نازل ہوئی تو خالد بن ولید، عباس اور عثمان جیسے کچھ صحابہ جو سودی لین دین کرتے تھے، ان کی کچھ رقم لوگوں کے ذمہ باقی تھی۔ چنانچہ انہوں نے حضور پاکؐ سے اس بارے میں سوال کیا کہ اس رقم کا کیا کریں؟ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: میرے چچا جناب عباس بھی سود کی رقم کو طلب کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ سب سے پہلے میرے اپنے رشتہ دار سود کے کام سے ہاتھ کھینچ لیں۔ اسی طرح آپؐ نے ایک خطبہ میں فرمایا: ''وکل ربا فی الجاھلیۃ موضوع تحت قدمی ھاتین واول ربا اضع ربا العباس'' زمانہ جاہلیت کے ہر طرح کے سود کو پاؤں

کے نیچے رکھتا ہوں، خاص طور پر اپنے چچا عباس کے سودی معاملے کو آج سے ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ (تفسیر فی ظلال القرآن)

پیغام:

۱۔سودخوری، زمانہ جاہلیت کی رسومات میں سے ایک ایک تھی، صدر اسلام کے مسلمان بھی اس عادت میں آلودہ تھے۔ ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوۡا''

۲۔تقویٰ، ایمان کے بعد ایک مرحلہ سے بعد کا ایک مرحلہ ہے۔ ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ''

۳۔سودخور، فائدے کا مالک نہیں بنتا، اسلام سود کے ذریعے حاصل ہونے والے فائدے کو باطل قرار دیتا ہے۔'' ذَرُوۡا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا''

۔ایمان اور تقویٰ کا لازمہ یہ ہے کہ مال حرام سے بچا جائے۔ ''اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ﴿۲۷۸﴾''

آیت نمبر ۲۷۹

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ۚ وَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَكُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِكُمۡ ۚ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ﴿۲۷۹﴾

ترجمۃ الآیات

پس اگر ایسا نہ کیا تو (جان لو کہ) تم نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اعلان جنگ کر دیا ہے ۔اور اگر توبہ کر لو تو اصل سرمایہ تمہارا ہے، (اس صورت میں) نہ تم نے کسی پر ظلم کیا اور نہ تم پر کوئی ظلم ہوا۔

نکات:

☆ اسلام میں سود کا معاملہ، اس سے حاصل ہونے والا فائدے، کسی کو تجارتی دھوکہ دہی اور لوگوں کے مال کو یک طرفہ ہڑپ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بعض غیر اسلامی مالی نظام انسان کی ذاتی مالیت کو ختم کر کے اس کے تمام اموال کو ضبط کر لیتے ہیں ۔بعض دوسرے نظاموں میں بھی استعمار ہے، سود ہے اور کسی نہ کسی طرح دوسروں کا مال ہتھیانے کی کھلی چھٹی ہے۔

پیغام:

۱۔سود کھانے والے اور سودی کاروبار کرنے والے کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ خدا کے ساتھ حالت جنگ میں ہے کہ ایک طرف وہ (ضعیف وذلیل) سودخور انسان ہے اور اس کے مقابل میں خداوند قہار وجبار ہے۔''فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ''

۲۔سود خوری گناہ کبیرہ ہے کیونکہ خداوند کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔''بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ''

۳۔سود خور یہ نہ سمجھے کہ اس کا مقابلہ لوگوں کے ساتھ ہے بلکہ خدا تعالیٰ محروموں کے حق کیلئے سامنے کھڑا ہے اور ان کے حق کا دفاع کر رہا ہے۔''بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ''

۴۔اللہ سے جنگ کرنے والوں کیلئے بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔''بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۔۔۔وَاِنْ تُبْتُمْ''

۵۔سودخور صرف اصل سرمایہ کا مالک ہے،اس سے حاصل ہونے والے فائدے کا مالک نہیں ہے۔''فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ''

۶۔محروم افراد کی نجات کیلئے لوگوں کی اصل ملکیت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، شخصی ملکیت کو اسلامی اقتصار میں قبول کیا گیا ہے۔''فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ''

۷۔تسلط کو قبول کرنا بھی قابل مذمت ہے جس طرح تسلط جمانا قابل مذمت ہے۔یعنی نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ ہی کسی کا ظلم سہو برداشت کرو۔''لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴿۲۷۹﴾''

۸۔انتقام منع ہے۔توبہ کرنے والے سود خور پر بھی کوئی ظلم نہیں ہونا چاہیے۔''فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴿۲۷۹﴾''

۹۔توبہ کرنے والے افراد پر،ان کے گذشتہ برے کاموں کی وجہ سے ظلم نہیں ہونا چاہیے۔جو لوگ پہلے برے کام کرتے رہے ہیں ان کی بار بار سرزنش نہیں کرتے رہنا چاہیے۔''وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴿۲۷۹﴾''

۱۰۔اقتصادی عدالت کو برقرار کرنا،اسلامی حکومت کا فرض ہے۔''لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴿۲۷۹﴾''

آیت نمبر ۲۸۰

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۲۸۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر (مقروض) قرضہ ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اسے کچھ مدت تک مہلت دو اور وہ ادائیگی کرنے کے قابل نہ ہو تو اگر اسے بخش دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم (اس کے نتائج کو) جانتے ہو۔

نکات:

☆اس نکتے کی یاد دہانی بہت ضروری ہے کہ اگر چہ اس آیت میں یہ تاکید کی گئی ہے کہ مقروض کو مہلت دینی چاہیے لیکن مقروض کو بھی اس رعایت سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے کہ وہ کسی معقول عذر کے بغیر قرضے کی ادائیگی میں تاخیر کرے اور اگر وہ ایسا کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو لوگ کسی (معقول) عذر کے بغیر اپنے ذمہ واجب الادا قرض کو ادا نہیں کرتے ان کے نام چوری کا گناہ لکھا جاتا ہے جیسے مقروض کو مہلت دینے والوں کے لیے شہید کے برابر ثواب لکھ دیا جاتا ہے ۔اس کے علاوہ مہلت دینے والے قرض خواہ کے حساب میں اس رقم کے برابر صدقہ کا ثواب بھی لکھ دیا جاتا ہے، جتنی مرتبہ وہ مہلت دے گا اتنی مرتبہ صدقہ کا ثواب لکھا جائے گا۔ (تفسیر برہان)

☆نادار مقروض افراد کو معاف کرنا اور مہلت دینا، آپ کیلئے بہتر ہے، کیونکہ:

الف: شاید آئندہ تمہارے لیے بھی ایسے حالات پیدا ہو جائیں۔

ب: مال و دولت کا معاملہ بھلایا جاسکتا ہے لیکن کسی نادار فرد کو معاف کرنا نہیں بھلایا جا سکتا ہے۔

ج: کسی محروم، غریب و نادار کا دل جیتنا اور خدا تعالیٰ کی خشنودی حاصل کرنا، ہر قسم کے فائدے سے بہتر ہے۔

☆فقہی احکام کے مطابق کسی نادار مقروض کو قید کرنا ممنوع ہے اور بعض ایسی صورتیں بھی ہیں کہ اگر مقروض انسان صحیح معنوں میں ادائیگی کے قابل نہیں ہے تو اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس کا قرض ادا کرے۔

پیغام:

۱۔اسلام، پسے ہوئے غریب افراد کی حمایت کرتا ہے۔''وَاِنۡ كَانَ ذُوۡ عُسۡرَةٍ''

۲۔غریب و نادار افراد سے صرف یہ ہی نہیں کہ سود نہ لو بلکہ اصل سرمایہ یا رقم بھی واپس لینے میں نرم رویہ رکھو۔''فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيۡسَرَةٍ ؕ''

۳۔اصل مال کے واپس کرنے کی مدت کا انحصار مقروض کی طاقت و وسعت پر ہے۔''فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيۡسَرَةٍ ؕ''

۴۔ایسے مقروض فرد کو قرض کی واپسی کیلئے مجبور کرنا جو قرض ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

''كَانَ ذُوۡ عُسۡرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيۡسَرَةٍ ؕ''

۵۔ نادار مقروض کو معاف کرنا، صدقہ ہے۔ ''وَاَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ''

۶۔ اسلام کے اقتصادی وحقوقی نظام میں اخلاقیات کا گہرا عمل دخل ہے۔ بے شک کہ قرض واپس لینا ایک حق ہے لیکن مہلت دینے یا نادھندہ کو معاف کردینے کے بارے میں بھی مقروض شخص کے حالات کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ ''فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيۡسَرَةٍ ؕ وَاَنۡ تَصَدَّقُوۡا''

۷۔ انسان کی محدودیت اور دولت سے محبت، انسان کو اقدار کی حقیقت اور کمالات تک نہیں پہنچنے دیتی۔ ''اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ﴿۲۸۰﴾''

آیت نمبر ۲۸۱

وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِيۡهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ﴿۲۸۱﴾

ترجمة الآيات

اور اس دن سے ڈرو جس میں تم خدا کے حضور لوٹائے جاؤ گے، ہر شخص نے جو کچھ کمایا ہوگا کسی کمی بیشی کے بغیر وہ اسے وہاں حاصل کرلے گا اور ایسے لوگوں پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا۔

نکات:

☆ یہ آیت سود کی آیات کے سلسلے کی آخری آیت ہے جس میں تمام مسائل کو خلاصے اور عمومی تنبیہ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ تفسیر کشاف، المیزان، مجمع البیان، تفسیر فخر رازی اور البرہان وغیرہ میں ہے کہ یہ آخری آیت ہے جو حضرت رسولخداؐ پر نازل ہوئی ہے لیکن خود حضورؐ ہی کے حکم کے مطابق اسے اس مقام پر لکھا گیا ہے۔ روایات میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے اکیس روز بعد حضرت رسولخداؐ نے رحلت فرمائی ہے۔

پیغام:

۱۔ قیامت ایک اہم دن ہے، ''يَوۡمًا'' پر تنوین، اس کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔سود لینا اور دنیا حاصل کر لینا، آسان اور زود گذر ہے، جو چیز باقی رہنے والی اور ابدی ہے وہ قیامت ہے۔ ''وَاتَّقُوْا يَوْمًا''

۳۔تقویٰ اور قیامت کی یاد، سود اور دیگر محرمات سے دور رہنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ''وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ''

۴۔اسلام کے اقتصادی نظام کے صحیح نفاذ میں لوگوں کے ایمان اور تقویٰ کا بہت زیادہ عمل دخل ہوتا ہے۔ ''وَاتَّقُوْا يَوْمًا''

۵۔دنیا کے معاملات میں کمی بیشی کا امکان ہے لیکن خدا کے ساتھ معاملہ میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ ''تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ''

۶۔انعام اور جزا کا معیار، عمل ہے آرزو نہیں ہے۔ ''مَّا كَسَبَتْ''

۷۔اپنے انفاق کرنے اور سودی منافع کے حاصل ہونے پر پریشان نہ رہو کیونکہ تمہارے نیک اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ ہوگا۔ ''تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾''

آیت نمبر ۲۸۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْــًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا

الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْــَٔمُوْۤا اَنْ
تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ
وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً
تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ
وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ۬ وَاِنْ
تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

ترجمۃ الآیات

اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو! جب تم ایک مقررہ مدت کے لیے آپس میں قرض کا کوئی معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو چاہیے کہ وہ (معاملے کی سند کو) عدل و انصاف کے ساتھ (ٹھیک ٹھیک) لکھے اور جو لکھنے کی قدرت رکھتا ہے اسے لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ جس طرح خدا نے اسے لکھنا پڑھنا سکھایا ہے اسی طرح اسے بھی (خدا کی مہربانی اور عنایت کے لحاظ میں) لکھ دینا چاہیے۔ جس کے ذمہ قرض عائد ہوتا ہے اسے چاہیے کہ وہ لکھواتا جائے (اور لکھنے والا اسے لکھتا جائے) اور خدا سے ڈرتا رہے اور کسی چیز کی کمی نہ کرے۔ اگر قرض لینے والا کم عقل یا (عقلی طور پر) کمزور یا (گونگا ہونے کی وجہ سے) لکھوا نہ سکتا ہو (تو ضروری ہے کہ اس کی بجائے) اس کا ولی عدل و انصاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے (مال کی مقدار اور مدت) لکھوا دے۔ (اس حق پر) اپنے لوگوں میں سے دو مردوں کو گواہ ٹھہرا لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں منتخب کرو، جن پر تم راضی ہو۔ تا کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسرا اسے یاد دلائے۔ جب ان گواہوں کو گواہی کیلئے بلایا جائے تو وہ حاضر ہونے سے انکار نہ کریں اور قرض کا معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، اس کی مقررہ

مدت کے لکھنے میں سستی نہ کرو۔ (جو کچھ ہے لکھ لیا کرو) خدا کے نزدیک یہ (لکھا پڑھی) بہت ہی منصفانہ کاروائی اور گواہی کے لیے مضبوطی ہے تا کہ تم آئندہ کسی شک وشبہ میں نہ پڑو۔ مگر جب تجارت اور لین دین، نقد ہو، جو تم لوگ آپس میں کرتے ہو، تو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور جب (نقد) خرید وفروخت کرتے ہو تو (پھر بھی) گواہ کرلیا کرو اور کاتب کو اور گواہ کو (حق گوئی کی وجہ سے) ضرر نہ پہنچایا جائے۔ (اور نہ ان پر کسی قسم کا دباؤ ڈالا جائے) اگر ایسا کرو گے تو خدا کی فرمانبرداری سے خارج ہو جاؤ گے۔ خدا سے ڈرو کہ خدا تم کو (معاملہ صاف رکھنے کی) تعلیم دیتا ہے۔ اور خداوند ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

نکات:

☆ مذکورہ آیت قرآن پاک کی سب سے بڑی آیت ہے۔ اس میں کچھ قانونی مسائل بیان کئے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ تجارتی اور کاروباری اسناد کو کس لئے مرتب کیا جاتا ہے۔ یہ اسلام کا ایک معجزہ ہے جو اس کی باریک بینی اور جامعیت کی ایک دلیل ہے کہ اس نے جاہلیت کے دور اور پسماندہ لوگوں میں قانونی مسائل کو پیش کیا ہے۔

☆ ''تَدَايَنْتُمْ'' کا لفظ ''دین'' سے ہے، جس کے معنی ''قرض'' ہے۔ اس میں ہر غیر نقدی معاملہ، قرض اور خرید سَلَف شامل ہے۔

☆ حدیث میں آیا ہے کہ ''اگر کوئی شخص لین دین میں تحریر اور گواہ کا اہتمام نہ کرے اور اس کے مال کے تلف ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو اگر وہ خدا سے اس بارے میں دعا کرے تو خدا اس کی دعا کو قبول نہیں کرتا بلکہ فرماتا ہے کہ تو نے میرے حکم پر عمل کیوں نہیں کیا؟!!'' (کنز الدقائق، ج ۲، ص ۴۶۷)

☆ اگر کسی کے شخصی حقوق کی حفاظت ضروری ہے تو بیت المال کی حفاظت اس سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔

☆ نقد کے معاملات میں تحریر اور نظم وضبط کی پابندی اچھی بات ہے لیکن ادھار کے معاملات میں اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ میعادی لین دین کے بارے میں ممکن ہے کہ معاملہ کا کوئی طرف یا گواہ اس دنیا سے رخصت ہو جائے یا بھول جائے لہٰذا ضروری ہے کہ تحریر کی پابندی اختیار کی جائے۔

☆ لکھنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے، تحریر کردہ سند، عادل گواہوں کے ساتھ قابل قبول ہے، جسے دلیل کے طور پر کہیں بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔

☆ اس آیت سے استفادہ ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے کے تمام افراد کو ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت اور حمایت کرنی چاہیے، کیونکہ ہر معاملہ میں لکھنے والے اور گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

☆ پورے جزیرۃ العرب میں جب پڑھے لکھے افراد کی تعداد صرف ۱۷ عدد تھی، اس وقت میں لکھنے کے بارے میں اس قدر تاکید، اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام علم حاصل کرنے اور دوسروں کے حقوق کی حفاظت پر بہت زیادہ توجہ دیتا ہے۔

پیغام:

۱۔ ایمان، احکام پر عمل کرنے کا مقدمہ ہے۔ ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا'' کا خطاب، احکام پر عمل کرنے کی ترغیب ہے۔

۲۔ قرض کی واپسی کیلئے مدت کو واضح طور پر معین کرنا چاہیے۔ ''اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی''

۳۔ ایک دوسرے پر اعتماد اور حسن نیت کو باقی رکھنے کیلئے طرفین کے روحانی طور پر سکون کی خاطر، بھول چوک سے بچنے کیلئے، بدنیتی اور انکار سے بچنے کیلئے ہر طرح کے لین دین کو لکھ لینا چاہیے۔ ''فَاکْتُبُوْهُ''

۴۔ مزید اطمینان اور معاہدے میں فریقین کی امکانی مداخلت سے بچنے کیلئے یہ معاہدہ فریقین کی موجودگی میں تیسرا شخص لکھے۔ ''وَلْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ کَاتِبٌ''

۵۔ لکھنے والا حق بات کو دیکھتے ہوئے جو بات حقیقت ہے اسے لکھے۔ ''بِالْعَدْلِ'' لکھنے والے کے انتخاب میں شرط یہ ہے کہ اس کے قلم میں عدل ہو۔

۶۔ جو علم اور ہنر خدا تعالیٰ نے ہمیں سکھایا ہے اس کے شکرانے کے طور پر ہم مسائل کو حل کریں۔ ''وَلَا یَاْبَ کَاتِبٌ اَنْ یَّکْتُبَ کَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ''

۷۔ علم و ہنر کے مالک افراد پر خاص اور اہم ذمہ داریاں ہیں۔ جس کے پاس قلم ہے اسے چاہیے کہ لوگوں کیلئے لکھے۔ ''وَلَا یَاْبَ کَاتِبٌ اَنْ یَّکْتُبَ''

۸۔ جس کے ذمے قرض ہے وہ معاہدے کی تحریر کو لکھوائے اور کاتب لکھے، جس نے قرض لینا ہے اس کے دعوے کو نہ لکھا جائے۔ ''وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ''

۹۔ انسان کا اپنے خلاف اقرار، قابل قبول ہے۔ ''وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ''

۱۰۔ قرض دینے والے کو معاہدے کی املا تحریر کرتے وقت خدا تعالیٰ کو یاد رکھے، کسی بات کو بھول نہ جائے، قرض کی تمام خصوصیات کو یاد رکھے۔ ''وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ''

۱۱۔ قانون ایسا مرتب ہونا چاہیے جس میں کمزور کا حق ضائع نہ ہو۔ اگر مقروض کم عقل، ضعیف، نادار، گونگا ہو تو اس کے سرپرست کو چاہیے کہ معاہدے کی تحریر بول کر لکھوائے اور کاتب لکھے۔ ''فَاِنْ کَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ هُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ''

۱۲۔ کم عقل اور کمزور لوگ اجتماعی معاملات میں سرپرست کے محتاج ہیں۔ ''فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ''

۱۳۔محروم اور پسے ہوئے طبقوں کی طرف سرپرست و ذمہ دار حضرات کی توجہ ضروری ہے ''فَلْيُمْلِلْ '' یہ امر کا صیغہ اس کام کے ضروری ہونے پر دلیل ہے۔

۱۴۔گواہ بننے اور گواہی دینے میں مردوں کو خواتین پر ترجیح حاصل ہے۔''شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ''

۱۵۔گواہ عادل ہوں اور فریقین ان سے مطمئن اور راضی ہوں۔''مِمَّنْ تَرْضَوْنَ ''

۱۶۔مردوں میں سے ہر کوئی اکیلا ایک گواہ ہوسکتا ہے۔لیکن اگر ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں تو دو عورتوں کی گواہی مل کر ایک گواہی ہوگی۔تاکہ اگر ایک غلطی یا لغزش کرے تو دوسری اسے یاددہانی کروادے۔''فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا ''

ایک مرد کی جگہ پر دو عورتوں کی گواہی اس لیے مقرر کی گئی ہے کہ عورتوں میں خوش مزاجی اور نرمی کا مادہ پایا جاتا ہے یا پھر اس لیے کہ عام طور پر عورتیں مالی اور اقتصادی امور میں کم دلچسپی لیتی ہیں اور ان کا ایسے امور سے بہت کم واسطہ پڑتا ہے۔

۱۷۔اگر آپ کو گواہ بننے کے لیے کہا جائے تو اس سے انکار نہ کریں۔اگرچہ بغیر دعوت کے گواہ بننا واجب نہیں ہے۔'' وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ''

۱۸۔معاہدے میں طے پانے والی رقم اہم نہیں ہے بلکہ اس میں اطمینان اور لوگوں کے حق کی حفاظت اہم ہے۔'' وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا ''

۱۹۔معاہدے کی تحریر کو عدل وانصاف کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، دقیق طور پر لکھنے کے تین فائدے ہیں:

الف: عدل کے نفاذ کی ضمانت ہے۔''اَقْسَطُ ''

ب: گواہ گواہی دینے میں بے خوف رہیں گے۔''اَقْوَمُ ''

ج: معاشرے میں بدگمانی پیدا نہ ہوگی۔''اَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا ''

۲۰۔اگر لوگوں کو کسی بات کے فائدے، راز اور احکام واضح طور پر بتادیے جائیں تو، اسے قبول کرنا آسان ہوتا ہے۔ ''ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ ۔۔۔''

۲۱۔معاہدہ تحریر کرنے کے سلسلے میں آج وقت کا ضائع ہونا، کل کے فتنہ و فساد اور اختلاف سے بہتر ہے۔''اَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا ''

۲۲۔نقد کے لین دین میں تحریر کرنا ضروری نہیں ہے۔''اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً ''

۲۳۔نقد کے معاملہ میں چاہے تحریر ضروری نہیں ہے لیکن پھر بھی کسی کو گواہ بنا لینا اچھا ہے۔''فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ''

۲۴۔کاتب اور گواہ دونوں امان میں ہیں۔فریقین میں سے کسی کو انہیں حق لکھنے اور حق بیان کرنے پر نہ ڈرانا دھمکانا چاہیے اور نہ انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچانی چاہیے۔''لَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ''

۲۵۔ اگر گواہی دینے اور تحریر لکھنے میں زیادہ وقت خرچ ہوتا ہو یا کئی ایک مشکلات کا سامنا ہوتا ہو تو ایسی صورت میں گواہ اور کاتب کی مالی معاونت ہونی چاہیے ورنہ دونوں کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔ ''وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ''

۲۶۔ کاتب اور گواہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ معاہدے کی تحریر کو اس طرح منظم کریں کہ فریقین میں سے ایک کو اس کا نقصان اٹھانا پڑے۔ ''لَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ''

۲۷۔ معاہدے میں کسی قسم کی خرابی، جس کی طرف سے بھی ہو وہ گناہ ہے۔ ''فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ''

۲۸۔ کاتب اور گواہ لوگوں کے حقوق کی سرحدوں کے محافظ ہیں، اس حد کو پار کرنا حقوق کی خلاف ورزی اور فسق ہے۔ ''فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ''

۲۹۔ پاک و پاکیزہ دل اور متقی قلب آئینے کی طرح علوم و حقائق کو اپنے اندر منعکس کر لیتا ہے۔ ''وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ''

۳۰۔ خداوند تعالیٰ تمہاری مادی اور معنوی تمام ضروریات کو جانتا ہے۔ اسی بنیاد پر وہ ہر حکم اور قانون کو تمہارے لیے بیان فرماتا ہے۔ قانون بنانے والے کو چاہیے کہ اس کے پاس بہت گہری اور وسیع معلومات ہوں۔ ''وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾''

آیت نمبر ۲۸۳

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والے کو نہ پاؤ تو یا قبضہ رہن رکھ لو (ایسا رہن جو قرض دینے والے کے اختیار میں ہو) اور اگر تم میں سے ایک کو دوسرے پر (مکمل) اطمینان ہو تو (پھر رہن ضروری نہیں، ویسے ہی قرض دے سکتا ہے۔) جس شخص پر اطمینان کیا گیا ہے (قرض لینے

والا اور رہن کے بغیر چیز لینے والا) اپنی امانت (اور قرضے کو بروقت) ادا کرے اور اپنے پالنے والے خدا سے ڈرے ۔ گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی کو چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہے اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو خدا اس کو (بخوبی) جانتا ہے ۔

نکات:

☆ اگر کبھی قرض کا معاہدہ لکھنے کیلئے کوئی لکھنے والا نہ ملے تو قرض لینے والے شخص سے کچھ بطور امانت لیا جاسکتا ہے ۔ چاہے آپ سفر میں ہوں یا نہ ہوں، اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہے ۔ ''اِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ '' کا جملہ اس لیے ہے کہ عام طور پر انسان سفر میں مشکلات سے دوچار ہوتا ہے ۔ جیسے یہ جملہ کہ ''اذا حضر احدكم الموت الوصية '' یعنی جب تم میں سے کسی کے پاس موت آئے تو وصیت کرو ۔ ہم جانتے ہیں کہ صرف موت کے وقت وصیت کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ پہلے سے وصیت کر دینی چاہیے ۔ لیکن انسان کی آخری وصیت اس کی موت کے وقت ہوسکتی ہے ۔

پیغام:

۱ ۔ رہن کی شرط، اس پر قبضہ حاصل کرنا اور اس پر اختیار حاصل کرنا ۔ ''مَّقْبُوْضَةٌ ''

(امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ''لا رهن الا مقبوضة '' رہن، قبضہ کے بغیر نہیں ہوسکتا ۔ تہذیب، ج ۷، ص ۱۷۶)

۲ ۔ کسی کام کو اچھے اور پائیدار طریقہ پر کرنا برا نہیں ہے ۔ قرض کے بدلے میں کچھ رکھ لینا غلط نہیں ہے ۔ ''فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ ''

۳ ۔ ہر فرد کے اعتبار سے فیصلہ مختلف ہوسکتا ہے ۔ جسے آپ نہیں جانتے اس سے رہن یا کسی اور چیز کا مطالبہ کر سکتے ہیں لیکن جن افراد پر آپ کو اطمینان ہے، انہیں بغیر کسی شرط کے بھی مال دے سکتے ہیں ۔ ''فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ ۔۔۔ ''

۴ ۔ معاملات میں اپنا اعتبار اور دوسرے کا اطمینان ختم نہ ہونے دیں ۔ ''فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ '' رہن کا مقصد صرف اطمینان حاصل کرنا ہے، اگر رہن کے بغیر اطمینان حاصل ہو جائے تو اس کی ضرورت نہیں ہے ۔

۵ ۔ جن افراد کو عوام کے حقوق سے آگاہی ہے وہ مظلوموں کے حقوق پر ذمہ دار ہیں ۔ ''وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ ''

۶ ۔ جہاں حق کا بیان واظہار ضروری ہے وہاں خاموشی حرام ہے ۔ ''وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ ''

۷ ۔ انسان کی اندرونی گمراہی، اس کیلئے بیرونی گمراہی کا موجب ہوتی ہے ۔ گناہگار دل، حقیقت کو چھپانے کا ذریعہ بنتا ہے ۔ ''وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ ''

۸ ۔ اس بات پر ایمان کہ خدا تعالیٰ ہمارے تمام اعمال سے آگاہ ہے، تقویٰ کا باعث ہے اور حق بیان کرنے کا موجب ہے ۔ ''وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۲۸۳ ''

آیت نمبر ۲۸۴

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

ترجمۃ الآیات

جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب خدا ہی کے لیے ہے۔ (اسی لیے) جو تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ، خدا تم سے اسی کے مطابق حساب لے گا، پھر جس کو چاہے گا (اگر اس میں بخشے جانے کی اہلیت ہے تو) بخش دے گا اور جسے چاہے گا (اگر وہ سزا پانے کا مستحق ہوگا تو اسے) عذاب کرے گا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

نکات:

☆ علامہ طباطبائی تفسیر المیزان میں کہتے ہیں: انسان کی قلبی حالت دو طرح سے ہے، ایک یہ کہ کوئی بات دل میں پیدا ہوتی ہے اور انسان کے اختیار کے بغیر ذہن تک پہنچ جاتی ہے اور اس پر انسان کا بس نہیں چلتا اور نہ ہی اس کے بارے میں انسان کوئی فیصلہ کر پاتا ہے۔ پس ایسے خیالات جو غیر اختیاری طور پر دل و دماغ میں اٹھتے ہیں گناہ شمار نہیں کیے جاتے کیونکہ وہ ہمارے بس میں نہیں ہوتے۔

لیکن روح کے ایسے حالات جو انسان کے برے اعمال کا سرچشمہ بن جاتے ہیں اور ہماری روح کی گہرائیوں میں ان کی جڑیں سرایت کر چکی ہوتی ہیں ان پر مواخذہ کیا جائے گا۔

☆ ممکن ہے کہ اس سے ایسے گناہ مراد ہوں جن کا ذاتی طور پر اندرون قلب سے تعلق ہوتا ہے اور قلب کا عمل کہلاتے ہیں۔ مثلاً کفر اور حق کا چھپانا وغیرہ نہ کہ ایسے مقامات جہاں گناہ کی نیت گناہ کا مقدمہ بن جاتی ہے۔

☆ انسان اپنے روحی، نفسیاتی حالات اور ارادوں کا ذمہ دار ہے۔ یہ مطلب متعدد بار قرآن پاک میں بیان ہوا ہے۔

منجملہ:

''یُؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ ط ''خداوند اس چیز پر محاسبہ کرے گا جو تمہارے دل نے کمایا کی ہے۔(بقرہ ۲۲۵۔)

''فَاِنَّہٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُہٗ ط ''بے شک حق چھپانے والے کا دل گنہگار ہے۔(بقرہ۔ ۲۸۳)

''اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا ؀ ''بے شک کان، آنکھ اور دل ہر ایک سے سوال کیا جائے گا۔(اسراء۔۳۶)

''اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ لا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ط '' گناہ کے پھیلنے یا پھیلانے پر قلبی طور پر راضی ہونا اور مومنین کے درمیان فساد پر راضی ہونا، دنیا وآخرت میں عذاب کا باعث ہے۔(نور۔۱۹)

☆ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: لوگوں کو ان کی نیت اور ان کے افکار کی بنیاد پر سزا دی جائے گی۔(نہج البلاغہ، خ ۷۵)

پیغام:

۱۔ خدا تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے، وہ مالک مطلق ہے؛ ''للہ ما فی السموات وما فی الارض'' وہ ہر چیز سے آگاہ ہے، وہ عالم مطلق بھی ہے؛ ''وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ'' وہ قادر مطلق بھی ہے۔ ''وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ؀ ''

۲۔ برتن سے وہ چیز وہی ٹپکتی ہے جو اس میں ہو۔ انسان کے اعمال اس کی طرز فکر کے انداز فکر اور اندرونی اعتقادات کا اظہار ہوتے ہیں۔ ''تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ''

۳۔ تربیت کرنے والے کو چاہیے کہ لوگوں کو خوف اور امید کی درمیانی کیفیت میں رکھے۔ ''فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ''

آیت نمبر ۲۸۵

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ قف لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ قف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ق غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ؀

ترجمۃ الآیات

پیغمبر اس پر ایمان رکھتے ہیں جو کچھ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ (وہ ایسے راہبر و راہنما ہیں جو اپنی تمام باتوں پر قلبی ایمان رکھتے ہیں) اور مومنین (بھی) سب کے سب خدا، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں) ہم خدا کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے (سب پر ایمان رکھتے ہیں) اور (یہ بھی) کہتے ہیں کہ ہم نے (حق کی آواز کو) سنا اور اطاعت کی۔ پروردگارا! (ہم) تیری مغفرت (کے طلبگار ہیں) اور (ہماری) بازگشت تیری ہی طرف ہے۔

نکات:

☆ اس آیت میں اصول دین (توحید، نبوت، معاد) کو بیان کیا گیا ہے اور بعد والی آیت میں خدا کے احکام پر عمل کیلئے انسان کی آمادگی اور خدا تعالیٰ سے اس کی مغفرت اور رحمت کی درخواست کا ذکر آیا ہے۔ لہٰذا حدیث میں ہے کہ ان دو آیات کو خاص اہمیت حاصل ہے اور ان کی تلاوت خزانہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

☆ ہر پیغمبر کی عزت و توقیر لازمی ہے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حساب دوسروں سے الگ ہے۔ اس لیے مذکورہ آیت میں پہلے رسول اکرمؐ کا ذکر کیا گیا ہے پھر مومنین اور ان کے عقائد کا ذکر ہے۔

پیغام:

۱۔ دین و مذہب کا نمائندہ اور اس پر سب سے پہلے اور سب سے زیادہ عمل کرنے والا ان کا راہبر ہوتا ہے۔ ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ''

۲۔ دین کی تبلیغ کرنے والوں کو چاہیے کہ جس بات کی وہ تبلیغ کر رہے ہیں خود اس پر یقین رکھیں۔ ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ''

۳۔ آسمانی کتب کا نزول، انسانوں کی تربیت اور ہدایت کیلئے ہے۔ ''مِنْ رَّبِّہٖ''

۴۔ تمام انبیا پر ایمان ضروری ہے کیونکہ سارے انبیا کا مقصد ایک ہے۔ ''کُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ''

۵۔ الٰہی مغفرت کے حصول کیلئے ایمان و عمل کا ہونا ضروری ہے۔ ''سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا''

۶۔ ایمان و عمل کے ساتھ ساتھ انسان کو اللہ کی رحمت اور مغفرت کی امید لگائے رکھنا چاہیے۔ ''سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا''

۷۔ معاف کر دینا، شان الٰہی ہے، اس میں انسان کی تربیت کے مواقع ہیں۔ ''غُفْرَانَكَ رَبَّنَا''

آیت نمبر ۲۸۶

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا ؕ لَہَا مَا کَسَبَتۡ وَ عَلَیۡہَا مَا اکۡتَسَبَتۡ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تَحۡمِلۡ عَلَیۡنَاۤ اِصۡرًا کَمَا حَمَلۡتَہٗ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ ۚ وَ اعۡفُ عَنَّا ٝ وَ اغۡفِرۡ لَنَا ٝ وَ ارۡحَمۡنَا ٝ اَنۡتَ مَوۡلٰىنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۸۶﴾

ترجمۃ الآیات

خداوندکریم کسی کواس کی طاقت سے زیادہ تکلیف (فرائض) نہیں دیتا، جو (اچھے) کام انجام دے گا وہ خود اپنے ہی فائدے کے لیے انجام دے گا اور جو برے کام کرے گا تو ان کا وبال اسی پر پڑے گا۔ (مومنین کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگارا! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو ہمارا مواخذہ نہ کر۔ پروردگارا! ہم پر ویسا بوجھ نہ ڈال جیسا کہ ہم سے پہلے لوگوں پر (ان کی سرکشی اور گناہ کی وجہ سے) ڈالا تھا۔ اے ہمارے پروردگارا! ہم سے اتنا بوجھ نہ اٹھوا جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ ہمیں معاف فرما اور ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مولا اور سرپرست ہے۔ پس تو ہمیں کافروں پر کامیابی عطا فرما۔

نکات:

☆ فراموشی کبھی انسان کی اپنی سہل سستی کی وجہ سے ہوتی ہے جو کہ قابل مواخذہ ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا: ''کَذٰلِکَ اَتَتۡکَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیۡتَہَا ۚ وَ کَذٰلِکَ الۡیَوۡمَ تُنۡسٰی ﴿۱۲۶﴾ ''جس طرح تم نے ہماری ان آیات کو بھلا دیا جو تم پر آئیں تھیں، اسی طرح آج تم بھی بھلا دیے گئے ہو۔ (طہ۔۱۲۶)

لہٰذا مذکورہ آیت میں گناہوں کی طرح فراموشی پر بھی مغفرت طلب کی جارہی ہے، اسی کے ضمن میں گذشتہ امتوں کے

فساد اور سرکشی پر ان کو ملنے والی سزاؤں کا بھی ذکر ہے۔ اس کو بیان کرنے کے بعد خدا تعالیٰ سے معافی کی درخواست کی جا رہی ہے ا س آیت میں انسان، اللہ تعالیٰ سے اس کی ساری مہربانیاں اور لطف و کرم کا خواستگار ہے۔ پہلا مرحلہ معافی ہے کہ جو گناہ کے آثار اور عذاب کو دور کرتی ہے۔ دوسرے مرحلے میں مغفرت ہے کہ جو آثار گناہ کو روح سے ختم کرتی ہے۔ تیسرا مرحلہ اللہ کی رحمت اور کافروں پر کامیابی کا طلب کرنا ہے۔

☆ ''لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط '' دیگر آیات میں بھی فرمایا کہ ''مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ط ''(حج۔ ۷۸)، اور فرمایا: ''یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ ''(بقرہ۔ ۱۸۵)۔ پیغمبر اسلامؐ نے بھی فرمایا: میں آسان اور سہل دین کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ (بعثنی بالحنیفیة السهلة السمحة؛ بحار، ج ۲۲ ص ۲۶۳)

پیغام:

۱۔ الٰہی فرائض، انسان کی طاقت سے زیادہ نہیں ہیں۔ ''لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط '' اسلام آسان دین ہے، سختی کرنے والا دین نہیں ہے۔

۲۔ ہمارے اعمال کے آثار مرتب ہوتے ہیں جو کہ خود ہماری ہی طرف پلٹ کر آتے ہیں۔ ''لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا۔۔۔''

۳۔ انسان، آزاد اور مختار ہے۔ ''لَهَا مَا کَسَبَتْ ''

۴۔ اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے یا انہیں ترک کرنے سے، ان کا فائدہ اور نقصان خود ہماری ذات کیلئے ہے۔ ''لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْهَا ''

۵۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ''سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ق '' اور وہ سر سے پاؤں تک عادل اور متقی ہیں وہ لوگ بھی نسیان اور اپنی فراموشی کے بارے میں محتاط اور پریشان ہیں، اسی لیے وہ دعا کرتے ہیں کہ ''اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج ''

۶۔ گذشتہ لوگوں کی تاریخ اور ان پر گذرنے والے تلخ واقعات کو دیکھیں اور جانیں تاکہ اس سے عبرت حاصل کریں اور خدا سے پناہ چاہیں۔ ''کَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج ''

۷۔ دعا کے آداب میں سے ہے کہ پہلے اپنی کمزوری اور اپنے عیب کا اقرار کریں: ''لَا طَاقَةَ لَنَا '' پھر خدا کی عظمت پر گواہی دیں: ''اَنْتَ مَوْلٰنَا '' پھر اپنی درخواست کو سامنے رکھیں۔ ''وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا ''

۸۔ کفر پر کامیابی حاصل کرنا، مومنین کی دیرینہ اور ہمیشہ کی تمنا ہے۔ ''فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۲۸۶﴾ ''

''وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ''

سورۂ آل عمران کا مختصر تعارف

سورۂ آل عمران کی دوسو آیات ہیں۔ان آیات میں مقصد کو بیان کرنے کے لیے ایک خاص نظم اور ہم آہنگی کارفرما ہے ۔ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی۔ سورۂ آل عمران مدینہ میں اس زمانے میں نازل ہوئی ہے جب اسلامی دعوت کی صدا دنیا میں گونج رہی تھی اور دشمن حساس اور گوش متوجہ برآواز ہو چکا تھا۔

تفسیر المیزان میں ہے کہ نجران کے علاقہ سے کچھ عیسائی، پیغمبر اکرمؐ کی گفتگو سننے کیلئے مدینہ آئے۔اس سورت کی تقریباً انہی آیات میں اسلامی معارف کی وضاحت کیلئے اسی موقعہ پر اکھٹی نازل ہوئی ہیں۔ان آیات کا اختتام واقعہ مباہلہ کے اختتام پر ہوا ہے۔اسی طرح اس سورت میں جنگ احد، مباہلہ، یہود کو دعوت اور صبر و پائیداری کو خصوصی طور پر پیش کیا گیا ہے۔

اس سورت کا نام آیت ۳۳ و ۳۵ کی بنیاد پر رکھا گیا ہے جس میں مریم بنت عمران کی ولادت کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ لہٰذا اس سورت میں عمران سے مراد جناب مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ ہیں۔

جبکہ حضرت موسیٰؑ کے والد کا نام بھی عمران تھا۔''عمران'' تاریخ کی تین مشہور ہستیوں کا نام ہے:

۱۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد گرامی۔

۲۔حضرت مریم علیہا السلام کے والد گرامی۔

۳۔حضرت علی علیہ السلام کے والد بزگوار۔

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرَانَ

سورہ: ۳ پارہ: ۳و۴ آیات: ۲۰۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بخشنے والے اور مہربان خدا کے نام سے

آیت نمبر ۱

الٓمّٓ ۝۱

ترجمۃ الآیات

الف لام میم

نکات:

☆تفسیر نور کی پہلی جلد میں ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ '' کے بارے میں بیان کیا جاچکا ہے کہ اس کا ایک خاص مقام ہے اور یہ ایک مستقل آیت ہے۔ ہر کام کے شروع میں پڑھنے کے بارے تاکید کی گئی ہے۔ ہر آیت کے شروع میں اس کا تکرار اس کی اہمیت کو بتاتا ہے۔''بِسْمِ اللّٰہِ' صرف اسلام سے مخصوص نہیں ہے، بعض دوسرے انبیا نے بھی یہ عبارت استعمال کی ہے۔بِسْمِ اللّٰہِ کی ابتدا''ب'' کے حرف سے ہورہی ہے، جس کے معنی مدد طلب کرنا ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کی مرضی اور ارادے کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔

خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرنا یعنی اس کی تمام صفات سے مدد حاصل کرنا ہے۔خداوند رحمن ورحیم ہے اور ہماری اُمیدوں کا محور اس کی رحمت ہے۔اس دنیا اور اُس دنیا کیلئے اُس کی رحمت وسیع اور عام ہے۔جی ہاں! دوسرے یا تو رحم نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی ہیں تو ان کا رحم، محدود افراد کیلئے، خاص وقت یا مخصوص جگہ کیلئے ہوتا ہے، ان کے رحم کرنے سے مقصد، ان کا وہ فائدہ ہے جو انہیں ملنے والا ہوتا ہے۔جیسے کسی کا جانور کو گھاس دینا یا مرغی کو دانے کھلانا، تاکہ ان سے فائدہ حاصل کیا جاسکے۔ایسی رحمت

جو وسیع، عام اور ہمیشہ کیلئے، سب کیلئے، بغیر کسی مقصد کے، صرف خدا تعالیٰ سے مخصوص ہے۔ پس ایسے رحمن و رحیم خدا سے ہی مدد طلب کریں اور کہیں ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ''

☆ سورہ بقرہ میں ذکر ہوا کہ ''الٓمّٓ ۝۱'' حروف مقطعات میں سے ہے۔ حروف مقطعات کے بارے میں شاید مشہور ترین اور بہترین رائے یہی ہے کہ یہ خدا اور ان کے پیغمبرؐ کے درمیان ایک راز ہے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: سورہ آل عمران کی ابتدا میں ''الٓمّٓ ۝۱'' اس جملہ ''أنا الله المجيد'' کا راز ہے، یعنی میں ہوں خدائے مجید۔ (تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۳۰۹)۔ یا اس موضوع کا اعلان ہو کہ اللہ کا کلام، قرآن بھی انہیں الف با کے حروف سے لکھا گیا ہے، اس کے باوجود یہ معجزہ ہے۔ اگر تم بھی ان حروف کے ساتھ قرآن جیسی کتاب بنا سکتے ہو تو بنالاؤ۔ جس طرح خدا تعالیٰ نے مٹی سے انسان کو پیدا کیا جبکہ انسان مٹی سے برتن، اینٹیں اور گھڑے وغیرہ بناتا ہے، قدرت الٰہی اور قدرت بشری میں یہ فرق ہے۔

☆ حروف مقطعہ ''الم'' چھ سورتیں، بقرہ، آل عمران، عنکبوت، روم، لقمان اور سجدہ میں آیا ہے۔

آیت نمبر ۲

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝۲

ترجمۃ الآیات

اللہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، زندہ پائندہ ہے۔

نکات:

☆ ''قَيُّوْمُ'' اسے کہتے ہیں جسے کسی کے سہارے کی ضرورت نہ ہو لیکن دوسری ہر چیز کو اس کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے، ہر چیز اسی سے قائم ہے۔

☆ خداوند تبارک و تعالیٰ کائنات کی تخلیق پر پوری حکمت و تدبیر اور مکمل آگاہی اور کامل تسلط رکھتا ہے۔ مادی اسباب و وسائل کسی چیز کی پیدائش کا وسیلہ اور ذریعہ تو بن سکتے ہیں لیکن وہ ''حَيُّ'' (زندہ بالذات) نہیں ہیں اور ان کا یہ سبب اور ذریعہ بننا ذاتی نہیں ہے۔ مادی اسباب و وسائل مستقل طور پر نہ تو علم کے اور نہ ہی حیات اور قدرت کے مالک ہیں بلکہ صرف اور صرف اسی (خداوند متعال ہی) کی ہستی زندہ بالذات ہے کہ جس سے ہر زندہ چیز کی حیات وابستہ ہے۔

دعائے جوشن کبیر میں ہم پڑھتے ہیں: ''وہ ہر زندہ سے پہلے زندہ ہے اور ہر زندہ کے بعد زندہ رہے گا۔ کوئی زندہ اس کا شریک نہیں اور نہ ہی وہ کسی کا محتاج ہے۔ وہ ایسا زندہ ہے جسے موت نہیں آئے گی اور ہر زندہ کی جان اور روزی اسی کے ہاتھ میں ہے وہ ایسا زندہ ہے کہ اسے زندگی کسی سے میراث میں نہیں ملی۔''

پیغام:

۱۔ توحید کا مقام سب سے اول ہے اور یہ ہر آسمانی کتاب کا سرنامہ ہے۔ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ''

۲۔ معبود ہونے کی شرط، ذاتی کمالات کا حامل ہونا ہے اور یہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے جو اپنی ذات میں خود قائم ہے اور مطلق بے نیاز ہے ایسا کہ ''حَیّ'' اور ''قَیُّوْمُ'' ہونا جس کا ایک نمونہ ہے۔ ''اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ''

آیت نمبر ۳

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۟ۙ﴿۳﴾

ترجمۃ الآیات

(اس نے) تم پر برحق کتاب نازل کی جو اپنے سے پہلی کتابوں (سے ہم آہنگ اور ان) کی تصدیق کرتی ہے اور (اسی نے) تورات اور انجیل کو نازل کیا۔

نکات:

☆ لفظ ''تَوْرٰىة'' عبری (عبرانی) کلمہ ہے جس کے معنی ہیں، شریعت اور قانون۔ تورات کی پانچ فصلیں ہیں جن کے نام یہ ہیں: ۱۔ سفر پیدائش، ۲۔ سفر خروج، ۳۔ سفر لادیان، ۴۔ سفر اعداد، ۵۔ سفر تثنیہ۔

چونکہ تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات اور دفن کا ذکر بھی موجود ہے لہٰذا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ فصلیں حضرت موسیٰؑ کے بعد مرتب ہوئی ہیں۔

☆ لفظ ''انجیل'' یونانی کلمہ ہے جس کا معنی ہے ''خوشخبری'' یا ''نئی بخشش''، انجیل عیسائیوں کی آسمانی کتاب کا نام ہے اور قرآن مجید نے جہاں بھی اس کا نام لیا ہے اسے بصورت مفرد ذکر کیا ہے جبکہ اس وقت عیسائیوں میں متعدد ''اناجیل'' موجود ہیں

جن میں چار زیادہ مشہور ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ انجیل متیٰ،

۲۔ انجیل مرقس،

۳۔ انجیل لوقا،

۴۔ انجیل یوحنا

پیغام:

۱۔ آسمانی کتابوں کا نزول، خداوند کی قیومیت کا جلوہ ہے۔ ''الْقَيُّومُ ۝۲ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ''

۲۔ قرآن مجید ہر قسم کے باطل سے مکمل محفوظ اور حقیقت، واقعیت سے پوری مطابقت رکھتا ہے۔ ''بِالْحَقِّ''

۳۔ انبیا پر نازل ہونے والی آسمانی کتابیں ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں۔ ''مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ''

۴۔ گذشتہ آسمانی کتب کی تصدیق کرنا، خدا پرست افراد کی وحدت کے لیے ایک عامل اور دوسرے لوگوں کو دعوت دینے کا ایک طریقہ کار ہے۔ ''مُصَدِّقًا''

۵۔ قرآن مجید کا تورات اور انجیل کی تصدیق کرنا، سابقہ کتابوں کے آسمانی ہونے کو ثابت کرتا ہے اور یہ سابقہ ادیان پر اس کا بہت بڑا احسان ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جو خرافات تورات اور انجیل میں داخل کر دی گئی ہیں ان سے تو مذکورہ کتابوں کے آسمانی ہونے کو بالکل ہی فراموش کر دیا جاتا۔ ''مُصَدِّقًا''

۶۔ اگرچہ تربیت کے مراحل، اس کے دستور العمل اور اسباب وعوامل زمانے کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوتے رہتے ہیں، لیکن ارتقائی کیفیت اور مقصد ومقصود کی وحدت میں کوئی فرق اور اختلاف نہیں ہوتا۔ ''مُصَدِّقًا''

آیت نمبر ۴

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴

ترجمۃ الآیات

اس سے پہلے (تورات اور انجیل کو) جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے (نازل کیا) اور قرآن کو

(اب) نازل کیا۔ یقیناً جن لوگوں نے خدا کی نشانیوں کا انکار کیا، ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب اور انتقام لینے والا ہے۔

نکات:

☆ قرآن پاک کے ناموں میں سے ایک نام فرقان ہے یعنی یہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ کیونکہ قرآن حق اور باطل کی شناخت کا ایک ذریعہ ہے، اس لیے اسے فرقان کہا جاتا ہے۔

☆ سخت عذاب صرف آخرت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، اس آیت میں نہیں فرمایا گیا کہ کفار کیلئے عذاب صرف آخرت میں ہے کیونکہ کبھی کوئی گمراہی، مال جمع کرنے کی لالچ، خداوند اور روحانیت سے لاپرواہی وغفلت بھی ایک طرح کا عذاب ہے۔ سورہ توبہ کی آیت ۸۵ میں فرماتا ہے: خداوند ایک گروہ کو مال اور اولاد دیتا ہے تا کہ ان کے ذریعے انہیں عذاب کرے۔

☆ امام صادق علیہ السلام ''اَنزل الفرقان'' کے بارے فرماتے ہیں: ہر محکم حکم فرقان ہے، انزل الکتاب، سے مراد پورا قرآن پاک ہے۔ (تفسیر عیاشی، ج ا، ص ۱۶۲)

پیغام:

۱۔ لوگوں کی ہدایت کرنا، اللہ تعالیٰ کا ایک دائمی طریقہ رہا ہے۔ ''مِنۡ قَبۡلُ هُدًى''

۲۔ آسمانی کتابوں کے مخاطبین عام لوگ ہیں، کوئی خاص قبیلہ یا قوم نہیں ہے۔ ''لِّلنَّاسِ''

۳۔ جہاں بھی تم سلیقہ کار، افکار اور عقائد میں کسی قسم کی حیرت وسرگردانی میں مبتلا ہو جاؤ تو قرآنی فیصلہ حرف آخر ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر روایات میں بھی حیران و پریشان ہونے لگو تو اس حدیث کو قابل توجہ سمجھو کرو جو قرآن سے مطابقت رکھتی ہیں۔ ''الۡفُرۡقَانَ''

۴۔ عذاب الٰہی لوگوں پر اتمام حجت کے بعد ہے۔ ''هُدًى لِّلنَّاسِ --- الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا --- لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ؕ''

۵۔ یہ آیت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی خاطر کا باعث ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ کفار سے ہم خود ہی سختی کے ساتھ نپٹ لیں گے۔ ''عَزِيۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ۝۴''

۶۔ کیفر کردار اور خدا کے انتقام کا باعث ہمارے اپنے اعمال ہوتے ہیں ورنہ وہ تو ایسا زبردست اور غالب ہے کہ اس کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ ''عَزِيۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ۝۴''

۷۔ لوگوں کی نافرمانی اور ان کا کفر خدا تعالیٰ پر کوئی اثر نہیں رکھتا۔ ''كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ''

آیت نمبر ۵

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخۡفٰی عَلَیۡہِ شَیۡءٌ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ؕ﴿۵﴾

ترجمۃ الآیات

یقیناً کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے خواہ وہ زمین میں ہے یا آسمان میں ہے۔

نکات:

☆ کچھ آیات میں پہلے خدا تعالیٰ کے قیوم ہونے کے بارے میں ذکر ہوا ہے، اس آیت میں ہر چیز کا اس کیلئے کھلا اور آشکار ہونا بتایا جارہا ہے جو کہ قیومیت کا ایک جلوہ ہے۔

پیغام:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ہر چیز کو جاننا اس کا علم مطلق ہے، ہم اور کائنات کی تمام دوسری چیزیں ہر لحہ اس کے حضور میں حاضر ہیں لہٰذا اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے حضور میں حاضر ہونے کی بنا پر ہمیں کوئی گناہ نہیں کرنا چاہیے۔ ''کَفَرُوۡا ...لَا یَخۡفٰی عَلَیۡہِ شَیۡءٌ''

۲۔ انسان، سوالوں، آرزوؤں، عبادتوں، مکانوں، زمانوں اور حجابوں کا زیادہ ہونا خدا سے کسی مسئلہ کے پوشیدہ ہونے کا موجب نہیں ہوتا۔ ''یَخۡفٰی عَلَیۡہِ شَیۡءٌ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ؕ﴿۵﴾''

آیت نمبر ۶

ہُوَ الَّذِیۡ یُصَوِّرُکُمۡ فِی الۡاَرۡحَامِ کَیۡفَ یَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۶﴾

ترجمۃ الآیات

وہ وہی تو ہے جو (ماؤں کے) رحموں میں جیسی چاہتا ہے تمہاری شکل وصورت بنا دیتا ہے۔

سوائے اس کے کوئی معبود نہیں وہی غالب (اور) حکمت والا ہے۔

نکات:

☆ رحم مادر میں مختلف قسم کی تصویر کشی اس کی قدرت وحکمت اور قیوم ہونے کی نشانی ہے، جس کے بارے میں ہم نے پہلے والی آیات میں پڑھا ہے۔

☆ رحم مادر میں انسان کی تصویر کشی کا موضوع، نزول کتاب کی دو آیتوں کے درمیان بیان کیا گیا ہے جو شاید اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو خدا رحم مادر میں تمہیں سروسامان عطا فرماتا ہے، وہی خدا اپنے شرعی قوانین اور آسمانی کتابوں کے ارسال کے ذریعے خود تم کو اور معاشرے کو آئندہ کے لیے ابدی رشد وہدایت عطا کرتا ہے۔

☆ انسان کی صورت اور جسم میں وراثت، صحت، غذا یا نفسیات میں سے ہر ایک عامل کی تاثیر بھی ایک خدائی طریقہ کار ہے جو اس کے مدار قدرت، تدبیر اور حکمت سے باہر نہیں ہے۔

پیغام:

۱۔ تکوین اور تشریع کی ابتدا ایک ہی جگہ سے ہے یعنی جس قدرت نے تمہاری ہدایت کے لیے کتاب بھیجی ہے، اسی قدرت نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ ''هُدًى لِّلنَّاسِ ... يُصَوِّرُكُمْ ''

۲۔ رحم مادر میں انسان کی تصویر کشی، صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ''هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ ''

۳۔ جب بات ایسی ہے کہ تصویر کشی صرف اسی کے ہاتھ میں ہے تو کسی کی شکل وصورت کی بنا پر اسے طعنہ زنی نہیں کرنی چاہیے۔ ''هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ ''

۴۔ خلقت میں تفکر کرنا، خدا پر ایمان کا ایک سبب ہے۔ '' يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ ''

۵۔ خداوند عالم اگرچہ ہر کام پر قادر ہے ''کیف یشاء'' لیکن وہ حکمت کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔ ''هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶ ''

۶۔ انسانوں کی مختلف شکلیں، اس کی قدرت اور حکمت کی نشانی ہیں۔ ''صَوِّرُكُمْ ... الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶ ''

آیت نمبر ۷

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ

الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ
فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا
يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ
كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

ترجمۃ الآیات

وہ وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی، اس میں کچھ آیات تو محکم (روشن اور صریح) ہیں جو اس کتاب کی اصل و بنیاد ہیں اور کچھ متشابہ ہیں (یعنی پہلی مرتبہ نگاہ کرنے سے ان کے معانی میں کئی احتمالات نظر آتے ہیں لیکن محکم آیات کی طرف رجوع کرنے سے ان کی تفسیر بھی واضح ہو جاتی ہے۔) اب جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ فساد پھیلانے (اور لوگوں کو گمراہ کرنے) اور (غلط) تفسیر کرنے کی غرض سے متشابہ آیات کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ ان متشابہ آیات کی تفسیر خدا اور ان لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا جو علم میں راسخ اور مضبوط ہیں۔ (راسخان علم) کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے کہ ان میں سے ہر ایک ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ (خواہ وہ محکم ہے یا متشابہ) اور (ان سے) سوائے صاحبان عقل کے کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتا۔

نکات:

☆ اس آیت کے بارے میں چند ایک سوال پیدا ہوتے ہیں:

پہلا سوال: قرآن نے ایک جگہ اپنی تمام آیات کو محکم قرار دیا ہے، فرمایا: ''كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ'' (ہود۔۱) جبکہ دوسری جگہ سب کو متشابہ کہا ہے، فرمایا: ''كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا'' (زمر۔۲۳) اس آیت میں بعض کو محکم اور بعض کو متشابہ کہا گیا ہے، ایسا کیوں ہے؟

جواب: جہاں قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ تمام آیات قرآن محکم ہیں، اس کا مطلب ہے کہ کسی آیت میں بھی سست

اور بے بنیاد بات موجود نہیں۔ جہاں فرمایا ہے کہ تمام آیات متشابہ ہیں یعنی قرآن کی آیات کا نظام اور آواز اور آہنگ ایک جیسا اور متوازن ہے۔

لیکن لوگوں کی فہم کے مطابق تمام آیات ایک جیسی نہیں ہیں، بعض واضح اور روشن ہیں، جسے سب سمجھ سکتے ہیں۔لیکن بعض کے معنی بہت بلند اور گہرے ہیں، یہی بات ان کیلئے غلطی فہمی اور شبہہ کا باعث بنتی ہے۔

سوال: قرآن میں آیات متشابہ کا استعمال کیوں کیا گیا ہے؟

جواب: اولاً یہ کہ متشابہ آیات کا موجود ہونا، آیات قرآن میں انسان کیلئے فکر وتدبر کی دعوت ہے۔

دوم یہ کہ باعث بنتی ہیں کہ لوگ اپنے آسمانی راہبروں کی طرف رجوع کریں۔ جی ہاں! اگر سارے اسباق آسان ہوں تو شاگرد، استاد کی ضرورت محسوس نہیں کرے گا۔

سوم یہ کہ متشابہات، لوگوں کے لیے آزمائش کا ذریعہ ہیں۔بعض کج فکر لوگ ان آیات میں سے کہیں کہیں سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے برے مقاصد حاصل کرتے ہیں۔ امام رضا علیہ السلام کے مطابق بعض سوچنے والے افراد محکمات کی طرف رجوع کرتے ہوئے آیات کے صحیح معنی کو پالیتے ہیں۔''من رد متشابہ القرآن الی محکمہ ھدی الی صراط مستقیم ''(بحار، ج ۲، ص ۱۸۵)

سوال: قرآن پاک سے بعض متشابہ آیات کا ذکر کریں۔

جواب: قرآن پاک میں ہے کہ ''اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ﴿۲۳﴾ ''(قیامت۔ ۲۳)۔ قیامت کے دن آنکھیں اپنے پروردگار کو دیکھیں گی۔ اب چونکہ عقل سلیم، خداوند کے جسم ہونے کو محال جانتی ہے اور آیات قرآن میں بھی ہم پڑھتے ہیں کہ ''لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ ۫ ''(انعام۔ ۱۰۳) آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں۔ لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ پروردگار کی طرف دیکھنا، اصل میں اس سے مراد قیامت کے دن اس کے لطف وکرم اور جزا کا انتظار کرنا ہے۔

اسی طرح سے اس ''يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ ۚ ''(فتح۔ ۱۰) آیت میں ہاتھ سے مراد اللہ کی قدرت ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص کا فلاں شہر میں یا ادارے میں ہاتھ ہے، یعنی وہ قدرت رکھتا ہے۔ ورنہ خداوند کا تو جسم ہی نہیں ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں ہوں۔قرآن فرماتا ہے: ''لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ ۚ '' (شوریٰ۔ ۱۱) یعنی اس کی مثل نہیں ہے۔

اس طرح کی آیات، سادہ فکر لوگوں کیلئے کج فکری کا باعث بنی ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو دوسری آیات پر توجہ نہیں کرتے اور قرآن کے حقیقی مفسرین یعنی اہلبیت علیہم السلام سے دور ہو گئے ہیں، شاید یہی خطرات وہ وجہ تھی کہ قرآن نے ہمیں تاکید کی ہے کہ قرآن کی تلاوت سے پہلے خدا سے شیطان کی پناہ مانگیں۔''فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ﴿۹۸﴾ ''(نحل۔ ۹۸)

سوال: تاویل قرآن سے کیا مراد ہے؟

جواب: شاید تاویل سے مراد وہ اہداف، معارف اور اسرار ہیں جو پردے کے پیچھے ہیں جو کہ بعد میں واضح ہونگے۔ جیسے حضرت یوسفؑ کے خواب کی تعبیر جو بعد میں روشن ہوئی یا حضرت خضرؑ و حضرت موسیٰؑ کا وہ راز جو کشتی توڑنے میں تھا اور بعد میں اس کی وجہ معلوم ہوئی۔

☆ ہم روایات میں پڑھتے ہیں کہ ناسخ آیات، محکم آیات میں سے ہیں اور منسوخ آیات، قرآن کی متشابہ آیات میں سے ہیں۔ ائمہ معصومین علیہم السلام راسخون فی العلم کے واضح مصداق ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام، راسخون فی العلم کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ ایسے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے مخصوص علوم کی نسبت اپنے علم کی کمی کا اعتراف کرتے ہیں، جس چیز کی گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، وہاں آگے نہیں بڑھتے۔ (نہج البلاغہ، خ ۹۱)

پیغام:

۱۔ ہر کوئی سب آیات کو نہیں سمجھ سکتا۔ ''وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ''

۲۔ منحرف دل و اذہان، فتنہ و فساد کی جڑ ہیں۔ ''فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ''

۳۔ فتنہ صرف فوجی یا طبعی آشوب ایجاد کرنے کا نام نہیں، تفسیر بالرائے، ثقافتی اور آیات کے معنی میں تحریف بھی فتنہ ہے۔ ''ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ''

۴۔ کبھی حق و حقیقت بھی باطل کیلئے دستاویز بن جاتی ہے۔ ''ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ''

۵۔ آیات الٰہی کا آخری ہدف اور اعلیٰ مقصد صرف خدا تعالیٰ اور راسخون فی العلم جانتے ہیں۔ ''وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ''

۶۔ راسخون فی العلم کا نام، خدا کے مقدس نام کے ساتھ آیا ہے اور ان کا مقام خدا کے مقام کے بعد ہے۔ ''وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ''

۷۔ علم کے درجے ہیں، ان میں سے سب سے اونچا درجہ تاویل کو جاننا ہے اور آخری ہدف تک پہنچنا ہے۔ ''وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ''

۸۔ حقیقی عالم تکبر نہیں کرتا۔ ''وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ''

۹۔ باطل کی طرف میل و جھکاؤ رکھنا علم کے بلند درجات تک پہنچنے میں رکاوٹ ہے۔ ''الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ'' کو ''فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ'' کے برابر میں ذکر کیا گیا ہے۔

۱۰۔ جس بات کو ہم نہیں سمجھتے اس کا انکار نہ کریں۔ ''كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ''

۱۱۔ محکم ومتشابہ آیات کا نزول، تربیت کے سفر میں ایک مرحلہ ہے۔ ''کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ''

آیت نمبر ۸

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ﴿۸﴾

ترجمۃ الآیات

(الرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ کہتے ہیں:) پروردگارا! ہمیں ہدایت کرنے کے بعد ہمارے دلوں کو باطل کی طرف مائل نہ کر اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما! یقیناً تو ہی نعمتیں عطا کرنے والا ہے۔

پیغام:

۱۔ اپنے علم ودانش پر غرور نہ کرو بلکہ خدا سے مدد کی درخواست کرتے رہو۔ ''رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا''

۲۔ حقیقی علم اور علم میں راسخ ہونے کی علامت یہ ہے کہ خدا کی طرف توجہ کی جائے اور اس سے مدد طلب کی جائے۔ ''اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ ---رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا''

۳۔ ہدایت وگمراہی کا محور، انسان کی خواہشات اور اس کے افکار ہیں۔ ''لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا''

۴۔ سیدھی راہ پر آ جانا زیادہ اہم نہیں ہے بلکہ سیدھی راہ پر قائم رہنا زیادہ اہم ہے۔ ''بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا ---''

۵۔ حقیقی تحفہ اور ہبہ صرف اسی کیلئے ہے۔ ''اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ﴿۸﴾''

آیت نمبر ۹

رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوۡمٍ لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ﴿۹﴾

ترجمۃ الآیات

(راسخون فی العلم دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! تو لوگوں کو اس دن کے لیے اکٹھا کرنے والا ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

نکات:

☆ جو لوگ قیامت پر بھی یقین رکھتے ہیں "لِيَوۡمٍ لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ" اپنی عاقبت اور آخرت کے بارے میں پریشان ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں۔

☆ غفلت، ناچاری، خوف، جہالت، پشیمانی کی جڑ وعدہ خلافی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس ان سب عیبوں سے پاک ہے۔ "لَا يُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ۝۹"

پیغام:

۱۔ راسخون فی العلم کی نگاہیں قیامت اور مستقبل پر لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ "اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوۡمٍ ۔۔۔"

۲۔ حقیقی عالم کی نشانی یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنی روح پر توجہ کرتا ہے "رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا" اور آخرت میں اپنے حساب کتاب کے بارے میں سوچتا ہے۔ "لِيَوۡمٍ لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ"

۳۔ قیامت کا دن "جمع" یعنی اکٹھے ہونے کا دن ہے کہ اس میں لوگ حساب دینے کے لیے اکٹھے ہوں گے "جَامِعُ النَّاسِ" اور "فصل" کا دن بھی ہے کہ حساب و کتاب کے بعد ہر شخص اپنے اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جائے گا۔ "اِنَّ يَوۡمَ الۡفَصۡلِ كَانَ مِيۡقَاتًا ۝۱۷" (نبا۔۱۷)

۴۔ راسخون فی العلم لوگ قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔ "لا ریب فیہ" کیونکہ انہیں خدا کے وعدے پر یقین ہے۔ "لَا يُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ۝۹"

آیت نمبر ۱۰

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِىَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَيۡـئًا ‌ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمۡ وَقُوۡدُ النَّارِۙ ۝۱۰

ترجمۃ الآیات

یقیناً جن لوگوں نے دنیا میں کفر اختیار کیا ہے (قیامت میں) خدا کے سامنے نہ تو مال ان کے کچھ کام آئے گا اور نہ ہی اولاد اور خود وہی لوگ آتش جہنم کا ایندھن ہیں۔

نکات:

☆ ''وَقُوْدُ'' سے مراد جلا دینے والی چیز ہے۔ جہنم کی آگ کو بھڑکانے والی دو چیزیں ہیں: پتھر اور انسان؛ ''وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ'' (بقرہ۔ ۲۴) جی ہاں! عادات، افکار و اعمال، انسان کی ہویت کو بگاڑتے بناتے ہیں۔ انسان آگ کا ایندھن بن جاتا ہے اور خود کو جلا دیتا ہے

☆ دنیا اور آخرت میں انسان کی حقیقی ضرورت کو سوائے خدا کے کوئی پورا نہیں کر سکتا۔ انسان ہر حال میں اس کا محتاج ہے۔

پیغام:

۱۔ اگرچہ آیت کفار کے ساتھ مخصوص ہے لیکن اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے کہ مال اور اولاد کی وجہ سے مغرور نہیں ہونا چاہیے۔ غیر خدا سے دل لگانا، خواہ وہ کوئی بھی ہو، بے فائدہ اور مذموم ہے۔ ''لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ''

۲۔ کفر، انسان کو انسانیت سے خارج کر دیتا ہے، مادی اور پست دنیاوی چیزوں کے برابر لے آتا ہے۔ ''وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝۱۰''

آیت نمبر ۱۱

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۱

ترجمۃ الآیات

(حقائق کی تحریف اور ان کے انکار میں ان کی عادت) آل فرعون اور ان دیگر لوگوں جیسی ہے جو ان سے پہلے گذر چکے کہ جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے۔ پس خداوند عالم نے ان کے

گناہوں کی سزا کے طور پر انہیں اپنی گرفت میں لے لیا اور خدا سخت عذاب دینے والا ہے۔

پیغام:

۱۔کلیات کو بیان کرنے کے بعد ان کی مثالیں بیان کرنا ضروری ہے۔''كَفَرُوْا ... كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ''

۲۔تاریخ اور گذشتہ لوگوں کے تجربات، بہترین سبق ہے۔''كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ''۔فرعون اور آل فرعون قدرت وطاقت میں بہت بڑھے ہوئے تھے لیکن پھر بھی عذاب الٰہی کے سامنے ایک لحہ نہ ٹھہر سکے، لہٰذا تم اپنی اس معمولی اور کم تر قدرت وطاقت پر غرور نہ کرو۔

۳۔بعض اوقات طاغوت کے طرفدار خود طاغوتوں سے کم نہیں ہوا کرتے۔''كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ''

۴۔گناہ برا ہے لیکن اس سے برا، گناہ کی عادت کا ہونا اور اس کی طرف میل و رغبت کا ہونا ہے۔ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَ...''

۵۔ایک جیسی خصلتیں، عادتیں اور گناہوں کی انجام دہی پر سزا اور عذاب بھی ویسا ہی ہوگا۔''كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ''۔

۶۔امتوں کی ہلاکت کا باعث، ان کے گناہ تھے۔''فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ''

۷۔جب گناہ عادت اور خصلت کا حصہ بن جائے تو خدا کا عذاب بھی سخت ہو جاتا ہے۔''كَدَاْبِ ... شَدِيْدُ الْعِقَابِ⑪''

آیت نمبر ۱۲

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ⑫

ترجمۃ الآیات

جو لوگ کافر ہو گئے ہیں ان سے کہہ دو کہ تم بہت جلد شکست کھا جاؤ گے جہنم میں محشور کیے جاؤ گے اور وہ بہت (ہی) برا ٹھکانا ہے۔

نکات:

☆تفسیر مجمع البیان، تفسیر فخر رازی، تفسیر مراغی اور کئی دوسری تفسیروں میں ہے کہ جب ۲ ہجری میں مسلمانوں کو جنگ بدر میں

فتح حاصل ہوگئی تو کچھ یہودیوں نے کہا کہ یہ کامیابی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سچا ہونے کی دلیل ہے کیونکہ تورات میں ہے کہ "وہ کامیاب اور فاتح ہوں گے۔" جبکہ دوسرے یہودیوں نے کہا: "ابھی جلدی نہ کرو شاید وہ دوسری جنگوں میں شکست کھا جائیں!"

پھر جب ۳ ہجری میں جنگ احد ہوئی اور اس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو یہ یہودی لوگ خوش ہو گئے، اسی پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جلدی فیصلہ نہ کرو، مستقبل قریب میں تم خود شکست سے دوچار ہو گے۔

زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ مسلمانوں نے بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودیوں کو شکست دی اور فتح مکہ میں مشرکوں شکست فاش دی، شاید آیت کا اشارہ آئندہ دنیا کے تمام کفار کو شکست دینے کی طرف ہو یا امام مہدیؑ کے ظہور کی طرف اشارہ ہو۔

پیغام:

۱۔ مومنین کے دل کو تسلی دینا اور کافروں کو دھمکی دینا، صحیح رہبری اور ہدف پر ایمان کی علامت ہے۔ "قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ"

۲۔ قرآن مجید کے معجزات میں سے ایک معجزہ اس کی سچی پشین گوئیاں ہیں۔ "سَتُغْلَبُوْنَ"

۳۔ حق کامیاب اور کفر کے مقدر میں شکست ہے۔ "سَتُغْلَبُوْنَ"

۴۔ دشمن کی طرف سے پھیلائی جانے والی خبروں اور تبلیغات کا مقابلہ کیا جانا چاہیے۔ "سَتُغْلَبُوْنَ"

۵۔ ایسی شکست سے پریشان ہونا چاہیے جس کی انتہا جہنم میں ہو، ورنہ ہر جنگ میں شکست کا احتمال ہوتا ہے۔ "سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ"

آیت نمبر ۱۳

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ؕ وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ۝۱۳

ترجمۃ الآیات

البتہ ان دو گروہوں میں جو (جنگ بدر کے میدان میں) ایک دوسرے کے آمنے سامنے آئے

(عبرت کا درس لینے کی) ایک نشانی تھی۔ ایک گروہ تو خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا اور (شیطان بتوں اور ہوا و ہوس کے رستوں پر گامزن) کفار کا یہ گروہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو اپنی نسبت دو برابر دیکھ رہا تھا۔ (یہی بات کفار کے ڈر جانے کا سبب بن گئی) اور اللہ تعالیٰ اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے تائید فرماتا ہے بے شک اس واقعہ میں صاحبان بصیرت کے لیے نشانی اور عبرت ہے۔

نکات:

☆ یہ آیت جنگ بدر سے متعلق ہے۔ اس میں مسلمانوں میں سے دو گروہ اور کفار آمنے سامنے ہوئے۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کی طرف سے تین سو تیرہ افراد تھے، جن میں سے ستتر (۷۷) مہاجرین اور دو سو چھتیس (۲۳۶) انصار میں سے تھے۔ مہاجرین کے علمدار حضرت علیؑ اور انصار کے علمدار سعد بن عبادہ تھے۔ مسلمانوں کے پاس ستر اونٹ، دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ جبکہ لشکر کفر کی طرف ایک ہزار سے زائد سپاہی تھے جن میں سے ایک سو گھڑ سوار تھے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے بائیس افراد شہید ہوئے، شہید ہونے والوں میں سے چودہ لوگ مہاجرین اور آٹھ لوگ انصار میں سے تھے۔ جبکہ دشمن کے ستر لوگ مارے گئے اور ستر گرفتار کر لیے گئے۔

☆ جنگ بدر کسی تیاری کے ساتھ نہ لڑی گئی، اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے مہاجرین کے اموال پر قبضے کے بدلے میں کفار کے اموال کو پکڑ لیا جائے۔ یہ لڑائی ایک جنگ کی صورت اختیار کر گئی۔ ''فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ''

☆ سوال: اس آیت میں ہم پڑھتے ہیں کہ کفار نے مسلمانوں کو دو برابر دیکھا: ''يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ'' جبکہ سورہ انفال کی آیت ۴۴ میں پڑھتے ہیں کہ کفار کی نظر میں مسلمان بہت کم دیکھائی دیئے: ''يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ'' ایسا کس طرح ممکن ہے؟

جواب: ممکن ہے کہا جائے کہ جنگ کی ابتدا میں انہوں نے مسلمانوں کی تعداد کو کم دیکھا تاکہ ان کے اندر مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرات پیدا ہو اور وہ مکہ کے مشرکوں سے مدد طلب نہ کریں، پھر جنگ کے وقت انہوں نے مسلمانوں کی تعداد کو زیادہ دیکھا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ لہٰذا کم دیکھنا اور زیادہ دیکھنا، دو مرحلوں میں اور دو وقت پر ہوا، اس لیے یہاں کوئی تضاد نہیں۔ (تفسیر صافی)

پیغام:

۱۔ جنگ کا ہدف صرف خدا اور دین خدا ہونا چاہیے۔ ''فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ''

٢۔ مسلمان مجاہدوں کا ایک ہی مقصد ہے۔ ”فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ“

٣۔ جہاں خدا چاہتا ہے، نگاہیں، پیش گوئیاں اور افکار تبدیل ہوجاتے ہیں اور لوگ انہی آنکھوں کے ساتھ تھوڑی تعداد کو دو چند صورت میں دیکھنے لگتے ہیں۔ ”يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ“

٤۔ غیبی امداد میں سے ایک یہ ہے کہ دشمن کے دل پر رُعب طاری ہوجائے۔ ”يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ“

٥۔ جنگ بدر سے معلوم ہوا کہ خدا کا ارادہ، مخلوق کے ارادہ پر غالب ہوتا ہے اور صرف مادی وسائل ہی کامیابی کا سبب نہیں بنتے۔ ”يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ“

٦۔ اگرچہ خدا تعالیٰ جس کی چاہے امداد فرما دے: ”مَنْ يَّشَآءُ ؕ“ لیکن ایک اور مقام پر خدا کی نصرت کی شرط یہ ہے کہ لوگ اس کے دین کی نصرت کیلئے اٹھ کھڑے ہوں۔ ”فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ“ ایک اور جگہ فرمایا: ”اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ“ (محمد۔ ٧)

٧۔ تاریخ کو بیان کرنے کا مقصد عبرت اور نصیحت حاصل کرنا ہے۔ ”لَعِبْرَةً“

٨۔ نشانیاں تو سب کے لیے ہوتی ہیں، ”كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ“ لیکن ان نشانیوں سے سبق لینے کے لیے مخصوص بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ”لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ⑬“

٩۔ جنہوں نے جنگ بدر سے سبق حاصل نہیں کیا، وہ صاحب بصیرت نہیں ہیں۔ ”لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ⑬“

آیت نمبر ١٤

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ⑭

ترجمۃ الآیات

لوگوں کی نظر میں ان خواہشوں کی محبت زینت پا گئی ہے جو عورتوں، فرزندوں، سونے چاندی

کے بڑے بڑے ڈھیروں، اعلیٰ اور نشان زدہ گھوڑوں، چوپایوں اور کھیتی باڑی سے متعلق ہیں۔ حالانکہ یہ سب دیناوی زندگی کا سرمایہ ہیں اور نیک انجام تو خدا ہی کے ہاں ہے۔

نکات:

☆ ''قَنَاطِيْرِ'' جمع ہے ''قنطار'' کی، اور اس کا معنی کثیر مال ہے۔ اس کے ساتھ ''مُقَنْطَرَةِ'' تاکید مزید کیلئے ذکر ہوا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے ''الاف واُلوف'' یعنی ہزار ہا ہزار۔

''خَيْلِ'' سے مراد گھوڑا اور گھڑ سوار دونوں آیا ہے۔ ''مُسَوَّمَةِ'' کا معنی ہے نشان لگایا ہوا۔ جو گھوڑے خوب صورتیکی وجہ سے یا تربیت حاصل کرنے کی بنا پر ایک خاص اہمیت کے حامل ہوتے تھے، انہیں خیل مسومۃ کہتے ہیں۔

☆ انسان کی نظر میں دنیا کی اہمیت ہونا، کبھی ذاتی خیالات کے ذریعے اور کبھی شیطان اور کبھی قریبی چاپلوس افراد کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ذاتی خیالات کی وجہ سے جیسے: ''يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝۱۰۴'' (کھف۔ ۱۰۴) اور ''فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ'' (فاطر۔ ۸)، شیطان کی طرف سے جیسے: ''زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ'' (انفال۔ ۴۸)، چاپلوس افراد کی طرف سے ''زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ'' (غافر۔ ۳۷)

☆ آیت میں مذکور زینت کی جلوہ نمائیوں کے مصداق نزول آیت کے زمانہ سے متعلق ہیں البتہ ہر دور کے تقاضوں کے پیش نظر اس کے جدید سے جدید تر مصداق پیدا ہو سکتے ہیں۔ سونا و چاندی، ثروت اندوزی کیلئے کنایہ ہے، گھوڑا کنایہ ہے سواری سے اور ذریعہ نقل وحمل کی طرف اشارہ ہے۔

☆ سوال: خدا تعالیٰ نے مال اور اولاد کو زینت قرار دیا ہے؛ ''اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ'' (کھف۔ ۴۶)، تو پھر کیوں اس آیت میں تنقید کی جا رہی ہے؟

جواب: کسی چیز کا زینت ہونا، ضروری نہیں کہ کوئی اس سے دل بھی لگا لے۔ اس آیت میں بہت زیادہ دل لگی کی مذمت کی گئی ہے، جیسے ''حُبُّ الشَّهَوٰتِ'' کا نام دیا گیا ہے۔

☆ ''بَنِین'' میں بیٹیاں بھی شامل ہیں، جیسے ہم کہتے ہیں کہ محترم پیدل چلنے والے زیبرا کراسنگ سے چلیں، اس میں عورتیں بھی شامل ہیں۔

☆ امام صادق علیہ السلام ''حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ ۔۔۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں: دنیا وآخرت میں لوگ دوسری چیزوں کی نسبت عورتوں سے زیادہ کسی چیز سے لذت حاصل نہ کریں گے۔۔۔ اہل بہشت بھی کھانے پینے کی چیزوں سے زیادہ رغبت نکاح کی طرف رکھتے ہونگے۔ (کافی، ج۵، ص۳۲۱)

یہ روایت دوسری چیزوں پر تقدم النساء کی حکمت کو بیان کر رہی ہے۔

پیغام:

١۔ مادیت سے طبعی تعلق ہر شخص کی فطرت میں داخل ہے، جو چیز خطرناک ہے وہ اس کی زینت اور جلوہ آرائیوں سے دھوکا کھاتا ہے اور اس سے دلی وابستگی کو اپنے قابو سے باہر کر دیتا ہے۔ ''زُيِّنَ لِلنَّاسِ۔۔۔''

٢۔ دنیا کے جلوے، عام لوگوں کیلئے ہیں، اولیا کیلئے نہیں ہیں۔ ''زُيِّنَ لِلنَّاسِ'' جیسا کہ فرعون کی بیوی تاریخ میں اولیاء اللہ میں سے تھی، اس کی نظر میں محل، سونے کے ڈھیر کچھ قدر و قیمت نہ رکھتے تھے۔ ''نَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ'' (تحریم۔١١)

٣۔ عورت اور اولاد کی طرف حد سے زیادہ رغبت، کسی بھی چیز سے زیادہ انسان کو دنیا کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ ''حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ''

٤۔ ہمیں محتاط رہنا چاہیے کہ دنیا کی زینت اور اس کے جلوے، آخرت کے بارے غفلت کا مقدمہ ہیں۔ ''زُيِّنَ لِلنَّاسِ۔۔۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴿١٤﴾''

٥۔ بری عاقبت کے اسباب میں سے ایک دنیا سے دلبستگی اور اس پر قربان ہو جانا ہے، کیونکہ نیک عاقبت صرف خدا کے پاس ہے۔ ''زُيِّنَ لِلنَّاسِ۔۔۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴿١٤﴾''

٦۔ تربیت کے طریقہ کار میں سے ایک یہ ہے کہ مادی چیزوں کی تحقیر کی جائے اور معنوی و روحانی باتوں کی عظمت بیان کی جائے۔ ''ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴿١٤﴾''

٧۔ خراب عادات کو کنٹرول کرنے کی بہترین راہ یہ ہے کہ ہمیشہ رہنے والی الطاف الٰہی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا جائے۔ ''وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴿١٤﴾''

آیت نمبر ١٥

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ﴿١٥﴾

ترجمۃ الآیات

(آپ ان سے) کہہ دیجئے کہ کیا (چاہتے ہو کہ جو چیز تمہیں محبوب ہے) میں تم کو اس سے بہتر چیز کے بارے میں بتاؤں؟ صاحبان تقویٰ لوگوں کے لیے (جو گذشتہ آیت میں مذکور حرام باتوں اور غفلت سے دور رہتے ہیں) ان کے پروردگار کے ہاں بہشت کے باغات ہیں جن (کے درختوں) کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور پروردگار کی طرف سے رضا اور خوشنودی ان کے شامل حال ہوگی اور اللہ تعالیٰ (اپنے ان) بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

نکات:

☆ گذشتہ آیت کے آخری جملہ میں ہم نے پڑھا کہ نیک عاقبت صرف خدا کے پاس ہے: ''وَاللّٰہُ عِنۡدَہٗ حُسۡنُ الۡمَاٰبِ'' یہ آیت نیک لوگوں کی بہشت کی تصویر کشی کر رہی ہے۔

پیغام:

۱۔ لوگوں کو حق کی طرف دعوت دیتے ہوئے، دنیا و آخرت کے درمیان موازنہ کرنے کی دعوت دیں۔ ''قُلۡ اَؤُنَبِّئُکُمۡ بِخَیۡرٍ ---''

۲۔ جنت میں ہمیشگی اور ثبات، خداوند کی رضایت کہاں اور زود گذر دنیا کی عارضی لذتیں کہاں!! ''ذٰلِکَ مَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ --قُلۡ اَؤُنَبِّئُکُمۡ''

۳۔ متقی افراد دنیا کی رنگینی میں کھو نہیں جاتے، اس آیت میں ''لِلَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا'' گذشتہ آیت میں ''لِلنَّاسِ'' کے مقابل میں لایا گیا ہے۔

۴۔ آخرت کی نعمات کو حاصل کرنے کا معیار، تقویٰ ہے۔ ''لِلَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا''

۵۔ شوق و رغبت دلانا، انسانی فطری و طبعی ضرورتوں کے مطابق ہونا چاہیے۔ ''الۡاَنۡہٰرُ ، اَزۡوَاجٌ ، خٰلِدِیۡنَ''

۶۔ عفت، پاکدامنی اور پاکیزگی، اعلیٰ ترین قدر ہے۔ ''اَزۡوَاجٌ مُّطَہَّرَۃٌ''

۷۔ متقین کیلئے لذت صرف مادی چیزوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ اللہ کی مرضی حاصل کرنے میں سب سے زیادہ معنوی لذت ہے۔ ''رِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ ؕ''

۸۔ تقویٰ صرف ہمارے دعوؤں میں نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خدا وند دیکھنے والا اور آگاہ ہے۔ ''وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ‌ۚ ۝۱۵''

آیت نمبر ۱۶

اَلَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ‌ۚ ۝۱۶

ترجمۃ الآیات

(متقی) وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ پروردگارا! بتحقیق ہم ایمان لائے ہیں، پس ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔

پیغام:

۱۔ متقین ہمیشہ دعا و استغفار کرتے رہتے ہیں۔ ''يَقُوۡلُوۡنَ''

۲۔ ایمان، عفو الٰہی کی بنیاد ہے۔ ''اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا''

۳۔ عفو و درگذر ربوبیت کی شان ربوبیت ہے اور تربیت کا لازمہ ہے۔ ''رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا''

۴۔ خداوند تعالیٰ کے قہر اور عذاب کا خوف، تقویٰ کی علامتوں میں سے ہے۔ ''قِنَا عَذَابَ النَّارِ‌ۚ ۝۱۶''

۵۔ اپنے نیک کاموں پر اعتماد نہ کرنا، اس کے باوجود کہ آپ اہل تقوا ہو پھر بھی خداوند کے قہر سے ڈرتے رہو۔ ''قِنَا عَذَابَ النَّارِ‌ۚ ۝۱۶''

آیت نمبر ۱۷

اَلصّٰبِرِيۡنَ وَالصّٰدِقِيۡنَ وَالۡقٰنِتِيۡنَ وَالۡمُنۡفِقِيۡنَ وَالۡمُسۡتَغۡفِرِيۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ ۝۱۷

ترجمۃ الآیات

(متقی لوگ وہی) صبر کرنے والے، سچے، مطیع وفرمانبردار، انفاق کرنے والے اور سحر کے وقت استغفار کرنے والے ہیں۔

نکات:

☆ باتقوا افراد کی بعض خصوصیات ہیں؛ منجملہ:

۱۔ مشکلات کے مقابلہ میں صبر کرنا، گناہوں کے انجام نہ دینے اور واجبات کو انجام دینے پر صبر کرنا۔

۲۔ گفتار وکردار میں سچائی۔

۳۔ احکام کی بجا آوری کیلئے خاضع اور سر تسلیم خم ہونا، غرور وتکبر سے دوری اختیار کرنا۔

۴۔ جو کچھ رزق خدا تعالٰی نے انہیں دیا ہے، اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

۵۔ سحر میں خدا کو پکارنا اور استغفار کرنا۔ جی ہاں! دعا کیلئے سحر مناسب ترین وقت ہے۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: سحر کے وقت استغفار کرنا، اس وقت میں نماز ادا کرنا ہے۔ (تفسیر مجمع البیان)

☆ بعض روایات میں ہے کہ اگر کوئی ایک سال تک مسلسل نماز تہجد کے قنوت میں ستر مرتبہ استغفار کرے تو اس آیت کے مصادیق میں سے شمار کیا جائے گا۔ (تفسیر اطیب البیان؛ من لا یحضر، ج ۱، ص ۳۰۹)

☆ ابی بصیر نے امام صادق علیہ السلام سے ''الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ⑰'' کے بارے میں پوچھا تو امامؑ نے فرمایا: رسول خداؐ نماز وتر میں ستر مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے۔ (تہذیب الاحکام، ج ۲، ص ۱۲۰)

پیغام:

۱۔ مخلوق کے کاموں کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ خالق کی عبادت بھی کرو۔ ''وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ⑰''

۲۔ تقوا سے مراد، معاشرے سے کٹ جانا، بے خبر ہونا اور گوشہ نشینی اختیار کر لینا نہیں ہے، متقی شخص میں تمام کمالات ہونے چاہئیں۔ ''اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ ---''

آیت نمبر ۱۸

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا

بِالۡقِسۡطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۸﴾

ترجمۃ الآیات

خدا نے گواہی دی ہے کہ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور فرشتوں نے اور صاحبان علم نے بھی (خدا کی واحدانیت کی) گواہی دی ہے کہ وہ عدل واعتدال کا نگہبان ہے ۔اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

نکات:

☆ اللہ تعالیٰ کائنات کیلئے یکساں نظام قائم کر کے اپنی ذات کی واحدانیت اور یگانگت کی گواہی دے رہا ہے۔یعنی عالم موجودات میں پایا جانے والا نظم وہم آہنگی اس ذات وحدہ لاشریک کی قدرت کے حکم فرما ہونے کی گواہی دے رہی ہے۔جیسا کہ ہم دعائے صباح میں پڑھتے ہیں:''یا مَن دلّ علی ذاته بذاته''

آفتاب آمد دلیل آمد
گر دلیلت باید از وی رُخ متاب

سورج نکلا تو دلیل بھی آ گئی، اگر تیری دلیل سچی ہے تو اس سے منہ نہ موڑ۔

☆ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: اس آیت میں''وَاُولُوا الۡعِلۡمِ'' سے مراد انبیا اور اوصیا ہیں۔(تفسیر نور الثقلین)

☆ جہاں تعدد ہو وہاں محدودیت بھی ہوتی ہے۔بے انتہا نکتہ ایک سے زیادہ نہیں ہوتا۔اگر ہم کہیں کہ فلاں چراغ کا نور بے انتہا ہے تو دوسرے چراغ کیلئے جگہ باقی نہیں رہتی۔خدا تعالیٰ لامحدود ہے کیونکہ اگر اس کی حد ہو تو وہ نیستی سے جا ملے۔کسی بھی بے انتہا کا دوسرا نہیں ہو سکتا لہٰذا خدا تعالیٰ کا دوسرا نہیں ہے اور وہ یکتا ہے۔

پیغام:

۱۔عملی گواہی دینا گواہی کی بہترین قسم ہے۔مخلوقات عالم کے درمیان موجود ہم آہنگی و یگانگت خدا کی وحدانیت پر گواہی کا بہترین نمونہ ہے۔''شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ''

۲۔خدا پر ایمان لانے کا راستہ علم ہے،علم واقعی انسان کو کائنات کے سرچشمہ سے آشنا کرتا ہے۔''وَاُولُوا الۡعِلۡمِ''

۳۔علما،فرشتوں کے برابر ہوتے ہیں۔''وَالۡمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ''

۴۔عدل الٰہی کو توحید کے ساتھ ہی بیان کیا گیا ہے، برخلاف دوسرے صاحبان قدرت واقتدار کے، کیونکہ وہ جہاں بھی

یکتائی اور رقیب وشریک نہ ہونے کا احساس کرتے ہیں وہاں زور، جبر اور ظلم سے کام لیتے ہیں لیکن خدا ایسا واحد و یکتا ہے جو عدل وانصاف کا اجرا کرتا ہے۔ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔۔۔ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ''

آیت نمبر ۱۹

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

ترجمة الآيات

یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور جن کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر جب وہ اسلام (کی حقانیت) کے بارے میں باخبر ہوگئے تو ان کا یہ اختلاف حسد اور دشمنی کی وجہ سے تھا اور جو شخص خدا کی آیات کا انکار کرے تو (اسے جان لینا چاہیے کہ) اللہ (اس سے) بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

پیغام:

۱۔ اتحاد، عدالت، عزت وحکمت خداوند پر ایمان (جو کہ پہلے والی آیت میں بیان ہوا ہے۔)، انسان کے تسلیم ہونے کا باعث ہے۔ ''اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ''

۲۔ خداوند کے سامنے تسلیم ہونے کا لازمی نتیجہ، اسلام کو اللہ کے آخری دین کے طور پر قبول کرنا ہے۔ ''اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ''

۳۔ حق کی حدود سے پار ہونا، اختلاف کا باعث ہوتا ہے۔ ''وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا''

۴۔ بعض مذہبی اختلافات کا سرچشمہ حسد اور ظلم ہوتا ہے نہ کہ جہالت اور لاعلمی ہے۔ ''مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ''

۵۔ حسد، کفر کیلئے راہ ہموار کرتا ہے۔ ''بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ''

۶۔صرف کتاب وعلم ہی نجات کیلئے کافی نہیں ہے۔"اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡيًاۢ بَيۡنَهُمۡ‌ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ"

۷۔جولوگ جان بوجھ کر اختلاف کرتے ہیں، جلد ہی سرنگوں ہوجاتے ہیں۔"سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ‏ ﴿۱۹﴾"

آیت نمبر ۲۰

فَاِنۡ حَآجُّوۡكَ فَقُلۡ اَسۡلَمۡتُ وَجۡهِىَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ‌ؕ وَقُلۡ لِّلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ وَالۡاُمِّيّٖنَ ءَاَسۡلَمۡتُمۡ‌ؕ فَاِنۡ اَسۡلَمُوۡا فَقَدِ اهۡتَدَوْا ‌ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ‌ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۲۰﴾

ترجمۃ الآیات

پھر اگر وہ تم سے حجت کرنے لگیں تو (تم ان سے جھگڑو نہیں بلکہ) ان سے کہو کہ میں نے اور میرے پیروکاروں نے خدا کے آگے اپنا سر جھکا دیا ہے۔اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور (مکہ کے) ان پڑھ (مشرک) لوگوں سے کہو کہ کیا تم بھی (خدا کے سامنے) جھک چکے ہو؟ بس اگر وہ جھک گئے ہیں تو ہدایت یافتہ ہیں اور اگر روگرداں ہوں گے تو (تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں) تمہارا فریضہ تو صرف دعوت الٰہی کا پہنچانا ہے (جبر و اکراہ نہیں) اور اللہ تمام بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

نکات:

☆ یہ جو کہا جاتا ہے کہ سخن کز دل برآید، لاجرم بر دل نشیند (جو بات دل سے نکلتی ہے وہ دل پر اثر رکھتی ہے۔) ایک کلی قانون نہیں ہے، کیونکہ پیغمبر اکرمؐ کی باتیں تو دل سے ہوتی تھیں لیکن کفار کے دل اثر قبول نہیں کرتے تھے۔

اس کے باوجود کہ آنحضرتؐ دل کی گہرائیوں سے فرماتے:"اَسۡلَمۡتُ وَجۡهِىَ" یعنی میں تمام وجود کے ساتھ خدا کے حضور میں حاضر ہوں، لیکن پھر بھی بعض لوگ اس بات سے منہ پھیر لیتے تھے:"وَاِنۡ تَوَلَّوۡا"

☆ دین کا اصل محور، حق کے سامنے تسلیم ہوجانا ہے جو کہ اس آیت میں اور پہلے والی آیت میں چار مرتبہ بیان ہوا ہے۔

''الۡاِسۡلَامُ ،اَسۡلَمۡتُ، اَسۡلَمۡتُمۡ ،اَسۡلَمُوۡا''

پیغام:

۱۔لڑائی، جھگڑا اور کٹ حجتی انبیا کے مخالف لوگوں کا شیوہ رہا ہے۔''فَاِنۡ حَآجُّوۡكَ''

۲۔ پیغام الٰہی کا پہنچانا اور استدلال سے کام لینا، ٹھیک ہے، لیکن ہٹ دھرم لوگوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔''فَاِنۡ حَآجُّوۡكَ فَقُلۡ اَسۡلَمۡتُ''

۳۔ بے نتیجہ اور بیہودہ لڑائی جھگڑوں کو ختم کریں۔''فَاِنۡ حَآجُّوۡكَ فَقُلۡ اَسۡلَمۡتُ''

۴۔دوران گفتگو اپنا اور اپنے ساتھیوں کا موقف دوٹوک انداز میں بیان کرو۔''فَاِنۡ حَآجُّوۡكَ فَقُلۡ اَسۡلَمۡتُ۔۔۔ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ''

۵۔پیغمبر کے حقیقی پیروکار وہ لوگ ہیں جو خدا کے سامنے سرتسلیم ہوں۔''اَسۡلَمۡتُ وَجۡهِىَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ''

۶۔جو چیز انسان کو منحرف باتوں سے بچاتی ہے وہ خدا تعالیٰ سے رابطہ ہے۔''اَسۡلَمۡتُ وَجۡهِىَ لِلّٰهِ''

۷۔انبیائے کرام اپنے تمام وجود اور عشق ونشاط کے ساتھ خدا سے تعلق جوڑے ہوئے ہوتے ہیں۔''وَجۡهِىَ لِلّٰهِ''

۸۔ رہبر کی توجہ معاشرے کے پڑھے لکھے افراد کے ساتھ ساتھ عام لوگوں کی طرف بھی ہونی چاہیے۔''اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ وَالۡاُمِّيّٖنَ''

۹۔انسانی معاشروں کیلئے آسمانی کتابیں نہایت ہی قیمتی علمی دستاویز ہوتی ہیں۔اس آیت میں لوگوں کو دوحصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ایک تعلیم یافتہ افراد اور دوسرے عوام الناس۔''اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ وَالۡاُمِّيّٖنَ''

۱۰۔سچی ہدایت، خدا تعالیٰ کے سامنے تسلیم ہونے میں ہے۔''فَاِنۡ اَسۡلَمُوۡا فَقَدِ اهۡتَدَوۡا ۚ''

۱۱۔انسان راستے کے انتخاب میں مجبور نہیں بلکہ آزاد ہے۔''فَاِنۡ اَسۡلَمُوۡا فَقَدِ اهۡتَدَوۡا ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا۔۔۔''

۱۲۔علم اور کتاب اکیلے ہی کافی نہیں، کیا معلوم کسی کے پاس علم ہو لیکن پھر بھی وہ تسلیم نہ ہو۔''فَاِنۡ اَسۡلَمُوۡا فَقَدِ اهۡتَدَوۡا ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا''

۱۳۔ہم اپنا فرض ادا کرنے کے پابند ہیں، نتیجہ کے ضامن نہیں ہیں۔''فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ ؕ''

۱۴۔خداوند، پیغمبروں کے ذریعے لوگوں پر اتمام حجت کرتا ہے۔''فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ ؕ''

آیت نمبر ۲۱

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ۙ

وَّيَقۡتُلُوۡنَ الَّذِيۡنَ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡقِسۡطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۲۱﴾

ترجمۃ الآیات

بتحقیق جولوگ خدا کی آیات سے انکار کرتے ہیں، انبیا کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف کا حکم دیتے ہیں، پس ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔

نکات:

☆ تفسیر کبیر، مجمع البیان اور تفسیر قرطبی میں پڑھتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے پہلے دن وہ بھی صرف ایک گھنٹے میں تنتالیس (۴۳) الٰہی پیغمبروں کو قتل کیا علاوہ ازیں ایک سو بارہ ایسے افراد کو قتل کیا جو امر بالمعروف کرتے تھے۔

یہ بات واضح ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے زمانہ میں ایسے لوگ نہ تھے جنہوں پیغمبروں کو قتل کیا ہولیکن اس وقت زندہ افراد اپنے پہلے لوگوں کے اعمال پر راضی تھے، اس لیے خدا تعالیٰ نے انہیں بھی قلبی رضایت کی بنا پر سابقہ لوگوں کو اس جرم میں شامل قرار دیا ہے، خدا تعالیٰ نے ''بَشِّرۡهُمۡ '' کے الفاظ کے ساتھ ان پر تنقید کی ہے اور انہیں دھمکی دی ہے۔

☆ سوال: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واجب ہونے میں یہ شرط ہے کہ آپ کیلئے کوئی خطرہ نہ ہو۔ جبکہ اس آیت میں جو افراد آخر دم تک نہی عن المنکر کیلئے لڑ رہے ہیں، ان کی تعریف کی گئی ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ افراد کے مختلف حالات اور معروف ومنکر کی مختلف اقسام کے مطابق صورت حال مختلف ہوتی ہے۔کبھی منکر، یزید کی حکومت ہوتی ہے کہ جس کی خاطر امام حسین علیہ السلام، نہی عن المنکر کرتے ہوئے کربلا کی طرف جاتے ہیں اور شہید ہو جاتے ہیں۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ میرے اس سفر اور قیام کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔لیکن کبھی منکر اس سطح کا نہیں ہوتا بلکہ ایسا گناہ ہوتا ہے کہ گناہ کے نقصان اور اس سے روکنے پر موجود خطرے کو دیکھا جاتا ہے، جان، مال وعزت کو دیکھا جاتا ہے، اہمیت اور اولویت کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت میں جن افراد کی تعریف کی گئی ہے شاید وہ خود، جان کے خطرے تک کی پیش بینی نہیں کر رہے ہونگے، لیکن ظالموں نے انہیں شہید کر دیا ہوگا۔

پیغام:

۱۔کفریہ اور منحرف عقائد باعث بنتے ہیں کہ انسان خطرناک اعمال انجام دے، جیسے انبیا کا قتل کرنا۔''یَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقۡتُلُوۡنَ النَّبِیّٖنَ۔۔۔''

۲۔بعض حالات میں حق کا اظہار کرنا ضروری ہے، چاہے اس کیلئے انبیا اور اولیا شہید ہو جائیں۔

۳۔دشمن، حق سے مقابلہ کیلئے پیغمبروں کو بھی قتل کرنے سے نہیں گھبراتے۔''وَیَقۡتُلُوۡنَ النَّبِیّٖنَ''

۴۔طاغوتی لوگ کبھی نیک اور برجستہ افراد کو قتل کرنے کیلئے پروپیگنڈا، افواہیں، توجیہات کے ذریعے اپنے کام کو حق ثابت کرتے ہیں۔''بِغَیۡرِ حَقٍّ''

۵۔ایسے افراد جو لوگوں کو عدل و انصاف کی طرف دعوت دیتے ہیں، امر بالمعروف کرتے ہیں اور نہی عن المنکر کرتے ہیں، ان کے نام کو انبیا کے ناموں کے برابر ذکر کیا گیا ہے، لہٰذا ان کے قاتلوں کا انجام بھی نبیوں کے قاتلوں جیسا ہوگا۔''فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۲۱﴾''

آیت نمبر ۲۲

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ ۫ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۲۲﴾

ترجمۃ الآیات

یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

پیغام:

۱۔بعض اوقات کسی شخص کا صرف ایک ہی گناہ اور ایک انحراف اس کی تمام عبادتوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔''حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ''

۲۔انبیائے کرام کے قتل جیسے گناہوں کے بارے میں نہ تو کوئی مددگار رہتا ہے اور نہ ہی شفاعت کرنے والا ہے۔''مَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۲۲﴾''

آیت نمبر ۲۳

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾

ترجمۃ الآیات

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں آسمانی کتاب (تورات وانجیل) سے کچھ بہرہ مند کیا گیا تھا وہ جب کتاب الٰہی کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے (اور ان کے اختلافات کو ختم کرے) تو ان میں سے ایک گروہ (علم وآگہی کے باوجود) منہ پھیر رہتا ہے اور وہ (حق کو قبول کرنے اور کتاب خدا کے فیصلے کو ماننے سے) منہ پھیر لیتے ہیں۔

نکات:

☆ تفاسیر میں آیا ہے کہ ایک یہودی مرد اور عورت شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کے مرتکب ہوئے اور تورات کے قانون کے مطابق انہیں سنگسار کیا جانا چاہیے تھا، لیکن چونکہ ان کا تعلق بڑے خاندان سے تھا لہٰذا ان کی تمام تر کوشش یہی تھی کہ تورات کے حکم کے اجرا سے بچ جائیں۔ تب وہ پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپؐ ہی اس بارے میں فیصلہ صادر فرمائیں۔ چنانچہ آپؐ نے ابھی ان کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: تورات کی مانند قرآن مجید کا بھی یہی فیصلہ ہے۔

ابن صوریا جو کہ ایک یہودی عالم تھا، اسے فدک سے مدینہ بلایا گیا تاکہ وہ تورات پڑھے۔ جب اسے اس ماجرے کی اطلاع ملی تو تورات کی جن آیات میں سنگساری کا حکم تھا وہ اسے پڑھتے وقت ان جملوں پر ہاتھ رکھ دیتا تاکہ یہ آیت کسی کو نظر نہ آسکے۔ عبداللہ بن سلام جو اس زمانے میں یہودیوں کا عالم تھا اور اس اجلاس میں بھی موجود تھا، اس کی کارستانی کو سمجھ گیا اور اس نے سارے معاملے کو ظاہر کر دیا۔ (زانی کو سزائے موت اور سنگسار کا حکم تورات سفر تثنیہ باب ۲۲ اور سفر لاویان باب ۲۰ میں بیان ہوا ہے۔)

☆ یہ آیت مسلمانوں کیلئے ایک تنبیہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی یہود کی طرح قانون کے نفاذ کے وقت، دستورات الٰہی سے منہ موڑ لو اور لوگوں کے درمیان فرق کے قائل ہو جاؤ۔

پیغام:

۱۔ قانون، فیصلے، قضاوت کی کتاب، آسمانی کتاب ہے۔ ''یُدۡعَوۡنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰهِ لِیَحۡکُمَ''

۲۔ اسلام، انصاف کا دین ہے، دوسروں کے احترام کا دین ہے۔ دوسرے ادیان کے علما کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنی کتاب کے ذریعے فیصلے کریں۔ ''یُدۡعَوۡنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰهِ لِیَحۡکُمَ''

۳۔ اہل کتاب کے سب علما برے نہ تھے۔ ''یَتَوَلّٰی فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ''

۴۔ منہ موڑنے سے زیادہ برا، ضد اور کج روی کا قصد کرنا ہے۔ ''یَتَوَلّٰی فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ وَهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۲۳﴾''

۵۔ سب افراد کیلئے قانون ایک جیسا نافذ ہونا چاہیے۔ ''(شان نزول کے مطابق)

آیت نمبر ۲۴

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ۖ وَغَرَّهُمۡ فِىۡ دِيۡنِهِمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾

ترجمۃ الآیات

(حکم خدا سے) یہ (روگردانی اور فرار) اس لیے تھا کہ اہل کتاب کہتے تھے کہ جہنم کی آگ گنتی کے چند ایام کے علاوہ ہمیں ہرگز نہیں چھوئے گی اور اس قسم کے جھوٹ و افترا (اور خیالی اندازے) دین میں ان کی فریب خوردگی کا سبب بن گئے۔

نکات:

☆ قرآن مجید میں کئی مرتبہ یہودیوں کے باطل خیالات اور بے ہودہ نعروں کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتے تھے ''ہم برتر نسل کے افراد اور خدا کے دوست ہیں'' اور ''قیامت میں ہمیں ان چالیس دنوں کے عذاب کے علاوہ اور کوئی سزا نہیں ملے گی جن میں ہمارے آباو اجداد نے گوسالہ پرستی کی تھی'' اسی قسم کے خیالات ان کے مغرور اور منحرف ہو جانے کا سبب بنے، دور حاضر کے اسرائیلی (یہودی) بھی اسی نسلی برتری کے گمان میں مبتلا ہو کر کسی بھی قسم کے ظلم و ستم سے دریغ نہیں کرتے۔

پیغام:

١۔ گمراہی کا سرچشمہ، خرافات اور بے بنیاد عقائد ہیں۔ ''هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ ۔۔۔''

٢۔ خود کو ہی بڑا سمجھنا، خواہ باطل دین کی بنا پر ہو یا برتر نسل کی بنیاد پر ہو، منع ہے اور اس کی مذمت کی گئی ہے۔ ''لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ''

٣۔ کیفر کردار کی نسبت بے فکر ہونا اور لا پرواہی کرنا، گمراہی کا باعث ہے۔ ''لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ''

٤۔ یہود، قیامت اور جہنم کو قبول کرتے ہیں، اور اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتے تھے۔ ''لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪''

٥۔ خدا تعالیٰ کے عدل کے سامنے سب لوگ برابر ہیں۔ ''لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ''

آیت نمبر ٢٥

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾

ترجمۃ الآیات

(جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ خدا کے قہر و غضب سے دور ہیں) پس اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم انہیں ایک یقینی دن کے لیے اکٹھا کریں گے اور ہر شخص کو اس کے کیے کی مکمل سزا یا جزا مل جائے گی اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا۔

پیغام:

١۔ قیامت کو یاد رکھو اور خرافات کو ختم کردو۔ ''لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ ۔۔۔ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ)

٢۔ سزا و جزا عمل کی بنیاد پر ہے، آرزو و گمان کی بنیاد پر نہیں ہے۔ ''لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ ۔۔۔ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ''

۳۔کوئی عمل ختم یا نابود نہیں ہوگا، بلکہ اس کے مالک کو لوٹا دیا جائے گا۔ ''وُفِّيَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ''

۴۔عدالت الٰہی میزان عدل پر قائم ہوگی، ہر کوئی اپنے اعمال کا نتیجہ پائے گا۔ ''وَوُفِّيَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ﴿۲۵﴾''

آیت نمبر ۲۶

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الۡمُلۡكِ تُؤۡتِى الۡمُلۡكَ مَنۡ تَشَآءُ وَتَنۡزِعُ الۡمُلۡكَ مِمَّنۡ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ‌ؕ بِيَدِكَ الۡخَيۡرُ‌ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ﴿۲۶﴾

ترجمۃ الآیات

کہہ دو کہ اے اللہ! تو ہی حکومتوں کا مالک ہے جسے تو چاہے (اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت) حکومت دیدے اور جس سے چاہے حکومت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دیدے اور جسے چاہے ذلت دیدے۔ سبھی خیر وخوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

نکات:

☆ تفاسیر میں ہے کہ جب پیغمبر اسلامؐ نے مکہ فتح کر لیا تو مسلمانوں سے ایران اور روم کی فتح کا بھی وعدہ کیا۔ اس وقت منافق لوگ تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

جبکہ کئی دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت غزوۂ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی، جب خندق کھودی جا رہی تھی، چنانچہ خندق کھودنے کے وقت جب حضور گرامیؐ نے ایک سخت پتھر پر کدال ماری اور اس سے چنگاریاں اٹھیں تو آپؐ نے فرمایا: ''میں نے ان چنگاریوں میں جبرائیلؑ کے ذریعے مدائن اور یمن کے محلات کو فتح ہوتے دیکھا ہے۔'' یہ سن کر منافقین تمسخر آمیز انداز میں ہنسنے لگے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

☆ اس آیت میں خدا کی طرف سے عزت اور ذلت دینے کا ذکر ہے تو یہ خدائی قوانین اور اس کے اپنے طریقہ کار کی

وجہ سے ہے۔ ورنہ کسی وجہ اور دلیل سے بغیر خدا نہ تو کسی کو عزت دیتا ہے اور نہ ذلت! مثلاً ہم روایات میں پڑھتے ہیں کہ ''جو شخص خدا کے لیے تواضع اور فروتنی اختیار کرتا ہے، خدا اسے عزت عطا کرتا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے خدا اسے ذلیل کر دیتا ہے۔'' (بحار، ج ۱۶، ص ۲۶۵)

جو لوگ غیر خدا سے عزت چاہتے ہیں، قرآن پاک ان پر شدید تنقید کرتا ہے اور فرماتا ہے: ''اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝۱۳۹'' (نساء۔۱۳۹)

اس بنا پر ذلت اور عزت خدا کی طرف سے ہے لیکن اس کے لیے راہ ہموار کرنا ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے۔

پیغام:

۱۔ تمام حکومتوں کا حقیقی مالک خدا ہے، غیر خدا کی حکومتیں عارضی، وقتی اور محدود ہوتی ہیں۔ ''مٰلِكَ الْمُلْكِ''

۲۔ اب مالک وہی ہے پس دوسرے صرف امانت دار سے زیادہ کچھ نہیں ہیں، لہٰذا اصلی مالک کی مرضی کے مطابق عمل کریں۔ ''مٰلِكَ الْمُلْكِ''

۳۔ جب انسان مِلک کا مالک نہیں ہے تو پھر اسے حاصل کرنے پر اتراتا کیوں ہے اور اس کے کھو جانے پر مایوس کیوں ہوتا ہے؟ ''مٰلِكَ الْمُلْكِ''

۴۔ خداوند عالم جس کو شائستہ اور لائق جانتا ہے، حکومت عطا کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سلیمانؑ، حضرت یوسفؑ، جناب طالوتؑ اور جناب ذوالقرنینؑ کو حکومت عطا ہوئی۔ ''تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ''

۵۔ حکومت اور حاکمیت میں انسان کی دلچسپی اور لگاؤ بڑھ جاتا ہے۔ ''تَنْزِعُ الْمُلْكَ'' نزع، اکھاڑنے کے معنی میں ہے جو کہ ایک قسم کی دلبستگی کی علامت ہے۔

۶۔ عزت و ذلت خدا کے ہاتھ میں ہے، دوسروں سے اس بات کی توقع نہ رکھیں۔ ''تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ''

۷۔ توحید در دعا و عبادت ایک ضرورت ہے۔ ''بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ'' مناجات شعبانیہ میں پڑھتے ہیں کہ ''الهی بیدك لا بید غیرك زیادتی و نقصی''

۸۔ اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے، خواہ کسی کو عطا کرنا یا واپس لے لینا، سب خیر ہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم جلدی میں فیصلہ کر لیں اور اس کے فلسفہ کو نہ سمجھ سکیں۔ ''بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ''

۹۔ برائی کا سرچشمہ عجز و ناتوانی ہے، جو کوئی ہر کام پر قدرت رکھتا ہے سوائے خیر کے کچھ صادر نہیں ہوتا۔ ''بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۶''

آیت نمبر ۲۷

تُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّهَارِ وَتُوۡلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیۡلِ ۫ وَتُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَتُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ ۫ وَتَرۡزُقُ مَنۡ تَشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ﴿۲۷﴾

ترجمۃ الآیات

(خدایا تو) رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے باہر نکالتا ہے اور جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا کرتا ہے۔

نکات:

☆ اس آیت میں اور اس سے پہلی والی آیت میں بارہ مرتبہ قدرت خداوندی کا ذکر کیا گیا ہے تا کہ اس طرح سے انسان میں توحید کی روح کو اجاگر کیا جائے۔

☆ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنا یا شب و روز میں وقت کا پھیلنا یا سکڑنا، مختلف موسموں کے اعتبار سے ہے۔ البتہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے تدریجی طلوع وغروب کے معنی مراد ہوں لیکن پہلے معنی زیادہ واضح ہیں۔

☆ زندہ کو مردہ سے نکالنا خدا تعالیٰ کی قدرت نمائی کا ایک نمونہ ہے، یعنی بے جان خورا کی مواد سے ایک زندہ خلیے کو پیدا کرتا ہے، جبکہ زندوں کو موت دے کر مردہ بنا دیتا ہے۔

☆ کبھی مردہ دل کافروں سے زندہ دل، مومن اولاد پیدا کرتا ہے اور کبھی زندہ دل مومنین سے مردہ دل کافر پیدا ہوتا ہے۔ (تفسیر مجمع البیان، ج ۲، ص ۴۲۸) یہ آیت کے مصادیق میں سے ایک ہے۔

☆ بے حساب رزق سے مراد بے شمار اور وافر مقدار میں رزق دینا ہے نہ یہ کہ اس کا حساب اس کی قدرت سے باہر ہے۔ ممکن ہے اس کا مطلب یہ ہو کہ اس کے رزق کا حساب تمہارے جمع خرچ سے باہر ہے اور اس راہ سے رزق دیتا ہے جہاں کے بارے میں تم سوچ بھی نہیں سکتے۔

☆ رزق میں لوگوں کے درمیان فرق، خدا تعالیٰ کی ایک حکمت ہے، تا کہ لوگ ایک دوسرے کے محتاج رہیں اور

اجتماعی زندگی گذاریں۔ سخاوت، ایثار، صبر و کفایت شعاری کی صفات ان میں پھلیں پھولیں۔ کیونکہ ایک جیسی حالت ہونے کی وجہ سے یہ صفات نہیں بڑھیں گی۔ البتہ اگر کسی کے پاس کوئی نعمت ہو، دوسرے کے پاس کمتر ہو یا کوئی دوسری نعمت ہو تو لوگ اس کمی کو پورا کرنے کیلئے ایک دوسرے سے قریب ہونگے، دینے والے میں تعاون اور سخاوت بڑھے گی جبکہ نعمت وصول کرنے والے میں کفایت شعاری، عفت اور صبر کی صفات بڑھیں گی۔

پیغام:

۱۔ دن رات اور موسموں کی تبدیلی الٰہی برکات اور الطاف ہیں۔ ''بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۔۔۔ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ''

۲۔ تخلیق کے علاوہ ہر قسم کی تبدیلی اور نظم کائنات کو برقرار رکھنا اور اسکے نظام کو چلانا بھی اسی کے دست حکمت میں ہے۔ ''تُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ''

۳۔ قدرت خداوندی کی کوئی انتہا نہیں ہے وہ مردوں سے زندہ اور زندوں سے مردہ بھی پیدا کرسکتا ہے۔ ''تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ''

۴۔ الطاف الٰہی کا سرچشمہ بے انتہا ہے، بے حساب رزق یعنی رزق کا سرچشمہ محدود نہیں ہے۔ ''تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾''

آیت نمبر ۲۸

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

ترجمۃ الآیات

مومنین کو نہیں چاہیے کہ وہ مومنوں کی بجائے کافروں کو اپنا دوست اور سرپرست بنائیں، جو شخص ایسا کرے گا اس کی اللہ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہوگی، مگر یہ کہ کفار سے خوف اور تقیہ کرو (اور اہم ترین مقصد کے پیش نظر بظاہر وقتی طور پر ان کی دلجوئی کرو) اور اللہ تعالیٰ

تمہیں اپنے (قہر) سے ڈراتا ہے اور خدا ہی کی طرف (سب کی) بازگشت ہے۔

نکات:

☆ گذشتہ آیات میں بیان شدہ بے انتہا قدرت الٰہی کو مدنظر رکھتے ہوئے، کفار کے تسلط کو قبول کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ ''بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ ،تُوْلِجُ الَّيْلَ ،لَا يَتَّخِذِ ---''

☆ اس آیت میں خارجہ سیاست اور کفار کے ساتھ تعلقات کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کفار کی ولایت اور سرپرستی کو قبول کرنے کا مطلب خدا کی ولایت اور سرپرستی سے باہر آ جانا ہے اور ساتھ ہی تقیہ کی شرائط کا ذکر کیا گیا ہے اور تقیہ سے غلط فائدہ اٹھانے سے روکا گیا ہے۔

☆ تقیہ سے مراد مخالفین کی طرف سے پہنچائی جانے والی تکلیف کے خوف یا ضرر سے بچنے کیلئے یا اس سے بھی کسی اہم خطرے سے بچاؤ کیلئے حق عقیدہ کو چھپانا ہے۔ تقیہ کبھی واجب اور کبھی حرام ہوتا ہے۔ قرآن پاک کی سورہ نحل آیت ۱۰۶ میں تقیہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے، جس کا شان نزول عمار یاسر ہیں۔

پیغام:

۱۔ مومنین کو کفار کی ولایت، سرپرستی قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ''لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ'' (اگر مسلمانان عالم صرف اسی ایک آیت پر عمل کر لیتے تو آج اسلامی ملکوں کی یہ حالت نہ ہوتی۔)

۲۔ اسلامی معاشرے میں، رہبری اور سرپرستی کی اصل شرط ایمان ہے۔ ''لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ''

۳۔ سیاسی تعلقات کے نتیجے میں کفار کے تسلط کو قبول نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی ان سے قلبی تعلقات قائم کرنے چاہئیں۔ ''لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ''

۴۔ تعلق ہونا یا رابطہ کا منقطع کرنا، فکر و عقیدے کی بنیاد پر ہونا چاہیے، گھریلو، قومی یا نسلی بنیادوں پر روابط نہیں ہونے چاہئیں۔ ''الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ''

۵۔ جو کوئی کفار کے پیچھے جاتا ہے خدا تعالیٰ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور اپنی غیبی امداد سے اسے محروم کر دیتا ہے۔ ''وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ''

۶۔ بعض اہم مقاصد کے حصول کی خاطر بعض خاص مواقع پر کفار سے ظاہری رابطے قائم کرنا جائز ہیں۔ ''اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ''

۷۔ تقیہ، صرف دین کی حفاظت کے لیے ہوتا ہے، مبادا اس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کفار میں جذب ہو جاؤ، اور تقیہ کے نام سے غلط استفادہ کرو۔ ''يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ''

۸۔جس جگہ اصل دین خطرے میں ہو تو اس پر اپنا سب کچھ قربان کر دینا چاہیے اور صرف خدا ہی سے ڈرنا چاہیے۔" یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ "

۹۔قیامت کو یاد کرنا، تقویٰ کا بہترین ذریعہ ہے۔"یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۲۸ "

۱۰۔ایسا نہ ہو کہ چندروزہ کامیابی یا دنیاوی خوشی کی خاطر، کفار کے تسلط کو قبول کر لیں کیونکہ ہم سب نے اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۲۸ "

آیت نمبر ۲۹

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۹

ترجمۃ الآیات

آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو، خدا اسے جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں میں ہے یا جو کچھ زمین میں ہے، خدا (اسے بھی) جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

نکات:

☆ یہ آیت تقیہ کی آیت کے فوراً بعد ذکر ہوئی ہے، یہ شاید اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم تقیہ کے نام پر کفار سے قلبی رابطے اور تعلقات قائم کر لو، کیونکہ خداوند عالم ہر قسم کے خیالوں اور نیتوں سے اچھی طرح واقف ہے۔

پیغام:

۱۔جو لوگ تقیہ کے نام پر کفار سے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں یہ آیت خبردار کر رہی ہے۔"قُلْ اِنْ تُخْفُوْا "

۲۔انسان کا سینہ، اس کے اسرار کا مرکز ہے۔"تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ "

۳۔اللہ تعالیٰ کا علم پوشیدہ اور ظاہر چیزوں، زمین اور آسمانوں میں موجود چیزوں کے بارے میں ایک جیسا ہے۔" تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ "

۴۔ اس بات پر توجہ رہنا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے آگاہ ہے، انسان کے مذہبی ضمیر کو زندہ کرتا ہے، گناہ سے روکتا ہے اور گناہ نہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ ''یَعۡلَمۡہُ اللّٰہُ ؕ ''

۵۔ جو خدا تمام آسمانوں کے اسرار سے آگاہ ہے، کیا اس سے کسی چیز کو پوشیدہ رکھا جا سکتا ہے؟ ''یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ ''

۶۔ خدا تعالیٰ کی قدرت مطلقہ یعنی اس کا قادر مطلق ہونا، مخالفین کو خبردار کرنے کیلئے کافی ہے، اگر وہ چاہے تو صرف ایک لمحہ میں سب کو رسوا کر دے۔ ''اِنۡ تُخۡفُوۡا ۔۔۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۹﴾''

آیت نمبر ۳۰

یَوۡمَ تَجِدُ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَیۡرٍ مُّحۡضَرًا ۚۖۛ وَّمَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوۡ اَنَّ بَیۡنَہَا وَبَیۡنَہٗۤ اَمَدًۢا بَعِیۡدًا ؕ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفۡسَہٗ ؕ وَاللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۳۰﴾

ترجمۃ الآیات

وہ دن کہ جس میں ہر انسان اپنے انجام دیئے ہوئے اعمال کو اپنے سامنے موجود پائے گا۔ (البتہ) اس نے جو برائی کی ہوگی اس کے بارے میں وہ اس بات کی خواہش کرے گا کہ کاش! اسے کے برے اعمال کے اور اس کے درمیان دور کا فاصلہ ہوتا۔ (ہاں) اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

نکات:

☆ گذشتہ آیت میں خدا تعالیٰ کے علم وقدرت کے بارے میں بات تھی۔ یہ آیت خدا تعالیٰ کے علم وقدرت کا نمونہ پیش کر رہی ہے۔ یہ آیت سورۂ کہف کی ۴۹ ویں آیت سے ملتی جلتی ہے، جس میں خدا فرماتا ہے کہ ''قیامت کے دن لوگ اپنے تمام اعمال کو اپنے سامنے موجود پائیں گے۔''

تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام مسجد نبوی میں ہر جمعہ کے دن لوگوں کو موعظہ فرماتے

ہوئے اسی آیت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

پیغام:

۱۔انسان کے اعمال ختم نہیں ہوتے بلکہ قیامت کے دن ہمارے سامنے مجسم ہو کر آ جائیں گے۔''مُّحْضَرًا ''

۲۔قیامت کے دن اپنے اعمال کے سامنے پیش ہونے کا تصور انسان کو گناہ سے باز رکھتا ہے۔''مُّحْضَرًا ''

۳۔قیامت کے دن گنہگار لوگ اپنے اعمال سے شرمندہ ہونگے، لیکن اس وقت کیا ہو سکے گا؟''تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا ''

۴۔دنیا میں بہت سے اعمال ایسے ہیں جنہیں انسان بہت پسند کرتا ہے اور ان پر خوش ہوتا ہے لیکن وہی اعمال قیامت کے دن انسان کے لیے قابل نفرت بن جائیں گے۔''تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَبَیْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِیْدًا ؕ ''

۵۔اس دن پشیمانی کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور بے بنیاد آرزوئیں پوری نہیں ہونگی۔''لَوْ '' کا کلمہ بے بنیاد آرزوؤں کیلئے استعمال ہوا ہے''لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَبَیْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِیْدًا ؕ ''

۶۔پرہیزگاری اور خوف خدا، گناہ میں رکاوٹ ہے۔''یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ''

۷۔اگر خدا ڈراتا ہے تو یہ بھی اس کی کمال مہربانی اور اپنے بندوں سے محبت کی دلیل ہے۔''یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ ''

۸۔خوف اور اُمید اکٹھے تربیت کیلئے مفید ہیں۔صرف امید انسان کو مغرور بنا دیتی ہے جبکہ تنہائی کا خوف انسان کیلئے مایوسی کا سبب ہوتا ہے۔''یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ ''

۹۔خدا تعالیٰ کی رحمت و محبت سب انسانوں کیلئے ہے۔''رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ ''

آیت نمبر ۳۱

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾

ترجمة الآیات

(اے پیغمبرؐ ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، (کیونکہ اس صورت میں) خداوند عالم تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور

خداوند عالم تو بہت ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

نکات:

☆ پیغمبرؐ کے مقام ومنصب اوران کی اطاعت کے واجب ہونے کے بارے میں ہم قرآن پاک میں پڑھتے ہیں کہ'' مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ '' (نساء۔۸۰) جس کسی نے پیغمبر کی پیروی کی، یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ ایک دوسری جگہ فرمایا: ''اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ '' (فتح۔۱۰) تمہاری بیعت یقیناً خدا کی بیعت ہے۔

☆ ایک شخص نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کی: میں آپ پر قربان جاؤں، ہم لوگ اپنی اولاد کے نام آپ اور آپ کے اجداد کے ناموں پر رکھتے ہیں، کیا یہ بات ہماری لیے مفید ہے؟ آپؑ نے فرمایا: کیا دین محبت کے علاوہ ہے! خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے: كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ'' (تفسیر عیاشی، ج۱ص۱۶۷)

پیغام:

۱۔ ہر دعویٰ عمل کے ساتھ ثابت ہوتا ہے: بقول شاعر:

کار با سعی است نی با ادعا
لیس للانسان الا ما سعی

یعنی کام کوشش کرنے سے ہوتا ہے، دعوؤں سے نہیں۔ (خدا فرماتا ہے) انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی وہ سعی و کوشش کرتا ہے۔ ''كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ''

۲۔ خدا پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی پیروی کی جائے۔ ''اتَّبِعُوْنِيْ'' (جی ہاں، اسلام سچی روحانیت کے بغیر قابل مذمت ہے۔)

۳۔ جو شخص عمل کے لحاظ سے سست ہے وہ درحقیقت خدا کی معرفت اور محبت میں سست ہے۔ ''تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ''

۴۔ معاشرے کی اصلاح کے لیے نرمی اور محبت سے کام لینا چاہیے۔ ''اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ''

۵۔ رسول خداؐ کا عمل، خاموشی اور ہر بات حجت ہے اور قابل پیروی ہے۔ ''فَاتَّبِعُوْنِيْ''

۶۔ پیغمبر معصوم ہیں، کیونکہ کسی غیر معصوم کی مطلق، بے چون و چرا پیروی کا حکم حکیمانہ فعل نہیں ہے۔ ''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ''

۷۔ اگر چاہتے ہو کہ خدا تمہیں دوست رکھے تو اس کے رسولؐ کی سنت کی پیروی کرو۔ ''فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ''

۸۔ اگر انسان کوشش کرے تو ایسے مقام تک پہنچ سکتا ہے کہ جہاں اس کی مرضی، خدا کی مرضی بن جائے اور اس کی پیروی، خدا کی پیروی بن جائے۔ ''فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ''

۹۔ انسانی بنائے گئے قوانین پر خدائی قوانین کی فوقیت، عنصر محبت، عملی نمونہ اور قانون بنانے والے کی صلاحیت کے اعتبار سے ہے۔ ''تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ''

۱۰۔ بہترین جزا، معنوی روحانی جزا ہے؛ خدا تعالٰی کے نزدیک محبوب ہونا اور مغفرت پانا، مومنین کیلئے بہترین جزا ہے ۔ ''يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ''

۱۱۔ کسی کی برائی پر پردہ ڈالنا، اس کے ساتھ محبت اور درگذر کے ساتھ پیش آنا، دوستی کی علامت ہے۔ ''يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ''

۱۲۔ نیک کام، گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہیں۔ ''فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ''

۱۳۔ پیغمبر کی اطاعت و پیروی، مغفرت الٰہی کے پانے کا سبب ہے۔ ''فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ''

آیت نمبر ۳۲

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمة الآیات

کہہ دو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پس اگر وہ روگردانی کریں تو یقیناً اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

نکات:

☆ پیغمبر اکرمؐ نے آیات الٰہی بیان فرمانے کے علاوہ بہت سے دوسرے احکام بھی ارشاد فرمائے ہیں، ایسے احکام جو وقت، جگہ، افراد اور حالات کے مطابق تبدیل ہوتے رہتے تھے۔ البتہ یہ سب کچھ بھی وحی الٰہی کے ذریعے ہوا کرتا تھا لیکن ان کا ذکر قرآن پاک میں نہیں ہے۔ خدا کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا بیان ہونا، اصل میں انہی دستورات نبویؐ پر عمل کرنا ہے۔

پیغام:

۱۔ حضرت رسول خداؐ کی رفتار، کردار اور گفتار لوگوں کے لیے حجت ہے۔ ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ''

۲۔ خدا کا محبوب بننا یا اس کے لیے قابل نفرت ہونا، خود انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ ''فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ۝۳۲''

۳۔ کبھی اللہ کے رسولؐ کی نافرمانی اور ان کے ارشاد سے روگردانی کفر کے برابر ہے۔ ''فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ۝۳۲''

آیت نمبر ۳۳

اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَۙ۝۳۳

ترجمۃ الآیات

یقیناً اللہ نے آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ کی آل اور عمرانؑ کی آل کو تمام جہانوں میں برگزیدہ بنایا ہے۔

نکات:

☆ گذشتہ آیت میں رسولؐ کی اطاعت کا حکم جاری ہوا، اس آیت میں خداوندحکیم کے اس انتخاب کی وجہ بیان کی گئی ہے جو کہ دوسرے لوگوں پر ان کی برتری ہے۔

☆ انبیا کا انتخاب اور چناؤ، وحی، علم، ایمان اور ان کی عصمت کی وجہ سے ہے۔ (کافی، ج۸، ص۱۱۷)

☆ اس آیت ''اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى ۔۔۔ ذُرِّيَّةً ۔۔۔'' کے بارے میں امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: وہ انتخاب شدگان اور باقی ماندہ عترت ہم ہیں۔ (تفسیر عیاشی، ج۱، ص۱۶۸)

پیغام:

۱۔ تمام لوگ ایک سطح پر نہیں ہیں اور صاحب حکمت خدا نے بعض لوگوں کو دوسروں پر برتر قرار دیا ہے تا کہ رسالت کی اہم ذمہ داری ان کے کندھوں پر رکھے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى''

۲۔ سب سے پہلا انسان پیغمبر خدا تھا تا کہ انسان کسی بھی مرحلے میں بغیر ہدایت کے نہ رہے۔ ''اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ''

۳۔ پوری تاریخ انسانیت میں بعثت کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ ''اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوۡحًا ۔۔۔''

۴۔ بعض انبیا کی رسالت عالمی تھی۔ ’’عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ۙ۳۳﴾‘‘

آیت نمبر ۳۴

ذُرِّیَّۃًۢ بَعۡضُہَا مِنۡۢ بَعۡضٍ ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿ۚ۳۴﴾

ترجمۃ الآیات

وہ ایسی اولاد (اور خاندان) تھے جنہوں نے (طہارت، تقویٰ اور فضیلت) ایک دوسرے سے حاصل کی تھی اور خداوند عالم بہت سننے و جاننے والا ہے۔

پیغام:

۱۔ خاندان نبوت کا تاریخی طور پر پاک و پاکیزہ نسل سے تعلق چلا آرہا ہے۔ ’’اصۡطَفٰۤی۔۔ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ۙ۳۳﴾ ذُرِّیَّۃًۢ۔۔‘‘

۲۔ بعض خصوصیات اور اقدار، وراثت کے طور پر بھی منتقل ہوتی ہیں۔ ’’بَعۡضُہَا مِنۡۢ بَعۡضٍ ؕ‘‘

۳۔ خدا تعالیٰ اپنے منتخب افراد کی گفتار اور رفتار پر بھی نظارت رکھتا ہے۔ ’’اصۡطَفٰۤی۔۔۔ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿ۚ۳۴﴾‘‘

آیت نمبر ۳۵

اِذۡ قَالَتِ امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ رَبِّ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لَکَ مَا فِیۡ بَطۡنِیۡ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلۡ مِنِّیۡ ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۵﴾

ترجمۃ الآیات

(اس وقت کو یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا: پروردگارا! یقیناً میں نے تیرے لیے نذر کی ہے کہ جو کچھ میرے شکم میں ہے (تیرے گھر کی خدمت کے لیے) آزاد ہو۔ (اس کے ذمہ

کوئی اور فریضہ نہ سونپوں تا کہ وہ اپنا سارا وقت خدمت کے لیے بیت المقدس میں صرف کرے) پس تو مجھ سے قبول فرما۔ بے شک تو سننے جاننے والا ہے۔

نکات:

☆ تفاسیر اور احادیث کی کتب میں ہے کہ دو بہنیں تھیں ایک کا نام "حنہ" اور دوسری کا نام "اشیاع" تھا۔ جناب حنہ بنی اسرائیل کی مشہور اور برجستہ شخصیت حضرت عمران کی بیوی تھیں اور دوسری یعنی اشیاع بھی پیغمبر خدا حضرت زکریا کی اہلیہ تھیں۔ وہ دونوں ہی بہنیں بے اولاد تھیں۔ ایک دن جناب حنہ ایک درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی تھیں کہ درخت کے اوپر ایک پرندے کو دیکھا جو اپنے بچے کو دانہ دنکا درھا رہا تھا، مادری محبت نے ان کے دل میں اولاد سے عشق کی آتش کو شعلہ ور کر دیا چنانچہ انہوں نے وہیں پر خدا سے اولاد کی دعا مانگی، جو منظور ہوگئی۔

اِدھر ان کے شوہر جناب عمران کو الہام ہوا کہ ان کا فرزند خدا کا ولی ہوگا، جو بیماروں کو شفا بخشے گا اور مردوں کو زندہ کرے گا۔ جب جناب حنہ نے اپنے اندر آثار حمل ملاحظہ کیے تو پیش گوئی کے طور پر کہنے لگیں کہ جو بچہ خارق العادت کام انجام دے گا وہ یقیناً بیٹا ہوگا۔ اسی لیے انہوں نے نذر مان لی کہ اپنے اس بیٹے کو بیت المقدس کا خادم بنائیں گی۔ لیکن جونہی نومولود نے دنیا میں پہلا قدم رکھا تو معلوم ہوا کہ وہ (جناب مریم سلام اللہ علیہا) بیٹی ہے۔ اس وقت انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ الہام حضرت مریم کے بارے میں نہیں تھا بلکہ حضرت مریمؑ کے فرزند کے بارے میں تھا۔ (کافی، ج ۱ ص ۵۳۵)

پیغام:

۱۔ عورت کی معنوی ترقی اس حد تک بلند ہو سکتی ہے کہ سالہا سال کے انتظار کے بعد حاصل ہونے والی عزیز ترین متاع کو خانہ خدا کی خدمت کے لیے نذر میں دیدے۔ "قَالَتِ امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ رَبِّ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لَكَ"

۲۔ دور اندیش لوگ اپنی اولاد کے پیدا ہونے سے پہلے ان کے ہاتھوں انجام پانے والے کاموں کے بارے میں سوچتے ہیں۔ "نَذَرۡتُ لَكَ مَا فِیۡ بَطۡنِیۡ مُحَرَّرًا"

۳۔ نذر ضرور خالصانہ ہونی چاہیے۔ "نَذَرۡتُ لَكَ" نذر میں ضرور خلوص ہونا چاہیے،

۴۔ مسجد کی خدمت اس قدر اہمیت اور قدر و قیمت کی حامل ہے کہ اولیاء اللہ اپنی عزیز ترین متاع (اولاد) کو اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی مسجد کی خدمت کے لیے نذر میں دیدیتے ہیں۔ "نَذَرۡتُ لَكَ۔۔۔"

۵۔ نذر کا موضوع، ادیان الٰہی میں بہت طویل تاریخ کا حامل ہے۔ "رَبِّ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ"

۶۔ ماں بھی اپنی اولاد پر ایک طرح سے ولایت رکھتی ہے۔ "نَذَرۡتُ لَكَ مَا فِیۡ بَطۡنِیۡ"

۷۔ اولاد سے ہاتھ اٹھا لینے اور خدا کی طرف سے انتخاب ہونے میں کوئی رابطہ ہے۔ "اصۡطَفٰۤی۔۔۔ اٰلَ عِمۡرٰنَ۔۔

۔نَذَرۡتُ لَکَ مَا فِیۡ بَطۡنِیۡ مُحَرَّرًا‘‘

۸۔وہی لوگ دینی خدمات میں زیادہ توفیق یافتہ ہیں جو اپنے تمام وجود کو اس کی خدمت کے لیے وقف کر دیتے ہیں، زندگی میں سے کچھ حصہ کو نہیں۔’’مُحَرَّرًا‘‘

۹۔اولاد کا ماں کی خدمت کرنا، ماں کی فطری حق ہے جو کہ قابل معافی ہے۔’’مُحَرَّرًا‘‘

۱۰۔اگر چہ تم اپنی عزیز ترین اور محبوب ترین چیز کو راہ خدا میں دے رہے ہو پھر بھی بارگاہ خداوندی میں اس کے مقبول ہونے کے بارے میں فکر کرو۔’’فَتَقَبَّلۡ‘‘

آیت نمبر ۳۶

فَلَمَّا وَضَعَتۡهَا قَالَتۡ رَبِّ اِنِّیۡ وَضَعۡتُهَاۤ اُنۡثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡ ؕ وَلَیۡسَ الذَّکَرُ کَالۡاُنۡثٰی ۚ وَاِنِّیۡ سَمَّیۡتُهَا مَرۡیَمَ وَاِنِّیۡۤ اُعِیۡذُهَا بِکَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ﴿۳۶﴾

ترجمۃ الآیات

تو جب انہوں نے بچی کو جنم دیا تو کہا: پروردگارا! میں نے تو لڑکی کو جنم دیا ہے اور خدا بہتر جانتا ہے جو کچھ انہوں نے جنا۔ ہاں بیٹا، بیٹی کے مانند تو نہیں ہوتا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے ۔میں اسے اور اس کی اولاد کو راندۂ درگاہ شیطان (کے شر) سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

نکات:

☆ نومولود کی ماں کو یہ توقع تھی کہ ہونے والا بچہ لڑکا ہوگا لیکن جب بچی پیدا ہوئی تو ماں نے حسرت سے کہا: ’’پروردگارا! میں نے تو بچی کو جنم دیا ہے، اس لیے اب میں کس طرح اپنی نذر پر عمل کروں؟‘‘ لیکن اللہ تعالی نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ’’جس لڑکے کی پیدائش کا تمہیں انتظار تھا وہ اس لڑکی کی خوبیوں کا حامل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لڑکی کئی کمالات کی حامل ہے اور یہ ایک ایسے لڑکے کی ماں بنے گی، جو خیر و برکت کا منبع ہوگا۔ پس مبارک نسل میں تمہارا حصہ کئی گنا زیادہ ہوگا۔

☆’’مَرۡیَم‘‘ کا معنی عابدہ اور خادمہ ہے، یہ نام قرآن پاک میں ۳۴ مرتبہ آیا ہے۔

پیغام:

۱۔ انسانی میل و رغبت ضروری نہیں ہے بلکہ خدا کی مصلحت اور مرضی اہم ہے۔ ’’وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ‘‘

۲۔ کبھی کوئی لڑکی اپنی عفت اور پاکدامنی کی وجہ سے اتنے بلند مرتبہ پر پہنچ جاتی ہے کہ کوئی لڑکا نہیں پہنچ سکتا۔ ’’لَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ‘‘

۳۔ حضرت مریمؑ کا بہت بلند مرتبہ ہے۔ ’’لَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ‘‘ یہاں اُنثی سے مراد خاص عورت ہے۔

۴۔ اپنی اولاد کیلئے اچھے نام کا انتخاب کیا کرو۔ ’’وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْٓ‘‘

۵۔ ماں بھی اولاد کا نام رکھنے کا حق رکھتی ہے۔ ’’اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا‘‘

۶۔ بعض مختصر اور جزوی تبدیلیاں تمہیں خدا سے اور بلند مقاصد سے دور نہ کردیں۔ انہوں نے جو سوچ رکھا تھا اگرچہ اس کے خلاف، بیٹی پیدا ہوئی لیکن انہوں نے پھر بھی اس کا نام مریم رکھا جس کے معنی خادمہ کے ہیں۔ ’’سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ‘‘

۷۔ بچے کی سلامتی کے حوالے سے سب سے پہلے اس کیلئے شر شیطان سے محفوظ رہنے کی فکر کریں۔ ’’اُعِیْذُهَا‘‘

۸۔ صرف اپنی موجود اولاد ہی کو پیش نظر نہ رکھیں بلکہ دوراندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے ان کے بعد آنے والی نسلوں کو بھی مدنظر رکھیں۔ ’’اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا‘‘

۹۔ اولاد کی سعادت کے لیے صرف اپنی تربیت ہی کو کافی نہ سمجھیں بلکہ انہیں خدا کے سپرد کریں، اس لیے کہ ہماری توانائیاں محدود اور ان کے گمراہ ہونے کے اسباب وعوامل بہت زیادہ ہیں۔ ’’اُعِیْذُهَا بِكَ‘‘

۱۰۔ جناب مریمؑ کی والدہ کا بہت بلند مرتبہ ہے۔ کیونکہ ان کی نذر، ان کا اخلاص، نام رکھنا اور استعاذہ یعنی شر شیطان سے پناہ مانگنا، اس سے معلوم ہوتا کہ جناب مریمؑ کی والدہ کا خاص مقام تھا۔ ’’نَذَرْتُ لَكَ، سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُهَا بِكَ‘‘

۱۱۔ شیطان، نسل انسانی کا دیرینہ دشمن ہے۔ ’’اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝۳۶‘‘

آیت نمبر ۳۷

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ

اللّٰہَ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

ترجمۃ الآیات

تو ان کے پروردگار نے ان (کی نذر) کو خوشی سے قبول فرما لیا اور اس (مریمؑ) کی نشو ونما اچھی طرح کی اور اس کی سرپرستی زکریاؑ کے سپرد کر دی۔ جب بھی زکریاؑ محراب عبادت میں مریمؑ کے پاس جاتے تو (حیرت انگیز) خوراک ان کے پاس موجود پاتے۔ ان سے پوچھتے: اے مریمؑ! یہ (کھانا) تمہارے پاس کہاں سے (آیا) ہے؟ تو مریمؑ کہتیں یہ خدا کی طرف سے ہے۔ بے شک خدا جس کو چاہتا ہے، بے حساب روزی دیتا ہے۔

نکات:

☆ جو کوئی خدا کی راہ میں قدم بڑھائے، اس کی دنیا کا بھی بندوبست ہو جاتا ہے۔ جناب مریمؑ کی والدہ نے اپنی اولاد کو خدا کیلئے وقف کر دیا تھا، اس آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس نے ان کی پرورش کی اور جناب زکریاؑ جیسے سرپرست ان کیلئے مقرر فرمائے، علاوہ ازیں آسمانی دسترخوان بھی ان کیلئے نازل کیا۔

☆ بے حساب رزق سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس کا کوئی حساب کتاب نہیں ہے۔ بلکہ معمولی اندازوں سے باہر ہونا ہے۔ ''تَرۡزُقُ مَنۡ تَشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ'' (آل عمران۔ ٢٧)

☆ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو ظاہری اور جسمانی لحاظ سے بھی خوب نشو ونما حاصل ہوئی۔ ''وَّاَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ''

☆ مریمؑ جیسی ماں، تربیت کیلئے مسجد جیسی جگہ، سرپرستی کیلئے زکریاؑ جیسے پیغمبر، کھانے کیلئے بہشتی غذائیں، اور اس کا حاصل عیسیٰؑ جیسا بیٹا۔

تربیت میں مؤثر عوامل درج ذیل ہیں:

١۔ ماں کی پاک روح۔ ''فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ''

٢۔ صحیح وسالم جسم۔ ''نَبَاتًا حَسَنًا ۙ''

٣۔ الٰہی تعلیم و تربیت۔ ''وَّکَفَّلَهَا زَکَرِیَّا ۚ''

۴۔ پاک غذائیں ''وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا ۚ''

☆ جب مدینہ میں قحط تھا، ایک دن جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا نے کچھ روٹیاں اور گوشت جناب پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں لے گئیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے دریافت فرمایا کہ قحط کے زمانے میں یہ کھانا کہاں سے آیا؟ بی بی نے عرض کیا: ھو من عند اللہ'' پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: خدا کا شکر ہے اس نے تمہیں مریمؑ جیسا قرار دیا۔

پھر پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ سب کو اکٹھا کیا، سب نے مل کر کھانا کھایا اور ہمسائیوں کو بھی وہ کھانا دیا۔ (تفسیر روح البیان، ج ۲، ص ۲۹)

پیغام:

۱۔ دعا کی قبولیت، ربوبیت الٰہی کا ایک جلوہ ہے۔ ''فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا''

۲۔ خداوند کی طرف سے دعا کی قبولیت کے درجات ہیں، خدا تعالیٰ نے جناب مریمؑ کی والدہ کی نذر کو بہترین طریقہ پر قبول فرمایا۔ ''بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ''

۳۔ جو شخص خلوص سے کام کرتا ہے، خدا اس کے کاموں کو اچھے طریقے پر قبول فرماتا ہے۔ ''بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ''

۴۔ جناب مریمؑ کی والدہ نے نذر کی تھی کہ ان کا ہونے والا بچہ خدا کے گھر کا خدمت گار ہوگا، پس خداوند عالم نے اس خلوص کے بدلے میں اپنے پیغمبر کو اس بچی کا خدمت گار اور کفیل بنا دیا۔ ''كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ''

۵۔ جو کوئی انبیا کی زیر کفالت آتا ہے، شیطان سے دور ہو جاتا ہے۔ ''اُعِيۡذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ۝۳۶ ---وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ''

۶۔ عبادت عارضی اور موسمی نہیں ہونی چاہیے۔ ''كُلَّمَا دَخَلَ''

۷۔ کفالت کی شرط، صحیح نظارت اور جستجو ہے۔ ''كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ ... اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ''

۸۔ عبادت یعنی شیطان سے جنگ، عبادت کی جگہ، محراب یعنی میدان جہاد ہے۔ ''دَخَلَ عَلَيۡهَا زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَ ۙ''

۹۔ پاک رزق، عبادت کے زیر سایہ ہوتا ہے۔ ''الۡمِحۡرَابَ ۙ وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا ۚ''

۱۰۔ عورت بھی ایسی بلند مرتبہ ہو سکتی جو پیغمبر خدا کو حیران کر دے۔ ''اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ''

۱۱۔ نعمتوں کو اسی کی طرف سے جانیں، اپنی محنت و کوشش کا صلہ قرار نہ دیں۔ ''هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ''

۱۲۔ خدا تعالیٰ معمولی اور عادی اسباب کے علاوہ بھی رزق عطا فرما سکتا ہے۔ ''هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ''

۱۳۔ صحت مند معاشرے اور سالم حالات میں مرد اور عورت آپس میں بات کر سکتے ہیں۔ ''اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ''

آیت نمبر ۳۸

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٨﴾

ترجمۃ الآیات

اس وقت زکریؑا نے (یہ ساری کرامت اور آسمانی مائدہ دیکھا تو) اپنے پروردگار سے دعا مانگی اور کہا: خداوندا! تو اپنی طرف سے مجھے پاک اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کو سنتا ہے۔

نکات:

☆ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت مریمؑ کی والدہ اور حضرت زکریؑا کی زوجہ آپس میں بہنیں تھیں اور دونوں ہی عقیم (بانجھ) تھیں۔ جب حضرت مریمؑ کی والدہ نے پرندے کو اپنے بچوں کو غذا دیتے ہوئے دیکھا تو ان کے دل میں بھی اولاد کی تڑپ پیدا ہوئی اور انہوں نے خدا سے اولاد کی دعا مانگی، اللہ تعالیٰ نے انہیں جناب مریمؑ جیسی اولاد سے نوازا اور جب حضرت زکریؑا نے جناب مریمؑ کے اس مقام و مرتبہ کو ملاحظہ فرمایا تو انہوں نے خدا سے اولاد کی التجا کی۔

پیغام:

۱۔ دعا کی قبولیت کیلئے انسان کے حالات اور دعا کی گھڑیاں موثر ہوتی ہیں۔ ''هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ''

۲۔ رشک کرنا کمال ہے اور حسد کرنا نقص ہے، جب حضرت زکریؑا نے خدا کے نزدیک مریمؑ کے مقام و مرتبہ کو ملاحظہ کیا تو رشک کرنے لگے اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ ''هُنَالِكَ دَعَا''

۳۔ عورت بھی پیغمبر خدا پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ ''هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا''

۴۔ دوسرے افراد کے کمالات کو دیکھنا، اپنے کمالات کی بلندی کیلئے درخواست کی وجہ ہو سکتا ہے، اور انسان کا خدا کی طرف متوجہ ہونے کی بھی وجہ ہو سکتی ہے۔ ''هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا''

۵۔ اولاد اور پاک نسل کی دعا کرنا، انبیا کی سنت اور طریقہ کار ہے۔ ''هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ''

۶۔ اولاد اور نسل کی قدر و قیمت ان کے پاکیزہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ ''ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ''

۷۔ دعا کرتے وقت خدا تعالیٰ کی بزرگی بیان کرنی چاہیے۔ ''اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝۳۸''

آیت نمبر ۳۹

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۳۹

ترجمۃ الآیات

تو جب زکریاؑ محراب میں نماز کے لیے کھڑے ہوئے تھے تو ملائکہ نے انہیں آواز دی کہ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں یحییٰ (نام کے بیٹے) کی خوشخبری دیتا ہے کہ جو کلمۃ اللہ (حضرت عیسیٰ مسیحؑ) کی تصدیق کرے گا اور وہ سردار اور (عورتوں کی طرف) رغبت نہ کرنے والا اور پاکباز پیغمبر ہوگا۔

نکات:

☆ حضرت یحیٰؑ جناب عیسیٰؑ سے چھ ماہ بڑے تھے، چونکہ وہ لوگوں کے درمیان زہد وتقویٰ کی نسبت مشہور تھے، اس لیے جب وہ اپنے خالہ زاد بھائی جناب عیسیٰؑ پر ایمان لائے تو یہ بات بہت زیادہ موثر واقع ہوئی اور اس وجہ سے لوگ جناب عیسیٰؑ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جناب عیسیٰؑ اور جناب یحیٰؑ کے نام کا مطلب بھی ایک ہے، یعنی زندہ رہنے والا۔

☆ بعض افراد نے ''حَصُوْرًا'' کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ جناب یحیٰؑ نے زیادہ سفر کرنے کی وجہ سے شادی نہ کی تھی۔ لیکن امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جناب یحیٰؑ کی عفت باعث بنی کہ وہ شادی نہ کریں اور عورتوں سے دور رہیں۔ (تفسیر مجمع البیان)

پیغام:

۱۔ پاک دل سے نکلی ہوئی مخلصانہ دعا قبول ہوتی ہے۔ ''دَعَا زَكَرِيَّا ... فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ''

۲۔ گذشتہ ادیان میں بھی نماز موجود تھی۔ ''يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ''

۳۔ عبادت کی جگہ اور محراب، کا ایک خاص تقدس ہے، وہ آسمانی مائدہ کے نزول کی جگہ؛ ''وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ''

اور دعا کی قبولیت کی جگہ ہے۔ ''فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ''

۴۔ نماز، فرشتوں کے نزول کا باعث ہے۔ ''فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ''

۵۔ خدا تعالیٰ کا ارادہ ہر چیز پر غالب ہے، باپ کا بڑھاپا اور کمزوری، ماں کا بانجھ پن اور نہ جننے کی صلاحیت بھی صاحب اولاد ہونے میں رکاوٹ نہیں ہوسکتی۔ ''اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى ''

۶۔ بعض دفعہ افراد کے نام خدا کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں۔ ''يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى''

۷۔ انبیا ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ ''مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ''

۸۔ جناب عیسیٰؑ، خدا تعالیٰ کے بیٹے نہیں بلکہ اس کی قدرت پر ایک نشانی ہے۔ ''بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ''

۹۔ خدا تعالیٰ ہر کسی کے آئندہ سے باخبر ہے۔ ''سَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا''

۱۰۔ جنسی خواہشات کو کنٹرول کرنا اور عفت و پاکدامنی کو حفظ کرنا، خدا تعالیٰ کی پسندیدگی کا باعث ہے۔ ''حَصُوْرًا''

آیت نمبر ۴۰

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾

ترجمۃ الآیات

(زکریاؑ نے) کہا: خداوندا! مجھے کیونکر بیٹا ہوگا جبکہ مجھے بڑھاپے نے آلیا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے؟ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: اسی طرح خدا جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔

پیغام:

۱۔ ناامیدی میں بہت سی امیدیں پائی جاتی ہیں۔ ''اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ ۔۔۔ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾''

۲۔ جب نارسائی کے بیان کا موقع ہو، تو اس کا آغاز اپنی ذات سے ہونا چاہیے۔ ''بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ ''

۳۔ خدا کا ارادہ طبعی اور فطری اسباب و وسائل پر فوقیت رکھتا ہے۔ ''يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾''

آیت نمبر ۴۱

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

ترجمۃ الآیات

(زکریاؑ نے) کہا: پروردگارا! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما (تا کہ میرا علم یقین واطمینان میں بدل جائے) اللہ نے فرمایا: تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ تین دن تک تجھ سے لوگوں کے ساتھ بات کرنے کی طاقت لے لی جائے گی، سوائے اشارے سے بات کرنے کے (لیکن خدا کے ذکر کے وقت تیری زبان کھل جائے گی) اور اپنے پروردگار کو (نعمتوں کے شکرانہ کے طور پر) بہت زیادہ یاد کیا کرو اور رات دن اس کی تسبیح کیا کرو۔

پیغام:

۱۔ جو خدا لوگوں سے بات کرنے کے دوران کسی کی زبان بند کردے اور ذکر خدا کے وقت کھول دے ایسا خدا بوڑھے باپ اور بانجھ ماں سے بھی بچہ پیدا کرسکتا ہے۔ ''كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ ... اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ''

۲۔ انبیا، یقین وشہود کا مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ''اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ''

۳۔ جس قدر الطاف الٰہی میں اضافہ ہو، اس کی یاد میں بھی اضافہ ہونا چاہیے۔ ''وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا''

۴۔ جس قدر ذکر خدا زیادہ ہو اسی قدر بہتر ہے۔ ''وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا''

۵۔ خدا تعالیٰ کے اذکار میں تسبیح کا ایک الگ مقام ہے۔ ''وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ''

آیت نمبر ۴۲

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ

وَاصۡطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الۡعٰلَمِيۡنَ﴿۴۲﴾

ترجمۃ الآیات

(اس وقت کو یاد کرو) جب فرشتوں نے (مریمؑ سے) کہا اے مریم! یقیناً اللہ نے تمہیں برگزیدہ کیا اور پاک وصاف بنایا اور تمہیں دنیا جہان کی عورتوں پر برتری عطا کی ہے۔

نکات:

☆ جب کلمہ ''اِصطفی'' حرف جار ''علی'' کے ساتھ آئے تو اس کے معنی مقدم و برتر ہونا ہے، اگر حرف جار کے بغیر آئے تو اس کے معنی انتخاب ہے۔

☆ المنار، قرطبی، مراغی، روح البیان اور فخر رازی کی کتب تفاسیر میں ہم پڑھتے ہیں کہ دنیا میں چار خواتین برگزیدہ ہیں: ۱۔ جناب مریمؑ، ۲۔ جناب آسیہؑ، ۳۔ جناب خدیجہؑ، ۴۔ جناب فاطمہ زہراؑ۔

روایات اہل بیت علیہم السلام میں ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ جناب مریم علیہا السلام اپنے زمانے کی عورتوں میں سے برگزیدہ ترین خاتون تھیں جبکہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تمام زمانوں میں برگزیدہ خاتون ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین)

البتہ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو منتخب فرماتا ہے تو یہ انتخاب اس کی خصوصی لیاقت، شائستگی اور قابلیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

پیغام:

۱۔ فرشتے غیر انبیا کے ساتھ بھی بات کرتے ہیں۔ ''وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ''

۲۔ عورت بھی قرب الٰہی کا مقام حاصل کر سکتی ہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اس کیلئے پیغام بھیجے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰىكِ''

۳۔ حضرت مریمؑ ایک تو اپنے کمالات میں برگزیدہ تھیں اور دوسرے اس زمانے کی عورتوں پر برتری کی حامل تھیں اسی لیے ''اصۡطَفٰىكِ'' کا جملہ دو مرتبہ ذکر ہوا ہے۔

۴۔ حضرت مریمؑ معصومہ تھیں۔ ''طَهَّرَكِ''

۵۔ حضرت مریمؑ عورتوں کیلئے نمونہ عمل ہیں۔ ''اصۡطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الۡعٰلَمِيۡنَ﴿۴۲﴾''

آیت نمبر ۴۳

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمۃ الآیات

اے مریم! (ان تمام نعمتوں کے شکرانہ میں) اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرو، سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

نکات:

☆ گذشتہ آیت میں خدا تعالیٰ نے جناب مریمؑ کو جو تین کمال عطا فرمائے ان کا ذکر کیا، جیسے: انتخاب الٰہی؛ ''اصْطَفٰكِ'' تطہیر الٰہی؛ ''طَهَّرَكِ'' دوسروں پر برتری عطا ہونا؛ ''اصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ''۔ اس آیت میں انہی سے تین ذمہ داریوں کا مطالبہ کیا جا رہا ہے: خضوع وخشوع ''اقْنُتِيْ'' سجدہ: ''اسْجُدِيْ'' اور رکوع: ''ارْكَعِيْ''۔ پس ہر نعمت کے ساتھ ایک ذمہ داری بھی آتی ہے۔

پیغام:

۱۔ نمایاں افراد کو دوسروں کی نسبت زیادہ تواضع، فرمانبرداری اور عبادت کرنی چاہیے۔ ''يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ ۔۔۔'' (اولیاء اللہ کے لیے خصوصی عبادت کا حکم ہے جیسا کہ حضرت رسولخداؐ کے لیے نماز شب یعنی تہجد واجب تھی۔)

۲۔ نماز، رکوع اور سجود، شکر کی بہترین راہ ہے۔ گذشتہ آیت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے انتخاب گی کا بیان ہوا، جس کے لیے شکر ضروری ہے۔ ''اصْطَفٰكِ ۔۔۔ اقْنُتِيْ''

۳۔ عبادت صرف ذات پروردگار کے لیے ہونی چاہیے۔ ''رَبِّكِ''

۴۔ عبادات انسان کی تربیت کے لیے بہت موثر ہوتی ہیں۔ ''رَبِّكِ''

۵۔ نماز جماعت اور مشترکہ عبادات، اسلام سے پہلے بھی تھیں۔ ''مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾''

۶۔ ایسے پروگرامز جو عبادتی یا اجتماعی ہوں، جن میں مرد شرکت کرتے ہیں، ان اجتماعات میں شرکت کیلئے عورتوں کو بھی سفارش کی گئی ہے۔ ''مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾'' شرط یہ ہے کہ عورتیں، جناب مریمؑ جیسا کردار ادا کریں۔

۷۔ برگزیدہ اور منتخب افراد کو چاہیے کہ عوام کے درمیان رہیں، معاشرے کے مسائل میں دلچسپی لیں، عوام سے الگ تھلگ نہ رہیں۔ ''ارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾''

آیت نمبر ۴۴

ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ‌ؕ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَهُمۡ اَيُّهُمۡ يَكۡفُلُ مَرۡيَمَ‌ ۖ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يَخۡتَصِمُوۡنَ‏ ﴿۴۴﴾

ترجمۃ الآیات

(یہ خبر) غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم تمہارے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجتے ہیں۔ حالانکہ (اے پیغمبرؐ!) تم اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ (قرعہ اندازی کے لیے) اپنے اپنے قلم (دریا میں) ڈال رہے تھے تاکہ (قرعہ کے ذریعہ معلوم ہو کہ) کون شخص ،مریم کی کفالت کرے اور تم اس وقت بھی وہاں موجود نہیں تھے (جب) وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

نکات:

☆ جیسا کہ پہلے اشارہ ہو چکا کہ حضرت مریمؑ کی ولادت سے پہلے ہی ان کی والدہ نے نذر کی تھی کہ ان کے شکم سے پیدا ہونے والا بچہ (بیت المقدس کی) مسجد کا خدمت گار بنے گا۔ چنانچہ جب حضرت مریمؑ کی ولادت باسعادت ہو چکی تو ان کی والدہ انہیں ایک کپڑے میں لپیٹ کر مسجد میں لے آئیں اور بنی اسرائیل کے بزرگوں سے کہا: یہ نومولود مسجد کی نذر ہے۔ چونکہ مادر حضرت مریمؑ کا تعلق ایک عظیم اور محترم گھرانے سے تھا لہٰذا بچی کی کفالت کے لیے ان لوگوں میں جھگڑا ہو گیا اور فیصلہ قرعہ اندازی سے ہوا۔ (''وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ ۔۔۔'' کا جملہ تکرار ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان سخت جھگڑا ہوا تھا۔)

پیغام:

۱۔ انبیا کرام خدا کی طرف سے غیب کے ایک حصہ سے آگاہ ہوتے ہیں۔ ''مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ'' قرآن پاک کے معجزہ میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے گذشتہ واقعات اور تاریخ میں گم ہو جانے والی کہانیوں کو بیان کیا ہے۔

۲۔ قرآن پاک کے بعض واقعات، صرف وحی کے ذریعے حضرت رسولخدا تک پہنچے ہیں ورنہ اس سے پہلے نہ کسی کتاب میں یہ واقعات تھے نہ سینہ بہ سینہ نقل ہوئے تھے۔ ''مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ''

۳۔ گذشتہ لوگوں کی تاریخ جاننے کا ایک ذریعہ وحی ہے۔ ''ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ''

۴۔ اختلاف ختم کرنے کا ایک راستہ قرعہ اندازی ہے۔ ''اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ''

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: سب سے پہلے جس کیلئے قرعہ اندازی کی گئی، جناب مریمؑ تھیں۔ یہ قرعہ اندازی ان کی یتیمی کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ (من لا یحضر، ج ۳، ص ۵۱؛ بحار، ج ۱۴، ص ۱۹۲)

۵۔ ماں کی ایک قربانی سے اولاد کے لیے اس قدر کرامت اور بزرگی قرار پائی۔ ''نَذَرْتُ... اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۞''

مریمؑ کی والدہ کئی سالوں سے صاحب اولاد نہ ہو رہی تھیں، لیکن جب صاحب اولاد ہوئیں تو ایک نذر کرنے کی وجہ سے اپنی اولاد سے دور ہو گئیں، اور پھر اپنی ہی اولاد کی سرپرستی حاصل کرنے کیلئے بنی اسرائیل کے بزرگوں کے سامنے التماس کرتی رہی ہیں۔

۶۔ مقدس ذمہ داری کو قبول کرنے کے لیے قوم کے بزرگ اور برگزیدہ افراد ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ''اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۞''

آیت نمبر ۴۵

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۟ۙ﴿۴۵﴾

ترجمۃ الآیات

(اس وقت کو یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے ایک کلمہ اور نشانی کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح، عیسیٰ بن مریم ہے کہ جو دنیا اور آخرت میں آبرومند اور (خدا کے) مقربین میں سے ہوگا۔

نکات:

☆ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "کلمہ" کہا گیا ہے اور قرآن مجید ہی میں یہ لفظ "مخلوق" کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورہ کہف کی ۱۰۹ ویں آیت میں فرماتا ہے "قُلۡ لَّوۡ كَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّـكَلِمٰتِ رَبِّىۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىۡ" یعنی اگر تمام سمندر کلمات الٰہی کو لکھنے کیلئے روشنائی بن جائیں تو بھی کلمات خداوندی ختم ہونے میں نہ آئیں گے۔

☆ "وَجِيۡهًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ" کا وصف قرآن پاک میں صرف حضرت عیسیٰؑ کیلئے استعمال ہوا ہے، کسی دوسرے کیلئے یہ صفت بیان نہیں کی گئی۔

پیغام:

۱۔عورت کا مقام اس حد تک بلند ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعے اس کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ "اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓـئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ"

۲۔اولاد خدا کی نعمت ہے۔ "يُبَشِّرُكِ"

۳۔جناب عیسیٰؑ خدا کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ مخلوق خدا ہیں، لیکن ایسی مخلوق جو بہت بلند مرتبہ ہے جس کو لوگوں نے نہیں پہچانا "کلمۃ منہ" (یہاں لفظ "كَلِمَةٍ" نکرہ کی صورت میں آیا ہے جو کہ عظمت و بزرگی کی علامت ہے۔)

۴۔خدا تعالیٰ اپنے اولیا کیلئے ان کی پیدائش سے پہلے نام رکھتا ہے۔ "اسۡمُهُ الۡمَسِيۡحُ"

۵۔جو کوئی انسان سے متولد ہوا ہے اور جننے کے تمام مراحل سے گذرا ہے وہ کیسے خدا کا بیٹا ہوسکتا ہے؟ "عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ"

۶۔دنیاوی جاہ وجلال بھی ایک قدر ہے اور اس کا حصول ممنوع نہیں ہے۔ "وَجِيۡهًا فِى الدُّنۡيَا"

آیت نمبر ۴۶

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۴۶﴾

ترجمۃ الآیات

(وہ فرزند کہ جس کی خوشخبری تمہیں دی جا چکی ہے) گہوارے میں بھی لوگوں سے باتیں کرے

گا اور پیرانہ سالی میں بھی اور وہ نیک اور شائستہ لوگوں میں سے ہوگا۔

نکات:

☆ گہوارے میں باتیں کرنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک پیش گوئی اور ان کا ایک معجزہ ہے کہ انہوں نے گہوارے میں بھی لوگوں سے باتیں کیں، اور بڑھاپے میں باتیں کرنا ایک اور پیش گوئی ہے کہ وہ بزرگ ہونے تک زندہ رہیں گے۔ (یعنی بچپن یا لڑکپن میں وفات نہیں پا جائیں گے۔)

پیغام:

۱۔ جو شوہر کے بغیر حضرت مریمؑ کے بطن سے اولاد عطا کر سکتا ہے وہ بچے کو گہوارے میں باتیں کرنے کے لیے قوت گویائی بھی عطا کر سکتا ہے۔ ''یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَهۡدِ''

۲۔ کبھی خداوند عالم کسی شخص کے دامن کو گناہوں کی تہمت سے پاک کرنے کے لیے غیبی امداد کے ذریعے اسے پاک فرما دیتا ہے۔ ''یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَهۡدِ''

۳۔ الٰہی معجزہ کے ساتھ بچہ بھی الٰہی پیغام رسان ہو سکتا ہے۔ ''یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَهۡدِ'' جیسا کہ امام جوادؑ، امام ہادیؑ اور امام زمانہ (عج) بچپن میں امامت کے منصب پر فائز ہوئے۔

۴۔ جب خدا تعالیٰ چاہے بچہ بھی بڑوں کی طرح بات کر سکتا ہے۔ ''فِی الۡمَهۡدِ وَ کَهۡلًا''

۵۔ جناب مریمؑ جیسی صالح ماں سے عیسیٰؑ جیسا نیک بیٹا پیدا ہوتا ہے۔ ''مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ﴿۴۶﴾''

آیت نمبر ۴۷

قَالَتۡ رَبِّ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ وَلَدٌ وَّلَمۡ یَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ﴿۴۷﴾

ترجمۃ الآیات

(حضرت مریمؑ نے) کہا: اے میرے پروردگار! مجھے کیونکر فرزند عطا ہوگا جبکہ کسی انسان نے

مجھے چھوا تک نہیں؟ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: اسی طرح خداوند عالم جو چاہے پیدا کر دیتا ہے (خدا کے کام کسی خاص سبب کے محتاج نہیں ہوتے اور وہ مجبور نہیں ہے بلکہ) جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اسے صرف یہ کہتا ہے کہ ''ہوجا'' تو وہ (اسی وقت) ہوجاتا ہے۔

نکات:

☆ خدا کا ارادہ ہی پیدائش کا سبب ہوتا ہے اور وہ اشیا و افراد کو کسی قسم کے مادی اسباب و وسائل کے بغیر بھی پیدا کر سکتا ہے، اسباب کا مہیا کرنا یا اسباب کا ضائع کرنا سب خدا کے ہاتھ میں ہے۔ کبھی کسی چیز کی تاثیر اس سے سلب کر لیتا ہے اور کبھی کسی چیز کو اثر عطا فرماتا ہے۔ کائنات کی تخلیق، اس کی بقاء، اس کے آثار، مقدار، نوع، زمانہ اور تمام چیزوں کے آثار غرض سب کچھ خدا کے ارادہ و اختیار اور مرضی و منشا سے متعلق ہیں۔

پیغام:

۱۔ تعجب اور سوال کی بنیاد اگر انکار اور ہٹ دھرمی پر نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ''اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ وَلَدٌ'' اولیا خدا اور ارادہ الٰہی کائنات کے تمام اسباب اور عوامل کو فطری اور طبیعی بنیاد پر قرار دیتے ہیں۔ اس لیے اگر کبھی کوئی بشارت اس کے ہٹ کر آجائے تو وہ خدا تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں۔

۲۔ غیر معمولی طریقے سے کسی چیز کی تخلیق خدا کے لیے کوئی نئی بات نہیں۔ طبیعی عوامل بھی پہچانے ہوئے امور میں سے نہیں ہیں۔ ''کَذٰلِکِ''

۳۔ خلقت کی شرط، حتمی الٰہی ارادہ ہے۔ ''قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۴۷﴾''

آیت نمبر ۴۸

وَ یُعَلِّمُہُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ التَّوۡرٰىۃَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ ﴿ۚ۴۸﴾

ترجمۃ الآیات

اور خدا اسے (بذریعہ وحی) کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم دے گا۔

نکات:

☆ شیعہ سنی تفسیروں میں مرقوم ہے کہ کتاب کی تعلیم سے مراد اس کی تحریر اور کتابت ہے اور حکمت سے مراد اشیا، افعال

،اخلاق اور عقائد کے فوائد اور نیک و بد اثرات ہیں خواہ وہ اثرات دینوی ہوں یا اخروی۔

پیغام:

۱۔ رہبری اور قیادت کے اصول و شرائط میں یہ بات بھی ہے کہ قائد و رہبر لازمی طور پر ضروری معلومات سے اچھی طرح آگاہ ہو، یعنی علم وحکمت اور آسمانی کتابوں کے موضوعات اور مضامین سے آگاہ ہو۔ ''وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔۔۔''

۲۔ ہر دور کا رہبر گذشتہ دور کے حوادث اور قوانین سے بھی باخبر ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو حضرت موسیٰؑ کی کتاب تورات کی تعلیم دی۔ ''وَالتَّوْرٰىةَ''

آیت نمبر ۴۹

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْــــَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۴۹

ترجمۃ الآیات

اور (عیسیٰؑ کو) رسول بنا کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجا (تا کہ وہ ان سے کہیں کہ) میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لیے نشانی لایا ہوں (اور وہ یہ ہے کہ) میں مٹی سے پرندے کی سی شکل بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے ارادے اور حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ مادرزاد اندھوں اور برص (کوڑھ) کی بیماری میں مبتلا (لوگوں کو) تندرستی عطا کرتا ہوں اور خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں اور تمہیں اس چیز کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو کچھ گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر تم ایمان رکھتے ہو (اور ہٹ

دھرمی سے کام نہیں لیتے) تو ان سب باتوں میں تمہارے لیے یقیناً (حق کی) نشانی ہے۔

نکات:

☆ جہاں کہیں خطرے کا احساس زیادہ ہو وہاں زیادہ توجہ ہونی چاہیے۔ مردوں کو زندہ کرنے، اندھوں اور دوسرے بیماروں کو شفا دینے میں عقیدے کے انحراف اور غلو کا خطرہ موجود ہے، لہٰذا اس آیت میں دو مرتبہ اور سورہ مائدہ کی آیت ۱۱۰ میں چار مرتبہ اذن خدا کا ذکر آیا ہے۔

☆ حضرت عیسیٰؑ کی رسالت بنی اسرائیل سے مخصوص تھی؛ ''رسولا الی بنی اسرائیل'' لیکن ان کی نبوت، جس میں تبلیغ اور ارشاد پایا جاتا ہے تمام لوگوں کے لیے ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾'' (طہ۔ ۲۴) یعنی اے موسیٰ! فرعون کی طرف جاؤ کہ وہ سرکش ہو چکا ہے۔ لیکن جب شہر کے جادوگروں نے حضرت موسیٰؑ کا معجزہ دیکھا تو ان پر ایمان لے آئے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک خصوصی ماموریت تو فرعون کے لیے تھی اور ایک دوسری ماموریت عام لوگوں کی ہدایت کے لیے تھی۔ (تفسیر المیزان)

☆ ہر پیغمبر کے پاس معجزہ ہونا چاہیے، وہ معجزہ اس زمانے کے مطابق اور لوگوں کے افکار کے مطابق ہونا چاہیے۔

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: جناب عیسیٰؑ نے اس زمانے میں ظہور فرمایا جب لوگوں کے درمیان بیماریاں پھیل چکی تھیں اور لوگوں کو کسی طبیب کی ضرورت تھی۔ (عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۸۰)۔ اس لیے حضرت عیسیٰؑ کے معجزات بھی بیماروں کو شفا دینے سے متعلق تھے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت عیسیٰؑ سات سال کی عمر میں اس چیز سے باخبر ہوتے تھے جو چیزیں لوگ اپنے گھروں میں استعمال کرتے تھے یا ذخیرہ کرتے تھے۔ (بحار، ج ۱۴، ص ۲۵۱)

☆ اگر خدا کا ولی مٹی سے پرندہ بنا سکتا ہے تو بروز قیامت مردوں کو زندہ کرنا قدرت الٰہی کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔

پیغام:

۱۔ معجزہ، ربوبیت الٰہی کا ایک جلوہ ہے، جس کا مقصد انسانوں کی تربیت اور ہدایت ہے۔ ''جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ''

۲۔ اولیاء اللہ، حکم الٰہی کے تحت نظام کائنات میں تصرف کر سکتے ہیں اور اس میں بنیادی تبدیلیاں لا سکتے ہیں۔ ''فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ''

۳۔ انبیا کے پاس علم غیب ہوتا ہے، حتیٰ کہ وہ لوگوں کی زندگی کی جزئیات سے بھی باخبر ہوتے ہیں۔ ''وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ''

آیت نمبر ۵۰

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور (عیسیٰ نے فرمایا:) میں اس توراۃ کی تصدیق کرتا ہوں جو میرے پاس ہے اور (میں آیا ہوں کہ) بعض چیزیں جو تم پر (تنبیہ کے طور پر) حرام ہو چکی ہیں، حلال کروں۔ اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لایا ہوں۔ پس خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

نکات:

☆ اس آیت میں سابقہ الٰہی قوانین کے احترام، فرائض میں تخفیف کی خوشخبری، خدا سے تقویٰ کی تاکید، رہبر کی اطاعت کے بارے میں گفتگو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

☆ سورہ انعام کی آیت ۱۴۶ میں خداوند فرماتا ہے: یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے، تنبیہ کے طور پر ہر ناخن دار حیوان کو ان پر حرام کر دیا۔ اسی طرح گائے اور بھیڑ کی چربی، چکا (پیہ) کو حرام قرار دیا، سوائے اس مقدار تک جو ہڈیوں کے ساتھ لگی ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے آنے کے بعد جو حرام چیز حلال قرار دی گئی شاید وہ یہی تھی۔

☆ جہاں اصلاح اور ہدایت کرنا، مقصد ہو تو بعض باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

الف: دوسروں کے صحیح اور مشترک اصولوں کو قبول کر لیا جائے۔ ''مُصَدِّقًا''

ب: حتی المقدور ان کی مقدس اور قابل احترام چیزوں کو محترم سمجھیں۔ ''مِنَ التَّوْرٰىةِ''

ج: انہیں کھلی ہوا میں سانس لینے اور آزادی کی فضا میں زندگی بسر کرنے کی خوشخبری دیں۔ ''لِاُحِلَّ لَكُمْ''

د: الٰہی قوانین کے دائرے میں چلیں۔ ''فَاتَّقُوا اللّٰهَ''

پیغام:

۱۔انبیا ایک دوسرے کو قبول کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔''وَمُصَدِّقًا ۔۔۔''

۲۔دین ایک مسلسل عمل کا نام ہے نہ کہ ایک چنگاری ہے کہ جو ایک مرتبہ چمکی پھر خاموش ہوگئی، تمام انبیائے کرام اور آسمانی کتب کا ہدف ایک ہی ہوتا ہے۔''وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ ''

۳۔محرومیت ختم کرنے کا وعدہ، محدودیت کو دور کرنے کا وعدہ، صحیح و معقول آزادی دینا، عوام میں مقبولیت کا راز ہے۔''لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ''

۴۔سابقہ ادیان میں بعض پابندیاں، خدا کی طرف سے وقتی جرمانہ کے طور پر تھیں، دائمی الٰہی حکم نہ تھا۔''لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ''

۵۔جس طرح انبیا ولایت تکوینی رکھتے ہیں، اسی طرح کائنات میں تصرف کی قدرت رکھتے ہیں۔''لِاُحِلَّ لَكُمْ ''انبیا ولایت تشریعی بھی رکھتے ہیں جس کی وجہ سے وہ قانون سازی کرتے ہیں۔''لِاُحِلَّ لَكُمْ ''

۶۔صرف وہی یہ حق رکھتا ہے کہ قانون کو تبدیل کر سکے جو اللہ کا رسول ہو اور اس کے پاس کوئی معجزہ ہو۔ لہٰذا''لِاُحِلَّ لَكُمْ ''جملے کے بعد''جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ ''آیا ہے۔

۷۔معجزہ، الٰہی ربوبیت کے جلوے میں سے ایک ہے، جس کا مقصد لوگوں کی ہدایت اور تربیت ہے۔''بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ''

۸۔جو شخص تعصب رکھتا ہے اور (صحت مند) جدید سوچ کو قبول نہیں کرتا، جائز تبدیلیوں کو نہیں مانتا، ایسا شخص تقویٰ نہیں رکھتا۔''لِاُحِلَّ لَكُمْ ۔۔۔فَاتَّقُوا اللّٰهَ''

۹۔تقویٰ کا لازمہ، پیغمبر کی اطاعت ہے۔''فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۝۵۰ ''

آیت نمبر ۵۱

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۵۱

ترجمۃ الآیات

یقیناً اللہ تعالیٰ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے۔ پس تم اسی کی عبادت کرو کہ

یہی سیدھا راستہ ہے۔

نکات:

☆ اس آیت میں پوری صراحت کے ساتھ موجودہ تحریف شدہ انجیل کی تردید کی گئی ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کو حضرت عیسیٰؑ کے باپ کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے۔ قرآن مجید حضرت عیسیٰؑ کی زبانی ''ربی وربکم'' کہہ رہا ہے تاکہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں لوگوں کے اس غلط نظریے اور باطل دعوے کی نفی کی جائے جو وہ ان کے خدا ہونے سے متعلق رکھتے ہیں۔ قرآن مجید یہ بتانا چاہتا ہے کہ خداوند عالم حضرت عیسیٰؑ کا بھی اور دوسرے لوگوں کا بھی پروردگار ہے۔ حضرت عیسیٰؑ، اللہ کے بندے، مریم علیہا السلام کے بیٹے اور دوسرے عام لوگوں کی طرح طبعی ضروریات کے حامل ہیں۔

☆ اب یہ بات طے ہو چکی ہے کہ راہ خدا اور اس کی بندگی کو قبول کرنا ہے جو کہ سیدھی راہ ہے اور اس میں کسی قسم کی ٹیڑھا پن نہیں ہے، جبکہ غیر اللہ کی راہیں، لغزشوں اور محدودیتوں کی حامل ہیں اور طاغوت کی باطنی خواہشات کے تابع ہیں۔

پیغام:

۱۔ ہماری عبادت کا فلسفہ خداوند کی ربوبیت کا اظہار ہے۔ ''اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیۡ وَ رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ؕ''

۲۔ حضرت عیسیٰؑ مخلوق خدا اور اس کے بندہ ہونے کی حیثیت میں دوسرے عام لوگوں کی مانند ہیں۔ ''رَبِّیۡ وَ رَبُّکُمۡ''

۳۔ خدا تعالیٰ کی عبادت اور بندگی، سعادت کا سیدھا راستہ ہے۔ ''فَاعۡبُدُوۡہُ ؕ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿۵۱﴾''

آیت نمبر ۵۲

فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیۡسٰی مِنۡہُمُ الۡکُفۡرَ قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ ۚ وَ اشۡہَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۵۲﴾

ترجمۃ الآیات

پس جونہی (حضرت) عیسیٰ نے ان (بنی اسرائیل) سے کفر کا احساس کیا تو فرمایا: خدا کی طرف حرکت کرنے کے لیے میرے مددگار کون ہیں؟ حواریوں (جو ان کے مخصوص شاگرد

تھے) نے کہا: ہم خدا (کے دین) کے مددگار ہیں اور خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور تم (اے عیسیٰ) گواہ رہنا کہ ہم اس (خدا) کے سامنے سر تسلیم خم کر چکے ہیں۔

نکات:

☆ اس کے باوجود کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰؑ کو مردے زندہ کرتے اور بیماروں کو شفا دیتے ہوئے دیکھا، پھر بھی انہوں نے ہٹ دھرمی کی اور کفر کہا کرتے تھے۔ امام صادق علیہ السلام کے مطابق حضرت عیسیٰؑ ان لوگوں کی کفر آمیز باتوں کو سنا کرتے تھے۔ (بحار، ج ۱۴، ص ۲۷۳)

☆ ''حَوَارِيُّوْنَ'' جمع ہے ''حواری'' کی، جس کے معنی ہیں ''راہ کو تبدیل کرنے والے''۔ حواری وہ لوگ تھے جنہوں نے دوسرے لوگوں کے ٹیڑھے راستوں کو چھوڑ کر حق کی راہ کو اختیار کر لیا تھا۔ (التحقیق فی کلمات القرآن)

ان کی تعداد بارہ افراد پر مشتمل تھی۔ ان کا نام انجیل متیٰ اور لوقا میں ذکر ہوا ہے۔ امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے خود کو بھی پاک و پاکیزہ اور نورانی بنا لیا تھا اور دوسرے لوگوں کو بھی پاک و پاکیزہ کرنے کے لیے کوشش کرتے رہے۔ (تفسیر نمونہ از عیون اخبار الرضا)

پیغام:

۱۔ خطرے کے احساس کے موقع پر ہوشمندی اور ضروری ردعمل کا فوری اظہار، رہبر کی شرائط میں شامل ہے۔ ''فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ''

۲۔ حضرت عیسیٰؑ پھونک مارتے تھے تو مردے زندہ ہو جاتے تھے اور مادرزاد اندھوں کو شفا حاصل ہو جاتی تھی، پھر بھی ہٹ دھرم لوگوں کے دلوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ کفر کو چھوڑ کر ایمان کی راہ اختیار نہیں کرتے تھے۔ ''فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ ۔۔۔''

۳۔ تمام انبیا کرام کا واسطہ ہٹ دھرم اور ضدی کفار سے رہا اور ان کے ساتھی بہت کم رہے ہیں۔ ''اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ''

۴۔ رہبر و قائد کے لیے وفادار قوتوں کی شناخت کرنا، انہیں یکجا کرنا اور ان کو متحرک کرنا، حق کے مورچوں کو باطل سے الگ کرنا ضروری ہے۔ ''مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ''

۵۔ الٰہی رہبر اور قائد کی تجدید بیعت سیاسی، معاشرتی اور دینی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ ''نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ''

۶۔ انبیا کرام علیہم السلام لوگوں کو خدا کے لیے طلب کرتے ہیں، اپنے لیے نہیں کرتے۔ ''مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ ۔۔۔ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ''

۷۔ خدا کی طرف پکارنے والوں کی مدد کرنا، اصل میں خدا کی مدد کرنا ہے۔ ''نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ ۚ''

۸۔ دینی قائدین کی حمایت کرنے میں سبقت لے جانا، قابل قدر ہے۔ اس کے باوجود کہ جناب عیسیٰؑ کے اور بھی طرفدار تھے لیکن خدا تعالیٰ نے ان کے باایمان حواریوں کی تعریف کی ہے، یہ ان کے سابقہ اور صراحت بیان کی وجہ سے تھی۔ ''مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ ۔ ۔ ۔ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ ۚ''

۹۔ خداوند کے سامنے تسلیم ہونے کا مقام، ایمان کے مرحلے کے بعد ہے۔ ''اٰمَنَّا بِاللّٰہِ ۚ وَاشۡہَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۵۲﴾''

۱۰۔ انبیا، قیامت کے دن لوگوں کے اعمال پر گواہ ہونگے۔ ''وَاشۡہَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۵۲﴾''

آیت نمبر ۵۳

رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ ﴿۵۳﴾

ترجمۃ الآیات

اے ہمارے پروردگار! جو کچھ تو نے نازل کیا ہے ہم اس پر ایمان لے آئے اور (تیرے) رسول کی پیروی کی، پس تو ہمیں گواہوں کے زمرے میں لکھ دے۔

نکات:

☆ ''مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ'' کی عبارت میں حمایت کے معنی ہیں جو کہ ''من الشاھدین'' میں نہیں پائے جاتے۔ جیسے ''اٰمَنُوۡا بِہٖ'' اور ''اٰمَنُوۡا مَعَہٗ'' کے درمیان فرق ہے۔ کیونکہ گذشتہ آیت میں حضرت عیسیٰؑ کو گواہ کے عنوان سے ذکر کیا گیا۔ پس گواہوں کے ساتھ ہونے کا مطلب، انبیا کی مدد کرنا ہے۔

پیغام:

۱۔ ایمان کا لازمہ، پیغمبر کی پیروی ہے۔ ''اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ''

۲۔ تمام الٰہی قوانین پر ایمان ضروری ہے۔ ''اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ''

۳۔ خدا تعالیٰ سے چاہیں کہ وہ ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھے اور انبیا کے حامیوں میں سے قرار دے۔ ''فَاكۡتُبۡنَا

مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ﴿۵۳﴾"

آیت نمبر ۵۴

وَمَكَرُوۡا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيۡرُ الۡمٰكِرِيۡنَ﴿۵۴﴾

ترجمۃ الآیات

ان لوگوں نے کئی قسم کی چالیں چلیں اور اللہ نے بھی اپنی تدبیر کو استعمال کیا اور خداوند عالم بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

نکات:

☆امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: مکر خدا سے مراد، کیفر مکر ہے، ورنہ خدا مکر کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔(عیون اخبار الرضا، ج۱،ص۱۲۶)

☆اس آیت میں الٰہی روش اور طریقہ کار میں سے ایک کو بیان کیا گیا ہے، ایک آیت پہلے جب حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے کفر کا احساس کیا، اور بعد والی آیت میں جب خدا تعالیٰ نے جناب عیسیٰؑ کو آسمان کی طرف اٹھالیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں خدا کے مکر سے مراد حضرت عیسیٰؑ کے قتل کی سازش کو ناکام بنانا ہے، یہ قتل کی سازش حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں بعض لوگوں نے ان کی دعوت حق کو ختم کرنے کیلئے بنائی تھی، انہوں نے جناب عیسیٰؑ کو پکڑنے، قید کرنے اور پہچان کروانے پر انعام مقرر کر رکھا تھا۔انہوں جناب عیسیٰؑ کو قتل کرنے اور انہیں تختہ دار پر لٹکانے کی تیاری کر رکھی تھی لیکن خدا تعالیٰ نے ان کی سازش پر پانی پھیر دیا اور انہیں احسن طور پر نجات عطا فرمائی۔

پیغام:

۱۔خداوندا اپنے دوستوں کا حامی و ناصر ہے۔"وَمَكَرُوۡا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ"

۲۔ انسانوں کی طرف سے تدبیریں اور تحرک، خداوند کے لطف و کرم یا پھر قہر و غضب کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔" وَمَكَرُوۡا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ"

۳۔خدائی سزائیں، انسان کی طرف سے انجام دیئے جانے والے جرموں کی مناسبت اور سنخیت کے مطابق ہوتی ہیں۔ "وَمَكَرُوۡا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ"

۴۔ خداوند متعال کا ارادہ اور تدبیر لوگوں کی ہر قسم کی تلاش و کوشش اور حرکت و تدبیر پر غالب ہے۔ ''وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴿۵۴﴾''

آیت نمبر ۵۵

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴿۵۵﴾

ترجمة الآیات

(اس وقت کو یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! میں تمہاری مدت پوری کرنے والا اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تمہیں ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جو کافر ہو گئے ہیں، اور تمہارے طرفداروں کو ان لوگوں پر قیامت تک کے لیے فوقیت دینے والا ہوں جو کافر ہو گئے ہیں پھر تم سب کی بازگشت میری طرف ہے۔ پس میں تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کروں گا، جن کے بارے میں تم اختلاف کرتے ہو۔

نکات:

☆ اس آیت میں دشمنوں کے مکر و فریب کے مقابلے کیلئے خدا تعالیٰ کا عینی و عملی نمونہ بیان ہوا ہے۔

☆ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: جناب عیسیٰ علیہ السلام ماہ رمضان المبارک کی ۲۱ ویں شب کو معراج پر گئے۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ دیگر انبیا کیلئے بھی معراج تھی۔ ''رَافِعُكَ اِلَىَّ''

۲۔کفار کے درمیان رہنا، آلودگی اور ان سے دور رہنا طہارت اور پاکیزگی ہے۔ ''مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ''

۳۔عیسائیت کی یہود پر دائمی قدرت کی پیش گوئی قرآنی معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ ''جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ''

۴۔انبیا کی پیروی، کامیابی کا راز ہے۔ ''جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ''

۵۔اگر مذہبی اقلیتیں اسلام کی پناہ میں ہیں تو یہ اس کے عالمگیر ہونے کے منافی نہیں ہے۔ ''يَوْمِ الْقِيٰمَةِ '' سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ دین یہود و مسیحیت کے پیروکار قیامت تک رہیں گے۔

۶۔ہم سب کی بازگشت خدا کی طرف ہے، اور وہ بلا شک وشبہ فیصلہ کرنے والا ہے۔ ''اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ ''

آیت نمبر ۵۶۔۵۷

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمۃ الآیات

تو جو لوگ کافر ہو گئے ہیں، میں انہیں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیئے تو اللہ تعالیٰ انہیں مکمل جزا عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

نکات:

☆تفسیر اطیب البیان میں بنی اسرائیل کے دنیاوی عذاب کا ایک نمونہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ۷۳ سال بعد طیطوس نامی قیصر روم یہودیوں پر غالب آیا اور ان میں سے لاکھوں افراد کو تہ تیغ کر دیا اور ہزاروں لوگوں

کو قید کرلیا۔اس کے حکم کے مطابق یہودیوں کے تمام مال کو نذر آتش کر دیا گیا یا پھر لوٹ لیا گیا اور ان کے قیدی افراد کو درندے کھا جاتے تھے۔

☆ کفار کو دھمکانے کے ساتھ، اہل ایمان کی ترغیب ضروری ہے، جیسا کہ ایمان کے ساتھ ساتھ نیک کاموں کو انجام دینا ضروری ہے۔

پیغام:

۱۔کفر اور بے ایمانی کا انجام، عذاب الٰہی ہے۔''فَاُعَذِّبُهُمْ ''

۲۔اتمام حجت جس قدر زیادہ ہوگا، منکرین پر خدائی قہر وغضب بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں مردوں کو زندہ ہوتے دیکھتے رہے لیکن ایمان نہیں لائے تو ایسے لوگ ہر قسم کے عذاب کے مستحق ہیں۔''فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ''

۳۔کبھی خدا تعالیٰ اسی دنیا میں سزا دیتا ہے۔''فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ''

۴۔خدا کے قہر وغضب کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔''وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۝۵۶ ''

آیت نمبر ۵۸

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ۝۵۸

ترجمۃ الآیات

(اے رسولؐ!) یہ باتیں جو ہم تمہارے لیے بیان کر رہے ہیں یہ حکمت آمیز نصیحت ہے۔

پیغام:

۱۔ایک صحیح اور مستقل مزاج رہبر کے لیے خدا کی نشانیوں اور استدلال بھرے محکم بیان کا ہونا ضروری ہے۔''الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ۝۵۸ ''

آیت نمبر ۵۹

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۵۹

ترجمۃ الآیات

یقیناً حضرت عیسیٰ کی (تخلیق کی) مثال، اللہ کے نزدیک آدم کی (تخلیق کی) مثال جیسی ہے کہ اسے مٹی سے پیدا کیا اور پھر اس سے فرمایا کہ ہو جا پس وہ ہو گیا۔

نکات:

☆ نصاریٰ کے کچھ لوگ مدینہ پہنچے اور حضور پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ اپنی گفتگو میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے ولادت کو ان کی الوہیت کی دلیل بتایا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور ان کا جواب یوں دیا: اگر کسی کی بغیر باپ کے ولادت اس کے خدا یا خدا کا بیٹا ہونے کی دلیل ہے تو حضرت آدم کی ولادت تو اس سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے کیونکہ ان کا نہ تو کوئی باپ تھا اور نہ ہی ماں۔ تو پھر تم آدمؑ کو خدا یا خدا کا بیٹا کیوں تسلیم نہیں کرتے؟

پیغام:

۱۔ مخالفین کو اسی راستے سے جسے وہ تسلیم کرتے ہیں حق کی طرف دعوت دیں۔ عیسائیوں نے یہ بات تسلیم کر لی تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام خدا کی مخلوق ہیں یا یہ کہ ان کے ماں باپ نہیں تھے۔ ''مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ''

۲۔ تاریخ اور گذشتہ تجربات کو دہرانا اور عملی نمونے پیش کرنا دعوت کا بہترین راستہ ہے۔ ''اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ''

۳۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کی کوئی حدود نہیں۔ ''كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۵۹''

آیت نمبر ۶۰

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝۶۰

ترجمۃ الآیات

حق، وہی ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے، اور تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔

نکات:

☆ ''مُمْتَرِيْنَ'' کا کلمہ ''مریۃ'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے شک وشبہ اور یہی آیت بعینہ سورہ بقرہ آیت ۱۴۷ میں بھی ذکر ہوا ہے۔ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ حق اور حقیقت پر مبنی کلام اور پائیدار گفتگو ایسے خدا کی جانب سے ہونی چاہیے جو خود حق اور پائیدار ہے، ورنہ انسان کو ہوا وہوس کے طوفانوں میں غرق اور پائیدار اور محکم غرائز سے عاری ہیں، ان سے اس قسم کے پائیدار، محکم اور مستحکم قوانین اور باتوں کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔

پیغام:

۱۔ بیان حق، ربوبیت وتربیت کا راز ہے۔ ''اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ''

۲۔ خدا کی راہ، خدا کے کلام اور خدا کے قوانین کے علاوہ کسی اور جگہ پر ثبات اور حقانیت موجود نہیں ہے۔ ''اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ''

۳۔ مخالفین کی تعداد، ان کی سعی وکوشش، مال ودولت اور چرچا کاری وغیرہ سے تم لوگوں کو متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ ''فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ۝۶۰''

آیت نمبر ۶۱

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۝۶۱

ترجمۃ الآیات

پھر جب تمہارے پاس (حضرت عیسیٰ کے بارے میں) علم آچکا تو اگر کوئی شخص اس میں

تمہارے ساتھ حجت کرے (اور حق کو قبول کرنے میں پس وپیش کرے) تو کہو: آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں، تم اپنی عورتوں کو بلاؤ اور ہم اپنی جانوں کو بلاتے ہیں تم اپنی جانوں کو بلاؤ، اس کے بعد ہم سب مل کر (خدا کی بارگاہ میں) گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں۔

نکات:

☆ ''نَبْتَهِلْ'' کا لفظ ''اِبتهال'' کے مادہ سے لیا گیا ہے۔ جس کا معنی آسمان کی طرف ہاتھ کو اور بازو کو دعا کیلئے کھولنا ہے۔ یہ آیت ''مباہلہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ مباہلہ کا معنی ہے کہ دو مخالف گروہ کا خداوند کی طرف توجہ کرتے ہوئے اور اس کے حضور گڑگڑاتے ہوئے گروہ مقابل کیلئے لعنت اور ہلاکت کا تقاضا کرنا جو کہ اس کی نظر میں اہل باطل ہے۔ (التحقیق فی کلمات القرآن)

شیعہ سنی تفاسیر اور بعض حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں درج ہے کہ ١٠ ہجری میں کچھ لوگ حضرت رسولِ خداؐ کے حکم کے مطابق یمن کے علاقہ نجران میں تبلیغ اسلام کے فریضہ کی ادائیگی کے لیے تشریف لے گئے۔ نجران کے عیسائیوں نے بھی اپنا ایک نمائندہ وفد آنحضرتؐ کے ساتھ گفتگو کے لیے روانہ کیا۔ چنانچہ وفد کے ارکان نے آنحضرتؐ کے ساتھ تفصیلی گفتگو کی، لیکن ان لوگوں کے حیلوں بہانوں اور حق کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ وہ اسلام کی حقانیت کو قبول کرنے سے انکار کرتے رہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے پیغمبرؐ! آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنے لڑکوں اور عورتوں کو لے آئیں اور ہم اپنے لڑکوں اور عورتوں کو لے آتے ہیں اور خدا کے حضور تضرع اور زاری وانکساری کے ساتھ اس سے دعا کرتے ہیں کہ وہ جھوٹوں پر لعنت کرے اور جو بھی فریق لعنت میں گرفتار ہو جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ باطل کے راستے پر گامزن ہے اور اس طرح سے ہماری زبانی لڑائی ختم ہو جائے گی۔

جونہی عیسائیوں کے نمائندہ وفد نے پیغمبر اسلامؐ سے مباہلہ کی پیشکش کو سنا تو ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے اور حیران و پریشان ہو گئے۔ انہوں نے آپؐ سے کچھ مہلت طلب کی تاکہ اس بارے میں کچھ فکر کریں اور باہم صلاح ومشورہ کر لیں، چنانچہ وہ آپؐ سے رخصت لے کر باہمی صلاح ومشورہ کرنے میں لگ گئے۔ وفد کے قائد نے انہیں کہا کہ پیغمبر اسلامؐ کی اس پیشکش کو قبول کر لیں اور دیکھیں کہ اگر وہ شور شرابے اور انبوہ کثیر کے ساتھ لعنت کرنے کے لیے آ رہے ہیں تو کسی قسم کی فکر نہ کریں، اور سمجھ لیں کہ کوئی ایسی بات نہیں ہے اور اگر وہ مختصر سے افراد کے ساتھ میدان میں آتے ہیں تو مباہلہ اور نفرین سے باز آ جائیں اور ان کے ساتھ صلح کر لیں۔

مباہلہ کے دن انہوں نے دیکھا کہ پیغمبر اسلامؐ دو بچوں، ایک جوان اور ایک خاتون کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔ دو بچے جناب حسنؑ اور جناب حسینؑ تھے، جوان علی بن ابی طالبؑ تھے اور خاتون جناب حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام تھیں۔

ان کے بڑے پادری نے ان سے کہا: ''میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر خدا سے دعا کریں تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں اور اگر وہ بد دعا کریں تو عیسائیوں کا ایک بچہ بھی روئے زمین پر باقی نہ رہے۔''

چنانچہ انہوں نے مباہلہ سے ہاتھ اٹھا لیا اور صلح کی پیشکش کر دی۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: اس کی قسم جس نے مجھے برحق پیغمبر قرار دیا، اگر مباہلہ انجام پا جاتا، تو وہ آگ کی وادی ان پر الٹا دی جاتی۔ (تفسیر مجمع البیان؛ مناقب ابن مغازی، ص ۲۶۳) یہ ماجرا شیعہ تفاسیر کے علاوہ معتبر اہلسنت منابع و مآخذ میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔

(صاحب تفسیر المیزان کتاب مذکور کی جلد سوم، ص ۲۵۷ پر تحریر فرماتے ہیں کہ مباہلہ کا تاریخی ماجرا اکیاون صحابہ کرام سے متفقہ طور پر نقل کیا گیا ہے، تفسیر فخر رازی، تفسیر آلوسی اور تفسیر مراغی نیز کتاب کامل ابن اثیر جلد دوم ص ۲۹۳ اسی طرح مستدرک حاکم جلد سوم ص ۱۵۰ اور مسند احمد بن حنبل جلد اول ص ۱۸۵، اسی طرح تفسیر روح البیان، تفسیر المنار اور ابن کثیر اور دوسری بہت سی شیعہ سنی کتب میں اس واقعہ کو نقل اور تحریر کیا گیا ہے۔ کتاب ''احقاق الحق'' جلد سوم ص ۴۶ پر اہل سنت کے ساٹھ بزرگ علما کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے متفقہ طور پر کہا ہے کہ یہ آیت پیغمبر اسلامؐ اور ان کے اہل بیتؑ کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔)

☆ مباہلہ کا واقعہ چوبیس یا پچیس ذی الحجہ کو قرار پایا اور اس کا مقام شہر مدینہ سے باہر تھا جو کہ اب شہر کے اندر موجود ہے، اس جگہ پر ایک مسجد بنائی گئی ہے جس کا نام ''مسجد الاجابۃ'' ہے۔ اس جگہ کا فاصلہ مسجد نبوی سے تقریباً پانچ سو میٹر ہے۔ ''اللھم ارزقنا زیارتہ وشفاعتہ''

☆ تفسیر المیزان کی روایت کے مطابق یہ دعوت مباہلہ صرف عیسائیوں کیلئے نہ تھی بلکہ پیغمبر اکرمؐ نے یہودیوں کو بھی مباہلہ کی دعوت دی تھی۔

مباہلہ صرف پیغمبرؐ کے زمانے سے مخصوص نہ تھا بلکہ بعض روایات کی بنیاد پر دوسرے مومنین بھی مباہلہ کر سکتے ہیں۔ امام صادق علیہ السلام نے اس بارے میں بارہ دستور ارشاد فرمائے ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۳۵۱؛ اصول کافی، ج ۲، باب مباہلہ)

☆ سوال: اگر اس ماجرا میں صرف جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا عورتوں کی طرف سے اکیلے ہی تشریف لائی تھیں تو پھر قرآن پاک میں کیوں ''نسائنا'' کا لفظ بصورت جمع استعمال کیا گیا ہے؟

جواب: قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر خدا تعالیٰ نے موضوع کی اہمیت کے پیش نظر مفرد کو جمع کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، مثلاً سورہ آل عمران کی آیت ۱۸۱ میں ہے کہ ایک شخص نے توہین کرتے ہوئے کہا: خدا فقیر ہے۔ لیکن آیت میں بصورت جمع آیا ہے کہ ''الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ''۔ حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں قرآن پاک میں ہے کہ ابراہیمؑ ایک اُمت ہے، اس کے باوجود کہ وہ صرف ایک شخص سے زیادہ نہ تھے۔

☆ اگرچہ پیغمبرؐ خود ذاتی طور پر بھی نفرین کر سکتے تھے اور جناب علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ کو ساتھ لانے کی ظاہراً کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن خدا و رسول ﷺ نے اس عمل کے ذریعے ہمیں یہ بات سمجھا دی ہے کہ یہی لوگ پیغمبرؐ کی دعوت حق اور ان کے

اہداف ومقاصد میں ان کے شریک اور معاون و مددگار رہیں اور آپؐ کے ساتھ مل کر ہر قسم کا خطرہ مول لینے کے لیے ہر وقت تیار اور ان کی تحریک تا قیامت زندہ رکھنے کے اہل ہیں۔

پیغام:

۱۔اگر انسان کا اپنے مقصد پر ایمان ہو تو وہ اپنے آپ کو اور اپنے قریبیوں کو بے کھٹکے خطرے کے مقام پر لے آتا ہے۔ ''مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ''

۲۔مومن کا آخری پتا یا کاٹ دینے والا ہتھیار، دعا ہوتی ہے۔''فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ''

۳۔بیٹی کی اولاد بھی بیٹے کی اولاد جیسی، اپنی ہی اولاد ہوتی ہے۔''اَبۡنَآءَنَا'' لہٰذا امام حسنؑ وامام حسینؑ، پیغمبرؐ کے فرزند ہیں۔

۴۔مرد اور عورت مختلف دینی محاذ پر ایک دوسرے کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔''نِسَآءَنَا''

۵۔دعا میں دعا کرنے والے کی کیفیت اور اس کے حالات اہم ہوتے ہیں، تعداد اہم نہیں ہوتی، اس لیے یہاں مباہلہ کرنے کیلئے پانچ افراد سے زیادہ نہ تھے۔''اَبۡنَآءَنَا۔نِسَآءَنَا۔اَنۡفُسَنَا''

۶۔علی ابن ابی طالب علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہیں۔''اَنۡفُسَنَا''

۷۔دعا کی محافل میں بچوں کو ضرور ساتھ لے جائیں۔''اَبۡنَآءَنَا''

۸۔اہلبیت پیغمبر علیھم السلام مستجاب الدعا ہیں۔''اَبۡنَآءَنَا۔نِسَآءَنَا۔اَنۡفُسَنَا''

۹۔غیب سے مدد حاصل کرنا، عادی اور معمولی توانائی کے ذرائع استعمال میں لانے کے بعد ہے۔''نَبۡتَهِلۡ''

۱۰۔جس کسی کو منطق، استدلال اور معجزہ، حق قبول کرنے پر آمادہ نہ کرسکے تو پھر ایک راستہ اور ہے، وہ راستہ مباہلہ ہے۔''تَعَالَوۡا۔۔۔نَبۡتَهِلۡ''

۱۱۔اگر مومنین مضبوطی سے کھڑے ہو جائیں، تو دشمن باطل ہونے کی وجہ سے عقب نشینی کر جائے گا۔''نَدۡعُ۔۔۔نَبۡتَهِلۡ''

۱۲۔دلیل کا جواب دلیل سے دینا چاہیے لیکن ہٹ دھرمی اور ضد کا علاج ہونا چاہیے۔''لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۶۱﴾''

آیت نمبر ۶۲ـ۶۳

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡقَصَصُ الۡحَقُّ ۚ وَمَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ

لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمة الآيات

بے شک (جناب مسیحؑ کی زندگی کی) صحیح داستان یہی ہے، اور خداوند کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ مقتدر حکیم ہے۔

پس اگر انہوں نے منہ پھیر لیا تو بے شک خدا ان مفسدین (کے کام اور حالات) سے بخوبی آگاہ ہے۔

نکات:

☆ قصہ و داستان تین طرح سے ہوتی ہے:

۱۔ رمان، افسانے اور قصے کہانیاں جن کی بنیاد خیالات پر ہوتی ہے اور حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

۲۔ تاریخی داستانیں، جن میں سے کچھ تو سچی اور مستند ہوتی ہیں اور کچھ جھوٹی اور غلط واقعات پر مبنی ہوتی ہیں۔

۳۔ وہ حوادث اور کارنامے جو زبان وحی کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں، یہی حقیقی داستانیں ہیں جو حق و صداقت پر مبنی ہوتی ہیں۔ قرآن کی داستانیں سب اسی قسم کی ہیں۔ ان کہانیوں میں وہم، خیال، جھوٹ اور غلطی کا وجود نہیں ہے۔

پیغام:

۱۔ اگر قرآن پاک نہ ہوتا تو حضرت عیسیٰؑ کا حقیقی چہرہ نہ پہچانا جاتا، اور خرافات میں گم ہو جاتا۔ ''اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ''

۲۔ توحید کی بار بار پکار اور خرافات کے مقابلے میں استقامت، ضروری ہے۔ ''مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ''

۳۔ کسی بھی پیغمبر کی ایسی ہر وہ کہانی اور داستان جو توحید کے ساتھ منافات رکھتی ہو، وہ جعلی اور باطل ہے۔ ''لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ''

۴۔ حق بات کو قبول کرنا یا قبول نہ کرنا، انسان کے اختیار کی علامت ہے۔ ''فَاِنْ تَوَلَّوْا''

۵۔ حق سے منہ موڑنا، فساد کا نمونہ ہے، انکار کرنے والا شخص مفسد ہے۔ ''تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾''

۶۔ مفسدین کے کاموں پر خدا تعالیٰ کا علم ہونا، انہیں خبردار کرنے کیلئے سب سے اہم ہے۔ ''عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾''

آیت نمبر ۶۴

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمۃ الآیات

کہہ دیجئے اے اہل کتاب ! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے وہ یہ کہ ہم خداوند عالم کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں ۔ اور ہم میں سے کوئی بھی ایک اللہ کے علاوہ کسی کو اپنے ''ارباب'' نہ بنائے ۔ پس اگر وہ (اس پیشکش سے) روگردانی کریں تو ان سے کہو تم گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں ۔

نکات:

☆ توحید اور حق کی طرف دعوت ضروری ہے خواہ یہ استدلال کے ذریعے ہو یا نفرین ومباہلہ کے ذریعے یا پھر مشترکات کی طرف دعوت دینے کے ذریعے سے ہو۔

☆ عدی بن حاتم نے اسلام قبول کرنے کے بعد پیغمبر اکرمؐ سے عرض کی: جب ہم عیسائی تھے، ہرگز بھی ایک دوسرے کو اپنا ''رب'' قرار نہ دیتے تھے ۔ پس اس ''لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا'' کے کیا معنی ہیں؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہارے علما، خدا کے احکام کو تبدیل نہیں کرتے تھے؟ اس نے جواب دیا: کیوں نہیں ۔ آپؐ نے فرمایا: پس ایسے عالم کی پیروی جو خدا کے قانون کو (اپنی مرضی سے) تبدیل کرتا ہے، ایک طرح سے اس عالم کی بندگی اور غلامی ہے ۔ (تفسیر مراغی)

پیغام:

ا ۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اہل کتاب کے ساتھ مشترکات پر موافقت کریں ۔ ''قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ ۔۔۔''

٢۔ اتحاد اور وحدت کی دعوت میں پیش قدم ہونا چاہیے۔ ''قُلْ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ ''

٣۔ اگر اپنے حقوق کے تمام مقاصد تک رسائی نہ ہو سکے تو اس کے بعض مقاصد کے حصول سے دست کشی نہیں کرنی چاہیے۔ ''تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ ۔۔۔''

٤۔ تبلیغ کے مراحل میں سے ایک، مشترکات کی طرف دعوت دینا ہے۔ ''كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ''

٥۔ تبلیغ کیلئے اور دوسروں کو دعوت دینے کیلئے ابتدا عقائد حقہ اور مشترک مقدسات کا احترام کرنے سے ہونی چاہیے۔ ''كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ''

٦۔ توحید پرستی اور شرک سے بیزاری، تمام آسمانی ادیان میں مشترکہ امور ہیں۔ ''كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ ''

٧۔ توحید، انسان کا سب سے اعلیٰ مقصد ہے۔ ''تَعَالَوْا '' ایسی جگہ استعمال کیا جاتا ہے جہاں رشد و ہدایت اور آگے بڑھنے کی دعوت ہو۔ ''تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ ''

٨۔ انسانوں کا ایک دوسرے کی بے چون و چرا اطاعت کرنا ایک قسم کی غلامی، فکری استعمار اور ایک طرح کی عبودیت (بندگی) ہے، جس سے دور رہنے کی دعوت دی گئی ہے۔ جبکہ تمام انسان ایک دوسرے کے ساتھ مساوی ہیں۔ ''لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا ''

٩۔ آزاد فکر اور مستقل شخصیت، قرآن کے شعار میں سے ہے۔ ''وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا ''

١٠۔ مخالفین کا حق کی دعوت سے روگردانی کرنا ہمارے ایمان اور ارادے میں ذرہ بھر بھی لغزش پیدا نہیں کرسکتا۔ ''فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۝٦٤ ''

١١۔ ہر مبلغ کو پہلے ہی سے یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ لوگ اس کی باتوں کو ٹھکرا بھی سکتے ہیں، اس سے روگردانی بھی کرسکتے ہیں، سرکشی کا اظہار بھی کرسکتے ہیں، تاکہ وہ مایوس نہ ہوں۔ ''فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا ۔۔۔''

١٢۔ استدلال اور برہان کے بعد جھگڑا نہ کریں۔ ''فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا ۔۔۔''

١٣۔ ایک سچے مسلمان کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ خدا کی بندگی کرتا ہے، شرک کی نفی اور غیر خدا کی حاکمیت کو قبول نہیں کرتا۔ ''اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۝٦٤ ''

آیت نمبر ٦٥

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ

وَ الۡاِنۡجِیۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۵﴾

ترجمۃ الآیات

اے اہل کتاب ! تم حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں کیوں لڑتے جھگڑتے ہو؟ (اور تم میں سے ہر ایک انہیں اپنے دین وآئین کا پیروکار جانتا ہے) حالانکہ توارات اور انجیل نہیں اتری، مگر ان کے بعد، تو کیا عقل سے اتنا بھی کام نہیں لیتے ہو؟

نکات:

☆ یہودی ونصرانی دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا ہم مسلک سمجھتے تھے اور ان باتوں کا بازار اس قدر گرم تھا کہ قرآن دو آیت بعد کہتا ہے: ''مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا ''یعنی حضرت ابراہیمؑ نہ یہودی تھے اور نہ ہی نصرانی تھے۔

چنانچہ یہ آیت ان کے بیکار دعوے کی تردید کرتے ہوئے کہتی ہے: ''تم کیونکر حضرت ابراہیمؑ کو تورات وانجیل کے نازل ہونے سے پہلے ان کتابوں کا تابع سمجھتے ہو؟ جو کتاب اس وقت تک نازل ہی نہیں ہوئی تھی تو اس کے پیروکار کہاں سے آگئے ؟ کیا تم اس قدر بھی نہیں سوچتے کہ تمہاری باتیں کم از کم تاریخ سے تو مطابقت رکھتی ہوں؟

پیغام:

۱۔ وعظ ونصیحت کے وقت مخاطب کے علمی القاب سے استفادہ کیا جانا چاہیے۔ ''یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ ''

۲۔ علم وکتاب، اس قدر اہمیت کے حامل ہیں کہ ان سے منسوب افراد بھی قابل قدر اور لائق احترام ہیں۔ ''یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ ''

۳۔ کسی عظیم شخصیت کو اپنی طرف منسوب کر کے اپنی حقانیت کو ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ''لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِیۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ ''۔ بڑی شخصیات کے ساتھ اپنے تعلق پر جھگڑنے کی بجائے، ان کی سوچ کی پیروی کریں۔

۴۔ اپنے دعوؤں کو مستند، منطق سے ہم آہنگ اور تاریخ وفطرت کے مطابق قرار دیا کرو۔ ''مَاۤ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰىةُ ''

آیت نمبر ۶۶

هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَاۤءِ حَاجَجۡتُمۡ فِيۡمَا لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِيۡمَا

لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمۃ الآیات

آ گاہ رہو (اہل کتاب) کہ تم ہی ایسے لوگ ہو جو (حضرت عیسیٰ اور) اس چیز کے بارے میں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم ہے، تو جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے (اور حضرت ابراہیمؑ) کے بارے میں تم کیوں جھگڑا کرتے ہو؟ حالانکہ خدا سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے۔

نکات:

☆ یہ آیت اہل کتاب کے لیے ایک تنبیہہ کی حیثیت رکھتی ہے کہ جس چیز کا تمہیں علم ہے اور اس سے اچھی طرح آگاہ بھی ہو پھر بھی اس چیز کے بارے میں اشکال اور بے جا سوالات کرتے ہو۔ مثلاً تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی زندگی اور ان کی مادی ضروریات از قسم غذا، مسکن اور لباس وغیرہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، پھر بھی تم ان کے بارے میں بحث ومباحثہ اور غلط قسم کی گفتگو کرتے ہو، تم میں سے کچھ لوگ انہیں (نعوذ باللہ) جھوٹا کہتے ہو، کچھ انہیں خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ (تفاسیر المیزان، فی ظلال، مراغی والمنار)

یا یہ کہ تم حضرت محمد مصطفیؐ کی معرفت کے بارے میں بحث وگفتگو کرتے ہو حالانکہ آپؐ کی تمام نشانیاں تورات وانجیل میں بیان کی جا چکی ہیں اور آپؐ، تم لوگوں کے لیے ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ (تفاسیر مجمع البیان، وقرطبی)

تم لوگ تو اپنی معلومات کے بارے میں لڑائی جھگڑا اور بحث ومباحثہ کرتے ہو اور کسی ایک نقطے پر اتفاق نہیں کرتے تو جس چیز کا تمہیں علم ہی نہیں اور اسے جانتے تک نہیں اس کے بارے میں کس لیے لڑتے جھگڑتے ہو؟ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اس بات پر کیوں لڑتے ہو کہ وہ کس مذہب پر تھے یا ان کا کیا دستور العمل تھا؟

پیغام:

۱۔ ہٹ دھرم، مغرور اور جھگڑالو افراد کی تحقیر کرنی چاہیے۔ ''هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَاۤءِ''

۲۔ ضدی، ہٹ دھرم لوگ، روشن اور واضح باتوں کے بارے میں بھی لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ ''حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ''

۳۔ اگر بحث ومباحثہ کا مقصد تحقیق ہو تو بڑی اچھی بات ہے اور اگر ضد، ہٹ دھرمی اور مقصد سے روگردانی ہو تو قابل مذمت ہے۔ ''حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ''

آیت نمبر ۶۷

مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا وَّلٰكِنۡ كَانَ حَنِيۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۶۷﴾

ترجمۃ الآیات

(یہودیوں اور عیسائیوں کے دعوے کے برعکس) ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ ہی نصرانی بلکہ وہ مائل بحق اور خدا کے فرمانبردار تھے اور ہرگز مشرکین میں سے نہیں تھے۔

نکات:

☆ ''حَنَف'' کے معنی ''حق کی طرف مائل ہونا'' کے ہیں جبکہ اس کے مقابل کلمہ ''جَنَف'' ہے جس کے معنی ''باطل کی طرف مائل ہونا'' ہیں۔ ''حنیف'' اس شخص کو کہتے ہیں ''جو راہ حق پر ہو'' لیکن جن کلمات میں تحریف کی گئی ہے ان میں سے ایک یہ کلمہ بھی ہے جسے بت پرست اپنے لیے استعمال کرتے تھے اور مشرکین کو ''حُنفاء'' کہا جاتا تھا۔

☆ اس آیت میں ''حنیف'' کے ساتھ ''مسلم'' کا کلمہ استعمال کیا گیا ہے جس سے ایک طرف تو حضرت ابراہیمؑ کو شرک کی آلودگی سے پاک وصاف قرار دیا گیا ہے اور دوسری طرف خود اس کلمہ کے تقدس کو بحال رکھا گیا ہے۔ اسی طرح کفر وشرک کو انحراف اور ناحق قرار دیا گیا ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: دین ابراہیمؑ وہی دین محمدؐ ہے۔ (بحار، ج ۱۲، ص ۱۱)

☆ امام صادق علیہ السلام نے ''حنیفا مسلما'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''خالصاً مخلصاً لیس فیہ شیء من عبادۃ الاوثان'' یعنی ابراہیمؑ ایک خالص اور برگزیدہ شخص تھے، ان میں بتوں کی پرستش کا ایک ذرہ بھی نہ تھا۔ (تفسیر نور الثقلین؛ کافی، ج ۲، ص ۱۵)

آیت نمبر ۶۸

اِنَّ اَوۡلَى النَّاسِ بِاِبۡرٰهِيۡمَ لَلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۶۸﴾

ترجمۃ الآیات

یقیناً حضرت ابراہیمؑ سے زیادہ خصوصیت تو ان لوگوں کو حاصل ہے جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر (اسلام) اور جو ان پر ایمان لے آئے ہیں، (نیز ابراہیمؑ سے خصوصیت رکھتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا سرپرست ہے۔

نکات:

☆ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمانی نسبت قوم وقبیلہ کی نسبت سے زیادہ اہم اور محکم ہوتی ہے اور جو لوگ آپس میں ہم فکر، ہم مقصد اور ہم عقیدہ ہوتے ہیں وہ ان لوگوں کی نسبت ایک دوسرے سے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں جو بظاہر ہم قوم و ہم قبیلہ ہوتے ہیں لیکن فکری اور اعتقادی لحاظ سے ایک دوسرے سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہم پڑھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے باوفا صحابی سے ارشاد فرمایا: ''انتم واللہ من آل محمدؐ'' خدا کی قسم تم آل محمدؐ سے ہو۔ پھر مذکورہ بالا آیت کی تلاوت فرمائی۔ (تفسیر مجمع البیان)۔ رسولخداؐ نے بھی جناب سلمان فارسی کے بارے میں فرمایا تھا: ''سلمان منا اهل البیت'' (بحار، ج۱۰، ص ۱۲۳)

☆ اس کے باوجود کہ آیت میں ارشاد ہے کہ لوگوں میں سے ابراہیم کے نزدیک ترین اس کے پیروکار ہیں، لیکن پیغمبر اکرمؐ اور مسلمان کا نام علیحدہ سے لیا گیا ہے تاکہ بہترین پیروی کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کی ذات میں دنیا کو دیکھائی جائے۔

☆ روایت میں ہے کہ ''ان ولی محمد مَن اطاع الله و ان بَعُدت لَحمته، و ان عدو محمد مَن عَصی الله و ان قرُبت قرابته'' (تفسیر مجمع البیان) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوست اور طرفدار وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کرے، خواہ ان سے نسبت کے لحاظ سے دور ہو، اور پیغمبرؐ کا دشمن وہ ہے جو خدا کی نافرمانی کرے، خواہ پیغمبرؐ سے نسبت اور قربت رکھتا ہو۔

☆ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اس آیت میں ''الذین آمنوا'' سے مراد ائمہ اور ان کے پیروکار ہیں۔ (کافی، ج ۱، ص ۴۱۶)

پیغام:

۱۔ عوام کا اپنے رہبر و راہنما سے اصل تعلق اس کے مکتب اور مقصد کی بنیادوں پر ہوتا ہے، قوم وقبیلہ، زبان وعلاقہ اور نسل وغیرہ کی بنا پر نہیں ہوتا۔ ''اِنَّ اَوۡلَی النَّاسِ بِاِبۡرٰهِیۡمَ لَلَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡهُ''

٢۔ انبیا علیھم السلام سے قربت کا معیار ان کی اطاعت ہے۔ ''اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ''

٣۔ پیغمبر اسلامؐ اور مسلمان، حضرت ابراہیمؑ کے بتائے ہوئے راستوں پر ان کے ہم مقصد اور ہم ہدف ہیں۔ ''اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ''

آیت نمبر ٦٩

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٩﴾

ترجمۃ الآیات

اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا ایک گروہ دوست رکھتا ہے کہ تم (مسلمانوں) کو گمراہ کر دے لیکن وہ اپنے علاوہ کسی اور کو گمراہ نہیں کرتے اور وہ اس بات کو سمجھتے نہیں۔

نکات:

☆ کفار کی ثقافتی یلغار اور مذہبی سازشوں کے نمونے ہم اس آیت میں اور اس کے بعد کی تین آیتوں میں پڑھتے ہیں۔ اس آیت میں کفار کے مذہبی کینے کی نشاندہی کی گئی ہے، اس کے بعد کی آیت میں ان کے کفر اور ہٹ دھرمی کو بیان کیا گیا ہے۔ ١٧ویں آیت میں ان کے حقائق کو جان بوجھ کر چھپانے اور حق پوشی اور حق کشی کا ذکر ہے، ٧٢ویں آیت میں ایک ثقافتی چال کی خبر دی گئی ہے اور مجموعی طور پر ایک ایسی ثقافتی یلغار کا ذکر کیا گیا ہے جو ان کے تاریک باطن کی پیداوار ہے اور حق پوشی کے شیوہ کو کام میں لاتے ہوئے عوام الناس کے عقائد کو کمزور کرنے اور ان میں تزلزل پیدا کرنے کی کیفیت کا تذکرہ ہے۔

پیغام:

١۔ خداوند، دین کے دشمن کے ارادوں کو افشا کرتا ہے اور انہیں رسوا کرتا ہے۔ ''وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ۔۔۔''

٢۔ دشمن کی پہچان اور اس کے ارادوں سے آگاہی، متوقع خطرات سے محفوظ رہنے کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ ''وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ۔۔۔''

٣۔ فکری اور ثقافتی یلغار کا خطرہ بہت سنجیدہ ہے۔ ''وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ۔۔۔''

۴۔ مخالفین کے منافقانہ اظہارات پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ وہ دلی طور پر تمہاری گمراہی چاہتے ہیں۔ ''وَدَّتۡ طَّآئِفَةٌ ---''

۵۔ فیصلہ کرتے وقت انصاف کے دامن کو نہ چھوڑو۔ ایسی خواہش بعض اہل کتاب رکھتے ہیں، سب نہیں۔ ''وَدَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ''

۶۔ ایسا کام کرنا چاہیے کہ دشمن آپ کو گمراہ کرنے کی خواہش کو قبر میں ساتھ لے جائے، ''لَوۡ'' کا لفظ نہ ہونے والی چیزوں کے بارے میں استعمال ہوتا ہے۔ ''لَوۡ يُضِلُّوۡنَكُمۡ ؕ''

۷۔ جو دوسروں کو گمراہ کرنے کے درپے ہوتے ہیں، درحقیقت وہ خود گناہ، حیلہ سازی، نفاق، کینہ، تہمت اور سازشوں کے مرتکب ہو کر گمراہ ہوجاتے ہیں۔ ''وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ''

۸۔ دوسروں کو گمراہ کرنے کی خواہش، بذات خود ایک بہت بڑی اخلاقی گمراہی ہے۔ ''وَدَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يُضِلُّوۡنَكُمۡ ؕ وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ''

آیت نمبر ۷۰

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ۝۷۰

ترجمۃ الآیات

اے اہل کتاب! تم خداوند عالم کی آیات کا انکار کیوں کرتے ہو حالانکہ تم (ان کے صحیح ہونے کی) گواہی دیتے ہو۔

نکات:

☆ اس آیت میں شاید ان بشارتوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے، جنہیں اہل کتاب نے تورات و انجیل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں پڑھا ہوا تھا۔ وہ ان سے اس حد تک باخبر تھے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بیٹوں کی مانند پہچانتے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی سماجی حیثیت اور مادی مفادات کو بچانے کے لیے ان تمام الٰہی نشانیوں کو نظر انداز کر دیا تھا۔

پیغام:

۱۔ضمیر سے سوال، دعوت کیلئے بہترین راہ ہے۔''لِمَ تَكْفُرُوْنَ ---''

۲۔صرف جاننا ہی کافی نہیں ہے،قبول کرنا بھی ضروری ہے۔''تَكْفُرُوْنَ ---تَشْهَدُوْنَ''

آیت نمبر ۷۱

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۷۱﴾

ترجمۃ الآیات

اے اہل کتاب! کس لیے حق کو باطل کے ساتھ ملاتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے بھی ہو۔

نکات:

☆''اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۷۱﴾'' کے بارے میں امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: یعنی اہل کتاب پیغمبر اسلامؑ کی ان تمام صفات کو جانتے تھے جو تورات میں ذکر تھا۔(لیکن انہیں چھپاتے تھے۔)(تفسیر قمی، ج ا،ص ۱۰۵)

☆بہت سے تحریف کرنے والے 'اسلام شناس'، مستشرق، مؤرخ اور سیاح کے نام سے کتابوں، مکانوں، زمانوں اور انسانوں میں تصرف کرتے ہیں اور اپنے نام نہاد انسائیکلو پیڈیاز میں محقق کے عنوان کے تحت، اسلام خواہوں کے لیے اسلام کے چہرے کو اس قدر مسخ کر کے پیش کرتے ہیں کہ پڑھنے والا اسلامی عقائد پر ایمان لانے اور غور و فکر کرنے کی سوچ بھی نہ سکے۔

پیغام:

۱۔دشمن کی طرف سے حق میں ملاوٹ، اسے مشتبہ کرنا، اس پر اعتراض کرنا اور حق کو چھپانا، مومنین کے درمیان بے راہروی اور گمراہی ایجاد کرنے کے دو اہم اور طاقتور ذرائع ہیں۔دو آیات پہلے فرمایا:''يُضِلُّوْنَكُمْ ---''اس آیت میں فرمایا: ''تَلْبِسُوْنَ، تَكْتُمُوْنَ''

۲۔حق کو چھپانا حرام اور اس کا اظہار کرنا واجب ہے۔''تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ ---''

آیت نمبر ۷۲

وَقَالَتۡ طَّآٮِٕفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اٰمِنُوۡا بِالَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَجۡهَ النَّهَارِ وَاكۡفُرُوۡۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ۝۷۲

ترجمۃ الآیات

اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا کہ جو کچھ نازل ہوا ہے اس پر دن کے آغاز میں ایمان لے آؤ اور دن کے آخر میں اس کا انکار کردو، شاید کہ وہ (اس ذریعہ سے اسلام سے) پلٹ جائیں۔

نکات:

☆ یہود کے بارہ علما نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کے دلوں میں ان کے عقائد سے متعلق شک وتردید اور تزلزل پیدا کرنے کی خاطر صبح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر ان پر ایمان کا اظہار کریں اور دن کے آخری وقت اسلام سے پھر جائیں، اور کہیں کہ ہم نے محمدؐ اور اس کے دین کو دیکھ لیا ہے، جو کچھ تورات وانجیل میں بیان ہوا ہے وہ ان کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ اپنے اس مکارانہ منصوبے کے ذریعے عوام الناس پر یہ ظاہر کریں کہ اگر اسلام ایک اچھا دین ہوتا اور سابقہ ادیان اس کی تائید کرتے تو اس طرح کے پڑھے لکھے صاحبان علم واہل کتاب اس سے دستبردار نہ ہوتے۔ اس سے ان کا مقصد مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا اور دوسرے یہودیوں کو مسلمان ہونے سے روکنا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ان کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔

☆ ایک روایت میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب نماز ظہر کے دوران رسولخداؐ نے بیت المقدس سے کعبہ کی طرف قبلہ کی تبدیلی کا حکم دیا، تو یہودیوں نے کہا: جو کچھ دن کے آغاز میں تھا اس پر ایمان لاؤ اور جو دن کے آخر میں تھا (یعنی قبلہ کی تبدیلی) اس سے انکار کرو تا کہ وہ نئے قبلہ سے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھیں۔ (المیزان، ذیل آیت)

پیغام:

ا۔ دین اسلام کے مخالفین شب وروز ایسے پروگرام بناتے ہیں، جس سے مسلمانوں کو گمراہ کریں۔ ۶۹ ویں آیت میں ہم نے پڑھا کہ اہل کتاب پسند کرتے ہیں کہ تمہیں منحرف کریں۔ یہ آیت ان کے اس مقصد تک پہنچنے کی منصوبہ بندی کو بیان کر رہی

ہے۔ "یُضِلُّوْنَكُمْ . . . قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ"

۲۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی گروہ، اسلام کے نام سے مسلمانوں کی صفوں میں گھس آئیں اور پشت سے خنجر کا وار کریں، اس لیے ہوشیار رہنا چاہیے۔ "اٰمِنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ"

۳۔ مسلمانوں کو سادہ لوح اور زود باور نہیں ہونا چاہیے، ہر طرح کے اظہار ایمان پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ "اٰمِنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ"

۴۔ خدا تعالیٰ حساس موقعوں پر دشمن کی چالوں اور ان کی سازشوں سے پردہ اٹھا دیتا ہے۔ "اٰمِنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا"

۵۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ایمان کے ایسے مرحلے میں ہوں جہاں بعض مسلمانوں کا دین سے پلٹ جانا ہمارے ایمان میں تزلزل پیدا نہ کرسکے۔ "وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ"

۶۔ دشمن کی سیاست میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پہلے وہ دوطرفہ تعلقات قائم کرتے ہیں پھر انہیں منقطع کردیتے ہیں تاکہ معاشرے میں تزلزل پیدا کرسکیں۔ "لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ"

آیت نمبر ۷۳

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

ترجمۃ الآیات

(اہل کتاب نے ایک دوسرے کو چند باتوں کی سفارش کی، پہلی یہ کہ) جو تمہارے دین کا پیروکار ہے اس کے علاوہ کسی پر ایمان نہ لاؤ۔ (کیونکہ دین حق صرف ہم میں منحصر ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ سے فرمایا کہ ان کے جواب میں) کہہ دو کہ ہدایت تو وہی خدا کی ہدایت ہے (اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ) تمہاری مانند کسی اور کو (کتاب وشریعت) دی گئی

ہے۔ تاکہ تمہارے پروردگار کے نزدیک تمہارے ساتھ کسی کو بات کرنے کا یارا ہو (اسی طرح اے میرے رسولؐ!) ان سے کہہ دیجئے کہ فضل اور رحمت تو خدا ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے عطا کردے۔ اللہ تعالیٰ وسیع رحمت اور بے انتہا علم کا مالک ہے۔

نکات:

☆ یہودیوں کے اسلام قبول کرنے سے، اہل کتاب پریشان تھے اور اس چیز کو روکنے کیلئے وہ تبلیغ کیا کرتے تھے۔ ''وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ''

پیغام:

ا۔ دشمنان اسلام اپنی سازشوں کو مخفیانہ رکھتے ہیں، ایک دوسرے کو چھپ چھپا کر سفارش کرتے ہیں اور اپنے علاوہ کسی پر اعتماد نہیں کرتے۔ ''وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ'' ایمان کے معنی میں سے ایک اعتماد اور اطمینان ہے۔

۲۔ پوری تاریخ میں ہدایت ایک سلسلے کا نام ہے، جو کسی قوم سے خاص نہیں ہے۔ ''اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ''

۳۔ تعصب اور غرور، دینداری کے لیے ایک آفت ہے۔ ''اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ''

۴۔ خداوند عالم کا لطف و کرم اور فضل و رحمت کسی خاص گروہ میں منحصر نہیں۔ نبوت و ہدایت، فضل الٰہی ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ ''اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ''

۵۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں کا انتخاب، اس کے علم کی بنیاد پر ہے۔ ''وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۷۳''

آیت نمبر ۷۴

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۷۴

ترجمۃ الآیات

(خداوند عالم) جس کو چاہے اپنی رحمت سے مختص کردے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے۔

نکات:

☆ یہودیوں کا یہ تصور کہ کوئی بھی قوم، یہودیوں کی مانند خداوند عالم کے لطف وکرم کے شایان شان نہیں اور اللہ تعالیٰ یہودیوں کی طرح کسی قوم کو اپنے لطف وکرم سے نہیں نوازتا، یہ آیت اس کی نفی کر رہی ہے، بلکہ بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کس کو اپنی رسالت کا امین قرار دے۔ وہ اپنے علم اور حکمت کی بنیاد پر اپنے بندوں میں سے لائق ترین افراد کا انتخاب کر کے انہیں اپنے مخصوص لطف وکرم سے نوازتا ہے۔

آیت نمبر ۷۵

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمۃ الآیات

اور اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اگر بہت سا مال ان کے سپرد کر دیں تو وہ تمہیں واپس لوٹا دیں اور کچھ ایسے (غلط قسم کے لوگ) ہیں کہ اگر صرف ایک دینار بھی انہیں دے دو تو واپس نہیں کریں گے مگر یہ کہ (اس کے مطالبہ کے لیے) ان کے سر پر کھڑے رہو۔ (ان کے واپس نہ کرنے کی) دلیل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ امین (غیر اہل کتاب) کے بارے میں ہم جو بھی چاہیں ہم پر کوئی گناہ نہیں ہے اور وہ جان بوجھ کر خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

نکات:

☆ روایات میں ہے کہ امانت کو اس کے مالک کو واپس لوٹا دو حتیٰ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو۔ (تفسیر مجمع البیان)

پیغام:

١۔ اپنے مخالفوں کے بارے میں بھی انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو اور سب کو خائن نہ سمجھو۔ ''وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ''

٢۔ افراد کو پرکھنے کا معیار، امانتداری ہے۔ ''يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ''

٣۔ اخلاقی اقدار ہمیشہ ثابت ہوتی ہیں۔ امانت ہر ایک کیلئے اور ہر حالت میں قابل تعریف اور خیانت ہمیشہ اور ہر کسی سے قابل مذمت ہے۔ امانت کی واپسی ایک قدر ہے، خواہ مخالفوں کی ہو۔ ''يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ''

٤۔ حق وصول کرنے کیلئے قیام کرنا اور استقامت دیکھانا ضروری ہے۔ ''لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ''

٥۔ دوسروں کی کمائی کھا جانا، ان پر دھونس جمانا اور نسل پرستی ممنوع ہے۔ ''لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ''

٦۔ یہودی اور نصرانی خود کو پڑھا لکھا اور سمجھدار جانتے تھے اور مسلمانوں کو ان پڑھ اور اُمی سمجھتے تھے۔ ''لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ''

٧۔ عذر گناہ، بدتر از گناہ ہے۔ وہ لوگ عوام کا مال ناحق کھا جاتے اور یہ کہتے تھے کہ اللہ اس کام سے راضی ہے۔'' يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ''

آیت نمبر ٧٦

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٧٦﴾

ترجمۃ الآیات

جی ہاں! جو شخص اپنے وعدے کو پورا کرے اور تقویٰ کو اپنائے ہوئے ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔

نکات:

☆ درج ذیل تمام موارد میں وعدے کو پورا کرنا ضروری ہے:

الف: جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت سے لیا یا پھر انبیاؑ کے توسط سے انسانوں سے لیا۔ ''اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَیۡکُمۡ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ'' اے اولاد آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا۔ (یٰس۔ ۶۰)

ب: جو وعدہ انسان اپنے خدا سے کرتا ہے۔ ''وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰىنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ ۔۔۔'' اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو خدا سے قول وقرار کر چکے تھے۔ (توبہ۔ ۷۵)

ج: عمدا انسان ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ ''وَالۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ اِذَا عٰهَدُوۡا ۔۔۔'' اور جب کوئی عہد کرتے ہیں تو پورا کرتے ہیں۔ (بقرہ۔ ۱۷۷)

د: امت کا اپنے رہبر سے اور رہبر کا اپنی امت سے عہد و پیمان۔ ''اَلَّذِیۡنَ عٰهَدۡتَّ مِنۡهُمۡ ثُمَّ یَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَهُمۡ'' اے رسول! جن سے آپؐ نے عہد و پیمان کیا تھا وہ اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں۔ (انفال۔ ۵۶)

پیغام:

۱۔ غلط افکار کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ۔ ''بَلٰی'' (بَلٰی کا کلمہ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں سابقہ منطق اور افکار کو رد کیا جائے۔)

۲۔ تقویٰ، انسان کو خدا پر جھوٹ باندھنے اور لوگوں کا حق ضائع کرنے سے روکتا ہے۔ ''وَیَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ الۡکَذِبَ ۔۔ بَلٰی مَنۡ اَوۡفٰی بِعَهۡدِهٖ وَاتَّقٰی''

۳۔ صرف نعرے بازی سے کام نہیں بنتا جب تک کہ عمل اور تقویٰ کو نہ اپنایا جائے۔ ''اَوۡفٰی بِعَهۡدِهٖ وَاتَّقٰی''

۴۔ وعدہ پورا کرنا، تقویٰ کی علامت ہے۔ ''اَوۡفٰی بِعَهۡدِهٖ وَاتَّقٰی''

۵۔ وعدہ وفائی اور تقویٰ، خدا کے محبوب ہونے کا معیار ہیں، نہ کہ عالم یا اہل کتاب ہونا۔ ''یُحِبُّ الۡمُتَّقِیۡنَ﴿۷۶﴾''

آیت نمبر ۷۷

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَشۡتَرُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَاَیۡمَانِهِمۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ وَلَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنۡظُرُ اِلَیۡهِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ وَلَا یُزَکِّیۡهِمۡ ۪ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ﴿۷۷﴾

ترجمۃ الآیات

یقیناً جو لوگ خدا کے عہد و پیمان اور اپنی قسموں کو معمولی سی قیمت کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ (اس دن) ان سے کوئی بات نہیں کرے گا، نہ ہی ان کی طرف (لطف و کرم کی نگاہ سے) دیکھے گا اور نہ ہی انہیں گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

نکات:

☆ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ عہد شکنی کرتے اور اپنا وعدہ توڑ ڈالتے ہیں، خداوند کا قہر و غضب انہیں پانچ قسم کے عذاب میں مبتلا کر دے گا:

۱۔ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا اور وہ خسارت اٹھائیں گے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام سے محروم ہونگے۔

۳۔ خداوند کے لطف و کرم کی نگاہ سے دور ہونگے۔

۴۔ گناہوں سے پاکیزگی حاصل نہ کریں گے۔

۵۔ دردناک عذاب میں گرفتار ہونگے۔

☆ شیعہ اور سنی روایات میں ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا ہے: ''لا ایمان لِمَن لا آمان له و لا دین لِمَن لا عهد له''، جو امانت کی رعایت نہیں کرتا وہ بے ایمان ہے اور جو اپنے عہد کو پورا نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔ (تفسیر نور الثقلین و مراغی)

☆ روایات میں ہے کہ ''عَهْدِ اللّٰهِ'' سے مراد پیغمبر اکرمؐ سے متعلق وہ حقائق ہیں جو تورات میں بیان ہوئے ہیں، اور علمائے یہود کے ہاتھوں ان میں تحریف کر دی گئی ہے۔

☆ جن افراد پر خدا تعالیٰ کی طرف سے سلام کہا گیا ہے ''سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝۵۸'' (یٰس۔ ۵۸) ان کا موازنہ ایسے افراد کے ساتھ کریں جن کے ساتھ خداوند کلام نہ فرمائے گا ''لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ'' اور اگر ایسے لوگ روئے دھوئیں گے تو سختی کے ساتھ یہ جملہ کہا جائے گا ''اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝۱۰۸'' (مومنون۔ ۱۰۸)

☆ پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: جو کوئی قسم کے ساتھ اپنے بھائی کا مال ناحق کھائے گا، غضب الٰہی کا شکار ہوگا، پھر آپؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: قیامت کے دن خداوند کا نگاہ نہ کرنا ''لَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ'' اس سے مراد رحمت

کی نگاہ نہ کرنا ہے۔ (آنکھ سے دیکھنا نہیں ہے۔) (تفسیر برہان)

پیغام:

۱۔ پیمان شکنی کا شمار گناہان کبیرہ میں ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں کسی اور گناہ کے بارے میں اس قدر پے در پے دھمکیاں نہیں دی گئیں۔ ''یَشۡتَرُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ ۔۔۔ لَا خَلَاقَ لَهُمۡ ۔۔۔''

۲۔ دین فروشی کیلئے جھوٹی قسم، قیامت میں محرومیت کا باعث ہے۔ ''یَشۡتَرُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَاَیۡمَانِهِمۡ''

۳۔ پیمان شکنی کی اصل وجہ دنیا پرستی ہے۔ ''ثَمَنًا''

۴۔ پیمان شکنی کی قیمت جس قدر بھی زیادہ ہو پھر بھی کم ہے۔ ''ثَمَنًا قَلِیۡلًا''

۵۔ قیامت کے دن کی سزا ہمارے اعمال کے ساتھ ہم آہنگ ہوگی۔ خدا کے ساتھ کیے گئے وعدوں سے پھرنا، خدا کی طرف سے عدم توجہ کا باعث بنے گی۔ ''لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنۡظُرُ اِلَیۡهِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیۡهِمۡ''

۶۔ اُخروی عذاب روحی، نفسیاتی ''لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ'' کے علاوہ جسمانی بھی ہے۔ ''وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۷۷﴾''

آیت نمبر ۷۸

وَاِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِیۡقًا یَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡكِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡهُ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الۡكِتٰبِ ۚ وَیَقُوۡلُوۡنَ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَیَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۸﴾

ترجمۃ الآیات

اور اہل کتاب میں یقیناً بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کتاب کے ساتھ اپنی زبانوں کو (اور اپنے ہاتھ کی لکھی تحریر کو) ایسا پھراتے ہیں کہ تم گمان کرنے لگ جاتے ہو کہ وہ (جو کچھ بھی پڑھ رہے ہیں آسمانی) کتاب میں سے ہے۔ حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ (ہم پڑھ رہے ہیں) خدا کی طرف سے ہے حالانکہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتا اور وہ جان بوجھ کر خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

نکات:

☆ غیر متقی، غیر صالح علما اور دانشوروں کا گناہ کئی برابر ہوتا ہے۔ کیونکہ:

الف: وہ لوگوں کو شکوک وشبہات اور غلط فہمی میں ڈال دیتے ہیں۔ ''لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ''

ب: خداوند کی طرف جھوٹی نسبت دیتے ہیں۔ ''هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ''

ج: وہ لوگ ان سب کاموں کو جان بوجھ کر انجام دیتے ہیں۔ ''وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴿۷۸﴾''

پیغام:

۱۔ فیصلے کرتے ہوئے انصاف سے کام لیا کرو اور سب کو ایک ہی آنکھ سے نہ دیکھا کرو۔ ''وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا ۔۔۔''

۲۔ اہل کتاب میں پڑھے لکھے علما اور دانشور خائنوں کا ہونا یقینی ہے۔ ''لَفَرِيْقًا'' خائن علما اور دانشوروں

۳۔ عوام فریبی اور لفاظی، دانشوروں کے گناہوں میں سے ہے۔ ''يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ''

۴۔ اچھے انداز کی گفتگو اگر حق کی راہ میں نہ ہو تو وہ بے راہروی اور گمراہی کا ایک ذریعہ بن جاتی ہے۔ ''يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ''

۵۔ گمراہ کرنے والے افراد مقدس مذہبی اور آسمانی کتابوں کو اپنی دستاویز بنا لیتے ہیں۔ ''بِالْكِتٰبِ''

۶۔ ملے جلے افکار و اعمال کی تلقین، دشمن کے زہریلے ثقافتی حربوں میں سے ایک ہے۔ ''لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ''

۷۔ اگر دشمن کو معلوم ہو جائے کہ آپ ان کی باتوں کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہیں تو وہ خطرناک ترین دعوے کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ''لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ ۔۔۔ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ''

۸۔ علما اور خواص کا جان بوجھ کر ذاتی اغراض پر مبنی جھوٹ بولنا اور تحریف کرنا، انسانی عقیدے اور ثقافت کے ساتھ سب سے بڑی خیانت ہے۔ ''وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴿۷۸﴾''

آیت نمبر ۷۹

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴿۷۹﴾

ترجمۃ الآیات

کوئی (پیغمبر اور) فرد بشر اس وجہ سے کہ خدا نے اسے کتاب، حکم اور نبوت عطا کی ہے، یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ لہٰذا (اے تم اہل کتاب علما، سب سے پہلے ایسا حق نہیں رکھتے بلکہ) جو کچھ تم کتاب کی تعلیم دیتے رہے ہو اور جو کچھ پڑھاتے رہے ہو، تم اللہ والے بن جاؤ۔

نکات:

☆ خدا کے انبیا کو دوسروں پر یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان کے دوستوں اور طاقت میں جس قدر اضافہ ہوتا ہے، وہ لوگوں کو خدا کی بندگی کی طرف اسی قدر زیادہ دعوت دیتے جائیں گے اور توحید کی راہ سے ہرگز منحرف نہیں ہونگے اور ان کی تاکید اور تنبیہہ میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا۔

لیکن مفاد پرست لیڈر ابتدا میں تو تقدس کا لبادہ اوڑھ کر اور دل سوزی کے ساتھ کام شروع کریں گے، جب انہیں اقتدار اور کرسی مل جائے گی تو استبداد، اپنی ذات پر انحصار اور اپنی ذات کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کے منصوبوں پر عمل درآمد شروع کر دیں گے۔

☆ روایات میں ہے کہ اپنے غلاموں کو ''عبدی''، ''میرا بندہ' نہ کہو بلکہ ''فتی''، ''جوان' کہو۔ اسی طرح ملازمین بھی اپنے مالکوں کو ''ربی'' نہ کہیں بلکہ ''سیدی'' کہا کریں۔ (تفسیر قرطبی)

☆ اگر انبیا کی عبادت اور پرستش نہیں کی جاسکتی تو دوسرے لوگوں کا معاملہ تو صاف اور واضح ہے۔ اسی طرح اگر معنوی عطیات الٰہی ''معبود'' بننے کے اسباب نہیں بن سکتے تو مادی زرق و برق کا معاملہ تو خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔

☆ ''رَبّٰنِیّٖنَ'' ''جمع ہے ''ربانی'' کی، جو ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جس کا رابطہ خدا تعالیٰ کے ساتھ مضبوط ہوتا ہے۔ اور جو دوسروں کی اصلاح اور تربیت کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔

☆ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا: میرے بارے میں دو گروہ ہلاک ہوگئے، ۱۔ میرے ایسے پیروکار جو مجھے حد بشری سے بڑھا دیتے ہیں، ۲۔ دوسرا ایسے دشمن جو انصاف سے کام نہیں لیتے اور مجھے پیغمبر قبول نہیں کرتے۔ میں دونوں قسم کے گروہوں سے بیزار ہوں، مجھے خدا کے عبد سے زیادہ نہ سمجھو۔ اور حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنے پیروکاروں سے اسی قسم کی بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ اسی طرح کے الفاظ ہم نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ سے بھی ملاحظہ کرتے ہیں۔

اسی آپؐ نے فرمایا: ''لا ترفعونی فوق حقی فإن اللہ تعالیٰ اِتخذنی عبداً قبل اَن یتخذنی نبیاً'' مجھے اس

سے اوپر نہ لے جاؤ جو میرا حق ہے۔ بے شک خدا تعالیٰ نے اس سے پہلے کہ مجھے پیغمبر قرار دے، مجھے بندہ خلق فرمایا۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ رسول خداؐ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: کوئی مسلمان مرد یا عورت، آزاد یا غلام نہیں، مگر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک واجب حق اس کی گردن پر ہے، اور وہ یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم حاصل کرے اور قرآن میں تفکر کرے۔

(مستدرک، ج ۴، ص ۳۲۳)

پیغام:

۱۔ خدا کی طرف سے عطا کردہ موقعیت، محبوبیت اور مسئولیت سے ناجائز فائدہ اٹھانا ممنوع ہے۔ ''مَا كَانَ لِبَشَرٍ''

۲۔ کتاب وحکمت ونبوت، انسان کو انسان ہونے سے خارج نہیں کرتے۔ ''مَا كَانَ لِبَشَرٍ''

۳۔ انبیا کا مقصد صرف انسان کیلئے شرک سے نجات دلانا نہیں ہے، بلکہ مرحلہ ربانی تک اس کی راہنمائی کرنا ہے۔ ''کونوا ربانیین''

۴۔ ربانی ہونے تک کا راستہ، علم دین اور کتاب کا علم ہے، صوفی ازم اور چلہ نشینی نہیں ہے۔ ''رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنۡتُمۡ تُعَلِّمُوۡنَ۔۔۔'' (تفسیر فی ظلال القرآن)

۵۔ اگر تعلیم وتعلم اور درس وتدریس، انسان کو ربانی نہ بنائے تو حقیقت میں وہ علم، علم ہی نہیں۔ ''رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنۡتُمۡ تُعَلِّمُوۡنَ۔۔۔'' (تفسیر صافی)

۶۔ علمائے ربانی، حقیقی مفسرین قرآن ہیں۔ ''كُنۡتُمۡ تُعَلِّمُوۡنَ الۡكِتٰبَ وَبِمَا كُنۡتُمۡ تَدۡرُسُوۡنَ﴿۷۹﴾''

۷۔ آسمانی کتب کی تعلیم اور تدریس ہمیشہ رہنی چاہیے۔ ''كُنۡتُمۡ تُعَلِّمُوۡنَ الۡكِتٰبَ وَبِمَا كُنۡتُمۡ تَدۡرُسُوۡنَ﴿۷۹﴾''

۸۔ معلمی، انبیا کا پیشہ ہے۔ ''تُعَلِّمُوۡنَ الۡكِتٰبَ''

آیت نمبر ۸۰

وَلَا يَاۡمُرَكُمۡ اَنۡ تَتَّخِذُوا الۡمَلٰٓـئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرۡبَابًا ؕ اَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡكُفۡرِ بَعۡدَ اِذۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ﴿۸۰﴾

ترجمۃ الآیات

(اللہ تعالیٰ) تمہیں حکم نہیں دیتا کہ تم فرشتوں اور انبیا کو اپنے ''ارباب'' مان لو، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ جب تم مسلمان ہو چکے ہو تو وہ تمہیں کفر کا حکم دے۔

پیغام:

۱۔ شرک کی طرف ہر قسم کی دعوت، جس کسی کی طرف سے بھی ہو، ممنوع ہے۔ ''وَلَا يَأْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا ۔۔۔''

۲۔ کفر سے مراد صرف خدا کا انکار ہی نہیں، بلکہ کسی بھی قسم کی مخلوق کو رب ماننا اور انہیں مستقل جاننا، کفر ہے۔ ''وَلَا يَأْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ''

آیت نمبر ۸۱ ۔ ۸۲

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾
فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے (گذشتہ) انبیا سے یہ اقرار لیا کہ جب بھی میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں اور پھر (آئندہ) ایک پیغمبر تمہارے پاس آئے اور جو کچھ کہ تمہارے پاس (تورات وانجیل) ہے اسے قبول کرتا ہو، تو لازم ہے کہ تم اس پر ایمان بھی لاؤ اور لازمی طور پر اس کی امداد بھی کرو۔ (پھر خدا نے) فرمایا: کیا تم اس عہد کا اقرار کرتے ہو اور میرے بھاری عہد و

پیمان کو (اپنی گردنوں میں) لیتے ہو؟ (انبیا نے جواب میں) کہا: ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: تم خود بھی گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں شامل ہوں۔

پس جو شخص اس (محکم اور پختہ عہد و پیمان) سے روگردانی کرے گا تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

نکات:

☆ انبیا کے مکتب کے درمیان فرق ایسا ہی ہوتا ہے جیسے دو استادوں یا دو وزرائے اعلیٰ کے پروگراموں میں ہوتا ہے، ان کے علمی و سیاسی اصول ایک ہی جہت پر ہوتے ہیں لیکن جزوی مسائل میں شخصی و ذاتی سوجھ بوجھ اور معلومات کی بنا پر فرق ہوتا ہے۔ یا علاقائی صورت حال کے مطابق ان کے پروگرام مختلف ہوتے ہیں۔ (تفسیر مراغی)

☆ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے گذشتہ انبیا سے عہد و پیمان لیا کہ وہ لوگوں کو پیغمبر اسلامؐ کی بعثت اور آپؐ کی صفات کے بارے میں خبر و بشارت دیں گے، اور انہیں آپؐ سرکار کی تصدیق کرنے کا حکم دیں گے۔ (تفسیر مجمع البیان)

امام صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ''جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ'' سے مراد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ جو چیز اہم ہے وہ یہ ہے کہ اطاعت کرنے کی خصلت موجود ہو اور خدا کے حکم کے سامنے انسان تسلیم ہو جائے، خواہ عمل کیلئے میدان نہ ہو۔ مثلاً شہید ہونا ایک بات ہے اور شہادت کیلئے تیار رہنا دوسری بات ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نہیں چاہتا کہ خون اسماعیل بہے، لیکن چاہتا ہے کہ ابراہیمؑ اپنے فرزند کی قربانی کیلئے پوری طرح سے آمادگی رکھتا ہو۔

ممکن ہے کہ ہم امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا زمانہ نہ دیکھ سکیں، لیکن انتظار ظہور، ان سے عشق، محبت، انس اور ان کی آمد کیلئے تیاری، دوسرا مسئلہ ہے جس کی طرف دسیوں آیات و روایات میں اشارہ اور تاکید کی گئی ہے۔

لہٰذا اگر چہ انبیا نے حضرت رسولخداؐ کا زمانہ نہیں پایا لیکن وہ خدا کے مطیع اور اس کے حکم کے سامنے تسلیم تھے، اس پیغام کو پہنچانا ان کی آرزو اور آپؐ سرکار کی نصرت ان سب کی تمنا تھی۔ ''لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ''

پیغام:

۱۔ الٰہی سلسلہ مدیریت میں ذمہ داریاں سونپنے کا لازمہ عہد و پیمان لینا ہے۔ ''اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ''

۲۔ جہاں بھی کام مشکل ہو، وعدہ لینا ضروری ہے۔ رائج آئین و قانون سے ہاتھ کھینچنا اور نئے آنے والے شخص کی حمایت اور اس پر یقین کرنا، آسان کام نہیں ہے، اس لیے خدا تعالیٰ بھی سخت قسم کا عہد و پیمان لے رہا ہے۔ ''اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ۔''

۳۔ خاتم النبیینؐ کا آنا یقینی تھا، اس لیے بعض انبیا سے عہد و پیمان لینے کی بجائے تمام انبیا سے عہد و پیمان لیا گیا۔''

مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیۡتُكُمۡ مِّنۡ كِتٰبٍ وَّحِكۡمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ ‘‘

۴۔نبوت کا سلسلہ وحدت کا باعث ہے،تفرقہ وجدائی کا سبب نہیں ہے۔’’رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ ‘‘

۵۔تمام انبیا علیہم السلام کا ایک ہی مشترکہ ہدف ہوتا ہے لہٰذا گذشتہ انبیا اپنے بعد آنے والے انبیا کی خوشخبری دیتے ہیں اوراس کے بارے میں انہوں نے اپنے پروردگار سے ایمان اور نصرت کا عہد و پیمان کیا ہوا ہے۔بعد میں آنے والے انبیا اپنے سے پہلے والے انبیا کی تصدیق کیا کرتے تھے۔’’مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ ‘‘

۶۔گذشتہ افراد آئندہ کے افراد کا استقبال کریں اور ان کی تصدیق کریں،لوگوں میں ان کا تعارف کرائیں،بعد والوں کیلئے تبلیغ وہدایت کی راہیں ہموار کریں۔’’لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ ؕ ‘‘

۷۔صرف ایمان اکیلا ہی کافی نہیں ہے بلکہ مدد وحمایت بھی ضروری ہے۔’’لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ ؕ ‘‘

۸۔انبیا کرام کے درمیان سلسلہ مراتب قائم ہیں اور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سب سے افضل ہیں کیونکہ تمام انبیا کا فریضہ ہے کہ آپؐ پر ایمان لائیں اور نصرت وحمایت کریں۔’’لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ ؕ ‘‘

۹۔جب گذشتہ انبیا کا فرض ہے کہ وہ پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لائیں اور ان کی اطاعت کریں تو ان کے پیروکاروں کا تو بدرجہ اُولٰی یہ فریضہ ہوگا کہ وہ آنحضرتؐ پر ایمان لائیں اور آپؐ کی اطاعت کریں۔’’لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ ؕ ‘‘

۱۰۔اس حمایت اور نصرت کی قدرو قیمت ہے جس کا سرچشمہ ایمان ہے۔’’لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ ؕ ‘‘

۱۱۔نہایت اہم چیز یہ ہے کہ راہ حق اور انبیا کو تسلیم کیا جائے اور قبول کرنے کی روح موجود ہو،خواہ اس کے عملی مظاہرے کا موقع نہ مل سکے۔گذشتہ انبیا آنحضرتؐ کے دور میں موجود نہیں تھے لیکن وہ اس امر کو قبول کرتے تھے۔’’لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ ؕ ‘‘

۱۲۔وعدہ توڑنے والا فاسق ہے۔’’فَمَنۡ تَوَلّٰى بَعۡدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۸۲﴾ ‘‘

آیت نمبر ۸۳

اَفَغَيۡرَ دِيۡنِ اللّٰهِ يَبۡغُوۡنَ وَلَهٗۤ اَسۡلَمَ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّكَرۡهًا وَّاِلَيۡهِ يُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾

ترجمۃ الآیات

تو کیا وہ خدا کے دین کے علاوہ (کسی اور دین کو) چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو بھی آسمانوں اور

زمین میں ہے اپنی مرضی کے ساتھ یا مرضی کے بغیر اسی کا فرمانبردار ہے اور سب لوگ اسی کی طرف پلٹائے جائیں گے۔

نکات:

☆ جو بھی مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے سب خدا کی فرمانبردار ہے، اگر معمول کی حالت میں اپنی اس اطاعت کو ظاہر نہیں کرتے لیکن جب کسی مشکل سے دوچار ہوتے ہیں اور انہیں حقیقی خطرے کا احساس ہوتا ہے تو مجبوراً اپنا دل اس کے آگے جھکا دیتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو معمول کے حالات میں اپنی رضا اور رغبت کے ساتھ اس کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں لیکن خطرات میں گھر جانے کے موقع پر تو مجبوراً سبھی اس کے آگے جھک جاتے ہیں۔ کائنات کا ایک ایک ذرہ، ایٹم اور خلیہ غرض جاندار بے جاں سب خدا کے اس قانون کے تابع ہیں جو ان پر خدا کی طرف سے حکم فرما ہے اور وہ جب اور جس وقت چاہے اس میں ردوبدل کر سکتا ہے۔

میں (مصنف) یہ جملے لکھ ہی رہا تھا کہ اچانک میں نے محسوس کیا کہ میرے آدھے سر اور چہرے میں سخت درد ہو رہا ہے، میں نے قلم زمین پر رکھ دی اور درد کے مقام پر ہاتھ پھیرنے لگا، تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ مجھے پوری طرح سے آرام آ گیا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یقیناً تمام کائنات ہر لمحے اور ہر صورت میں خدا ہی کے قبضہ قدرت میں ہے، کسی پتے کی حرکت اور کسی کلمہ کی تحریر اس کے ارادے کے بغیر ناممکن ہے۔

☆ اس آیت کے بارے میں امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جب قائم علیہ السلام قیام کریں گے تو تمام سرزمینیں ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کی صدائے شہادت بلند کریں گی۔ (تفسیر عیاشی، ج ۱ ص ۱۸۳)

☆ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ'' سے مراد ملائکہ ہیں۔ (تفسیر درالمنثور)

پیغام:

۱۔ غیر خدا کے راستے کا انتخاب، نظام کائنات کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔ ''اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ''

۲۔ دین کی حقیقت تسلیم ہے۔ ''اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ ۔۔۔''

۳۔ انسان دائمی طور پر راہ و روش کی تلاش میں ہے، مذہب کی طرف میل اس کی فطرت میں ہے۔ (جملہ ''يَبْغُوْنَ'' دائمی میل و رغبت پر دلیل ہے۔)

۴۔ جب تمام کائنات اسی ذات کردگار کے آگے سر تسلیم خم کیے ہوئے تو کیوں نہ ہم بھی اپنے آپ کو اس کے آگے جھکا دیں؟ ''لَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ''

۵۔ آسمانوں میں بھی باشعور مخلوق موجود ہے۔ ''مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ'' (''مَنْ'' کا حرف ذی شعور موجودات کیلئے

استعمال ہوتا ہے۔)

۶۔اگر ہمارا آخر وہی ہے تو پھر کیوں نہ پہلے سے ہی ہم اس کی طرف رخ کرلیں؟''اِلَیۡہِ یُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾''

آیت نمبر ۸۴

قُلۡ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ عَلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی وَعِیۡسٰی وَالنَّبِیُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ ۫ وَنَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۴﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے کہ ہم خدا پر ایمان لے آئے ہیں اور (اسی طرح) اس چیز پر بھی جو ہم پر نازل ہوئی اور اس چیز پر بھی جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اسباط (پیغمبران از نسل یعقوب) پر نازل ہوئی۔ اور اس چیز پر بھی جو موسیٰ، عیسیٰ اور باقی انبیا کو خدا کی طرف سے عطا کی گئی ہے۔ (ہم ان سب پر ایمان لے آئے ہیں) اور ان کے درمیان ہم کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم سب اسی کے (فرمان کے) آگے جھکے ہوئے ہیں۔

نکات:

☆ یہ آیت ایک دو کلموں کے سوا مکمل طور پر سورۂ بقرہ کی آیت ۱۳۶ جیسی ہے۔

☆ طریقہ کار اصل اور بنیاد نہیں ہے بلکہ اس کام کا آخر مقصد و ہدف اہم ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ ہر دور میں ہر پیغمبر کا طریقہ کار اپنا ہو اور ان کی دعوت و تبلیغ کا طریقہ دوسرے سے الگ ہو، لیکن ان سب کا ہدف و مقصد ایک ہی رہا ہو۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ فرعون کے پاس جائیں، لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام جناب بلقیس جیسی فرمانروا کو اپنے دین کی دعوت دیں، ان دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ یہ بالکل ائمہ معصومین علیہم السلام جیسا طریقہ کار ہے۔

☆اگر گذشتہ انبیا سے اپنے بعد کے آنے والے پیغمبر کے لیے میثاق و پیمان لیا گیا ہے کہ ان کا تعارف بھی کرائیں اور امداد بھی کریں تو آنے والے پیغمبر بھی اس بات کے پابند ہیں کہ اپنے تمام پیروکاروں کی نمائندگی کرتے ہوئے سابقہ انبیا پر اپنے ایمان کا اعلان کریں۔

پیغام:

۱۔اپنے ایمان کا اظہار کریں۔''قُلْ اٰمَنَّا''

۲۔انبیا پر ایمان، خدا پر ایمان کے ساتھ ساتھ ہے۔''اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ ۔۔وَالنَّبِيُّوْنَ''

۳۔گذشتہ لوگوں کی خدمات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔''وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى''

۴۔انبیا کا آنا، الٰہی ربوبیت کا ایک جلوہ ہے۔''وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ''

۵۔خدا کا دین اور اس کی ہدایت ہمیشہ سے انسان کے ساتھ رہی ہے، انبیا کرام علیھم السلام متعدد جماعتوں کے معلم کی مانند ہیں، جو زنجیر کی مانند لوگوں کو تبلیغ و ہدایت کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔''اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۔۔۔''

۶۔تمام انبیا کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے، وہ ایک ہی ہدف رکھتے ہیں۔''لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ''

۷۔بعض انبیا بعض دیگر پر برتری رکھتے ہیں۔''فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ''(اسراء۔۵۵) یہ برتری ہرگز بھی ہمارا سب پر ایمان لانے میں رکاوٹ نہیں ہے۔''لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ''

۸۔پیغمبر اسلامؐ، دیگر تمام انبیا پر اظہار ایمان سے تمام توحیدی مکتب کے پیروکاروں کو دعوت اتحاد دے رہے ہیں۔''لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ''

۹۔پیغمبر اسلامؐ، حق کے سامنے مطلقاً تسلیم ہیں۔''وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ''

۱۰۔جو کوئی انبیا کے درمیان فرق کرے، حقیقت میں وہ خدا کے سامنے تسلیم نہیں ہے۔''لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ''

۱۱۔مومنین بھی تمام موجودات کی طرح خدا کے سامنے تسلیم ہیں۔''لَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ''

آیت نمبر ۸۵

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي

الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

ترجمۃ الآیات

جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو اختیار کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

نکات:

☆ جملہ ''يَّبْتَغِ '' سے استفادہ ہوتا ہے کہ آیت سے مراد ایسے لوگ ہیں جن کے کانوں تک اسلام کا پیغام پہنچا ہے، لیکن انہوں نے اس پر کان نہیں دھرا، اور دوسرے مذاہب کی طرف چلے گئے۔ قیامت کے دن وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہونگے اور ان کا دین قبول نہیں کیا جائے گا۔

☆ ۸۱ نمبر آیت کے مطابق، دین اسلام کو قبول کرنا، گذشتہ تمام انبیا سے میثاق خداوندی ہے۔ اس لیے پیغمبر اسلامؐ اور دین اسلام کے آنے کے بعد کوئی دوسرا دین قبول نہ کیا جائے گا۔ ''فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ''

☆ آیات گذشتہ میں اسلام کے اصول مکتب بیان کیے گئے ہیں جس کے مجموعی خدوخال درج ذیل ہیں:

۱۔ تمام سابقہ انبیا سے وعدہ لیا گیا ہے کہ وہ اپنے بعد آنے والے پیغمبر پر ایمان لائیں۔

۲۔ تمام کائنات اللہ تعالی کی فرمانبردار ہے اور دین الٰہی کے علاوہ کسی اور دین کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔

۳۔ دین اسلام کے پیروکار تمام انبیا اور آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالی بڑی صراحت کے ساتھ اعلان فرما رہا ہے کہ جو شخص دین اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا تو اس سے وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ جی ہاں! دعوت، استدلال، مباہلہ اور دوسری آسمانی کتب وعقائد کی حمایت کے اعلان کے بعد، اب وہ مقام ہے کہ صراحت کے ساتھ اور بغیر کسی لگی لپٹی کے بات کی جائے۔

پیغام:

۱۔ گذشتہ تمام ادیان کیلئے اسلام ناسخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ''وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ''

۲۔ ایک جامع دین کو چھوڑنا، ابدی خسارت کے مترادف ہے۔ ''وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ ''

۳۔ آخرت، حقیقی خسارت کی جلوہ گاہ ہے۔ ''فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ ''

۴۔ اسلام کا انتخاب، دور اندیشی اور انسان کی نجات کی علامت ہے۔ ''فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴿۸۵﴾''

آیت نمبر ۸۶

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۸۶﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو کس طرح ہدایت کرے گا جو ایمان لانے، رسولؐ کی حقانیت کی گواہی دینے، ان کے پاس معجزات اور روشن دلائل کے آجانے کے بعد بھی کافر ہوگئی؟ اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

پیغام:

۱۔ ہدایت کے دلائل جس قدر زیادہ اور واضح ہونگے، ان سے کفر و انکار اور ان سے بے اعتنائی اسی قدر خطرناک ہوگی۔ ''كَيْفَ يَهْدِي ۔ ۔ ۔ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۸۶﴾''

۲۔ ابتدائی علم و ایمان کافی نہیں بلکہ ایمان کی مضبوطی اور اس کا تسلسل ضروری ہے۔ کیونکہ ارتداد کا خطرہ ہمیشہ انسان کا پیچھا کرتا ہے۔ ''كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ''

۳۔ مسلمانوں کا ایک گروہ، پیغمبر اکرمؐ کے زمانہ میں مرتد ہوگیا تھا۔ ''كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ''

۴۔ راہ حق سے انحراف، عقل و منطق سے بے توجہی، معجزے کی طرف سے چشم پوشی اور رسول کا انکار بہت بڑا ظلم ہے جس سے انسان خداوند عالم کے الطاف و احسانات کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے۔ ''لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۸۶﴾''

۵۔ خدا تعالیٰ کا دائمی طریقہ کار یہ ہے کہ وہ ظالموں کو ہدایت نہ کرے۔ ''وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۸۶﴾''

(جملہ ''لایہدی'' سنت الٰہی اور اس عمل کے استمرار پر علامت ہے۔)

۶۔ مرتد کیلئے توبہ اور واپس پلٹنا بہت مشکل ہے۔ '' كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ۔ ۔ ۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۸۶﴾“

۷۔ نا آگاہ کافر، آگاہ کافر کی نسبت ہدایت سے قریب ہوتا ہے۔ ”جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۸۶﴾“

۸۔ الٰہی ہدایت کو پانا یا اس سے محروم ہو جانا، خود ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ”وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۸۶﴾“

آیت نمبر ۸۷۔ ۸۸

اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴿۸۷﴾

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ﴿۸۸﴾

ترجمۃ الآیات

ایسے لوگوں کی سزا (جو اس قدر روشن دلائل اور ایک مدت تک ایمان رکھنے کے باوجود مرتد ہو گئے) یہ ہے کہ ان پر خدا، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

(وہ) ہمیشہ کے لیے (خدا، فرشتوں اور تمام لوگوں کی) اس لعنت میں رہیں گے۔ ان کے عذاب میں کمی نہیں کی جائے گی اور نہ ہی انہیں (کسی قسم) کی مہلت دی جائے گی۔

نکات:

☆ مرتد افراد پر تمام لوگوں کی لعنت شاید اس لیے ہے کہ زندہ ضمیر اور سالم فطرت اس روگردانی اور کفر کو جان بوجھ کر اختیار کرنے کی مذمت کرتی ہے۔ پھر اس لیے بھی کہ جان بوجھ کر کفر اختیار کرنے کا شعلہ آئندہ نسلوں اور آئندہ زمانوں میں موثر ہوتا ہے اور بہت سے لوگوں کو اس آگ میں جلا کر بھسم کر دیتا ہے۔

☆ اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی یہ جو سورۂ بقرہ کی آیت ۱۵۹ میں بھی بیان کی گئی ہے کہ ان علما اور دانشوروں کے لیے ہے جو جان بوجھ کر حقائق کو چھپاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقائق کو چھپانے والے علما اور جان بوجھ کر مرتد ہو جانے والوں کا گناہ ایک جیسا ہی ہے۔

پیغام:

۱۔ انسان کے برے اعمال وافکار پر فرشتے نفرت اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔ ''عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةَ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةِ ---''

۲۔ لوگوں کو چاہیے کہ مرتد اور منحرف افراد کے مقابلہ میں اپنی نفرت کا اظہار کریں۔ ''عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةَ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةِ وَالنَّاسِ''

۳۔ عذاب الٰہی میں مقدار اور کیفیت کا علم اور آگاہی موثر ہے۔ ''وَشَهِدُوۡۤا اَنَّ الرَّسُوۡلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ‌ؕ ---لَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡظَرُوۡنَ۞''

آیت نمبر ۸۹

اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ وَاَصۡلَحُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۞

ترجمۃ الآیات

مگر جولوگ (کفر وارتداد کے بعد) توبہ کریں اور (اپنے افعال وافکار کی) اصلاح کریں تو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

نکات:

☆ اگر کوئی کافر مسلمان ہو جائے، تو قانون ''الاسلام یجب ما قبله'' یعنی تمام گذشتہ کو پاک کر دیتا ہے، لیکن اگر کوئی مرتد توبہ کرے اور پھر سے مسلمان ہو جائے تو گذشتہ تمام واجبات کو انجام دے اور ان کا ازالہ کرے، اور اپنے افکار واعمال کی اصلاح کرے، تمام قضا ہونے والے نماز روزہ کو بجالائے۔

پیغام:

۱۔ توبہ اور واپسی کا راستہ سب کیلئے کھلا ہے حتیٰ دین سے پلٹ جانے والوں کیلئے بھی کھلا ہے۔ ''كَفَرُوۡا بَعۡدَ اِيۡمَانِهِمۡ ---اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ وَاَصۡلَحُوۡا''

۲۔ سچی توبہ کی نشانی، تمام برائیوں کی اصلاح ہے۔ ''تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ وَاَصۡلَحُوۡا''

۳۔ خداوند صرف توبہ کو قبول ہی نہیں کرتا اور صرف گناہوں کو معاف ہی نہیں کرتا بلکہ توبہ کرنے والے کو دوست بھی رکھتا ہے اور اپنی رحمت میں قرار دیتا ہے۔ ''غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۸۹﴾''

آیت نمبر ۹۰

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بَعۡدَ اِيۡمَانِهِمۡ ثُمَّ ازۡدَادُوۡا كُفۡرًا لَّنۡ تُقۡبَلَ تَوۡبَتُهُمۡ ۚ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الضَّآلُّوۡنَ ﴿۹۰﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا پھر اپنے کفر میں اضافہ کیا تو ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور یہی لوگ گمراہ ہیں۔

نکات:

☆ دین سے پلٹنے والے مرتد دو طرح کے ہیں:

الف: مرتد ملی وہ کافر ہے جس کی پیدائش کے وقت اس کے ماں باپ کافر ہوں، پھر وہ بالغ ہونے کے بعد کفر کا اظہار کرے اور پھر بعد میں اسلام قبول کرلے، کچھ مدت کے بعد دوبارہ اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کرلے، اب کیونکہ یہ شخص پیدائشی طور پر مسلمان نہیں لہٰذا اس کی سزا خفیف، کم ہے۔

ب: مرتد فطری وہ کافر ہے جس کی پیدائش کے وقت اس کے ماں باپ مسلمان ہوں، وہ بالغ ہونے کے بعد اسلام کا اظہار کرے، پھر اپنے دین وآئین سے ہاتھ اٹھالے اور اسلام سے منہ پھیر لے۔ اس قسم کے شخص کے لیے سخت سزا ہے، جیسے کہ اس کیلئے پھانسی ہے۔

☆ قرآن پاک کی متعدد آیات سے استفادہ ہوتا ہے کہ انسان کے کمالات اور انحرافات دونوں کم یا زیادہ ہوسکتے ہیں۔ علم کا زیادہ ہونا، جیسے ''رَّبِّ زِدۡنِىۡ عِلۡمًا ﴿۱۱۴﴾'' (طہ۔ ۱۱۴)، ہدایت کا زیادہ ہونا، جیسے ''زَادَهُمۡ هُدًى'' (محمد۔ ۱۷)، گمراہی میں اضافہ ہونا، جیسے ''ازۡدَادُوۡا كُفۡرًا''

☆ اگرچہ توبہ کا راستہ کسی پر بند نہیں ہوا، لیکن کسی گروہ کو اس مقدس عطیہ الٰہی سے غلط فائدہ اٹھانے کی اجازت بھی نہیں

دی جا سکتی۔ لہٰذا جو لوگ ایمان سے دستبردار ہو کر مرتد ہو جاتے ہیں، اپنے کفر اور ہٹ دھرمی میں مسلسل اضافہ کرتے رہتے ہیں اور صرف موت کے خطرے کا احساس کرتے ہوئے یا مسلمانوں کے غالب آجانے کی صورت میں توبہ کرنا شروع کر دیتے ہیں تو ان کی اس طرح کی توبہ قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ توبہ کے بھی کچھ آداب، شرائط اور انداز ہوتے ہیں اور یہ لوگ ان سب کو نظر انداز کر چکے ہوتے ہیں۔

پیغام:

۱۔ ایسا ایمان قابل قدر ہے جو زندگی کے آخر تک باقی رہے، جو ایمان کفر کے ساتھ ختم ہو جائے اس کا کوئی فائدہ نہیں، وہ کسی کام کا نہیں۔ ''کَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ''

۲۔ انسان با اختیار ہے کہ وہ ایمان لائے یا کفر اختیار کرے، وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہ سکتا ہے یا اپنے کفر پر ڈٹا رہ سکتا ہے، وہ توبہ بھی کر سکتا ہے اور اپنے گناہ پر اصرار بھی کر سکتا ہے۔ ''كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ''

۳۔ کفر اور ارتداد سے برا یہ ہے کہ ہٹ دھرمی پر باقی رہیں اور اپنے کفر و انحراف پر اصرار کریں۔ ''ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا''

۴۔ خدا تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے، لیکن کچھ لوگ ایسا موقع ضائع کر دیتے ہیں۔ آپریشن کرنے والا خواہ کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو جب تک مریض کی ایسی کیفیت نہ ہو کہ اس کا آپریشن کیا جا سکے، اس وقت تک ڈاکٹر کچھ نہیں کرتا۔ ''لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ''

۵۔ کفر پر اصرار اور باقی رہنا، توبہ کی قبولیت سے محروم رہنے کا باعث ہے۔ ''ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ''

آیت نمبر ۹۱

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۹۱

ترجمۃ الآیات

یقیناً جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور (توبہ کیے بغیر) کفر کی حالت میں مر گئے اگر ان میں سے ہر ایک زمین کو سونے سے بھر کر فدیہ کے طور پر دے دے تو بھی وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کے لیے مدد کرنے والے بھی نہیں ہوں گے۔

نکات:

☆ دنیا اور آخرت کے درمیان بہت ہی فرق ہے۔ منجملہ:

۱۔ دنیا میں غم واندوہ ایک انسان سے دوسرے انسان کو لاحق ہوجاتے ہیں لیکن آخرت میں ایسا نہیں ہے۔

۲۔ دنیا میں انسان عذر یا کفارہ، جھوٹ یا حیلہ، توبہ یا داد و فریاد سے اپنی مشکل حل کرسکتا ہے لیکن آخرت میں ایسا نہیں ہے۔

۳۔ دنیا کی تلخیوں میں کمی واقع ہوسکتی ہے اور اگر انسان ان سے مانوس ہوجائے تو ان میں کمی واقع ہوسکتی ہے لیکن آخرت میں ایسا نہیں ہوگا۔

پیغام:

۱۔ کفر کی حالت میں مرنا، بہت بڑا خطرہ ہے ''مَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ'' خدا کے سامنے تسلیم ہونے کی حالت میں مرنا تو سب انبیا کی آرزو ہے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں: ''تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا'' (یوسف۔۱۰۱)

۲۔ قیامت میں مال دنیا بے قدر و قیمت ہے اور وہ کسی کام نہیں آئے گا، چاہے وہ کرۂ ارض کے برابر سونا ہو، پھر بھی ذرہ برابر اس کی اہمیت نہیں ہے۔ ''مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا''

۳۔ ایمان کا تمام مادی چیزوں سے زیادہ فائدہ ہے۔ قیامت میں صرف ایمان ہے جو انسان کو نجات دے گا۔ ''مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا''

۴۔ کفر کی حالت میں مرنا شفاعت کے اسباب کو ختم کردیتا ہے۔ ''مَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾''

آیت نمبر ۹۲

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾

ترجمۃ الآیات

جب تک تم اس چیز سے (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو گے جسے تم دوست رکھتے ہو، اس وقت تک ہرگز نیکی تک نہیں پہنچ سکو گے اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ ہے۔

نکات:

☆ ''بِرّ'' کے معنی ہیں، وسیع پیمانے پر خیر و برکت اور وہ زمین جو زراعت، صنعت، سکونت اور زندگی کی حفاظت کے لیے تیار کی جائے ''بر'' کہلاتی ہے۔ اسی طرح گندم کو ''بر'' کہتے ہیں کیونکہ یہ یکساں طور پر پیر و جوان، تندرست و بیمار اور انسان و حیوان کی غذا ہے۔

لغوی اشتقاق کے پیش نظر ''بِرّ'' کے معنی ''نیکی میں پھیلاؤ'' ہے اور قرآن مجید میں ایمان، عمل صالح، جہاد، نماز، ایفائے عہد وغیرہ کو ''بر'' کے نمونے کے طور پر بیان کیا گیا ہے: ''لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾'' (بقرہ۔ ۱۷۷)

☆ قرآن پاک میں سب لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ''بر'' تک پہنچنے کے لیے ایک دوسرے کی مدد کریں، ''تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ'' (مائدہ۔ ۲) زیر بحث آیت میں بھی خدا تعالیٰ فرماتا ہے ''تم لوگ اس وقت تک اس گراں بہا گوہر ''بر'' کو حاصل نہیں کر سکتے، جب تک اپنی دل پسند چیز کو راہ خدا میں خرچ نہیں کرو گے۔

مومنین کی طرف سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے چند نمونے:

۱۔ ابوطلحہ انصاری کے پاس مدینہ میں سب سے زیادہ کھجور کے درخت تھے، اسے اپنا باغ بہت عزیز تھا اور وہ مسجد نبویؐ کے بالکل سامنے واقع تھا۔ اس میں صاف وشفاف پانی بہتا تھا اور حضرت رسولخداؐ گاہے بگاہے اس باغ میں تشریف لے جاتے اور اس کے چشمہ سے آب زلال نوش فرماتے تھے۔ یہ باغ اس قدر زیبا اور اعلیٰ ہونے کے علاوہ اتنی کثیر آمدنی کا ذریعہ تھا کہ لوگوں کی زبان پر اس کے چرچے تھے۔ جب یہ آیت "لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی۔۔۔" نازل ہوئی تو ابوطلحہ انصاری نے حضرت رسول پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: "میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب چیز یہی باغ ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ میں اسے راہ خدا میں خرچ کر دوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "بہت اچھی تجارت ہے، شاباش! لیکن میری رائے یہ ہے کہ یہ باغ تم اپنی قوم کے غریبوں اور ناداروں کو دے دو" انہوں نے آپؐ کی اس رائے کو پسند کیا اور اسے مذکورہ لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ (تفسیر کبیر، مجمع البیان؛ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۸۱)

۲۔ کچھ لوگ حضرت ابوذر غفاریؓ کے پاس مہمان بن کر آئے، انہوں نے مہمانوں سے فرمایا: مجھے ضروری کام ہے اور میں اس کے لیے جا رہا ہوں لہٰذا تم خود ہی میرے ایک اونٹ کو نحر کر کے اس سے غذا تیار کر کے تناول کر لینا۔ چنانچہ انہوں نے ایک کمزور سے اونٹ کا انتخاب کیا اور اسے نحر کر کے کھانا تیار کیا جب حضرت ابوذرؓ کو پتہ چلا تو وہ ان سے ناراض ہوئے کہ انہوں نے کمزور اونٹ کیوں ذبح کیا اور ان سے کہا: تم نے طاقتور اور موٹے تازے اونٹ کو نحر کیوں نہیں کیا؟ انہوں نے کہا: اسے آپ کی ضرورت کے لیے باقی رہنے دیا۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا: میری ضرورت کا دن، میری قبر کا دن ہے۔ (تفسیر مجمع البیان)

۳۔ جب حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کو شب عروسی، حضرت علی علیہ السلام کے گھر لے جا رہے تھے تو ایک سائل نے ان سے پرانی قمیص کا سوال کیا، تب جناب زہراؑ نے مذکورہ آیت "لن تنالوا البر۔۔۔" کو یاد کر کے اپنا عروسی کا نیا پیراہن اسے دیدیا۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار ایک باغ میں تشریف لے گئے، وہاں ایک سیاہ فام غلام کو دیکھا جو کام میں مصروف تھا۔ اتنے میں اس کا کھانا لایا گیا، کھانا آتے ہی ایک کتا باغ کی دیوار پھاند کر اندر آ گیا اور اس غلام کے سامنے بیٹھ گیا، کھانا کھاتے وقت غلام نے ایک لقمہ کتے کو ڈالا، وہ کھا گیا۔ کتے نے اپنی آنکھوں کے ذریعے پھر کھانے کا تقاضا کیا تو اس نے ایک ایک لقمہ کر کے اپنی ساری غذا اسے کھلا دی۔ یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اس پوچھا: تم خود کیا کھاؤ گے؟ اس نے کہا: آج میرے لیے اس غذا میں میرا حصہ نہ تھا۔ انہوں نے پوچھا: یہ تو نے کس لئے کیا ہے؟ عرض کی: یہ کتا اس محلہ کا نہیں، کہیں دور سے آیا ہے اور بھوکا ہے، اس لیے میں نے اپنی ساری غذا اسے کھلا دی۔

حضرت عبداللہ نے اس کی اس جوانمردی کو دیکھ کر تعجب کیا اور اس باغ اور غلام کو خرید کر اسے راہ خدا میں آزاد کر دیا اور باغ بھی اسے بخش دیا۔ (تفسیر المنار)

☆ اس آیت کے بارے میں احادیث میں پڑھتے ہیں کہ نیکی تک پہنچنے کا راستہ، والدین کی درخواست کرنے سے پہلے ان کی مدد کرنا ہے، اگرچہ انہیں ضرورت نہ ہو۔ (کافی، ج ۲، ص ۱۵۷)

☆ امام صادق علیہ السلام نے اپنے شاگرد مفضل بن عمر سے فرمایا: میں نے اپنے والد گرامی سے سنا ہے کہ جس شخص کا سال گذر جائے اور وہ اپنے مال میں سے ہمارا حق، کم ہو یا زیادہ، ادا نہ کرے تو خدا تعالیٰ قیامت کے دن جب تک اسے معاف نہ کر دے، اس پر نظر نہیں کرے گا۔

اے مفضل! یہ وہ فریضہ ہے جسے خدا تعالیٰ نے شیعوں پر لازم قرار دیا ہے، جیسا کہ اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ۔۔۔'' پس ہم، نیکی، تقویٰ اور راہ ہدایت ہیں۔ (تفسیر عیاشی)

پیغام:

۱۔ نیک لوگوں کے مقام تک پہنچنے کا اکلوتا راستہ، مخلص طور پر خدا کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ ''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ۔۔۔''

۲۔ دین اسلام میں راہ خدا میں خرچ کرنے کا مقصد صرف فقر و فاقہ کو دور کرنا نہیں ہوتا، بلکہ خرچ کرنے والے کی روحانی بالیدگی کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ یعنی اس طرح سے خیالی محبوب کی طرف سے دل کو ہٹایا جا سکتا ہے، سخاوت کا جذبہ دل میں پیدا ہوتا ہے، محبوب اور پسندیدہ چیز کو اس سے بھی زیادہ محبوب یعنی ذات خدا پر نثار کیا جاتا ہے اور یہی چیز معیار کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ''

۳۔ دنیا سے وابستگی باعث بنتی ہے کہ انسان نیکی کے مقام سے محروم ہو جائے۔ ''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ''

۴۔ کسی شخص کی سعادت اس کی اجتماعی اور اخلاقی بصیرت کے مطابق ہے۔ ''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا''

۵۔ سب سے بہترین اور محبوب چیز انسان کی جان ہے۔ پس وہ شہدا جو اپنی جان کو خدا کی راہ میں دیدیتے ہیں، ''بِرّ'' کے بلند ترین مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔ ''تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ''

۶۔ جس چیز کو خود پسند کرتے ہو اسے اللہ کی راہ میں دو، اس چیز کو نہیں جسے فقیر بے چارے لوگ پسند کرتے ہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ غریب فقیر لوگ تنگدستی کی وجہ سے، بے وقعت چیز پر بھی راضی ہو جائیں۔ ''مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ'' نہ کہ ''مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ''۔

۷۔ جس شخص کی الٰہی تربیت ہوئی ہے وہ مال و دولت کا اسیر نہیں ہوتا، بلکہ ان پر حاکم ہوتا ہے۔ ''تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ''

۸۔ انفاق میں اصل کیفیت ہے، کمیت نہیں۔ ''مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ''

۹۔ اسلام، انسان دوستی کا مکتب ہے، مال دوستی کا نہیں۔ ''تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ''

۱۰۔ انفاق کرنے میں کنجوسی یا زیادہ روی نہیں کرنی چاہیے۔ جس چیز کو تم خود اپنے لیے پسند کرتے ہو اس میں سے کچھ

اللہ کی راہ میں دے دو۔ ''مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ'' یہاں ''من'' سے مراد ''بعض'' ہے۔

۱۱۔ ہر انسان کی فطرت میں مال سے محبت پائی جاتی ہے، ''مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ'' جو چیز خطر ناک ہے وہ مال سے شدید محبت ہے جو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں رکاوٹ ہے۔ ''وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ؕ'' (عادیات۔۸)

۱۲۔ انفاق کرنا، اہم ہے خواہ کم ہی کیوں نہ ہو، ''وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ'' جی ہاں! ایک زرد پتہ بھی سمندر کی لہروں پر سینکڑوں چیونٹیوں کو بچا سکتا ہے۔

۱۳۔ جب خدا تعالیٰ ہمارے انفاق کے عمل کو دیکھ رہا ہے تو اس کی مقدار یا کیفیت کے بارے میں ہم کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ تو آؤ پھر اپنی بہترین چیزوں کو اللہ کی راہ میں دے دیں۔ ''فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾''

چوتھا پارہ

آیت نمبر ۹۳۔ ۹۴

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

ترجمۃ الآیات

تمام قسم کی غذا اور خوراک بنی اسرائیل کے لیے حلال تھی مگر جسے اسرائیل (حضرت یعقوبؑ) نے تورات کے نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر حرام کر دیا تھا۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچ کہتے ہو (کہ یہ پہلے سے تورات میں حرام ہے) تو تورات کو لے آؤ اور اس کی تلاوت کرو (تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ تم نے وحی کے نازل ہوئے بغیر بہت سی چیزوں کو اپنے اوپر حرام

کرلیا ہے۔)

تو اس کے بعد جو بھی شخص خدا پر جھوٹی تہمت لگائے گا، تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

نکات:

☆ کتب تفسیر میں ہے کہ بعض اہل کتاب، حضرت رسول خداؐ پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ اگر آپؐ کی تعلیمات سابق انبیا یعنی حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کے مطابق ہیں تو آپؐ اونٹ کے گوشت اور دودھ کو حرام کیوں نہیں جانتے؟ چنانچہ یہ آیت ان کے جواب میں نازل ہوئی کہ ہر قسم کی غذائیں بنی اسرائیل پر حلال تھیں، یہ خود اسرائیل (یعقوب) ہی تھے، جنہوں نے بعض غذاؤں کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔

بعض تفسیروں کے مطابق اس حرمت کی دلیل یہ ہے کہ جب بھی حضرت یعقوبؑ اونٹ کا گوشت تناول فرماتے تو وہ ان کے لیے مضر ہوتا اور جسمانی تکلیف کا موجب بن جاتا۔ لہٰذا آپ اس قسم کی غذا سے پرہیز کرنے لگے، اس سے بنی اسرائیل نے گمان کیا یہ ایک شرعی اور ابدی حرمت ہے۔(تفسیر عیاشی)

☆''طَّعَامِ''اس چیز کو کہتے ہیں جس سے انسان کو ذائقہ ملتا ہے، اور لفظ''حِلًّا''لفظ''عقد''کے مقابلہ میں ہے جس کے معنی ہیں، آزادی و رہائی، اور''حلال طعام''اس غذا کو کہتے ہیں جس کا کھانا جائز ہوتا ہے۔

پیغام:

۱۔غذاؤں کا حلال ہونا تمام آسمانی ادیان میں ایک مستقل اصل ہے۔''كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا''

۲۔کسی شرعی دلیل اور حرمت کے بغیر حلال چیزوں کو حرام نہ سمجھو۔''حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ''

۳۔کسی کے خلاف استدلال کی بہترین قسم اس کے اپنے عقائد اور اس کی آسمانی کتاب ہے۔''فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰٮةِ''

آیت نمبر ۹۵

قُلۡ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝۹۵

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبرؐ!) کہہ دو کہ خدا کی بات سچی ہے (نہ کہ تمہاری کذب و افترا پر مبنی باتیں) پس تم حق کی طرف مائل (حضرت) ابراہیمؑ کے طریق (اسلام) کی پیروی کرو کہ وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔

نکات:

☆ ''حنیف'' وہ ہے جو گمراہی سے دور ہو گیا ہے اور راہ راست و ہدایت پر آ گیا ہے۔ پیغمبرؐ کے زمانے کے بت پرست یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ ہم ابراہیمؑ کے دین پر ہیں۔ اس بات پر وہ اس قدر تاکید کرتے تھے اور اتنا ڈھنڈورا پیٹتے تھے کہ لوگ بھی انہیں ''حُنفا'' یعنی جناب ابراہیمؑ کے پیروکار کہا کرتے تھے۔ قرآن پاک میں اس چیز کی نفی کی گئی ہے۔ ''مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴿۹۵﴾'' (تفسیر نمونہ؛ آل عمران۔ ۶۷ و ۹۵؛ انعام۔ ۱۶۱؛ نحل۔ ۱۲۴)

پیغام:

۱۔ اہل کتاب جو اپنے آپ کو ابراہیمؑ کے پیروکار جانتے ہیں، انہیں موحد ہونا چاہیے، کیونکہ ابراہیمؑ مشرک نہ تھے۔ ''فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴿۹۵﴾''

۲۔ جناب ابراہیمؑ کی حق گوئی نے ان کے دین کو پائیدار اور مستحکم کر دیا۔ ''فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ''

آیت نمبر ۹۶

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ﴿۹۶﴾

ترجمۃ الآیات

یقیناً سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے وہی ہے جو سرزمین مکہ میں ہے جو تمام جہانوں کے لیے بابرکت اور ذریعہ ہدایت ہے۔

نکات:

☆ ''بَكَّةَ'' بھیڑ کی جگہ اور لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔

☆ بنی اسرائیل حضرت رسولخداؐ پر جو اعتراضات کیا کرتے تھے، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ مسلمان بیت المقدس کے قدیم ہونے کے باوجود کہ جو ۱۰۰۵ قبل مسیح میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذریعے بنایا گیا تھا، اسے چھوڑ کر کعبہ کو اپنا قبلہ بنا چکے ہیں۔ یہ آیت انہی کے جواب میں نازل ہوئی ہے کہ کعبہ تو پہلے ہی دن سے موجود اور سب سے پہلا عبادت کا گھر ہے اور اس کا قدیمی اور تاریخی ہونا دوسری تمام جگہوں سے زیادہ معتبر ہے۔

☆ ''اول بیت'' کے بارے میں امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: کیونکہ مکہ کے لوگ کعبہ کے بعد اس کے گرد آباد ہو گئے تھے اس لیے اولویت کا حق کعبہ کیلئے ہے۔ لہٰذا کعبہ کے حق میں مسجد الحرام کی توسیع کیلئے اس کے اطراف میں موجود گھروں کو خراب کیا جا سکتا ہے۔ (وسائل، ج ۱۳، ص ۲۱۷)

☆ ''دَحوُ الارض'' سے مراد خانہ کعبہ کے نیچے سے زمین کا پھیلنا ہے۔ علامہ طباطبائیؒ کہتے ہیں کہ ''دَحوُ الارض'' پر بہت سی روایات ہیں۔ (کافی، ج ۴، ص ۱۸۹) کوئی علمی دلیل جو اس کے خلاف ہو، نہیں مل سکی اور قرآن پاک کے مخالف بھی نہیں ہے۔ (تفسیر المیزان)

☆ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری شخص تک ہر ایک کو خانہ کعبہ کے انہی پتھروں سے آزمائے گا۔ (نہج البلاغہ، خ ۱۹۲)

☆ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: جناب آدمؑ، سلیمانؑ و نوحؑ نے بھی اسی کعبہ کے گرد طواف کیا ہے اور حج انجام دیا ہے۔ (تفسیر برہان، ج ۱، ص ۳۰۰)

☆ قرآن پاک میں کعبہ کیلئے متعدد تعابیر استعمال کی گئی ہیں، جن میں سے بعض یہ ہے:

۱۔ کعبہ، پہلا گھر ہے۔ ''اَوَّلَ بَيْتٍ''

۲۔ لوگوں کے مستحکم ہونے اور قیام کرنے کی جگہ ہے۔ ''قِيٰمًا لِّلنَّاسِ'' (مائدہ۔ ۹۷)

۳۔ آزاد گھر اور مالک کے بغیر ہے۔ ''بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۲۹'' (حج۔ ۲۹)

۴۔ لوگوں کے اجتماع کی جگہ اور امن کا گھر ہے۔ ''مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ط'' (بقرہ۔ ۱۲۵)

پیغام:

۱۔ کعبہ، وہ پہلا گھر ہے جو روئے زمین پر لوگوں کیلئے عبادت و دعا کی خاطر بنایا گیا۔ ''اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ''

۲۔ کسی معبد کا تاریخی ہونا اس کی قدر میں اضافہ کرتا ہے۔ ''اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ ۔۔۔''

۳۔ کعبہ کی خیر و برکت صرف مومنین یا کسی خاص نسل ہی کے لیے نہیں بلکہ سب دنیا کے لیے عمومی ہے۔ ''وُّضِعَ لِلنَّاسِ''

۴۔ کعبہ کیلئے عوامی ہونا قابل قدر بات ہے۔''وُّضِعَ لِلنَّاسِ''

۵۔ کعبہ، تمام انسانوں کیلئے مرکز ہدایت ہے۔''ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۝۹۶''

آیت نمبر ۹۷

فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ ۬ۚ وَمَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ؕ وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۹۷

ترجمۃ الآیات

اس (گھر) میں واضح نشانیاں ہیں، مقام ابراہیمؑ (اسی جگہ) ہے۔ جو اس (گھر) میں داخل ہو گیا وہ امان میں ہے اور لوگوں پر لازم ہے کہ خدا (کی خوشنودی) کے لیے اس کے حج کا قصد کریں، البتہ ہر وہ شخص جو اس راہ کی استطاعت رکھتا ہے اور جو شخص کفر کرے گا (ضروری استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرے گا) پس خدا بھی یقیناً تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

نکات:

☆ مکہ اور خانہ کعبہ خدا کی قدرت اور نشانیوں کے آئینہ دار ہیں اور کعبہ کی تاریخ ایسی ایسی یادگاروں اور سرگذشتوں کی حامل ہے جن پر توجہ دینے سے کئی سبق ملتے ہیں اور عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی تعمیر میں حضرت ابراہیمؑ نے راج بن کر اور حضرت اسمٰعیلؑ نے مزدور بن کر حصہ لیا۔ ابرہہ کے ہاتھی سوار سپاہی جو اس گھر کی تباہی و بربادی کا قصد لے کر آئے تھے، خدا کی قدرت سے ابابیل جیسے چھوٹے پرندوں کے ہاتھوں نیست و نابود ہو گئے۔

حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کے موقع پر اس کی دیوار، مولا علیؑ کی مادر گرامی کے لیے شق ہو گئی تا کہ وہ اس میں چلی جائیں تا کہ نومولود دنیا میں آسکے۔ یہ وہ بچہ ہے جو مستقبل قریب میں خانہ کعبہ میں موجود بتوں کو گرائے گا۔

سیاہ فام حبشی غلام، جناب بلالؓ نے اشراف مکہ کی موجودگی میں کعبہ کی چھت پر کھڑے ہوکر اذان دی اور اشراف مکہ کی نگاہیں حیرت کے ساتھ انہیں دیکھتی رہیں۔ پھر ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ خدا کی آخری حجت اس کی دیوار کے ساتھ تکیہ لگا کر بنی نوع انسان کی نجات کا اعلان فرمائیں گے، اور عالمین کو اسلام کی دعوت دیں گے۔

☆ مکۃ المکرمہ، اللہ کا امن والا شہر ہے، جو کوئی اس میں داخل ہوتا ہے وہ امان میں ہے۔ حتی اگر کوئی مجرم بھی مسجد الحرام میں داخل ہو جائے تو اسے وہاں گرفتار نہیں کیا جا سکتا، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس پر اس قدر تنگی کی جائے کہ وہ خود ہی مجبور ہو کر وہاں سے باہر آجائے۔ (کافی، ج ۴، ص ۲۲۶)

☆ خانہ کعبہ کے پہلو میں ''مقام ابراہیم'' ہے، روایات کی رو سے یہ وہی پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی دیواروں کو اٹھایا اور اس پر آنجنابؑ کے نشان قدم موجود ہیں۔ یہ پتھر اور اس پر جناب ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان کا باقی رہنا، بذات خود قدرت الٰہی نشانیوں میں سے ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے بھی صدیوں پہلے یہ سب کچھ موجود تھا اور ہزاروں تبدیلیوں، حملوں، سیلابوں اور ویرانیوں کے باوجود ان کا باقی رہنا ایک معجزہ الٰہی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس گھر کا حج کرنے کی دعوت دی ہے ''حج'' کے لغوی معنی ہیں ایسا قصد کرنا جس میں حرکت بھی پائی جاتی ہو اور ''مَحَجّة'' صاف اور سیدھے راستے کو کہتے ہیں جو انسان کو مقصد تک پہنچاتا ہے۔ البتہ اسلام میں ''حج'' خانہ کعبہ کے قصد اور اس سے متعلقہ اعمال کی بجا آوری کو کہتے ہیں۔

☆ پیغمبر اسلامؐ نے مولا علیؑ سے فرمایا: ''تارك الحج و هو مستطيع كافر'' یعنی حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود اسے ترک کر دینے والا کافر ہے۔ جو شخص آج کل کرتا رہے اور پھر مر جائے وہ گویا اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب پر مرے گا۔ (من لایحضرہ الفقیہ، ج ۴، ص ۳۶۸؛ کافی، ج ۴، ص ۲۶۵)

☆ حج کی ادائیگی کیلئے مالی استطاعت کا ہونا ضروری نہیں ہے کہ خود انسان سے ہو۔ بلکہ اگر کسی کو بطور مہمان لے جائے یا اس کے حج کیلئے تمام اخراجات ادا کرے، تو وہ شخص مستطیع ہو جائے گا اور اس پر حج واجب ہو جائے گا۔ (کافی، ج ۴، ص ۲۶۶)

☆ ''اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ'' کے بارے میں امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اس سے مراد مقام ابراہیمؑ، حجر الاسود اور حجر اسماعیلؑ ہے۔ اور جب آنحضرتؑ سے دریافت کیا گیا کہ ''مَن دخلہ'' سے مراد کعبہ ہے یا حرم؟ تو آپؑ نے ارشاد فرمایا: حرم۔ (کافی، ج ۴، ص ۲۲۳)

☆ کسی شخص نے ''مَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ'' کے بارے میں امام صادق علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: جو کوئی اس گھر کا ارادہ کرے اور جانتا ہو کہ یہ وہی گھر ہے جہاں خداوند نے جانے کا فرمان دیا ہے، اور اہل بیتؑ کو بھی جس طرح جاننا چاہیے، جانتا ہو، وہ دنیا و آخرت میں امان میں ہوگا۔ (کافی، ج ۴، ص ۵۴۰)

پیغام:

۱۔ خانہ کعبہ میں واضح اور روشن نشانیاں ہیں۔ تقدس، معنویت کی نشانیاں، جناب آدمؑ سے جناب خاتمؐ تک انبیا کی یادیں، تمام نماز پڑھنے والوں اور انبیا کی عبادت گاہ وقبلہ گاہ ہے۔ ''فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ''

۲۔ جناب ابراہیمؑ وہ مقام رکھتے ہیں کہ ان کے پاؤں کے نشان کو مکہ جیسی اہمیت دی گئی ہے۔ ''مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ''

۳۔ وہابیت کے تفکر کے خلاف، اگر کوئی جمادات میں سے بھی اولیائے خدا کے ہمراہ ہو تو وہ تقدس حاصل کر لیتا ہے۔ ''مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ''

۴۔ اسلام کی خصوصیات میں سے ہے کہ اس نے زمین پر ایک خطہ کو امن کی جگہ قرار دیا ہے۔ ''مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ''

۵۔ واجبات، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم سے انسان کی گردن پر ایفائے عہد کا درجہ رکھتے ہیں۔ ''لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ''

۶۔ حج، اخلاص کے ساتھ اور صرف خدا کیلئے ہونا چاہیے۔ ''لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ''

۷۔ انسان کے فرائض اور ذمہ داریاں اس کی استطاعت کے مطابق ہیں، کسی شخص کی استطاعت، مالی، جسمانی اور خارجی شرائط کے حوالے سے ہے۔ ''مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ''

۸۔ استطاعت حج کیلئے شرط ہے۔ ''مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ'' (کافی، ج ۴، ص ۲۶۷)

۹۔ حج کا انکار اور اس کو بجا نہ لانا، کفر کا باعث ہے۔ ''وَمَنْ كَفَرَ''

۱۰۔ احکام الٰہی کی بجا آوری کا فائدہ خود انسان ہی کو پہنچتا ہے ورنہ خدا تو ہر ضرورت سے بے نیاز ہے، اسے ہمارے اعمال کی ضرورت نہیں ہے۔ ''فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ''

۱۱۔ اللہ تعالیٰ دعوت دیتا ہے لیکن کسی کے زیر بار احسان نہیں ہوتا۔ ''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾''

آیت نمبر ۹۸

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبرؐ!) کہہ دو کہ اے اہل کتاب تم خدا کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کا گواہ ہے۔

پیغام:

۱۔ سرزنش کرتے ہوئے سوال کرنا لیکن مؤدبانہ انداز میں ہو تو آگاہی دینے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ''یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ''

۲۔ اگر خدا کو حاضر و ناظر سمجھیں اور اسے اپنے اعمال کا گواہ سمجھیں تو خود ہی اس کی مخالفت سے دور ہو جائیں گے۔ ''لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ‌ۖ وَاللّٰهُ شَهِيۡدٌ''

۳۔ اہل کتاب، مسلمانوں کے خلاف خفیہ کارروائیاں کیا کرتے تھے۔ ''وَاللّٰهُ شَهِيۡدٌ عَلٰى مَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝۹۸''

آیت نمبر ۹۹

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ تَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا وَّاَنۡتُمۡ شُهَدَآءُ ‌ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۝۹۹

ترجمۃ الآیات

کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! تم ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، راہ خدا سے کیوں روکتے ہو جو ایمان لے آئے ہیں اور تم چاہتے ہو کہ خدائی راستہ ٹیڑھا ہو۔ حالانکہ تم خود اس کے گواہ ہو (کہ مومنوں کا راستہ سیدھا ہے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

نکات:

☆ اس سے پہلی آیت میں ان اہل کتاب سے کفر کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تھا؛ ''لم تکفرون''۔ اس آیت میں ان کی گذشتہ روش پر تنقید کے ساتھ ساتھ ان سے یہ سوال بھی کیا جا رہا ہے کہ اگر تم خود ایمان نہیں لاتے ہو اور آیات الٰہی کے بارے میں کفر پر ہی قائم ہو تو دوسروں کو راہ خدا پر چلنے سے کیوں روکتے ہو؟ ''لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ ''

پیغام:

۱۔ اسلام کی ترقی و پیشرفت کو روکنے کیلئے، اہل کتاب سازشیں اور رکاوٹیں کھڑی کرتے رہے ہیں۔ ''لِمَ تَصُدُّوْنَ ''

۲۔ اسلام کے ساتھ مقابلہ کرنے کیلئے، اسلام کے پیغام کو برعکس پیش کرنا، دشمن کے طریقہ کار میں سے ایک ہے۔ '' تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ''

۳۔ آپ کو گمراہ کرنے کیلئے، دشمن ہمیشہ کوشش کرتا رہتا ہے۔ ''تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ''

۴۔ آپ کے دین کی حقانیت کے بارے میں دشمن اچھی طرح سے آگاہ ہیں اور اس بات پر وہ خود گواہ بھی ہیں۔ '' اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ط ''

۵۔ فتنہ کا سرچشمہ، منحرف دانشور حضرات ہوتے ہیں۔ ''وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ط ''

۶۔ اگر ہم جانتے ہوں کہ خدا تعالیٰ ایک لحظہ بھی ہم سے غافل نہیں ہے، تو ہم گناہوں سے دور ہو جائیں گے۔ ''مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ ''

آیت نمبر ۱۰۰

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

ترجمۃ الآیات

اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو، اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹا دیں گے۔

نکات:

☆ یہودیوں میں سے ایک شخص بنام ''شاس بن قیس'' نے جب مدینہ کے مسلمانوں خصوصاً اوس اور خزرج کے قبیلوں کے درمیان انس ومحبت اور بے میل تعلقات کو دیکھا تو سخت رنجیدہ خاطر ہوا۔ اس نے اپنے آپ سے کہا: ایک وہ وقت تھا کہ جب یہ دو قبیلے باہم دست وگریبان ہوتے تھے اور ہر وقت لڑتے مرتے رہتے تھے لیکن اب حضرت محمدؐ کی قیادت اور رہبری میں ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں کی طرح صلح وصفا کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ اگر یہ قیادت اور رہبری اسی طرح بحال رہی تو یہودیوں کا مستقبل خطرناک اور بھیانک ہوگا۔ لہٰذا اس نے ایک منصوبہ تیار کیا اور کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ ملالیا، پھر ایک جوان کو مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لیے مامور کردیا کہ وہ جنگ ''بعاث'' (جہاں مذکورہ دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی) کی یادیں تازہ کر کے ان کے جذبات کو ابھارے، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ان کے جذبات کو اس حد تک ابھارا کہ وہ آپس میں لڑنے مرنے کے لیے تیار ہوگئے اور جنگ وجدال کی آگ روشن ہوگئی۔

یہ کیفیت دیکھ کر حضرت رسولخداؐ نے اپنے تسکین دہندہ فرمان سے ان کے جذبات کو ٹھنڈا کیا اور دشمن کی چال سے آگاہ کیا۔ یہ سن کر انہوں نے ہتھیار زمین پر ڈال دیے اور ایک دوسرے کو گلے لگالیا وہ اپنے کیے پر بہت پشیمان ہوئے۔

مفسرین کے بقول یہ آیت اور اس سے پہلے کی دونوں آیات اسی سلسلے میں نازل ہوئی ہیں کہ جن میں اہل کتاب کو تنبیہ کی گئی ہے اور مسلمانوں کو دشمن کی سازشوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔ (تفاسیر مجمع البیان، روح البیان، روح المعانی، کبیر، قرطبی، مراغی ونمونہ)

پیغام:

۱۔ اہل کتاب منحرف دانشوروں کی پیروی کرنا ارتداد کا سبب ہے۔ ''اِنۡ تُطِيۡعُوۡا فَرِيۡقًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ يَرُدُّوۡكُمۡ''

۲۔ اعمال، انسان کے عقیدے پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں، جیسے منحرف لوگوں کی اطاعت کرنے کا نتیجہ عقیدے کا انحراف ہوتا ہے۔ ''اِنۡ تُطِيۡعُوۡا فَرِيۡقًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ يَرُدُّوۡكُمۡ''

۳۔ چونکہ کفار کی اطاعت انسان کو کفر کی طرف لے جاتی ہے اس لیے ان سے دوری اختیار کرنا اور برائت کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ ''اِنۡ تُطِيۡعُوۡا فَرِيۡقًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ يَرُدُّوۡكُمۡ''

۴۔ غیروں کی پیروی کا نتیجہ، کفر اور برا انجام ہے۔ ''يَرُدُّوۡكُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ كٰفِرِيۡنَ۝۱۰۰''

آیت نمبر ۱۰۱

وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور تم کیونکر کفر کر سکتے ہو، جبکہ تمہارے لیے خدا کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور اس کا رسول تمہارے درمیان ہے اور جو شخص (دین و کتاب) خدا سے وابستہ ہو جاتا ہے تو یقیناً اسے سیدھے راستے کی ہدایت کی جاتی ہے۔

نکات:

☆ خدا تعالیٰ سے وابستگی، آگاہانہ انتخاب کے ساتھ ایک سنجیدہ حرکت ہے، جس کا لازمہ اولیائے الٰہی کے ساتھ چلنا ہے جیسا کہ زیارت جامعہ کبیر میں ہے کہ امام ہادی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''مَن اِعتصَمَ بکم فقد اِعتصم بالله'' یعنی اولیائے الٰہی کے ساتھ وابستگی اور توسل، حقیقت میں خود کو خدا تعالیٰ کی پناہ میں دینا، خدا کی حمایت میں خود کو قرار دینا ہے۔

پیغام:

۱۔ بے راہروی، گمراہی اور کفر کے اسباب، یا راستے کے فقدان کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں یا پھر حقیقی راہنما کے فقدان کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن جب کتاب و سنت، الٰہی راہبر اور قوانین موجود ہوں تو پھر گمراہی کیسی؟ ''كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ۔۔۔''

۲۔ کفر اور گمراہی سے بچانے کیلئے صرف قانون ہی کافی نہیں ہے بلکہ راہبر کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ''وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ۔۔۔''

۳۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ، توکل اور مدد طلب کرنا، تمام وسوسوں اور گمراہیوں سے محفوظ رہنے کی ضمانت ہے۔ ''مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ''

۴۔ خدا تعالیٰ سے جڑنے کا راستہ ہر ایک کیلئے کھلا ہے۔ ''وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ۔۔۔''

۵۔ خدا کے راستے کے علاوہ ہر راستے کی طرف منہ کر لینا، گمراہی ہے۔ ''وَمَنۡ يَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ﴿۱۰۱﴾''

۶۔ حرکت کرنے سے زیادہ اہم، راہ مستقیم کو تلاش کرنا اور پھر اس پر حرکت کرنا ہے۔ ''هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ﴿۱۰۱﴾''

۷۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ اور اس سے مدد طلب کرنے کا یقینی نتیجہ ہدایت ہے۔ ''فَقَدۡ هُدِىَ''

آیت نمبر ۱۰۲

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ﴿۱۰۲﴾

ترجمۃ الآیات

اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو، خدا سے ڈرو کہ جو اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مسلمان رہے بغیر مر نہ جانا۔ (یعنی جب تم مرو تو مسلمان ہونا۔)

نکات:

☆ ہر کمال، ایمان، علم و تقویٰ کی طرح مراحل رکھتا ہے۔ ابتدائی اور پھر اس سے آگے کے مراحل، یہاں تک کہ کمال مطلق کا مرحلہ ہے، قرآن پاک میں ہم پڑھتے ہیں کہ ''رَّبِّ زِدۡنِىۡ عِلۡمًا﴿۱۱۴﴾'' (طہ۔ ۱۱۴) یعنی اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما۔ یا دعائے مکارم اخلاق میں پڑھتے ہیں: ''بلّغ بایمانی اکمل الایمان'' یعنی خدایا! میرے ایمان کو کمال تک پہنچا دے۔

اس آیت میں یہ بھی پڑھتے ہیں کہ ''اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ'' تقویٰ الٰہی کے بلند ترین درجات عطا فرما۔

پیغام:

۱۔ مومن کو ہر روز ایک نیا مرحلہ طے کرنا چاہیے۔ ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ''

۲۔ حقیقی تقویٰ، مبدا و معاد پر ایمان کے ذریعے ہے۔ ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ''

۳۔اچھی و نیک عاقبت کا راز تقویٰ ہے۔''اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝۱۰۲''

۴۔ایمان لانا ہی ضروری نہیں بلکہ ایمان پر باقی رہنا بھی ضروری ہے۔کسی کام کا آغاز اتنا اہم نہیں جتنا اس کا اختتام اہم ہوتا ہے۔''لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝۱۰۲''

۵۔اسلام ہمیں صرف زندہ رہنے کے طور طریقے ہی نہیں سیکھاتا بلکہ ہمیں مرنے کے انداز اور اہداف سے بھی آگاہ کرتا ہے۔''لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝۱۰۲''

۶۔انسان اپنی تقدیر اور عاقبت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔''لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝۱۰۲''

۷۔اسلام،تقویٰ کی کیفیت پر بھی توجہ دیتا ہے اور آخر عمر تک اس کے باقی رکھنے پر بھی تاکید کرتا ہے۔''اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝۱۰۲''

آیت نمبر ۱۰۳

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝۱۰۳

ترجمۃ الآیات

اور سب مل کر خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور متفرق نہ ہو جاؤ اور ان نعمتوں کو یاد کرو، جو تمھیں اللہ تعالیٰ نے دی ہیں۔اس وقت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اور خدا نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی پس تم اس کی نعمت کے سائے میں ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔تم تو آگ کے گڑھے کے دہانے پر تھے کہ خدا نے تمھیں اس میں گرنے سے بچا لیا۔اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیات تمہارے لیے بیان کرتا ہے تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔

نکات:

☆ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قرآن حبل اللہ ہے، یعنی اللہ کی رسی ہے۔ (نہج البلاغہ، خ ۱۷۶)
امام صادق علیہ السلام سے نقل ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''نحن حبل الله'' کہ ہم اہلبیتؑ اللہ کی رسی ہیں۔ (تفسیر مجمع البیان)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ''علی بن ابی طالبؑ حبل اللہ ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ دلوں کے درمیان الفت پیدا کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ ''فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ'' قرآن پاک میں پیغمبر اکرمؐ سے خطاب ہے کہ ''لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ'' یعنی اگر آپؐ روئے زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر دیتے تو ان کے دلوں کے درمیان الفت ایجاد نہیں کر سکتے تھے۔ (انفال۔ ۶۳)

☆ تفرقہ، الٰہی عذاب الٰہی سزاؤں میں سے ہے۔ جیسا کہ اسلام میں اتحاد قائم کرنے کی خاطر جھوٹ بولنا جائز ہے لیکن ایسا سچ بولنا حرام ہے جس سے تفرقہ پیدا ہوتا ہو۔

پیغام:

۱۔ اتحاد اور تفرقہ سے دوری اختیار کرنا، خدا تعالیٰ کی طرف سے عائد فرائض میں سے ہے۔ ''وَاعۡتَصِمُوۡا''
۲۔ اتحاد کا محور و مرکز، خدا کا دین ہونا چاہیے، نسل، زبان یا قومیت نہیں ہونی چاہیے۔ ''بِحَبۡلِ اللّٰهِ''
۳۔ اسلام کی برکات اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد سے غافل نہ رہو۔ ''اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ''
۴۔ اتحاد، اخوت و بھائی چارے کا سبب ہے۔ ''فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا''
۵۔ اتحاد کا ہونا، خدا تعالیٰ کی بڑی نعمات میں سے ایک ہے۔ ''فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ''
۶۔ تفرقہ اور دشمنی، آگ کا گڑھا اور کھائی ہے۔ ''شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ''
۷۔ خدا تعالیٰ کی نعمات، اس کی نشانیاں ہیں۔ ''وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ۔۔۔ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ''
۸۔ خدا تعالیٰ کی نعمات کو یاد کرنا، خدا سے عشق اور ہدایت کی راہ ہموار کرنے کا باعث ہے۔ ''وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ ۔۔۔لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾''

آیت نمبر ۱۰۴

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۴

ترجمۃ الآیات

اور تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو (دوسروں کو) نیکی کی دعوت دے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے اور ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔

نکات:

☆ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلق آیت کا اتحاد و اتفاق اور وحدت سے متعلق دو آیت کے درمیان مذکور ہونا، شاید اس وجہ سے ہے کہ متفرق اور دگرگوں معاشرتی اور اجتماعی نظام میں یا تو خیر اور نیکی کی طرف دعوت دینے کی کسی کو قدرت نہیں ہوتی یا پھر اس قسم کی دعوت کارگر اور موثر ثابت نہیں ہوتی۔

☆ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دو صورت میں انجام پاتا ہے:

۱۔ ایک عمومی فریضہ کے عنوان سے ہے کہ جس شخص میں جتنی قدرت اور توانائی ہے وہ اسی کے مطابق اپنے اس فریضے کو انجام دیتا ہے۔

۲۔ ایک منظم اور باقاعدہ تشکیل شدہ گروہ اس فریضے کو انجام دیتا ہے، پوری طاقت اور قدرت سے اس کا اجرا کرتا ہے اور اس پر عمل درآمد کراتا ہے۔

مثال کے طور پر اگر کوئی ڈرائیور سڑک پر قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو دوسرے ڈرائیور ہارن بجا کر اور بتیاں جلا کر اس کو متوجہ کرتے ہیں اور ٹریفک پولیس اس کو خلاف ورزی کرنے پر جرمانہ کر دیتی ہے۔

☆ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں بہت سی روایات موجود ہیں جنہیں بیان کرنے سے صرف نظر کرتے ہوئے فقط ایک روایت پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ حضرت علیؑ کا فرمان ہے: اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو چھوڑ دیا جائے تو نیکیوں اور خیر کے کام دھرے کے دھرے رہ جائیں اور کمینے لوگ اور برائیاں غالب آجائیں۔ (نہج البلاغہ، نامہ ۴۷)

پیغام:

۱۔ اسلامی معاشرے میں کچھ لوگ ایسے ہونے چاہیں جنہیں اسلامی حکومت کی تائید حاصل ہو اور وہ معاشرے کی حرکات و سکنات اور اوضاع و احوال پر کڑی نظر رکھیں۔ ''وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ''

۲۔ معاشرے کی اصلاح اور برائیوں اور تخریب کاریوں کو روکنا ایک باقاعدہ طاقت و قوت اور ایک معین ذمہ دار شخص

کے بغیر ناممکن ہے۔ ''مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ''

۳۔ خیر کی دعوت دینے والا اور نیکی کا امر کرنے والا شخص اسلام شناس، مردم شناس اور سلیقہ شناس ہونا چاہیے، اسی لیے یہ ذمہ داری بعض افراد کے کندھوں پر ہوتی ہے، سب افراد کے ذمہ نہیں۔ ''وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ''

۴۔ معاشرے میں نیکی کی دعوت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ دائمی صورت میں انجام پانا چاہیے۔ وقتی اور عارضی صورت میں کبھی کبھار اس کو حرکت میں لائے جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ''يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ'' فعل مضارع، استمرار پر دلالت کرتا ہے۔

۵۔ امر بالمعروف، نہی عن المنکر پر مقدم ہے۔ اگر معروف کیلئے راستہ کھلا ہو تو منکرات خود ہی کم ہو جائیں گے۔ ''يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ''

۶۔ جو لوگ معاشرے کی ترقی اور اصلاح کے لیے دلسوزی سے کام لیتے ہیں وہی لوگ حقیقی معنوں میں کامیاب ہیں۔ سست، بیکار اور گوشہ نشین لوگوں کا اس کامیابی میں کوئی حصہ نہیں۔ ''اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴿۱۰۴﴾''

۷۔ فلاح اور کامیابی صرف اپنی ذات کی نجات میں منحصر نہیں ہے بلکہ دوسروں کو نجات دلانا بھی فلاح و کامرانی کی شرائط میں شامل ہے۔ ''يَاۡمُرُوۡنَ، يَنۡهَوۡنَ، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴿۱۰۴﴾''

آیت نمبر ۱۰۵

وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَاخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۰۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان لوگوں کی مانند نہ بنو جو روشن دلائل آ جانے کے بعد بھی اختلاف کا شکار ہو کر متفرق ہو گئے اور انہی لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔

پیغام:

۱۔ گذشتہ لوگوں کے اختلاف کے تلخ نتائج سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیے۔ ''وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ۔۔۔''

۲۔ اختلافات کا سبب ہمیشہ جہالت ہی نہیں ہوا کرتا بلکہ نفسانی خواہشات بھی اختلاف کا باعث ہوا کرتی ہیں۔''

وَاخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ؕ ''

۳۔ اختلافات اور تفرقہ بازی نہ صرف دنیا میں تمہاری قدرت وطاقت کے ختم کرنے اور تمہاری شکست کا موجب ہوتی ہے بلکہ قیامت کے دن بھی تمہیں جہنم کے عذاب میں مبتلا کردے گی۔''لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝۱۰۵''

آیت نمبر ۱۰۶۔۱۰۷

يَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ ۟ اَكَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ۝۱۰۶

وَاَمَّا الَّذِيۡنَ ابۡيَضَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فَفِىۡ رَحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝۱۰۷

ترجمۃ الآیات

(قیامت) وہ دن ہے جس دن کچھ چہرے سفید اور نورانی اور کچھ چہرے سیاہ ہوجائیں گے تو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے، (ان سے پوچھا جائے گا) کیا تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کرلیا تھا؟ پس تم اپنے کفر کی وجہ سے (خدا کا) عذاب چکھو۔

لیکن جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں غرق ہوں گے اور وہ اس (رحمت) میں ہمیشہ رہیں گے۔

نکات:

☆ قیامت کے دن نورانی چہرہ اور سیاہ چہرہ، شاید انسان کی اس روحانی کیفیت اور حالت کا حقیقی روپ اختیار کرلے گی جو اس کی دنیا میں تھی۔ یعنی جو لوگ دنیا میں خدا کی ولایت کو قبول کرلیتے ہیں تو خداوند عالم بھی انہیں ظلمات (تاریکیوں) سے نکال کر نور (روشنی) میں لے آتا ہے اور وہ قیامت کے دن نورانی چہرے کے ساتھ حاضر ہوں گے۔ لیکن جو لوگ طاغوت کی ولایت کو

قبول کر لیتے ہیں تو طاغوت انہیں نور سے نکال کر خواہشات نفسانی، فرقہ پرستی، شرک اور جہالت کی تاریکیوں میں جھونک دیتے ہے اور وہ قیامت کے دن سیاہی اور تاریکی میں محشور ہوں گے۔

☆ قرآن مجید میں سولہ مرتبہ ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرنے، دو مرتبہ اسلام کے بعد کفر کو اپنانے، تین مرتبہ خدا پرستی کے بعد بچھڑے کی پرستش اور ستائیس مرتبہ علم اور واضح دلائل کے آجانے کے بعد انکار کر دینے کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ یہ سب صورتیں ہم سب کے لیے ارتداد کے خطرے کی علامت اور ہمارے لیے سنجیدہ تنبیہ اور خبردار کرنے کا موجب ہیں۔

آیت نمبر ۱۰۸۔۱۰۹

تِلۡکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتۡلُوۡہَا عَلَیۡکَ بِالۡحَقِّ ؕ وَ مَا اللّٰہُ یُرِیۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۸﴾

وَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ اِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۱۰۹﴾

ترجمۃ الآیات

یہ خدا کی آیات ہیں جنہیں ہم تمہارے سامنے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سارے جہان کے لوگوں (میں سے کسی) پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (سب) خدا ہی کے لیے مخصوص ہے اور تمام امور کی بازگشت صرف اسی کی طرف ہے۔

نکات:

☆ کسی مبالغے اور کمی بیشی کے بغیر آیات الٰہی کا پیغمبر اکرمؐ پر نازل ہونا، حق وحقیقت کی بنیاد پر ہے۔ اسی طرح تمام امتوں کے اعمال اور ان کے نتائج، افعال و کردار اور ان کی سزا و جزا ایک مستحکم اصول اور محکم طریقہ کار کے تحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نہ تو اپنے بندوں پر ان کی طاقت سے زیادہ فرائض عائد کرتا ہے اور نہ ہی امتوں کے بارے میں قوانین اور طریقہ کار کو تبدیل کرتا ہے۔ نہ ہی وہ افراد کی صلاحیتوں اور قدرت کو ایک جیسا دیکھتا ہے، جو کہ ظلم کا باعث بنتا ہے۔

☆ ظلم وہ کرتا ہے جس کے پاس کسی چیز کی کمی ہو یا صحیح راستے سے اپنے حق کو حاصل نہ کر سکتا ہو، یا ظلم وستم کی برائیوں

سے غافل ہو، جبکہ اللہ تعالیٰ ان سب عیوب سے پاک ہے۔ وہ خدا کہ کائنات کی تمام چیزیں اس کے قبضہ قدرت میں ہیں اور تمام چیزوں کی بازگشت اسی کی طرف ہے پھر اسے ظلم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

پیغام:

۱۔ پیغمبر اکرمؐ پر وحی کا نزول حق ہے، آپؐ کے ذہن یا خیال کی پیداوار نہیں ہے۔ ''اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ؕ''

۲۔ چہرے کا نورانی یا ساہ ہونا انسانوں کے لیے اپنے عقائد، افکار اور اعمال کا ردعمل ہوت ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ظلم نہیں ہے۔ ''وَمَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۸﴾''

آیت نمبر ۱۱۰

كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

ترجمۃ الآیات

تم بہترین گروہ ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لیے پیدا (اور منتخب) کیے گئے ہو۔ (انہیں) نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو، اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب بھی (اس روشن اور واضح دین پر) ایمان لے آئیں تو یہ بات یقیناً ان کے فائدہ میں ہے، ان میں سے کچھ تو ایمان والے ہیں اور بہت سے بدکار اور فاسق ہیں۔

نکات:

☆ اسی سورت کی آیت ۱۰۴ میں امر بالمعروف اور نہیں عن المنکر کا فریضہ ایک خاص قسم کے لوگوں کے ذریعے انجام پانے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ ایک عمومی فریضہ ہے جس کی ادائیگی ہر ایک کے ذمہ ہے۔

پیغام:

۱۔ بہترین امت ثابت ہونا صرف نعروں سے نہیں بلکہ ایمان، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی کے ساتھ ہے۔ ''کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ۔۔۔''

۲۔ خاموش اور بزدل امت، نیکی اور بھلائی حاصل نہیں کرسکتی۔ ''خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡہَوۡنَ''

۳۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس قدر اہم ہے کہ امتوں کے معیار کا فرق اس سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ ''کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ''

۴۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس صورت میں محقق ہوسکتا ہے کہ جب مسلمان ایک امت کی شکل میں ہوں، یعنی جب ان کے پاس حاکمیت موجود ہو۔ ''کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ''

۵۔ مسلمان، تمام انسانی معاشروں کی اصلاح کے ذمہ دار ہیں۔ ''اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ''

۶۔ نیکی کا حکم دینا، برائی اور فساد کے ساتھ مقابلہ کیے بغیر، پورا نتیجہ نہیں دیتا۔ ''تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ''

۷۔ امت کے ہر فرد کو چاہیے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے۔ (ایک نو سالہ بچی بھی یہ حق رکھتی ہے کہ اپنے ملک کے صدر کو بھی امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرسکے۔) ''تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡہَوۡنَ''

۸۔ امر بالمعروف کرنے میں کسی کی عمر، علاقہ، نسل، علم اور اقتصادی یا اجتماعی و معاشرتی حیثیت کا کوئی کردار نہیں ہے، یعنی ان میں سے کوئی بھی ضروری شرط نہیں ہے۔ ''خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡہَوۡنَ''

۹۔ مسلمان کو چاہیے کہ موثر قدرت کے ساتھ امر و نہی کرے، خواہش و التماس والی حالت میں نہیں۔ ''تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡہَوۡنَ''

۱۰۔ امر بالمعروف، نہی عن المنکر سے پہلے ہے۔ ''تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡہَوۡنَ''

۱۱۔ وہ امر و نہی اثر کرے گی جس کا تعلق انسان کے ایمان سے ہوگا۔ ''تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ''

۱۲۔ خدا تعالیٰ، اہل کتاب کو اسلام کی طرف دعوت فرما رہا ہے۔ ''وَلَوۡ اٰمَنَ اَہۡلُ الۡکِتٰبِ''

۱۳۔ اسلام، تمام ادیان کیلئے ناسخ ہے۔ ''وَلَوۡ اٰمَنَ اَہۡلُ الۡکِتٰبِ''

۱۴۔ انسان راستے کے انتخاب میں آزاد ہے۔ ''مِنۡہُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَاَکۡثَرُہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾''

آیت نمبر ۱۱۱

لَنْ یَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ یُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ۝۱۱۱

ترجمۃ الآیات

وہ (اہل کتاب) تمہیں تھوڑی سی تکلیف پہنچانے کے علاوہ اور کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے لگیں تو تمہیں پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں، پھر ان کی کوئی مدد بھی نہیں کی جائے گی۔

نکات:

☆ یہ آیت گذشتہ آیات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کیلئے خوشخبری اور تسلی ہے کہ آپ ایمان، اتحاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعے محفوظ ہو جاؤ گے۔ دشمن کی دھمکیوں سے بالکل نہ گھبراؤ، کامیابی تمہارے ساتھ اور دشمن ذلیل و خوار ہے۔

پیغام:

۱۔ نفسیاتی حوالے مضبوط کرنا چاہیے۔ ''لَنْ یَّضُرُّوْكُمْ''

۲۔ ایمان کے زیر سایہ مسلمان محفوظ ہیں۔ ''لَنْ یَّضُرُّوْكُمْ''

۳۔ تمہارے دشمن تمہیں اذیت پہنچانے کی کوشش تو کریں گے لیکن وہ اپنے اس مقصد کو جزوی طور پر ہی حاصل کر پائیں گے۔ ''اِلَّاۤ اَذًى ؕ''

۴۔ جو ایمان نہیں رکھتا اس میں ثابت قدم رہنے کی جرأت بھی نہیں ہوتی۔ ''یُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫''

۵۔ قرآن پاک، مسلمانوں کے مقابلہ میں اہل کتاب کے فرار اور کمزوری کو بیان کرتا۔ ''اِنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ یُوَلُّوْكُمْ''

۶۔ ایسے لوگ کامیاب ہوتے ہیں اور دشمن کو بھگا دیتے ہیں جو ایمان اور امر بالمعروف میں ثابت قدم ہوتے ہیں۔ ''كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ۔۔۔وَاِنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ یُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫''

۷۔ فسق و برائی کرنا، میدان جنگ میں کمزوری اور شکست کا باعث ہے۔ ''وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝۱۱۰۔۔۔وَاِنْ

يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ “

۸۔ دشمن کی طاقت وقوت کی تحقیر کریں۔ ”وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ “

آیت نمبر ۱۱۲

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

ترجمۃ الآیات

(تمہارے دشمن اس قدر ڈرپوک اور ذلیل ہیں) کہ وہ جہاں پر بھی ہوں ان پر ذلت کی مہر لگی ہوئی ہے۔ مگر یہ کہ خدا کی رسی کو پکڑ لیں (گمراہی اور فسق سے دستبرداری کر کے ایمان لے آئیں) اور لوگوں کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑ لیں۔ وہ پھر سے ہیر پھیر کر کے خدا کے غضب میں پڑ گئے اور (اسی طرح) ان پر بدبختی اور محتاجی کی مہر لگ گئی، یہ صرف اس لیے ہے کہ وہ خدا کی آیات کا انکار کرتے تھے اور انبیا کو ناحق قتل کرتے تھے نیز یہ (سزا) اس لیے ہے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کر گئے۔

نکات:

☆ جیسا کہ روایات میں آیا ہے کہ یہ آیت قوم یہود کے بارے میں ہے جو کہ حکم خدا اور انبیا کی نافرمانی کی وجہ سے الٰہی غضب کا شکار ہوئے ہیں، ذلت وخواری کی مہر ان پر لگا دی گئی ہے۔ ان کے سنگین گناہوں میں سے ایک انبیا کو قتل کرنا تھا۔

☆ روایات کے مطابق قتل کرنا صرف تلوار سے ہی نہیں ہوتا بلکہ انبیا کے اسرار ورموز کی اطلاع غیروں کو دینا، جس کے ذریعے ستمگر قوتیں ان پر تسلط قائم کر لیں اور انہیں قتل کر ڈالیں، یہ بھی قتل کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔ (کافی، ج ۲، ص ۳۷۱)

پیغام:

۱۔کفر اور انبیا علیہم السلام کے قتل کا نتیجہ اس دنیا میں ذلت، محتاجی اور بدبختی میں گرفتاری اور آخرت میں خدا کے قہر و غضب میں جکڑا جانا ہے۔''ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ''

۲۔یہودی ہمیشہ ذلیل ہیں اگرچہ عالمی ذرائع ابلاغ، اقتصاد اور سیاست کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں رہے۔لیکن وہ شرافت، عزت، عظمت، محبوبیت اور امن وسکون سے عاری ہی رہتے ہیں۔(جیسے ایک بدمعاش شخص لوگوں کو ڈرا دھمکا کر بڑی سے بڑی دولت تو حاصل کر لیتا ہے لیکن عزت، عظمت، شرافت اور لوگوں کے دلوں میں محبت جیسی نعمتوں سے محروم ہوتا ہے۔) ''ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ''

۳۔مخالفین کی ذلت آمیز حالت کو بیان کرنے سے مومنین کی تقویت کریں۔''ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ''

۴۔عزت کے معیار میں دو چیزیں ہیں: قدرت الٰہی پر ایمان، اقوام وملتوں کے ساتھ دوطرفہ اچھے تعلقات۔''اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ''

۵۔یہود کیلئے راہ نجات، اسلام پر ایمان لانا؛''حبل من اللہ'' ہے یا مسلمانوں کے ساتھ صلح وامن کی قرارداد ہے۔ ''حَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ''

۶۔عقیدے کا عمل پر گہرا اثر ہوتا ہے۔''ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ''

۷۔یہودی قوم کی ہدایت کیلئے متعدد انبیا آئے ہیں۔''يَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِيَآءَ''

۸۔گناہ اور حد سے تجاوز، کفر اور پیغمبر کُشی جیسے عظیم گناہوں کا پیش خیمہ بن جاتے ہیں۔''ذٰلِكَ بِمَا عَصَوۡا۔۔۔''

۹۔حد سے تجاوز اور کفر سے بدتر گناہ، اپنے اس کفر اور حد سے تجاوز پر اصرار کرنا ہے۔''كَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ﴿۱۱۲﴾''

آیت نمبر ۱۱۳

لَيۡسُوۡا سَوَآءً ؕ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيۡلِ وَهُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ﴿۱۱۳﴾

ترجمۃ الآیات

سب اہل کتاب ایک جیسے نہیں ہیں، ان میں سے کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو خدا کی اطاعت میں

کھڑے ہو کر ہنگام شب آیات الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے کیا کرتے ہیں۔

نکات:

☆ اس نمبر والی آیت میں اور اس سے بعد والی نمبر والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی اچھی صفات کو بیان کیا ہے، جو یہ ہیں کہ اللہ کی اطاعت میں قیام کرنا، آسمانی کتاب کی تلاوت کرنا، سجدہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا، نیکی و بھلائی کے کاموں میں جلدی کرنا۔

روایت میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ'' سے مراد قرآن سے تمسک ہے اور ''حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ'' سے مراد میرے وصی علی بن ابی طالب سے تمسک ہے۔ (تفسیر برہان)

☆ جس طرح نماز قائم کرنے کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرنے کی مسلمانوں کیلئے تعریف کی گئی ہے اور خدا تعالیٰ نے اس بات کی تعریف کی ہے۔ ''اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝۲۹'' (فاطر۔۲۹)۔ اسی طرح آسمانی کتاب کی تلاوت کو عبادت اور سجدے کے ساتھ کرنے پر، خدا تعالیٰ نے اہل کتاب کی تعریف کی ہے۔ ''يَّتْلُوْنَ ۔۔۔ يَسْجُدُوْنَ ۝۱۱۳''

☆ اس نمبر والی آیات میں اللہ تعالیٰ نے علم، عمل، ہمیشگی، شوق و محبت اور سمت کے اختیار کرنے کی قدر و قیمت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ''يَّتْلُوْنَ'' کے ساتھ علم کی طرف، ''يَسْجُدُوْنَ ۝۱۱۳'' کے ساتھ عمل کی طرف، ''اٰنَآءَ الَّيْلِ'' کے ساتھ ہمیشگی کی طرف، ''قَآئِمَةٌ'' کے ساتھ شوق و محبت کی طرف اور ''اٰيٰتِ اللّٰهِ'' کے ساتھ سمت کے اختیار کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

پیغام:

۱۔ کمال کی صفت جس گروہ اور ٹولے میں پائی جائے ہمیں قبول کر لینی چاہیے اور اس کا اقرار کر لینا چاہیے۔ جہاں ہم دوسروں پر شدید تنقید کرتے ہیں، وہاں ان کی خوبیوں سے بھی غافل نہیں ہونا چاہیے ''مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ''

۲۔ دوسروں کو اپنے مذہب اور مکتب کی طرف دعوت دینے اور اپنی طرف مائل کرنے کی ایک راہ یہ بھی ہے کہ ان کے بزرگوں کے کمالات کا اقرار و اعتراف کیا جائے۔ ''مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ''

۳۔ عبادت کے لیے ہمت و کوشش اور محبت و آمادگی کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ ''اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ''

۴۔ آیات الٰہی کی تلاوت اور رات کو اس کی بارگاہ میں سجدہ ریزی، خالق کائنات کی ستائش کا ذریعہ ہے۔ ''يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ''

۵۔ آیات کی تلاوت، اس کی بارگاہ میں سجدہ ریزی، اصل میں امر الٰہی کیلئے قیام کرنا ہے۔ ''قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ''

۶۔ رات، خصوصاً سحر کا وقت مناجات کے لیے بہترین وقت ہے۔ ''اٰنَآءَ الَّيْلِ''

۷۔عبادت کی اعلیٰ ترین حالت سجدہ ہے۔''وَهُمْ يَسْجُدُونَ﴿۱۱۳﴾''

آیت نمبر ۱۱۴۔ ۱۱۵

يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ﴿۱۱۵﴾

ترجمۃ الآیات

(بعض اہل کتاب آیات الٰہی کی تلاوت اور سجدہ کے علاوہ) اللہ اور قیامت کے دن پر بھی ایمان لے آتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں اور نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں، یہی لوگ شائستہ اور صالح افراد میں سے ہیں۔

اور وہ جو بھی نیکی کا کام کرتے ہیں ہرگز ان کی ناقدری نہیں کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ (کے حال) سے بخوبی واقف ہے۔

نکات:

☆ جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۳ میں ایمان کے ساتھ نماز کا ذکر کیا گیا ہے''الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ''اس آیت میں ایمان کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر آیا ہے۔''يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ''

☆ قرآن کا شیوہ یہ ہے کہ امر بالعروف کو نہی عن المنکر سے پہلے ذکر کیا ہے، اگر معروف (خوبیوں) کیلئے دروازہ کھلا ہو تو منکرات کیلئے راستے بند ہو جائیں گے۔آسانی سے شادی کرنے کا رواج، بہت سے برائیوں کو روکتا ہے۔نماز، انسان کو فحشا و منکر سے روکتی ہے۔اچھے اور مناسب پیشے بہت سے اجتماعی مسائل و مشکلات کو حل کرتا ہے۔افراد کو شخصیت دینا، انہیں انحراف اور محتاجی سے بچالیتا ہے۔

☆ خدا تعالیٰ اس آیت میں اور پہلے والی آیت میں مقام صالحین تک پہنچنے کی شرائط اور خصوصیات بیان کر رہا ہے،''

اولئک من الصالحین'' یہ ایسے افراد ہیں جن تک پہنچنے کیلئے ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے۔''اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ'' (یوسف۔ ۱۰۱؛ شعراء۔ ۸۳) ہر مسلمان ہر روز، کم از کم پانچ مرتبہ ان کو سلام کرتا ہے۔''السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین''

☆ علم الٰہی میں کوئی بھی چیز ہرگز ضائع نہیں ہوتی ''فَلَنْ یُّكْفَرُوْهُ'' اور ہم قرآن مجید میں ایک اور جگہ پڑھتے ہیں، ''اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ'' (مائدہ۔ ۲۷) یعنی اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے قبول فرماتا ہے، گویا قبولیت کی شرط ایمان اور تقویٰ ہے۔ اس جگہ پر فرماتا ہے کہ ہم متقی افراد کو پہچانتے ہیں کہ وہ کون لوگ ہیں اور ہم ان کے عمل کو قبول کرتے ہیں۔

پیغام:

۱۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر دوسرے ادیان میں بھی تھا۔''اَهْلِ الْكِتٰبِ ۔۔۔ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ''

۲۔ سحر کے وقت کیے جانے والے سجدے، دن میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ہمراہ ہونے چاہئیں۔ ''یَسْجُدُوْنَ ۔۔۔ یَاْمُرُوْنَ''

۳۔ کار خیر میں جلدی، اس کام کی اہمیت کو بڑھا دیتی ہے۔''یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ''

۴۔ صالحین کا نیک کاموں میں سبقت لے جانا اور جلدی کرنا، وقتی چیز نہیں بلکہ اس میں ہمیشگی اور دائمی پن پایا جاتا ہے۔ ''یُسَارِعُوْنَ''

۵۔ صالحین وہ لوگ ہیں جو شوق و محبت اور جلدی کے ساتھ نیکی کے تمام کام انجام دیتے ہیں نہ کہ بعض کام ہوتے ہیں۔ ''الْخَیْرٰتِ''

۶۔ ایمان، عبادت، تلاوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، کار خیر میں سرعت کرنا، انسان کو صالحین کے زمرے میں لے جاتا ہے۔''اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ''

آیت نمبر ۱۱۶۔ ۱۱۷

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ

اللّٰهُ وَلٰكِنۡ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ﴿۱۱۷﴾

ترجمۃ الآیات

یقیناً جو لوگ کافر ہو گئے ہیں ان کے مال اور اولاد ہرگز عذاب خدا میں سے کچھ ان کیلئے کم کرنے یا دور کرنے کا باعث نہ ہو گی اور یہی لوگ اہل جہنم ہیں کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

یہ (کافر) لوگ دنیاوی زندگی میں جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہوا ہو کہ اس میں سخت جاڑا یا شدید گرمی ہو اور وہ ایسے لوگوں کے کھیت پر چلے جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور وہ اس کھیت کو تباہ کر دے اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ آپ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

نکات:

☆ ''صِرّ'' سے مراد شدید سردی و گرمی ہے، جو جلا دیتی ہے۔(التحقیق فی کلمات القرآن)

☆ قرآن مجید بار بار اعلان کر چکا ہے کہ نہ مال نہ اولا، نہ قوم نہ قبیلہ، نہ شوہر نہ بیوی نہ عذر خواہی نہ دوست نہ احباب نہ آقا، غرض کوئی بھی چیز خدا کے قہر و غضب کو ہرگز نہیں روک سکتی۔

☆ کفار کی تمام کوششیں اور جو بجٹ وہ باطل کی راہوں میں خرچ کرتے ہیں۔ ایسے کھیت میں بیج لگانا ہے جہاں کوئی جلا دینے والی ہوا کے چلنے سے اس کی فصل نیست و نابود ہو جائے۔ ظہور اسلام سے آج تک، اسلام کے خلاف ہر طرح کی سازش، حملہ آور ہونے کی کوشش اور پراپیگنڈا ناکام ہوا ہے۔ جبکہ الٰہی دین روز بروز ترقی کر رہا ہے اور چار سو آگے بڑھ رہا ہے، بالآخر کامیابی اسلام کی ہے۔

پیغام:

۱۔ انسان کا عقیدہ اس کے عمل میں تاثیر رکھتا ہے۔ کفر باعث بنتا ہے کہ انفاق کی برکات سے محروم ہو جائیں۔ ''اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۔۔۔مَثَلُ مَا يُنۡفِقُوۡنَ''

۲۔ طبیعی حادثات اور مصائب کا سبب، انسان کے گناہ ہیں۔ ''رِيۡحٍ فِيۡهَا صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا''

۳۔ گناہ، نیک کاموں کو نابود کر دیتے ہیں۔ ''ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَاَهۡلَكَتۡهُ ؕ''

۴۔ خدا تعالیٰ کا قہر ظلم نہیں ہے، بلکہ خود انسان کے عمل کا عکس العمل ہے۔ ''وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴿۱۱۷﴾''

آیت نمبر ۱۱۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴿۱۱۸﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایماندارو! اپنوں (مومنین) کے سوا غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ (کیونکہ) یہ لوگ تمہاری تباہی میں کوتاہی نہیں کرتے (کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے) وہ تمہاری تکلیفوں پر خوش ہوتے ہیں، یقیناً کینہ اور دشمنی تو ان کے منہ (گفتار) سے ٹپکی پڑتی ہے اور جو (بغض وحسد) ان کے دلوں میں بھرا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے، یقیناً ہم نے (دشمن کی سازشوں کو عیاں کرنے والی) اپنی آیات تم سے بیان کردی ہیں اگر تم عقل سے کام لو۔

نکات:

☆ ''بِطَانَةً'' کے معنی ہیں اندرونی لباس ہے جو 'بطن' ''یعنی شکم سے چپکا ہوا ہوتا ہے۔ اور یہ کلمہ کنایہ کے طور پر محرم راز کے لیے بولا جاتا ہے۔ ''خَبَالًا'' کے معنی ہیں نیستی و نابودی، فکری اور عقلی نقصان۔ ''عَنَت'' کے معنی رنج اور سختی ہے اور ''يَاْلُوْنَ'' کے معنی آخر کار میں کوتاہی کرنا ہے۔

دشمن ہمارے لیے کیا چاہتا ہے؟

☆ اگر ہم قرآن میں 'وَدُّ'' کے لفظ پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ دشمن ہم سے کیا چاہتا ہے:

۱۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے اسلحہ اور سرمایہ سے غافل رہیں۔ ''وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ ''(نساء۔۱۰۲)

۲۔ وہ ہم سے خاموش، کمزور اور سست و نرم رہنے کی آرزو رکھتا ہے۔ ''وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ﴿۹﴾ ''(قلم۔۹)

۳۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم ہمیشہ دکھ، رنج، دباؤ اور تکلیفوں میں گھرے رہیں۔ ''وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ''

۴۔ وہ ہم سے کفر و شرک کی طرف بازگشت کی آرزو رکھتا ہے۔ ''وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ''(بقرہ۔۱۰۹)

پیغام:

۱۔ بیگانوں کو اپنا محرم راز نہ بنائیں۔ ''لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ '' اسلامی ملکوں میں غیر ملکی کا فرمشیروں کا موجود رہنا ممنوع ہے۔

۲۔ رازداری سے کام لینا ایک حتمی اور یقینی فریضہ ہے۔ ''لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ ''

۳۔ جو مسلمان ''دُوْنِكُمْ '' کا مصداق ہو وہ تمہارا محرم راز نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خود مسلمانوں کے اندر بھی کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو فتنہ برپا کرنے والے، جاسوس اور سادہ لوح ہوتے ہیں اور ایسے افراد کی کمی نہیں ہوتی۔ ''لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ ''

۴۔ مسلمانوں کے دوسرے معاشروں کے ساتھ گہرے روابط اور تعلقات کی بنیاد ایمان ہونی چاہیے۔ ''لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ ''

۵۔ فکر و نظر پر حملہ کرنے سے دشمن کبھی باز نہیں اتا۔ ''لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ''

۶۔ دشمن مختلف عنوان اور حیلوں بہانوں سے ہم پر حملہ آور ہوتا ہے: ۱۔ فساد ''لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا '' ۲۔ دباؤ ''وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ '' ۳۔ نفاق ''مَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ''

۷۔ اپنے دشمن کو پہچانو اور ہوشیار رہو۔ وہ تمہارے خلاف سازش کرنے میں اور فتنہ برپا کرنے میں ذرہ بھی غلطی نہ کریں گے۔ ''لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ''

۸۔ خدائی اوامر اور نواہی کی کوئی دلیل اور اس کا کوئی فلسفہ ہوتا ہے۔ اگر آپ کو دشمن کے ساتھ گہرے روابط و تعلقات سے منع کیا گیا ہے تو یہ اس لیے ہے کہ وہ آپ کے خلاف کوئی بھی سازش کرنے سے نہیں چوکتے۔ ''لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ ''

۹۔ برتن سے وہی کچھ ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔ کیونکہ دشمن سے سوائے بغض اور کینے کے کسی بات کی توقع نہیں

۔ ''قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۖ''

۱۰۔ اپنے دشمن کو ان کے پراپیگنڈے سے پہچانیں۔ ''قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۖ''

۱۱۔ سازش کرنے والے دشمن سے گہرے دوستانہ روابط، بے عقلی کی علامت ہے، بے مروت لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا، بیوقوفی ہے۔ ''وَمَا تُخۡفِىۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ‏ ﴿۱۱۸﴾''

۱۲۔ خدا تعالیٰ ہر ایک کے اندر کی بات کو جانتا ہے، اسی لیے دشمنان اسلام کے منصوبوں کو عیاں کر دیتا ہے۔ ''وَمَا تُخۡفِىۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ؕ''

۱۳۔ تمہارے دشمن منافق ہیں، ان کا ظاہر و باطن ایک نہیں ہے۔ ''مَا تُخۡفِىۡ صُدُوۡرُهُمۡ''

۱۴۔ خدا تعالیٰ، دشمن کی نفسیات کے بارے تمہیں آگاہی دے کر، تمہارے ساتھ اتمام حجت کر رہا ہے۔ ''قَدۡ بَيَّنَّا لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ''

۱۵۔ مومن ہونا اور بات ہے اور عقلمند ہونا دوسری بات ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں مومنین سے فرماتا ہے ''کفار کو اپنا محرم راز نہ بناؤ اگر تم عقل رکھتے ہو۔'' ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۔۔۔ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ‏ ﴿۱۱۸﴾''

آیت نمبر ۱۱۹

هٰۤاَنۡتُمۡ اُولَاۤءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ‏ ﴿۱۱۹﴾

ترجمۃ الآیات

ہاں (اے مسلمانو!) تو یہ تم ہی ہو جو انہیں دوست رکھتے ہو لیکن وہ تمہیں دوست نہیں رکھتے حالانکہ تم تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو (لیکن وہ تمہاری آسمانی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے) اور وہ جونہی تم سے ملاقات کرتے ہیں تو (منافقانہ طور سے) کہتے ہیں کہ ہم ایمان

لا چکے ہیں لیکن جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصہ کے مارے انگلیاں کاٹتے ہیں ۔تو (اے رسولؐ! ان سے) کہہ دو کہ تم اپنے غصے میں جل مرو، کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ خدا ان باتوں کو بھی جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہیں ۔

پیغام:

۱۔ دشمن کی نفسیات اور اندرونی کیفیت کو جاننا اور اپنے مقاصد و سچے جذبات کو پہچاننا، بہت گہری اور مشکل بات ہے۔ اسی لیے آیت کے شروع میں ''ھا'' کا کلمہ آیا ہے، جو آگاہ اور خبردار کر رہا ہے۔

۲۔ دوستانہ تعلقات دوطرفہ ہونے چاہئیں، ورنہ ذلت وخواری، بے بسی اور احساس حقارت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ''تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ ''

۳۔ مسلمان گذشتہ تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتا ہے، خواہ دوسرے افراد قرآن پاک پر ایمان نہ رکھتے ہوں۔'' تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ''

۴۔ ہر طرح کے اظہار ایمان پر اعتماد نہ کرو۔ ''قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا ---''

۵۔ یہ بات دل سے نکال دو کہ کینہ پرور دشمن کے ساتھ تمہاری محبت اسے تمہارے ساتھ گہری محبت کے لیے آمادہ کر دے گی۔ ''تُحِبُّوْنَهُمْ ... وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ''

۶۔ ظاہر، باطن کا آئینہ دار ہوتا ہے، پہلے والی آیت میں ہے کہ ''قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ''اور اس آیت میں ہے کہ ''عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ''

۷۔ دشمن تمہارے بارے میں غضب وغصہ نہیں رکھتا بلکہ غیظ رکھتا ہے اور یہ لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جہاں انسان کا دل غیظ وغضب سے پوری طرح بھرا ہوا ہو۔ ''مِنَ الْغَيْظِ ''

۸۔ خدائی غیبی مدد یہ ہے کہ مسلمانوں کو دشمن کی اندرونی کیفیت بتائی گئی ہے تاکہ وہ غافل نہ ہوں اور خبردار رہیں۔'' وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ---وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ---''

۹۔ اپنے کینہ پرور دشمن کی تحقیر کرو۔ ''مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ''

۱۰۔ موذی منافقین سے مقابلہ، کافروں سے زیادہ سخت ہے۔ ''اِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ''

۱۱۔ کبھی نفرت کا اعلان کرنا اور لعنت کرنا ضروری ہوتا ہے، کیونکہ کینہ پرور کافر اور حیلہ گر منافق کو نیست و نابود ہو جانا چاہیے۔ ''مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ''

۱۲۔ کفار کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی خاطر، ان سے محبت نہ کریں، کیونکہ کبھی اصل وجہ، محبت ہوتی ہے، لالچ، خوف یا خودفروشی ہوتی ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۱۹﴾''

۱۳۔ خدا تعالیٰ دل کے رازوں سے واقف ہے۔ ''عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۱۹﴾''

اگر ہم یہ یقین کرلیں کہ خدا تعالیٰ ہر چیز سے آگاہ ہے تو دھوکہ دہی اور فریب سے کام نہ لیں گے۔ سازشیں کرنے والے منافقین کو بھی جاننا چاہیے کہ خدا تعالیٰ ان کے اعمال وافعال سے آگاہ ہے اور بروقت جواب دے گا۔

آیت نمبر ۱۲۰

اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۡ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿۱۲۰﴾

ترجمة الآيات

اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں غمگین کردیتی ہے اور اگر تمہیں کوئی برائی پہنچے تو انہیں خوش کردیتی ہے۔ اگر تم صبر کرو اور پرہیزگار بنو تو ان کا بدخواہانہ حیلہ تمہیں کچھ بھی ضرر نہ پہنچائے گا کیونکہ خدا ان کی کارستانیوں پر حاوی ہے۔

نکات:

☆ یہ آیت دوست اور دشمن کی پہچان بیان کررہی ہے اور اس بات کی نشاندہی کررہی ہے کہ دوست و دشمن کی بہترین پہچان کا راستہ کامیابی اور ناکامی کے موقعوں پر ان کی باطنی کیفیات اور ردعمل کی طرف توجہ رکھنا ہے۔ خارجہ سیاست میں دوست اور دشمن کی پہچان اس بات میں ہے کہ دیکھا جائے وہ کس چیز کی مذمت کرتے ہیں، کس کی تائید وتصدیق کرتے ہیں، کس موقعہ پر مبارکباد پیش کرتے ہیں، کس قسم کی تردید یا تصدیق کرتے ہیں اور کس قسم کی امداد کرتے ہیں؟ غرض ان سب چیزوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

☆ گذشتہ آیات میں تاکید کی گئی ہے کہ مسلمان اپنے دشمنوں میں سے کسی سے مدد طلب نہ کریں اور نہ کسی کو اپنا دوست

بنائیں۔ یہ آیت بیان کرتی ہے کہ ایسا کرنا بہت خطرناک ہوسکتا ہے اور وہ آپ کے خلاف سازشیں کرسکتے ہیں۔ لٰہذا تم اہل تقویٰ اور صبر کرنے والوں میں سے ہوجاؤ تا کہ ان کی کاروائیوں سے زیادہ نقصان نہ اٹھاؤ۔

پیغام:

ا۔ دشمنوں کا حسد اس قدر ہے کہ اگر ذرا برابر بھی خیر تم تک پہنچے تو وہ ناراض ہوجاتے ہیں۔ ''اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۡ وَاِنۡ''

۲۔ دشمن کا مسلمانوں کے درمیان نفوذ کرنا، ہمارے خوف یا ہماری لالچ کی وجہ سے ہے، یا ہماری لاپروائی یا تقویٰ اختیار نہ کرنے کی وجہ سے ہے، جس کا حل صبر اور تقویٰ ہی ہے۔ ''اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ''

۳۔ جن حاسدوں کو ہماری ترقی ناگوار گذرتی ہے ان کے مقابل صبر اور تقویٰ کے سوا کوئی چارہ نہیں، اور یہی کامیابی کا راز بھی ہے۔ ''اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ''

۴۔ خدا تعالی نے دشمن کی اندرونی کیفیت عیاں کرنے سے، مسلمانوں کو نفسیاتی طاقت عطا فرمائی ہے اور خبردار بھی فرمایا ہے۔ ''اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۡ ۔۔۔ لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ''

آیت نمبر ۱۲۱

وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۙ﴿۱۲۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تم (جنگ احد کیلئے) صبح سویرے اپنے بال بچوں میں سے نکل کھڑے ہوئے تا کہ مومنوں کو لڑائی کے مراکز پر بٹھاؤ (ان کی لشکرگاہ کا تعین کرو) اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔

نکات:

جنگ اُحد کی روداد

سن دو ہجری، کفار قریش کو جنگ بدر میں عبرتناک شکست ہوئی جس میں ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں قیدی بنا لیے گئے۔ کفار قریش شکست کھانے کے بعد مکہ لوٹ گئے۔ ابوسفیان نے کفار سے کہا: اپنے مقتولین پر گریہ نہ کرو تاکہ انتقام کی آگ بھڑکتی رہے اور دلوں میں کینے باقی رہیں۔ پس سب لوگ انتقام، انتقام کا نعرہ لگاتے رہو۔ اور جب تک میں اس شکست کا بدلہ نہ لے لوں اپنی بیوی سے ہمبستری نہیں کروں گا۔

اس سے اگلے سال یعنی تین ہجری میں کفار مکہ تین ہزار سوار، دو ہزار پیادے اور مکمل جنگی تیاری کے ساتھ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے مدینہ کی طرف چل پڑے۔

حضرت رسولخداؐ کے چچا عباس جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے اور مکہ میں رہ رہے تھے، انہوں نے پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ محبت اور دوستی کی وجہ سے کفار مکہ کی جنگی تیاری سے آپؐ کو مطلع کیا۔ چنانچہ انہوں نے اس بارے میں ایک خط لکھا اور خفیہ طریقے سے بنی غفار کے ایک شخص کے ذریعے حضورؐ کی خدمت میں مدینہ روانہ کیا۔

جونہی آنحضرتؐ کو اس بات کا پتہ چلا تو آپؐ نے کفار کے مزید حالات جاننے کے لیے ایک گروہ کو مکہ روانہ فرمایا کہ جس نے واپس آ کر ابوسفیان کی سرکردگی میں کفار کی جنگی تیاریوں کی تصدیق کی۔

پیغمبر اکرمؐ نے جمعہ کے دن ایک اجلاس بلایا، اس میں یہ معاملہ پیش کر کے مشورہ طلب کیا۔ اجلاس میں دو نظریے سامنے آئے:

۱۔ ہمیں مدینہ شہر ہی میں رہنا چاہیے اور اس کے گلی کوچوں میں مورچے بنا کر دشمن سے لڑنا چاہیے، اس طرح سے شہر کا ہر ایک فرد ہماری امداد کرے گا۔

۲۔ شہر سے باہر جا کر دشمن سے لڑنا چاہیے۔

دوسرا نظریہ جوش و خروش اور بہادرانہ جرات کے ساتھ پیش کیا گیا اور نوجوانوں نے اس کی حامی بھری اور بہت سے لوگوں نے بھی اس کی تائید کی۔ چنانچہ فیصلہ یہی ہوا کہ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ اگرچہ حضرت رسولخداؐ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے، لیکن نوجوانوں کے جذبات کے پیش نظر آپؐ نے اسی رائے کو منظور فرمایا۔

چنانچہ رسول اکرمؐ لشکر کے پڑاؤ کے لیے جگہ مقرر کرنے کی غرض سے ایک آدمی کے ہمراہ شہر سے باہر تشریف لے گئے اور کوہ احد کے دامن میں ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جو فوجی مناسبت کی حامل تھی۔

آپؐ نے جمعہ کے خطبہ میں لوگوں کو تمام واقعات سے آگاہ فرمایا اور نماز کے بعد مہاجرین و انصار پر مشتمل ایک ہزار

کے لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں تشریف لے گئے۔ اس جنگ کی کمان آپؐ نے اپنے ہاتھوں میں لی اور کچھ جھنڈے بلند کیے، جن میں سے کچھ مہاجرین کو اور کچھ انصار کو عطا فرمائے۔

مدینہ منورہ سے احد کے میدان تک پیدل سفر کیا، اپنے اصحاب کے ساتھ راہ چلتے ہوئے لشکر کی پریڈ دیکھی اور صفوں کو منظم فرمایا۔ اسی دوران میں لشکر کی صفوں میں کچھ نئے چہرے دیکھے تو ان سے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: ہم یہودی ہیں اور آپؐ کی امداد کے لیے آئے ہیں۔ آپؐ نے تھوڑی دیر تامل فرمانے کے بعد فرمایا: ہم مشرکین سے لڑنے کے لیے مشرکوں سے مدد نہیں چاہتے۔ اسی بنا پر ایک ہزار کے لشکر میں سے تین سو افراد کم ہو گئے۔

بعض مورخین کے بقول ان تین سو افراد میں سارے یہودی نہیں تھے بلکہ ان میں عبداللہ ابن اُبی جیسے مسلمان بھی تھے وہ مسلمانوں کی رائے سے متفق نہیں تھے کیونکہ وہ شہر ہی میں رہ کر لڑنے کے حق میں تھے، اسی لیے وہ لشکر اسلام کو چھوڑ گئے۔ (اس بات کی وضاحت کیلئے جناب آیت اللہ سبحانی کی کتاب فروغ ابدیت کی جلد دوم کے صفحہ ۳۸ پر رجوع کریں، اسی طرح جناب آیتی کی کتاب تاریخ پیغمبر اسلامؐ کے صفحہ ۲۸۵ پر رجوع کریں۔)

پیغمبر اکرمؐ نے سات سو افراد کے ہمراہ نماز صبح مقام احد میں ادا کی لشکر کی صفوں کو آراستہ کیا اور عبداللہ بن جبیر کو پچاس ماہر تیر اندازوں کے ساتھ پہاڑ کے حساس دہانے پر حفاظت کے لیے مقرر فرمایا اور یہ بات زور دے کر فرمائی کہ اس جگہ کو کسی بھی صورت میں نہ چھوڑنا۔

سپاہ کفار کا سردار ابوسفیان تھا، اس نے خالد بن ولید کو دو سو طاقتور سپاہیوں کے ساتھ اس بات پر مامور کیا کہ جب بھی پہاڑ کے دہانہ کے محافظ غفلت کریں تو تم فوراً ہی پیچھے سے لشکر اسلام پر دھاوا بول دینا۔

آخر کار اسلام اور کفر کے دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرا ہو گئے۔ ابوسفیان بتوں اور خوبصورت عورتوں کے نام پر اور حضرت رسول اکرمؐ خداوند متعال کے مقدس نام پر اپنے اپنے لشکر کو تشویق و ترغیب دلا رہے تھے۔ احد کے محاذ پر مسلمانوں کی طرف سے اللہ اکبر کے نعرے بلند ہو رہے تھے اور سپاہ کفر کی طرف سے بینڈ باجوں کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔

جونہی جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں نے ایک ہی برق آسا حملے کے ساتھ لشکر کفر کو درہم برہم کر دیا، سپاہ کفر کو شکست ہوگئی، وہ لوگ بھاگنے پر مجبور ہو گئے اور مسلمانوں نے ان کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ بعض مسلمان اس خیال سے کہ کفار کو شکست فاش ہوگئی ہے، مال غنیمت کی جمع آوری میں سرگرم ہو گئے۔ حتیٰ کہ پہاڑ کی چوٹی کے محافظ بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئے، انہوں نے پیغمبر اکرمؐ کی سخت ترین تاکید کو فراموش کر دیا اور اپنی زیر نظر جگہ کو چھوڑ دیا۔

اسی اثنا میں خالد بن ولید نے اپنے دو سو سپاہیوں کے ساتھ جو اسی تاک میں بیٹھے ہوئے تھے، لشکر اسلام پر پیچھے سے حملہ کر دیا اور مسلمانوں نے اپنے آپ کو ناگہانی طور پر کفار کے محاصرہ میں گھرا ہوا پایا۔ حضرت رسولخداؐ کے چچا جناب حمزہؑ نے جام شہادت نوش کیا اور سوائے چند افراد کے جو پیغمبر اسلامؐ کے گرد پروانہ وار موجود تھے، سبھی مسلمان بھاگ گئے۔

اس جنگ میں حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا کردار سب سے نمایاں تھا، وہ یوں کہ ان کی تلوار لشکر کفر پر حملے کرتے کرتے

ٹوٹ گئی تو سرکار رسالت مآبؐ نے اپنی ''ذوالفقار'' نامی تلوار انہیں عطا فرمائی اور خود ایک گوشے میں مورچہ بند ہو گئے، جبکہ علی ابن ابی طالبؑ پروانہ واران کی حفاظت کر رہے تھے۔ اس دوران میں حضرت علیؑ کے جسم مبارک پر ساٹھ زخم آئے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: حضرت رسولخداؐ نے جبرائیلؑ کو زمین و آسمان کے درمیان ملاحظہ فرمایا جو کہہ رہے تھے: ''لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار''

کفار مکہ میں سے ایک شخص ''ابن قمئة'' نے اسلام کے فداکار سپاہی ''مصعب'' کو اس گمان پر شہید کر دیا کہ وہ حضرت محمدؐ ہیں، تب وہ بلند آواز سے کہنے لگا: لات وعزیٰ کی قسم! محمدؐ مارا گیا۔ یہ سن کر کہ آنحضرتؐ شہید ہو گئے ہیں، کفار مطمئن ہو گئے اور میدان جنگ کو چھوڑ کر مکہ کی جانب چل دیئے۔ لیکن ابن قمئة کا یہ نعرہ عملی طور پر مسلمانوں کے حق میں رہا لیکن بہت سے بزدل مسلمان جنہوں نے آنحضرتؐ کی شہادت کی افواہ سنی تو مارے وحشت کے فرار ہو گئے۔ لیکن جب انہیں معلوم ہو گیا کہ آنحضرتؐ زندہ ہیں تو واپس آ گئے، حضورؐ نے انہیں فرار ہونے پر سختی سے ڈانٹا تو انہوں نے آپؐ سے عذر خواہی کی۔

اس جنگ میں ستر مسلمانوں نے شہادت کا رتبہ حاصل کیا اور بہت سے لوگ مجروح بھی ہوئے۔ (تفسیر نمونہ)

پیغام:

۱۔ اپنے گذرے ہوئے شکست یا کامیابی کے اہم وحساس ایام کو نہ بھولیں، بلکہ تجربہ کے طور پر یاد رکھیں۔ ''وَاِذۡ غَدَوۡتَ ۔۔۔''

۲۔ جنگ و جہاد میں شرکت کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہر طرح کے تعلقات سے دل اٹھالیں۔ ''وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ ۔۔۔''

۳۔ فنی منصوبہ بندی، جغرافیائی، عسکری طبیعی حالات کا جائزہ، دشمن کی طرف سے ہونے والے حملے سے پہلے، لینا چاہیے۔ ''وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ تُبَوِّئُ''

۴۔ جنگ کی سربراہی، اہم مورچوں کا انتخاب اور دفاعی علاقائی حکمت عملی، خود پیغمبر یا مسلمانوں کے راہبر کے ذمے ہے۔ ''تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ ؕ''

آیت نمبر ۱۲۲

اِذۡ هَمَّتۡ طَّآٮِٕفَتٰنِ مِنۡكُمۡ اَنۡ تَفۡشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾

ترجمۃ الآیات

جب تم میں سے دو گروہ اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ (جنگ میں) سستی کریں جبکہ اللہ تعالیٰ ان کا ولی تھا (اس نے ان کی مدد کی تاکہ وہ اس سوچ سے باز آجائیں) پس مومنین کو چاہیے کہ وہ خدا پر بھروسہ کریں۔

نکات:

☆ مسلمانوں میں سے دو گروہ اوس کے قبیلے سے بنوسلمہ اور خزرج کے قبیلے سے بنوحارثہ نے اس بات کا مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ جنگ احد میں شرکت نہیں کریں گے۔ ان دونوں گروہوں کی سستی کے کئی اسباب وعوامل بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ دشمن سے ڈر جانا جو کہ تعداد میں مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھے۔

۲۔ انہیں اس بات کا دکھ تھا کہ ہمارے اس مشورے کو قبول نہیں کیا گیا کہ شہر میں مورچہ بندی کر کے دشمن کا مقابلہ کیا جائے اور شہر کی بجائے پہاڑ کے دامن میں مورچہ قائم کر لیا گیا ہے۔

۳۔ پیغمبرؐ نے ان کے ہم پیمان یہودیوں کو مسلمانوں کی مدد کرنے سے کیوں روک دیا۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم سے ان دونوں گروہوں کو دام گناہ سے بچا لیا، میدان جنگ چھوڑ آنے سے باز رکھا اور انہیں اپنی ولایت کے سائے میں محفوظ کر لیا۔ سوائے چند ایک افراد کے سب اپنے ارادے سے پلٹے اور میدان اُحد میں سپاہیان اسلام کے ساتھ آملے۔ (تفاسیر مجمع البیان ونمونہ)

پیغام:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ارادوں کو جانتا ہے اور اپنے پیغمبر کو لوگوں کے افکار وارادوں سے مطلع فرماتا ہے۔ ''اِذۡ هَمَّتۡ''

۲۔ جو لوگ محاذ جنگ پر جاتے ہیں وہ سب ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ''طَّآئِفَتٰنِ مِنۡكُمۡ اَنۡ تَفۡشَلَا ۙ''

۳۔ سست افراد کا محاذ جنگ پر ہونا، خطرناک ہے اور شکست کا باعث ہے۔ ''تَفۡشَلَا''

۴۔ اگر انسان خدا کی ولایت میں نہ ہو تو سست ہو جاتا ہے۔ ''اَنۡ تَفۡشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ''

۵۔ خداوند مومنین کو ان کے حال پر چھوڑ نہیں دیتا اور اہم وحساس مواقع پر ان کا ہاتھ پکڑتا ہے۔ ''وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ''

۶۔ گناہ کی سوچ اگر عمل تک نہ پہنچے تو انسان، خدا تعالیٰ کی ولایت سے باہر نہیں ہوتا۔ ''هَمَّتۡ ۔۔۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ''

۷۔ سستی کا ایک ہی علاج ہے اور وہ توکل بر خدا ہے، یہ دوا اور علاج صرف مومنین کے پاس ہے۔ ''وَعَلَى اللّٰهِ

فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴿۱۲۲﴾ ‘‘

۸۔ خداوند پر ایمان و توکل ہی کامیابی کا باعث ہے۔ ’’هَمَّتْ۔۔۔اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴿۱۲۲﴾ ‘‘

آیت نمبر ۱۲۳

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۱۲۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں اس وقت تمہاری مدد کی جب تم کمزور و ناتواں تھے پس تم خدا سے ڈرتے رہو شاید کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

نکات:

☆ ’’اَذِلَّةٌ‘‘ کے معنی کے سلسلے میں ایک احتمال یہ ہے کہ شاید اس سے مراد جنگ بدر میں موجود مومنین کی کم تعداد ہے یا اس سے مراد جنگ ساز و سامان کا کم ہونا ہے۔ جنگ بدر میں کمیوں کا ذکر، اصل میں اس قدرت کی طرف اشارہ ہے جو جنگ احد کے مقابلہ میں انہیں یہاں حاصل تھیں۔

☆ تین آیات پہلے ہم نے پڑھا ہے کہ صبر و تقویٰ، انسان کو تلخ و ناگوار حادثات سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس آیت میں اس کے عملی نمونہ کے طور پر بدر کے مجاہدین کو پیش کیا جارہا ہے۔ گذشتہ آیت میں توکل کا ذکر ہوا اور یہاں بدر کے مجاہدین اس کا عملی نمونہ ہیں۔ اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب کرکے فرمایا جارہا ہے: تم لوگوں نے جب جنگ بدر میں ہماری مدد کو دیکھا تھا تو پھر اس جنگ احد میں کیوں فرار کی راہ اختیار کی؟

پیغام:

۱۔ خدا کی غیبی امداد بالخصوص میدان جنگ میں فراموش نہ کرو۔ ’’نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ‘‘

۲۔ الٰہی نصرت، مومنین پر الٰہی ولایت کی علامت ہے۔ ’’وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَا ؕ ۔۔۔ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ‘‘

۳۔ خدا تعالیٰ پر توکل کرو، کیونکہ ہم نے جنگ کے موقعوں پر اس کی مدد کے مناظر دیکھے ہیں۔ ''وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ۔۔۔ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ''

۴۔ ظاہری اور طبیعی عوامل کی بجائے الٰہی امداد، جنگ کے نتیجہ کو واضح کرتی ہے۔ ''نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ''

۵۔ جو کوئی خدا تعالیٰ کی مدد چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ تقویٰ اختیار کرے۔ ''نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ''

۶۔ تقویٰ اختیار کرنا ہی الٰہی امداد کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ ''فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۱۲۳﴾''

آیت نمبر ۱۲۴

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ﴿۱۲۴﴾

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبرؐ! اس وقت کو یاد کرو) جب تم مومنین سے کہہ رہے تھے: کیا یہ بات تمہارے لیے کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار اترے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد کرے؟

پیغام:

۱۔ راہبری کے فرائض میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کی اُمید کو ٹوٹنے نہ دیا جائے اور انہیں غیبی امداد کی طرف متوجہ رکھا جائے۔ ''اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ''

۲۔ کسی بھی مجاہد کیلئے ضروری ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے لطف و کرم کی امید رکھے۔ ''اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ''

۳۔ بحکم خداوند، ملائیکہ مومنین کی خدمت میں رہتے ہیں۔ ''يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ''

۴۔ الٰہی نظریہ کائنات میں، انسانوں کی زندگی ملائیکہ کی دنیا سے ربط و تعلق رکھتی ہے۔ ''يُّمِدَّكُمْ ۔۔۔''

۵۔ الٰہی امداد، اس کی ربوبیت کی بنا پر ہے۔ ''يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ''

۶۔ میدان جنگ میں الٰہی امداد کے اسباب میں سے ایک سبب فرشتوں کا نزول ہے۔ ''يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ﴿۱۲۴﴾''

آیت نمبر ۱۲۵

بَلٰٓى ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ ﴿۱۲۵﴾

ترجمۃ الآیات

ہاں اگر تم صبر کرو اور پائیداری کا مظاہرہ کرو اور خدا کا تقویٰ اختیار کرو تو (جس قدر بھی) جوش وخروش کے ساتھ دشمن تمہارے اوپر حملہ آور ہو، پروردگار ایسے پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا جو نشان جنگ لگائے ہوئے ہوں گے۔

نکات:

☆ اس سے پہلی آیت میں تین ہزار معاون فرشتوں کی بات تھی اور اس آیت میں پانچ ہزار فرشتوں کی بات ہو رہی ہے، یہ یا تو جنگی نوعیت اور ضرورت کے پیش نظر ہے یا پھر مجاہدین کی روحانی کیفیت اور تقویٰ کے لحاظ سے ہے۔

☆ تعداد کا ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کی قدرت محدود ہے جیسا کہ ''مُنۡزَلِيۡنَ'' کے لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ فرشتے امر الٰہی کے پابند ہیں اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کر سکتے۔

شاید ''مُسَوِّمِيۡنَ'' کے لفظ سے یہ بات بھی مراد ہو کہ معاون اور مددگار فرشتے ایک مخصوص طاقت کے حامل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرشتوں پر سلام بھیجتے وقت فرشتوں کے ہر گروہ کے لیے ان کی خصوصی ماموریت اور فرمان کی بجا آوری کو بیان فرماتے ہیں۔ (صحیفہ سجادیہ، تیسری دعا)

پیغام:

۱۔ ثابت قدمی اور تقویٰ ہی فرشتوں کے نزول اور غیبی امداد کے حصول کا سبب ہوتے ہیں۔ ''اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ''

۲۔ الٰہی امداد، صرف پیغمبر اکرمؐ کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ ''اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ''

۳۔ وہی ثابت قدمی قابل قدر ہوتی ہے جس میں تقویٰ پایا جاتا ہو، ورنہ ہٹ دھرمی اور ضد بازی ہوگی۔ ''اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا''

۴۔ دشمن سے کبھی بھی غفلت نہ برتو کیونکہ اس کی یلغار اچانک اور پورے جوش وخروش کے ساتھ ہوتی ہے۔ ''يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ''

۵۔ دشمن افراد کا حملہ متقی افراد پر جس قدر زیادہ شدید ہوتا ہے، اسی قدر خدا تعالیٰ کی مدد میں اضافہ ہوتا ہے۔ ''يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ''

آیت نمبر ۱۲۶

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ۝۱۲۶

ترجمۃ الآیات

اور اللہ تعالیٰ نے اس (نزول ملائکہ) کو تمہارے لیے بشارت اور خوشخبری کے علاوہ اور کچھ قرار نہیں دیا تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں۔ (جان لو کہ) کوئی کامیابی نہیں ہوتی مگر یہ کہ خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔

پیغام:

۱۔ محاذ جنگ میں اطمینان قلب اور خوشخبری، مجاہدین کے لیے ایک بہت بڑی ضرورت ہے۔ ''بُشْرٰی لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ''

۲۔ تمام مادی، علمی، نفسیاتی اور غیبی مقدمات، ارادہ الٰہی کے بغیر ناممکن ہیں۔ ''وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ''

۳۔ خدا تعالیٰ کی عزت اور قدرت اس کی حکمت کے ساتھ ہے۔ لہٰذا ہوسکتا ہے کہ بعض مخصوص وجوہات کی بنا پر مسلمانوں کو شکست ہو جائے۔ ''الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ۝۱۲۶''

آیت نمبر ١٢٧

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿١٢٧﴾

ترجمۃ الآیات

(خدا کی اس قسم کی امداد صرف اس لیے تھی) تا کہ وہ کچھ کفار کی بیخ کنی کر دے یا انہیں ناکام اور ذلیل کر دے کہ مایوس و نامراد ہو کر واپس پلٹ جائیں۔

نکات:

☆ ''طرف'' کے معنی ہیں کہ کسی چیز کی انتہا، نہ کہ اس کا کچھ حصہ۔ بنا برایں آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری غیبی امداد اس لیے تھی تا کہ کفار کی بیخ کنی کر دی جائے۔ البتہ بعض مفسرین نے ''طرف'' سے مراد ''اشراف'' لی ہے۔ جس سے معنی یہ ہوگا کہ جنگ بدر کا مقصد اشراف کفار کی نابودی تھا۔ جیسے آیت ''فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ'' (توبہ۔ ١٢)

☆ نا اُمیدی دو طرح کی ہوتی ہے:

١۔ اگر کوئی شخص پہلے سے نا امید ہو تو اسے ''یاس'' کہتے ہیں۔

٢۔ اگر امید رکھنے کے بعد نا امید ہو جائے تو اسے ''خائب'' کہتے ہیں۔ (تفسیر اطیب البیان والتحقیق فی کلمات القرآن)

☆ اسلام میں جنگ یا جہاد کبھی دفاعی اور دشمن کے حملہ کو پس پا کرنے کیلئے ہوتا ہے اور کبھی ابتدائی اور دشمن کی شکست کیلئے ہوتا ہے۔

پیغام:

١۔ کفر کے سربراہان کی یا تو مکمل بیخ کنی کر دی جائے یا پھر وہ ذلیل و خوار اور مایوس ہو جائیں۔ کمزور، وقتی اور عاجزانہ روش ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ ''لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا''

٢۔ تم مسلمانوں کا باہمی اتحاد و اتفاق، تمہاری سیاست اور نظم و تدبر، اس انداز کا ہونا چاہیے کہ دشمن ہر لحہ نا اُمیدی اور نامرادی کا شکار رہے۔ یعنی دشمن کو تم سے کوئی امید باقی نہ رہے۔ ''فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿١٢٧﴾''

آیت نمبر ۱۲۸

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

ترجمۃ الآیات

کوئی بات (لوگوں کی ہدایت یا کیفر) تمہارے اختیار میں نہیں (صرف خدا ہی ہے) کہ یا تو اپنا لطف ان کی طرف لوٹاتا ہے یا پھر ان کے ظلم کی سزا میں انہیں عذاب دیتا ہے۔ کیونکہ وہ ستم کار ہیں۔

نکات:

☆ جب راہبر اور راہنما میں کامل صداقت ہوتی ہے تو وہ اس طرح کا عمل کرتا ہے، حتیٰ کہ جو آیات اس سے ذمہ داری کا فریضہ سرانجام دے رہی ہوتی ہیں تو وہ انہی آیات کو بھی پوری صداقت اور جرات کے ساتھ لوگوں کے سامنے پڑھ دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ''تمہارا ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں''

شیعہ اور سنی تفسیروں میں ہے کہ جب جنگ احد میں حضرت رسولخدا کے دندان مبارک شہید ہو گئے اور خون بہنے لگا تو آپ نے فرمایا: یہ لوگ کیونکر نجات پا سکتے ہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم لوگوں کو نجات دینے کے ذمہ دار نہیں ہو، چاہے تو اللہ تعالیٰ آئندہ انہیں معاف کر دے اور چاہے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے اور اپنے کیے کی سزا پائیں۔

پیغام:

۱۔ معاف کرنا یا عذاب دینا، خدا تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ اولیا کا شفاعت کرنا بھی اس کی اجازت کے بغیر ممکن نہیں، اس لیے انبیا الگ سے خدا تعالیٰ کے سامنے کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتے۔ ''لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ''

۲۔ توبہ کا راستہ ان لوگوں کے لیے بھی بند نہیں ہے جو خدا کی راہ میں جنگ سے فرار کرتے ہیں یا وہ کفار جو مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ ''اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ''

۳۔ لوگوں پر عذاب خود ان کے اپنے ظلم و ستم کی وجہ ہوتا ہے۔ ''يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾''

آیت نمبر ۱۲۹

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

ترجمۃ الآیات

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب خدا ہی کے لیے ہے، وہ (اپنی حکمت سے) جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

نکات:

☆ یہ آیت اس سے پہلی آیت پر تاکید ہے کہ بخشش اور سزا سب خدا کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے سزا اور عذاب دے۔ کیونکہ تمام کائنات کی تخلیق اور حاکمیت اسی کے ہاتھ میں ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ آیت میں ان افراد کا تعین نہیں کیا گیا، جنہیں خدا معاف کر دے گا یا جنہیں عذاب دے گا۔ تاکہ کسی شخص کے دل میں نہ تو غرور پیدا ہو جائے کہ خدا اسے تو معاف کر دے گا اور نہ ہی کوئی شخص اس کی رحمت سے مایوس ہو جائے کہ خدا اسے تو ہرگز معاف نہیں کرے گا بلکہ سب لوگ خوف اور امید کے درمیان رہیں۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ کسی کو معاف کر دینا یا کسی کو عذاب دینا حکمت الٰہی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور اس کا دارومدار خود انسان پر ہے کہ وہ کس قسم کے انجام کے اسباب فراہم کرتا ہے۔

پیغام:

۱۔ معاف کرنا یا سزا دینا، صرف اسی کے ہاتھ میں جس کے قبضہ قدرت میں آسمانوں اور زمین کی حاکمیت ہے۔ ''وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ''

۲۔ الٰہی نظام میں عفو و مغفرت اصل ہے۔ ''يَغْفِرُ'' مقدم ہے ''يُعَذِّبُ'' پر۔

آیت نمبر ۱۳۰

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۱۳۰﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایماندارو! بڑھا چڑھا کر سود (اور مالی فائدہ) نہ کھاؤ اور خدا سے ڈرو تا کہ شاید تم چھٹکارا پاؤ۔

نکات:

☆ یہ آیت اور اس کے بعد کی آٹھ آیات جنگ احد سے متعلق آیات کے درمیان واقع ہوئی ہیں، شاید یہ ترتیب اس لیے ہے کہ کسی دفاعی نظام کے لیے اخلاقی اور اقتصادی مسائل بہت ہی موثر ہوتے ہیں، جس معاشرے کے افراد اہل اخلاص و ایثار ہوں، کار خیر، توبہ اور راہبر کی اطاعت میں پیش پیش ہوں تو وہ جنگ میں بھی کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔ لیکن مال پرست، بخیل، نافرمان اور گناہوں کے ارتکاب پر مصر، معاشرہ یقیناً شکست سے دوچار ہوتا ہے۔

☆ سود کی حرمت کے بارے میں آیات کئی مرحلوں اور تدریجی صورت میں نازل ہوئی ہیں۔ پہلا مرحلہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی سودخوری کی مذمت کی اور فرمایا: ”وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ“ (نساء۔۱۶۱)۔ دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ کئی برابر سود کو منع کیا گیا۔ تیسرے مرحلے میں سود کو خدا کے ساتھ جنگ قرار دیا۔

پیغام:

۱۔ احکام پر عمل کرنے کیلئے اصل بنیاد، انسان کا ایمان ہوتا ہے۔ ”يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا“

۲۔ سود کو حرام قرار دینے سے پہلے اس کے بدترین اور اعلیٰ پیمانہ کی صورت کو حرام قرار دیا گیا۔ ”اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ“

۳۔ اقتصادی مسائل میں تقویٰ کو مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ ”لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ“

۴۔ فلاح و کامیابی، سودخوری سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ تقویٰ کے زیر سایہ ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ ”لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۱۳۰﴾“

۵۔ سودخور، دنیا میں بھی فلاح نہیں پاتا، اس لیے کہ سود کی وجہ سے طبقاتی اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے

ایک تو تفرقہ بازی، کینہ، غریب لوگوں پر دباؤ اوران کی تباہ حالی وجود میں آتی ہے، دوسری طرف سے عیاشی، تن پروری، ہوس اور لالچ پیدا ہوجاتی ہے اور آخرت میں بھی وہ کامیابی حاصل نہیں کرسکے گا۔ لہٰذا غضب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔ ''لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۳۰﴾''

آیت نمبر ۱۳۱

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡٓ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ۚ‏ ﴿۱۳۱﴾

ترجمۃ الآیات

اوراس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

نکات:

☆ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: سودخوری ایسے گناہوں میں سے ہے جو باعث بنتے ہیں کہ انسان موت کے وقت اپنا ایمان کھودیتا ہے اوراس کا شمار کافروں میں ہوتا ہے۔(تفسیر عیاشی)

پیغام:

۱۔ مسلمان سودخور کیلئے بھی وہی عذاب ہے جو کافر کیلئے تیار کیا گیا ہے۔ ''اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۳۱﴾''

۲۔ دوزخ کافروں کے لیے پیدا کی گئی ہے، اگر مسلمان بھی اس میں جائیں گے تو کفار کے ساتھ عملی مشابہت کی وجہ سے جائیں گے۔

۳۔ دوزخ اب بھی موجود ہے ''اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۳۱﴾'' جس طرح بہشت، نیک اعمال انجام دینے والے لوگوں کے لیے اب بھی آمادہ ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَاُزۡلِفَتِ الۡجَـنَّةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ۙ‏ ﴿۹۰﴾'' (شعراء۔۹۰)

آیت نمبر ۱۳۲

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۚ‏ ﴿۱۳۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

نکات:

☆ جنگ اُحد میں مسلمانوں کی شکست کا سبب فرمان پیغمبرؐ کی نافرمانی تھا۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے حکم دیا تھا کہ کوہ احد کے درمیان واقع درہ پر ڈٹے رہیں، جو حفاظت کے لحاظ سے نہایت اہمیت کا حامل تھا، اسے کسی صورت نہ چھوڑیں۔ لیکن حفاظت پر مامور فوجی دستہ لالچ میں آ کر مال غنیمت کی لوٹ مار میں لگ گیا اور حکم پیغمبرؐ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے مورچے کو چھوڑ دیا۔ اس وقت دشمن نے اسی غیر محفوظ حصہ سے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر کے انہیں شکست سے دوچار کر دیا۔

پیغام:

١۔ رسول خداؐ کا فرمان چاہے حکومتی قسم کا ہو، چاہے عبادی قسم کا ہو، وہ حکم خدا کی مانند واجب الاطاعت ہے۔ ''وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ''

٢۔ سود کھانا، اللہ اور اس کے رسول کے سامنے گناہ اور بغاوت ہے۔ ''لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا ۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ''

٣۔ جو شخص حکم خدا اور رسول کی بجا آوری کے طور پر سود خوری سے ہاتھ کھینچ لے اور لوگوں کی حالت پر رحم کرے تو خدا بھی اس پر رحمت کرے گا۔ ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝١٣٢''

٤۔ خدا اور رسول کی پیروی میں دوزخ سے نجات کا راز ہے۔ ''اتَّقُوا النَّارَ ۔۔۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ''

٥۔ خدا اور سول کی پیروی کا نتیجہ خود انسان کی طرف پلٹتا ہے، خدا اور سول کی طرف نہیں۔ ''لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝١٣٢''

٦۔ خدا کی اطاعت بغیر انعام کے نہیں بلکہ اس کی رحمت ملنے کا ایک وسیلہ ہے۔ ''وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝١٣٢''

آیت نمبر ١٣٣

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝١٣٣

ترجمۃ الآیات

اپنے پروردگار کی بخشش اور اس بہشت کی طرف جلدی سے دوڑ پڑو کہ جس کی وسعت سارے آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور وہ پرہیزگاروں کے لیے مہیا کی گئی ہے۔

نکات:

☆ اکثر علمائے اسلام اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جنت اور جہنم پیدا ہو چکی ہے اور اس وقت بھی موجود ہے۔ اس بات کی ایک دلیل یہی آیت ''اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ'' یا ''اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ''۔

☆ گناہ کی بخشش، خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ مغفرت کی طرف جلدی کرنے سے مراد، ایسے کام کی طرف جلدی کرنا ہے جس کا نتیجہ مغفرت ہو۔

☆ اس آیت میں ''عَرْض'' سے مراد وسعت ہے۔ (عرب جب چاہتے ہیں کہ کسی چیز کی وسعت کو بیان کریں تو کہتے ہیں کہ اس کا عرض اتنا ہے، اس عرض سے کسی چیز کا طول بھی معلوم ہو جاتا ہے۔)

☆ اس آیت کی تفسیر میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''سارعوا الی اداء الفرائض'' الٰہی فرائض کی انجام دہی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ (تفسیر مجمع البیان)

پیغام:

۱۔ کارِ خیر میں جلدی، اس کام کی قدر میں اضافہ کرتی ہے۔ ''سَارِعُوْٓا''

۲۔ توبہ و مغفرت الٰہی کے حصول میں جلدی لازم ہے۔ ''سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ''

۳۔ گناہوں کی بخشش، اللہ کی صفات میں ہے۔ ''مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ''

۴۔ جنت میں جانے سے پہلے بخشش کے مراحلے ہیں۔ ''مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ''

۵۔ بہشت متقین کی طرف جلدی کرنا، متقین میں شمار ہونا ہے۔ ''وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۳۳''

آیت نمبر ۱۳۴

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ

وَالۡعَافِيۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۚ﴿۱۳۴﴾

ترجمۃ الآیات

(متقی) وہی لوگ ہیں جو تونگری اور تنگدستی کی حالت میں خرچ کرتے ہیں، غصے کو پی جاتے ہیں، لوگوں (کی خطاؤں) کو معاف کردیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

نکات:

☆ یہ آیت گذشتہ آیات میں سود کی مذمت کے مقابلے میں ذکر ہوئی ہے کہ جو راہ خدا میں خرچ کرنے، لوگوں کی خطاؤں کو معاف کردینے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور امداد کرنے کی تعریف وتوصیف کررہی ہے۔

☆ تاریخ میں ہے کہ ایک دن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا ایک خادم آپؑ کا سر اور منہ دھلا رہا تھا کہ اچانک پانی کا برتن اس کے ہاتھوں سے چھوٹا اور آپؑ کے سر اقدس پر آ گرا جس سے سر مبارک زخمی ہوگیا۔ حضرتؑ نے اس کی طرف دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ امامؑ ناراض ہوگئے ہیں، اس نے فوراً کہا: وَالۡكٰظِمِيۡنَ الۡغَيۡظَ، امامؑ نے فرمایا: میں اپنے غصے کو پی گیا۔ اس نے پھر کہا: وَالۡعَافِيۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ، امامؑ نے فرمایا: خدا تجھے معاف کرے، اس نے کہا: وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۚ﴿۱۳۴﴾، امام سجادؑ نے فرمایا: تو راہ خدا میں آزاد ہے۔ (تفاسیر مجمع البیان وروح البیان)

☆ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: کوئی شخص ایسا نہیں جو اپنا غصہ پی جائے اور خدا تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت میں عزت نہ دے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: "وَالۡكٰظِمِيۡنَ الۡغَيۡظَ ۔۔۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۳۴﴾" یہ غصے کو پی جانے کا بدلہ ہے۔ (کافی، ج۲ص۱۱۰)

پیغام:

۱۔ تقویٰ، خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے الگ نہیں ہے۔ "اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ ۔۔۔"

۲۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے سخاوت کا ہونا ضروری ہے، مال ودولت کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ "فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ"

۳۔ نہ تونگری کی حالت میں غریبوں اور محروم لوگوں سے غفلت برتو اور نہ ہی تنگدستی کی حالت میں یہ کہو کہ ہم تو خود پریشان حال ہیں۔ "فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ"

۴۔ متقی اور پرہیزگار لوگ اپنی عادات کے محکوم نہیں ہوتے بلکہ ان پر حاکم اور ان کے مالک ہوتے ہیں۔"

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ ''

۵۔تقویٰ کے لیے وسعت قلبی کی ضرورت ہوتی ہے۔''وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط ''

۶۔متقی اور پرہیزگار لوگ عوام الناس سے کٹ کر اور ان سے الگ ہو کر نہیں رہتے بلکہ اپنے مال اور اچھے اخلاق کے ساتھ ان سے مل جل کر رہتے ہیں۔''يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ ''

۷۔خطا کار کو معاف کرنے میں اس کا مومن ہونا شرط نہیں ہے۔''وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط ''

۸۔ جو شخص خدا کا محبوب بننا چاہتا ہے اسے مال کی قربانی دینا ہوگی اور اپنے غصے پر قابو رکھنا ہوگا۔''وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۱۳۴ ''

۹۔محروم افراد کیلئے انفاق کرنا اور لوگوں کی خطا سے درگذر کرنا، احسان و نیکوکاری کے مصادیق میں سے ہے۔ ''يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۱۳۴ ''

آیت نمبر ۱۳۵

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ص وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ قف وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۱۳۵

ترجمۃ الآیات

(پرہیزگار) وہ لوگ ہیں کہ جب بھی کوئی برا کام انجام دیتے ہیں یا اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں تو خدا کو یاد کر کے اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور خدا کے علاوہ اور کون گناہوں کو معاف کرتا ہے؟ اور (یہ متقی افراد) جان بوجھ کر برے کاموں پر اصرار نہیں کرتے۔

نکات:

☆ بعض مفسرین نے ''فَاحِشَةً'' سے مراد زنا لی ہے اور ''ظَلَمُوْٓا'' سے مراد دوسرے گناہوں کو قرار دیا ہے، جبکہ بعض دوسرے مفسرین نے ''فَاحِشَةً'' سے مراد گناہان کبیرہ اور ''ظَلَمُوْٓا'' سے گناہان صغیرہ مراد لی ہے۔

☆ ہم روایات میں پڑھتے ہیں کہ گذشتہ گناہوں کی طرف سے لاپرواہی اور توبہ کا ترک کرنا، اصرار بر گناہ میں شمار ہوتا ہے۔ ''هو ان يذنب الذنب فلا يستغفر الله ولا يحدث نفسه بتوبة فذلك الاصرار'' (کافی، ج ۲، ص ۲۸۷)

☆ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابلیس نے اپنے تمام یاروں کو جمع کیا اور ان سے اس کے حل پر مشورہ کیا۔ شیاطین نے مختلف مشورے دیے جو قابل قبول نہ ہوئے، ان میں سے وسواس خناس نے کہا: میں اس کا حل جانتا ہوں۔ سب نے پوچھا: کیسے؟ اس نے جواب دیا کہ میں انہیں جھوٹے وعدے دوں گا اور آرزؤں میں مبتلا کردوں گا، یہانتک کہ وہ گناہ میں گرفتار ہوجائیں اور پھر توبہ واستغفار کو ان کے ذہن سے دور کردوں گا۔ (وسائل، ج ۱۱، ص ۶۶)

پیغام:

۱۔ کبھی متقی افراد سے بھی گناہ سرزد ہوجاتے ہیں۔ ''لِلْمُتَّقِيْنَ ۔۔۔ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً''

۲۔ گناہ کو انجام دینے سے زیادہ خطرناک، گناہ سے غفلت اور اس کی برائی پر توجہ نہ دینا ہے۔ متقین اگر گناہ کریں تو فوراً استغفار کرلیتے ہیں۔ ''اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا''

۳۔ تقویٰ کی علامت، گناہ سے توبہ کرنا ہے۔ ''اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا''

۴۔ توبہ کا راز یاد خدا ہے۔ ''ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا''

۵۔ جب تک یاد خدا گناہگار کے دل میں زندہ ہے، اس وقت تک وہ متقین کے دائرے میں شامل ہوسکتا ہے۔ ''اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ''

۶۔ گناہ، خود اپنے آپ پر ظلم ہے۔ ''ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ''

۷۔ صرف خدا تعالیٰ ہے جو گناہوں کو معاف کرتا ہے۔ ''وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ''

۸۔ متقی وہ ہے جو گناہ پر اصرار نہ کرتا ہو، کیونکہ گناہ پر اصرار کرنا اسے کم اہمیت شمار کرنا اور خدا سے غفلت کی علامت ہے۔ ''وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا''

۹۔ گناہ پر جان بوجھ کر ہوئے اصرار کرنے سے انسان، مغفرت الٰہی سے محروم ہوجاتا ہے۔ ''وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا''

آیت نمبر ۱۳۶

اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمۃ الآیات

ایسے (متقی) لوگوں کی جزا ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت اور بہشت کے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور نیک اعمال بجالانے والوں کی جزا کس قدر بہتر ہے۔

نکات:

☆ ان تین آیات میں مسلسل ''متقین، محسنین اور عاملین'' کے کلمات اس بات کی دلیل ہیں کہ تقویٰ صرف گوشہ نشینی، خلوت پسندی اور روحانی کیفیت کا نام نہیں بلکہ ضروری ہے کہ میدان عمل میں رہ کر اعمال بھی بجالائے جائیں اور احسان اور نیکی بھی کی جائے۔

پیغام:

۱۔ جب تک انسان گناہ سے پاک نہ ہو جائے اس وقت تک بہشت میں جانے کے لائق نہیں ہوگا۔ ''مَّغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ''

۲۔ خدا تعالیٰ کی بخشش اور مغفرت، انسان کی تربیت کیلئے ہے۔ ''مَّغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ''

۳۔ صرف آرزوؤں اور امیدوں سے خدا کے لطف و کرم کو حاصل نہیں کیا جا سکتا بلکہ اعمال بھی بجالانے ضروری ہوتے ہیں۔ ''وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾''

آیت نمبر ۱۳۷

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۳۷﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک تم سے پہلے بہت سے (مختلف اعمال وصفات کے لوگ اور) واقعات گذر چکے ہیں
پس روئے زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟

نکات:

☆ یہ آیت معاشرہ شناسی کی اہمیت کے پیش نظر اور معاشروں کی عزلت وذلت کی شناخت کے اصول کی طرف اشارہ کررہی ہے۔ گذشتہ اقوام میں جو واقعات گذر چکے ہیں بطور نمونہ کچھ اس طرح کے تھے:

الف: کچھ قوموں نے حق کو قبول کیا اور نجات پا گئیں۔

ب: کچھ قوموں نے حق کو جھٹلایا اور ہلاک ہوگئیں۔

ج: اللہ تعالیٰ نے انہیں مختلف طریقوں سے آزمایا۔

د: حق پرست لوگوں کو غیبی امداد ملتی رہیں۔

ھ: ظالموں کو مہلت ملتی رہی۔

و: خدا کے خاص بندے حق کے لیے ڈٹے رہے اور اپنے اہداف ومقاصد کو پالیا۔

ز: کفار مختلف سازشیں کرتے رہے لیکن خدا تعالیٰ نے انہیں ناکام بنادیا۔

پیغام:

۱۔ تاریخ بشریت پر حاکم قوانین ایسے ہیں کہ جن کی شناخت، آئندہ بشریت کیلئے مفید ہے۔ ''قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ''

۲۔ گذشتہ اقوام کی تاریخ آئندہ قوموں کیلئے چراغ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ''فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا ''

۳۔ بامقصد سیاحت اور ظالموں کے چھوڑے ہوئے آثار کو غور وفکر کی نگاہ سے دیکھنا عالم انسانیت کے لیے ایک بہترین درس، بہترین معلم اور بہترین مربی ثابت ہوسکتا ہے۔ ''فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا ''

۴۔ تمہارے اور دوسری امتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ عزت یا ذلت کے عوامل سب کے لیے ایک ہی جیسے ہیں۔ ''فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا ''

۵۔ گذشتہ قوموں کی تاریخ، اخلاق اور کردار کی پہچان، انتخاب راہ کیلئے مفید ہے۔ ''فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ''

۶۔آثار قدیمہ کی حفاظت آئندہ آنے والوں کی عبرت کیلئے ضروری ہے۔ ''فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانْظُرُوۡا ''

۷۔تاریخ کی تبدیلیوں پر نقد و تحقیق ضروری ہے۔ ''فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانْظُرُوۡا ''

۸۔تاریخ کے مطالعہ میں جلوہ آرائیاں اہم نہیں ہوا کرتیں، انجام کار کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ''فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانْظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ﴿۱۳۷﴾ ''

۹۔خدا کی طرف سے کیفر کردار صرف قیامت سے متعلق نہیں، کبھی اسی دنیا میں قہر الٰہی ان موٹی گردن والوں کے پیچھے آجاتا ہے۔ ''قِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ﴿۱۳۷﴾ ''

آیت نمبر ۱۳۸

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوۡعِظَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ﴿۱۳۸﴾

ترجمۃ الآیات

یہ (قرآن) سب لوگوں کے لیے ایک واضح بیان ہے، لیکن پرہیزگاروں کے لیے ہدایت اور نصیحت (کا وسیلہ) ہے۔

نکات:

☆ ''هٰذَا '' کا کلمہ، آیات ۱۳۰ تا ۱۳۷ کی طرف اشارہ ہے یا گذشتہ آیات میں بیان شدہ تاریخی عبرت یا سنن کی طرف اشارہ ہے۔

پیغام:

۱۔قرآن پاک ہر زمانے کے لوگوں کیلئے قابل فہم ہے۔ ''بَيَانٌ لِّلنَّاسِ ''

۲۔قرآن پاک، سب لوگوں کیلئے، ہر زمانے کیلئے اور ہر جگہ کیلئے ہے۔ ''لِّلنَّاسِ ''

۳۔اگرچہ قرآن مجید تمام لوگوں کے لیے ہے لیکن اس سے نصیحت صرف متقی اور پرہیزگار ہی حاصل کرتے ہیں۔ ''مَوۡعِظَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ﴿۱۳۸﴾ ''

۴۔آیات الٰہی سے مستفید ہونے اور ان سے مطالب اخذ کرنے میں انسان کی روحانی کیفیت کا بڑا عمل دخل ہے۔ ''لِّلۡمُتَّقِيۡنَ﴿۱۳۸﴾ ''

آیت نمبر ۱۳۹

وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور سستی نہ کرو اور غم نہ کھاؤ، اگر تم مومن ہو تو دوسروں پر غالب رہو گے۔

نکات:

☆ جنگ اُحد میں جب مسلمانوں نے اپنے سالار لشکر (پیغمبر گرامی اسلامؐ) کی اطاعت نہ کر کے شکست کھائی تو ان کی روحانی کیفیت بہت ہی کمزور ہو گئی، اس لیے یہ آیت نازل ہوئی جو خبردار کر رہی ہے کہ مبادا جنگ احد میں شکست کھانے کے بعد تم تھک ہار کر بیٹھ جاؤ اور اپنی حیثیت کو گم کر دو۔ ایمان کی طاقت سے اپنے آپ کو طاقتور بناؤ کیونکہ تم ہر حال میں غالب اور برتر ہو۔

پیغام:

۱۔ کسی جنگ میں وقتی شکست مسلمانوں کی آخری شکست کی دلیل نہیں۔ ''وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ''

۲۔ راہبر کا فرض ہے کہ وہ افراد کو روحانی طور پر تقویت پہنچائے۔ ''وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ۔۔۔''

۳۔ اگر اب بھی ایمان اور اطاعت کی طرف لوٹ آؤ تو تمہیں دوسری جنگوں میں فتح حاصل ہو سکتی ہے۔ ''وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾''

۴۔ ایمان کے سایہ میں ساری دنیا پر غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ''وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾''

۵۔ ظاہری فتح اور شکست اہم نہیں ہوتی بلکہ جس چیز سے غلبہ اور برتری حاصل ہوتی ہے وہ صحیح و سالم عقائد و افکار ہیں۔ ''وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾''

۶۔ مادی نقطہ نظر سے فتح و کامیابی کے اسباب و عوامل اسلحہ اور جنگی ساز و سامان ہوتے ہیں لیکن الٰہی نقطہ نظر سے فتح و کامرانی ایمان کو حاصل ہوتی ہے۔ ''اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾''

آیت نمبر ۱۴۰

اِنۡ یَّمۡسَسۡکُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ ؕ وَتِلۡكَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیۡنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَیَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۴۰﴾

ترجمۃ الآیات

اگر (جنگ اُحد) تمہیں زخم لگا ہے تو یقیناً قوم (کفار) کو اسی طرح کا زخم (جنگ بدر میں) لگ چکا ہے اور ہم ان (شکست و کامیابی کے) دنوں کو لوگوں کے درمیان الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں اور اس لیے بھی تاکہ خداوند عالم (آزمائش کرکے) سچے مومنوں کو الگ دیکھ لے اور تم میں کچھ لوگوں کو (دوسروں پر) گواہ مقرر کرے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا (اگرچہ کبھی وہ ظاہری طور پر کامیاب ہو جاتے ہیں۔)

نکات:

☆ یہ آیت مسلمانوں کو تسلی دینے کے ساتھ ساتھ ایک حقیقت کو بھی بیان کررہی ہے اور یہ کہ تم نے حق کی خاطر، الٰہی مقاصد کے پیش نظر اور روشن مستقبل کے لیے جانی نقصان اٹھایا ہے تو (اس سے کیا فرق پڑتا ہے کیونکہ) تمہارے دشمن بھی تو مارے جا چکے ہیں یا زخمی ہو چکے ہیں۔ اگر آج تم جنگ احد میں کامیاب نہیں ہو سکے تو اس سے کیا ہوتا ہے کیونکہ کل جنگ بدر میں تمہارے دشمن بھی تو ہزیمت اٹھا چکے ہیں۔ لہٰذا تمہارے لیے ضروری ہے کہ ہر امتحان اور آزمائش میں صبر و تحمل سے کام لو۔

☆ اگرچہ عام طور پر قرآن مجید میں ''شہداء، شہید اور شاہد'' کے کلمات ''گواہ'' کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں لیکن آیت کے شان نزول، جنگ کے مسئلہ اور میدان جنگ میں زخموں کے موضوع کے پیش نظر اگر کسی نے اس آیت میں لفظ ''شہداء'' کا ترجمہ ''راہ خدا میں مارے جانے والے'' کیا ہے تو غلط نہیں ہے۔

☆ مندرجہ ذیل نکات کے پیش نظر مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے آپ کو مضبوط و مستحکم کریں:

الف: ''اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ'' تم لوگ ہی بلند و غالب ہو۔

ب: ''فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ'' تمہارے دشمن بھی زخم کھا چکے ہیں۔

ج: ''تِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا'' یہ سخت اور کٹھن دن بھی جلد ختم ہو جائیں گے۔

د: وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا'' اللہ حقیقی مومنوں کو منافقوں سے علیحدہ کر کے پہچان لیتا ہے۔

ہ: ''وَيَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ ؕ'' اللہ تعالیٰ تم میں سے آئندہ زمانے کے لیے گواہ بناتا ہے۔

و: ''وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ۝١٤٠'' خداوند تمہارے مخالفین کو دوست نہیں رکھتا۔

☆ اس آیت کے بارے میں امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جس دن سے خدا تعالیٰ نے جناب آدم علیہ السلام کو خلق فرمایا ہے، اس دن سے خدائی و شیطانی قدرت وحکومت کے درمیان، ایک دوسرے سے تعارض، یعنی لڑائی ہے۔ حضرت قائم علیہ السلام کے ظہور کے ذریعے مکمل الٰہی حکومت وجود میں آئے گی۔ (تفسیر عیاشی)

پیغام:

۱۔ مسلمان صبر و تحمل اور بردباری میں کفار سے کم نہ ہوں۔ ''فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ ؕ''

۲۔ تلخ و شیریں واقعات کو دوام حاصل نہیں اور حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے۔ ''تِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ ۚ''

۳۔ حقیقی ایماندار، ایمان کے دعویداروں سے، جنگوں میں اور زندگی کے نشیب و فراز میں پہچانے جاتے ہیں اور پتہ چل جاتا ہے کہ کون سچا مومن ہے اور کون صرف ایمان کا دعویدار ہے۔ ''لِيَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا''

۴۔ خدا تعالیٰ نے تم میں سے کچھ گواہ لیے تاکہ تم جان سکو کہ راہبر کی نافرمانی کس طرح شکست کا موجب بنتی ہے۔ ''وَيَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ ؕ''

۵۔ کفار کی وقتی کامیابی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے۔ ''وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ۝١٤٠''

۶۔ تاریخی واقعات اور سلسلے خدا تعالیٰ ہی کے ارادے سے محقق ہوتے ہیں۔ ''نُدَاوِلُهَا''

آیت نمبر ۱۴۱

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَمۡحَقَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝١٤١

ترجمۃ الآیات

اور (محاذ جنگ کے نشیب و فراز) اس لیے بھی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو صاف ستھرا اور

خالص بنادے اور کافروں کو (بتدریج) نیست و نابود کردے۔

نکات:

☆ لفظ ''یُمَحِّصَ'' کے معنی ہیں ہر عیب و نقص سے پاک کرنا، اور ''یَمْحَقَ'' کے معنی ہیں تدریجی طور پر کم کرنا۔

☆ گویا اللہ تعالیٰ اُحد کی شکست میں یہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں سے ان کے کمزور نقاط کی نشاندہی کرے تا کہ وہ اپنے عیوب اور نقائص کی اصلاح کرلیں اور بعد میں پیش آنے والے واقعات کے لیے اپنے آپ کو پوری طرح تیار رکھیں۔ کیونکہ بعض اوقات بیدار کردینے اور اصلاح کرنے والی شکست خواب غفلت میں ڈال دینے والی فتح و کامیابی سے بہتر ہوتی ہے۔

پیغام:

۱۔ جنگ ایک ایسا میزان ہے جو نیک، پاک لوگوں کی ناخالص اور غیر شائستہ افراد سے پہچان کراتی ہے۔ ''لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ''

۲۔ اہل ایمان کے لیے فتح یا شکست ایک سعادت ہے اس لیے کہ اس سے یا تو شہادت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے یا ایک تجربہ حاصل ہوتا ہے یا پھر دشمن پر غلبہ اور کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ ''لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا''

۳۔ ایمان کی نشوونما اور ترقی، کفر کی سرنگونی اور اس کی نیستی و نابودی، زمانے کے گذرنے اور تاریخ کے اوراق پلٹنے کے ساتھ ساتھ ہی حاصل ہوتی ہے۔ ''لِيُمَحِّصَ ۔۔۔ يَمْحَقَ'' (''يُمَحِّصَ'' استمرار پر دلالت کرتا ہے اور ''يَمْحَقَ'' تدریج کے معنی رکھتا ہے۔)

۴۔ تاریخ کا مستقبل کفر کی سرنگونی اور نابودی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ''يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾''

۵۔ آج کی شکست اہم نہیں ہے بلکہ ہر کام کا نتیجہ اصل ہے۔ ''وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾''

آیت نمبر ۱۴۲

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

ترجمۃ الآیات

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ (ایمان کا دعویٰ کر لینے سے) بہشت میں چلے جاؤ گے؟ جبکہ خدا

نے ابھی تک تم میں سے جہاد کرنے اور صبر کرنے والوں کو الگ نہیں کیا۔

نکات:

☆اس آیت میں مومنین کے جہاد اور صبر و ثابت قدمی کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ بہشت میں جانے کا راستہ جہاد اور صبر ہے۔ قرآن پاک فرماتا ہے: ''سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ ''یعنی تم اہل بہشت پر سلام ہو اس لیے کہ تم نے صبر واستقامت سے کام لیا۔ (رعد۔ ۲۴)۔ اس تعبیر میں جو لطف کی بات ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں کہتا کہ ''تم پر سلام ہو، اس لیے کہ تم نے حج کیا یا روزے رکھے یا خمس و زکوٰۃ دیتے رہے۔ کیونکہ ہر عمل کی بجا آوری کے لیے صبر و پائیداری کی ضرورت ہوتی ہے۔

پیغام:

۱۔ خام خیالی اور بے جا توقعات سے دست بردار ہو جانا چاہیے۔ ''اَمْ حَسِبْتُمْ ''

۲۔ قلبی ایمان ہی کافی نہیں ہے، کوشش اور عمل بھی ضروری ہے۔ بہشت کو قیمت کے ساتھ دیتے ہیں، حیلوں بہانوں کے ساتھ نہیں۔ ''اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ ۔۔۔''

۳۔ بہشت کی چابی، صبر و جہاد ہے۔ مصیبت پر صبر، گناہ نہ کرنے پر صبر، عبادت کے انجام دینے پر صبر، جہاد اکبر و جہاد اصغر کے محاذ پر صبر۔ ''وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ۝۱۴۲ ''

۴۔ جہاد میں صبر واستقامت اور پائیداری بہت ضروری ہے کیونکہ جنگ کے آغاز، اس کا جاری رہنا، اس کے نتائج اور اس کے بعد کے آثار غرض سب کچھ صبر و بردباری کے محتاج ہیں۔ ''جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ۝۱۴۲ ''

آیت نمبر ۱۴۳

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝۱۴۳

ترجمۃ الآیات

اور یقیناً تم اس (جہاد جنگ بدر) کا سامنا کرنے سے پہلے موت (شہادت) کی تمنا کیا کرتے تھے، پس جب تم نے اسے (جنگ اُحد میں) دیکھ لیا تو اسے (ناگوار) نگاہوں سے

دیکھنے لگے ہو۔

نکات:

☆اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مفسرین کہتے ہیں کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور کچھ لوگ شہادت کے عظیم مرتبہ پر فائز ہوئے اس کے بعد کچھ لوگ کہتے تھے: اے کاش کہ ہم بھی جنگ بدر میں شہید ہو جاتے۔لیکن اس کے ایک سال بعد وہی لوگ جنگ احد میں راہ فرار اختیار کر گئے اور اس آیت میں انہی لوگوں کی سرزنش کی جارہی ہے۔

ہم بھی شہدائے کربلا کی زیارت میں کہتے ہیں: اے کاش! ہم آپ لوگوں کے ساتھ ہوتے اور درجہ شہادت پر فائز ہو جاتے۔لیکن کیا ہم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ مقام عمل میں ہم کس حد تک صحیح ہیں اور ہم کیا کرتے؟

خوش بود گر محک تجربہ آید بہ میان
تا سیہ روی شود ہر کہ در او غش باشد

تجربے کی کسوٹی پر ہر شخص کی پہچان ہو جاتی ہے، جس میں کھوٹ ہوتا ہے وہ روسیاہ ہو جاتا ہے۔

پیغام:

۱۔اپنی آرزؤں کے فریب میں نہ آؤ اور ہر نعرے اور نعرہ لگانے والے پر اطمینان نہ کرو۔''وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ ۔۔۔''

۲۔میدان عمل میں مرد آزمائے جاتے ہیں۔''رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾''

آیت نمبر ۱۴۴

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور محمد تو صرف (اللہ کے) رسول ہیں، ان سے پہلے بہت سے پیغمبر (بھی تھے جو) گذر چکے

ہیں (بنابریں موت تو تمام انبیا کے لیے تھی اور ہے) پس اگر وہ (محمدؐ) اپنی موت سے مر جائیں یا مار ڈالے جائیں تو کیا تم اپنے گذشتہ لوگوں (کے آئین) کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص الٹے پاؤں پھرے گا تو خدا کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ تعالیٰ بہت جلد شکر کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے گا۔

نکات:

☆ تفاسیر میں ہے کہ جب جنگ اُحد میں یہ افواہ پھیلی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قتل ہو گئے ہیں۔ تو یہ افواہ کفار کی خوشی اور نفسیاتی برتری کا باعث بنی۔ جبکہ بہت سے ضعیف الایمان مسلمان راہ فرار اختیار کر گئے اور کچھ مسلمان، کفار کے لشکر کے سربراہ ابوسفیان سے ''امان'' حاصل کرنے کی سوچنے لگے۔ لیکن کچھ مسلمان ایسے بھی تھے جنہوں نے باآواز بلند کہنا شروع کر دیا: ''اگر محمدؐ ہم میں موجود نہ بھی ہوں تو محمدؐ کا راستہ اور خدا تو ہے ہی، بھاگو نہیں!!''

(جب ہم اس آیت کی تفسیر لکھ رہے تھے تو اسلامی جمہوریہ ایران کے بانی حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ کے بارگاہ ایزدی میں جا پہنچنے کی خبر آ گئی۔ پھر تہران میں تقریباً ایک کروڑ لوگوں نے ان کے جنازہ کی تشییع میں شرکت کی اور ایرانی مسلمان اسی آیت کی بنیاد پر اپنے عہد و پیمان پر پختہ رہے اور فقیہ عادل آیت اللہ خامنہ ای کا بطور راہبر انتخاب کر کے امام خمینیؒ اور ان کی بلند توقعات کے ساتھ تجدید عہد کر لیا۔)

☆ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: قتل اور موت کا حساب الگ الگ ہے، جو شہید آئندہ تاریخ میں واپس آئے گا، دوبارہ مرے گا۔ کیونکہ قرآن فرماتا ہے: ''کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ ؕ'' (انبیاء۔ ۳۵) (تفسیر عیاشی، ج ۲، ص ۱۱۳)

پیغام:

۱۔ پیغمبر کا فرض، پیغام خدا کو پہنچانا ہے۔ ''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ''

۲۔ کیا پہلے والے انبیا کے قتل ہو جانے کے بعد، ان کے پیروکار دین سے پلٹ گئے؟ ''قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ ؕ ۔۔۔''

۳۔ اسلامی معاشرہ ایسا جڑا ہوا اور آپس میں ایک ہو کہ حتیٰ ان کے راہبر کی موت بھی انہیں الگ نہ کر سکے۔ ''اَفَا۠ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ ؕ''

۴۔ پیغمبر اسلام بھی الٰہی احکام اور طبیعی قوانین جیسے موت و حیات کے پابند ہیں۔ ''اَفَا۠ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ''

۵۔ دشمن کے حربوں میں سے ایک افواہ پھیلانا ہے۔ ''مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ'' (نزول شان کے مطابق)

۶۔پیغمبر کی عمر محدود ہے لیکن ان کا راستہ محدود نہیں۔ ’’اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ ‘‘

۷۔شخص پرستی ممنوع ہے۔جب راہ خدا روشن ہوجائے تو افراد کے آنے جانے سے، الٰہی راستے پر چلنے اور بڑھنے میں کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ ’’اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ ‘‘

۸۔اپنے ایمان کو یوں مضبوط اور ثابت رکھو کہ تاریخ کے حوادث تمہارے پاؤں میں لغزش پیدا نہ کرسکیں۔ ’’اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ ‘‘

۹۔انبیا کے راستے سے دست بردار ہونا، اتھاہ گہرائیوں میں گرنا اور واپس پلٹنا ہے۔ ’’انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ ‘‘

۱۰۔لوگوں کا کفر، خدا تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ’’فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ‘‘

۱۱۔راہ حق پر ثابت قدم رہنا، عملی شکر کی بہترین مثال ہے کہ جس کی جزا صرف خدا کے ہاں ہے۔ ’’وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ﴿۱۴۴﴾ ‘‘

آیت نمبر ۱۴۵

وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تَمُوۡتَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَةِ نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ؕ وَسَنَجۡزِى الشّٰكِرِيۡنَ﴿۱۴۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور کوئی بھی شخص خدا کے حکم کے بغیر نہیں مر سکتا، ہر ایک کا مقرر شدہ انجام ہے اور جو شخص دنیا کا بدلہ چاہے تو ہم اسے اس (دنیا) میں سے دے دیتے ہیں اور جو آخرت کا ثواب چاہے تو ہم اسے اس (آخرت) سے دے دیتے ہیں اور ہم شکر ادا کرنے والوں کو بہت جلد جزا (خیر) دیں گے۔

پیغام:

۱۔جنگ سے فرار کرنے سے موت سے فرار نہیں کرسکتے۔ ’’انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ ---وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ‘‘

۲۔موت، ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔''وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ '' لیکن ارادہ اور ہدف کا تعین ہمارے ہاتھ میں ہے۔''وَمَنْ يُّرِدْ۔۔۔''

۳۔ابھی جبکہ دنیا اور آخرت ہمارے سامنے ہے، ابدیت اور خالق کی رضا کے راستے کا انتخاب کرلیں۔''وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ''

۴۔ہر ایک عمل کا اپنا مخصوص ردعمل ہوتا ہے اور یہ کائنات ایک نظم و قانون کے تحت چل رہی ہے لہٰذا ہم جس راستے پر چلیں گے، کسی نتیجہ پر ضرور پہنچیں گے۔''مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا ۔۔۔''

آیت نمبر ۱۴۶

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

ترجمۃ الآیات

ایسے بہت سے پیغمبر (گذر چکے) ہیں جن کے ساتھ (مل کر) بہت سے خدا پرستوں نے جہاد کیا اور راہ خدا میں انہیں جو مصیبت پہنچی، انہوں نے نہ تو ہمت ہاری، نہ کمزوری دکھائی اور نہ ہی کسی کے آگے جھکے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

نکات:

☆''رِبِّيُّوْنَ ''جمع ہے''ربی'' کی، جو کہ ''ملی'' کے وزن پر ہے۔ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جس کا رابطہ اور تعلق خدا کے ساتھ محکم ہوتا ہے، دانشمند لوگ دین میں ثابت قدم اور رخلوص ہوتے ہیں۔(تفسیر نمونہ)

پیغام:

۱۔انبیا کی تاریخ ہمیشہ مجاہدت اور مقابلے سے پُر ہوتی ہے۔''وَكَاَيِّنْ ۔۔۔''

۲۔طول تاریخ میں اولیائے خدا کی زندگی کو دیکھنے اور ان کی رضایت و مجاہدت کو دیکھنے سے درس حاصل کریں۔''

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ ''

۳۔ایسی جنگ اور ایسا جہاد، حق ہے جس کی قیادت الٰہی راہبر کے زیر نظر ہو۔''قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ ''۔ماہ رمضان کی دعا میں پڑھتے ہیں۔اللھم ارزقنا قتلاً فی سبیلك تحت رایة نبیك مع اولیائك''

۴۔تاریخ میں مجاہد عالم و عارف افراد کی تعداد بہت ہے۔''وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ ''

۵۔اگرچہ سب مجاہدین محترم اور قابل احترام ہیں لیکن خدا پرست اور دانشمند عالم مجاہد کا حساب الگ ہے۔''رِبِّيُّوْنَ''

۶۔خدا پر پختہ ایمان، ثابت قدمی کا راز ہے۔''رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا''

۷۔مشکلات کو کمزوری اور سستی کا باعث نہیں ہونا چاہیے، بلکہ تحرک اور نئی کوششوں کی وجہ بن جانی چاہئیں۔''فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ ''

۸۔خدا تعالیٰ کے راستے پر مخلص ہو کر چلنے سے انسان کو روحانی تقویت ہوتی ہے اور مشکلات کے تحمل کو آسان بنا دیتا ہے۔''فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ''

۹۔مردان خدا کو مشکلات اور مصیبتیں، تسلیم ہونے پر نہیں مجبور نہیں کرتیں۔مشکلات انہیں جھکا نہیں سکتیں۔''وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ ''

۱۰۔اگرچہ تم بدر میں کامیاب ہو گئے ہو لیکن تم مسلمانوں کا آئندہ راستہ جہاد و مقابلے کا راستہ ہے۔ لہٰذا صبر کرنے والے اور ثابت قدم رہو۔(گذشتہ آیات کی روشنی میں)

۱۱۔بصیرت رکھنے والے مجاہدین اپنے نفسیاتی و اندرونی حالات میں شکست تسلیم نہیں کرتے؛''فَمَا وَهَنُوْا'' نہ ہی وہ اپنی جنگی صلاحیت کو گنواتے ہیں؛''وَمَا ضَعُفُوْا'' نہ ہی حالات خراب ہونے کی وجہ سے حالات کے سامنے تسلیم ہوتے ہیں۔''وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ ''

۱۲۔فرائض کی انجام دہی اور حق پر باقی رہنا اہم ہے، ہم کامیاب ہوں یا نہ ہوں، آیت فرماتی ہے:''وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ '' یہ نہیں فرمایا: یحب الفاتحین۔

آیت نمبر ۱۴۷

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان (مخلص اور با معرفت مجاہدین) کا قول اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ انہوں نے کہا:
''اے ہمارے رب ہمارے گناہوں اور اپنے کاموں میں ہمارے زیادتیوں کو معاف فرما، ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کافر لوگوں پر فتح و نصرت عطا فرما۔''

پیغام:

۱۔ جنگ میں شکست کے عوامل و اسباب میں سے ایک گناہ اور زیادہ روی ہے۔ بعض مخلص مجاہدین ان مسائل کی وجہ سے فتح کو ناکامی میں بدل دیتے ہیں۔ ''اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا''

۲۔ اپنی شکست کو تقدیر کی خرابی یا دوسروں کے ساتھ نسبت نہ دیں۔ اپنی غلطیوں اور خطاؤں پر بھی توجہ رکھیں۔ ''ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا''

۳۔ پہلے استغفار پھر استنصار، یعنی پہلے گناہوں کی بخشش چاہیں پھر خدا تعالیٰ سے کامیابی کی درخواست کریں۔ ''اغْفِرْ لَنَا۔۔۔وَانْصُرْنَا''

۴۔ دشمن کے سامنے تسلیم ہونے کی بجائے خدا تعالیٰ کے سامنے اظہار ذلت کریں۔ ''وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ ۔۔۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا۔۔۔''

۵۔ جنگ و جدال کے مناظر، دعا و استغفار کے اوقات ہوتے ہیں۔ ''وَمَا كَانَ قَوْلَھُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا''

۶۔ مردان خدا، اللہ کی مدد اور حمایت کو صرف کفار کی نابودی کیلئے چاہتے ہیں، فخر و مباہات کرنے کیلئے نہیں۔ ''وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۴۷''

۷۔ خدا تعالیٰ کے لطف و کرم پر بھروسہ کرنا چاہیے، اپنی تعداد پر نہیں۔ ''رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ ۔۔۔ رَبَّنَا ۔۔۔ انْصُرْنَا''

آیت نمبر ۱۴۸

فَاٰتٰىھُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۴۸ۧ

ترجمۃ الآیات

تو اللہ نے انہیں دنیا میں بدلہ دیا اور آخرت میں بھی اچھا بدلہ عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

نکات:

☆ممکن ہے کہ مجاہدین کی دنیاوی جزا سے مراد ثابت قدمی اور کامیابی ہو، اور اُخری ثواب سے مراد گناہوں کی مغفرت ہو۔

پیغام:

۱۔ دنیاوی اور اُخروی سزا جزا میں بہت فرق ہے۔ ''وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ط''
دنیاوی لذتوں اور فائدوں میں بہت سی تلخیاں پائی جاتی ہیں، لیکن آخرت کا ثواب پوری طرح سے خیر اور نیکی ہے۔
۲۔ گذشتہ آیات میں ذکر ہونے والے عناوین جیسے دعا، جہاد، صبر، استغفار، ایمان اور خدا پر توکل، یہ وہ اسباب ہیں جو خدا کے نزدیک محبوبیت کا ذریعہ ہیں۔ ''وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾''

آیت نمبر ۱۴۹

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایماندارو! اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرو گے جو کافر ہو گئے ہیں تو وہ تمہیں تمہارے گذشتہ (کافر لوگوں کے) دین کی طرف پلٹا دیں گے، پھر الٹے تم ہی گھاٹے میں رہ جاؤ گے۔

نکات:

☆اس آیت کی شان نزول میں ہم پڑھتے ہیں کہ جب جنگ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہو گئی تو منافقین کے سربراہ عبد

اللہ بن اُبی نے آواز لگائی: اپنے مشرک بھائیوں کے ساتھ مل جاؤ اور اسی بت پرستی کو جاری رکھو۔ (تفسیر مجمع البیان ونور الثقلین)

پیغام:

۱۔ ارتداد اور گمراہی کا خطرہ ہر وقت مومنین کے سر پر منڈلاتا رہتا ہے۔ ’’یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِیۡعُوا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یَرُدُّوۡکُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ ‘

۲۔ زندگی کے ہر موڑ اور نشیب وفراز پر دشمن کے وسوسوں اور افواہوں سے خبردار رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آہستہ آہستہ تمہارا ان کی طرف جھکاؤ ہو جائے۔ ’’اِنۡ تُطِیۡعُوا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ‘‘

۳۔ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنا، رجعت پسندی اور تباہی ہے۔ ’’اَعۡقَابِکُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾ ‘‘

۴۔ ایمان اور فکری روحی سرمایہ کو گنوا دینا حقیقی نقصان ہے، بہشت کو ہاتھ سے دے دینا اور دوزخ حاصل کر لینا حقیقی نقصان ہے۔ ’’فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾ ‘‘

۵۔ میدان جنگ میں شکست کوئی نقصان نہیں، اعتقادی شکست اور ارتداد سب سے بڑا نقصان ہے۔ ’’فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾ ‘‘

آیت نمبر ۱۵۰

بَلِ اللّٰهُ مَوۡلٰىکُمۡ ۚ وَهُوَ خَیۡرُ النّٰصِرِیۡنَ ﴿۱۵۰﴾

ترجمة الآيات

(جو تمہارے دوست نہیں ہیں ان کی پیروی نہ کرو) بلکہ خدا تمہارا مولا ہے اور وہی بہترین مددگار ہے۔

نکات:

☆ پہلے والی آیت میں کفار کی اطاعت کے بارے میں بات کی گئی ہے، انہیں اپنا آقا یا سرپرست بنانے کے بارے میں نہیں۔ لیکن یہ جو اس آیت میں کہا گیا ہے کہ خدا تمہارا مولا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کوئی کفار کی اطاعت کرے، اصل میں اس نے کفار کو اپنا آقا و مولا بنا لیا ہے۔

☆ مرتد ہو جانے اور کفار سے وابستہ ہو کر ان کی اطاعت کرنے کا اصل سبب، عزت اور اقتدار کا حصول ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے اس آیت ۱۵۰ میں اور کئی دیگر آیات میں اس غلط نظریئے کو مسترد کر دیا ہے اور فرمایا ہے: ’’اَنَّ الۡقُوَّةَ لِلّٰهِ

جَمِيۡعًا ۙ ''(بقرہ۔١٦٥)، ''اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ؕ ''(یونس۔٦٥)

پیغام:

١۔ولایت اوراطاعت،صرف خدا تعالیٰ کیلئے منحصر ہے۔''بَلِ اللّٰهُ مَوۡلٰٮكُمۡ‌ ۚ ''

٢۔خدا تعالیٰ کو اپنا ولی اور سرپرست قرار دینا، آپ کی کامیابی کا سبب ہے۔''مَوۡلٰٮكُمۡ‌ ۚ وَهُوَ خَيۡرُ النّٰصِرِيۡنَ ﴿١٥٠﴾ ''

آیت نمبر ١٥١

سَنُلۡقِىۡ فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الرُّعۡبَ بِمَاۤ اَشۡرَكُوۡا بِاللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا ۚ وَمَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ‌ ؕ وَبِئۡسَ مَثۡوَى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿١٥١﴾

ترجمۃ الآیات

ہم بہت جلد کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب و وحشت ڈال دیں گے کیونکہ انہوں نے جس چیز کو خدا کا شریک ٹھہرایا ہے، اس (خدا کی حقانیت) پر کوئی دلیل نازل نہیں کی۔تو ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

نکات:

☆ مسلمانوں کی اُحد میں شکست کے بعد ابھی ابوسفیان اور اس کے سپاہی، مدینہ کے اطراف سے ابھی بہت دور نہیں گئے تھے کہ انہوں نے کہا: مسلمان نابود ہو گئے ہیں اور باقی رہ جانے والے بھاگ گئے ہیں، بہتر ہے کہ ہم واپس چلیں اور ان کو بھی جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔لیکن اس بات کے فوراً بعد خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ایسا خوف اور رعب طاری کیا کہ وہ شکست خوردہ لوگوں کی طرح مکہ واپس چلے گئے۔کیونکہ انہیں مسلمانوں کی طرف سے حملے کا خطرہ تھا۔(مناقب، ج١،ص١٢٦)

پیغام:

١۔اللہ تعالیٰ دشمنوں کے دلوں میں مومنین کا رعب و وحشت ڈال کر مومنین کی مدد فرماتا ہے۔''سَنُلۡقِىۡ فِىۡ قُلُوۡبِ

الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ''

۲۔غیر اللہ پر بھروسہ کرنا شرک اور خوف کا موجب ہے، جس طرح خدا پر ایمان اور اس کی یاد اطمینان کا باعث ہے۔'' الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا''

۳۔مشرک کے پاس اپنے شرک کی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔''مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ''

۴۔اصول عقائد، منطق اور استدلال کی بنیاد پر ہونے چاہئیں۔''مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ''

۵۔دلیل، الٰہی نور ہے جو دلوں پر نازل ہوتا ہے، مشرکین کے پاس ایسا نور نہیں ہے۔''مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ''

۶۔شرک، ایک طرح سے ظلم ہے۔''وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۵۱''

آیت نمبر ۱۵۲

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۵۲

ترجمۃ الآیات

اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا (جنگ اُحد کی کامیابی پر مبنی وعدہ) سچ کر دکھایا۔ کیونکہ تم نے (پہلے مرحلے میں) خدا کے حکم سے دشمن کو خوب قتل کیا، یہاں تک کہ تم سست ہو گئے اور اپنے (جنگی و تقسیم غنائم کے) کام میں جھگڑا کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد کہ خداوند عالم نے تمہاری پسند کی چیز فتح تمہیں دکھا دی پھر بھی تم نے (پیغمبرؐ کی) نافرمانی کی۔ (مال غنیمت کی لالچ میں مورچے کو خالی کر دیا اور اس طرح تمہاری شکست کی وجہ خود تمہارے ہی اعمال

تھے) تم میں کچھ لوگ وہ ہیں جو دنیا (غنائم جنگی) کو طلب کرتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو آخرت (راہ خدا میں شہادت) کے طلب گار ہیں (بہرحال) اللہ تعالیٰ نے تمہیں کفار کی طرف سے پھیر دیا (اور تمہاری کامیابی شکست میں بدل گئی) تاکہ تمہاری آزمائش کرے اور پھر اللہ تعالیٰ نے تم سے درگذر کی اور اللہ مومنین پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔

نکات:

☆ سن دو ہجری میں مسلمانوں کو جنگ بدر میں فتح حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ باقی جنگوں میں بھی انہیں ہی فتح حاصل ہوگی۔ جنگ بدر کے دوسرے سال ۳ ہجری میں جنگ احد ہوئی تو پیغمبر اسلامؐ نے پچاس افراد کو پہاڑ کے درے پر مقرر فرمایا۔ جنگ شروع ہوتے ہی مسلمانوں نے کفار پر تابڑتوڑ حملے کر کے ان کے چھکے چھڑا دیئے اور دشمن کو عبرتناک شکست ہوئی۔

لیکن افسوس کہ درے کی حفاظت پر ماموران پچاس افراد میں اختلاف پیدا ہو گیا، کچھ لوگوں نے کہا ہماری فتح یقینی ہو چکی ہے لہٰذا وہ مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے درے کو چھوڑ کر چلے گئے اور تھوڑے سے لوگ اس جگہ باقی رہ گئے۔ شکست خوردہ دشمن نے اسی خالی درے سے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا، جس سے مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی اور بہت سے لوگ شہید ہو گئے۔ یہاں تک کہ خود حضور گرامیؐ کی جان بھی زبردست خطرے میں پڑ گئی اور بہت سے مسلمان میدان جنگ سے فرار کر گئے۔

جنگ ختم ہو جانے کے بعد کچھ مسلمان آنحضرتؐ پر تنقید کرتے ہوئے کہنے لگے ''کیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح کی نوید نہیں دی تھی؟ اگر ایسا ہے تو پھر ہمیں شکست کیوں ہوئی؟'' آیت ۱۵۲ اسی سوال کا جواب دے رہی ہے کہ خدا کا وعدہ سچا ہے لیکن تمہاری طرف سے تین باتیں ایسی ہوئیں جو تمہاری شکست کا سبب بن گئیں: ۱۔ کمزوری، ۲۔ باہمی جھگڑا، ۳۔ رسولخداؐ کی نافرمانی۔

پیغام:

۱۔ خدا کے وعدے کے پورا ہونے کا مقصد یہ نہیں کہ خدا کے مقرر کردہ طریقہ کار کو نظرانداز کر دیا جائے۔ خدا کی نصرت کا وعدہ اس وقت تک ہے جب تک تم خود اپنے فرض پر عمل درآمد کرو گے۔ ''وَلَقَدۡ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَهُمۡ بِاِذۡنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلۡتُمۡ وَتَنَازَعۡتُمۡ''

۲۔ شکست کے عوامل میں سے سستی، جھگڑا اور کمانڈر کی اطاعت نہ کرنا ہے۔ ''فَشِلۡتُمۡ وَتَنَازَعۡتُمۡ فِى الۡاَمۡرِ وَعَصَيۡتُمۡ''

۳۔لوگ مختلف اہداف کی خاطر جنگ لڑتے ہیں۔بعض لوگ دنیا کیلئے جنگ کرتے ہیں اور بعض آخرت کیلئے لڑتے ہیں ''مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الدُّنۡیَا وَمِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الۡاٰخِرَۃَ ''

۴۔جنگ میں استقامت، اتحاد قائم رکھنا، اطاعت کرتے رہنا، مجاہدین کا آخرت چاہنا ہے۔''مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الۡاٰخِرَۃَ ''

۵۔جو لوگ فتح جیسی نعمت کا شکر بجالانے کی بجائے اختلافات کا شکار ہوجاتے ہیں، سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور راہبر کی نافرمانی کرتے ہیں، ان کی سزا یہی ہے کہ وہ شکست سے دوچار ہوں۔''صَرَفَکُمۡ عَنۡہُمۡ ''

۶۔بیرونی شکست کا موجب اندرونی شکست ہوتی ہے، جب تم اندرونی طور پرست ہوگئے، آپس میں لڑنے لگے اور گناہ کے مرتکب ہوئے تو بیرونی طور پر بھی شکست سے دوچار ہوئے۔''فَشِلۡتُمۡ ۔۔۔صَرَفَکُمۡ عَنۡہُمۡ ''

۷۔شکست، الٰہی آزمائش کا ذریعہ ہے۔''لِیَبۡتَلِیَکُمۡ ''

۸۔نافرمانی اور شکست کے بعد بھی خدا کے لطف وکرم سے مایوس نہ ہوں۔''عَفَا عَنۡکُمۡ ''

۹۔ایمان کی وجہ سے خدا تعالیٰ کا خاص فضل حاصل ہوتا ہے۔''عَفَا عَنۡکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۵۲﴾''

۱۰۔کسی مومن کو ایک خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے اہل ایمان کی صفوں سے خارج نہیں کر دینا چاہیے، بلکہ ایک سو مرتبہ خبردار کرنا چاہیے، دوسری طرف نرمی کے ساتھ اسے ترغیب دلانی چاہیے کہ وہ گناہ اور خلاف ورزی نہ کرے۔''عَفَا عَنۡکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۵۲﴾''

آیت نمبر ۱۵۳

اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤی اَحَدٍ وَّالرَّسُوۡلُ یَدۡعُوۡکُمۡ فِیۡۤ اُخۡرٰىکُمۡ فَاَثَابَکُمۡ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّکَیۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵۳﴾

ترجمۃ الآیات

(اس وقت کو یاد کرو) جب تم (جنگ احد میں بھاگتے ہوئے) پہاڑ پر چڑھ رہے تھے اور کسی کی طرف توجہ نہیں کر رہے تھے اور رسول خداؐ (دوسروں کی امداد کے لیے) تمہیں پیچھے سے بلا

رہے تھے۔ (لیکن تم نے ان کی طرف بھی توجہ نہیں دی) جس کے نتیجہ میں اللہ نے ایک غم کے بعد دوسرے کی صورت میں تمہیں سزا دی (یہ دباؤ اور غم اس لیے تھا کہ آئندہ) اس وجہ سے کہ جو چیز (غنیمت) تمہارے ہاتھوں سے چلی گئی ہے یا اس بنا پر کہ جو دکھ تمہیں پہنچا ہے اس پر غم نہ کرو اور جو کام تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

نکات:

☆ ''فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ'' کے بارے میں مختلف تفاسیر بیان ہوئی ہیں:

۱۔ خدا تعالیٰ نے کفار کی مسلمانوں پر کامیابی کے غم پر دوسرا غم بھیجا جو کہ غنائم کا ہاتھ سے چلا جانا تھا۔ دوسرے غم نے پہلے غم کی جگہ لے لی۔ وہ غم جس کی وجہ سے آپ لوگوں نے پیغمبر کے دل کو دکھی کیا۔

۲۔ وہ غم جو آپ لوگوں نے پیغمبرؐ کے دل پر وارد کیا ہے، اس کی سزا کے طور پر خدا تعالیٰ نے آپ کو غم و اندوہ میں گرفتار کر دیا ہے۔

۳۔ پیغمبرؐ کی نافرمانی اور جنگ سے فرار کی سزا کے طور پر خدا تعالیٰ نے تم پر ایک کے بعد دوسرا غم نازل کیا۔

☆ روایات کی بنیاد پر، پہلا غم، جنگ اُحد میں شکست تھا اور دوسرا غم، مسلمانوں پر خالد بن ولید کا تسلط قائم ہونا تھا، جو آئندہ بہت سے غموں اور شکست کا باعث بنا۔ (تفاسیر برہان و راہنما)

پیغام:

۱۔ سستی، اختلاف اور سپہ سالار کی نافرمانی کا نتیجہ میدان جنگ سے فرار، شکست اور سراسیمگی ہوتا ہے۔ ''حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ ۔۔۔اِذْ تُصْعِدُوْنَ''

۲۔ اپنے ضعیف نکات کو یاد کرنا، اصل میں تجربات سے فائدہ اٹھانا ہے۔ ''اِذْ تُصْعِدُوْنَ''

۳۔ خطرے کے وقت انسان سوائے اپنے، کسی اور کی طرف دھیان نہیں دیتا۔ کسی دوسرے کی فکر میں نہیں ہوتا، اسے صرف اپنی ہی فکر ہوتی ہے۔ ''وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ''

۴۔ بزدل اور کمزور ایمان لوگوں پر راہبر کی پکار بھی اثر نہیں کرتی۔ ''وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ''

۵۔ راحت اور آسانی کے دنوں میں کسی کے ساتھ اظہار محبت، زیادہ اہم نہیں ہوتا، سخت اور مشکل ایام میں اسے فراموش نہ کرنا زیادہ اہم ہوتا ہے۔ ان دنوں میں اس کے ساتھ ہمدردی اور حمایت کرنا، سچی دوستی کی علامت ہے۔ ''وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ ۔۔۔''

۶۔ جب سب لوگ فرار کر رہے ہوں تو راہبر کو میدان میں کھڑے رہنا چاہیے اور فرار کرنے والوں کو پکارنا چاہیے۔

"وَّالرَّسُوۡلُ یَدۡعُوۡکُمۡ ۔۔۔"

۷۔ فرائض کی انجام دہی میں ایک لمحہ کی غفلت، رنج وغم کے مسلسل ہجوم کا باعث بن جاتی ہے۔ "غَمًّاۢ بِغَمٍّ"

۸۔ گذشتہ مصائب ومشکلات سے سبق حاصل کریں، گزشتہ مصیبتوں اور ناکامیوں کے غم کو دل سے لگا کر نہ رکھو۔ "لِّکَیۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَکُمۡ ؕ"

آیت نمبر ۱۵۴

ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَۃً نُّعَاسًا یَّغۡشٰی طَآئِفَۃً مِّنۡکُمۡ ۙ وَطَآئِفَۃٌ قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ یَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ غَیۡرَ الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاهِلِیَّۃِ ؕ یَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ کُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ یُخۡفُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ مَّا لَا یُبۡدُوۡنَ لَکَ ؕ یَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ کَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا هٰهُنَا ؕ قُلۡ لَّوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ لَبَرَزَ الَّذِیۡنَ کُتِبَ عَلَیۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰی مَضَاجِعِهِمۡ ۚ وَلِیَبۡتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ وَلِیُمَحِّصَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۵۴﴾

ترجمۃ الآیات

پھر (خدا نے) اس رنج کے بعد تم پر اطمینان کی حالت طاری کر دی کہ تم پر ہلکی سی نیند بھیج دی اور اس سے تم میں سے ایک گروہ کو گہری نیند آ گئی (جس سے ان کی تھکاوٹ اور اضطرابی کیفیت دور ہو گئی، یہ وہ لوگ تھے جو جنگ احد سے اپنے فرار کے باعث پریشان تھے اور انہوں نے توبہ کی) اور ایک گروہ وہ تھا جس کا کلی ہدف اپنی جان کی حفاظت ہی تھا وہ (خدائی

وعدوں پر) زمانہ جاہلیت جیسی ناحق بدگمانیاں کرنے لگے۔ (انہیں نیند نہیں آئی اور) کہنے لگے: کیا یہ امر (نصرت الٰہی میں سے) کچھ بھی ہمارے اختیار میں ہے؟ تو (اے پیغمبرؐ!) آپؐ کہہ دیں کہ ہر امر (کامیابی) کا اختیار خدا ہی کو ہے۔ وہ اپنے دلوں میں ایسی چیز کو چھپاتے ہیں جو آپؐ کے لیے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ اگر اس امر (جنگ کے طریقہ کار کے بارے میں فیصلہ کرنے) میں ہمارا کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں پر مارے نہ جاتے۔ (ان سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو بھی جن کے لیے لڑ کے مرجانا لکھا تھا وہ اپنے پاؤں چل کر قتل گاہ کی طرف روانہ ہو جاتے اور (احد کا یہ حادثہ) اس لیے ہے تاکہ خدا تمہیں اس بارے آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے پاک اور خالص کر دے اور اللہ تعالیٰ دلوں کے راز خوب جانتا ہے۔

پیغام:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ احد میں خلاف ورزی کرنے اور باہمی اختلافات میں الجھ جانے پر تمہیں تنبیہ ضرور کی ہے لیکن تمہیں اپنے حال پر نہیں چھوڑ دیا۔ ''ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَۃً''

۲۔ خدا تعالیٰ تلخ و ناگوار حوادث کی گرماگرمی میں مومنین کے دلوں کو آرام وسکون عطا فرماتا ہے۔ ''بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَۃً''

۳۔ نیند بھی خدا کی طرف سے ایک تحفہ اور سکون کا باعث ہے۔ ''اَنۡزَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَۃً نُّعَاسًا''

۴۔ سب مجاہدین کی روحانی کیفیت، ان کے عقائد اور ان کے تجزیئے یکساں نہیں ہوا کرتے۔ ''طَآئِفَۃً مِّنۡکُمۡ ۙ وَ طَآئِفَۃٌ ۔۔۔''

۵۔ اپنے ہی حصار میں رہنے سے الٰہی وعدوں کے بارے میں بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ''اَہَمَّتۡہُمۡ اَنۡفُسُہُمۡ یَظُنُّوۡنَ بِاللّٰہِ غَیۡرَ الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاہِلِیَّۃِ ؕ''

۶۔ بحرانی کیفیت اور شکست کھا جانے کے بعد بھی خدا اور اس کے وعدوں پر بدگمانی سے کام نہ لو۔ ''وَ طَآئِفَۃٌ قَدۡ اَہَمَّتۡہُمۡ اَنۡفُسُہُمۡ یَظُنُّوۡنَ بِاللّٰہِ غَیۡرَ الۡحَقِّ''

۷۔ خدا تعالیٰ کے وعدوں کے بارے میں برا گمان کرنا، ناانصافی، بے بنیاد اور جاہلیت کے افکار وعقائد میں سے ہے۔ ''یَظُنُّوۡنَ بِاللّٰہِ غَیۡرَ الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاہِلِیَّۃِ ؕ''

۸۔ خود پسندی اور آسائش پسند ہونا، انسان کو مرضی الٰہی کے دائرہ سے نکال دیتا ہے۔ ''قَدۡ اَہَمَّتۡہُمۡ اَنۡفُسُہُمۡ

یَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاہِلِیَّۃِ ؕ ''

۹۔ یہ سوچ کہ مسلمانوں کو حتی سستی، اختلاف اور نافرمانی کی صورت میں بھی شکست نہیں ہونی چاہیے، ایک جاہلانہ سوچ ہے۔ ''ظَنَّ الْجَاہِلِیَّۃِ ؕ ''

۱۰۔ضعیف الایمان افراد، اپنی شکست کو عدم نصرت الٰہی سے منسوب کرتے ہیں۔ کہتے ہیں خدا ہی نے ہماری مدد نہیں کی۔ ''یَقُوْلُوْنَ لَوْ کَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا ھٰہُنَا ؕ ''

۱۱۔ایسے سوالات کرنا کہ جن سے مجاہدین کے اندر کمزوری اور شکوک وشبہات پیدا ہو جائیں، ممنوع ہیں۔ ''ھَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ''

۱۲۔ جب وسوسے جنم لینے لگیں اور شکوک وشبہات پیدا ہونے لگیں تو پختہ کاری کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ''قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّہٗ لِلّٰہِ ؕ ''

۱۳۔ آسائش طلب اور خود محور وتکبر کرنے والے مسلمان ہمیشہ نفسیاتی طور پر عدم اطمینان کا شکار رہتے ہیں۔ ''یُخْفُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِہِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَکَ ؕ ''

۱۴۔ جو افراد صرف خود ہی کو معیار قرار دیتے ہیں وہ ہمیشہ توقع رکھتے ہیں کہ فیصلہ جات میں ان کی رائے کو قبول کیا جائے گا۔ ''اَھَمَّتْھُمْ اَنْفُسُھُمْ یَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاہِلِیَّۃِ ؕ یَقُوْلُوْنَ ھَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ ---''

۱۵۔حتمی تقدیر کے فیصلوں سے فرار ممکن نہیں ہے۔ ''لَّوْ کُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِکُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ ---''

۱۶۔ پروردگار کی طرف سے حتمی تقدیر کے فیصلوں پر اعتقاد رکھنے سے انسان کو سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ ''لَبَرَزَ الَّذِیْنَ کُتِبَ عَلَیْہِمُ الْقَتْلُ اِلٰی مَضَاجِعِہِمْ ۚ ''

۱۷۔تلخ حوادث اور میدان جنگ میں شکست، اصل میں الٰہی امتحان کے طریقوں میں سے ایک ہے، جس انسان کی اندرونی کیفیت اور ایمان کے درجات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ''وَلِیَبْتَلِیَ اللّٰہُ مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ ''

۱۸۔ یہ تمام واقعات اور ماجرا، تمہاری روح وفکر کی تجلی کے مواقع فراہم کرتے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ تو پہلے ہی سب کی روحانی اور فکری کیفیت سے واقف ہے۔ ''وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ ''

آیت نمبر ۱۵۵

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّھُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ

غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۱۵۵﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک جس دن (جنگ احد میں) دو لشکر ایک دوسرے سے ٹکرا گئے اس دن تم میں سے جو لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ شیطان نے ان کے بعض ناپسندیدہ کردار کی وجہ سے ان کے قدم اکھاڑ دیئے، یقیناً اللہ نے ان کو معاف کر دیا بے شک خدا بڑا بخشنے والا بردبار ہے۔

نکات:

☆ یہ آیت جنگ احد میں مسلمانوں کے فرار کے بارے میں ہے جیسا کہ تفسیروں میں بیان ہوا ہے کہ اس جنگ میں تیرہ آدمیوں کے سوا باقی سارے کے سارے راہ فرار اختیار کر گئے۔ ان تیرہ افراد میں سے پانچ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔ لیکن سوائے علی ابن ابی طالبؑ کے ان تیرہ آدمیوں کے ناموں میں اختلاف ہے۔

☆ جنگ اُحد میں ان جنگی حالات میں مسلمانوں کے چار حصے ہو گئے تھے: ۱۔ شہدا، ۲۔ صابرین (میدان جنگ میں باقی رہنے والے افراد)، ۳۔ فرار کر جانے والے افراد کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا، ۴۔ منافقین۔

پیغام:

۱۔ جنگ سے فرار کی ایک وجہ گناہ ہے۔ ''تَوَلَّوۡا مِنۡکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّھُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا ۚ''

۲۔ گناہ کی وجہ سے شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا موقعہ ملتا ہے۔ ''اسۡتَزَلَّھُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا ۚ''

۳۔ خطا کار کو ہمیشہ کیلئے دھتکارنا نہیں چاہیے اور نہ ہی اس کو سزا دینے میں جلدی کرنا چاہیے۔ ''عَفَا اللّٰہُ عَنۡھُمۡ ؕ''

۴۔ خدا تعالیٰ گنہگاروں کو معاف فرماتا ہے پس تم بھی انہیں ملامت نہ کرو۔ ''عَفَا اللّٰہُ عَنۡھُمۡ ؕ''

آیت نمبر ۱۵۶

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَقَالُوۡا

لِاِخۡوَانِهِمۡ اِذَا ضَرَبُوۡا فِى الۡاَرۡضِ اَوۡ كَانُوۡا غُزًّى لَّوۡ كَانُوۡا عِنۡدَنَا مَا مَاتُوۡا وَمَا قُتِلُوۡا ۚ لِيَجۡعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسۡرَةً فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۱۵۶﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایماندارو! ان لوگوں کی مانند نہ ہو جاؤ جو کافر ہو گئے اور ان کے جو بھائی بند سفر کو نکلے یا جہاد کرنے گئے ہیں ان کے بارے میں کہنے لگے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے (تم بلکہ شوق کے ساتھ میدان جہاد میں جاؤ تاکہ) خدا تعالیٰ (تمہاری شجاعت اور شہادت طلبی کو) ان کے دلوں میں باعث حسرت بنا دے۔ خدا ہی جلاتا اور مارتا ہے اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو خدا اسے دیکھ رہا ہے۔

پیغام:

۱۔ جنگ ختم ہو جانے کے بعد دشمن، سست کر دینے والا پراپیگنڈہ کرتا ہے۔ ''لَّوۡ كَانُوۡا عِنۡدَنَا مَا مَاتُوۡا وَمَا قُتِلُوۡا ۚ'' اگر مجاہدین ہمارے پاس ہوتے تو نہ مارے جاتے اور نہ قتل کر دیے جاتے۔

۲۔ دشمن دلسوزی، افسوس اور حسرت کی آڑ میں زہریلی باتیں پھیلاتا ہے۔ ''لَّوۡ كَانُوۡا عِنۡدَنَا''

۳۔ جس کی زندگی کا مقصد صرف مادی زندگی ہوتا ہے وہ موت اور شہادت کو ایک خسارہ تصور کرتا ہے۔ ''لَّوۡ كَانُوۡا عِنۡدَنَا مَا مَاتُوۡا وَمَا قُتِلُوۡا ۚ''

۴۔ منافق، کافر ہیں کیونکہ ایسی بات کرنے والے منافق تھے لیکن قرآن پاک نے انہیں ''كَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا'' کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

۵۔ موت اور حیات، خدا کی تقدیر کے تابع ہیں، جنگ اور سفر سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ ''وَاللّٰهُ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ؕ''

۶۔ الٰہی تقدیر پر ایمان کی مضبوطی، زندگی کے مختلف میدانوں اور جہاد میں ثابت قدمی کا موجب ہے، خوف اور وحشت سے دوری کا باعث ہے۔ ''وَاللّٰهُ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ؕ''

۷۔ خداوند عالم دیکھ اور سن رہا ہے لہٰذا اپنے اعمال، افکار اور احوال کا خاص خیال رکھا کرو۔ ''وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ

بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ ‘‘

آیت نمبر ۱۵۷

وَلَىِٕنۡ قُتِلۡتُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحۡمَةٌ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾

ترجمۃ الآیات

(بالفرض) اگر تم راہ خدا میں مارے گئے یا مر گئے (تو نقصان میں نہیں رہے) کیونکہ خداوند عالم کی مغفرت اور رحمت ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جو تم (اپنی زندگی میں) جمع کرتے ہو۔

نکات:

☆ پچھلی آیت میں منافقین کی طرف سے مسلمانوں کو سست کرنے کیلئے اٹھائے جانے والے نکات کا جواب اس آیت میں خدا تعالیٰ دو نکات کو بیان کر کے دے رہا ہے:

الف: موت و حیات اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے میدان جنگ میں جانے سے عمر کے طولانی ہونے میں نہیں ہوتی۔

ب: جو کوئی راہ خدا میں قدم اٹھائے اگر وہ مارا جائے یا شہید ہو جائے تو وہ کامیاب ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی عمر دے کر رحمت اور مغفرت حاصل کر لی ہے لہٰذا اس نے کچھ ہارا نہیں ہے۔

☆ جو لوگ میدان جنگ میں شرکت کیلئے جاتے ہوئے دوران سفر، یا علم حاصل کرتے ہوئے، یا حج و زیارات کے سفر کے دوران، تبلیغ اور وعظ و نصیحت کرتے ہوئے یا کسی بھی نیک مقصد کے تحت کوئی کام کرتے ہوئے دنیا سے چلے جائیں تو وہ اللہ کی مغفرت اور رحمت میں شامل ہونگے۔

پیغام:

۱۔ الٰہی نقطہ نگاہ سے خدا کی راہ میں موت اور شہادت تمام دنیا اور اس میں جمع کی ہوئی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ ’’لَىِٕنۡ قُتِلۡتُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَوۡ مُتُّمۡ ۔۔۔‘‘

۲۔ سب سے اہم بات ’خدا کی راہ میں ہونا‘ ہے، خواہ اس راہ میں شہادت نصیب ہو یا موت آجائے۔ ’’قُتِلۡتُمۡ فِىۡ

سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَوۡ مُتُّمۡ ۔۔۔"

٣۔ پہلے اپنی بخشش کا سامان کرو پھر رحمت الٰہی میں شامل ہو جاؤ گے۔ "لَمَغۡفِرَةٌ" کا کلمہ "رَحۡمَةٌ" سے پہلے آیا ہے۔

٤۔ مغفرت اور رحمت کا نتیجہ ابدی ہے، لیکن مال و دولت ایک وقتی اور عارضی چیز ہوتی ہے۔ "لَمَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحۡمَةٌ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ۝١٥٧"

آیت نمبر ١٥٨

وَلَئِنۡ مُّتُّمۡ اَوۡ قُتِلۡتُمۡ لَاِالَى اللّٰهِ تُحۡشَرُوۡنَ ۝١٥٨

ترجمة الآيات

اگر مر جاؤ یا مار ڈالے جاؤ تو یقیناً خدا ہی کی طرف لے جائے جاؤ گے۔

نکات:

☆ ١٥٧ نمبر آیت میں جملہ "فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ" نہیں آیا، تاکہ یہ بات واضح کر دی جائے کہ سب لوگ جو کسی بھی راہ میں مارے جائیں یا مر جائیں، اللہ ہی کی طرف سب نے پلٹ کر جانا ہے۔ اب جبکہ سب کے لیے موت حتمی ہے اور یہ بھی طے ہے کہ سب کا خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں محشور ہونا حتمی ہے تو پھر اپنی رضایت کے ساتھ بہترین راستے کا انتخاب نہیں کرتے؟ اگر موت اور شہادت کے نتیجہ میں خدا ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے تو پھر شہادت کو قبول کرنے سے گھبراہٹ کیوں؟

امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں:

فان تكن الابدان للموت انشئت
فقتل امرء فى الله بالسيف افضل

اگر جسموں کو موت کیلئے پیدا کیا گیا ہے تو پھر مرد کیلئے بہترین یہ ہے کہ وہ خدا کی راہ میں تلوار کے ساتھ قتل کر دیا جائے۔
(بحار، ج ٤٤، ص ٣٧٤)

آیت نمبر ١٥٩

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ

لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۪ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

ترجمة الآیات

تو (اے ہمارے رسولؐ!) تم اس رحمت کی وجہ سے جو خدا کی طرف سے تمہارے شامل حال رہی ہے ان لوگوں پر مہربان ہوئے ہو۔ اگر تم بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے گرد سے منتشر ہو جاتے۔ پس تم ان لوگوں کی تقصیروں کو معاف کر دو، ان کے لیے بخشش کی دعا کرو اور کام کاج میں ان سے مشورہ کر لیا کرو، تاہم جب کسی کام کا پختہ ارادہ کر لو تو (اس پر سختی سے قائم رہو اور) خدا (کی ذات) پر توکل کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

نکات:

☆ اگرچہ آیت کا مفہوم اور مطلب کلی ہے لیکن یہ جنگ اُحد کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ جو مسلمان جنگ کے میدان سے شکست کھا کر بھاگ گئے تھے وہ افسوس، ندامت اور پشیمانی کی آگ میں جل رہے تھے۔ وہ آنحضرتؐ کے گرد اکٹھے ہو گئے اور معذرت طلبی شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے ان کے لیے عمومی معافی کا اعلان فرما دیا۔

☆ ''شُور'' کا اصل مطلب شہد کی مکھی کا پھول سے رس چوسنا ہے۔ انسان مشورہ کرتے ہوئے بھی دوسرے افراد سے ان کی بہترین رائے حاصل کرتا ہے۔

مولوی کہتا ہے:

کاین خردها چون مصابیح ، انور است
بیست مصباح ، از یکی روشنتر است

انسانی عقلیں روشن چراغ کی مانند ہیں، ان میں سے بیس چراغ ایک دوسرے سے زیادہ روشنی دینے والے ہیں۔

پیغام:

١۔ نرمی اور مہربانی خدا کا ایک ہدیہ ہے۔ ''فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ''

٢۔ سنگدل اور سخت گیر قسم کے لوگ عوامی قیادت نہیں کر سکتے۔ ''لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ''

٣۔ اسلام کے حکومتی نظام کی بنیاد محبت اور لوگوں سے قریبی و گہرے رابطے وتعلق پر ہے۔ ''حَوْلِكَ''

٤۔ صحیح راہبری اور قیادت، درگذر اور محبت کے ساتھ ہوتی ہے۔ ''فَاعْفُ عَنْهُمْ''

٥۔ پشیمان خطا کاروں اور شرمندہ گنہگاروں کو قبول کر لینا چاہیے اور انہیں اپنے ساتھ ملا لینا چاہیے۔ ''فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ''

٦۔ وقتی اور عارضی ناکامی کی وجہ سے مشورہ کی اہمیت کو نظرانداز نہ کرو۔ ''وَشَاوِرْهُمْ''
(جنگ احد میں شہر سے باہر جا کر جنگ کرنے کا مشورہ اگرچہ شکست پر منتج ہوا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مشورے کی اہمیت اور فوائد کو نظرانداز کر دیا جائے۔)

٧۔ پیغمبر اکرمؐ کے فرائض میں سے تھا کہ حتیٰ ان افراد کے ساتھ جو ماضی میں لغزش کر چکے تھے، ان کے ساتھ بھی مشورہ کریں۔ ''وَشَاوِرْهُمْ''

٨۔ آپؐ پر جو ظلم ہوا ہے اسے معاف کر دیں۔ ''فَاعْفُ عَنْهُمْ'' جو گناہ انہوں نے خدا کی نسبت سے انجام دیا ہے اس بارے میں طلب مغفرت کریں۔ ''وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ'' اس کے علاوہ سیاسی وسماجی مسائل میں ان کے ساتھ مشورہ کریں۔ ''وَشَاوِرْهُمْ''

٩۔ پیغمبرؐ کا امت کے بارے استغفار کرنا، حکم خدا کے ساتھ ہے، اس لیے یہ طلب مغفرت ضرور قبول بھی کی جائے گی۔ ''وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ''

١٠۔ مشورہ کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ایک حاکمیت نہیں رہی یا کسی کو حتمی فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں رہا۔ ''وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ''

١١۔ غور وفکر کرنے اور مشورہ کرنے کے ساتھ ساتھ خدا پر توکل کرنا فراموش نہ ہو جائے۔ ''فَتَوَكَّلْ''

١٢۔ پہلے مشورہ کیا جائے پھر خدا تعالیٰ پر توکل کیا جائے۔ اسی میں تمام مشکلات کا راہ حل ہے۔ چاہے ہم نتیجہ پر پہنچیں یا نہ پہنچ پائیں۔ ''وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ ۔۔۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾''

آیت نمبر ١٦٠

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ

يَنۡصُرُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾

ترجمۃ الآیات

اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی بھی تم پر غلبہ نہیں پائے گا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے گا تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے؟ اور مومنین کو چاہیے کہ وہ صرف خدا ہی پر توکل کریں۔

نکات:

☆ اس سے پہلی آیت میں خدا پر توکل کرنے کی سفارش کی گئی ہے اور اس آیت میں توکل کی دلیل پیش کی گئی ہے کہ عزت اور ذلت صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔

☆ حدیث میں ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے جناب جبرائیلؑ سے پوچھا کہ خدا پر توکل کیا ہے؟ انہوں نے کہا: آپؐ اس بات کا یقین پیدا کرلیں کہ مخلوق آپؐ کو نہ تو کسی قسم کا فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتی ہے، پس غیر اللہ سے مکمل طور پر مایوس ہو جائیں۔ اگر انسان اس درجہ تک پہنچ جائے تو وہ خدا کے علاوہ کسی کی رضا کے لیے کام نہ کرے، خدا کے علاوہ کسی سے نہ ڈرے، خدا کے علاوہ کسی سے امیدیں وابستہ نہ کرے اور یہی حقیقی توکل ہے۔ (بحار، ج ۱۷، ص ۱۳۸)

☆ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جب انسان اور گناہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو اور انسان گناہ کو انجام دے تو یہ خدا کی طرف سے خذلان (لاپرواہی) ہے۔ (تفسیر برہان، ج ۱، ص ۳۲۳)

پیغام:

۱۔ صرف خدا تعالیٰ کی مدد و نصرت ہے جو کسی چیز سے مغلوب نہیں ہوتی، کسی چیز کے تحت الشعاع نہیں جاتی۔ ''اِنۡ يَّنۡصُرۡكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمۡ ۚ''

۲۔ فتح یا شکست دونوں خدا کے ارادے سے ہی ہوتی ہے۔ ''يَّنۡصُرۡكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمۡ ۚ وَاِنۡ يَّخۡذُلۡكُمۡ''

۳۔ ایمان، خدا پر توکل سے الگ نہیں ہے۔ ''فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾''

آیت نمبر ۱۶۱

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنۡ يَّغُلَّ ؕ وَمَنۡ يَّغۡلُلۡ يَاۡتِ بِمَا غَلَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ۚ

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ۝۱۶۱

ترجمۃ الآیات

اور یہ بات ممکن ہی نہیں کہ کوئی نبی خیانت کرے اور جو شخص خیانت کرے گا اسے قیامت کے دن (عرصہ محشر) میں وہی چیز لانی پڑے گی جس کی اس نے خیانت کی ہوگی۔ پھر ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا۔

نکات:

☆ شاید یہ آیت ان لوگوں کے جواب میں ہے کہ جنہوں نے جنگ احد میں غنیمت لوٹنے کی غرض سے اپنے مورچے کو چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے اس گمان سے کہ اپنے غنیمت کے حصے سے محروم نہ ہو جائیں، اپنے سالار کے اس اعلان کو نظر انداز کر دیا جو اس نے کیا تھا کہ تمہارا حصہ محفوظ ہے اور رسولخداؐ کی نگاہوں سے دور نہیں ہے۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ پیغمبرؐ تمہارے غنیمت کے حصے میں سے خیانت نہیں کریں گے، پس تم مطمئن رہو اور اپنے فریضہ کو ادا کرو۔

☆ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: خائن (چور) شخص کے سامنے دوزخ میں قیامت کے دن، چوری شدہ اور لوٹا ہوا مال مجسم شکل میں پیش کیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ اس آگ میں داخل ہو جاؤ اور اسے باہر نکالو۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ ملاوٹ، جعل سازی، قبضہ کر لینا اور خیانت کرنا ''غل'' کے موارد میں سے ہے۔ اسی سلسلے میں ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص رسولخداؐ کی طرف سے زکوٰۃ کی جمع آوری پر مامور تھا۔ رسول پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: مال کی یہ مقدار جو میں نے اکٹھا کی ہے ''زکوٰۃ'' ہے، یہ مال آپؐ کے لیے ہے اور یہ مال لوگوں نے مجھے ہدیہ کے طور پر دیا ہے، جو میرا حصہ ہے۔ حضور اکرمؐ منبر پر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا: ''اگر یہ شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہتا تو کیا کوئی شخص اسے ہدیہ دیتا؟ خدا کی قسم! یہ شخص اس قسم کے حرام مال کے ساتھ قیامت میں محشور ہوگا۔'' (تفسیر فرقان)

☆ جہاں لوگ انبیا کے بارے میں بدبین ہو جاتے تھے وہاں آپ اپنے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں؟ امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ تمام لوگوں کی رضایت حاصل نہیں کی جا سکتی اور نا ہی اس کی زبانوں کو کنٹرول کیا جا سکتا ہے ان کی زبانوں کو کنٹرول نہیں کیا جا سکتا۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ نہ صرف پیغمبر اسلامؐ بلکہ تمام انبیائے الٰہی امین ہیں۔ ''وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ۔۔۔'' نبوت کا خیانت سے کوئی تعلق نہیں۔

اگر کوئی چاہتا ہے کہ کسی کی ایسی تربیت کرے کہ وہ بڑا ہو کر امین ہو تو ضروری ہے کہ تربیت کرنے والا خود بھی امین ہو، خیانت کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ اگرچہ غیر الٰہی راہبروں میں خیانت کرنے والے کم نہیں ہیں۔

۲۔ لوگوں کی بدگمانیوں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے، حتی انبیا بھی نہیں بچ سکے۔ ''وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنۡ يَّغُلَّ ؕ''

(ایمان کی کمزوری ایک طرف سے اور دنیا کی محبت دوسری طرف سے، انسان کو آمادہ کرتی ہے کہ وہ انبیا کے بارے میں بدگمانی کرے۔)

۳۔ پاک دل افراد اور انبیا کی حرمت کا دفاع کرنا چاہیے۔ ''وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنۡ يَّغُلَّ ؕ ---''

۴۔ مال حرام کا دکھاوا قیامت کے دن سزا کا متوجب ہوگا۔ کس قدر مشکل صورت حال ہوگی، اس وقت جب قیامت میں، انبیا، شہدا اور عوام الناس کے سامنے انسان کو اس مال کے ساتھ پیش کیا جائے گا، جس کے بارے میں اس نے خیانت کی ہوگی۔ ''يَّغۡلُلۡ يَاۡتِ''

۵۔ قیامت کی یاد، انسان کو خیانت کرنے سے روکتی ہے۔ ''يَّغۡلُلۡ يَاۡتِ''

۶۔ خیانت، خیانت ہی ہوتی ہے، اس کی مقدار اہم نہیں ہے۔ ''يَاۡتِ بِمَا غَلَّ'' (اس جملہ يَاۡتِ بِمَا غَلَّ میں کلمہ ''مَا'' سے مراد ہر مقدار ہے خواہ وہ جتنی بھی کم ہو۔)

۷۔ قیامت میں ایسا منظر ہے جہاں نیک لوگ اپنے اچھے اعمال لے کر آئیں گے۔ ''جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ'' (انعام۔ ۱۶۰)۔ جبکہ خیانت کرنے والے اپنی خیانتوں کے ہمراہ پیش کیے جائیں گے۔ ''يَاۡتِ بِمَا غَلَّ''

۸۔ خدا تعالیٰ عادل ہے، وہ پوری پوری جزا عطا فرماتا ہے اور ذرہ برابر زیادتی نہیں کرتا۔ ''وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ۝۱۶۱''

آیت نمبر ۱۶۲۔ ۱۶۴

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَ اللّٰهِ كَمَنۡۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاۡوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ۝۱۶۲

هُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۱۶۳

ترجمۃ الآیات

کیا جو شخص خدا کی خوشنودی کے تابع ہے وہ اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو خدا کے غیظ و غضب

کی طرف آ جائے؟ اور اس کا ٹھکانا جہنم ہو اور وہ بہت ہی بری بازگشت ہے۔

وہ لوگ اللہ کے نزدیک (مثل) درجات کے ہیں اور جو کچھ وہ انجام دیتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دیکھ رہا ہے۔

نکات:

☆ اس آیت کی شان نزول میں ہے کہ جب حضرت رسولخدا نے احد کی طرف چلنے کا حکم صادر فرمایا تو منافقین مختلف بہانوں سے مدینہ میں رہ گئے۔ کچھ ضعیف الایمان مسلمان بھی ان ہی کی پیروی میں شہر میں رہ گئے اور میدان جنگ میں نہ آئے۔

☆ اسی سورت کی آیت ۱۵۵ میں ہم نے پڑھا کہ جو لوگ میدان جنگ سے فرار کر گئے تھے لیکن بعد میں پشیمان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا، لیکن اس آیت میں شان نزول کے پیش نظر اللہ تعالیٰ بہانہ ساز، امیر لوگوں اور حیلہ گر منافقین کو معاف نہیں کرتا۔

☆ قرآن پاک کی بہت آیات میں آیا ہے کہ مومنین کیلئے درجات ہیں۔ ''لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ'' (انفال۔ ۴)، ''لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى'' (طٰہ۔ ۷۵)۔ لیکن اس آیت میں فرما رہا ہے: خود مومنین درجات ہیں۔ جیسے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی طرح پاک انسان۔ پہلے وہ کسی معیار کے مطابق عمل کرتے ہیں اور پھر ایک دن وہ خود معیار بن جاتے ہیں۔ یا جیسے پہلے ''محور حق'' کے گرد چکر لگاتے ہیں اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ خود ''محور حق'' بن جاتے ہیں۔

پیغام:

۱۔ سچے مجاہدین کا مطمع نظر رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے، کامیابی، غنائم اور خودنمائی نہیں ہوتا۔ ''اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ۔۔۔''

۲۔ اسلامی معاشرہ میں مالدار افراد اور قربانی دینے والے افراد کو ایک نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ (شان نزول کے مطابق) ''اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ۔۔۔''

۳۔ جنگ و محاذ جنگ سے روگردانی درحقیقت خدا کے غیظ و غضب کو دعوت دینا ہے۔ ''كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ''

۴۔ ایک مسلمان کے عمل کا معیار صرف خشنودی خدا یا غضب خدا ہونا چاہیے۔ ''كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ''

آیت نمبر ۱۶۴

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ

اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

ترجمۃ الآیات

یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا ہے جبکہ ان میں انہی میں سے ایک رسول کو مبعوث فرمایا کہ وہ ان پر خدا کی آیات پڑھے انہیں پاک کرے، پروان چڑھائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، ہر چند کہ وہ اس سے پہلے کھلم کھلا گمراہی میں تھے۔

نکات:

☆ ''مَنّ'' وہ پتھر ہے جس کے ذریعے چیزوں کا وزن کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہر سنگین اور گراں بہا نعمت کو ''منت'' کہتے ہیں۔ البتہ چھوٹے کاموں کو بڑا کر کے، سنگین بنا کر پیش کرنا ناپسندیدہ بات ہے۔ بنا بریں عظیم نعمت کی بخشش اچھی بات ہے لیکن چھوٹی نعمتوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا اچھی بات نہیں۔ (تفسیر نمونہ)

☆ لوگوں کے درمیان انبیا کی بعثت کی بہت سی برکات ہیں:

الف: لوگ اس کے سابقہ کو جانتے ہیں اور اس پر اعتماد کرتے ہیں۔

ب: الٰہی فرامین اور احکام پر عمل کرنے میں دوسروں کیلئے نمونہ عمل ہوتے ہیں۔

ج: لوگوں کے درد آشنا، ان کے غموں اور خوشیوں میں شامل ہوتے ہیں۔

د: لوگوں کی پہنچ میں ہوتے ہیں۔

☆ نہج البلاغہ میں سے حضرت علی علیہ السلام کے ارشادات سے استفادہ ہوتا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگوں کی تہذیب و ثقافت بھی سالم نہ تھی اور نہ ہی صحت و صفائی کے کسی اصول پر عمل کیا جاتا تھا۔

آپؑ کے بھائی جناب جعفر طیار نے بھی حبشہ کی ہجرت میں نجاشی کے سامنے دور جاہلیت کی تصویر کشی کی تھی: ''کنا اهل الجاهلية نعبد الاصنام و ناكل الميتة و نأتى الفواحش و نقطع الارحام و نسىء الجوار ياكل القوى منا الضعيف حتى بعث الله رسولا ---'' ہم بت پرست تھے، ان دنوں میں ہم مردار خور، برائیاں انجام دینے والے اور فساد برپا کرنے والوں میں سے تھے، اپنے رشتہ داروں کے ساتھ قطع تعلق کیا کرتے تھے، ہمسائیوں کے ساتھ برا سلوک کیا کرتے تھے، قدرت مند لوگ کمزور لوگوں کے حقوق کو پامال کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مبعوث فرمایا---(کامل التاریخ، ج ۲ ص ۸۰)

پیغام:

۱۔انبیا کی بعثت، عظیم ترین آسمانی ہدیہ اور نعمت الٰہی ہے۔ ’’لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ ‘‘

۲۔انبیا کی بعثت اگرچہ تمام لوگوں ہی کے لیے ہے لیکن اس نعمت کے شکر گذار صرف مومنین ہی ہوتے ہیں، اور وہی اس نور ہدایت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ ’’لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ‘‘

۳۔انبیا لوگوں میں سے اور انہی کی طرح ہوتے تھے۔ ’’مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ‘‘

۴۔آیات قرآن کی تلاوت، تزکیہ و تعلیم کا ذریعہ ہے۔ ’’يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ‘‘

۵۔تزکیہ، تعلیم سے پہلے ہے۔ ’’يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ‘‘

۶۔تزکیہ اور تعلیم، انبیا کے مقاصد میں سرفہرست ہے۔ ’’يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ‘‘

۷۔رشد و ہدایت اور خودسازی مکتب انبیا اور آیات الٰہی کے زیر سایہ ہونی چاہیے۔ ’’يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ‘‘(ایسی ریاضت اور رہبانیت جس کا سرچشمہ آیات الٰہی اور ان کے معلم انبیا نہ ہوں تو یہ سب انحراف ہے۔)

۸۔بعثت انبیا جیسی عظیم نعمت کی پہچان کے لیے ان سے پہلے گذرنے والے لوگوں کی تاریخ کو دیکھنا ضروری ہے۔’’كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ ‘‘

۹۔تاریک ترین اور گمراہ ترین ماحول میں بہتری کیلئے کام کیا جا سکتا ہے۔’’وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ ‘‘

۱۰۔مکتب انبیا میں جہاں روحانی تعلیم اور تربیت کی جاتی ہے وہاں لوگوں کو حکمت و بینش سے بھی بہرہ ور کیا جاتا ہے۔’’يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ ‘‘

آیت نمبر ۱۶۵

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

ترجمۃ الآیات

کیا جب بھی تمہیں (جنگ اُحد جیسی) کوئی تکلیف پہنچے جبکہ تم (دشمن کو جنگ بدر میں) اس سے

دوگنا تکلیف پہنچا چکے ہو (پھر بھی) کہتے ہو کہ یہ مصیبت کہاں سے (آ گئی) ہے؟ کہہ دو کہ یہ تمہاری اپنی طرف سے ہے، یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

نکات:

☆ جنگ احد میں مسلمانوں کے ستر لوگ مارے گئے اور انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا، تو پیغمبر اکرمؐ سے پوچھنے لگے کہ ہمیں شکست کیوں ہوئی؟ خدا تعالیٰ اپنے پیغمبر سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ آپؐ ان سے کہہ دیں کہ ایک سال پہلے تم لوگوں نے جنگ بدر میں دشمن کا اس سے دوبرابر نقصان کیا تھا، تم لوگوں نے ان کے ستر لوگ مارے تھے اور ستر لوگ قیدی بنا لیے تھے۔ اس کے علاوہ اس دفعہ کی شکست تمہارے اپنے تفرقہ، سستی کرنے اور اپنے سالار کی اطاعت نہ کرنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔

پیغام:

۱۔ فیصلہ کرتے ہوئے تمام تلخیوں اور شیرینیوں کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ صرف اُحد کی شکست کو نہ دیکھو، بدر کی کامیابی کو بھی یاد رکھو۔ ''قَدۡ اَصَبۡتُمۡ مِّثۡلَيۡهَا ۙ''

۲۔ شکست کے عوامل کو تلاش کرنا ہے تو پہلے اپنے اندر روحانی اور فکری اسباب کو تلاش کرو پھر دوسرے عوامل کی طرف جاؤ۔ ''قُلۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ''

۳۔ یہ ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لیکن ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے اندر اس سے بہرہ مندی کی شائستگی پیدا کریں اور اس کے لیے جن شرائط کا ہونا ضروری ہے ان پر کاربند رہیں۔ ''هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۶۵﴾''

۴۔ یہ نہ سمجھو کہ مسلمان ہو گئے بس کامیابی ہی کامیابی ہے اور ہر شکست کے موقعہ پر ''کیوں'' اور ''کس طرح'' ہی پوچھتے رہو۔ بلکہ ایمان کے علاوہ فوجی قوانین کی پابندی اور الٰہی طریقہ کار کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا۔ ''قُلۡتُمۡ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ''

آیت نمبر ۱۶۶

وَمَاۤ اَصَابَكُمۡ يَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ وَلِيَـعۡلَمَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ﴿۱۶۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور (جنگ احد میں کفر و ایمان کے) دو گروہوں کے مقابلے کے دن تمہیں جو مصیبت پہنچی ہے وہ خدا ہی کے حکم سے تھی تا کہ وہ (تمہاری آزمائش کرے اور) مومنین کی شناخت کر لے۔

نکات:

☆ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کیلئے سبب مقرر کیا ہے، اور ہار جیت کے لیے بھی اسباب اور عوامل ہوتے ہیں۔ احد میں تمہاری شکست اسی ''قانون علت'' کے تابع تھی اور وہ یہ کہ تم نے جنگ احد میں کمزوری کا مظاہرہ کیا، آپس میں اختلاف کیا اور جنگی غنیمت کے لالچ میں پیغمبرؐ کے حکم کو بھلا دیا۔ گذشتہ آیت میں فرمایا: '' هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ ''اس آیت میں فرمایا: تمہارے مختلف انتخاب جیسے اتحاد یا تفرقہ، سنجیدہ ہونا یا غیر سنجیدہ ہونا، سب ارادہ الٰہی کے دائرے میں ہے، وہ ہے جو تمہیں قدرت انتخاب دیتا ہے۔ اگر اس کے ارادے کے مطابق جس راستے کو بھی انتخاب کرو گے، نتیجہ تک پہنچ جاؤ گے۔ ''اَصَابَکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ''

پیغام:

۱۔ شکست اور فتح، خدائی ارادے کے تحت وقوع پذیر ہوتی ہے اور اس کا اذن ارادہ ہی خدائی قوانین و سنن کہلاتا ہے۔ ''فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ''

۲۔ تلخ و شیرین واقعات انسانوں کی آزمائش کا میدان ہوتے ہیں۔ ''لِیَعۡلَمَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۱۶۶''

آیت نمبر ۱۶۷

وَلِیَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ نَافَقُوۡا ۚۖ وَقِیۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا قَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اَوِ ادۡفَعُوۡا ؕ قَالُوۡا لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعۡنٰکُمۡ ؕ هُمۡ لِلۡکُفۡرِ یَوۡمَئِذٍ اَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡاِیۡمَانِ ۚ یَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِمۡ مَّا لَیۡسَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا یَکۡتُمُوۡنَ ۱۶۷ۚ

ترجمۃ الآیات

(احد کی شکست) اس لیے بھی تھی تاکہ منافقین کا چہرہ عیاں ہوجائے اور جب ان (منافقین) سے کہا گیا کہ آؤ تم (بھی دوسروں کی طرح) خدا کی راہ میں جہاد کرو یا (کم ازکم) اپنا دفاع کرو تو کہنے لگے اگر ہم جنگ (یا بقولے جنگی فنون) کا علم رکھتے تو یقیناً تمہاری پیروی کرتے۔ وہ اس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ اپنے منہ سے ایسی باتیں نکالتے ہیں جن کا دل میں عقیدہ نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ اس بات کو خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں۔

نکات:

☆ ''لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا'' کے سلسلے میں تین طرح سے معنی کیا گیا ہے:

الف: شہر سے باہر احد کی طرف جنگ کیلئے جانا، یہ جنگ نہیں ہے بلکہ ایک طرح کی خودکشی ہے، اس لیے ہم اسے جنگ قرار نہیں دیتے اور اس میں شرکت نہیں کریں گے۔

ب: اگر ہمیں جنگی فنون آتے ہوتے تو ہم ضرور شرکت کرتے۔

ج: ہمیں یقین ہے کہ کوئی جنگ ہی نہیں ہوگی لہٰذا محاذ پر جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

پیغام:

۱۔ محاذ جنگ، منافقین کے چہرے سے نقاب الٹ دیتا ہے۔ ''وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا ۚ''

۲۔ راہبر کو چاہیے کہ عوام کو دشمن سے مقابلہ کیلئے تیار رکھے۔ ''تَعَالَوْا قَاتِلُوْا''

۳۔ جہاد، کبھی ابتدائی ہوتا ہے جو طاغوت کی بساط کو لپیٹنے کیلئے ہوتا ہے، کبھی دفاعی ہوتا ہے جو مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کیلئے ہوتا ہے۔ ''قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ''

۴۔ مقاصد، درجات اور اقدار میں فرق ہوتا ہے۔ ''قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ''

۵۔ وطن اور جان کے دفاع کی بھی قدر و قیمت ہوتی ہے۔ ''اَوِ ادْفَعُوْا ۭ''

۶۔ منافقین اپنے موقف کی مختلف توجیہ کرتے ہیں۔ ''لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰکُمْ ۭ''

۷۔ میدان جنگ سے فرار یا نہ پہنچنے کی کوشش کرنا، کفر کی علامت ہے۔ ''ھُمْ لِلْکُفْرِ یَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِیْمَانِ ۚ''

۸۔ انسان کا ایمان مختلف اوقات اور مختلف جگہوں میں مختلف ہوتا ہے۔ ''هُمۡ لِلۡكُفۡرِ يَوۡمَئِذٍ اَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ ۚ''

۹۔ پیغمبرؐ کے تمام اصحاب عادل نہ تھے۔ ''هُمۡ لِلۡكُفۡرِ يَوۡمَئِذٍ اَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ ۚ''

۱۰۔ خدا تعالیٰ منافقین کے بارے میں خبردار کرتا ہے اور ان کے راز بھی فاش کرتا ہے۔ ''هُمۡ لِلۡكُفۡرِ يَوۡمَئِذٍ اَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ ۚ يَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِمۡ مَّا لَيۡسَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ''

۱۱۔ جو چیز اُحد میں سب کیلئے کھل کر سامنے آئی وہ منافقت کا ایک گوشہ تھا۔ اس سے زیادہ اور کیا کچھ تھا وہ خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ''وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يَكۡتُمُوۡنَ ۚ﴿۱۶۷﴾''

آیت نمبر ۱۶۸

اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ وَقَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۶۸﴾

ترجمۃ الآیات

(منافقین) وہی لوگ تو ہیں جو (جنگ احد کے خاتمہ کے بعد مایوس کن پروپیگنڈے میں مصروف ہو گئے اور گھروں میں) بیٹھے اپنے بھائی بندوں سے کہتے کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ ہوتے۔ (اے پیغمبرؐ! ان سے) کہہ دو کہ اگر تم سچ کہتے ہو تو موت کو اپنے سے دور کر دو۔

پیغام:

۱۔ جب لوگ محاذ جنگ کی طرف نکل رہے ہوتے ہیں تو منافقین گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ ''وَقَعَدُوۡا''

۲۔ منافقین کا کام ہے کہ وہ شہدا کے پس ماندگان کو اندرونی و روحانی طور پر کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ''لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ''

۳۔ منافقین خود کو دوسروں کا فکری راہبر تصور کرتے ہیں۔ ''لَوۡ اَطَاعُوۡنَا''

۴۔ نظریہ کائنات میں منافقین کے ہاں اصل مادی زندگی اور آسائشات کو ترجیح حاصل ہے۔ ''وَقَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ''

۵۔اس بات پر ایمان کہ موت کا فیصلہ نوشتہ تقدیر کے مطابق ہے، انسان کو شجاع بنا دیتا ہے اور محاذ جنگ پر جانے کیلئے آمادہ کرتا ہے۔جبکہ منافقین کی فہم و فراست کے مطابق شہادت اور اُخروی سعادت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔''لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ''

۶۔منافقین کے گمراہ کن پراپیگنڈے کا مقابلہ کرنا چاہیے۔''قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ''

۷۔انسان موت کو اپنے سے دور نہیں کرسکتا۔''فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ''

۸۔موت، خدا تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے، محاذ یا گھر اس موت میں حقیقی کردار کے حامل نہیں ہیں۔''فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾''

آیت نمبر ۱۶۹

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

ترجمۃ الآیات

جو لوگ راہ خدا میں قتل کر دیئے گئے ہیں انہیں مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے پروردگار کے نزدیک زندہ ہیں اور انہیں روزی دی جاتی ہے۔

نکات:

☆ ہم قرآن کی بنیاد پر جو شہید کو زندہ قرار دیتا ہے، شہدائے راہ اسلام اور خصوصاً شہدائے کربلا پر سلام کرتے ہیں، ان سے بات کرتے ہیں اور ان سے توسل کرتے ہیں۔

☆ جنگ اُحد کے خاتمے پر ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا:''جنگ احد میں مسلمانوں کے یہ ستر مقتول، جنگ بدر میں ہمارے ستر مقتولوں کے بدلے میں ہیں۔''یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا:''ہمارے مقتول بہشت میں ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں ہیں۔''(تفسیر مجمع البیان)

شہید اور شہادت کے بارے میں چند ضروری نکات

۱۔روایات میں ہے کہ شہید کو خداوند متعال کی طرف سے سات خصوصیات عطا ہوتی ہیں:

الف: اس کے خون کا پہلا قطرہ اس کے گناہوں کی بخشش کا سبب ہوتا ہے۔

ب: نہایت خوشبودار عطر سے اسے معطر کیا جاتا ہے۔

ج: حورالعین کی آغوش میں اس کا سر ہوتا ہے۔

د: اسے بہشت کے لباسوں سے آراستہ کیا جاتا ہے۔

ھ: وہ بہشت میں اپنے مقام کو دیکھ لیتا ہے۔

و: تمام بہشت میں سیر وتفریح کر سکتا ہے۔

ز: تمام حجاب اٹھ جاتے ہیں اور وہ ''وجہ اللہ'' کا نظارہ کرتا ہے۔ (وسائل، ج ۱۱، ص ۱۰)

۲۔ حضرت رسولخداؐ نے ایک شخص کو ان الفاظ میں دعا کرتے سنا ''اسئلك خير ما تسئل'' (خداوندا! میں تجھ سے بہترین کی دعا کرتا ہوں۔) آپؐ نے فرمایا: ''اگر اس کی دعا مستجاب ہو جائے تو راہ خدا میں شہید ہوگا۔'' (مستدرک، ج ۲، ص ۲۴۳)

۳۔ روایات میں ہے کہ ہر نیکی سے بالاتر ایک اور نیکی ہوا کرتی ہے لیکن شہادت سے بالاتر کوئی نیکی نہیں۔ کیونکہ جب کوئی شخص شہید ہو جاتا ہے تو اس سے مافوق کسی نیکی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ (بحار، ج ۴۷، ص ۶۱)

۴۔ قیامت کے دن شہید کو مقام شفاعت پر لے جایا جائے گا۔ (بحار، ج ۲، ص ۱۵)

۵۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''قیامت کے دن شہید کی لغزشیں خود اسے بھی نہیں دکھائی جائیں گی۔'' (وسائل، ج ۱۱، ص ۹)

۶۔ اگلے مورچوں اور پہلی صفوں میں لڑنے والے شہدا کا مقام سب سے برتر ہوتا ہے۔ (میزان الحکمۃ)

۷۔ مجاہدین بہشت کے مخصوص دروازے سے جنت میں جائیں گے اور سب سے پہلے بہشت میں جائیں گے اور بہشت میں ان کے لیے مخصوص جگہ ہے۔ (بحار، ج ۹۷، ص ۸؛ بحار، ج ۹۷، ص ۱۱؛ تفسیر نور الثقلین، ج ۲، ص ۲۴۱)

۸۔ یہ صرف شہید ہی ہوتا ہے جو شہادت کا لذیذ ذائقہ چکھنے کے بعد آرزو کرتا ہے کہ دنیا میں ایک بار پھر واپس جائے اور شہادت کا مرتبہ حاصل کرے۔ (کنز العمال، ج ۴، ص ۲۹۰)

۹۔ سب سے بہتر اور سب سے برتر موت ''شہادت'' ہے۔ (بحار، ج ۱۰۰، ص ۸)

۱۰۔ خون کا جو بھی قطرہ زمین پر گرتا ہے خدا کے نزدیک اتنا محبوب نہیں ہوتا جتنا شہید کے خون کا قطرہ محبوب ہوتا ہے۔ (وسائل، ج ۱۱، ص ۶)

۱۱۔ قیامت کے دن شہید اپنے اسلحہ کو ہاتھ میں اٹھائے، جنگی لباس میں خوشبو سے معطر محشر میں قدم رکھے گا اور فرشتے اس پر درود بھیجیں گے۔ (بحار، ج ۹۷، ص ۱۳) ہم دعاؤں میں پڑھتے ہیں کہ ہمارے تمام ائمہ علیہم السلام شرف شہادت حاصل کرنے کی دعا کیا کرتے تھے۔

۱۲۔ ہمارے سارے ائمہ علیھم السلام درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور انبیا کرام علیھم السلام کے سچے پیروکار بھی شہید ہوئے۔ جیسا کہ قرآن مجید کہتا ہے: ''وکاین من نبی ۔۔۔'' اور خود انبیا نے بھی شہادت کی موت اختیار کی۔ ''یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ط'' (آل عمران۔ ۱۱۵؛ بقرہ۔ ۶۱)

۱۳۔ حضرت علی علیہ السلام اپنی سینکڑوں خصوصیات رکھنے کے باوجود جب شہادت کے قریب پہنچے تو فرمایا: ''فزت و رب الکعبة'' (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔)

حضرت علی علیہ السلام ہی وہ پہلے شخص ہیں جو ایمان لائے اور پیغمبر اکرمؐ کی سب سے پہلے تصدیق کی، شب ہجرت پیغمبر اسلامؐ کے بستر پر سوئے، پیغمبر اسلامؐ کے بھائی قرار پائے، مسجد بنوی کی طرف صرف انہی کے گھر کا دروازہ کھلا رکھا گیا، ائمہ اطہارؑ کے والد بنے، حضرت زہراؑ کے شوہر ہوئے، بت شکنی کی، خندق کے دن عمرو بن عبدود پر ان کا ایک وار ثقلین کی عبادت سے افضل قرار پایا لیکن ان مواقع میں سے کسی ایک موقعہ پر بھی نہ فرمایا: ''فزت و رب الکعبة'' صرف شہادت کے موقع پر یہ الفاظ ادا فرمائے۔

۱۴۔ حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: ''اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں ابوطالبؑ کے بیٹے کی جان ہے، میرے نزدیک راہ خدا میں تلوار کے ہزار وار سہنا، بستر پر مرنے سے زیادہ آسان ہے۔ (نہج البلاغہ)

۱۵۔ حضرت علیؑ جنگ احد میں اس بات پر غمگین تھے کہ انہیں شہادت کا مرتبہ کیوں حاصل نہیں ہوا؟ لیکن جب پیغمبر خداؐ کے ذریعے شہادت کی نوید سنی تو مطمئن ہوگئے۔

۱۶۔ جانوروں میں از خود مر جانے والی بکری کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی لیکن جو بکری قبلہ رخ کر کے خدا کے نام پر ذبح کی جائے اس کی قدر و قیمت ہوتی ہے۔

۱۷۔ جس طرح اندھا آنکھوں والے کو اور جاہل بوعلی سینا کو نہیں سمجھ پاتا، اسی طرح زندہ لوگ 'شہید' کی زندگی کو نہیں سمجھ سکتے۔

۱۸۔ جب راہ خدا میں خرچ کیے جانے والے مال میں سات سو یا اس سے زیادہ کے برابر بڑھنے اور پروان چڑھنے کی صلاحیت موجود ہے تو راہ خدا میں دیئے جانے والے خون اور جان کی کیا عظمت ہوگی؟

پیغام:

۱۔ شہادت، زندگی کا اختتام نہیں ہے بلکہ آغاز حیات ہے۔ بہت سے زندہ بھی مردہ ہوتے ہیں لیکن خدا کی راہ میں قتل ہونے والے زندہ ہوتے ہیں۔ 'بَلْ اَحْیَآءٌ''

۲۔ شہادت، ہارنا یا ہاتھ سے کھو دینا نہیں ہے بلکہ حاصل کرنا اور پانا ہے۔ 'بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ''

۳۔ قتل ہونا، اس وقت قابل قدر ہے جب خدا کی راہ میں ہو۔ ''قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ''

۴۔شہید کیلئے ہلاکت یا نقصان اٹھانے کا تصور ایک غلط سوچ ہے،جس کی اصلاح ہونی چاہیے۔"لَا تَحْسَبَنَّ"

آیت نمبر ۱۷۰

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ ان کو دیا ہے وہ اس سے خوش ہیں اور جو لوگ ان سے پیچھے رہ گئے ہیں اور اب تک ان سے نہیں ملے ان کے بارے میں خوشخبری دیتے ہیں کہ نہ تو ان پر کسی قسم کا خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

نکات:

☆ روایات میں ہے کہ حقیقی مومن جو قرآن کے بدلے کسی اور کتاب کو اور اہلبیت پیغمبرؐ کے بدلے کسی اور راہبر و راہنما کو قبول نہیں کرتے ، وہ آیت کی بشارت میں شامل ہیں۔اسی طرح یہ بات بھی سمجھی جاتی ہے کہ برزخ کی زندگی ایک حقیقی اور واقعی زندگی ہے جس میں رزق بھی ملتا ہے، زندگی بھی ہے اور خوشی بھی ہے اور خوشخبری بھی ملتی ہے اور اس زندگی سے صرف تاریخ میں نیک نامی کا باقی رہ جانا مراد نہیں ہے۔

پیغام:

۱۔شہدا کی خوشی ، خدا کے فضل اور اس کی مہربانی کی وجہ سے ہوتی ہے، ان کے اپنے اعمال انجام دینے کی وجہ سے نہیں ہوتی۔"فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ"

۲۔شہدا، خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کو اس کا ہدیہ جانتے ہیں، اپنے خون کا بدلہ نہیں سمجھتے۔"مِنْ فَضْلِهٖ ۙ"

۳۔شہدا اپنے ہم رزم مجاہد کو بھلاتے نہیں اور انہیں اچھے مستقبل کی خوشخبری دیتے ہیں۔"يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ"

۴۔شہدا کی زندگی اجتماعی ہوتی ہے ۔ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور دوسروں کے انتظار میں رہتے ہیں ۔" یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِیۡنَ لَمۡ یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ "

۵۔دوسروں کی خوشبختی چاہنا اور عزت و شرف کے کاروان کے ساتھ ملحق ہونے کی خواہش قابل قدر ہے ۔" وَیَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِیۡنَ لَمۡ یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ "

۶۔شہدا کی کامیابی دائمی ہوتی ہے،انہیں کسی نعمت کو ہاتھ سے کھودینے کا کوئی غم نہیں ہوتا۔" اَلَّا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ﴿۱۷۰﴾ "

آیت نمبر ۱۷۱

یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۷۱﴾ۚۛ

ترجمۃ الآیات

وہ خدا کی نعمت اور اس کے فضل کے ساتھ خوش ہوتے ہیں اور (آئندہ آنے والوں کو خوشخبری دیتے اور دیکھتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ مومنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

پیغام:

۱۔عالم برزخ میں خوشی و خوشخبری ہے۔" یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ "

۲۔شہدا ایسی نعمت اور ایسے فضل کو پاتے ہیں کہ جس کو ہم نہیں سمجھ سکتے ۔کلمہ " نِعۡمَةٍ " اور " فَضۡلٍ " نکرہ صورت میں آیا ہے۔

۳۔مومنین کے اعمال کی ضمانت دی گئی ہے۔" لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴿۱۷۱﴾ "

۴۔جزا ملنے کی ضمانت ،عمل کیلئے ایک ترغیب ہے۔" لَا یُضِیۡعُ "

آیت نمبر ۱۷۲

اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ ۛؕ

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٢﴾

ترجمۃ الآیات

جنہوں نے زخم لگ جانے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا (ابھی ان کے جنگ احد کے زخم ٹھیک نہیں ہوئے تھے کہ کفر کے ساتھ مقابلے کے لیے پھر تیاری کر لی) ان میں سے جو نیکوکار اور پرہیزگار رہیں ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

نکات:

☆ جنگ احد میں فتح حاصل کر لینے کے بعد کفار قریش مکہ کی طرف لوٹ آئے اور ابھی راستے ہی میں تھے کہ یہ تجویز منظور کی گئی کہ کیا ہی بہتر ہو کہ مدینہ واپس چلیں اور باقی ماندہ مسلمانوں کا کام بھی یکسر کر دیا جائے تا کہ اسلام کا نام ہی ختم ہو جائے۔

یہ خبر حضرت رسولخداؐ کے پاس پہنچی تو آنحضرتؐ نے عام تیاری کا حکم دیا اور فرمایا: کہ احد میں شرکت کرنے والے حرکت کریں، سب مسلمان پھر سے تیار ہو گئے۔

جب ابوسفیان کو معلوم ہوا کہ مسلمان عمومی رضا کار پھر سے تیار ہو چکے ہیں، وہ سمجھا کہ مسلمانوں کی کوئی تازہ دم فوج آمادہ ہو گئی ہے اور ہمارے لیے احد کی فتح کی شیرنی کو شکست کی تلخی میں تبدیل کرنا چاہتی ہے، لہٰذا وہ اپنے اس ارادے سے باز آ گیا اور بڑی عجلت کے ساتھ مکہ کی طرف چل دیا۔

☆ تاریخ میں ہے کہ جنگ احد میں حضرت علی علیہ السلام کے بدن پر ساٹھ سے زائد زخم آئے۔ لیکن ایک لمحے کیلئے بھی پیغمبر اکرمؐ کی مدد و حمایت سے پیچھے نہیں ہٹے۔

تفسیر کنز الدقائق میں ہے کہ یہ آیت جنگ میں شامل حضرت علیؑ اور دوسرے نو افراد کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

پیغام:

۱۔ سچے مومن سخت ترین حالات میں بھی اسلام کی نصرت سے دست کشی اختیار نہیں کرتے۔ ''اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ''

۲۔ مجروحین کا محاذ جنگ میں شرکت کرنا، تندرست افراد کیلئے تقویت اور تشویق کا موجب بنتا ہے۔ ''اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ''

۳۔ رسولخداؐ کی اطاعت گویا خدا تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ ''اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ''

۴۔ مجروح افراد کا محاذ جنگ میں شریک ہونا، مکتب، راہبر اور ہدف کے ساتھ ان کے عشق، وفاداری اور کامل معرفت کی علامت ہے۔ ''مِنۢ بَعۡدِ مَآ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ ۛ''

۵۔ بعض اوقات جنگ کی وہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ اس میں زخمیوں تک کو شرکت کرنا پڑ جاتی ہے۔ ''اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۢ بَعۡدِ مَآ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ ۛ''

۶۔ جس قدر عمل مشکل ہوگا اسی قدر وہ قابل تعریف و ستائش ہے۔ ''اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۢ بَعۡدِ مَآ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ ۛ''

۷۔ محاذ جنگ میں شرکت اور زخمی ہونا، اگر تقویٰ کے ہمراہ نہ ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ''لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ وَاتَّقَوۡا''

۸۔ بعض اصحاب پیغمبر جنہوں نے جنگ میں شرکت کی لیکن وہ تو فکری سلامتی اور تقویٰ کو بھی ہاتھ سے دے چکے تھے۔ ''لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ وَاتَّقَوۡا''

۹۔ وہ مجاہد قابل تعریف ہے جو:

الف: جنگ سے اکتا نہ جائے۔ ''اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۢ بَعۡدِ مَآ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ ۛ''

ب: نیکیاں انجام دینے والا ہو۔ ''لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ''

ج: پرہیزگار اور متقی ہو۔ ''وَاتَّقَوۡا''

آیت نمبر ۱۷۳

اَلَّذِيۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَـكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ اِيۡمَانًا ۖ وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ ﴿۱۷۳﴾

ترجمۃ الآیات

(مومن) وہی لوگ تو ہیں کہ جن سے (منافق) لوگوں نے کہا: یقیناً (مکہ کے کافر) لوگوں نے تمہارے خلاف ایکا کرلیا ہے، لہٰذا تم ان سے ڈرو۔ (لیکن ڈرنے کی بجائے) ان کا ایمان

اور بڑھا اور انہوں نے کہا خدا ہمارے لیے کافی ہے اور وہ بہترین نگہبان اور مددگار ہے۔

نکات:

☆ دشمن کے پراپیگنڈا کرنے والے بعض عوامل اور بعض سادہ لوح اور بزدل افراد، مسلمانوں اور مجاہدین کو تلقین اور نصیحت کرتے ہیں کہ دشمن قدرت مند ہے اور کوئی ان کا حریف نہیں ہوسکتا، لہٰذا بہتر ہے کہ ان کے ساتھ جنگ نہ کی جائے۔ لیکن سچے پکے مسلمان بغیر کسی خوف و ڈر کے، بہت سکون و آرام کے ساتھ، خدا پر توکل کرتے ہوئے انہیں خوب جواب دیتے ہیں۔

☆ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: میں تعجب کرتا ہوں اس شخص سے جو ڈرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے کہے ''حسبنا اللہ و نعم الوکیل'' سے پناہ حاصل نہیں کرتا۔ (من لایحضرہ الفقیہ، ج ۴، ص ۳۹۲)

پیغام:

۱۔ دشمن کی طرف سے کی جانے والی تبلیغات اور نفسیاتی جنگ سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ ''فَاخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ اِيۡمَانًا''

۲۔ محاذ جنگ پر دشمن کی طرف سے بھیجے گئے جاسوسوں سے ہوشیار رہیں۔ ''فَاخۡشَوۡهُمۡ''

۳۔ دشمن کی دھمکیوں کے سامنے سب سے زیادہ مضبوط ڈھال، ایمان اور خدا پر توکل ہے۔ ''حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ''

۴۔ مومن اس وقت کسی گرداب یا مشکل میں گرفتار نہیں ہوتا جب اس کا خدا پر توکل اور خدا سے رابطہ زیادہ ہو۔ ''فَزَادَهُمۡ اِيۡمَانًا''

۵۔ حرکت و کوشش بھی ضروری ہے اور ایمان و توکل بھی لازمی ہے۔ ''اسۡتَجَابُوۡا ۔۔۔ حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ﴿۱۷۳﴾''

آیت نمبر ۱۷۴

فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ﴿۱۷۴﴾

ترجمۃ الآیات

پس (یہ مجروحین جو دوسری مرتبہ دفاع کے لیے آمادہ ہو کر گئے اور کسی قسم کی جنگی کاروائی عمل میں نہ آنے کی وجہ سے) خدا کی نعمت اور فضل کے ساتھ (اپنے اپنے ٹھکانوں پر) واپس آ گئے اور انہیں کسی قسم کی گزند بھی نہیں پہنچی۔ انہوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے۔

نکات:

☆ جنگ احد میں زخمی ہونے والے افراد حضرت رسولخداؐ کے حکم سے ایک بار پھر اسلام کے دفاع کے لیے اکٹھے ہوئے اور مقام ''حمراء الاسد'' تک دشمن کا تعاقب کیا لیکن دشمن کو مسلمانوں کی مکمل تیاری کا علم ہوا تو وہ خوف و ہراس کا شکار ہوگیا اور مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کرنے کے ارادے سے باز رہ کر مکہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

یہ آیت جنگ احد میں مجروح ہونے والے انہی مخلص مجاہدین کی تعریف وتوصیف کر رہی ہے۔

پیغام:

۱۔ فرائض کی انجام دہی کیلئے، خدا پر توکل کرتے ہوئے بڑھنا، مشکلات کو آسانیوں میں تبدیل کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ ''فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ۔۔۔''

۲۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جنہوں نے سخت خطرات کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور صحیح و سالم واپس آ گئے۔ ''لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ''

۳۔ مردان خدا کیلئے اصل، خدا کی رضا ہوتی ہے، شہادت نہیں۔ ''لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ''

۴۔ خدا تعالیٰ کا عظیم فضل ان کے شامل حال ہوتا ہے جو جنگ میں شرکت کرتے ہیں۔ ''وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۷۴﴾ ''

آیت نمبر ۱۷۵

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيۡطٰنُ يُخَوِّفُ اَوۡلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوۡهُمۡ وَخَافُوۡنِ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۷۵﴾

ترجمۃ الآیات

یہ (جھوٹا پروپیگنڈہ صرف) شیطان کا کام ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو (کفار کی قدرت سے) ڈراتا ہے، پس تم ان سے نہ ڈرو اور اگر تم ایمان رکھتے ہو تو مجھ سے ڈرو۔

پیغام:

۱۔ ہر قسم کا وسوسہ اور افواہ کہ جو مسلمانوں کے درمیان خوف اور مایوسی کا سبب بنے وہ شیطان کا کام ہے۔ ''اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ''

۲۔ شیطانی طاقتوں کا ہمیشہ سے یہ کام رہا ہے کہ وہ ڈرا دھمکا کر سیاست کرتے ہیں۔ ''يُخَوِّفُ''

۳۔ میدان جنگ میں ڈر جانے والے لوگ شیطان کے دوست ہوتے ہیں اور شیطان کے اثر میں ہوتے ہیں۔ ''الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ''

۴۔ سچے اور شجاع مومن، شیطان کی حکومت وولایت سے دور ہے۔ ''الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ''

۵۔ خوف خدا، انسان کو خدا کا مطیع بناتا ہے اور غیر خدا کا خوف، انسان کو الٰہی احکام نہ ماننے پر آمادہ کرتا ہے۔ ''فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ'' (گذشتہ آیات کی روشنی میں)

۶۔ حقیقی مومن، خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا اور جانتا ہے کہ ایمان وشجاعت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ''وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۱۷۵﴾''

آیت نمبر ۱۷۶

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبرؐ!) جو لوگ کفر کی طرف جلدی کرتے ہیں تمہیں غمگین نہ کر دیں، وہ خدا کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ خدا کا ارادہ ہے کہ ان کے لیے قیامت میں کسی قسم کا حصہ قرار نہ دے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

نکات:

☆ جنگ احد میں شکست کھا جانے والے گویا ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے کہ اب جبکہ ہم شکست کھا چکے ہیں اور کفار فاتح ہو کر مکہ کی طرف لوٹ گئے ہیں، تو اب کیا ہوگا؟

یہ آیت جواب دے رہی ہے کہ گھبراؤ نہیں، یہ تو اللہ کی طرف سے انہیں ایک مہلت ملی ہے تا کہ ان کے کفر کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور آخرت میں ان کا کچھ حصہ باقی نہ رہے۔

پیغام:

۱۔ اپنے اعصاب پر قابو رکھو، اسلام کو مٹانے کے لیے کفار کی ہر کوشش بے سود ہے۔ ''لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ''

۲۔ انسانوں کا خدا کی ذات سے انکار، اس کی ذات اقدس کو ذرہ بھر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ''لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ''

۳۔ کفر، انسان کو توبہ کی صلاحیت اور رحمت الٰہی کے حصول سے محروم کر دیتا ہے۔ ''اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ''

۴۔ کفار کو مہلت دینا، ازل سے خدا تعالیٰ کا طریقہ کار چلا آ رہا ہے، جس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ خدا سے کوئی چیز چھپی ہوئی ہے یا خدا (معاذ اللہ) عاجز اور ناتوان ہے۔ ''يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ''

۵۔ انسان کا آخرت میں نعمات سے محروم ہونا، دنیا میں اس کے اعمال کی بنیاد پر ہے۔ ''يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ -- -يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ''

۶۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بھی بہت عظیم ہے اور اس کا قہر و غضب بھی بہت زیادہ ہے۔ (اس سے پہلے کی دو آیتوں میں ان لوگوں کے بارے میں خدا کے عظیم فضل و کرم کی خوشخبری دی گئی ہے جو پہلے تو جنگ میں مجروح ہوئے اور پھر رسولِ خداؐ کے حکم کے

مطابق محاذ جنگ کی طرف چل دیئے، اور کفار کے بارے میں بھی عذاب عظیم کا ذکر کیا گیا ہے۔) ''لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴿۱۷۶﴾''

آیت نمبر ۱۷۷

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴿۱۷۷﴾

ترجمۃ الآیات

یقیناً جن لوگوں نے ایمان کے بدلے میں کفر کو خرید لیا ہے وہ ہرگز خدا کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے اور انہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔

نکات:

☆ قرآن مجید میں خرید وفروخت اور نفع ونقصان کا بار بار ذکر آیا ہے۔ قرآن مجید اس دنیا کو بازار اور اس میں رہنے والوں کو تجارت کرنے والا تصور کرتا ہے۔ اس کے نزدیک اس بازار کا مال انسان کے عقائد وافکار ہیں اور خریدار کبھی خود خدا ہوتا ہے اور کبھی انسان۔ اس دنیاوی بازار میں فروخت تو لازمی ہے لیکن خریدار کا انتخاب انسان کے اپنے اختیار میں ہے یعنی ہم اپنی طاقت وقدرت، عمل اور عقیدے کو چھوڑ تو نہیں سکتے لیکن ان عقائد وکردار کی راہیں اپنے ارادے اور اختیار سے منتخب کر سکتے ہیں۔ چاہے ایسی راہیں اختیار کریں جن سے ہمیں فائدہ پہنچے، چاہے ایسے راستوں کا انتخاب کریں جن سے ہمیں نقصان ہو۔

قرآن مجید میں کچھ لوگوں کی اس بنا پر تعریف کی گئی ہے کہ انہوں نے اپنا معاملہ خدا سے کیا ہے جس کے نتیجے میں وہ بہشت اور خدا کی رضا کے مستحق بن گئے ہیں۔ کچھ افراد کی اس لیے مذمت کی گئی ہے کہ وہ گمراہ ہو گئے اس لیے کہ انہوں نے غلط انتخاب کیا لہٰذا اس کے نتیجے میں وہ اس تجارت سے منافع محروم ہو گئے۔

ایسے لوگ ''فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ'' (بقرہ۔۱۶) کا مصداق قرار پائے یا نقصان اور خسارہ اٹھایا اور ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ'' (التکاثر۔۲) کے مصداق بنے۔ اسی طرح بعض آیات میں مذکورہ بالا بیان کردہ مطالب کی طرح، ایسے افراد کی تحقیر کی گئی ہے جنہوں نے اپنے ایمان کا کفر کے ساتھ سودا کر لیا۔ اس کے مقابلہ میں مومنین کو حوصلہ دیا گیا اور انہیں تسلی دی گئی ہے کہ ان افراد کا مرتد ہونا، خدا اور راہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

پیغام:

١۔ انسان کا اصلی سرمایہ، اس کا ایمان اور ایسے فطری ذرائع ہیں جن سے ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ ''اشۡتَرَوُا الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ''

٢۔ ایک اعتقادی اور ثقافتی انقلاب میں بعض چھوٹی سطح کے نقصانات سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ''اشۡتَرَوُا الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ لَنۡ يَّضُرُّوا اللّٰهَ''

آیت نمبر ١٧٨

وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّمَا نُمۡلِىۡ لَهُمۡ خَيۡرٌ لِّاَنۡفُسِهِمۡ‌ؕ اِنَّمَا نُمۡلِىۡ لَهُمۡ لِيَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا‌ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ﴿۱۷۸﴾

ترجمۃ الآیات

جو لوگ کافر ہو گئے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ جو مہلت ہم انہیں دیتے ہیں ان کے لیے کوئی اچھائی ہے، ہم انہیں یہ مہلت اس لیے دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے گناہوں میں اضافہ کریں اور ان کے لیے ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

نکات:

☆ قرآن پاک میں یہ کلمہ ''لَا يَحۡسَبَنَّ'' یعنی گمان نہ کرو، منافقین اور کمزور ایمان والے افراد کے لیے کئی بار استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ حقیقت کے ادراک، صحیح تحلیل، کامل عقل اور لازمی روشن ضمیری سے محروم ہیں۔ یہ لوگ تخلیق کائنات کو بے مقصد، شہادت کو نیستی و نابودی، دنیا کو دائمی اور پائیدار عزت کو کفار کے گرد گھومنے والی سعادت اور لمبی عمر کو خیر و برکت سمجھتے ہیں، جبکہ قرآنی آیات نے ان کے اس قسم کے زعم باطل پر خط تنسیخ کھینچ دیا ہے۔

☆ کفار خود کو حاصل ہونے والی سہولیات، فتوحات اور آسودہ حالی و خیالی کو اپنی استعداد اور لیاقت کی علامت سمجھتے ہیں جبکہ خداوند عالم حق کے مقابلے میں اکڑنے اور کفر و فساد کی آلودگی میں پڑا رہنے کی وجہ سے ان کو مہلت دیتا ہے تاکہ اس تباہی کے سمندر میں ان کا بیڑا غرق ہو جائے۔

تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ جب یزید ملعون نے سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا اور خاندان اہلبیت کو قید کر کے حضرت زینب کبریٰ کے ہمراہی میں شام لے جایا گیا تو یزید نے اپنے دربار میں غرور بھرے لہجے میں حضرت زینب کبریٰ علیہا السلام سے کہا: ''دیکھا آپ نے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔'' یہ سن کر جناب زینب عالیہؑ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا: ''میں تجھے پست، جھوٹا اور ہر قسم کی حقارت کا مستحق سمجھتی ہوں، تمہارا جو جی چاہے کرتے رہو، لیکن خدا کی قسم یہ بات ضرور ذہن نشین کر لو کہ خدا کے نور کو کبھی نہیں بجھا سکو گے۔''

یقیناً ایسے ہی افراد کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب ہر وقت آمادہ ہے تاکہ ان کی خیالی اور دنیاوی عزت کو آخرت میں ذلت و خواری میں بدل دے۔

☆ مجرمین (گناہگار) دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو اصلاح کے قابل ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ وعظ و نصیحت اور تلخ و شیریں حوادثات کے ذریعے ہوشیار اور خبردار کرتا ہے۔ دوسرے وہ جو کسی قسم کی ہدایت کے قابل نہیں ہیں تو خداوند عالم ایسے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے، تاکہ ان کی تمام فسادی صلاحیتیں اجاگر ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اس آیت کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں: ''موت'' کفار کے لیے ایک نعمت ہے کیونکہ وہ جس قدر زیادہ زندہ رہیں گے اسی قدر گناہ زیادہ کریں گے۔'' (تفسیر نور الثقلین)

☆ ''اِنَّمَا نُمۡلِیۡ لَهُمۡ لِيَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا ۚ'' کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن پر خدا کا احسان ہونے کی وجہ سے وہ ہر بات کی تحلیل کرنے لگتے ہیں، احسان کرنے والے کو بھول جاتے ہیں۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن کے گناہ اور عیب چھپانے کی وجہ سے وہ مغرور ہو جاتے ہیں، کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جن کی خوبیاں بیان کی جانے کی وجہ سے وہ اپنی برائی نہیں سن سکتے۔ خدا تعالیٰ نے کسی بندے کو مالدار لوگوں کی طرح اور مہلت دے کر آزمائش نہیں کیا۔ (تحف العقول، ص ۲۰۳)

پیغام:

۱۔ حقیقت کی پہچان کرنے میں کفر ایک رکاوٹ ہے۔ ''لَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا ۔۔۔''

۲۔ کسی کی عمر کا کم ہونا یا زیادہ ہونا، یا کسی کے پاس دولت کم ہونا یا زیادہ ہونا، سب خدا کے دست قدرت میں ہے۔ ''نُمۡلِیۡ لَهُمۡ خَيۡرٌ لِّاَنۡفُسِهِمۡ ؕ اِنَّمَا نُمۡلِیۡ لَهُمۡ''

۳۔ سب انسان خیر و خوبی کے پیچھے ہیں لیکن کچھ لوگ مصداق میں غلطی کرتے ہیں۔ ''لَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّمَا نُمۡلِیۡ لَهُمۡ خَيۡرٌ لِّاَنۡفُسِهِمۡ ؕ''

۴۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے دی جانے والی مہلت، کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ شخص اس کے نزدیک محبوب ہے۔

''لَا یَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّمَا نُمۡلِیۡ لَہُمۡ خَیۡرٌ لِّاَنۡفُسِہِمۡ ؕ ''

۵۔نعمتیں اس وقت مفید ہوتی ہیں جب حق وہدایت کی ترقی اور خیر وبرکت کی راہ میں خرچ ہوں۔شر اور گناہ پھیلانے کیلئے استعمال نہ ہوں۔''اِنَّمَا نُمۡلِیۡ لَہُمۡ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا ۚ ''

۶۔لمبی عمر کا پانا زیادہ اہم نہیں بلکہ اہم یہ بات ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔''اِنَّمَا نُمۡلِیۡ لَہُمۡ ''

امام سجاد علیہ السلام دعائے مکارم اخلاق میں یوں فرماتے ہیں: خداوندا! اگر میری زندگی شیطان کی چراگاہ قرار پائے تو اسے کوتاہ کردے''

۷۔جلدی فیصلہ نہ کرلیا کرو، اس کے انجام اور نتیجہ کو بھی پیش نظر رکھو۔''نُمۡلِیۡ لَہُمۡ خَیۡرٌ لِّاَنۡفُسِہِمۡ ؕ اِنَّمَا نُمۡلِیۡ لَہُمۡ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا ۚ وَلَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ﴿۱۷۸﴾ ''

۸۔ظالم لوگوں کی آسودہ حالی اور حاکمیت ان کی حقانیت اور خدا کی رضامندی کی دلیل نہیں ہوا کرتی اسی طرح اس بات کی دلیل بھی نہیں ہے کہ ہم ان کے مقابلے میں چپ سادھے رہیں۔''نُمۡلِیۡ لَہُمۡ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا ۚ وَلَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ﴿۱۷۸﴾ ''

۹۔آخرت کے عذاب کئی قسم اور کئی مراحل رکھتے ہیں۔''عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ﴿۱۷۸﴾ '' گذشتہ آیت میں فرمایا:''عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ''۔

آیت نمبر ۱۷۹

مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ عَلٰی مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَیۡہِ حَتّٰی یَمِیۡزَ الۡخَبِیۡثَ مِنَ الطَّیِّبِ ؕ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطۡلِعَکُمۡ عَلَی الۡغَیۡبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجۡتَبِیۡ مِنۡ رُّسُلِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ ۚ وَاِنۡ تُؤۡمِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَلَکُمۡ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۷۹﴾

ترجمۃ الآیات

خدا کی شان یہ نہیں ہے کہ مومنوں کو اسی حالت پر رہنے دے کہ جس حالت پر تم اب ہو، مگر یہ کہ (پے در پے آزمائشوں کے ذریعہ) ناپاک کو پاک سے جدا کردے، اور خدا کی شان یہ

نہیں ہے کہ وہ تمہیں غیب کی باتوں سے آگاہ کردے، لیکن خداوند تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے (غیب سے آگاہی کے لیے) منتخب کر لیتا ہے۔ پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیزگاری اختیار کرو گے تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہوگا۔

نکات:

☆ جنگ احد کے بارے میں اس سورت کی یہ آخری آیت ہے اور یہ اس بات کی تصریح کر رہی ہے کہ دنیا ایک عظیم آزمائش گاہ ہے اور ایسا ہرگز نہیں ہے کہ جو شخص بھی ایمان کا دعویٰ کرے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ نہیں بلکہ دنیا میں ہار جیت دراصل انسان کے باطن کی پہچان کا ایک ذریعہ ہوتی ہیں۔ جیسا کہ جنگ احد مسلمانوں کی منافقین سے پہچان کا ذریعہ بن گئی۔

بعض مومنین چاہتے تھے کہ غیب سے یا انسان کی خفیہ باتوں سے آگاہی حاصل کریں، وہ چاہتے تھے کہ منافقین کے بارے میں آزمائش و امتحان کی بجائے، غیب کے ذریعے معلومات حاصل کریں۔ اس آیت میں ارشاد ہے کہ شناخت کی راہ، امتحان ہے غیب نہیں ہے۔ نیک و بد کی پہچان تدریجی آزمائشوں کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر علم غیب کی وجہ سے اچھے اور برے پہچان لیے جائیں تو امید کا شعلہ بجھ جائے، اجتماعی بندھن ٹوٹ جائیں گے اور دنیا گڑبڑ کا شکار ہو جائے گی۔

پیغام:

۱۔ اللہ تعالیٰ کفار کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ ''اِنَّمَا نُمۡلِیۡ لَہُمۡ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا ۚ'' لیکن مومنین کے ساتھ ایسا نہیں کرتا، انہیں ان کے حال پر نہیں چھوڑتا۔ ''مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ''

۲۔ پاک اور ناپاک کو ایک دوسرے سے جدا کرنا، خدا کی طرف سے ایک دائمی طریقہ کار چلا آرہا ہے۔ ''حَتّٰی یَمِیۡزَ الۡخَبِیۡثَ مِنَ الطَّیِّبِ ؕ''

۳۔ لوگوں کا ایمان اور کفر، انسان کے اندرونی و باطنی امور میں سے ہے جو کہ علم غیب سے نہیں بلکہ امتحان کے ذریعے ظاہر ہونا چاہیے۔ ''حَتّٰی یَمِیۡزَ الۡخَبِیۡثَ مِنَ الطَّیِّبِ ؕ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطۡلِعَکُمۡ عَلَی الۡغَیۡبِ''

۴۔ زندگی کو اپنے معمول کے مطابق رواں دواں رہنا چاہیے، علم غیب کے ذریعے لوگوں کے اسرار سے واقفیت درحقیقت زندگی کو مفلوج کر دیتی ہے۔ ''وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطۡلِعَکُمۡ عَلَی الۡغَیۡبِ''

۵۔ غیب کا علم خدا ہی سے مخصوص ہے اور بعض برگزیدہ انبیا علیھم السلام (کلی طور پر نہیں) صرف اطلاع کی حد تک اس

سے باخبر ہیں۔ ’’لِیُطۡلِعَکُمۡ‘‘

۶۔ اگر چہ زندگی کو اپنے معمول کے مطابق چلتے رہنا چاہیے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو علم غیب عطا فرماتا ہے۔ ’’وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجۡتَبِیۡ مِنۡ رُّسُلِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ‘‘

۷۔ انبیا کے درجات یکساں نہیں ہیں۔ ’’یَجۡتَبِیۡ مِنۡ رُّسُلِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ‘‘

۸۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم غیب انہیں عطا ہوتا ہے جو اس کی رسالت کے علمبر دار ہوتے ہیں۔ ’’وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجۡتَبِیۡ مِنۡ رُّسُلِہٖ‘‘

۹۔ قلبی ایمان، عملی پرہیز گاری کے ساتھ ہونا چاہیے۔ ’’تُؤۡمِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا‘‘

۱۰۔ طیب اور پاک افراد ہی کو بقا و دوام ہے، ناپاک اور خبیث لوگ عارضی اور ناپائیدار ہوتے ہیں۔ ’’یَمِیۡزَ الۡخَبِیۡثَ مِنَ الطَّیِّبِ ؕ‘‘ پاک کو ناپاک سے الگ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ ناپاک چیز عارضی ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۱۸۰

وَلَا یَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ بِمَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ہُوَ خَیۡرًا لَّہُمۡ ؕ بَلۡ ہُوَ شَرٌّ لَّہُمۡ ؕ سَیُطَوَّقُوۡنَ مَا بَخِلُوۡا بِہٖ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ وَلِلّٰہِ مِیۡرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۱۸۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور جو لوگ خدا کے عطا کردہ فضل کے بارے میں بخل سے کام لیتے ہیں (اور دوسروں پر خرچ نہیں کرتے) وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ (یہ بخل) ان کے حق میں بہتر ہے، بلکہ ان کے لیے بہت برا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جو بخل کیا ہوگا قیامت کے دن طوق کی صورت میں ان کے گلے میں ڈالا جائے گا اور آسمانوں اور زمین کی میراث خدا ہی کے ساتھ مخصوص ہے، جو کچھ تم انجام دیتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ ہے۔

پیغام:

۱۔ حقیقت شناس بنو، گمراہ کن خیال و گمان اور توہمات سے دور رہو۔ ’’لَا یَحْسَبَنَّ ‘‘

۲۔ جب مال تیرا نہیں ہے تو پھر اس بارے میں کنجوسی کیوں؟ ’’اٰتٰـھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ‘‘

۳۔ بخل کی اصل وجہ، لاعلمی اور خیر و شر کی غلط تحلیل و تعریف کرنا ہے۔ ’’لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰـھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ ؕ ‘‘

۴۔ انبیا کرام کا ایک فریضہ انسانوں کی ثقافت، رسم و رواج اور افکار کی تبدیلی بھی ہے۔ ’’لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰـھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ ؕ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ؕ ‘‘

۵۔ دنیا سے محبت، انسان کی نگاہ میں شر کو خیر بنا کر دکھاتی ہے۔ ’’لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰـھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا ‘‘

۶۔ قیامت میں بعض جمادات بھی محشور ہوں گے۔ ’’سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا ‘‘

۷۔ معاد (قیامت) جسمانی ہے۔ ’’سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا ‘‘

۸۔ قیامت کے دن خیر و شر کی حقیقی تصویر ظاہر ہوگی۔ خیر و شر مجسم ہو کر سامنے آئیں گے۔ ’’ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا ‘‘

۹۔ انسان، اپنے مال کو استعمال کرنے اور اس پر تصرف کرنے میں مطلقاً مختار نہیں ہے۔ ’’سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا ‘‘

۱۰۔ قیامت کے دن اعمال مجسم ہوں گے۔ ’’سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا ‘‘ حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا، قیامت کے دن اس کا مال سانپ بن کر اس کے گلے میں لٹکے گا اور اس کی گردن میں طوق ڈالی جائے گی۔ (تفسیر نور الثقلین؛ کافی، ج ۳، ص ۵۰۲)

۱۱۔ قیامت کے برپا ہونے کا وقت دور نہیں ہے۔ ’’سَیُطَوَّقُوْنَ ‘‘

۱۲۔ مال و دولت کا اسیر ہونا، قیامت کے دن گرفتاری کا باعث ہے۔ ’’سَیُطَوَّقُوْنَ ‘‘

۱۳۔ جس چیز سے دنیا میں محبت کرتے رہے اور بخل کرتے رہے، وہی چیز ہمارے لیے عذاب بن کر سامنے آئے گی۔ ’’سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا ‘‘

۱۴۔ اللہ تعالیٰ ایک تو دنیا میں باقی رہنے والی چیزوں کا مالک ہے اور دوسرے ہمارے خرچ کرنے کا محتاج نہیں جبکہ اس کی راہ میں خرچ کرنا ہماری ہی سعادت کی کنجی ہے۔ ’’وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ‘‘

۱۵۔ ہر چیز اور ہر کسی کا حقیقی وارث خدا تعالیٰ ہے۔ ہم خالی ہاتھ آئے تھے اور خالی ہاتھ ہی جائیں گے، تو پھر بخل کس

بات کا کریں؟''وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ''

آیت نمبر ۱۸۱۔ ۱۸۲

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ۚ

ترجمۃ الآیات

یقیناً اللہ نے ان لوگوں کی باتوں کو سن لیا ہے جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم ثروت مند ہیں۔ہم ان کی یہ باتیں بھی اور ان کا انبیا کو ناحق قتل کرنا بھی لکھ لیں گے اور (انہیں) کہیں گے کہ جلا دینے والی آگ کے عذاب کو چکھو۔

اس (عذاب) کو تمہارے اپنے ہاتھوں نے آگے بھیج دیا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا۔

نکات:

☆ تفاسیر میں ہم پڑھتے ہیں کہ حضرت رسولخداؐ نے بنی قینقاع کے یہودیوں کو خط ارسال فرمایا اور انہیں خدا پر ایمان، نماز وزکوٰۃ کی ادائیگی اور انفاق کی دعوت دی۔ جب آپؐ کا یہ خط یہودیوں کے عالم''فتحاص'' کے پاس پہنچا تو اس وقت وہ اپنی درسگاہ میں بیٹھا ہوا تھا، اس نے شاگردوں اور حاضرین کے سامنے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:''اس خط کی دعوت کے مطابق خدا فقیر ہے اور ہم ثروت مند ہیں۔''وہ ہم سے قرض مانگ رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی سود اور اضافے کا وعدہ بھی کر رہا ہے۔

☆ رسولخداؐ کے زمانے کے یہودی، قتل انبیا کے حوالے سے اپنے آباؤ واجداد کے عمل پر راضی تھے، اس لیے خدا تعالیٰ نے انبیا کے قتل کی نسبت ان یہودیوں سے بھی دی ہے۔''وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ''

☆امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: جولوگ امامؑ کو دی جانے والی چیز کی نسبت امامؑ کو فقیر جانتے ہیں وہ ایسے ہی ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے کہ ''اِنَّ اللّٰهَ فَقِيۡرٌ'' (تفسیر نور الثقلین؛ بحار، ج ۲۴، ص ۲۷۸)

پیغام:

۱۔خدا تعالیٰ ہمارے منہ سے نکلے ہوئے ہر حرف کو سنتا ہے (اور لکھتا ہے۔) پس ہر بات کو زبان پر نہیں لانا چاہیے۔ ''لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ''

۲۔انسان کے غرور اور جہالت کی کوئی حد نہیں ہوتی اور یہاں تک کہ ناتوان اور کمزور انسان یہ کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ فقیر اور ہم غنی ہیں۔ ''اِنَّ اللّٰهَ فَقِيۡرٌ وَّنَحۡنُ اَغۡنِيَآءُ‌ ۘ''

۳۔اپنے پاس سب کچھ ہونے اور بے نیازی کا احساس، فرمان الٰہی سے انکار اور اس کے مذاق اڑانے کا موجب بنتا ہے۔ ''نَحۡنُ اَغۡنِيَآءُ‌ ۘ''

۴۔بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے احکامات کی وجہ اس کا محتاج ہونا ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ فَقِيۡرٌ''

۵۔ہر گفتار اور ہر کردار محفوظ کرلیا جاتا ہے۔ ''سَنَكۡتُبُ مَا قَالُوۡا وَقَتۡلَهُمُ''

۶۔ہر صحیح کام کا معیار اس کا حق ہونا ہے اور ہر باطل کام کا معیار اس کا باطل ہونا ہے۔ انبیا کا قتل کرنا کیونکہ ناحق ہے اس لیے اس کا کیفر ضروری ہے۔ ''قَتۡلَهُمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ۙ''

۷۔انسان عمل کے انجام دینے میں آزاد ہے، لہٰذا تمام کام خود اسی سے نسبت دیے جائیں گے۔ ''قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ''

۸۔خدا تعالیٰ کی طرف سے جزا اور کیفر وسزا، عدل کے مطابق اور انسان کے اپنے آزادانہ اختیار اور آگاہی کی بنیاد پر انجام دیے گئے اعمال کے مطابق ہے۔ ''ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ''

۹۔الٰہی سزا و جزا کے فیصلے، بشریت پر ظلم نہیں ہے، بلکہ بشر کا خود اپنے اوپر ظلم ہے۔ ''اَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ‌ۚ‏ ﴿۱۸۲﴾''

۱۰۔اگر خدا تعالیٰ بخیل افراد اور انبیا کے قاتلوں کو سزا نہ دے تو فقرا اور انبیا کے ساتھ ظلم ہوگا۔ ''اَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ‌ۚ‏ ﴿۱۸۲﴾''

آیت نمبر ۱۸۳

اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيۡنَاۤ اَلَّا نُؤۡمِنَ لِرَسُوۡلٍ حَتّٰى يَاۡتِيَنَا

بِقُرۡبَانٍ تَاۡكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلۡ قَدۡ جَآءَكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِىۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىۡ قُلۡتُمۡ فَلِمَ قَتَلۡتُمُوۡهُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۸۳﴾

ترجمۃ الآیات

جن لوگوں نے (بہانہ کے طور پر) کہا: اللہ تعالیٰ نے یقینی طور پر ہم سے وعدہ لیا ہے کہ کسی بھی پیغمبر پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک (اس کے پاس یہ معجزہ نہ ہو) ہمارے لیے ایک قربانی لے آئے کہ جسے (آسمانی بجلی کی) آگ کھا جائے! تو (اے پیغمبرؐ!) آپ کہہ دیں کہ (یہ سب بہانے ہیں) مجھ سے پہلے جو رسول تمہارے پاس آئے اور وہ سب اپنے ساتھ معجزات بھی لائے حتی کہ وہ کچھ بھی لائے جو تم نے کہا ہے پس اگر تم سچ کہتے ہو تو پھر انہیں قتل کیوں کیا؟

نکات:

☆ بعض لوگ اسلام قبول کرنے سے پہلو تہی کرتے ہوئے بہانہ تراشی کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ لے لیا ہے کہ ہم صرف اسی پیغمبر پر ایمان لائیں گے جو کسی جانور کی قربانی کرے اور آسمانی بجلی ہماری آنکھوں کے سامنے اسے جلا ڈالے پھر ہم اس کی نبوت و رسالت کا یقین کر لیں گے۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ پیغمبر اکرمؐ ان ہٹ دھرم بہانہ تراشوں سے کہیں کہ ''اگر تم سچ کہتے ہو تو پھر مجھ سے پہلے آنے والے پیغمبروں پر ایمان کیوں نہیں لائے؟ جبکہ وہ حضرات مختلف الانواع معجزات کے علاوہ وہ معجزہ بھی لائے جو تم اب چاہتے ہو یعنی قربانی کا معجزہ!''

☆ امام صادق علیہ السلام نے اس آیت کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: پیغمبر اسلامؐ کے زمانے کے بہانہ باز یہودیوں اور ان یہودیوں کے درمیان جو انبیا کو قتل کیا کرتے تھے، پانچ سو سال کا فاصلہ تھا، لیکن اپنے بڑوں کے اس عمل پر راضی ہونے کی وجہ سے، خدا تعالیٰ نے قتل کی نسبت ان کے ساتھ بھی دی ہے۔ (تفسیر برہان، ج ۱، ص ۳۲۸؛ کافی، ج ۲، ص ۴۰۹ (تفسیر راہنما سے نقل ہے۔))

☆ تورات میں کتاب اول بادشاہان (باب ۱۸ جملہ ۱۳ اور ۴) میں بنی اسرائیل کے انبیا کو شہید کرنے کا واقعہ ذکر ہے

۔اسی طرح سفر لاویان (باب ۹ جملہ دو) میں فاختہ کی قربانی کا ذکر ہے۔

پیغام:

۱۔حق کی قبولیت سے فرار کے لیے مذہب کا سہارا نہ بناؤ۔''اِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ اِلَیۡنَاۤ اَلَّا نُؤۡمِنَ''

۲۔ یہودی، جناب موسیٰؑ کو آخری نبی نہیں جانتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ خدا تعالیٰ کا ہم سے عہد یہ تھا کہ بعد والا پیغمبر فلاں فلاں خصوصیات کا حامل ہوگا۔''عَہِدَ اِلَیۡنَاۤ اَلَّا نُؤۡمِنَ لِرَسُوۡلٍ حَتّٰی یَاۡتِیَنَا بِقُرۡبَانٍ''

۳۔جب انسان میں تکبر کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ خدا پر تہمت لگانے سے بھی باز نہیں آتا۔''اِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ اِلَیۡنَاۤ'' اور کسی پیغمبر کے سامنے جھکنا بھی گوارہ نہیں کرتا۔''اَلَّا نُؤۡمِنَ لِرَسُوۡلٍ'' اور توقع یہ رکھتا ہے کہ معجزات بھی اسی کے حسب منشا اور خواہشات کے مطابق ہوں۔''حَتّٰی یَاۡتِیَنَا بِقُرۡبَانٍ''

۴۔تاریخ میں جانوروں کی قربانی بہت پرانی ہے۔''۔۔۔بِقُرۡبَانٍ''

۵۔ ہر قوم وملت کا سابقہ اور ان کا ماضی، ان کے سچے یا جھوٹے ہونے پر بہترین گواہ ہے۔''قَدۡ جَآءَکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِیۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَبِالَّذِیۡ قُلۡتُمۡ''

۶۔ پوری تاریخ میں مخالفین کی بہانہ تراشیاں ملتی جلتی ہیں۔''وَبِالَّذِیۡ قُلۡتُمۡ''

۷۔ یہودیوں کے ساتھ پیغمبرؐ کے استدلال اور ثبوت، خدا تعالیٰ کی طرف سے تعلیم دیے گئے تھے۔''قُلۡ قَدۡ جَآءَکُمۡ''

۸۔بعض اوقات تعلیم یا ہدایت یا معجزہ کے اثبات یا نہایت ہی اہم مصلحت کے لیے مال کو قربان کرنا پڑتا ہے۔اگر مال آگ میں جل جائے لیکن اس سے کوئی آنکھ بیدار یا کوئی دل روشن ہو جائے تو یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہوگا اور نہ ہی اسے اسراف کہا جائے گا۔''قَدۡ جَآءَکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِیۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَبِالَّذِیۡ قُلۡتُمۡ۔۔۔''

۹۔اپنے بڑوں کے گناہوں پر راضی ہونا، ان کے جرم میں شریک ہونے کا موجب ہے۔''فَلِمَ قَتَلۡتُمُوۡہُمۡ''

آیت نمبر ۱۸۴

فَاِنۡ کَذَّبُوۡکَ فَقَدۡ کُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِکَ جَآءُوۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالۡکِتٰبِ الۡمُنِیۡرِ﴿۱۸۴﴾

ترجمۃ الآیات

پس (اے پیغمبرؐ!) اگر یہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو (آپؐ پریشان نہ ہوں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ) آپؐ سے پہلے بھی ان پیغمبروں کو جھٹلایا گیا جو معجزات صحیفے اور روشنی عطا کرنے والی کتاب لائے تھے۔

پیغام:

۱۔ گذشتہ لوگوں کی تاریخ سے آشنائی انسان میں صبر و پائیداری کا حوصلہ پیدا کرتی ہے۔ ''فَاِنۡ کَذَّبُوۡكَ فَقَدۡ کُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ''

۲۔ تمام انبیا کے مخالفین ہوا کرتے تھے۔ ''کُذِّبَ رُسُلٌ''

۳۔ تاریخ میں انبیا کرام کی تحریک ایک علمی، فکری اور اعتقادی تحریک تھی۔ ''بِالۡبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالۡکِتٰبِ''

۴۔ انبیا کرام کے معجزات مختلف قسم کے تھے لیکن ان سب کے بنیادی اصول ایک ہی تھے۔ ''بَیِّنٰتِ'' جمع کا صیغہ ہے لیکن ''الۡکِتٰبِ'' مفرد آیا ہے۔

آیت نمبر ۱۸۵

کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّۃَ فَقَدۡ فَازَ ؕ وَمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۱۸۵﴾

ترجمۃ الآیات

ہر کسی کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور قیامت کے دن تمہیں پورے طور پر اجر دیا جائے گا تو جو شخص (جہنم کی) آگ سے دور رکھا گیا اور بہشت میں پہنچا دیا گیا وہ یقیناً کامیاب ہو گیا اور دنیاوی

زندگی تو غریب اور دھو کے کچھ نہیں۔

نکات:

☆ یہ آیت ان انبیا اور مصلحین کو تسلی اور تشفی دے رہی ہے جو کفار کی ایذا رسانی، تکلیف اور تکذیب کا نشانہ بنتے ہیں کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے:

۱۔ سب کو آخر ایک دن مرنا ہے اور کفار کی ہٹ دھرمی عارضی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مشکلات کی برداشت کا صلہ بے کم و کاست عطا فرمائے گا۔

☆ امام صادق علیہ السلام ''کل نفس ذائقة الموت'' کے بارے میں فرماتے ہیں: سب اہل زمین و آسمان مر جائیں گے، صرف ملک الموت، حاملین عرش، جبرائیل اور مکائیل باقی رہ جائیں گے۔ پھر ملک الموت کو مامور کیا جائے گا کہ ان کی روح کو قبض کرے اور پھر وہ خود باقی رہ جائے گا اور خدا تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ مرجا تو وہ بھی مر جائے گا۔ (کافی، ج ۳، ص ۲۵۶)

پیغام:

۱۔ جب موت راستے میں ہے اور ہم تک پہنچنے والی ہے تو پھر حق کو قبول کرنے کے بارے میں اس قدر ہٹ دھرمی اور غرور کا مظاہر کس لیے؟ ''كَذَّبُوْكَ .. كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ''

۲۔ موت ایک عدمی امر نہیں بلکہ ایک وجودی امر ہے، اسے محسوس کیا جا سکتا ہے اور موت، دنیا سے آخرت کی طرف منتقل ہونے کا راستہ ہے۔ ''ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ''

۳۔ جہنم کی طرف لے جانے والے عوامل میں ہر طرح کی کشش ہوتی ہے لہٰذا انسان کو اپنے ایمان اور عمل صالح کے ذریعے اس سے ہر طرح بچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ ''زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ''

۴۔ مکمل سزا و جزا تو آخرت میں ہی ملے گی۔ اس دنیا میں ملنے والی جزا و سزا کی کوئی حیثیت نہیں۔ ''تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۱۸۵''

آیت نمبر ۱۸۶

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ

تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

ترجمۃ الآیات

یقیناً تمہارے مالوں اور جانوں کے بارے میں تمہاری آزمائش کی جائے گی اور تم سے پہلے جو اہل کتاب اور مشرکین ہیں یقیناً ان سے بھی بہت سی دردناک باتیں سننا پڑیں گی، اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو بیشک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

نکات:

☆ جب مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مشرکین نے ان کے مالوں کی لوٹ مار شروع کر دی اور جس مسلمان تک بھی ان کی رسائی ہوئی وہ اسے ایذائیں اور تکلیفیں پہنچاتے۔ ادھر مدینہ میں یہودی لوگ بھی انہیں زبان کے دلخراش زخموں سے چور کرتے رہتے تھے۔ حتی کہ بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی سے مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کے بارے میں غزلیں گاتے یا ان کی ہجو کرتے تھے۔

اس سارے ماجرے کا سرغنہ ''کعب بن اشرف'' نامی ایک شخص تھا، حضرت رسولخدا نے اسے واصل جہنم کرنے کا حکم صادر کیا تھا۔ یہ آیت جہاں مسلمانوں کے دلوں کو تسلی دے رہی ہے وہاں ان سے اس بات کا تقاضا بھی کر رہی ہے کہ ہر قسم کا اقدام صبر اور تقویٰ ہی کے زیر سایہ کرو کہ یہی بڑی ہمت کا کام ہے، اور ان کے ایمان کی پائیداری کا موجب ہے۔

☆ زکوٰۃ کی ادائیگی کو امام رضا علیہ السلام آزمائش در مال قرار دیتے ہیں، جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ آزمائش ایک الٰہی حتمی سنت ہے لہٰذا اس کے لیے ہر وقت تیار رہو۔ ''لَتُبْلَوُنَّ'' (لام اور نون کے حرف کا مشدد ہونا، تاکید اور سنجیدگی پر علامت ہے۔)

۲۔ موت کی یاد اور دنیا کے زود گذر ہونے کا علم ہونا، انسان کیلئے مسائل کو آسان بنا دیتا ہے۔ ''كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط ۔۔۔ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ''

۳۔ آزمائش کے بہترین ذرائع، انسان کا مال و جان ہے۔ ''اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ قف''

۴۔ جان و مال کا خطرہ مول لینے کے علاوہ بھی تیار رہو تا کہ دشمن کی طرف سے مختلف قسم کی بدزبانی، طعنے اور تحقیر آمیز

سلوک برداشت کرسکو۔ ''وَلَتَسۡمَعُنَّ''

۵۔دشمن کی طرف سے تحقیر، بدزبانی، ہجو اور ایذا رسانی، اہل ایمان کے امتحان کے ذرائع میں سے ایک ہے۔'' لَتُبۡلَوُنَّ فِیۡۤ اَمۡوَالِکُمۡ وَ اَنۡفُسِکُمۡ ۟ وَ لَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ مِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا اَذًی کَثِیۡرًا ؕ''

۶۔بعض اوقات مقدس مقصد کے حصول کے لیے سختی کے ہر ایک مرحلے کو بڑے حوصلے سے برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مال کا صدمہ، جان کا صدمہ اور عزت و آبرو کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔'' اَمۡوَالِکُمۡ وَ اَنۡفُسِکُمۡ ۟ وَ لَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ مِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا اَذًی کَثِیۡرًا ؕ''

۷۔مخالفین کی طرف سے زخم زبان کا انتظار رہنا، مسلمانوں کی آمادگی کا موجب ہے۔''لَتَسۡمَعُنَّ ۔۔۔''

۸۔اسلام کے مخالفین مسلمانوں پر ضرب لگانے کی خاطر کبھی ہدف میں ایک ہوتے ہیں اور کبھی طریقہ کار بھی ایک ہی جیسا اپناتے ہیں۔''لَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ مِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا''

۹۔دشمن کم چیز پر قانع نہیں ہوتا۔''اَذًی کَثِیۡرًا ؕ''

۱۰۔صبر و تقویٰ ساتھ ساتھ ہونا، کامیابی کا راز ہے۔کیونکہ ہٹ دھرم افراد میں بھی بغیر تقویٰ کے استقامت ہوتی ہے۔ ''تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا''

۱۱۔صبر و تقویٰ ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔''ذٰلِكَ'' مفرد ہے، جبکہ صبر و تقویٰ دو چیز ہیں لیکن یہ لفظ دونوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

آیت نمبر ۱۸۷

وَ اِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَکۡتُمُوۡنَہٗ ۫ فَنَبَذُوۡہُ وَرَآءَ ظُہُوۡرِہِمۡ وَ اشۡتَرَوۡا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ فَبِئۡسَ مَا یَشۡتَرُوۡنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے اہل کتاب سے وعدہ لیا کہ (کتاب خدا کی آیات کو)

لوگوں کیلئے صاف صاف بیان کرو اور اسے مت چھپاؤ لیکن انہوں نے (ذرا بھی خیال نہ کیا) اس بات کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت حاصل کر لی بس انہوں نے کتنا برا سودا کیا ہے۔

نکات:

☆ امام باقر علیہ السلام اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں: خدا تعالیٰ نے اہل کتاب سے پیمان لیا کہ جو کچھ تورات وانجیل میں حضرت محمدؐ کے بارے میں آیا ہے، لوگوں کیلئے بیان کرو اور اسے نہ چھپاؤ۔ (بحار، ج ۹، ص ۱۹۲؛ تفسیر قمی، ج ۱، ص ۱۲۸۔ (تفسیر راہنما سے نقل ہے۔))

☆ اگر آج کروڑوں کی صورت میں مسیحی، یہودی اور مجوسی پائے جاتے ہیں تو یہ سب ان کے علما کی بے جا خاموشی کی وجہ سے ہے۔ تفسیر اطیب البیان کے مطابق مسیحی اور یہودی دونوں ''عہدوں'' میں ساٹھ سے زیادہ مقامات پر اسلام اور رسول کریمؐ کی بشارت آئی ہے لیکن اہل کتاب کے علما نے ان سب کو نظر انداز کر دیا۔

پیغام:

۱۔ خدا تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کی خاطر علما و دانشوروں سے مخصوص عہد و پیمان لیا ہے۔ ''وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ''

۲۔ حقائق کا بیان ایسا ہونا چاہیے کہ لوگوں کیلئے کوئی ابہام یا کوئی ڈھکی چھپی بات باقی نہ رہے جائے۔ ''لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ''

۳۔ علما کا فریضہ ہے کہ وہ آسمانی کتاب کو لوگوں کیلئے واضح بیان کریں۔ ''لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ''

۴۔ اہل کتاب کے علما کا سکوت مال و مقام تک پہنچنے کیلئے یا اس کو محفوظ کرنے کی خاطر ہوتا ہے۔ ''وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ''

۵۔ سعادت و نجات کیلئے صرف علم ہی کافی نہیں ہے، مال و مقام سے بے اعتنائی اور لا پرواہی بھی ضروری ہے۔ ''اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ''

۶۔ آیات الٰہی کو چھپانے اور ان کا کتمان کرنے کے بدلے میں جو کچھ بھی وصول کیا جائے وہ کم ہے۔ ''وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ''

۷۔ خدا کے وعدے اور اس کے دین پر عمل کرنے کی بہت زیادہ اہمیت ہے، اگر ہم کسی بھی مقام و منصب تک پہنچ جائیں

لیکن اس کے بدلے میں ہم دین کو ہاتھ سے گنوا دیں تو ہم نے سب کچھ ہار دیا۔ ''ثَمَنًا قَلِيْلًا ط فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ ''

آیت نمبر ۱۸۸

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

ترجمۃ الآیات

ان لوگوں کے بارے میں جو اپنے کیے پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جن کاموں کو انجام نہیں دیا ان پر بھی ان کی تعریف کی جائے یہ گمان نہ کرو کہ وہ خدا کے عذاب سے چھٹکارا حاصل کرلیں گے بلکہ ان کیلئے تو دردناک عذاب ہے۔

نکات:

☆ لوگ تین طرح کے ہیں:

۱۔ وہ لوگ جو کام کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں سے اس کی جزا یا شکریہ کے منتظر نہیں رہتے۔ ''لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴿۹﴾ ''(انسان۔۹)

۲۔ دوسرے ایسے لوگ ہیں جو کام اس لیے کرتے ہیں کہ لوگ اس بات کو جان لیں اور ان کی تعریف کریں۔ ''رِئَآءَ النَّاسِ ''(نساء۔۳۸)

۳۔ تیسری قسم کے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے کام بھی کوئی نہیں کیا اور چاہتے ہیں کہ لوگ اس حوالے سے ان کی تعریف کریں۔ ''يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا ۔۔۔''

☆ جن موارد میں غیبت جائز ہے، وہ یہ ہیں کہ کوئی شخص ایسے منصب کا دعویٰ کرے جس کا وہ اہل نہیں ہے، یا ایسی مہارت کا دعویٰ کرے جس کی وہ صلاحیت ہی نہیں رکھتا، یا ایسی ذمہ داری کا بوجھ اٹھائے جس کے بارے میں اسے کچھ معلومات نہیں۔ ''يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا ''

☆ بغیر کسی عمل کے انجام دیے، اپنی تعریف وتوصیف چاہنے کا رواج ختم کرنے کیلئے اسلام نے ہر طرح کی چاپلوسی اور بے جا تعریف کو منع کیا ہے۔

پیغام:

۱۔ اخلاقی برائیاں جیسے عُجب، غرور، لوگوں سے چاپلوسی کا انتظار، ان کی وجہ سے یقینی ہلاکت انسان کا پیچھا کرتی ہے۔ ''يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ''

۲۔ قرآن مجید ہر کسی کے بارے میں اور ہر مقام پر بے بنیاد اور غیر منطقی خیالات اور بے جا تفسیروں اور وضاحتوں کی مخالفت کرتا ہے۔ ''لَا تَحْسَبَنَّ ۔۔۔۔ فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ'' جن آیات کا آغاز ''لَا تَحْسَبَنَّ، لَا يَحْسَبَنَّ اور اَفَحَسِبْتُمْ'' سے ہو رہا ہے وہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ خداوند عالم نہ صرف کردار پر بلکہ انسان کے اچھے برے رجحانات پر بھی جزا دیتا ہے۔ ''وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا ۔۔۔ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ'' سورہ نور کی آیت ۱۹ میں ایسے لوگوں سے دردناک عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے جو معاشرے میں برائی پھیلانے کو پسند کرتے ہیں۔ ''يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ''

۴۔ جس چیز کا خطرہ سب سے زیادہ ہے وہ بے جا تعریف اور حمد کی توقع ہے نہ کہ شکر گذاری اور تعریف کی توقع، کیونکہ حمد میں ایسی تعریف ہوتی ہے جس میں عبادت چھپی ہوتی ہے۔ ''يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا''

۵۔ ممکن ہے کہ گناہگار نادم ہو کر توبہ کرے اور نجات پالے مگر اپنے خیالات میں مغرور آدمی توبہ کا ارادہ بھی نہیں کرتا۔ لہٰذا ایسے افراد کی نجات کی کوئی اُمید نہیں۔ ''تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ''

۶۔ جو لوگ دنیا میں اوہام اور خود پرستی کا شکار ہیں اور ''میں ہوں'' کے زندان میں بند ہو گئے ہیں وہ قیامت میں بھی عذاب الٰہی میں گرفتار ہونگے۔ ''وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑱⑧''

آیت نمبر ۱۸۹

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑱⑨

ترجمۃ الآیات

اور تمام آسمانوں اور زمینوں کی حکومت خدا ہی کے لیے ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

نکات:

☆ کائنات پر خدا تعالیٰ کی حکومت حقیقی ہے اعتباری نہیں ہے کیونکہ ہر چیز کا وجود اور بقا صرف اسی کے دست قدرت میں ہے۔ وہ ایجاد کیلئے فرماتا ہے: ''کُنْ فَیَکُوْنُ﴿۱۱۷﴾ '' (بقرہ۔ ۱۱۷) اور نابود کرنے کیلئے فرماتا ہے اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ﴿۱۶﴾ '' (فاطر۔ ۱۶)

خدا تعالیٰ کی حکومت ہمیشگی اور دائمی ہے لیکن غیر الٰہی حکومتیں عارضی اور چند دنوں سے زیادہ نہیں ہیں۔ ''تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ '' (آل عمران۔ ۱۴۰)۔ جی ہاں! اس طرح کی حقیقی اور دائمی حکومت صرف خدا تعالیٰ پر ہی منحصر ہے۔ ''وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ''

پیغام:

۱۔ قرآن مجید میں جہاں بھی خدا کی حکومت کا تذکرہ ہے وہاں آسمانوں کی حکومت کو زمین کی حکومت سے پہلے بیان کیا گیا ہے اور یہ آسمانوں کی وسعت اور عظمت کی وجہ سے ہے۔ ''مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ''

۲۔ دنیا میں بہت سے ایسے افراد ہیں جنکے پاس حکومت ہے لیکن وہ اپنی خواہشات کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے۔ لیکن خداوند بھی حکومت رکھتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ''مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴿۱۸۹﴾ ''

آیت نمبر ۱۹۰

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴿۱۹۰﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور دن رات کے ادل بدل ہونے میں عقل مندوں کے لیے (خداوند عالم کے علم، رحمت، قدرت، مالکیت اور حکمت و تدبیر کی) نشانیاں ہیں۔

نکات:

☆ ام المومنین جناب عائشہ سے پوچھا گیا کہ رسول کریمؐ کا بہترین یادگار واقعہ جو آپ کو یاد ہو کیا ہے؟ جواب میں آپ

نے کہا: آپؐ کے تمام کام حیران کن تھے لیکن سب سے اہم یہ ہے کہ رسول کریمؐ ایک رات میرے مکان میں آرام فرما رہے تھے، ابھی اچھی طرح ستائے بھی نہیں تھے کہ اپنی جگہ سے اٹھے کپڑے تبدیل کیے وضو کیا اور نماز کیلئے کھڑے ہو گئے پھر اتنا روئے کہ آپؐ کا دامن آنسوؤں سے تر ہو گیا، اس کے بعد سجدہ میں گئے اور اتنا روئے کہ زمین تر ہو گئی۔ صبح جب بلال آیا اور اتنا گریہ فرمانے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ کل رات مجھ پر کچھ آیات نازل ہوئی ہیں اور بعد میں سورہ آل عمران کی آیت ۱۹۰ تا آیت ۱۹۴ قرأت کیں اور فرمایا: بربادی ہو اس شخص کے لیے جو ان آیات کو پڑھے لیکن غور و فکر نہ کرے۔ (تفاسیر کبیر فخر رازی، قرطبی و مراغی)

☆ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: رسول کریمؐ تہجد کی نماز سے پہلے ان آیات کی تلاوت فرماتے تھے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ہمیں بھی ان آیات کو پڑھنا چاہیے۔ (تفسیر کبیر فخر رازی و مجمع البیان)

☆ امام علی علیہ السلام کے صحابی حضرت ''نوف بکالی'' سے منقول ہے کہ ایک رات میں حضرت علیؑ کی خدمت میں تھا، امامؑ بستر سے اٹھے اور ان آیات کی تلاوت فرمائی۔ پھر مجھ سے پوچھا: سو رہے ہو یا جاگ رہے ہو؟ میں نے عرض کی: جاگ رہا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہوں نے دنیا کی آلودگیوں کو قبول نہیں کیا، اور آسمان کی سیر کرتے ہیں۔ (تفسیر نمونہ)

☆ ''اَلْبَابِ'' ''لُبّ'' کی جمع ہے جس کے معنی ایسی خالص عقل ہے جو وہم و خیال سے دور ہو۔

پیغام:

۱۔ کائنات کی خلقت با مقصد ہے۔ ''اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ﴿۱۹۰﴾''

۲۔ کائنات کی پہچان، خداشناسی کا مقدمہ ہے۔ ''خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ''

برگ درختان سبز ، در نظر ہوشیار

ہر ورقش دفتری است ، معرفت کردگار

سبز درختوں کا ہر پتہ عقل مند انسان کیلئے اس کا ہر ورق پروردگار کی معرفت کی کاپی ہے۔

۳۔ دن اور رات کا اختلاف یعنی ان کا آنا جانا اور دنیا کا نظام الاوقات عقلمندوں کے نزدیک اتفاقی نہیں ہے بلکہ ایک باقاعدہ نظام کے تحت ہے۔ ''وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ''

۴۔ قرآن پاک لوگوں کو خلقت میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ ''خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ﴿۱۹۰﴾''

۵۔ جو شخص جتنا زیادہ عقل من ہوگا اتنا ہی زیادہ ان نشانیوں کو جان لے گا۔ ''لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ﴿۱۹۰﴾''

۶۔ رازوں سے پُر خلقت اس میں ایسی ظرافت اور ایسی دقت ہے جیسے سوائے عقلمند افراد کے کوئی سمجھ نہیں سکتا۔

''لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الۡاَلۡبَابِ ﴿١٩٠﴾''

آیت نمبر ۱۹۱

الَّذِيۡنَ يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِهِمۡ وَيَتَفَكَّرُوۡنَ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾

ترجمۃ الآیات

(عقل مند) وہی لوگ ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور اپنے پہلوؤں کے بل خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں (اور خلوص دل سے کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! اس کائنات کو تو نے باطل اور بے مقصد خلق نہیں فرمایا کہ تو (بے فائدہ کاموں سے) پاک و پاکیزہ ہے پس ہمیں (دوزخ کی) آگ کے عذاب سے بچالے۔

نکات:

☆ امام باقر علیہ السلام کی فرمائش کے مطابق، صحیح و سالم افراد نماز کو کھڑے ہو کر اور بیمار لوگ بیٹھ کر، جبکہ مجبور اور ناتوان افراد، پہلو کے بل، ایک کروٹ پر لیٹ کر نماز ادا کریں۔ (تفسیر برہان وراہنما)

پیغام:

۱۔ عقلمندی کی علامت یہ ہے کہ خدا کو ہر حال میں یاد کیا جائے۔ ''لِّاُولِي الۡاَلۡبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِيۡنَ يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِهِمۡ''

۲۔ اہل ذکر اشخاص کو عقل کرنے والے اور اہل تفکر ہونا چاہیے۔ ''الَّذِيۡنَ يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِهِمۡ وَيَتَفَكَّرُوۡنَ''

۳۔ ایمان کی قدر و منزلت غور وفکر کرنے کی بنیاد پر ہے۔ ''يَتَفَكَّرُوۡنَ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِۚ رَبَّنَا مَا

خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ‘‘

۴۔ سارے وجود کے ساتھ ایمان اور اقرار ہونا چاہیے، صرف زبانی اقرار ضروری نہیں ہے۔ ’’يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ۔۔۔‘‘

۵۔ ذکر وفکر کو ایک دوسرے کے ساتھ ہونا چاہیے۔ افسوس ہے کہ بعض لوگ ذکر کہتے ہیں لیکن فکر نہیں کرتے، کچھ ایسے ہیں کہ فکر کرتے ہیں لیکن اہل ذکر نہیں ہیں۔ ’’يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ ‘‘

۶۔ جو چیز قرب الٰہی کے بڑھنے کا باعث بنتی ہے وہ مسلسل ذکر وفکر کرنا ہے، وقتی اور تسلسل کے بغیر وقفے وقفے سے ذکر و فکر کرنے سے نہیں۔ ’’يَذْكُرُوْنَ اور يَتَفَكَّرُوْنَ ‘‘فعل مضارع ہیں اور اس میں تسلسل واستمرار کے معنی پائے جاتے ہیں۔

۷۔ طبیعی چیزوں کو حسی طور پر جان لینا کافی نہیں ہے بلکہ اس بارے میں تعقل وتفکر بھی ضروری ہے۔ ’’يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ‘‘

۸۔ جو کوئی آسمانوں اور زمین کی خلقت کے بارے میں غور وفکر کرتا ہے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچ کر رہتا ہے کہ اس ہستی کا خالق ہمارا پروردگار ہی ہے۔ ’’يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا ‘‘

۹۔ یہ خلقت بیہودہ نہیں ہے، چاہے ہم اس کے تمام اسرار و رموز کو نہ پاسکیں۔ ’’مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ ‘‘

۱۰۔ پہلے غور وفکر بعد میں ایمان، عرفان اور دعا ومناجات ہیں۔ ’’يَتَفَكَّرُوْنَ ۔۔ رَبَّنَا ۔۔ فَقِنَا ‘‘

۱۱۔ اگر یہ کائنات بیہودہ و باطل نہیں ہے تو ہم بھی اپنی زندگی کو بیہودہ اور باطل نہ گذاریں۔ ’’مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ ‘‘

۱۲۔ اس کائنات کا کوئی مقصد اور ہدف ہے۔ ہم بھی اسی مقصد کے پیچھے ہیں اور جتنا مقصد الٰہی سے دور ہوتے جائیں گے، اتنا ہی دوزخ کے قریب ہوتے چلے جائیں گے پس ہمیں چاہیے کہ ابھی سے اپنے مقصد کی طرف لوٹ آئیں۔ ’’فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ ‘‘

۱۳۔ دعا سے پہلے خدا تعالیٰ کی حمد وستائش کرنا چاہیے۔ ’’سُبْحٰنَكَ فَقِنَا ۔۔۔‘‘

۱۴۔ عقل وخرد کا پھل اور اولوا الالباب (عقلمند) ہونے کا نتیجہ قیامت سے ڈرنا ہے۔ ’’اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔۔۔ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ ‘‘

آیت نمبر ۱۹۲

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ

اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾

ترجمۃ الآیات

اے ہمارے پروردگار! جس کو بھی تو (اس کے برے اعمال کی وجہ سے) جہنم میں بھیجے گا پس تو نے اس کو رسوا اور خوار کر دیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

نکات:

☆ ''وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾'' کے بارے امام باقر علیہ السلام سے سوال کیا گیا، آپؑ نے فرمایا: یعنی ان کے امام نہیں ہیں تاکہ ان کا نام لے کر پکاریں (اور ان کی شفاعت کریں۔) (تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۲۱۱)

پیغام:

۱۔ قیامت کے دن دوزخ کی آگ کا عذاب بہت سخت ہے لیکن عقلمندوں کیلئے، جو انسانی کرامت کو پسند کرتے ہیں، ان کیلئے رسوائی اور ذلت کا عذاب اس سے کہیں زیادہ دردناک ہوگا۔ ''مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ''

۲۔ ظالم لوگ دوسرے لوگوں کی شفاعت کیے جانے سے محروم رہیں گے۔ ''مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾''

آیت نمبر ۱۹۳

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۚ﴿۱۹۳﴾

ترجمۃ الآیات

اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم نے ایمان کی طرف دعوت دینے والے (نبی) کو سنا کہ (وہ پکار رہے تھے) اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے رب! پس تو

ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری برائیاں ہم سے روک لے اور ہمیں نیکو کاروں کے ساتھ موت دے۔

نکات:

☆ شاید ''ذُنُوۡبَ'' سے مراد گناہ کبیرہ ہوں اور ''سَیِّاٰتِ'' سے مراد گناہان صغیرہ ہوں، جس طرح آیت شریفہ ''اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبَآئِرَ مَا تُنۡہَوۡنَ عَنۡہُ نُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ ۔۔۔'' (نساء۔۳۱) میں ''سیئات'' کو ''کبائر'' کے مقابل میں بیان کیا گیا ہے اور ممکن ہے کہ یہاں ''سیئات'' سے مراد گناہ کے آثار ہوں۔

☆ ان عقل مندوں کے مقابلے میں جو ایمان کی دعوت کو قبول کرتے ہیں، ''سَمِعۡنَا'' کہتے ہیں، کچھ ایسے بھی ہیں جو اس دعوت پر کوئی توجہ نہیں دیتے اور قیامت میں اپنی پوری حسرت سے یہ کہیں گے، ''لَوۡ کُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا کُنَّا فِیۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ ۝۱۰'' یعنی اے کاش ہم سنتے اور سمجھتے۔ (ملک۔۱۰)

پیغام:

۱۔ عقل مند حق بات قبول کرنے پر تیار ہیں، وہ فطرت کی دعوت پر لبیک کہنے کے ساتھ ساتھ انبیا کی دعوت، علما کی دعوت اور شہدا کی پکار کا جواب بھی دیتے ہیں۔ ''اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیۡ لِلۡاِیۡمَانِ ۔۔۔''

۲۔ استغفار اور اقرار کرنا عقل مندی کی علامت ہے۔ ''اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۔۔۔ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا''

۳۔ آداب دعا میں سے ربوبیت الٰہی کی طرف توجہ کرنا ہے کہ جس سے انسان کیلئے الٰہی عفو و بخشش کی بنیاد فراہم ہوتی ہے۔ ''رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا''

۴۔ ایمان، مغفرت الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ ''فَاٰمَنَّا ٭ۖ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا''

۵۔ دوسروں کو اپنی دعاؤں میں شریک کریں۔ ''فَاغۡفِرۡ لَنَا''

۶۔ پردہ پوشی اور عفو و درگذر، شان ربوبیت اور تربیت کے طریقہ کار میں سے ہے۔ ''رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَ کَفِّرۡ عَنَّا''

۷۔ مرنا اور انسان کی موت سب الٰہی ارادے کے ساتھ ہے۔ ''تَوَفَّنَا''

۸۔ عقل مند اور دور اندیش لوگ، بڑوں کے ساتھ اپنی موت کی تمنا کرتے ہیں۔ ''تَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ۝۱۹۳''

۹۔ بڑے اور نیک لوگوں کا ایسا مقام ہوتا ہے جسے حاصل کرنے کے لیے عقل مند لوگ خواہش کرتے ہیں۔ ''اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۔۔۔ تَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ۝۱۹۳''

آیت نمبر ۱۹۴

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ﴿۱۹۴﴾

ترجمۃ الآیات

(عقل مند کہتے ہیں) اے ہمارے رب جس چیز کا تو نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے ہم سے وعدہ کیا ہے وہ ہمیں عطا فرما اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کر کہ بے شک تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

نکات:

☆ ان چند آیات میں خداوند عالم، عقل مندوں اور صاحب بصیرت کے راستے کو اس طرح واضح کرتا ہے کہ یاد خدا، غور و فکر، علم و حکمت تک رسائی انبیا کی اطاعت، استغفار، اچھی موت، لطف الٰہی کے حصول کی خواہش اور ذلت و خواری سے نجات ضروری ہے۔

☆ پچھلی آیات میں عقل مندوں کے خدا اور قیامت پر ایمان کی بات تھی اور اس آیت میں انبیا پر ایمان لانے کی بات بھی سامنے لائی گئی ہے۔ ''مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ''

☆ صاحب بصیرت لوگوں کی بات میں ''ربنا'' کا تکرار اس بات کی دلیل ہے کہ وہ الٰہی ربوبیت پر یقین رکھتے ہیں۔

☆ صاحب بصیرت لوگ، دنیا میں بھی عزت چاہتے ہیں اور آخرت میں بھی عزت کے طلبگار رہتے ہیں۔ ''اٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ'' کا جملہ دنیا سے متعلق ہے جس مدد کا وعدہ خدا تعالیٰ نے اہل حق کیلئے کیا ہے۔ ''اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا'' (غافر۔۵۱) اور ''وَلَا تُخۡزِنَا'' ان جملوں کا تعلق آخرت میں عزت سے ہے۔

پیغام:

۱۔ وعدہ کو پورا کرنا پروردگار کی شان میں سے ہے۔ ''رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا''

۲۔ اگرچہ خدا تعالیٰ اپنے وعدوں کو وفا کرتا ہے لیکن ہم بھی ضرور دعا کریں۔''

۳۔ عقل مند افراد تمام انبیا اور خدا کے تمام وعدوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ ''مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ''

۴۔ عقل مندوں کی آخری تمنا قیامت میں الطاف الٰہی کا حصول اور ذلت و خواری سے نجات ہے۔ ''مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی

رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ ''

۵۔خوف اور اُمید ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ہونا چاہیے۔''اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا ''

آیت نمبر ۱۹۵

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ۱۹۵

ترجمۃ الآیات

پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی (اور فرمایا) میں تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو مرد ہو یا عورت اکارت نہیں کرتا۔(اس میں کسی کو کچھ خصوصیت حاصل نہیں کیونکہ) تم ایک دوسرے (کی جنس) سے ہو، پس جو لوگ ہمارے لیے وطن سے آوارہ ہوئے اور شہر بدر کیے گئے، انھوں نے ہماری راہ میں تکلیفیں اٹھائیں اور (کفار سے) جنگ کی اور شہید ہوئے تو میں ان کی برائیوں سے ضرور درگذر کروں گا اور انہیں بہشت کے ان باغوں میں لے جاؤں گا، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں یہ خدا کے ہاں سے ان کے کیے کا بدلہ ہے اور خدا (ایسا ہی ہے کہ اس) کے یہاں تو اچھا ہی بدلہ ہے۔

پیغام:

ا۔دل سے نکلی ہوئی دعا یقینی طور پر قبول ہوتی ہے۔وہ دعا جو خدا کے دائمی ذکر ''یَذْكُرُوْنَ'' فکر ''یَتَفَكَّرُوْنَ'' اور حمد خدا تعالیٰ ''سبحانک'' کے ساتھ ہو ،اس کی قبولیت یقینی ہے۔''فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ ''

٢۔اہل ذکر وفکر لوگوں کی دعا، جلد قبول ہوتی ہے۔ ''فَاسۡتَجَابَ''

٣۔دعا کی قبولیت، الٰہی ربوبیت کے جلوؤں میں سے ایک ہے۔ ''فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ''

٤۔الٰہی نظریہ کائنات میں کوئی عمل بغیر جزا کے باقی نہیں رہتا۔ ''لَاۤ اُضِيۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ''

٥۔ایسی دعا قبول کی جاتی ہے جو دعا کرنے والے کے عمل اور کوشش کے ہمراہ ہو، جبکہ خود دعا بھی ایک قسم کا عمل ہے۔'' فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ ---لَاۤ اُضِيۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ''

٦۔عمل اور عمل کرنے والے ہر دو پر توجہ دی گئی ہے۔ حُسن فعلی (کام کا اچھا ہونا) اور حُسن فاعلی (کام کرنے والے کا اچھا ہونا) دونوں مدنظر ہیں۔ ''لَاۤ اُضِيۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ''

٧۔صرف صاحب ایمان افراد کے عمل کی جزا دی جائے گی۔ کیونکہ کفار کے اعمال بے قدر و قیمت اور تباہ و برباد ہیں۔ ''عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ''

٨۔خدائی نظریہ میں انسانیت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچنے میں عورت اور مرد برابر ہیں اور خدا کے نزدیک دونوں کا مقام ایک جیسا ہے۔ ''مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى‌ ‌ۚ''

٩۔مرد کی جنس عورت سے برتر نہیں ہے۔ ''مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى‌ ‌ۚ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ‌ ۚ''

١٠۔اسلامی معاشرہ میں تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ ''بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ‌ ۚ''

١١۔جب تک گناہ اور عیب پاک نہ ہونگے، کوئی بہشت میں داخل نہ ہوسکے گا۔ ''لَاُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّهُمۡ''

١٢۔خدا کی راہ میں ہجرت، جہاد، دربدری اور تکلیفیں اٹھانا، خداوند عالم کی طرف سے عفو اور بخشش کا ذریعہ ہیں۔'' هَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِىۡ وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا لَاُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ ---''

١٣۔وطن سے محبت کو قرآن پاک کی طرف سے بھی قبول کیا گیا ہے اور یہ ایک حق ہے، اسے چھیننا ظلم ہے۔ ''اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ''

١٤۔خدائی راستے پر چلنے کے لیے ہجرت، دربدری، اذیتیں، جہاد اور شہادت، لازمی ہیں۔ ''فِىۡ سَبِيۡلِىۡ''

١٥۔بعض غلطیوں کی بنا پر لوگوں کو اپنے سے دور مت کرو۔ اس آیت میں مذکوران عقلمندوں کی سابقہ غلطیاں تو تھیں لیکن اب وہ اولیائے خدا اور اہل بہشت ہیں کہ خدا ان کی غلطیوں سے درگذر فرماتا ہے اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ ''لَاُكَفِّرَنَّ''

١٦۔خدا تعالیٰ کی مخصوص عنایت اور توجہ عقلمند مومنین کے لیے ہے۔ ''لَاۤ اُضِيۡعُ ... لَاُكَفِّرَنَّ ... لَاُدۡخِلَنَّ ---'' یہ تمام فعل واحد متکلم کے صیغے کے ساتھ آئے ہیں۔ اس کے علاوہ ''ربهم'' کا کلمہ عقلمندوں کیلئے خدا تعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔

١٧۔اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں ذرہ بھر بھی شک وتردید کی گنجائش نہیں ہے۔ تمام وعدے تاکید کے ساتھ بیان ہوئے

ہیں۔''اَنِّیْ۔۔۔لَاُكَفِّرَنَّ۔۔۔لَاُدْخِلَنَّ''

۱۸۔ ہر جزا اور انعام، ممکن ہے جگہ اور وقت کے تبدیل ہونے سے اپنی قدر و قیمت کھو دے لیکن خدا تعالیٰ کا انعام انسان کی فطرت اور خلقت کے مطابق ہے لہٰذا کبھی بھی اس کی قدر و قیمت اور اہمیت میں کمی واقع نہ ہوگی۔''جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ۔۔۔''

۱۹۔بہشتی نہریں، درختوں کے نیچے سے بھی جاری ہیں،''جنات تجری من تحتہا''اور بہشتیوں کی رہائش کے نیچے سے بھی جاری ہیں۔''مِنْ تَحْتِهَا''

۲۰۔مغفرت اور جنت ایک عام ثواب ہے۔لیکن جو ثواب خدا کے لطف اور مومنین کی شان کے مطابق ہے وہ اور ہے کہ جس کا صرف خدا تعالیٰ کو علم ہے اور ہم اس سے بے خبر ہیں۔''وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ﴿۱۹۵﴾''

۲۱۔لوگوں کیلئے خدا تعالیٰ کی طرف سے دی جانے والی جزا کو پوری طرح سے بیان نہیں کیا جا سکتا، بس اتنا جان لیں کہ ہر جزا پہلے سے بہتر ہے۔''وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ﴿۱۹۵﴾''

۲۲۔الٰہی انعامات، مختلف قسم کی کرامت کے ہمراہ ہے۔''وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ﴿۱۹۵﴾''

آیت نمبر ۱۹۶۔۱۹۷

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

ترجمۃ الآیات

شہروں میں کفار کی آمد و رفت تجھے دھوکے میں نہ ڈالے۔

(یہ آمد و رفت) بہت تھوڑا فائدہ ہے پھر ان کا ابدی ٹھکانا دوزخ ہے جو بہت برا ٹھکانا ہے۔

نکات:

☆ مکہ کے مشرکین اور مدینہ کے یہودیوں کے پاس تجارتی سفروں کیلئے بہت سارا سامان تھا۔جبکہ مسلمانوں کے پاس کوئی سامان نہ تھا، مدینہ سے ہجرت، مال و دولت اور مکہ کی زندگی کو ہاتھ سے دینے، اقتصادی پابندیوں اور محاصرہ کی وجہ سے مشکل اور سختی میں زندگی گذار رہے تھے۔اس آیت میں خدا تعالیٰ نے انہیں تسلی دی ہے۔(کہ یہ حالات وقتی ہیں اور جلد گذر جانے

والے ہیں۔)

☆ ایک روایت میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ "ما خیر بخیر بعدھا النار" (بحار، ج ٨، ص ١٩٩) ۔جس نیکی اور خوشی کے پیچھے پیچھے آگ آئے، اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مختصر وقت کی لذتیں اور ابدی عذاب کافروں کیلئے ہے، لیکن وقتی سختیاں اور ابدی آسائشیں اور آرام مومنین کیلئے ہے۔

پیغام:

١۔ انبیا کو بھی خبردار کیا جاتا ہے تاکہ وہ کسی کے تحت تاثیر نہ آجائیں۔ "لَا یَغُرَّنَّکَ"

٢۔ دشمن کی طرف سے سیاسی، معاشی، فوجی وفود کی آمد و رفت، جلسوں، میٹینگز اور انٹرویوز کرنے سے، آپ دھوکے میں نہ آجانا۔ "لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا"

٣۔ مادی کامیابیاں جس قدر بھی ہوں، محدود اور ناکافی ہوتی ہیں۔ "مَتَاعٌ قَلِیْلٌ"

۴۔ کافروں کی کامیابیاں، ان کی حقانیت اور محبوبیت کی علامت نہیں ہیں۔ "مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ"

آیت نمبر ١٩٨

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾

ترجمۃ الآیات

لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرے ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ہمیشہ کیلئے ان میں رہیں گے۔ یہ خداوند کریم کی طرف سے ان کی سب سے پہلی میزبانی ہوگی اور جو چیز خدا کے ہاں ہے وہ نیکوکاروں کے لیے سب سے بہتر ہے۔

نکات:

☆ "نُزُل" وہ پہلی چیز ہوتی ہے جس کے ساتھ مہمانوں کی پذیرائی کی جاتی ہے۔ گویا خدا تعالیٰ اس تعبیر کے ساتھ یہ

فرما رہا ہے کہ کفار کی تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے تم ایمان وتقویٰ کو ہاتھ سے نہ جانے دینا کیونکہ جنت کے باغ تمہاری ابتدائی پذیرائی کیلئے ہیں۔

پیغام:

۱۔ دنیا کی نعمتیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں بے قدر وقیمت ہیں۔ ''مَتَاعٌ قَلِيۡلٌ ۔۔۔۔ عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ''

۲۔ تقویٰ کی حفاظت کے ساتھ اور آخرت کے منافع کو مدنظر رکھتے ہوئے، دنیا حاصل کرنے کیلئے کوشش کرنے اور رفت وآمد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ''لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِى الۡبِلَادِ ؕ‏ ﴿۱۹۶﴾ ۔۔۔ لٰكِنِ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا''

۳۔ جنت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں پر توجہ موجب بنتی ہے کہ تقویٰ میں اضافہ ہو اور دنیا کے مختصر فائدوں کی طرف سے بے توجہی پیدا ہو جاتی ہے۔ ''اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ لَهُمۡ جَنّٰتٌ''

۴۔ ابرار کا مقام متقین سے بالاتر ہے۔ ''اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ لَهُمۡ جَنّٰتٌ ۔۔ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ لِّلۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۸﴾''

آیت نمبر ۱۹۹

وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ خٰشِعِيۡنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشۡتَرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور بے شک اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو خدا پر اور جو چیز تم پر نازل ہوئی اور جو چیز خود ان پر نازل ہوئی ہے دونوں پر خلوص دل سے ایمان رکھتے ہیں، خدا کے آگے سر جھکاتے ہیں اور خدا کی آیات کے بدلے تھوڑی سی قیمت بھی نہیں لیتے تو ایسے ہی لوگوں کے واسطے ان کے رب کے ہاں اچھا بدلہ ہے بے شک خدا بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

نکات:

☆ بعض مفسرین اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ آیت اہل کتاب کے بعض افراد کے بارے نازل ہوئی ہے جو اسلام کی طرف مایل ہوئے۔ وہ اہل نجران میں سے چار لوگ، بتیس لوگ حبشہ سے اور آٹھ لوگ روم سے تھے۔ (تفسیر مجمع البیان و کبیر فخر رازی)

لیکن کچھ دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے بارے میں ہے جو سن نو ہجری ماہ رجب میں وفات پا گیا۔ جب حضور پاک گو خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: حجاز سے باہر آپ لوگوں کے بھائیوں میں سے ایک کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ تیار ہو جائیں کہ اس کی خدمات کے بدلے میں اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا: وہ نجاشی ہے۔ اس کے بعد سب مسلمان رسولخداؐ کے ہمراہ قبرستان بقیع میں گئے اور اس کیلئے نماز جنازہ ادا کی۔ (تفسیر درالمنثور)

پیغام:

ا۔ ہر جگہ انصاف کی رعایت کرنی چاہیے اور اہل کتاب میں سے اچھے لوگوں کی تعریف کرنی چاہیے۔ ''وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ يُّؤۡمِنُ ۔۔۔''

۲۔ ہر مکتب میں وقت کے ساتھ ساتھ کچھ چیزیں کم اور بعض کا اضافہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی گروہ ایمان نہیں لاتا اور حقائق کو چھپاتا ہے تو اس کے بدلے میں کوئی دوسرا گروہ خضوع وخشوع کے ساتھ ایمان لاتا ہے۔ ''اِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ يُّؤۡمِنُ''

۳۔ ایسا ایمان اہمیت رکھتا ہے جو خاشعانہ ہو، ''خٰشِعِيۡنَ'' اس میں جامعیت پائی جاتی ہو، ''مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ'' پائیدار و مستحکم ہو، مادی مسائل کی وجہ سے تبدیل نہ ہو جائے۔ ''لَا يَشۡتَرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ''

۴۔ دین فروشی کے بدلے میں جو بھی قیمت ادا کی جائے، کم اور ناچیز ہے۔ '' لَا يَشۡتَرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ''

آیت نمبر ۲۰۰

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝٢٠٠

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! (مشکلوں اور خواہشوں کے سامنے) پائیداری دکھاؤ (دشمنوں کے مقابلے

میں) ڈٹ جاؤ، (دوسروں کو صبر کی دعوت دو۔) سرحدوں کی حفاظت کرو اور خدا ہی سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو۔

نکات:

☆ یہ آیت مختلف قسم کے حادثات اور مشکلات میں صبر کرنے کے چند مرحلے بیان کر رہی ہے:

ا۔ اپنی ذاتی مشکلات اور خواہشوں میں صبر کرو۔ ''اصْبِرُوْا''

۲۔ کفار کی طرف سے آنے والے دباؤ کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرو۔ ''صَابِرُوْا''

۳۔ جغرافیائی سرحدوں کی دشمن کے حملے سے حفاظت کرنے کیلئے اور اعتقادی وفکری حدوں کی حفاظت کیلئے صبر سے کام لیں اور علمی بحثیں کریں، قلبی حدوں کو وسوسوں کے حملوں سے بچائیں۔ ''رَابِطُوْا''

☆ ''رَابِطُوْا'' کا کلمہ ''رباط'' کے مادہ سے ہے، جس کے معنی کسی چیز کا ایک مقام پر جم جانا ہے۔ کاروان سرا کو رُباط بھی اسی سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں قافلے آکر ٹھہرتے ہیں۔ اپنا مال تجارت، گھوڑے اور اونٹ وسواری کو ٹھہراتے ہیں۔ اسی طرح اس دل کو رباط کہا جاتا ہے جس کا خدا تعالیٰ سے اور اس کے لطف وکرم سے گہرا رابطہ ہو۔ ارتباط، مربوط اور رباط کا ایک ہی مادہ ہے۔

☆ روایات میں ''رَابِطُوْا'' نماز قائم کرنے کیلئے انتظار کرنے کو کہا گیا ہے۔ (تفسیر مجمع البیان)۔ گویا مسلمانوں کا جو رابطہ نماز کے ساتھ ہے اسے وہ دل وجان کے ساتھ گہرا کر رہے ہوتے ہیں۔

☆ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اصبروا علی الفرائض'' واجبات کی ادائیگی پر صبر کرو۔

''صابروا علی المصائب'' مشکلات کے مقابلہ میں صبر کرو۔

''ورابطوا علی الائمۃ'' اپنے راہبرین کا دفاع کرو۔ (کافی، ج ۲، ص ۸۱)

☆ رسولخداؐ فرماتے ہیں: ''اصبروا علی الصلوات الخمس و صابروا علی قتال عدو کم بالسیف و رابطوا فی سبیل اللہ لعلکم تفلحون'' نماز پنجگانہ پر پائیداری کرو، تلوار کے ہمراہ دشمن کے ساتھ جہاد کرو، اللہ کی راہ میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے رہو، ہم آہنگ رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (درالمنثور، ج ۲، ص ۴۱۸)

پیغام:

ا۔ ایمان کے سایہ میں کمالات تک پہنچا جا سکتا ہے۔ ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا ---''

۲۔ جب تک اپنی ذاتی مشکلات میں صابر نہ ہو، اس وقت تک دین کے دشمنوں کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتے۔ پہلے''

اصۡبِرُوۡا ‘‘ پھر’’صَابِرُوۡا ‘‘

۳۔ دوسروں سے پیچھے نہ رہ جانا۔ اگر کفار اپنے کفر پر ڈٹ جاتے ہیں، قتل ہوجاتے ہیں، مال خرچ کرتے ہیں تو آپ لوگ بھی راہ خدا میں جان و مال کے ساتھ استقامت و پائیداری کرو۔’’صَابِرُوۡا ‘‘

۴۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ایک دوسرے کی مشکلات کو برداشت کریں اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کریں۔’’ صَابِرُوۡا ‘‘

۵۔ اسلام رابطے کا دین ہے۔ عوام سے رابطہ، خدا و پیغمبر سے رابطہ۔’’رَابِطُوۡا ‘‘

۶۔ صبر کرنا، صبر کی تلقین کرنا اور رابطہ رکھنا، کسی مقصد کے تحت ہونا چاہیے، اور تقویٰ و رضائے الٰہی کے راستے میں ہونا چاہیے۔ ورنہ یہ سب امور ایسے ہیں جن پر کفار بھی خوب عمل کرتے ہیں۔’’صَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ‘‘

۷۔ دین اسلام میں جامعیت ہے، صبر و تقویٰ کے ساتھ ساتھ سرحدوں کی حفاظت پر بھی توجہ ہے۔’’ اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ‘‘

۸۔ تقویٰ، ایمان سے بلند تر مرتبہ کا نام ہے۔’’اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ۟ وَاتَّقُوۡا ‘‘

۹۔ سعادت و کامیابی تک پہنچنے کا ذریعہ صبر ہے۔’’لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۰۰﴾ ‘‘

’’وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

❁❁❁❁❁